

ضیائی

مکتبہ اسلامیہ

پیشانی قرآن مجید کی روشنی
لاہور - کراچی - پاکستان

بازار

مکتبہ اسلامیہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ضیاء النبی

پیر محمد کرم شاہ الانہری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
گنج بخش روڈ، لاہور



رضی اللہ عنہ
رضی اللہ عنہ



ضیاء النبی

جلد چہارم

غزوہ خندق، فریضہ حج، غزوہ حدیبیہ، غزوہ خیبر، غزوہ موت،
غزوہ فتح مکہ، غزوہ حنین، غزوہ تبوک، قبائل عرب کے وفود
کی آمد، حجۃ الوداع، وفات شریف، سقیفہ بنی ساعدہ اور
بیعت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پیر محمد کرم شاہ الانہری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

گنج بخش روڈ، لاہور

جملہ حقوق محفوظ

ضیاء النبی ﷺ (جلد چہارم)	نام کتاب
پیر محمد کرم شاہ الازہری	مصنف
سجادہ نشین آستانہ عالیہ امیریہ، بحیرہ شریف	
پرنسپل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بحیرہ	
جج سپریم کورٹ آف پاکستان	
الفاروق کمپیوٹرز، لاہور	کمپیوٹرنگ
پانچ ہزار	تعداد
ربیع الاول 1420 ہجری	تاریخ اشاعت
بار دوم	ایڈیشن
تخلیق مرکز پرنٹرز، لاہور	طابع
محمد حفیظ البرکات شاہ	ناشر
ضیاء القرآن پبلی کیشنز، جیٹ روڈ، لاہور۔	

فہرست مضامین

غزوہ خندق

23

25

30

32

37

40

49

55

56

57

58

60

65

67

69

72

73

75

77

78

79

79

81

غزوہ احزاب کی چند امتیازی خصوصیات

ابوسفیان کا حضور نبی مکرم ﷺ کے نام خط

حضور نبی اکرم ﷺ کا جوابی مکتوب

خندق کی کھدائی، فائدہ کشی اور برکات الہی کا ظہور

الشکر کفار کی آمد اور ان کا پڑاؤ

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی بہادری

شہداء خندق کے اسماء گرامی

مقتولین کفار

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

غزوہ خندق کے دور رس اثرات

غزوہ بنو قریظہ

ابولہبابہ اور ان کی توبہ

یسودی مردوں کا قتل

بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کرنے پر اعتراض

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طرز عمل

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات

غزوہ خندق اور غزوہ قریظہ کے متعلق شرعی احکام

تقسیم غنائم

دیگر شرعی احکام

5 ہجری میں ظہور پذیر ہونے والے دوسرے واقعات کا مختصرہ تذکرہ

ابورافع سلام بن ابی اھنہ کا عبرت ناک انجام

خالد بن سفیان ابن نجع الہذلی

- 83 حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو شرف زوجیت
- 93 حضرت ام حبیبہ مشکوئے نبوت میں
- 95 چند دوسرے واقعات جو 5 ہجری میں وقوع پذیر ہوئے
- 96 وفد بلال بن حارث کی آمد
- 96 زلزلہ
- 96 گھڑ دوڑ
- 97 فرضیت حج
- 98 چاند گرہن
- 99 ہجرت کا چھٹا سال
- 101 اس سال میں پیش آنے والے اہم واقعات
- 101 غزوہ بنی لحيان
- 103 غزوہ یزید بن قریظہ وغزوہ الغابہ
- 109 ایک دلچسپ واقعہ
- 110 سر یہ محمد بن مسلمہ الاشہلی
- 112 سر یہ عکاشہ بن محصن الاسدی
- 113 سر یہ محمد بن مسلمہ
- 113 سر یہ ابی عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 114 سر یہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 114 سر یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 117 سر یہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 117 سر یہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ طرف کی جانب
- 117 سر یہ کرز بن جابر
- 119 سر یہ سیدہ علیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 120 سر یہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام قریظہ کی طرف
- 121 ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات

- 125 غزوہ حدیبیہ
- 127 تاریخی پس منظر
- 132 حمار وحشی کا شکار
- 133 ہدیہ بنی نمد
- 133 ہدیہ ایماء بن ریحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 133 کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 134 ایک منافق کا انجام
- 135 حدیبیہ میں حضور کا قیام
- 135 اہل مکہ کی تشویش اور باہمی مذاکرات
- 140 بیعت رضوان کا پس منظر
- 160 ابو بصیر کی مدینہ طیبہ آمد
- 164 شجرہ بیعت
- 167 سال ششم میں جوئے شرعی احکام نافذ ہوئے
- 167 فرضیت حج
- 170 حکم ظہار
- 171 حرمت شراب کا حکم
- 174 مسلم خواتین، مشرکین پر حرام قرار دے دی گئیں
- 175 مومن مردوں کے لئے مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت
- 177 ہجرت کا سال ہفتم
- 179 اسلام کی فتح مند یوں کا عہد زریں
- 180 شاہان عالم کو دعوت اسلام
- 181 مکتوب گرامی بنام نجاشی بادشاہ حبشہ
- 185 مکتوب گرامی بنام قیصر روم
- 193 مکتوب گرامی کی تعظیم و تکریم

- 197 مکتوب گرامی کی تعظیم و تکریم
- 198 مکتوب گرامی بنام مقوقس شاہ مصر
- 202 مکتوب گرامی بنام حارث بن ابی شمر الغسانی
- 204 محبوب رب العالمین کا گرامی نامہ شہنشاہ ایران خسرو پرویز کے نام
- 211 غزوہ خیبر
- 213 غزوہ خیبر کا پس منظر
- 217 غزوہ خیبر کی تاریخ
- 221 حدود خیبر میں داخل ہوتے وقت حضور کی دعا
- 222 خیبر میں داخلہ
- 224 حضرت حباب کا دانشمندانہ مشورہ
- 226 فتح خیبر کے لئے سرور عالم کی جنگی حکمت عملی
- 226 خیبر کا محل وقوع
- 227 حصون خیبر
- 227 جنگ کا آغاز
- 228 خیبر کا قلعہ نام جو حضرت علی کے ہاتھوں فتح ہوا
- 233 ایک سیاہ فام غلام کا اسلام قبول کرنا
- 234 محمود بن مسلمہ کی شہادت
- 235 حصن صعب
- 238 حصن قلۃ الزبیر
- 240 شوق کے قلعوں کی فتح
- 240 حصن انقی
- 241 حصن برقی
- 241 حصون کتبہ
- 241 حصن القمص
- 242 حصن وطیح و سلام

- 243 جیسی بن اخطب کے خزانہ کے بارے میں مزید استفسار
- 244 صفیہ بن جیسی کا اسلام لانا
- 246 حضرت ابو ایوب انصاری کی پاسبانی
- 246 زینب یسویہ کی سازش
- 247 صحائف تورات
- 248 معرکہ خیبر میں مسلم خواتین کی شرکت
- 249 مال غنیمت کی تقسیم
- 250 زرعی زمینوں کا انتظام
- 252 یہودیوں کے ساتھ بے لاگ عدل و انصاف
- 252 شہداء خیبر
- 252 مشرکین مکہ کا شرط بدنا
- 253 حجاج بن علاط کا دلچسپ واقعہ
- 256 حضرت جعفر بن ابی طالب اور آپ کے رفقاء کی حبشہ سے واپسی
- 259 حضرت ابو ہریرہ اور آپ کے قبیلہ بنی دوس کی آمد
- 259 عیینہ بن حصن اور بنو فزارہ کی آمد
- 260 غزوہ خیبر میں جن شرعی احکام کا نفاذ ہوا
- 261 اموال غنیمت میں خیانت کی ممانعت
- 263 دیگر شرعی احکام
- 263 گدھوں کی حرمت کا حکم
- 265 مزارعت کا جواز
- 266 متعہ کی حرمت کا اعلان
- 267 متعہ کیا ہے؟
- 269 متعہ کے جواز کے دلائل
- 270 متعہ کی حرمت کے دلائل
- 274 اہل فذک کے ساتھ معاہدہ صلح

- 276 اراضی فدک کی آمدنی اور اس کی تقسیم
- 296 دلائل النبوة (معجزات)
- 297 غزوہ وادی القریٰ
- 300 حواء
- 301 جزیرہ
- 308 شاطئ جزیرہ
- 310 جزیرہ کی اصل وجہ
- 316 موجودہ دور میں جزیرہ کی حیثیت
- 316 جزیرہ وصول کرنے میں نرمی
- 317 غروب کے بعد رجوع آفتاب
- 318 نماز صبح کا قضاء ہونا
- 319 نماز صبح کے قضاء ہونے میں حکمت
- 320 مدینہ طیبہ واپسی
- 321 حضور ﷺ کی ایک اہم ہدایت
- 322 صحابہؓ کی یہ چشمی
- 323 غزوہ خیبر کے بعد جنسی مصمت
- 323 سر یہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 324 سر یہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 324 سر یہ عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 325 سر یہ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 326 سر یہ غائب بن عبد اللہ المثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 326 سر یہ بشیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت دوسرا یہ
- 327 سر یہ بنی حدرہ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 329 سر یہ حضرت عبد اللہ بن حذافہ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 330 غزوہ بدر و قحط

- 331 سر یہ بنی غطفان
 335 عمرۃ القضاء
 338 مکہ مکرمہ میں داخلہ
 341 مکہ سے واپسی
 342 حضرت سید الشہداء کی ص جزادی عمرہ کا ساتھ جانے پر اصرار
 342 مدینہ طیبہ میں واپسی
 345 ہجرت کا سال ہشتم
 347 مکہ کے جگر پرے رستے مآب کے قدموں میں
 348 حضرت عمرو بن العاص کی کہانی ان کی اپنی زبانی
 352 خالد بن ولید کا قبول اسلام
 359 غزوہ موتہ
 363 اس جنگ کے اسباب
 364 آداب جنگ کی نبوی تعلیمات
 369 معرکہ موتہ
 373 غزوہ موتہ کا نازک لمحہ
 377 اس جنگ کا نتیجہ
 379 غزوہ موتہ کے شہیدوں کے اسماء گرامی
 379 خاندان حضرت جعفر طیار سے تعزیت
 382 لشکر اسلام کی مدینہ منورہ واپسی
 384 سر یہ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سر یہ ذات اسد سل
 388 سر یہ ابی عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 392 اس سر یہ کے بھیجنے کی وجہ
 399 غزوہ فتح مکہ
 403 غزوہ فتح مکہ کے اسباب

عمد شکنی

404

406

نبی الاتبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس المناک حادثہ کی اطلاع پانا

408

بارگاہ رسالت میں عمرو بن سالم خزاعی کی آمد

410

قریش کی ندامت اور یاہی مشورے

412

ابوسفیان کی مدینہ طیبہ میں آمد

418

مکہ پر حملہ کرنے کے بارے میں مشورہ

419

تیاری کا حکم

419

اہل مکہ کی طرف حاطب بن ابی بلتعہ کا خط

421

سید المرسل کی مکہ کی طرف روانگی

424

سفر میں روزہ افطار کرنے کا حکم

426

مر اطمینان میں پڑاؤ

427

صدیق اکبر کا خواب

427

ابوسفیان کے بارے میں حضور کی اطلاع

432

ابوسفیان اور حکیم کا مکہ واپس جانے کا ارادہ اور حضور کا ارشاد گرامی

433

شکر اسلام کی قوت اور جنگی ساز و سامان کی نمائش

439

سید عالم ﷺ کا مکہ مکرمہ میں ورود مسعود

442

حرم کعبہ میں نزول اجلال

444

کعبہ مقدسہ میں داخلہ

445

عفو عام کا اعلان

450

مکہ مشرق کی فتح کے بعد نبی کریم ﷺ کے خلق عظیم کی رعایوں

467

اور درباریوں کی حسین ادائیں

468

پسران ابولسب کا ایمان لانا

469

سبیل بن عمرو کا قبول اسلام

471

کھید حب

شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کا اسلام قبول کرنا

- 473 ابو سفیان کے وسوس کا ازالہ
- 473 عبداللہ بن الزہری کا قبول اسلام
- 474 فضالہ بن عمیر کا مشرف باسلام ہونا
- 475 حضرت صدیق اکبر کے والد ابو قحافہ عثمان بن عامر کا مشرف باسلام ہونا
- 476 مکہ مکرمہ میں قیام
- 477 اذان بادل
- 478 بت کدوں کو مسام کرنے کا حکم
- 479 حضرت عمرو بن العاص کی سواع کی طرف روانگی
- 480 انصار علیہم الرضوان کے وسوسوں کا ازالہ
- 482 ابلیس یحییٰ کی چیخ
- 483 مکہ سے روانگی سے پہلے، والی کا انتخاب
- 484 رومانیہ کے وزیر خادجہ کے تاثرات
- 486 نبی اکرم ﷺ کی بے مثال عسکری قیادت
- 493 غزوہ حنین
- 501 لشکر اسلام کی ہوازن پر حملہ کرنے کے لئے تیاریاں
- 502 عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 503 لشکر اسلام کے عناصر ترکیبی
- 506 لشکر اسلام کی جنگی ترتیب
- 507 مشرکین کے جاسوسوں نے کیا دیکھا
- 508 جنگ کے لئے لشکر کفار کی صف بندی
- 515 لشکر اسلام کی عارضی ہزیمت پر اہل مکہ کے جذبات مسرت
- 518 لشکر ہوازن کی شرمناک ہزیمت اور انجام
- 519 معرکہ اوطاس
- 520 حصار طائف
- 521 طائف کی دفاعی اہمیت

- 524 حضور ﷺ کا ایک اہم اعلان
- 525 مجلس مشاورت
- 527 عیونہ بن حصن
- 527 صحابہ بن عیونہ بن حصن
- 528 حنفی کا مہم و تحائف و جوہات
- 530 حنفی سے تعلق
- 531 شہداء حنفی کے اسماء گرامی
- 532 عہد بن مسعود کی شہادت
- 533 رسول اللہ ﷺ کی حنفی سے جعراں واپسی
- 534 وفد بنو زین کی آمد
- 538 عدل و انصاف کا پورا نمونہ
- 539 موافقہ اقلوب
- 542 ایک دہشت گردی
- 543 انصاف کی حد کا ازالہ
- 547 چند ایسے فرائض و عبادت
- 548 مالک بن عوف رضی اللہ عنہ کی بارگاہ رسالت میں حاضری
- 550 رسالت مآب کی تقسیم پردہ و خواہش و اعتراض
- 552 حضور ﷺ کی رضاعی بہن شیماء کی آمد
- 553 عمر و ابوجہان (جعراں سے عمرہ کا احرام)
- 553 کعب بن ربیعہ کا قبول اسلام
- 555 قبیلہ ثقیف کا قبول اسلام
- 560 سنہ 8 ہجری میں جن جدید احکامات عید کا نفاذ ہوا
- 560 یورپ کے تعلق سے
- 561 شہر بن حارثہ کا تعلق محمد بن حارثہ سے
- 561

ہجرت کانواں سال

563

سرایا

565

سریہ عیثہ بن حصن

566

سریہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط

570

571

سریہ قطبہ بن عامر

571

سریہ ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

572

سریہ علقمہ بن مجزر

573

سریہ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

574

قبیلہ عدی بن خاتم کا قبول اسلام

583

غزوہ تبوک

587

غزوہ تبوک کے اسباب

589

مسجد ضرار

591

مسلمانوں کے لئے چارہ کار

592

جنگ کا اعلان عام

592

جہاد کے لئے انفاق کی دعوت وترغیب

593

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بے مثل یتار

594

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایثار

595

حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انفاق

595

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیضانہ انفاق

596

حضرت ابو عقیل انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فقر و ایثار

597

شکر اسلام کی روانگی

598

من فقیہین

599

شکر اسلام کی مدینہ منورہ سے روانگی

600

جنگ میں شرکت سے معذرت کرنے والے

ہندہ طابہ

628

مسجد ضرار اور اس کا انہدام

629

غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں سے ملاقات

632

بغیر عذر کے جو لوگ غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوئے

633

حضرت کعب بن مالک اور ان کے ساتھیوں کی داستان

635

قبائل عرب کے وفود کی آمد

645

وفد نجران

648

وفد ابو حنیم الداری

656

وفد کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

657

وفد ثقیف

657

وفد کی واپسی

659

وفد بنی عامر بن صعصعہ

663

وفد ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

667

وفد عبد القیس

668

وفد بنی حنیفہ

674

وفد طے

679

وفد عدی بن حاتم الطائی

680

وفد عروۃ المرادی

680

وفد بنی زبید

680

وفد کندہ

681

وفد ازدشنوہ

683

حارث بن کلال اور اس کے دوستوں کی طرف سے بارگاہ رسالت میں

684

قاصد کی روانگی

684

فروہ بن عمرو الجذامی کا قاصد بارگاہ رسالت میں

684

وفد حارث بن کعب

685

- 686 وفد رفاعہ بن زید الخزاعی کی حاضری پور قبول اسلام
 686 وفد ہمدان
 687 وفد نجیب
 789 وفد بنی ثعلبہ
 689 وفد بنی سعد بنہدیم بن قضاہ
 690 وفد سلمان
 692 وفد غامہ
 693 وفد ازد
 694 وائل بن حجر کی آمد
 696 وفد الحبحان
 697 وائلہ ابن اسقع کی آمد
 698 اشعر یوں اور اہل یمن کا وفد
 700 وفد دوس
 704 وفد مزینہ
 705 وفد فزیرہ
 706 وفد بہاء
 707 وفد بنی خدرہ
 708 وفد ثی
 710 وفد ذومرہ
 711 وفد خولان
 714 وفد محارب
 715 وفد صداء
 718 طارق بن عبد اللہ کی پنی قوم سمیت حاضری
 720 وفد بن اسد
 721 وفد غسان

وفد بنی عبث

722

جریر بن عبد اللہ الجعفی کی آمد

722

بارگاہ رسالت میں رہاویین کی آمد

724

رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کی ہلاکت

726

سنہ 9 ہجری میں حج کی ادائیگی (حضرت صدیق اکبر بطور امیر حج)

728

نجران کی طرف حضرت خاتمہ بن وید کا سریہ

730

سرور عالم ﷺ کے خنث جگر حضرت ابراہیم کی وفات

732

حضرت ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یمن روانگی

733

حضرت ابوذر بارگاہ رسالت میں

735

حدیث جبرئیل علیہ السلام

736

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یمن کی طرف روانگی

738

حجۃ الوداع

743

طواف

750

خطبہ حجۃ الوداع، عرفات کے میدان میں

753

یمن کی طرف سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روانگی

778

یمن کی طرف حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دوسرا سفر

778

حضور ﷺ کی وصیت

779

اموال غنیمت کی تقسیم

779

غدير خم

781

حجۃ الوداع سے مدینہ طیبہ واپسی

790

مرض کا آغاز

792

اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مم

794

فتنہ ارتداد

796

وفات سے پانچ دن پہلے

798

اقیم عدل و انصاف کا شہنشاہ

800

غزوة حندق

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَمَا يَكْفُرُ الْإِنْسَانُ
بِإِلَهِهِ إِلَّا شُكْرًا
وَمَا يَكْفُرُ الْإِنْسَانُ
بِإِلَهِهِ إِلَّا شُكْرًا
رَسُولُهُ

وَمَا نَرَدُّهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَقَسِيمًا ۝

اور جب ایمان والوں نے (کفار کے) شکروں کو دیکھا... تو
(فرطِ جوش سے) پکار اُٹھے یہ ہے وہ شکر جس کا وعدہ اللہ اور
اُس کے رسول نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اُس کے
رسول نے۔ اور دشمن کے شکر جبراً نے اُن کے ایمان اور جذبہ تسلیم
میں اور ضربِ فہ کر دیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ
وَعَنْدَنَا اللّٰهُ وَسُورَةُ
رَسُولِهِ

وَمَا نَزَلَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا

اور جب ایمان لوں نے (کفار کے) شکروں کو دیکھا... تو
(فرط جوش سے) پکار اٹھے یہ ہے وہ شکر جس کا وعدہ اللہ اور
اُس کے رسول نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اُس کے
رسول نے۔ اور دشمن کے لشکر بھارنے اُن کے ایمان اور بندہ تسلیم
میں اور اُنہیں فخر دیا۔

غزوہ خندق

غزوہ احزاب کی چند امتیازی خصوصیات

نبی محترم ﷺ کے غزوات میں غزوہ خندق کو مختلف حیثیتوں سے دیگر غزوات پر چند امتیازی خصوصیات حاصل ہیں۔

جزیرہ عرب میں اسلام دشمن طاقتوں نے عیحدہ عیحدہ فرزند ان اسلام سے جنگیں کیں اور ہمیشہ ان کو منہ کی کھائی پڑی۔ جبکہ غزوہ خندق کی انفرادی شان یہ ہے کہ اس غزوہ میں ساری اسلام دشمن قوتوں نے متحد ہو کر مرکز اسلام مدینہ طیبہ پر حملہ کیا۔

اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دفاع کے لئے مروج اور روایتی طریقوں سے ہٹ کر ایک انوکھا طریقہ اپنایا جس نے کفار کے اس لشکر جبار کو ذہنی طور پر ششدر اور مرعوب کر دیا۔ چند ایام وہاں گزارنے کے بعد رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اپنا محاصرہ اٹھا کر بے نیل مرام واپس لوٹ گئے۔

اس غزوہ کی سب سے اہم انفرادی خصوصیت یہ ہے کہ دشمنان اسلام کے جارحانہ حملوں کی یہ آخری کڑی تھی۔ اس کے بعد وہ کبھی مرکز اسلام پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے بلکہ ہمیشہ دفاعی جنگیں لڑنے پر انہیں اکتفا کرنا پڑا۔

صحیح روایت کے مطابق یہ غزوہ 5 ہجری کے ماہ شوال بمطابق فروری 627ء میں وقوع پذیر ہوا کیونکہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ غزوہ احد 3 ہجری میں ہوا۔ ابوسفیان نے احد سے واپسی کے وقت آئندہ سال میدان بدر میں مسلمانوں کو جنگ کا چیلنج دیا تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اسے قبول فرمایا اور حسب وعدہ اپنے پندرہ سو صحابہؓ کو ہمراہ لے کر مقررہ وقت پر بدر کے میدان میں پہنچے۔ لیکن ابوسفیان نے قحط سالی کا بہانہ بنا کر میدان بدر میں مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے سے گریز کیا، اس کے ایک سال بعد ابوسفیان یہودی قبائل سے ساز باز کر کے مختلف مشرک قبائل کو لے کر مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوا اور یہ ہجرت کا

پانچواں سال ہی بنتا ہے۔ اہل سیر اور مغازی کی اکثریت اس تاریخ پر متفق ہے لیکن موسیٰ بن عقبہ نے اس کا سال وقوع 4 ہجری بتایا ہے۔ علامہ ابن حزم ان کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ الَّذِي لَا شَكَّ فِيهِ**۔ ”یعنی موسیٰ بن عقبہ کا قول ہی صحیح ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔“

انہوں نے صحیحین کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر وہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوئے جب کہ ان کی عمر چودہ برس تھی لیکن حضور نے کم سنی کی وجہ سے انہیں جہاد میں شرکت کی اجازت نہ دی۔ پھر غزوہ خندق کے موقع پر وہ پیش ہوئے تو حضور نے انہیں اجازت مرحمت فرمائی، اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔ اس سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ احد کے دوسرے سال غزوہ خندق وقوع پذیر ہوا اور دو چار ہجری تھا۔

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں: پہلا یہ کہ بیشک غزوہ احد کے وقت وہ کم سن تھے، ان کی عمر چودہ سال تھی لیکن جب پانچ ہجری میں غزوہ خندق ہوا تو عمر کے لحاظ سے وہ اس قابل ہو گئے کہ جہاد میں شرکت کر سکیں اس لئے انہیں اجازت مرحمت فرمادی گئی۔

دوسرے جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے احد کے وقت وہ اپنے چودھویں سال کے پہلے مہینوں میں ہوں اور غزوہ خندق کے موقع پر وہ اپنے پندرہویں سال کے آخری مہینہ میں ہوں۔ اس اعتبار سے حضرت ابن عمر کی روایت کہ غزوہ خندق پانچویں سال میں وقوع پذیر ہوئے منافی نہیں۔ (1)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح الصحیح للبخاری میں پانچویں سال کی روایت کو ترجیح دی ہے **وَالْحَقُّ فِي الْحَدِيثِ وَهُوَ الْمَعْتَمَدُ** (2)

اس وقت اسلام کی دشمنی اور عداوت میں تین قومیں پیش پیش تھیں:

1۔ قریش مکہ

2۔ غلبہ کے شرک قبائل

1۔ علامہ محمد بن مسلمہ، (751-691ھ)۔ صحیح ابن عمر، ج 1، ص 101۔

2۔ 985ھ، ص 7، ج 3، ص 479

3۔ محدث ابن عمر، غزوہ احد، ص 856۔ فتح الباری، ج 1، ص 101۔

3۔ مدینہ طیبہ میں آباد یہودی قبائل

ان پانچ سالوں میں ہر فریق نے اسلام کے چراغ کو بجھانے کے لئے سارے جتن کر کے دیکھ لئے تھے اور رحمت عالم ﷺ کی روز افزوں قوت و ثروت کو پامال کرنے کے ارمان پورے کر لئے تھے۔ چنانچہ ہر فریق پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو چکی تھی کہ وہ علیحدہ علیحدہ کسی طرح بھی محمد عربی (ﷺ) کے ان مٹھی بھر دیوانوں کو شکست نہیں دے سکتے۔ لیکن انہوں نے عزم کر رکھا تھا کہ وہ اپنے بتوں کا بھرم ہر قیمت پر برقرار رکھیں گے۔ مکہ و بیرون مکہ کے مشرک قبائل کو اپنے خداؤں کی خدائی کا ڈولت ہوا سنگھسن چین سے نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ یہود کے دنوں میں مسلمانوں کے خلاف حسد و عناد کے جو طوفان موجزن تھے، وہ انہیں مجبور کر رہے تھے کہ وہ ہر قیمت پر اسلام کے پرچم کو سرنگوں کر کے چھوڑ دیں گے۔ اب انہوں نے طے کر لیا کہ اگر وہ الگ الگ رہ کر اس مہم کو سر نہیں کر سکتے تو وہ سب متحد و متفق ہو کر اسلام کے مرکز پر لشکر جہاد سے حملہ کریں گے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دیں گے۔ یہ خیال ہر فریق کو بے چین کر رہا تھا لیکن اس کو عملی جامہ پہنانے کی صورت کیا ہوگی، اس کا کسی کو علم نہ تھا۔

آپ پڑھ آئے ہیں کہ بار بار کی عہد شکنی اور عملی سازشوں کے ارتکاب کے باعث بنی نصیر کو مدینہ طیبہ سے جلا وطن کر دیا گیا۔ ان کے چند خاندان شام چلے گئے اور اکثریت خیبر میں رہائش پذیر ہو گئی۔ اس جلا وطنی نے ان کے جذبہ حسد و عناد کو مزید بھڑکا دیا۔ ان کی راتیں اور ان کے دن مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بننے میں ہی بسر ہوتے۔ آخر کار طویل سوچ بچار کے بعد انہوں نے ایک منصوبہ تیار کیا اور ان کا وفد اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مکہ روانہ ہوا۔

اس وفد میں ان کے مندرجہ ذیل اکابر شریک تھے۔۔۔ سلام بن ابی الحقیق، سلام بن مشکم، کنانہ بن ربیع اور خبی بن اخطب۔ ان چاروں کا تعلق قبیلہ بنی نصیر سے تھا اور بنو داکل قبیلہ کے ہوڈہ بن قیس اور ابو عمارہ۔ ان سرکردہ افراد کے علاوہ ابو عامر فاسق بھی اس وفد میں شامل ہو گیا۔ چنانچہ جو میں افراد پر مشتمل یہ وفد یثرب سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے قریش کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف جنگ پر ابھارنا شروع

کیا اور انہیں یقین دلایا کہ وہ اس جنگ میں ان کے ساتھ ہوں گے، یہاں تک کہ اسلام اور بانی اسلام کو ختم کر کے دم لیں گے۔ اس وفد کی ملاقات جب ابوسفیان سے ہوئی تو اس نے ان کا بڑا پر تپاک خیر مقدم کیا اور انہیں کہا کہ ہمارے نزدیک سب سے پسندیدہ لوگ وہ ہیں جو محمد (فدہ رومی) کی عداوت پر ہمارے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں۔ یہود اور کیا چاہتے تھے، انہوں نے ابوسفیان کی اس آمادگی کو دیکھ کر کہا کہ آپ قریش میں سے پچاس سردار جن لیں اور آپ بھی ان میں ہوں۔ پھر ہم سب جا کر کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر اور اپنے سینے کعبہ کی دیواروں کے ساتھ لگا کر وعدہ کریں کہ ہم پیغمبر اسلام کی عداوت میں سب سے پائے دیوار بن جائیں گے۔ جب تک ہم میں سے ایک شخص بھی زندہ رہا وہ اسلام کے خلاف جنگ جاری رکھے گا۔ چنانچہ قریش کے پچاس سرداروں اور یہودیوں کے اس وفد نے کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر اور اپنے سینوں کو اس کی دیوار کے ساتھ لگا کر اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کا معاہدہ کیا۔ (۱)

اسی موقع پر ابوسفیان نے یہودیوں کے وفد سے یہ پوچھا کہ اے گروہ یہود! تم صاحب کتاب ہو اور صاحب علم و فضل ہو۔ تم جانتے ہو کہ محمد (فدہ رومی) سے ہم برسر پیکار ہیں۔ ہمیں ذرا یہ تو بتاؤ کہ ہم رلہ راست پر ہیں یا وہ۔ یہودی وفد جو ان کے احبار (ماہرین) اور سرداروں پر مشتمل تھا، انہیں اچھی طرح علم تھا کہ قریش مکہ بتوں کے پرستار ہیں۔ وہ کعبہ مقدسہ جس کو حضرت ابراہیم خلیل نے جو ان یہودیوں کے بھی جد اعلیٰ تھے، فقط اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا۔ اس مقدس گھر میں ان خالوں نے تین سو ساٹھ بت سجا رکھے ہیں اور ان کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ ان کے برعکس مسلمان ان کے مخالف سکی لیکن وہ کسی بت کو نہیں پوجتے فقط اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی جبینیں سجدہ ریز ہوتی ہیں۔ ان تمام حقائق کو جانتے ہوئے ایک موہوم فائدہ کے لئے انہوں نے اتنا جھوٹ بولا جسے صد ہا سال گزر جانے کے باوجود تاریخ نہ ہضم کر سکی ہے اور نہ اس کو فراموش کر سکی ہے۔ ان کے اپنے انصاف پسند مصنفین نے بھی ان کی اس حرکت پر انہیں سخت لعن طعن کیا ہے۔ "تاریخ الیہودی فی بلاد العرب" کے مصنف پروفیسر ولسن نے صفحہ 142 پر لکھا ہے:

جو چیز ہر مومن کے دل کو دکھاتی ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی، وہ اس یہودی

۱۔ امام محمد بن یوسف الصائغی الشافعی (م 942ھ)۔ "سبل الہدی وارشاد فی تاریخ العرب" ص ۱۴۲۔

وفد کی مشرکین مکہ کے ساتھ گفتگو ہے۔ جس میں انہوں نے مکہ کے بت پرستوں کو ان مسلمانوں پر فضیلت دی ہے جو خداوند وحدہ لا شریک پر محکم ایمان رکھتے تھے۔ (1)

جب تک یہ دنیا قائم ہے، اہل حق کی محفل میں یہ دروغ گوئی کی وجہ سے کچھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ کر سکیں گے۔ وہ بولے اے قریش مکہ! (اے لات و اہل کے پرستارو) تم محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے کہیں زیادہ حق کا دامن پکڑے ہوئے ہو کیونکہ تم اس گھر کی تعظیم کرتے ہو۔ حاجیوں کو پانی پلاتے ہو فریہ اونٹوں کو ذبح کرتے ہو اور ان خداؤں کی پرستش کرتے ہو جن کی پرستش تمہارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے۔ (2)

ابوسفیان نے انہیں کہا، اے یہودی رئیسو! ہمیں تمہاری اس بات پر اس وقت تک یقین نہیں آسکتا جب تک تم ہمارے معبودوں کو سجدہ نہ کرو۔ چنانچہ سب ”یہودیوں نے جن میں ان کے چوٹی کے علماء بھی تھے“ بتوں کو سجدہ کیا۔ (3)

اللہ تعالیٰ نے فوراً یہ آیات اپنے محبوب کریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم پر نازل فرما کر ان کی کذب بیانی پر مہر ثبت کر دی۔ ارشاد الہی ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا
إِيمَانَهُم بِظُلُمٍ أُولَٰئِكَ
سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ
كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا

(4)

”یہاں نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ (اب) اعتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور طغوت پر اور کہتے ہیں ان کے بارے میں جنہوں نے کفر کیا کہ وہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں۔“

قریش نے یہود سے اپنے بارے میں جب یہ فتویٰ سنا تو مارے خوشی کے اچھٹنے لگے اور انہیں

1۔ پروفیسر ولسن، ”تاریخ الیہودی بلاد العرب“، صفحہ 142

2۔ ”سبل الہدی“، جلد چہارم، صفحہ 512

3۔ شوقی ابو ظیفیل، ”التبیق“، دمشق، دار الفکر، ص 66

4۔ سورۃ النساء 50

مزید یقین دہانیاں کرانے لگے کہ وہ اس مہم میں آخری سانس تک ان کا ساتھ دیں گے۔

یہاں سے وہ وفد بنو غطفان کے پاس پہنچا، انہیں اسلام کے خلاف خوب بھڑکایا، قریش کے ساتھ جو طے پایا تھا اسے بھی خوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا اور ساتھ ہی انہیں یہ لالچ بھی دیا کہ اگر وہ اس جنگ میں ان کا ساتھ دیں گے تو خیبر کے باغات کی کھجوروں کا سارا پھل وہ اس سال ان کی نذر کر دیں گے۔

چنانچہ بنی غطفان کا سردار عیینہ بن حصن اپنے قبیلہ سمیت اس سازش میں شریک ہو گیا۔ عیینہ اپنے دوست قبائل بنی اسد، بنی مرہ، انجیع اور بنی فزارہ کو بھی اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔

چنانچہ وقت مقررہ پر چار ہزار کا قریشی لشکر ابوسفیان کی قیادت میں نکلا۔ ان میں تین سو گھڑ سوار تھے اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ جب یہ لشکر مرہ ظہران کے مقام پر پہنچا تو بنو اسد، طلحہ الاسدی کی قیادت میں، بنی سلیم ابوالاعور کی قیادت میں، بنو مرہ حارث بن عوف المرزی کی قیادت میں اور انجیع مسعود بن رخیہ کی قیادت میں نکلے اور مرہ ظہران کے مقام پر یہ سارا لشکر جمع ہوا۔ ان تمام افواج کی تعداد دس بارہ ہزار تک پہنچ گئی۔ یہ لشکر جرار ایک چھوٹی سی ہستی مدینہ طیبہ پر حمد کرنے کے لئے روانہ ہوا۔

ابوسفیان کا حضور نبی مکرم ﷺ کے نام خط

علامہ المقریزی نے اس خط کا بھی ذکر کیا ہے جو اس موقع پر ابوسفیان نے سرکارِ دو عالم

ﷺ کی خدمت میں لکھا تھا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. قَوَّيْتُ أَيْمَانِي بِاللَّهِ وَالْعَزَى لَقَدْ مَرَّ سُرِّيكَ
فِي جَمْعَةٍ وَلَدَا نَزِيدًا أَنْ لَا نَعُوذَ أَبَدًا. حَتَّى نَشَاءَ مِنْكَ
قَرَأَيْتَ قَدْ كَرِهْتَ لِقَاءَنَا وَجَعَلْتَ مَصَائِقَ وَخَنَادِقَ
وَبَيْتَ شَعْرِي مِنْ عَيْنِكَ هَذَا أَفَوَ أَنْ نَرْجِعَ عَنْكَ فَلَكُمْ مَعَنَا
يَوْمَ كَيْدٍ وَرَأْيٍ.

(1)

”اے اللہ تیرے نام کے ساتھ! لات اور عزی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں آپ کی طرف ایک لشکر عظیم بے کر آیا ہوں۔ ہم نے یہ پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ ہم اس وقت تک واپس نہیں لوٹیں گے جب تک تمہاری جڑیں اکھیز کر نہ رکھ دیں گے۔ میں نے دیکھا ہے کہ آپ نے ہمارے ساتھ مقابلہ کرنے کو مکروہ جانا ہے اور ہمارے راستہ میں خندقیں کھود دی ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے، یہ چیز آپ کو کس نے سکھائی ہے۔ اگر ہم بفرض محال اس دفعہ واپس چلے گئے تو ہم پھر آئیں گے وراحد کی جنگ کی یاد کو تازہ کریں گے۔“

یہ خط اس نے ابوالثامہ الجشمی کے ہاتھ بھیج دیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے خیمہ میں تشریف فرما تھے جہاں حضرت ابی بن کعب نے خط پڑھ کر سنایا۔ سرکارِ دو عالم نے اس کے جواب میں یہ گرامی نامہ تحریر فرمایا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا جوابی مکتوب

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى أَبِي سُوْفْيَانَ بْنِ حَرْبٍ أَقْبَعُ !
فَقَدْ يَمَّا غَزَاكَ بِاللَّهِ الْغُرُورُ أَمَا ذَكَرْتَ أَنَّكَ يَوْمَ ابْنِ
فِي جَمْعِكَ وَأَنَّكَ لَا تُؤِيدُ أَنْ تَعُودَ حَتَّى تَسْتَأْذِنَنَا فَذَلِكَ
أَمْرٌ يُؤْمَرُ اللَّهُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ وَيَجْعَلُ لَنَا الْعَاقِبَةَ حَتَّى لَا
تَذْكُرَ اللَّاتَ وَالْعُزَى .. وَلَيَأْتِيَنَّ عَنْكَ يَوْمَ أَكْثَرُ فِئَةِ اللَّاتِ
وَالْعُزَى وَأَسَافَ وَتَائِلَةً وَهَبَلٌ حَتَّى أَذْكُرَكَ ذَلِكَ يَا سُوْفِيَّةَ
بَنِي عَالِپِ

(1)

”یہ خط محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے ابوسفیان بن حرب کی طرف ہے۔ ابعد! عرصہ دراز سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان تجھے دھوکہ دے رہا ہے اور یہ بات جو تو نے لکھی ہے کہ تم اپنا لشکر جرار لے کر ہماری طرف آئے ہو اور تم نے یہ پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس

وقت تک واپس نہیں جاؤ گے جب تک ہمارا خاتمہ نہ کر دو۔ تو یہ ایسی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے درمیان اور اس چیز کے درمیان خود حائل ہو جائے گا۔ اور تم اس میں کامیاب نہیں ہو گے اور انجام کار فتح ہماری ہوگی۔ یہاں تک کہ لات وعزی کو کوئی یاد نہیں کرے گا اور یقیناً وہ دن آئے گا جب میں لات، عزی، اساف، ناکلہ اور اہل کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دوں گا اور اے خاندان بنی غالب کے احمق! میں تجھے اس روز یہ بات یاد کر اؤں گا۔“

اللہ تعالیٰ کا محبوب کریم بھی اپنے دشمنوں کے عزائم سے بے خبر نہ تھا۔ مختلف قبائل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو غلام تھے، انہوں نے ساری تفصیلات سے آگاہ کر دیا۔ حضور نے صحابہ کرام کو مشورہ کے لئے طلب فرمایا۔ حالات بڑے نازک تھے، ایک چھوٹی سی بستی پر اتنے بڑے لشکر جرار کی یلغار کیسے روکی جائے؟ جب کہ اس بستی میں بھی مارہائے آئین کی کمی نہ تھی۔ حضرت سلمان فارسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے ملک فارس میں جب دشمن یوں حمد کرنے کی نیت سے دھاوا بول دیتا تو ہم اپنے شہر کے ارد گرد خندق کھود کر اس کی پیش قدمی کو روک دیتے تھے۔ ارشاد ہو تو مدینہ طیبہ کے ارد گرد خندق کھودی جائے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تجویز کو بہت پسند فرمایا اور شہر کی اس جانب جہدھر سے چڑھائی کا خدشہ تھا، خندق کھودنے کے لئے نشانات لگادیئے گئے۔ ہر دس آدمیوں کو چالیس گز خندق جو پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری ہو، کھودنے کا فریضہ سونپا گیا۔ خندق کھودنے کے کام میں سب مسلمان شریک تھے کوئی بھی مستثنیٰ نہ تھا۔ فخر و جہاں سرور کون و مکاں اپنے دست مبارک میں کدال لئے اپنے غلاموں کے دوش بدوش خندق کھودنے میں مصروف تھے اور منی اٹھا اٹھا کر باہر پھینک رہے تھے۔ صحابہ کرام کہتے ہیں کہ شتم مبارک کے بال منی سے اٹ گئے تھے اور جلد مبارک دکھائی نہیں دیتی تھی۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

جائے کا موسم تھا، غضب کی سردی تھی، صحابہ کرام بجوک سے نڈھال تھے اور تھکاوٹ سے چور لیمن اپنے محبوب قدم کے ارشاد کی تعمیل میں سرگرم عمل تھے۔ شمع وحید کے ان پر، انوں واللہ تعالیٰ سے

پیارے حبیب نے جانبازی اور فدائیت کا یوں مظاہرہ کرتے ہوئے
دیکھا تو فرمایا:

إِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَةِ فَأَغْفِرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ
”یعنی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ میرے پروردگار انصار و
مہاجرین کو بخش دے۔“

اپنے حق میں یہ دعائیں کر صحابہ کرام پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ کیف دسروں سے
بے خود ہو کر یہ شعر گانے لگے:

تَحَنُّنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيَْنَا أَبَدًا
”یعنی ہم منزل عشق و محبت کے وہ مسافر ہیں جنہوں نے اپنے ہادی و
مرشد کے دست مبارک پر اس بات کے لئے بیعت کی ہے کہ
جب تک ہم زندہ رہیں گے کلمہ حق کو بند کرنے کے لئے مصروف جہاد
رہیں گے۔“

نبی مکرم ﷺ کبھی کبھی اپنے شیریں اور دلنواز ہجے سے اپنے غلام حضرت عبداللہ بن
رواحہ کے یہ شعر بھی پڑھتے:

اللَّهُمَّ تَوَلَّ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلِّتْنَا
”اے میرے مولا کریم اگر تیری مہربانی نہ ہوتی تو ہم راہ ہدایت پر
گامزن نہ ہوتے، نہ ہم زکوٰۃ دیتے اور نہ ہمیں نماز کی توفیق ملتی۔“
فَأَنْزَلَنَّا سَكِينَةً عَلَىٰ قُلُوبِنَا وَأَنزَلْنَا أَمْرًا لَا قَبِيْنَا
”اے اللہ! ہم پر اطمینان و سکون نازل فرما۔ اور اگر ہمارا مقابلہ دشمنوں
سے ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔“

عمر بن عوف کہتے ہیں کہ میں، سلمان، حذیفہ، نعمان بن مقرن المزنی اور چھ انصاری
اپنے حصہ کی چابیس گز خندق کھود رہے تھے کہ اتفاق سے ایک چٹان آگئی۔ ہم نے سارا زور
لگایا، بڑے جتن کئے لیکن وہ نہ ٹوٹی۔ میں نے حضرت سلمان سے کہا کہ آپ نبی کریم ﷺ
کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا جرایبان کریں تاکہ جو ارشاد ہو اس پر عمل کیا جائے۔
حضرت سلمان خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور چٹان کے متعلق گزارش کی کہ ہمارے

بازو شل ہو گئے ہیں ہماری کدالیں کد ہو گئی ہیں لیکن وہ ٹوٹنے کا نام نہیں لیتی۔ یہ سن کر حضور خود اٹھے اور اس جگہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر حضرت سلمان کے ہاتھ سے گینتی پکڑی اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ضرب لگائی۔ اس سے اتنی روشنی پیدا ہوئی جیسے کسی نے گھپ اندھیرے میں اپنا ک چراغ جلا دیا ہو۔ اور اس کا تیسرا حصہ ٹوٹ کر الگ جا گرا۔ حضور نے فرمایا اِنَّهُ بَکْبَرٌ مُّعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ السَّمٰوٰتِ ”مجھے ملک شام کی کنجیاں دے دی گئیں۔“

دوسری مرتبہ پھر حضور نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ضرب لگائی پھر اسی طرح روشنی نمودار ہوئی اور دوسرا حصہ ٹوٹ گیا۔ حضور نے فرمایا اِنَّهُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ قٰرِصٍ ”مجھے ایران کی کنجیاں بخش دی گئیں۔“

تیسری مرتبہ ضرب لگائی تو باقی ماندہ چٹان بھی ریزہ ریزہ ہو گئی۔ حضور نے فرمایا اِنَّهُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ اَیْمٰنٍ ”مجھے یمن کی کنجیاں مرحمت کر دی گئیں۔“

اس طرح نبی مکرم ﷺ نے اپنی ضربوں سے نہ صرف اس چٹان کو پارہ پارہ کر دیا بلکہ دنیا کی دو بڑی طاقتوں روم اور ایران کے حکمین قلعوں کو بھی ہلا کر رکھ دیا اور ان ممالک کی فتح کی نوید بھی اپنے غلاموں کو سنادی۔ ظاہری حالات کی نزاکت کسی سے مخفی نہ تھی۔ سارا عرب اٹھ کر آ رہا ہے۔ مدینہ کا حوال بھی سازگار نہیں، یہاں بھی یہودیوں اور منافقوں کی ایک بھاری جمعیت موجود ہے۔ فوج کے لئے نہ ساز و سامان ہے، نہ خوراک کا معقول انتظام۔ ان حالات میں جب دشمن کے اس زبردست حملہ کے باعث اپنی سلامتی بھی بظاہر مشکوک ہو۔ اتنی عظیم ممکنات کے فتح کی بشارت۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول ہی دے سکتا ہے۔ جس کی نگاہ نبوت کے سامنے مستقبل کے واقعات بھی آشکار اور عیاں ہیں۔

ان حالات میں یہ ارشادات تمام حاضر صحابہ کرام نے سنے، کسی دل میں کوئی شک پیدا نہیں ہوا لیکن منافقین کا ایک گروہ تھا جو اپنے بغض باطن کو مخفی نہ رکھ سکا۔ وہ کہنے لگے۔

اَلَا تَعْلَمُوْنَ مِنْ غَلْمٍ یُّنَبِّئُکُمْ دَیْعَۃَ الْاَبْطٰیْلِ وَیُخْبِرُکُمْ
اَنَّهُ یَبْصُرُ مِنْ یَّتْرَبُ ظُھُورَ الْخَیْرِ وَمَدَارِ الْکِزْرِ قَدْ اَنۡهَیَا
مُنۡتَمِرٌ لَّکُمْ وَاَسۡتَہۡدَاۡنَا نَحۡفَرُوۡنَ اَخۡنَدَاقٍ مِنَ الْغُرَفِ لَا
یَسۡتَظِیۡعُوۡنَ اَنْ یَّکۡفُرُوۡا

(1)

”کیا تم کو محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی ان باتوں سے تعجب نہیں ہوتا کہ وہ تمہیں امیدیں دلا رہے ہیں اور جھوٹے وعدے کر رہے ہیں۔ کہ تم قیصر و کسریٰ کے ملکوں کو فتح کرو گے حالانکہ تم دشمن کے خوف سے خندقیں کھودنے پر مجبور ہو اور تم قضائے حاجت کے لئے باہر بھی نہیں جا سکتے۔“

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا
اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا عُرُودًا

(1)

”کہتے ہیں منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ نے اور رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لئے۔“

یہاں ایک اور بات غور طلب ہے۔ حضور ﷺ نے بشارت دیتے ہوئے ہر بار یہ فرمایا۔ ”أَعْلَيْتُ“ کہ مجھے ان ملکوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اور سب جانتے ہیں کہ یہ ملک حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہوئے اور حضور کی یہ بشارت پوری ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم، حضور نبی کریم کے خلیفہ برحق تھے۔ اسی لئے جو ممالک آپ کی خلافت کے زمانہ میں فتح ہونے والے تھے انہیں حضور نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا۔ اگر آپ خلیفہ برحق نہ ہوتے بلکہ غاصب اور ظالم ہوتے، جیسے بعض نادان لوگ کہا کرتے ہیں تو اس بشارت کا قطعاً کوئی محل نہ ہوتا۔ کبھی کوئی شخص اپنے مخالف کی فتوحات کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا کرتا۔ ہمیشہ بیٹوں کی فتوحات اور انہیں کے کارناموں کو اپنی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن ملکوں کی فتح کا وعدہ اپنے حبیب کریم ﷺ سے کیا تھا، اس وعدہ کا خلافت فاروقی میں پورا ہونا آپ کے خلیفہ برحق ہونے کی اتنی روشن دلیل ہے کہ کسی حق پسند و منصف مزاج کو کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

یہ روایت صرف اہل سنت کی کتابوں میں ہی نہیں تاکہ کوئی یہ کہہ کر اپنے دس کو بہلا لے کہ یہ سنیوں کی گھڑی ہوئی روایت ہے بلکہ شیعہ حضرات کی صحیح ترین حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ جس سے خلفائے راشدین کی خلافت کی حقانیت ثابت ہوتی ہے۔

قارئین کے فائدہ کے لئے شیعہ کتب کی روایت بھی درج ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی برکت سے اسے کسی کی ہدایت کا سبب بنادے۔

”فروع کافی“، جلد دوم، کتاب الروضہ صفحہ 25، مطبوعہ تہران میں درج ہے:

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَتَأْخُفَنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى
عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الْمُتَخَذِقَ مَرُوءًا يَكْذِبُهُ فَيَتَنَاولُ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الْمَقُولَ مِنْ يَدِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ
أَوْ مِنْ يَدِ سَلَمَانَ فَضَرْبَ بَهْمٍ مَرْبُوبَةٍ فَتَقَرَّ قَتْلُهَا ثَلَاثَ فَرَسَاتٍ
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَيَضْرِبُ عَلَى فَرْجِ
مَرْبُوبَتِي هَذَا كَتُوزٍ كَثِيرٍ وَقِصْرٍ.

(1)

”یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضور ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا، تو ایک چٹان آگئی۔ حضور نے حضرت امیر المؤمنین یا حضرت سلمان کے ہاتھ سے کدال پکڑی اور اس چٹان پر ضرب لگائی۔ اس کے تین ٹکڑے ہو گئے۔ حضور نے فرمایا۔ میری اس ضرب سے میرے لئے کسری اور قیصر کے خزانے فتح ہو گئے ہیں۔“

”حمد حیدری“ میں اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا گیا ہے۔

پانچ چہیں گفت خیر البشر کہ چوں جست برق نخست از حجر

حضور نے جواب فرمایا کہ جب پہلی ضرب سے پتھر سے آگ نکل (بجلی کوندی)

نمودند ایوان کسری من دوم قعر روم سوم از یمن

مجھے کسری کے محلات دکھائے گئے اور دوسری ضرب پر روم کا محل، تیسری ضرب کے وقت یمن۔

سبب را چہیں گفت روح الامین کہ بعد از من احوال و انصار دین

جب نیک علیہ السلام نے اس کا سبب یہ بیان کیا کہ میرے بعد دین اسلام کے مددگار اور جان نثار

بریں محنت ہا مستط شوند بآئین من اہل آں مگردند

ان ملکوں پر قابض ہوں گے اور وہاں میری شریعت کا قانون نافذ کریں گے۔

بریں مژدہ و شکر و لطف خدا بہر بار تکبیر کردم ادا

اس بشارت اور اللہ تعالیٰ کے لطف پر میں نے ہر بار تکبیر کہی۔

شنیدند آں مژدہ چوں مومنوں کشیدند تکبیر شادی کنان (۱)

مومنوں نے جب یہ مژدہ سنا، تو سب نے خوش ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا اس طرح دیگر کتابوں میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔

خندق کی کھدائی، فاقہ کشی اور برکات الہی کا ظہور

سخت سردی ہے، بخ بستہ ہوائیں چل رہی ہیں اور پتھریلی زمین میں خندق کی کھدائی کا کام بڑے جوش و خروش سے جاری ہے۔ دشمن کی پیش قدمی کی لحاظ بہ لحاظ اطلاعات مل رہی ہیں۔ دشمن کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس خندق کو ہر قیمت پر مکمل کرنا ہے۔ اگر اس کا قلیل حصہ بھی نامکمل رہ گیا تو ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔ دشمن اس حصہ کو پل کے طور پر استعمال کر کے شہر میں گھس آئے گا۔ اس لئے تھکن، بھوک اور موسم کی ناسازگاری کو پس پشت ڈال کر ہر مجاہد اپنے حصہ کی خندق مکمل کرنے میں مصروف ہے۔ وہ اکیلا تو رنج و محن سے نبرد آزما نہیں، اس کا آقا و مولا، اس کے پروردگار کا حبیب و محبوب غازیان اسلام کی آنکھوں کا نور اور دلوں کا سرور خود بھی ان کی طرح مصروف ہے۔ وہ دیکھو چٹان توڑ رہا ہے، مٹی کھود رہا ہے، نگاریاں بھر بھر کر باہر پھینک رہا ہے۔

اسلام کے اس مرکز کی دفاعی سرگرمیوں میں ہر کسی سے آگے غبر فشاں زلفیں گرد آلود ہیں شکم مبارک پر تہ در تہ غبار جم رہی ہے۔ ادائیگی فرض کے احساس نے سب تھکاوٹوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ تین دن گزر گئے ہیں، صبح کو ایک لقمہ تک میسر نہیں آیا۔ اپنی کمر کو سیدھا رکھنے کے لئے انہوں نے اپنے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھ رکھا ہے۔ فاقہ کشی کی تکلیف جب ناقابل برداشت ہونے لگتی ہے تو اس کا شکوہ اپنے کریم آقا سے کرتے ہیں۔ حضور اپنے شکم مبارک سے قمیص اٹھاتے ہیں، صبح کو عجیب منظر دکھائی دیتا ہے، سب نے ایک ایک پتھر پیٹ پر باندھ رکھا لیکن اس سلطانِ دوعالم نے اپنے شکم مقدس

پردہ پتھر باندھ رکھے ہیں سب شکوے دور اور سب کلفتیں کا فور ہو جاتی ہیں۔

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ جب یہ منظر دیکھتے ہیں تو تاب صبر نہیں رہتی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ سے اذن طلب کر کے اپنے گھر آتے ہیں اور اپنی اہلیہ کو بتاتے ہیں کہ میں نے آج نبی کریم کو انتہائی فاقہ کے عالم میں دیکھا ہے، تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے۔ اس نیک بخت نے کہا میرے پاس چند سیر جو ہیں اور ایک بکری کا بچہ بھی موجود ہے۔ حضرت جابر بیان فرماتے ہیں کہ اس نے وہ برتن نکالا جس میں جو رکھے تھے، اور جو پیسے، آنا گوندھا۔ میں نے بکری کے اس بچے کو ذبح کیا، گوشت ہنڈیا میں پکانے کے لئے رکھا۔ شام کا وقت قریب آگیا۔ ہمارا معمول یہ تھا کہ دن بھر خندق کھودتے شام کو گھروں میں واپس چلے آتے۔ سرکارِ دو عالم بھی شام کو واپس تشریف لے جاتے۔ میں جب واپس جانے لگا تو میری بیوی نے کہا کہ مجھے حضور اور صحابہ کے سامنے شرمندہ نہ کرنا یعنی زیادہ آدمیوں کو ساتھ لے کر نہ آجانا۔ میں نے اس کو مطمئن کیا اور حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں آیا اور بڑی رازداری سے عرض کی یا رسول اللہ! بڑی قلیل مقدار میں کھانا پکایا ہے حضور تشریف لے چلیں، ایک یادو آدمی اپنے ساتھ بھی لے جائے۔ سرکار نے اپنی انگشت ہائے مہرک میری انگلیوں میں ڈال کر فرمایا۔ کتنا کھانا پکایا ہے۔ میں نے عرض کر دیا۔ حضور نے فرمایا اِکْثَرُ طَیِّبٌ "یہ تو بہت زیادہ ہے اور بہت پاکیزہ ہے۔" دیکھو میرے آنے سے پہلے ہنڈیا نیچے نہ اتارتا اور نہ روٹیاں پکاتا۔ پھر حضور نے بلند آواز سے اعلان فرمایا اے خندق! اب جابر نے تمہارے لئے کھانا پکایا ہے، آؤ سب کھاؤ۔

رسول مکرم ﷺ آگے آگے تھے اور لوگ پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ میں شرم کے مارے پانی پانی ہو رہا تھا۔ میری حالت کو بس اللہ کی ذات جانتی تھی۔ میں نے دل میں کہا خلقِ خدا آگنی ہے، بخدا ابڑی رسوائی ہوگی، چند سیر جو اور ایک چھوٹا سا بکری کا بچہ۔ میں جب گھر پہنچا تو میں نے بیوی سے کہا۔ اے نیک بخت! سرورِ عالم مع مہاجرین و انصار تشریف لے آئے ہیں، ان کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں۔ اس نے پوچھا کیا حضور نے تم سے دریافت فرمایا تھا۔ میں نے کہا ہاں اور یہ روایت میں ہے کہ بیوی نے کہا جابر! اب لوگوں و تمہارے عورت! یہی ہے یہ حضور نے۔ میں نے کہا نہیں تو حضور نے دعوت دی ہے۔ اس نے کہا اب قرآنِ خدا رت نہیں۔ سب کو آئے۔ اَللّٰهُ دَعَاہُمْ اَتَوْا اور اس کا رسول

بہت بہتر جانتا ہے۔" جو کچھ ہمارے پاس تھا، ہم نے اس کی اطلاع دے دی۔ اس کے ایسا کہنے سے میری ساری تشویش جاتی رہی۔ پھر سرور انبیاء تشریف لے آئے۔ حکم دیا دس دس آدمیوں کو بلا تے جاؤ۔ میں نے گوندھا ہوا آنا پیش کیا، حضور نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی۔ پھر جہاں ہماری ہنڈیا رکھی تھی، وہاں تشریف لے گئے۔ اس میں بھی لعاب دہن مبارک ڈال اور برکت کی دعا فرمائی۔ پھر حکم دیا، روٹیاں پکاتے جاؤ۔ ہنڈیا سے سالن ڈالتے جاؤ اور ہنڈیا کو ڈھانچے رکھو۔ کھانا کھانے کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن ہماری حیرت کی حد نہ رہی کہ اتنے آدمی کھائے نہ آنا کم ہوا اور نہ ہنڈیا میں سالن کم ہوا۔ ایک ہزار آدمی نے کھانا کھایا، ہنڈیا لبالب بھری رہی اور آٹے میں ذرا کمی نہ ہوئی۔ حضور نے فرمایا اب خود بھی کھاؤ اور اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو بھی تحفہ کے طور پر تقسیم کرو کیونکہ سب لوگ قحط سالی کا شکار ہیں۔ ہم دیر تک پٹتے رہے اور سرور عالم تشریف فرما رہے۔ جب حضور تشریف لے گئے تو ہر چیز ختم ہو گئی۔ رواہ الشیخان وحاکم والطبرانی۔ (1)

حضرت نعمان بن بشیر کی ہمیشہ سے مروی ہے کہ وہ کہتی ہیں ایک روز میری وادہ نے مجھے کھجوروں سے بھرا ہوا ایک ڈونگا دے کر بھیجا کہ میں یہ اپنے باپ اور اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ کو دے آؤں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب وہ خندق کھودنے میں مشغول تھے۔ میں جب یہ لے کر جا رہی تھی تو رحمت عالم نے مجھے دیکھ لیا اور مجھے اپنے پاس بلایا۔ جب میں حاضر ہوئی تو حضور نے وہ کھجوریں مجھ سے لے لیں اور ایک چادر بچھ کر انہیں اس پر بکھیر دی۔ پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ باواز بلند اعلان کر دے اہل خندق! آؤ کھانا تیار ہے۔ سب اکٹھے ہو گئے سب نے سیر ہو کر کھایا۔ جب تک وہ کھاتے رہے کھجوریں بڑھتی ہی رہیں۔ (2)

ابن عساکر سے مروی ہے کہ ام عامر اشہلیہ نے ایک برتن میں حبس (ایک قسم کا حلوہ) ڈال کر بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ اس وقت حضور ﷺ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ کے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ام سلمہ نے اپنی مرضی کے مطابق اسے تناول فرمایا، بقیہ لے کر حضور باہر تشریف لائے اور اہل شکر میں اعلان کر دیا گیا کہ لشکر والے رات کا کھانا حضور کے ہاں کھائیں۔ سب آئے خوب سیر ہو کر کھایا اور وہ حلوہ جو کاتوں تھا۔ (3)

الغرض نبی مکرم ﷺ اور جانثار فرزند ان اسلام کی شبانہ روز کوشش سے چودہ دن کی قلیل مدت میں خندق کی کھدائی کا کام مکمل ہو گیا۔ جب خندق کی کھدائی کا کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تو رحمت عالم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور خود جبل سلع کے دامن میں آکر اپنا خیمہ نصب کیا۔ سلع کی پہاڑی پشت کے پیچھے تھی اور خندق سامنے۔ اسلامی لشکر جس کی تعداد تین ہزار تھی، اس کو مناسب مقامات پر متعین فرمایا۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ کو اور انصار کا حضرت سعد بن عبادہ کو مرحمت فرمایا گیا۔ مسلم خواتین اور بچوں کو ان مضبوط گڑھیوں میں ٹھہرایا گیا جو شہر کے اندرونی حصوں میں تھیں۔ شہر کے بڑے بڑے راستوں پر دیواریں جن دی گئیں۔ اس طرح سارا شہر ایک قلعہ کی مانند محفوظ ہو گیا۔ امہات المؤمنین اور حضرت صفیہ سرکار دو عالم کی پھوپھی صاحبہ اور چند خاص خواتین کو ایک گڑھی میں ٹھہرایا گیا، اس گڑھی کا نام فارع تھا۔ حضرت حسان بن ثابت کو بھی اس مقام پر ٹھہرنے کی اجازت دی گئی۔

حضرت سعد بن معاذ ایک روز قلعہ کے باہر سے گزرے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ انہوں نے زرہ پہنی ہوئی ہے اور وہ زرہ چھوٹی ہے۔ ان کے بازو باہر نکلے ہوئے ہیں اور ننگے ہیں۔ انہوں نے چھوٹا نیزہ پکڑا ہوا ہے اور اسے لہراتے ہوئے تیز تیز جا رہے ہیں۔ ان کی والدہ بھی اس قلعہ میں ٹھہری ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو فرمایا جینا جلدی پہنچو۔ تمہیں دیر ہو چکی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا، اے سعد کی ماں! تم نے سعد کو چھوٹی زرہ پہنائی ہے، اتنی کھلی ہوئی چاہئے تھی کہ ہاتھوں کو بھی ڈھانپ لیتی۔ اس موٹے صافقہ نے عرض کی۔ **يَخْفِضُ اللَّهُ مَا هُوَ قَلْبُ** "جو فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کرنا ہے وہ کر دے گا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان کے بازو کے اس حصہ پر جو ننگا تھا، تیر لگا جو آپ کی شہادت کا باعث بنا۔ (۱)

لشکر کفار کی آمد اور ان کا پڑاؤ

مسلمان جب اپنی تیاریاں مکمل کر چکے تو مشرکین عرب کا یہ لشکر بھی مدینہ طیبہ کی حدود میں داخل ہو گیا۔ یہ لشکر، ابوسفویوں پر مشتمل تھا۔ ایک ذیق قریش اور ان کے

حلیفوں کا تھا جن میں کننہ، تہامہ اور احابیش شریک تھے۔

مجمع الاسیال۔ یعنی وہ جگہ جہاں برسات کے موسم میں برساتی تاروں کا پانی آکر اکٹھا ہوتا تھا، وہ لمبی چوڑی تھی۔ یہاں دو مقام تھے جرف اور زغابہ۔ قریش اور ن کے حلیفوں نے ان دو مقامات پر اپنے خیمے نصب کئے۔ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ دوسرا فریق ان قبل پر مشتمل تھا جو نجد کی طرف سے آئے تھے، ان میں بنو عطفان اور ان کے حلیف قبیلہ شریک تھے۔ یہ فریق کوہ احد کی ترائی میں ذنب لٹھی کے مقام پر فروکش ہوا۔ ان کی تعداد چھ ہزار تھی۔ ان کے سفر کا مقصد اگرچہ ایک تھا لیکن اس لشکر کی قیادت کسی ایک سارا را فواج کے پاس نہ تھی بلکہ ہر قبیلہ کا الگ قائد تھا جو ان کے باطنی اختلاف کی غمازی کر رہا تھا۔

جنگ کے بارے میں مشرکین کا پروگرام تو یہ تھا کہ وہ اٹھتے ہوئے سیلاب کی طرح مدینہ کی چھوٹی سی بستی پر چڑھ دوڑیں گے اور ان کا ایک ہی ریل مسلمانوں اور ان کے دفاعی منصوبوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا اور وہ چند ساعتوں میں مسلمانوں کا قیمہ کر کے رکھ دیں گے۔ ان کی عورتوں کو اپنی باندیوں اور ان کے بچوں، بچیوں کو غلام بنا کر لے جائیں گے۔ لیکن جب وہاں پہنچے اور اتنی گہری اور چوڑی خندق کو اپنے راستے میں حائل پایا۔ جسے نہ وہ چھلانگ لگا کر عبور کر سکتے تھے اور نہ ہی ان کے برق رفتار گھوڑے زقند گاہ کر پار جاسکتے تھے تو انہوں نے اپنی فتح کے جو ہوائی قلعے تعمیر کئے تھے، وہ یکدم ہو میں تحصیل ہو گئے۔ مسلمانوں کی اس جنگی تدبیر نے ان کے اوسان خطا کر دیئے۔ انہوں نے تو اس قسم کی رکاوٹ کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

ان کے جنگی ماہرین نے کوئی متبادل تدبیر سوچنے کے لئے غور و خوض شروع کیا۔ طویل سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر بنی قریظہ جو ابھی تک مدینہ شہر کے اندر آباد ہیں، وہ اگر ہمارے ساتھ تعاون کریں تو کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ وہ اندر سے مسلمانوں پر ہلہ بول دیں ہم باہر سے مسلمانوں پر سنگباری کریں، تب مسلمانوں کو شکست دے سکتے ہیں۔ حمزہ بن اخطب نے انہیں یقین دلایا تھا کہ بنی قریظہ اس مہم میں ان کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ حمزہ بن اخطب کو بلا کر کہا گیا کہ جاؤ اور بنو قریظہ کو کہو کہ وہ اس نازک وقت میں اپنا فرض ادا کریں۔

شب و روز کی محنت شاقہ سے کفار کے آنے سے پہلے خندق تیار کر لی گئی۔ مدینہ طیبہ کے تین اطراف ایسے تھے، جہاں سے عمومی حملہ کی توقع نہ تھی۔ جنوب کی طرف گھنے

باغات تھے۔ مشرق اور مغرب کی طرف پتھریلا علاقہ اور سخت چٹانیں تھیں۔ جہاں جگہ جگہ گہری اور چوڑی دراڑیں تھیں۔ صرف شمال کی سمت ہی کھلی اور غیر محفوظ تھی اور حملہ کا اسی جانب سے خطرہ تھا۔ چنانچہ کوہ سلع کو پشت کی طرف رکھ کر شہر کی شمالی جانب پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھود کر مکمل کر لی گئی۔ دشمن کے وہاں پہنچنے سے پہلے حضور تین ہزار جانثاروں کو لے کر موزوں مقامات پر خیمہ زن ہو گئے۔ کفار کا لشکر جو ایک طوفان کی صورت میں آگے بڑھا چلا آ رہا تھا، اسے یہ خیال تھا کہ وہ مدینہ کی ہستی کو پہلے ہلہ میں نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ انہوں نے جب اپنے سامنے اتنی چوڑی اور گہری خندق دیکھی تو حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ ان کی جنگی منصوبہ بندی میں ایسی تدبیر کا سان گمان بھی نہ تھا۔ مجبوراً خندق کی دوسری طرف ہی انہوں نے اپنے خیمے نصب کر لئے اور مسلمانوں کو اپنے ہی صحرے میں لے لیا اور حملہ کے لئے مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔

ایک روز ابو جہل کا بیٹا عکرمہ اور عمرو بن عبدود عرب کا مشہور شہسوار اور جنگجو اپنے کئی ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر خندق کا چکر کاٹنے لگے۔ ایک جگہ خندق نسبتاً تنگ تھی۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا بجلی کی سرعت کے ساتھ کود کر خندق کے دوسرے کنارے پر جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس نے بلند آواز سے للکارا۔ **هَذَا مِنْ مُبَايِنَاتِنَا** "ہے کوئی میرے ساتھ مقابلہ کرنے والا۔"

کافر کی یہ للکار سن کر اللہ اور اس کے رسول کے شیر علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، اپنی تلوار ہوا میں لہراتے ہوئے سامنے جا کھڑے ہوئے اور فرمایا "اے عبدود کے بیٹے! میں نے سنا ہے کہ تو نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ اگر کوئی قریشی تجھ سے دو چیزوں کا مطالبہ کرے گا تو ان دو میں سے ایک تو ضرور دے گا۔" اس نے بڑی نخوت سے کہا، ہاں، میں نے ایسا عہد کیا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا **إِنِّي أَتُحَدِّثُ إِلَى اللَّهِ وَلِلَّهِ رُسُلُهُ قُلَاتِي الْإِسْلَامَ** "میں تجھ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک پر ایمان لے اور اسلام قبول کر لے۔" اس نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

شیر خدا نے فرمایا پھر میری درخواست یہ ہے کہ آؤ اور میرے ساتھ مقابلہ کر۔ دو کہنے لگا، میرے، آپ کے والد ابوطالب کے ساتھ بڑے دوستانہ مراسم تھے۔ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ آپ میری تلوار سے قتل ہوں۔ اسلام کے شیر نے کفر کی لومڑی کو فرمایا لیکن میں

اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ میری ذوالفقار تیرا سر قلم کرے۔ یہ سن کر وہ غصہ سے دیوانہ ہو گیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی پشت سے چھانگ لگا دی۔ اس کی کونچوں کو کاٹ دیا اور حیدر کرار سے پنجہ آزمائی کے سئے آگے بڑھا۔ سارا کفر سارے اسلام کے مد مقابل تھا۔ دونوں نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پے در پے حمے کرنے کے سئے ایک دوسرے پر جھپٹتے رہے، اتنی گرد و غبار اڑی کہ دونوں اس میں چھپ گئے۔ دونوں لشکر اپنے اپنے بہادروں کی تلواروں کی جھنکار اور ان کے آپس میں ٹکرانے کی آواز سن رہے تھے، دکھائی کچھ نہیں دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا محبوب اپنی چشم اشکبار سے سیدنا علی کی کامیابی کے لئے مصروف دعا ہو گیا۔ علی کی تلوار صاعقہ (بجلی) بن کر چمکی، اس کے فوجادی خود کو اور اس کی زرہ کو چیرتی ہوئی دشمن خدا کو دو ٹکڑے کرتی ہوئی زمین پر آ کر۔ چند لمحوں کے لئے سنا چھا گیا۔ یہ لمحے مسلمانوں کے لئے قیامت کے لمحے تھے۔ جب غبار چھٹا تو دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا شیر، مصطفیٰ کریم کی سخوش ناز میں پروان چڑھنے والا بھائی اور حسنین کریمین کا پدر بزرگوار اس کافر کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا ہے اور تلوار سے اس کا سر تن سے جدا کر رہا ہے۔ مسلمانوں کی خوشی کا کیا عالم ہو گا! حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسرت و شادمانی کی کیا کیفیت ہو گی، اس کا حال اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ یہی وہ ضرب حیدر کی ہے جس نے کفر کے چھکے چھڑا دیئے اور ان کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔

اس وقت سیدنا علی مرتضیٰ نے فی البدیہ یہ اشعار فرمائے:

نَصْرَ الْجَبَّارَةِ مِنْ سَفَاهَةِ رَأْيِمْ وَنَصْرَتْ رَبِّ مُتَحَبِّبِصَوَابِ

”عمرو بن عبدود نے اپنی حماقت کی وجہ سے پتھروں کی مدد کی اور میں نے

عقل و ہوش سے کام لیتے ہوئے محمد (ﷺ) کے پروردگار کی مدد کی۔“

فَصَدَرْتُ حِينَ تَرَكْتُهُ مُتَجَبِّلًا كَالْجَنْدَرِ بَيْنَ دَكَاذِلٍ وَرَوَائِلِ

”میں وہاں سے نکلا اس حالت میں کہ میں نے اسے نرم ریت کے ڈھیروں

اور نیلوں میں درخت کے ٹڈھ کی طرح مٹی میں ست پت چھوڑا۔“

لَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ خَائِلًا فِي دِينِهِمْ وَابْتَغِ يَوْمَئِذٍ الْآخِرَ (1)

”اے مشرکوں کے گروہو! تم ہر گز یہ گمان نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین

اور اپنے نبی کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا۔“

اس واقعہ کے بعد ایک مہینہ کے قریب کفار محاصرہ کئے رہے لیکن پھر کسی کو یہ جرأت

نہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے شیروں کے کچھار کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

اگرچہ یہ سب ہنگامہ یہود کے ایک قبیلہ بنی نضیر کی ریشہ دوانیوں سے رونما ہوا تھا، لیکن

دوسرا یہودی قبیلہ بنی قریظہ اس میں بالکل حوث نہیں تھا۔ اس کے سردار کا نام کعب بن

اسد قرظی تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے دوستی کے معاہدہ کی پوری پابندی کر

رہے تھے۔ ایک دن موقع پا کر بنی نضیر کا رئیس حمی بن اخطب بنی قریظہ کے سردار کعب کو

منے کے لئے گیا تاکہ اس کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرے۔ جب کعب کو اس کے

آنے کی خبر ہوئی تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے اندازہ کر لیا کہ ضرور کوئی خباثت کرے گا۔ اس

نے اپنے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور اس کو منے سے انکار کر دیا۔ حمی نے کہا: اے کعب!

دروازہ کھول۔ کعب نے کہا تم بد بخت آدمی ہو، مجھے بھی تم کسی بل میں جتنا آدو گے، اس

لئے میں تمہارے لئے دروازہ نہیں کھولوں گا۔ حمی نے اسے طعنہ دیتے ہوئے کہا تم اس سے

دروازہ نہیں کھول رہے کہ تمہیں روٹی نہ کھانی پڑے۔ بخل کا یہ الزام کعب کے لئے ناقابل

برداشت تھا۔ اس نے بادلِ خواست دروازہ کھول دیا۔ جب دونوں تنہائی میں بیٹھے، تو حمی نے کہا:

يَا كَعْبُ، جِئْتُكَ بِعَرَا لَدُنِّي بِمَحْضٍ ظَنٍّ، جِئْتُكَ بِقُرَيْشٍ عَلَى قَادِحَةٍ

وَسَا ذَرِيَّتِي

”اے کعب! میں تمہارے پاس زمانہ بھر کی عزت لے کر آیا ہوں۔ ایک

نہ ٹھیں مارتا ہوا سمندر لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس قریش کے

جنگجو، ان کے سرداروں سمیت لے کر آیا ہوں۔“

بنی عطفان اور کئی دوسرے قبائل کے نوجوان بھی اس لشکرِ جرار میں شامل ہیں۔ ہم نے

یہ پختہ وعدہ کیا ہے کہ جب تک ہم حضور کا خاتمہ نہ کر دیں گے اور اسلام کو جڑوں سے اکھیر

کر نہ پھینک دیں گے، اس وقت تک یہاں سے نہ ٹھیں گے۔ اسلام اور مسلمانوں کو نیست و

نہاد کرنے کا یہاں سے موقع چھ نہ ملے گا۔ اس موقع کو خیریت بناؤ اور تمہارے ساتھ شامل

ہو جاؤ۔ ہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تم پشت کی طرف سے حملہ کرنا چاہو، کعب نے پہلے تو

صاف انکار کر دیا اور کہا:

جَسْتَنِي بِذِي الدَّهْرِ وَيَجْهَأِ قَدْ أَهْرَقَ مَاءَهُ

”اے حیاتِ میرے پاس زمانہ بھر کی عزت نہیں لائے بلکہ جہان بھر کی
ذلت اور رسوائی لے کر آئے ہو۔“

اور جو لشکر تمہارے ساتھ ہے یہ ایسا بادل ہے جو صرف گر جتا ور کڑکنا جانتا ہے۔ اس
میں بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ پیغمبرِ اسلام سے ہمارا دوستی کا معاہدہ ہے اور آج تک ان
کی طرف سے اس کی معمولی خلاف ورزی بھی نہیں ہوئی۔ میں اس معاہدہ کو توڑنا نہیں
چاہتا۔ لیکن حیاتِ اس کو عہد شکنی پر براہِ راست کر تا رہا۔ یہاں تک کہ وہ کامیاب ہو گیا اور کعب
نے آخر کار مسلمانوں سے دوستی کے معاہدے کو ہائے طوق رکھ دیا اور حیات اور لشکر کفار
کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دی۔

حضور ﷺ نے جب یہ بات سنی تو اس کی تصدیق کے لئے قبیلہ ہوس کے سردار
حضرت سعد بن معاذ اور خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ کو چند خاص آدمیوں کے
ساتھ بنو قریظہ کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ اگر یہ اطلاع غلط ہو تو بھرے مجمع میں آکر بتا دینا۔
لیکن اگر درست ہو تو کنیت بتانا۔ ایسا نہ ہو کہ اس حادثہ سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو
جائیں۔ یہ حضرات جب بنی قریظہ کی گڑھی میں پہنچے تو وہاں کاساب بنی بالکل زوال تھا۔ جنگ
کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ تلواریں، بھالے اور تیر کمانیں سجے خانے سے
نکال کر تقسیم کی جا رہی تھیں۔ انہوں نے کعب سے گفتگو کرنا چاہی اور اسے سمجھانا چاہا، لیکن
وہاں تو نیتوں میں فتور پیدا ہو چکا تھا، وہ کوئی معقول بات سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ تو تو، میں
میں تک نوبت پہنچی۔ بنی قریظہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارے درمیان اور محمد (ﷺ)
کے درمیان قطعاً کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ حضرت سعد بن معاذ نے اپنے ساتھیوں کو ان کے
ساتھ الجھنے سے روکا اور فرمایا اب یہ معاملہ گالی گلوچ سے طے نہیں ہوگا، اب معاہدہ بہت
آگے بڑھ گیا ہے۔ واپس سکر انہوں نے اس عہد شکنی کی اطلاع حضور کی خدمت میں شہرہ
کر دی۔ رفتہ رفتہ یہ بات عام ہو گئی۔ مسلمانوں کی پریشانی کی حد ہو گئی۔ پہلے تو صرف بیرونی
حملہ آور سے مقابلہ تھا، اب گھر بھی محفوظ نہ رہا۔ بنی قریظہ کے نوجوان کسی وقت بھی عقب
سے حملہ کر کے حالات سنگین بنا سکتے تھے۔

ان غیر یقینی حالات میں حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

اَيُّكُمْ يَأْتِي مَعْشَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَنْصُورٍ اَللّٰهُ تَعَالٰى وَنَحْنُ؟ (1)

”اے گروہ مسلمانان! تمہیں خوشخبری ہو کہ اللہ کی نصرت و مدد تمہارے ساتھ ہوگی۔“

بنو قریظہ نے جب عہد شکنی کا فیصلہ کر لیا تو ان میں سے عمرو بن سعدؓ نے انہیں اس کے برے نتائج سے ڈر لیا اور نصیحت کی کہ وہ یہ غلطی نہ کریں لیکن وہ اس پر بضد رہے۔ اس نے انہیں یہ بھی کہا کہ اگر تم اس ہازک موقع پر حضور کی امداد نہیں کرتے، تمہاری مرضی لیکن تم غیر جانبدار رہو، ان کو آپس میں لڑنے دو لیکن وہ نہ مانے۔ البتہ ان میں سے تین خوش نصیب اسد، اسید اور ثعلبہ، جن کا تعلق اس قبیلہ کی شاخ بنو سعد سے تھا، وہ اس معاہدہ پر ثابت قدم رہے اور لشکر اسلام میں جا کر شامل ہو گئے۔ بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (2)

بنو قریظہ نے ایک رات یہ ارادہ کیا کہ مدینہ طیبہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیں۔ جب مسلمانوں کو ان کے منصوبے کا علم ہوا تو ان کی پریشانی کی حد نہ رہی لیکن رحمت عالم ﷺ نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے فوری طور پر سلمہ بن اسلم الاشجلی کی قیادت میں دو سو مجاہدین اور زید بن حارثہ کی قیادت میں تین سو مجاہدین کو مدینہ طیبہ کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں چکر لگاتے تھے اور بلند آواز سے نعرہ تکبیر کہتے تھے جس سے سارا مدینہ گونج جاتا تھا۔ اس بروقت اقدام نے بنی قریظہ کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ مسلمان غافل نہیں ہیں اور اگر انہوں نے کوئی ایسی احتیاجی حرکت کی تو انہیں اس کی ایسی سزا ملے گی کہ آئندہ نسلوں بھی اسے یاد رکھیں گی۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں جنگ خندق میں سردار عامر بن ابی سفیانؓ سے ہمراہ تھی۔ ان دنوں نزعے کی سردی پڑ رہی تھی۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ سید عالم ﷺ اپنے خیمہ میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ کافی دیر تک حضور نماز پڑھتے رہے پھر خیمہ سے باہر تشریف لے گئے اور کافی دیر تک دروازہ پیش کا بازو لیتے رہے پھر میں نے

حضور کو یہ فرماتے سنا:

کہ مشرکین کے سوار ہیں جو خندق کا طواف کر رہے ہیں۔ حضور نے عباد بن بشر کو آواز دی۔ انہوں نے عرض کی لےک یارسول اللہ حضور نے پوچھا تمہارے ساتھ کوئی در بھی ہے۔ عرض کی میرے ساتھ مجاہدین کا ایک گروہ ہے۔ ہم حضور کے خیمہ کے ارد گرد پہرہ دے رہے ہیں۔ فرمایا اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے جاؤ اور خندق کا چکر کاٹو۔ مجھے مشرکین کے گھڑ سوار نظر آرہے ہیں جو خندق کے گرد گھوم رہے ہیں۔ وہ اس تلاش میں ہیں کہ انہیں کوئی تنگ جگہ ملے اور وہاں سے وہ داخل ہو کر اچانک تم پر حملہ کر دیں۔ پھر نبی رحمت نے دست دعا بارگاہ رب العزت میں دراز کر کے عرض کی

اللَّهُمَّ قَادِفَ عَنَّا شَرَّهُمْ وَالْمُصْرِنَا عَلَيْهِمْ وَاعْيِبُهُمْ وَلَا
يَعْلِبُهُمْ أَحَدًا غَيْرَكَ

”اے اللہ! ان کے شر کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں ان پر فتح عطا فرما۔
اے اللہ! ان کو مغلوب کر دے۔ حیرے سوان کو کوئی مغلوب نہیں کر
سکتا۔“

تفصیل ارشاد کے لئے حضرت عباد، اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر خندق کا چکر لگانے کے لئے روانہ ہوئے۔ اچانک وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ابوسفیان چند گھڑ سواروں کو اپنے ہمراہ لے کر خندق کی ایک تنگ جگہ سے گھسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مجاہدین نے ان کو ملکار اور ان پر پتھر اور تیر برسانے شروع کر دیئے۔ تیروں کی ایسی بارش کی کہ وہ سر اسیمہ ہو کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت عباد کہتے ہیں کہ ہم جب واپس آئے تو نبی مکرم نماز میں مصروف تھے۔ ہم نے سارا جرا عرض کیا۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں:

يَرْحَمُ اللَّهُ عِبَادَ بْنَ يَشْرِقًا إِنَّكَ كَانَتْ لَوَمَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبَائِمِهِمْ يَحْرُسُهَا أَبَدًا۔

”اللہ تعالیٰ عباد پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے یہ ہر وقت حضور کے خیمہ کے پاس رہتے تھے اور اس کا پہرہ دینے میں ذرا غفلت نہ کرتے تھے۔“
مشرکین نے خندق کو عبور کرنے کی بار بار کوشش کی لیکن انہیں کبھی کامیابی نہ ہوئی۔
دونوں طرف سے ایک دوسرے پر سنگ باری اور تیر اندازی کا سلسلہ جاری رہتا۔

مشرکین نے باری مقرر کر رکھی تھی۔ ایک دن ابوسفیان اپنی فوج کے دستہ کو لے کر خندق کے کنارے پر آکر کھڑا ہوا، دوسرے روز عکرمہ بن ابی جہل اور تیسرے روز ضرار بن خطاب انھیں یہ لوگ اپنے گھوڑے دوڑاتے، مسلمانوں پر تیر برساتے اور حمد کے وقت اپنے تیر اندازوں کو اپنے آگے آگے رکھتے۔ (۱)

جب کفار کی انفرادی کوششیں ناکامی سے دوچار ہو گئیں تو ایک رات انہوں نے طے کیا کہ صبح سویرے سارا لشکر اجتماعی طور پر اس جگہ حمد کرے گا جہاں حضور سرور عالم ﷺ کا خیمہ نصب ہے۔ ساری رات تیاریاں کرنے اور منصوبہ بنانے میں گزار دی۔ نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی غیر معمولی سرگرمیوں کو دیکھ کر خطرہ کا احساس فرمایا اور اسلام کے سارے جانبداروں کو حکم دیا کہ سب ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں۔ کفار اگر حملہ کریں تو ان کا منہ توڑ جواب دیں۔ سرکارِ دو عالم نے انہیں فرمایا اگر تم جنگ میں صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو گے اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو گے تو فتح و کامرانی تمہارے قدم چومے گی۔ صبح ہوتے ہی کفار کے دستوں نے مختلف اطراف سے محاصرہ کر لیا اور ان کا دستہ، جو نہایت منظم اور چوری طرح مسلح تھا، اس نے سارا زور اس قبہ مبارکہ پر حمد کرنے میں لگا دیا جس میں رحمت عالم تشریف فرما تھے۔ اس دستہ کی قیادت خالد بن ولید نے ہاتھ میں تھی۔ سارا دن جنگ جاری رہی۔ کچھ کچھ وقفہ کے بعد ان کے تازہ دم سپاہی اپنی پوزیشنیں سنبھال بیٹے اور مسلمانوں پر تازہ جوش و خروش سے حملہ کرتے۔ مسلمانوں نے بھی اپنے آقا کی حفاظت اور اسلامی پرچم کو بلند رکھنے کے لئے جان کی بازی لگادی۔ سارا دن محاصرہ کا رن پڑتا رہا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اور جان نثار غلامِ صبح سے غروب آفتاب تک اپنی اپنی جگہ پر ڈٹے رہے، کوئی شخص ایک انچ اوڑھ اوڑھ نہیں سکا۔ یہاں تک کہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کرنے کی بھی کسی کو فرصت نہ ملی۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو کفار کی فوجیں اپنی اپنی خیمہ گاہوں میں واپس آئیں۔ مسلمان بھی اپنے مورچوں میں وٹ آئے۔ واپسی سے پہلے سرکارِ دو جہاں ﷺ نے اسید بن حضیر کو حکم دیا کہ وہ دو سو مجاہدین کے ساتھ خندق کی حفاظت کریں۔ چاہے خالد کی قیادت میں دشمنوں نے سارا دن ایک رات پت پت کر حمد کیا، ہم نہیں یہ خدا نہیں تھی۔ ان کے لئے تھکے ماندے مسلمان تھے۔ رات

ہوں گے لیکن جب دوسو مجاہدین کی کمائوں سے نکلنے والے تیروں نے ان کو اپنے نشانہ بنانا شروع کیا تو انہیں غائب و خاسر واپس لوٹنا پڑا۔ خالد کے اس دستہ میں وحشی بھی تھے۔ اس نے اپنا چھوٹا نیزہ سنبھالا، اسے بھرایا اور تاک کر طفیل بن نعمان یا طفیل بن مالک بن نعمان انصاری کو مارا جس سے آپ شہید ہو گئے۔ رسول اکرم ﷺ اپنے خیمہ میں واپس تشریف لائے۔ حضرت بلاں کو اوزان دینے کا حکم دیا پھر انہوں نے اقامت کہی اور سب نے اپنے آقا کی اقتدا میں ظہر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں اقامت کے ساتھ ادا کی گئیں۔ اگرچہ صبح سے نصف شب تک مصروف جہاد رہنے کے باعث جسم تھکاوٹ سے چور چور تھے لیکن جب اپنے کریم اور رحیم رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کے لئے حاضر ہوئے تو گویا تھکن کا نام و نشان تک نہ تھا، بالکل تازہ دم تھے۔

وَصَلَّى كُلُّ مَوْلاٍ كَأَحْسَنِ مَا كَانَ يُصَلِّيهِ فِي دَقَّتِهَا (1)

”حضور ﷺ نے ہر نماز اس حسن و خوبی سے ادا کی جس طرح حضور کا معمول تھا۔“

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی بہادری

یہودیوں کے پانچ پانچ یادس دس آدمیوں کی ٹولیوں نے اس اثناء میں ان قلعوں کے ارد گرد چکر لگانے شروع کر دیئے جہاں مسلم خواتین اور بچے ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت صفیہ، سرور عالم ﷺ کی پھوپھی صاحبہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک یہودی کو مشکوک حالت میں اپنے قلعہ کے ارد گرد گھومتے دیکھا۔ میں نے حضرت حسان کو کہا کہ آپ اس یہودی کو بار بار ادھر آتے دیکھ رہے ہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ دوسرے یہودیوں کو جا کر بتائے گا کہ ہماری حفاظت کے لئے کوئی پہرہ دار نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ہم پر حملہ کر دیں۔ حضور انور اور صحابہ کرام سب دشمن کے سامنے صف بستہ ہیں، بہتر ہے کہ آپ نیچے تریں اور اس یہودی کا کام تمام کر دیں انہوں نے کہا:

يَغْفِرُ اللَّهُ لَكَ يَا ابْنَةَ عَيْبِ الْمُطَلِّبِ وَاللَّهُ لَقَدْ عَرَفْتُ مَا
أَنَا بِصَاحِبِ هَذَا۔

”اے عبدالمطلب کی صاحبزادی! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔
بجدا آپ جانتی ہیں کہ یہ کام میرے بس کا نہیں۔“

ان کا یہ جواب سنا تو میں نے اپنا کمر بند کس کر باندھ لیا۔ ایک لٹھ پڑی ہوئی تھی، اسے اٹھ لیا اور نیچے اتر آئی۔ جب وہ یہودی میرے پاس سے گزرا تو میں نے وہ لٹھ اس کے سر پر دے ماری اسی وقت اس کی جان نکل گئی اس سے فارغ ہو کر میں اوپر آئی حضرت حسان کو بتایا کہ میں نے اس منحوس کا کام تمام کر دیا ہے اگر وہ مرد نہ ہوتا تو میں اس کا لباس اتار لیتی۔ آپ جائیں اور اس کا لباس اتار لائیں۔ انہوں نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا اب اس مردے کا سر کاٹ کر تو یہودیوں کی طرف پھینک دو۔ آپ نے انکار کر دیا میں نے اس کا سر کاٹا اور یہودیوں کی بستیوں کی طرف پھینک دیا۔ جب انہوں نے ایک یہودی کا کٹہا ہوا سر اپنے ہاں دیکھا تو انہیں یقین ہو گیا کہ مسلم خواتین کے محافظ موجود ہیں۔ اگر نیت بد سے کسی نے ادھر جانے کا قصد کیا تو اس کا انجام بڑا عبرتناک ہو گا۔ پھر کوئی یہودی ہمارے قلعے کی طرف نہیں آئے۔

منافقین جو اب تک مصلحت بینی کے پیش نظر بادل خواستہ اسلامی لشکر میں شامل تھے، انہوں نے بر ملا کھسکا شروع کر دیا۔ وہ طرح طرح کی بہانہ سازیاں کرنے لگے، لیکن اللہ تعالیٰ کے محبوب کے سچے خادم ان حالات میں بھی ثابت قدمی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفار کی جمعیت اور طاقت کو منتشر کرنے کے لئے بنی غطفان کے سرداروں عیینہ بن حصن اور ابو الحارث بن عمرو سے بات چیت شروع کی۔ انہیں فرمایا اگر تم می صر و اٹھا کر چلے جاؤ تو مدینہ کی کھجوروں کا تیسرا حصہ تمہیں دے دیا جائے گا، انہوں نے آمادگی کا اظہار کیا۔ اسی اثناء میں اسید بن حضیر تشریف لے آئے، انہوں نے دیکھا کہ عیینہ بن حصن اپنے پاؤں پھیلانے حضور کے سامنے بیٹھا ہے۔ ان سے یہ گستاخانہ حرکت برداشت نہ ہو سکی اسے ڈانٹ کر کہا:

يَا عَيْنَ الْهَجْرِ اَتَمَدُ رَجُلٌ بَيْنَ يَدَي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلًا لَّيْسَ رَسُولُ اللَّهِ لَا تُفْعَلُ
جَنَبَتْ بِهَذَا الرَّمِيحِ۔

(1)

”اے بندر کی آنکھوں والے کیا تم اللہ کے پیارے رسول ﷺ کے سامنے یوں پاؤں پھیل کر بیٹھے ہوئے ہو۔ اگر یہ رسول اللہ کی مجلس نہ ہوتی تو بخدا میں اس نیزے سے تمہارا پیٹ پھاڑ دیتا۔“

ابھی یہ بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو مشورہ کے لئے طلب فرمایا۔ وہ حاضر ہوئے تو انہیں ساری گفتگو سے آگاہ کر دیا۔ انہوں نے عرض کی: اے ہمارے آقا! اگر یہ معاہدہ حضور کو پسند ہے اور خوشی کا باعث ہے تو ہمیں منظور ہے۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تو بھی ہمیں مجاب نکار نہیں۔ اگر حضور محض ہماری سلامتی کے پیش نظر یہ معاہدہ کر رہے ہیں، تو پھر ہم یہ معاہدہ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جب ہم کافر اور مشرک تھے، اس وقت بھی ہم ان قبائل کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ بطور مہمان یا خرید کر تو یہ مدینہ کی کھجوریں کھا سکتے تھے، ویسے زیر دستی کسی کو کھجور کا ایک دانہ لینے کی بھی جرأت نہیں تھی۔ اب تو ہمیں اللہ تعالیٰ نے عزت اسلام سے مشرف کیا ہے۔ ہماری غیرت ایمانی اور حمیت اسلامی کب گورا کر سکتی ہے کہ وہ یونہی ہماری کھجوروں میں حصہ دار بن جائیں۔ رحمت عام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے محض تمہاری سلامتی کے پیش نظر ان سے یہ بات چیت شروع کی ہے۔ اس تاریک، حول میں، ان صبر آزما مشکلات میں غیرت و جرأت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر حضور کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے عرض کی:

وَأَتَيْنَا لَا نُعْطِيهِمْ حَتَّىٰ يَخْلَعُوا اللَّهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ (۱)

”ہمارے پاس انہیں دینے کے لئے صرف تلوار ہے، یہاں تک کہ اللہ

تعالیٰ ہمارے درمیان و دران کے درمیان فیصلہ فرمائے۔“

اہل ایمان کے صبر و خصوص کا جب امتحان ہو چکا تو نصرت خداوندی رونما ہونے لگی۔ بنی غطفان کا ایک نوجوان نعیم بن مسعود عامر بن غطفان ہار گاہ رسالت میں حاضر ہوا، در عرض کرنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو نور ایمان سے منور کر دیا ہے۔ میرے مسلمان ہونے کی کسی کو خبر نہیں، اگر میں کسی خدمت کے قابل ہوں تو ارشاد فرمائیے، دس و جان سے حاضر ہوں۔ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم تنہا تو اس آڑے وقت میں

اسلام کی کوئی نمایاں خدمت نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر کسی طرح تم دشمن کی صفوں میں انتشار پیدا کرو تو یہ ہماری بڑی امداد ہوگی۔ ”**الْعُرْبُ خُدَعَةٌ**“ یہ جنگ ہے اور جنگ میں ایسی تدبیر جائز ہے۔

نعمان کے بنی قریظہ کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ وہ اپنے قبیلہ سے کھسک کر ان کے ہاں گیا اور انہیں جا کر کہا میری جو دلی محبت اور دیرینہ تعلقات تمہارے ساتھ ہیں، ان کا تمہیں بخوبی علم ہے۔ انہوں نے کہا بیشک ہمیں تم پر کسی قسم کا شبہ نہیں۔ پھر اس نے بڑے راز دارانہ انداز میں کہا: قریش اور غطفان کے قبائل مدینہ پر حملہ کے لئے آئے ہیں اور تم نے مسلمانوں سے دوستانہ معاہدہ توڑ کر ان کی امداد کا اعلان کر دیا۔ لیکن تمہاری اور ان کی حالت یکساں نہیں۔ تمہاری یہاں رہائش ہے، تمہارے ہاں بچے، مال و منال اور زمین و مکان سب ہیں۔ تم کسی حالت میں انہیں چھوڑ کر یہاں سے نہیں جا سکتے۔ لیکن ان کے ہاں وہیں اور ماں و متاع یہاں سے بہت دور اپنے اپنے علاقہ میں محفوظ ہیں۔ انہیں موقع ملے تو وہ مسلمانوں پر حملہ کریں گے اور کامیابی کی صورت میں ان کی ہر چیز پر قبضہ کر لیں گے بصورت دیگر وہ یہاں سے چلے جائیں گے اور تمہیں تنہا چھوڑ دیں گے۔ خود سوچو، کیا ایسی صورت میں تم تنہا اس شخص کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ میرا اخصاصہ مشورہ یہ ہے کہ تم جنگ چھڑنے سے پہلے انہیں کہو کہ وہ چند مقتدر لوگ تمہارے پاس بطور یہ عمل بھیجیں تاکہ تمہیں یقین ہو جائے۔ وہ کسی حال میں تمہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اپنے وطن نہیں واپس آئیں گے۔ یہود قریظہ اس کی بات سے بڑے متاثر ہوئے۔ کہنے لگے: **هَذَا أَتَوْتُ بِمُصْطَفَى** ”تم نے ہمیں صحیح مشورہ دیا ہے۔“

وہاں سے نکل کر وہ قریش کے پاس آیا اور ابوسفیان اور چند چیدہ قریشیوں سے جا کر ملا اور کہا: میرے تمہارے ساتھ عرصہ دراز سے دوستانہ مراسم ہیں، اسے تم خوب جانتے ہو۔ اور خبیثہ اسلام سے مجھے جو عداوت ہے وہ بھی تمہیں معلوم ہے۔ مجھے ایک خبر ملی ہے، وہ اتنی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ میں تمہارے گوش گزار کروں لیکن خدا ارادے کرتا ہے کہ یہ راز فاش نہ کرتا۔ انہوں نے سے یقین لیا کہ یہ راز افشا نہیں ہونے دیا جائے گا۔ نعمان نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ بنی قریظہ کا دوستانہ معاہدہ مسلمانوں کے ساتھ تھا جو انہوں نے توڑا ہے اور تمہارے ساتھ مل گئے۔ اب وہ اس عداوت کو بڑے پکچھتا رہے ہیں۔ انہوں نے اظہار

ندامت کرتے ہوئے معاہدہ کی تجدید کے لئے گفت و شنید شروع کر دی ہے۔ انہوں نے حضور کو کہا ہے کہ ہم اپنی وفاداری کے اظہار کے لئے قریش اور غطفان کے چند مقتدر آدمی کسی طرح بلا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ آپ ان کو قتل کر دیجئے۔ پھر ہم آپ کے ساتھ مل کر کفار پر حملہ کر دیں گے اور انہیں مار بھگائیں گے۔ پیغمبر اسلام نے ان کی یہ تجویز منظور کر لی ہے۔ اگر یہودی تم سے بطور رہن چند آدمی طلب کریں، تو خبردار ایک آدمی بھی نہ بھیجتا۔ بعینہ یہ بات اس نے غطفان کے سرداروں کو جا کر بتائی۔

اتفاق کی بات ہے کہ ہفتہ کی رات کو ابوسفیان نے عکرمہ بن ابی جہل اور ورقہ بن غطفان کو چند دوسرے سرداروں کے ساتھ یہود کے پاس روانہ کیا اور انہیں کہلا بھیجا کہ ہم یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے۔ حالت سفر میں ہمارے جانور ہلک ہو رہے ہیں اور خود ہم بھی طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ محصرہ کو اب مزید طول دینا ہمارے لئے ممکن نہیں، اس لئے اب مزید تاخیر کئے بغیر ہمیں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانا چاہئے۔ کل ہم سامنے سے مسلمانوں پر حملہ کریں گے اور تم پیچھے سے ہلہ بول دو تاکہ اس منحصرہ سے جان چھوٹے اور ہم فارغ ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ یہود نے جواب دیا کہ کل یوم سبت (ہفتہ) ہے اور ہم اس روز کوئی کام نہیں کرتے۔ دوسرا ہم مسلمانوں سے دشمنی کا خطرہ مول لینے سے پہلے یہ یقین کرنا چاہتے ہیں کہ تم کسی وقت ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے نہیں جاؤ گے اور ہمیں تب یقین آئے گا جب چند معزز آدمی تم ہمارے پاس بطور رہن بھیج دو۔ اگر تمہیں یہ شرط منظور نہیں، تو پھر ہم محمد (فداہ ابی دانی) کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے۔ تم تو کل گھروں کو چلے جاؤ گے۔ ہم یہاں سے بھاگ کر کہاں سر چھپائیں گے۔ جب وفد نے بنی قریظہ کی گفتگو ابوسفیان وغیرہ کو جا کر بتائی، تو وہ کہنے لگا بخدا نعیم نے جو اطلاع ہمیں دی تھی، وہ درست ہے۔ ابوسفیان نے ان کی یہ شرط ماننے سے صاف صاف انکار کر دیا۔ اس طرح بنی قریظہ کو یقین ہو گیا کہ نعیم نے جو مشورہ دیا تھا، وہ صحیح تھا۔ انہوں نے حمد و شکر کو کہا بھیجا کہ جب تک تم اپنے آدمی بطور یرغما ہمارے پاس نہیں بھیجو گے، ہم تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ ایک دوسرے سے بدگمان ہو گئے اور اسلام کے خلاف ان کا اتحاد پورا رہا۔

جاڑے کا موسم تھا۔ جا کی سردی پڑ رہی تھی، سامان رسد بھی تہستہ تہستہ ختم ہو رہا

تھا۔ یہود کے ساتھ تعلقات بھی ٹوٹ چکے تھے۔ حوصلے پست اور ہمت ٹوٹ چکی تھی۔ ایک رات کو سخت آندھی آئی۔ ان کے خیموں کی مٹائیں ٹوٹ گئیں۔ ہانڈیاں الٹ گئیں۔ گھوڑے رے تڑا کر بھاگ نکلے۔ سارے لشکر میں سراپسنگی پھیل گئی۔ وہ سمجھے کہ یہ تند و تیز آندھی انہیں تباہ کر کے رکھ دے گی۔ ابوسفیان جو اس ساری شرارت کا سرغنہ تھا، اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور کہا یارو! میں تو جا رہا ہوں تم بھی کوچ کرو۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ جھکڑ کیا قیامت ڈھا رہا ہے۔ ابوسفیان پر ایسی بدحواسی طاری تھی کہ اونٹ پر سوار ہونے سے پہلے اس کا عقال (رسی) کھولنا یاد نہ رہا۔ جب اس نے اسے ایڑ لگا کر اٹھانا چاہا تب اسے پتہ چلا کہ اس کا پاؤں رسی سے بندھا ہوا ہے۔ اسی حالت میں اس نے عقال کو تلواریں سے کاٹا اور سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ قریش اور غطفان نے جب اپنے کمانڈر انچیف کو یوں بزدلی کا مظاہرہ کرتے اور فرار ہوتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے بھی بھاگ جانے میں عافیت سمجھی۔ حضرت حذیفہ نے ابوسفیان اور اس کے لشکر کے فرار کا آنکھوں دیکھا حال بارگاہ رسالت میں عرض کیا تو رحمت مجسم علیہ الصلوٰۃ والسلام خوشی سے فیس پڑے۔ یہاں تک کہ حضور کے دندان مبارک کی سپیدی ظاہر ہو گئی۔ مسلمان جب صبح بیدار ہوئے اور لشکر کفار کے پڑاؤ کی طرف دیکھا تو وہاں ٹوٹی ہوئی ہتھیابوں، انٹی ہوئی ہانڈیوں، بچھی ہوئی کتب اور بٹھرے ہوئے سامان کے سوا کوئی چیز نظر نہ آئی۔ کفری کالی گھٹانا پید ہو چکی تھی۔ شرب نگر کا مطلع صاف ہو چکا تھا۔ جہاں سورج کی سنبری کر نہیں، مسرت، کامیابی اور اطمینان کی نوید سناری تھیں۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اگر حضور کو رحمت للعالمین بنا کر نہ بھیجا ہوتا تو یہ آندھی لشکر کفار کے ہر سپاہی کو ہلاک کر دیتی۔ حضور ﷺ کی شان رحمت للعالمین کے طفیل کفار کو بھی عذاب الہی سے پناہ ملی۔ خطرات میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک لشکر جرار نے مسلمانوں کا می صرہ کر رکھا تھا۔ بنو قریظہ کے حملہ آور ہونے کا خدشہ برقرار تھا۔ تقریباً ایک ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ مسلمانوں کو رات کو چین نصیب تھا نہ دن کو آرام۔ حضور تین روز گاتار۔ سوموار، منگل اور بدھ کو ظہر اور عصر کی نماز کے درمیان مسجد احزاب میں تشریف لے آئے اور شکر غارن شکست کے اپنے آپ پر اتار دیا۔ تیسرا روز حضور نے من و مہر سے شکر لے لیا۔ اب ساری اصل کیا تو نبی مرہم

ﷺ نے اپنے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَتَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْتَوُوا اللَّهَ الْعَافِيَةَ
فَإِنَّ لِقَاءَ الْعَدُوِّ فَاصِرٌ رَدًّا وَعَلَيْكُمْ أَنْ الْبَحْثَةَ تَحْتَ
ظِلِّ الشَّيْطَانِ.

”اے لوگو! دشمن سے ملاقات کی تمنہ نہ کرو۔ اللہ سے عافیت کی دعا مانگو اور جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو صبر کرو۔ اور خوب جان لو کہ جنت، تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔“

پھر حضور انور نے یوں دعا فرمائی:

اللَّهُمَّ مَزِيلَ الْكِتَابِ - مَرِيْعَ الْحِسَابِ - اِهْزِمْ الْخَزَابَ -
اللَّهُمَّ اِهْزِمْ مَقْعَدَ الْإِنْصَارِ

”اے اللہ! اے کتاب نازل کرنے والے۔ اے جلدی حساب کرنے والے۔ اے گرد ہوں کو شکست دینے والے۔ اے اللہ! ان مشرکین کو شکست دے اور ہمیں ان پر نصرت عطا فرما۔“

ایک روز صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! شدت خوف سے دل حلق تک آگئے ہیں۔ کوئی ایسا ورد بتائیے جو ایسے اوقات میں ہم پڑھیں تو دلوں کو قرار اور سکون نصیب ہو۔ رحمت عالم نے فرمایا یوں کہا کرو:

اللَّهُمَّ اسْتَرْعَوْا رَيْتَ دَاوُدَ وَرَيْتَ دَاوُدَ

”اے اللہ! ہمارے پردے کی جگہوں پر پردہ ڈال دے اور ہمارے خوفوں کو امن سے بدل دے۔“

صحابہ نے جب یہ ورد کیا تو سارے خوف کا فور ہو گئے۔

شہداء خندق کے اسماء گرامی

1۔ سعد بن معاذ۔ جن کی شہادت کا مفصل تذکرہ آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے۔

2۔ انس بن وس

3۔ عبد اللہ بن سہل

4۔ طفیل بن نعمان

5۔ ثعلبہ بن عثمہ

6۔ کعب بن زید البخاری

حافظ احمد میاں نے ”الانساب“ میں تین ناموں کا اور اضافہ کیا ہے جنہیں شرف شہادت نصیب ہوا۔

7۔ قیس بن زید بن عامر

8۔ عبد اللہ بن ابی خالد

9۔ ابوشان بن سیفی بن صحر

رَفِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ وَعَنْ سَائِرِ الشَّهَدَاءِ وَالْمُجَاهِدِينَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ - اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ وَمَوْتًا فِي
بَيْتِكَ حَبِيبِكَ

مقتولین کفار

اس جنگ میں کفار کے صرف تین آدمی قتل ہوئے۔

1۔ عمرو بن عبدود۔ جس کو سیدنا علی مرتضیٰ کی شمشیر خاں و شکاف نے داصل چھمکایا۔

2۔ نوفل بن عبد اللہ بن مغیرہ۔ جس کو حضرت زبیر بن العوام نے موت کے گھاٹ اتارا۔

3۔ اور عثمان بن جبہ

نوفل کے بارے میں ہے کہ حضرت زبیر نے اپنی تلوار سے جب اس پر وار کیا تو کئے دو

تھوڑے روئے حتیٰ کہ اس کی زمین کو بھی درمیان سے کاٹ دید۔ کسی نے داد دیتے ہوئے کہا:

يَا أَبَا سَعْدٍ اللَّهُ مَا رَأَيْتَ مِثْلَ سَيْفِكَ

”اے زبیر ہم نے آپ کی تلوار جیسی کوئی تلوار نہیں دیکھی۔ آپ نے

فرمایا:

(1) وَبِئْسَ مَا هُوَ سَيْفٌ وَمِثْلُهُ لَا يُعَدُّ

”بھدایہ تلوار کا کمال نہیں بلکہ اس بازو کا کمال ہے جس نے تلوار چلائی۔“

کفار نے عمرو بن عبدود اور نوفل کی لاشوں کی واپسی کے لئے دس دس ہزار درہم معاوضہ پیش کیا لیکن حضور نے ارشاد فرمایا:

(1) لَا تَأْكُلُ شَيْءَ الْمَوْتَى

”ہم مردوں کو بیچ کر ان کی رقم نہیں کھایا کرتے۔ اور ان کی لاشوں کو بلا معاوضہ واپس کر دیا۔“

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

اس غزوہ میں اسلام کے بطل جمیل حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے۔ حبان بن قیس بن العرقہ نے حضرت سعد کو تیر مارا جو آپ کے بازو کی شہ رگ میں گری پوسٹ ہو گیا جس سے شہ رگ کٹ گئی۔ جب حبان کا تیر آپ کو لگا تو اس نے نعرہ لگایا۔
حَذَّهَا دَأَانَا ابْنُ الْعِرْقَةِ تِيرَ سَنْجَالُو۔ میں ہوں عرقہ کا بیٹا۔“

حضور کریم ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا عَزَقَ اللَّهُ وَجْهَكَ فِي النَّارِ ”اللہ تعالیٰ تیرے چہرہ کو جگ میں عرق آلود کرے۔“
اپنے زخم کو خطرناک خیال کرتے ہوئے حضرت سعد نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے اور عرض کی:

اے اللہ! اگر قریش کے ساتھ مزید جنگ ہونی ہے تو پھر مجھے اس کے لئے زندہ رکھ کیونکہ اس قوم کے ساتھ جنگ کرنا مجھے بہت پسند ہے جس نے تیرے رسول کو اذیت پہنچائی، اسے اپنے وطن سے نکالا اور اس کو جھٹلایا۔

اے اللہ! اگر ان کے ساتھ یہ آخری جنگ تھی تو س زخم کو میرے لئے شہادت کا سبب بنادے اور مجھے اس وقت تک موت نہ دے جب تک میری آنکھیں بنو قریظہ سے ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔

جب سورج طلوع ہوا اور اس کی روشنی سے کوہ دودمن میں اجالا ہو گیا تو مسلمانوں نے دیکھا کہ کفار و مشرکین کے عساکر کا وہاں نام و نشان تک بھی نہیں، سب بھاگ گئے تھے۔

اس وقت اس بشیر و نذیر نبی نے اپنے جان نثاروں کو اس مژدہ جاں فزا سے خورسند فرمایا

اَلاَئِنْ نَفَرُوْا هُمْ لَا يَغْزُوْنَ اَنَا عِنْدَ سَيِّدِ الْمَلٰٓئِكَةِ (1)

”اب ہم ان پر حمد کیا کریں گے، وہ ہم پر حملہ آور نہیں ہو سکیں گے،

اب ہم ان کی طرف جائیں گے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب کی زبان سے نکلے ہوئے ان کلمات طیبت کو پورا کیا۔

اس کے بعد کفار مکہ کو کبھی جرأت نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں پر لشکر کشی کر سکیں۔ ہمیشہ حضور سرور عالم ﷺ ہی ان پر حمد آور ہوتے رہے، یہاں تک کہ مکہ معظمہ فتح ہوا۔

نبی رؤف و رحیم ﷺ اپنے رب کے اس احسان عظیم کو ہمیشہ یاد کرتے تھے اور اس پر اظہار شکر فرمایا کرتے۔ یہ جملہ اکثر اوقات زبان مبارک پر ہوتا

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ - اَعَزَّ جُنْدُكَ وَنَصَرَ عَبْدُكَ وَهَزَمَ
الْاَحْزَابَ وَحْدَكَ -

”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنے شکر کو فتح کی عزت

بخشی۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام احزاب کو تباہ شکست دی۔“

جب سارا میدان کفار کے اس لشکر جرار سے خالی ہو گیا تو حضور پر نور نے مجاہدین

اسلام کو اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت دی۔ وہ اپنے رب قدوس کی حمد و ثناء کے گیت

گاتے ہوئے، اس کی تائید و نصرت پر اس کا شکر بجا لاتے ہوئے مظفر و منصور ہو کر شاہان و

فرحان بنے اہل و عیال میں واپس تشریف لے گئے۔

غزوہ خندق کے دور رس اثرات

جزیرہ عرب کی متعدد اسلام دشمن قوتوں نے اپنی تمام افرادی قوت اور مالی، سائل کو

مجمع کر کے بڑے جوش و خروش سے مرکز اسلام پر حملہ کیا تھا۔ اس حملے کے ساتھ نبیوں

نے بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں لیکن ان کی یہ متحدہ مہم جس یسویں کنافاتی سے

دو چار ہوئی، اس نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اتنی قوت وہ دوبارہ ہرگز فراہم نہیں کر سکتے اس لئے اب اس نوخیز اسد می مملکت اور اس کے دین کو وہ قطعاً کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے اس شکست نے ان کی امیدوں کے قلعوں کو پیوند خاک کر دیا۔

غزوہ احد میں مسلمانوں کے جانی نقصان کے باعث جو توقعات قوم کی گئی تھیں، وہ یکایک چور چور ہو گئیں۔ دوسرا اثر یہ ہوا کہ یہود جو مدینہ طیبہ میں پیش و پرام کی زندگی بسر کر رہے تھے بازاروں اور تجارتی منڈیوں میں ان کو باادستی حاصل تھی۔ زرعی زمینیں، باغات اور ٹھکانے ان کی ملکیت میں تھے۔ باہمی معاہدہ کی وجہ سے ان کی طرف سے کچھ اٹھار کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس کے باوجود ان کے دلوں میں اسلام کے بارے میں بغض و عناد کے جذبات جوش مارتے رہتے تھے۔ اس غزوہ کے باعث ان کی سلام دشمنی کا پردہ چاک ہو گیا۔ معاہدہ توڑنے میں انہوں نے پہل کی۔ ان سنگین حالات میں ان کی عہد شکنی و رخیست سے مسلمانوں کے لئے ان مارہائے آستین سے پنپنا آسان ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے درمیان اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ باقی نہ رہا۔ اب مسلمان ان کو ان کے کرتوتوں کی سزا دینے میں آزاد ہو گئے۔

اس غزوہ کا تیسرا اثر یہ ہوا کہ جنگ خندق کے ایام میں رحمت عالم ﷺ سے یہ عجرات ظہور پذیر ہوئے تھے جن کے باعث بہت سے لوگوں کی آنکھوں سے جہالت اور تعصب کی پٹی اتر گئی تھی اور نور حق انہیں نظر آنے لگا تھا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کے راستہ میں جو رکاوٹیں تھیں، وہ سب دور ہونے لگی تھیں اور وہ اسلام قبول کرنے لگے تھے۔ اس جنگ کا ایک اہم اثر یہ بھی ہوا کہ مشرکین اور کفار کے ظاہری اتحاد کا پوس کھل گیا۔ یہ لشکر اگرچہ بظاہر متحد تھے لیکن کفر و شرک کی وجہ سے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں شکوک و شبہات تھے۔ اسی لئے وہ کسی ایک سپہ سالار پر متفق نہیں ہو سکے تھے۔

نیز دنیا پر یہ حقیقت بھی آشکارا ہو گئی کہ ان کا اپنے مذہب کے ساتھ تعلق کتنا مضبوط ہے۔ ذاتی منفعت کے لالچ میں آکر اجتماعی مفاد کو قربان کر دینا ان کے لئے قطعاً مشکل بات نہ تھی۔ عینہ اور حارث کو جب اس شرط پر مدینہ کی کھجوروں کی پیداوار کا 1 حصہ دینے کی تجویز پیش کی گئی کہ وہ اپنے قبائل کو ساتھ لے کر واپس چلے جائیں تو انہوں نے فوراً آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اسی طرح مشرکین مکہ اور غرقیطہ کے درمیان بڑی سسانی سے شدید قسم کی

خط فہمیاں پیدا کر دی گئیں۔ ان کا اتحاد **تَحَبُّدٌ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى** کا منظر پیش کر رہا تھا۔
ان تمام واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ اتحاد و اتفاق کے ہزار و عوے کریں مگر ان میں نہ
اتحاد ہے اور نہ اتفاق۔

اسی لئے بشیر و نذیر نبی ﷺ نے صاف الفاظ میں اپنے صحابہ کرام کو یہ مرثوہ جاں فزاں
دیا تھا کہ

لَا تَغْرُؤُكُمْ قُرَيْشٌ بَعْدَ عَامِكُمْ هَذَا وَلَكِنْ تَكُونُ تَغْرُؤُكُمْ

”اس سال کے بعد قریش تم پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کریں گے
بلکہ اب تم ان پر حملہ کیا کرو گے۔“

غزوہ بنو قریظہ

آپ بنو قریظہ کی غداری اور عہد شکنی کا تذکرہ تفصیلاً پڑھ چکے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے عالم
غیب سے اسباب پیدا کر کے ان کے منصوبوں کو خاک میں نہ ملا دیا ہوتا تو مسلمانوں پر جو
گزرتی اس کا تصور کرتا مشکل نہیں، لیکن جب تقدیر الہی نے تدبیر کے شاطروں کو مات
دے دی۔ قریش و غطفان اور بنی اسد وغیرہ قبائل اپنے جنگ جو بہادروں سمیت پسپا ہو گئے تو
اب بنو قریظہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ حضور ایک ماہ تک کھلے میدان میں کفار کے سامنے
سینہ سپر رہنے کے بعد اپنے غلاموں سمیت گھروں میں پھنپے ہی تھے اور سر مبارک دھونے
کی تیاری ہی فرما رہے تھے کہ جبرائیل نمودار ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہ! ہم نے تو ابھی
تک ہتھیار اتارے ہی نہیں اور آپ نے اتار بھی دیئے۔ میں ملائکہ کے ایک گروہ کے
ساتھ کفار کے تعاقب میں تھا اور انہیں روجاء تک بھاگ کر واپس آیا اور حکم خداوندی یہ ہے
کہ جب تک بنی قریظہ کا خاتمہ نہ کر لیا جائے، اس وقت تک ہتھیار اتارنے کی اجازت نہیں۔
فرمان الہی ملتے ہی حضور نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ نواں دے اور بلند آواز سے یہ اعلان
کر دے

مَنْ كَانَتْ سَاعَتُهُ طَيْفًا فَلَا يُصَلِّيَنَّ الْعَصْرَ إِلَّا بِبَنِي قُرَيْظَةَ

”یعنی ہر طاعت گزار مسلمان عصر کی نماز بنی قریظہ میں ادا کرے۔“

مدینہ طیبہ میں منادی کرنے کے لئے ایک اور آدمی دوڑایا جو یہ اعلان کر رہا تھا۔

يَا حَيْلَ اللَّهِ اِنَّا كُنَّا اِىَّ اللّٰهِ تَعَالٰى كَ شَرِّ سَوَارٍ وَّ اِنَّا بِنَاظِرٍ عَلٰى سَوَارٍ هُوَ جَاؤُ۔

یہ اعلان سنتے ہی مسلمان ہتھیار سجائے اپنے گھروں سے نکلنے لگے۔ حضور گھوڑے پر سوار تھے جس کا نام ”لطیف“ تھا۔ سو صحابہ کے ایک دستے نے گھوڑوں پر سوار ہو کر حضور ﷺ کے ارد گرد حلقہ بنالیا جن کے پاس سواری کا انتظام نہ تھا، وہ پابندہ چل پڑے۔ اس روز لشکر اسلام کا پرچم سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو عطا فرمایا گیا۔ یہ لشکر جلد ہی بنو قریظہ کی گڑھی کے قریب پہنچ گیا۔ حضرت علی نے قلعہ کی دیوار کے نزدیک پرچم گاڑ دیا۔ یہودیوں نے جب مسلمانوں کو آتے ہوئے دیکھا تو دروازے بند کر دیئے اور مردوزن چھت پر چڑھ گئے اور مسلمانوں پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے لگے۔ حضرت اُسید بن حنظل نے ان کی اس حرکت پر غضبناک ہو کر فرمایا:

يَا اَعْدَاءَ اللّٰهِ لَا تَبْرَحُوْا عَنْ حُصُونِكُمْ حَتّٰى تَمُوْتُوْا جُوعًا۔

”اے اللہ کے دشمنو! ہم تمہارے قلعوں کا ایسا محاصرہ کریں گے کہ تم

بھوکے مر جاؤ گے۔“

انہوں نے اپنی دیرینہ دوستی کا واسطہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان سب تعلقات منقطع ہو گئے ہیں۔ حضور نے رات وہاں بسر کی۔ صبح ہوتے ہی ان کے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور مختلف مقامات پر تیر انداز بٹھادیئے۔ یہود بھی پتھر اور تیر برساتے رہے۔ مسلمان بھی ان کا موثر جواب دیتے رہے۔ جب ان کی شرارت شدت اختیار کرنے لگی تو حضور کے ارشاد سے مسلمانوں نے انہیں باقاعدہ اپنی زد میں لے لیا۔ انہوں نے پتھر برسانے بند کر دیئے اور گفتگو کرنے کی اجازت طلب کی جو انہیں بخشی گئی۔

یہود نے نباش بن قیس کو اپنا نمائندہ بنا کر بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ اس نے آکر کہا کہ جن شرائط پر آپ نے بنو نضیر کو یہاں سے نکلنے کی اجازت دی تھی، انہی شرائط پر ہمیں بھی یہاں سے نکل جانے کی اجازت دے دیجئے۔ ہم اپنی عورتوں، بچوں اور بارشتر کے ساتھ مدینہ چھوڑ جاتے ہیں، باقی ہر چیز آپ سنبھالئے۔ حضور نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے کہا کہ ہم سارا مال و متاع یہاں چھوڑ جاتے ہیں، صرف ہماری جان بخشی کی جائے۔ یہ تجویز بھی

مسترد کر دی گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم اپنے متعلق میرا فیصلہ اگر ماننے کے لئے تیار ہو تو تمہارے ساتھ مفاہمت کی بات چیت کی جاسکتی ہے۔ وہ مشورہ کرنے کے لئے قلعہ میں واپس گیا اور سارا ماجرا انہیں کہہ سنایا۔

ان کے سردار کعب ابن اسد نے کہا اے میری قوم! تین تجویزیں ہیں، ان میں سے کوئی ایک پسند کرو۔ انہوں نے پوچھا بتائیے۔ اس نے کہا سب سے بہتر تو یہ ہے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ اب اس امر میں ذرا شبہ نہیں رہا کہ محمد (ﷺ) وہی رسول مکرّم ہے جس کی بشارت اور ذکر ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ آج تک محض حسد کے باعث ہم ان کی مخالفت کرتے رہے۔ اب وقت ہے ایمان لے آؤ۔ تم تمہارا بال بچہ اور مال و متاع سب بچ جائے گا اور نعمت ہدایت سے بھی مالا مال ہو جاؤ گے۔ میں تو مسلمانوں سے کئے ہوئے معاہدہ کو توڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس بد بخت (حیی بن اخطب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کی نحوست نے ہمیں اس مصیبت میں مبتلا کیا۔ قوم نے کہا کہ ہم ایمان تو کسی قیمت پر ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اس نے کہا دوسری تجویز یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو اپنی تلواروں سے کاٹ ڈالو اور پھر مسلمانوں پر نوٹ پڑو، نتیجہ دیکھا جائے گا۔ قوم نے کہا ان معصوم بچوں اور عورتوں کو بد سناؤں و بکریاں کر دینا کہاں کی انسانیت ہے، ہم ایسا نہیں کریں گے۔ اس نے کہا تیسری تجویز یہ ہے کہ آج سبت کی رات ہے۔ مسلمانوں کو علم ہے کہ یہودی آج محمد نہیں کریں گے، وہ بالکل مطمئن اور بے خوف و خطر بیٹھے ہوں گے۔ آواز کی سب خبریں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اچانک ان پر ہلے بول دیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم انہیں شکست دے دیں۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تو ہمیں سبت کی ب حرمتی کرنے کی ترغیب دے رہا ہے۔ پہلے جن لوگوں نے اس کی ب حرمتی کی تھی انہیں جہنم تک پہنچا دیں گے۔ ان کے سردار کعب نے کہا:

مَا بَاتَ وَتَنَحَّيْتُ عَنْهُ أُمَّهُ لَيْلَةً وَاحِدَةً جَارِعًا.

”تم سب ہمیشہ سے گونگو کا شکار رہتے ہو، کسی چیز کے متعلق فیصلہ کن

بات کرنے کی تم میں صلاحیت بھی نہیں۔“

پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار جب دوا جائز آئی، ان میں توبہ و مقاومت نہ

رہی تو حضور ربیعہؓ نے فیصلہ و قیاس سے یہاں تک پہنچا دیا کہ جو لوگ توبہ و

کر کے انہیں رسیوں میں جکڑ دیا گیا اور بچوں اور عورتوں کو الگ ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا گیا۔ مسلمان جب ان کے قلعہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے اسلحہ کے وہ انبار دیکھے جو یہودیوں نے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرنے کے لئے تیار کر رکھے تھے۔ ان میں پندرہ سو تلواریں، دو ہزار نیزے، پانچ صد ڈھالیں اور دیگر اسلحہ تھا۔ اس کے علاوہ شراب کے مشکوں کے مٹکے بھرے ہوئے رکھے تھے۔ شراب تو ساری کی ساری انڈیل دی گئی۔ دوسرے سبز، سرخ، سفید اور ہلکے رنگ کے کپڑے اور اونٹ وغیرہ تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام الگ ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ بنی وس قبیلہ کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! یہودی قبیلہ بنو نضیر کے دوستانہ تعلقات بنی خزرج کے ساتھ تھے، ان کی سفارش پر حضور نے بنی نضیر کی جان بخشی فرمادی اور ہر آدمی کو ایک بار شتر لے جانے کی بھی اجازت دے دی۔ بنی قریظہ کے ساتھ ہمارے قدیم سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ اب وہ اپنی غصی پر زحمت پشیمان بھی ہیں، اس لئے حضور نے جس طرح بنو خزرج کی عزت افزائی فرمائی تھی، اسی طرح ہماری وجہ سے ہمارے دوست قبیلہ کو بھی بخش دیں۔ وہ بار بار اپنی یہ درخواست پیش کرتے رہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش رہے۔ جب ان کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تمہارے قبیلہ اوس میں سے کوئی شخص ان کے متعلق فیصلہ کر دے۔ انہوں نے عرض کی، بجا ہے۔ حضور نے فرمایا میں سعد بن معاذ کو حکم مقرر کرتا ہوں۔ انہوں نے مسرت کا ظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ منظور ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ یہودیوں نے خود حضرت سعد کا نام تجویز کیا تھا۔ حضرت سعد خندق میں زخمی ہو گئے تھے۔ حضور نے انہیں مسجد کے قریب رفیدہ کے خیمہ میں ٹھہرایا ہوا تھا تاکہ اپنی نگرانی میں ان کی مرہم پٹی کرائی جائے اور ان کی عیادت میں آسانی ہو۔ بنی اوس اپنی حسب پسند حضرت سعد کو حکم مقرر کر کے ان کو سینے کے لئے خیمہ میں گئے اور ایک گدھے پر سوار کر کے نہیں بارگاہ رسالت میں لائے۔ راستہ میں آپ کو ہموار کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ آپ حکم مقرر ہوئے ہیں۔ بنی قریظہ سے ہمارے قدیمی دوستانہ تعلقات ہیں، ان کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا۔ تم نے دیکھا نہیں بنی خزرج نے بنی نضیر کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ جب انہوں نے افسوس و تہنیت اور منت و ساجت کی حد

کر دی تو سعد نے صرف اتنا جواب دیا:

قَدْ اَنْتَ لَسَعِيدٌ اَنْ لَا يَأْخُذَكَ فِي اللّٰهِ نَوْمَةٌ لَا تُبَدِّلُ

"اب سعد کا ایسا وقت آگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اسے متاثر نہیں کر سکتی۔"

سعد کی سواری حضور کی قیام گاہ کے قریب پہنچی تو حضور نے حاضرین کو فرمایا:

قَوْمُوا لِمَتَدِيْكُمُ

"اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔"

سعد کو اتارا گیا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اُخْكُمُ فِيْهِمْ يَاسَعْدُ

"اے سعد! ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔"

انبیوں نے عرض کی

اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَحَقُّ بِالْحُكْمِ

"کہ اللہ اور اس کا رسول ہی فیصلہ فرمانے کا حق دار ہے۔"

ارشاد ہوا:

اَمَرَكَ اللّٰهُ اَنْ تُخْكُمَ فِيْهِمْ

"اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔"

سعد نے پھر اپنی قوم سے پوچھا کہ بنی قریظہ کے بارے میں جو حکم کروں، تمہیں منظور

ہے۔ انہوں نے کہا بیشک منظور ہے۔ آپ نے فرمایا: میرا فیصلہ تو یہ ہے کہ ان کے بالغوں

کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے اور ان کے ماں اور

جائیدادیں مہاجرین و انصار میں تقسیم کر دی جائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

لَقَدْ حَكَمْتَ فِيْهِمْ بِحُكْمِ اللّٰهِ مِنْ قَوْيَ سَبْعَةِ اَرْقَعَةٍ

"سعد! تم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ کے سات آقاؤں کے ہے"

فیصلہ فرمایا۔"

ابو لبابہ اور ان کی توبہ

جب لشکر اسلام نے سختی سے ان کا محاصرہ کر لیا اور حالت کی سنگینی نے انہیں خوفزدہ کر دیا تو انہوں نے بارگاہ رسالت میں گزارش کی کہ ابو لبابہ بن منذر کوان کے پاس بھیجا جائے، وہ ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ابو لبابہ کو فرمایا کہ تمہارے حریف تمہیں بلارہے ہیں۔ تم ان کے پاس جاسکتے ہو۔ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو ان کے سارے مرد تنظیماً کھڑے ہو گئے، ان کی عورتوں اور بچوں نے ان کے گرد حلقہ بنا کر رونا چینا شروع کر دیا۔ ابو لبابہ کے ان سے دیرینہ تعلقات تو تھے ہی۔ ان کی اس حالت زار کو دیکھ کر ان کا دل پسینہ ہو گیا۔ انہوں نے پوچھا ابو لبابہ ہمیں مشورہ دو، کیا ہم محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اپنا حکم تسلیم کر لیں اور اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار انہیں تفویض کر دیں۔ زبان سے تو آپ نے ہاں کہا لیکن بے اختیار کی حالت میں اپنے حلق کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تمہارے قتل کا فیصلہ کریں گے۔ ابو لبابہ کہتے ہیں کہ فوراً میرے نفس بواہم نے مجھے جھنجھوڑا مجھے خیال آیا کہ ایسا کر کے میں نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے۔ وہاں سے نکلے اور سیدھے مسجد کی راہ لی۔ یہ جرأت نہ ہوئی کہ اس خیانت کے بعد سرور عالم کے دربار و حاضر ہوں۔ مسجد میں جا کر اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا اور کہا میں اس جگہ سے نہیں جاؤں گا جب تک اللہ تعالیٰ میرا قصور معاف نہ کر دے اور اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ وہ پھر بنی قریظہ کے ہاں ہرگز نہیں جائیں گے۔ جب کئی دنوں تک ابو لبابہ حاضر خدمت نہ ہوئے تو رسول اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں پوچھا۔ ان کا ماجرا بیان کیا گیا۔ فرمایا: غلطی کرنے کے بعد سیدھا اگر میرے پاس حاضر ہو جاتا تو میں اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا۔ اب جب اس نے یہ راستہ اختیار کیا تو میں اس کو اس ستون سے نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ فرمائے۔ چھ دن اور چھ راتیں اسی ستون کے ساتھ بندھے رہے جب نماز کا وقت ہوتا، ان کی زوجہ وہاں جاتیں، ان کو کھولتیں، وہ وضو وغیرہ کر کے نماز ادا کرتے پھر ان کو اسی ستون کے ساتھ باندھ کر واپس آ جاتیں۔ ایک رات سرکارِ دو عالم ام المومنین حضرت ام سلمہ کے حجرہ مبارکہ میں شب باش تھے تو سحری کے وقت حضرت ام سلمہ نے دیکھا کہ حضور نہیں رہے ہیں۔ عرض کی:

مَعَ تَعَمُّكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَصَحَّتْ اللَّهُ بِكَ

"یا رسول اللہ! حضور کیوں نہیں رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو جنتا رکھے۔"

فرمایا ابو بابر کی توبہ قبول ہو گئی ہے۔ عرض کی، اجازت ہو تو میں انہیں یہ خوشخبری سنوں۔ فرمایا جیسی تمہاری مرضی۔ ام المومنین حجرہ شریفہ کے دروازہ پر مکر کھڑی ہو گئیں۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب کہ پردہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ام سلمہ روایت فرماتی ہیں کہ میں نے بندہ آواز سے کہا، ابو بابر مبارک باد! تمہاری توبہ کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا ہے۔ لوگوں نے بھی یہ آواز سن لی۔ دوزے تاکہ ان کی زنجیر کھول دیں۔ آپ نے سب کو ایسا کرنے سے روک دیا اور کہا:

لَا دَانِيَهُ حَتَّى يَكُونَ رَسُولُ اللَّهِ هُوَ الَّذِي يُطِيقُنِي بِمَبِيَّةٍ

"خدا ار مجھے کوئی نہ کھوے۔ یہاں تک کہ حضور خود تشریف لائیں اور اپنے دست مبارک سے مجھے رہا فرمائیں۔"

دلنوار آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز صبح ادا کرنے کے لئے جب تشریف لائے تو اس سے پاس سے گزرے اور زنجیر کھول کر انہیں آزاد فرمایا۔

حضرت ابو بابر کے دل میں اس غرض سے جو احساسِ ندامت پیدا ہوا وہ اس قدر شدید تھا کہ بارگاہِ حبیب میں حاضری کی جرأت نہ کر سکے۔ ان چھ راتوں میں جب سناٹا چھا جاتا ہو گا، ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا جوینہ جھم جھم برستا ہو گا، دل درد مند سے جو جگر سوز آجیں اٹھتی ہوں گی اور بارِ نجات نے کمر ہمت دوہری کر دی ہو گی، اس کا صحیح علم تو اس رب العالمین کو ہے جو عرقِ انعام میں شرابِ اپنے بندوں کے حال زار کو خوب جانتا ہے اور ان کو اپنی رحمت سے پیاب سے مایوس نہیں ہونے دیتا۔

حضرت علامہ اقبال کی یہ رباعی اسی قسم کے جذباتِ عالیہ کی عکاسی کرتی ہے۔

تو غنی ز - دو عالم من فقیہ - روزِ محشر ہزار ہا من پذیر
بُر توئی بنی حبیبِ نازید - رنکار - مہرِ مہرِ پس گبیہ

یہودی مردوں کا قتل

ان کو قتل کرنے کے لئے مختلف مقامات پر گڑھے کھودے گئے۔ انہیں رسیوں میں باندھا گیا۔ ٹولیوں کی صورت میں وہ مائے جاتے اور قتل کر کے ان کی شیشیں ان گڑھوں میں پھینک دی جاتیں۔ ان مقتولوں کی تعداد چھ سات سو کے قریب تھی۔ ان میں ان کا سردار کعب بن اسد اور اس سارے فتنہ کی جز حی بن اخطب بھی تھا۔ جب حی کو قتل کرنے کے لئے لایا گیا تو اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ جکڑے ہوئے تھے۔ اس نے سرخ رنگ کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا جسے اس نے جگہ جگہ سے کاٹ دیا تھا تاکہ کسی کے کام نہ آسکے۔ جب اس اذلی بد بخت نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا اس وقت بھی وہ خبث باطن کے اظہار سے باز نہ آیا۔ کہنے لگا:

وَمَا وَاللّٰهُ مَا لَمْتُ نَفْسِيْ فِيْ عَدَاوَتِكَ وَلَكِنَّهُ مَنْ يُّغْذِلُ اللّٰهَ
يُغْذَلُ۔

”میں آج تک آپ سے عداوت کرتا رہا ہوں، میں نے اس بارے میں اپنے نفس کو کبھی ملامت نہیں کی لیکن اللہ تعالیٰ جس کو ذلیل و رسوا کرے وہ ذلیل و خوار ہو کر رہتا ہے۔“

بنی قریظہ کے سرداروں میں سے ایک کا نام زبیر بن باہا تھا جو بہت بوڑھا تھا اور اندھا ہو گیا تھا۔ اس نے زمانہ جاہلیت کی ایک لڑائی میں جو یوم بعاث کے نام سے معروف ہے، ثابت بن قیس بن شماس کے ساتھ کوئی احسان کیا تھا۔ یہ ثابت مسلمان ہو گئے تھے۔ انہوں نے جب اپنے محسن کو اس حالت میں دیکھا تو اس کے احسان کا بد نہ چکانا چاہا۔ انہوں نے زبیر سے پوچھا اے ابا عبد الرحمن کیا تم نے مجھے پہچانا۔ اس نے کہا کہ میرے جیسا آدمی تیرے جیسے آدمی کو فراموش کر سکتا ہے۔ حضرت ثابت نے کہا میں آج تیرے احسان کا بد نہ دینا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ کریم انفس ہوگے ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ثابت ہر گاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور زبیر کی جان بخشی کے لئے التجا کی۔ حضور نے منظور فرمائی۔ انہوں نے سکر

اس کو بتایا وہ بولا:

شَيْخُكُمْ لَا أَهْلَ لَهُ وَلَا دَلَّ فَمَا يَمْنَعُ بِالْحَيَاةِ

”یعنی ایک پیر فرقت جس کی نہ بیوی ہے نہ اولاد وہ زندہ رہ کر کیا کرے گا۔“

ثابت پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور نے اس کی بیوی اور اس کی اولاد کو بھی آزاد کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ جب اس کو بتایا تو وہ بولا وہ گھرانہ جس کی حجاز میں کوئی جائیداد نہ ہو۔ وہ کیسے زندہ رہے گا۔ ثابت نے حاضر ہو کر پھر گزارش کی۔ حضور نے ازراہ کرم اس کا مال واسباب اور اس کی جائیداد بھی اس کو واپس فرمادی۔ جب ثابت نے اس کرم گستری کے بارے میں اسے مطلع کیا تو وہ بولا اس شخص پر کیا گزری جس کا چہرہ چینی آئینہ کی مانند شفاف تھا کہ کنواری لڑکیاں اس میں اپنا چہرہ دیکھتی تھیں یعنی کعب بن اسد۔ انہوں نے بتایا کہ وہ تو قتل کر دیا گیا۔ پھر اس نے پوچھا شہروں اور دیہات کے سردار حمی بن اخطب کا کیا بنا۔ بتایا گیا کہ وہ بھی کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ پھر دریافت کیا کہ اس بہادر پر کیا گزری کہ جب ہم حملہ کرتے تھے تو وہ مقدمۃ الخیش میں ہوتا تھا۔ اور جب بھاگتے تھے تو وہ پیچھے رہ کر ہماری حفاظت کرتا تھا یعنی عزال بن شموال۔ بتایا گیا وہ بھی تیغ کر دیا گیا۔ پھر اس نے پوچھا بنی کعب بن قریظہ اور بنی عمرو بن قریظہ کا کیا حال ہے۔ بتایا گیا وہ بھی ختم ہو گئے۔ زیر کہنے لگا، ان کے چمے جانے کے بعد اب زندگی میں کوئی لطف نہیں۔ ثابت میں تجھے اس احسان کا واسطہ دیتا ہوں جو میں نے تجھ پر کیا تھا کہ مجھے بھی ان سے ملا دو۔ لمحہ بھر کی اذیت کے بعد اپنے پیاروں سے ملاقات ہو جائے گی۔ چنانچہ اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

حضرت صدیق اکبر نے جب اس کی بات سنی کہ ابھی اس کی ملاقات اس کے پیارے دوستوں سے ہوگی۔ تو آپ نے فرمایا:

(1) يَتَقُ اللَّهُ اسْتَفِي كَارِجَهْتُمْ خَالِدًا اِيْنَهَا تَخْلَدُ

”یہ ان سے ملاقات تو کرے گا لیکن آتش جہنم میں جس میں وہ ہمیشہ کے لئے پھینک دیا جائے گا۔“

اس پیکر جو دو کرم نے اپنے غلام کی دل داری کے لئے اس پیکر بغض و عنادِ یہودی پر اپنے لطف و کرم کی انتہا کر دی لیکن جن کی پیشانی پر ابدی شقاوت کی مہر لگ چکی ہو، وہ انجام بد

سے کیونکر بیچ سکتا ہے۔

یہودی مردوں کی طرح ان کی عورتیں بھی اگرچہ اسلام دشمنی میں کسی طرح کم نہ تھیں لیکن رحمت عالم نے ان کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی، صرف ان کی ایک عورت کو موت کی سزا دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب مسلمان ان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، اس نے چکی کا ایک پاٹ حضرت خلد بن سويد الخزرجی کے سر پر دے مارا۔ جس سے آپ کا سر پکلا گیا اور آپ شہید ہو گئے۔ کیونکہ اس نے جرم قتل کا ارتکاب کیا تھا، اس لئے بطور قصاص اسے قتل کیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خلد کے بارے میں فرمایا انہیں دو شہیدوں کا اجر دیا جائے گا۔ (1)

سلمہ بنت قیس صحابیہ نے رفاعہ بن شموال کے بارے میں عرض کی تو حضور نے اسے بھی معاف کر دیا، وہ بعد میں مسلمان ہو گیا۔

بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کرنے پر اعتراض

کہا جاتا ہے کہ بنو قریظہ کے سب مردوں کو قتل کرنے کا فیصلہ بہت سخت تھا۔ ہم ایسا کہنے والوں سے صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ وہ یہ فرمائیں کہ یہ حکم سخت سہی لیکن یہ عادلانہ تھا یا ظالمانہ۔ ہر شخص جس نے بنی قریظہ کے حاکمات کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے اور اس میں حق گوئی کی جرأت بھی ہے، وہ یہ کہنے پر مجبور ہے کہ یہ فیصلہ سراسر عدل و انصاف پر مبنی تھا۔ آپ کو خوب علم ہے کہ رحمت عالم ﷺ جب ہجرت کر کے یثرب میں رونق افروز ہوئے تو اس وقت یہود کے تین قبیلے بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قریظہ سکونت پذیر تھے۔ حضور نے ان سب کے ساتھ دوستی کے معاہدے کئے۔ جن معاہدوں کے ذریعہ ان کو مکمل مذہبی آزادی دی گئی۔ وہ اپنے مذہبی شعائر اور تقریبات کو کسی روک ٹوک کے بغیر منا سکتے تھے۔ انہیں کاروبار کرنے، زراعت اور دیگر معاشرتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا حق دیا گیا تھا اور انہیں ان کی جان، آبرو اور مال کا تحفظ دیا گیا تھا۔ ان سے فقط یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ نہ وہ خود مسلمانوں پر حملہ کریں گے، نہ کسی حملہ آور دشمن کا ساتھ دیں گے اور نہ وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں گے۔ ہجرت کے پانچویں سال غزوہ خندق ہوا۔ اس سارے عرصہ

میں ان قبائل نے ایک دن بھی مسلمانوں کے ساتھ شریفانہ برتاؤ نہیں کیا۔ جب بھی ان کا بس چلا انہوں نے سرکارِ دو عالم کو اذیت پہنچائی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں ذرا دریغ نہ کیا۔

بنو نضیر نے تو حضور کو شہید کرنے کی تاپاک سازش کی۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی خود حفاظت نہ فرماتا تو وہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہو ہی چکے تھے۔ بنی قریظہ نے تو اپنے دو ہم مذہب قبیلوں کے جذبہ اسلام دشمنی کو بھی مات کر دیا۔ عین اس وقت جب سارا عرب دس بارہ ہزار کا لشکر جرار لے کر مدینہ طیبہ کو روند ڈالنے اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دینے کے ارادہ سے چڑھ دوڑا تھا۔ کڑکڑاتا جازا، سامانِ خورد و نوش کی شدید قلت، جب مسلمان اپنی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے اور حالات از حد سنگین تھے اس وقت بنو قریظہ نے وہ وعدہ توڑ دیا جس کے سائے میں انہوں نے پانچ سال تک عزت و خوشحالی کی زندگی بسر کی تھی۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سعد بن معاذ اوسی، جو ان کے دیرینہ حلیف تھے اور سعد بن عبادہ کو اس واقعہ کی تحقیق کے لئے بھیجا تو وہاں کا منظر یہی ہو شراب تھا۔ تلواروں کی دھاریں تیز کی جا رہی تھیں۔ تیروں کے پیکان درست سے جا رہے تھے، نیزوں کی انہوں کو چمکایا جا رہا تھا۔ مختلف قسم کا اسلحہ ڈھالیں اور زریں تقسیم کی جا رہی تھیں۔ حضرت سعد جو ان کے دیرینہ حلیف تھے، ان کو وہ معاہدہ یاد دلایا جو انہوں نے رسول اللہ کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ انہوں نے اوب و احترام کے سارے ضابطوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اور اپنے دیرینہ حلیف کا ذرا لحاظ کئے بغیر کہا: **مَنْ دَسَّوْلُ اللّٰہِ** "کون رسول"۔ ہم کسی کو نہیں جانتے کہ عہدہ بیننا و بینت محمدی وَلَا عَقْدَ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان کسی قسم کا کوئی عہد و پیمان نہیں۔"

حیی بن اخطب کی انکھت پر انہوں نے مسلمانوں سے اپنے تعلقات منقطع کر کے ان مشرکین کے ساتھ اپنی قسمت و سہ کر دی جو مدینہ طیبہ کی اینٹ سے اینٹ بجائے گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ آپ اپنی قدرت کاملہ اور عظمت بااختیار اپنے حبیب مکرم ﷺ اور ان کے جان شہداء میں کی خود حفاظت نہ فرماتا اور ان کی مدد و نصرت نہ کرتا اور ایسے اسباب پیدا نہ

کرتا جنہوں نے مخالفت کے ان پہاڑوں کو **هَيْكَلٌ مَّقْشُورٌ** بنا دیا اور کفار اپنے بے شدہ منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے قابل ہو جاتے۔ باہر سے وہ حملہ کرتے اور اندر سے یہودی ٹوٹ پڑتے۔ ازراہ انصاف آپ خود بتائیے کہ مسلمانوں میں سے کسی کو زندہ چھوڑ دیا جاتا۔ ان کے بچوں، بیماروں، ناتواں بوڑھوں بے بس عورتوں پر جو مظالم توڑے جاتے نہیں بین کرنے کے لئے بھی شاید کوئی نہ بچتا۔ یہ تو اللہ کا آخری نبی تھا جو اس کا آخری دین لے رہا تھا۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اس نے اٹھائی ہوئی تھی ورنہ بنو قریظہ نے تو مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ انہیں قتل نہ کیا جاتا اور صرف جلد وطن کر دیا جاتا تو یہ سزا بھی ان کے لئے بہت کافی تھی۔

میں ان مہربانوں سے پوچھتا ہوں کہ ان کے برادر قبیلہ بنی نضیر کو اپنے اہل و عیال، بار شتر کے ساتھ زندہ و سلامت چھپے جانے کی اجازت دی گئی تھی۔ کیا ان لوگوں نے اس احسان کی کوئی قدر و قیمت پہچانی۔ کیا یہ سارا طوفان بنو نضیر کے ان سرکردہ فرد کا ہی ٹھکانہ ہوا نہیں تھا جنہیں مدینہ طیبہ سے زندہ چھپے جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ یہ حمی بن اخطب، سلام بن مشکم، وغیرہ جو وفد کی صورت میں مکہ گئے تھے اور قریش کو بھڑکایا تھا۔ پھر دوسرے صحرا نشین قبائل کے پاس گئے اور انہیں مشتعل کیا، یہ کون ہو گئے تھے۔ اگر بنو قریظہ کو بھی زندہ نکل جانے کی اجازت مل جاتی تو معصوم نہیں وہ اپنی فتنہ انگیزیوں سے ملت اسلامیہ پر کیسی کیسی قیامتیں برپا کرتے۔

ان کے دلوں میں ہادی برحق محمد رسول اللہ ﷺ، اسد ام امت مسلمہ کے بارے میں حسد و عناد کے جو آتش کدے بھڑک رہے تھے انہوں نے انہیں عقل و فہم سے بے بہرہ کر دیا تھا۔ یہ سب جانتے تھے کہ حضور انور ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں، ان کے ذکر جمیل سے ان کی آسمانی کتب آراستہ ہیں۔ مگر یہ سب کچھ جاننے کے باوجود وہ ایمان لانے کے لئے تیار نہ تھے۔ آپ نے ابھی پڑھا کہ ان کے رئیس کعب بن سعد نے ایک تجویز ان کے سامنے یہ پیش کی تھی کہ ہم سب جانتے ہیں کہ یہ وہی نبی مکرم ہیں جن کی بشارت توریت میں مذکور ہے۔ آؤ ان پر ایمان لے آئیں اور اپنی دنیا و آخرت سنوار لیں۔ لیکن انہوں نے اس نازک گھڑی میں بھی اپنے سردار کی اس تجویز کو مسترد کر دیا تھا۔ ان کے دلوں میں جو بغض تھا، ان کا حل آپ نے زبیر بن باط کے واقعہ میں بھی پڑھا ہے۔ حضرت ثابت کی گزشتہ پرکھ

جان بخشی فرمادی۔ پھر اس کی بیوی اور بچوں کو آزلو کیا۔ پھر اس کی منقولہ غیر منقولہ اموال اسے واپس کئے رحمت کی اس مسلسل رحم جھم سے اس کی عداوت کی آگ بجھی نہیں بلکہ مزید تیز تر ہوتی گئی۔ حمی بن اخطب کے کرتوتوں کے باعث جب اس کا سر قلم کیا جانے لگا۔ تو آپ کو یاد ہے کہ حضور پر نور کو دیکھ کر اس نے اپنے نبیؐ کا کیسے اظہار کیا۔

ایسے لا علاج بیماروں کا یہی علاج تھا جو کیا گیا تھا۔ انسانی بدن میں جو عضو سرطان سے ناکارہ ہو جائے، اس کے کاٹ دینے میں ہی باقی جسم کی بہتری ہے۔ یہ سرطان زدہ قبیلہ اس سزا کا مستحق تھا جو اسے دی گئی۔ جو لوگ ظالم پر رحم کرتے ہیں، وہ مظلوم پر مزید قلم ڈھانے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

نیز غور طلب امر یہ ہے کہ بنی قریظہ کے لئے یہ حکم سرور عالم ﷺ نے نہیں دیا بلکہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے دیا۔

ایک روایت کے مطابق بنو قریظہ نے خود انہیں اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے حکم (حالت) مقرر کیا۔ بنی اوس نے اس پر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ حضرت سعد ؓ نے گئے تو فیصلہ سننے سے پہلے آپ نے فریقین سے پوچھا کیا میں فیصلہ کروں۔ سب نے کہا، آپ فیصلہ کریں۔ پھر پوچھا، سب کو میرا فیصلہ منظور ہے۔ سب نے کہا منظور ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے بھی اپنی طرف سے منظوری دے دی۔ تب انہوں نے یہ فیصلہ سنایا۔ موجودہ قانون و رواج میں بھی یہ بات طے شدہ ہے کہ فریقین کی رضامندی سے جو حالت مقرر کیا جائے، اس کا فیصلہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہوتا ہے اور بعد میں کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں رہتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طرز عمل

اس فیصلہ کے سلسلہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام پر جو لوگ زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ کاش وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس کردار کا بھی مطالعہ کرتے جس کا تذکرہ کتاب مقدس میں متعدد مقامات پر کیا گیا۔ اگر انہوں نے یہ رحمت گوارا کی ہوتی تو شاید یہ اعتراض کرے کی انہیں ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ یہاں ہم تورات مقدس سے متعدد حوالوں میں سے صرف دو حوالے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

کتاب استثناء، باب 20 کی آیت 10 تا 14 ملاحظہ ہوں:

”جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے۔ تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے بھائیگ تیرے لئے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگزار بن کر تیری خدمت کریں اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو ان کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا لیکن عورتوں اور بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب ماں اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہو، کھانا۔“

اور کتاب گنتی، باب 31، آیت 7 تا 10 ملاحظہ فرمائیے

”اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا اس کے مطابق انہوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کر دیا اور انہوں نے ان مقتولوں کے سوا عادی اور رقم اور صور اور حور اور ریلع کو جو مدیان کے پانچ بادشاہ تھے جان سے مارا۔ اور بعور کے بیٹے بلعم کو بھی تلوار سے قتل کیا اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا اور ان کے چوپائے اور بھیڑ بکریاں اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا۔ اور ان کی سکونت گاہوں کے سب شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کی سب چھاؤنیوں کو آگ سے پھونک دیا۔“

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات

آپ پڑھے چکے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ کی شہرہ رگ میں تیر لگا جس نے اسے کاٹ دیا۔ جنگ خندق کے اختتام کے بعد ان کو مدینہ طیبہ لایا گیا۔ حضور اقدس ﷺ کے حکم سے ان کے لئے مسجد نبوی میں خیمہ نصب کیا گیا تاکہ رفیدہ بنت سعد الاسلمیہ، ان کی مرہم پٹی آسانی سے کر سکے۔ ☆

☆ رفیدہ، بنی اسلم قبیلہ کی ایک خاتون تھی جو بڑی ماہر جرحہ تھی اور جہاد میں رخی ہونے والوں کا مفت علاج کیا کرتی تھی۔ ان کا خیمہ مسجد نبوی کے بالکل قریب تھا، اس میں وہ اپنے رخی مریضوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے خصوصی حکم سے حضرت سعد کو علاج کے لئے ان کے کیمپ میں داخل کیا گیا۔ سعد کے قریب کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

نیز سرکارِ دو عالم ہر وقت ان کی مزاج پر سی کر سکیں۔ نئی قریظہ کے بارے میں اپنا فیصلہ سنانے کے بعد آپ کو پھر خیمہ میں لایا گیا۔ زخم مزید بگڑ گیا۔ خون جاری ہو گیا۔ وہ کسی طرح بند ہی نہ ہوتا تھا۔ جس مقصد کے لئے انہوں نے زندگی مانگی تھی، وہ پورا ہو گیا۔ اب حیاتِ فانی کا جامہ اتار کر حیاتِ جاودانی کی خلعتِ فاخرہ زیب تن کرنے کی گھڑی آ پہنچی۔ اللہ تعالیٰ کے قلمس بندے اور اس کے نبی مکرم کی شمعِ جمال کے پروانے کی رخصتی کا وقت آ گیا۔

آپ کی میت آپ کے گھر لے جائی گئی۔ اکابرِ انصار۔ حارث بن اوس، اسید بن حضیر اور سلمہ بن سلمہ نے اس عاشقِ صادق کو اپنے آقا کی موجودگی میں غسل دیا اور کفن پہنایا۔ ان کی چار پائی کو اٹھا کر جب لے چلے تو ان اٹھانے والوں میں ایک اللہ کا محبوب بھی تھا۔ جنازہ کے جوس کی پیشوائی بھی حضور نے کی اور امام الانبیاء نے خود ہی ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ قبر تیار ہوئی تو چار حضرات نے آپ کو قبرِ انور میں اتارا۔ رحمتِ عالم ﷺ بھی پاس ہی کھڑے تھے۔ جب انہیں لحد میں رکھا گیا تو یکایک رخِ انور کا رنگ تبدیل ہو گیا، سرکارِ دو عالم ﷺ نے تین بار سبحان اللہ اور تین بار اللہ اکبر فرمایا۔ صحابہ کرام نے بڑے جوش سے تین بار نعرہ لگایا، ہر بار جنت البقیع کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا۔ رخِ انور کے تغیر کے بارے میں استفسار کیا گیا۔ تو فرمایا قبر نے ان کو بھینچا تھا اگر اس سے کوئی بچ سکتا تو سعد بچے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر رحم فرمایا اور یہ جنگی دور فرمائی۔

اپنے شیر دل بیٹے کی تدفین کا منظر دیکھنے کے لئے ان کی والدہ بھی آئیں اور فرمایا:

اَحْتَبَبْتُكَ عِنْدَ اللّٰهِ

"اے میرے نورِ نظر اتیری جدائی کے اس صدمے پر صبر کر کے میں

اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کرتی ہوں۔"

رحمتِ عالم نے بھی ان کو دلاسا دیا۔ دلجوئی فرمائی اور مٹی ڈال کر قبر ہموار کر دی مگر تو اس پر

پانی چھڑکا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے مزار پر کھڑے ہو کر ان کے لئے دعا فرمائی۔ (۱)

تیمید یک دم و کردند زب فتراکش خوشا نصیب غم اے کہ زخم او کا ریست

حضرت کے سے ان مہارت، حسیہ کی بھی تان تھی۔ اپنے پیارے اور قلمس صحابی کو طاع کے لئے ان کے

پاس صیوان میں ان مہارت، حسیہ کی بھی تان تھی۔ اپنے پیارے اور قلمس صحابی کو طاع کے لئے ان کے

لشکر کفار کی واپسی سے تقریباً پچیس روز بعد آپ کی وفات ہوئی۔ اگر کفار کی آمد ۵۷ شوال کو ہوئی اور ایک ماہ وہ یہاں رہے ہوں تو ان کی واپسی کے بعد حضور نے بنو قریظہ کا میصرہ کیا جو تقریباً پچیس روز تک جاری رہا، اس حسب سے ان کی وفات ذی قعدہ کے آخری دنوں میں یا اوائل ذی الحجہ میں ہوئی۔ قریظہ کی فتح بھی ذی قعدہ کے اواخر میں یا ذی الحجہ کے ابتدا کی دنوں میں ہوئی۔

جس رات کو حضرت سعد نے وصال فرمایا، جبرائیل امین پھوہدار ریشمی عمامہ باندھے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ پوچھا، آج کون فوت ہوا ہے جس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور خداوند رحمن کا عرش جھومنے لگا۔ فرمایا، وہ حضرت سعد تھے۔ (1)
عرش کے جھومنے کی وجہ عمامہ کرام نے یہ لکھی ہے۔ اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمَنِ فَرَحًا بِوَجْهِ "ان کی روح کی آمد کے باعث فرط مسرت سے عرش رحمن میں جنبش پیدا ہوئی۔"

عَيْنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَقَدْ نَزَلَ بِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكَ مَا دَوَّطُوا
الْأَرْضَ قَبْلَهَا۔

(2)

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت سعد بن معاذ کی وفات پر ستر ہزار ایسے فرشتے زمین پر اترے جو آج تک کبھی زمین پر نہیں اترے تھے۔“

غزوہ خندق اور غزوہ قریظہ کے متعلق شرعی احکام

غزوہ خندق کے حالات میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ جس روز کفار نے سرور عالم ﷺ کے خیمہ کو اپنے اجتماعی حملہ کا ہدف بنایا تھا تو حضور پر نور سمیت سارے مجاہدین کو نماز ظہر، عصر اور مغرب بروقت پڑھنے کی فرصت نہ ملی۔ دشمن کے پیہم حملوں کو روکنے کے لئے کوئی بھی اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتا تھا۔ رات کو جب دشمن پسپا ہوا تو حضرت بدل کو اذان دینے کا حکم ملا۔ امام الانبیاء کی اقتدا میں پہلے ظہر کی نماز ادا کی گئی، اس کے بعد باقی نمازیں

باجماعت ادا کی گئیں ان نمازوں کی جماعت سے پہلے صرف اقامت پر اکتفا کیا گیا۔ ایک دوسرے موقع پر دشمن کے حملہ کی وجہ سے سرکارِ دو عالم ﷺ اور صحابہ کرام عصر کی نماز بروقت ادا نہ کر سکے اور عصر اور مغرب کی نمازیں ایک ساتھ ملا کر پڑھیں۔ اسی کے بارے میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

لَمْ يَكُنْ مِنْ جَبَّتِ عَنِ الصَّلَاةِ الْوَسْطَى فَاَمَلًا بِوَرَعِهِ تَارًا

(1)

وَاَمَلًا بِوَرَعِهِ تَارًا۔

”اے اللہ! جن لوگوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ (نماز عصر) پڑھنے سے روکا ہے، ان

کے گھروں کو آگ سے بھر دے اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔“

بنو قریظہ کے محاصرہ کے دن حضور نے اعلان فرمایا کہ سب لوگ نماز عصر بنو قریظہ کے محاذ میں جا کر پڑھیں۔ جو لوگ بروقت وہاں پہنچ گئے انہوں نے نماز عصر وقت پر پڑھ لی۔ بعض لوگ جنگ کے لئے تیاری کرتے رہے، اسلحہ لیا، زریں پہنیں اور خود سر پر سجائے۔ ان امور میں کچھ دیر ہو گئی۔ جنگ کے لئے مکمل تیاری کے بعد تعمیل ارشاد میں بنو قریظہ کی آبادی کی طرف چل پڑے۔ ان میں سے بعض نے دیکھا کہ وقت تنگ ہو رہا ہے، ایسا نہ ہو کہ سورج غروب ہو جائے اور نماز قضا ہو جائے۔ اس لئے انہوں نے راستہ میں ہی نماز پڑھ لی اور دوسرے حضرات نے کہا کہ نبی مکرم کا حکم ہے کہ نماز عصر بنو قریظہ کے محاذ میں پہنچ کر پڑھو۔ ہم تو جب وہاں پہنچیں گے، اس وقت عصر کی نماز ادا کریں گے۔ اس سے پہلے ہمارے لئے جائز ہی نہیں کہ ہم نماز عصر ادا کریں۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر مغرب اور عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھی۔ نبی کریم ﷺ نے کسی کو ملامت نہیں کی۔

علماء کرام نے ان واقعات سے یہ حکم مستنبط کیا ہے کہ جنگ کے حالات میں نمازوں کو مؤخر کر کے پڑھنا جائز ہے۔ دو نمازیں جو اس وجہ سے بعد از وقت پڑھی جائیں گی، وہ قضا شمار نہیں ہوں گی بلکہ ادا ہوں گی۔

بعض علماء نے جنگ کے علاوہ دوسرے اعذار کے باعث بھی نمازوں کو یکجا کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ حذر حقیقی ہو۔ بنی قریظہ کے غزوہ میں بعض نے ظاہری نص پر عمل

کیا۔ ارشاد نبوی ہے: **اَلَا تَنْصَلُوا الْعَصْرَ الَّذِي بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ** ”خبردار! عصر نماز نہ پڑھو مگر بنی قریظہ میں پہنچ کر۔“

لیکن بعض نے اجتہاد کیا کہ حضور کے اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ جلد از جلد وہاں پہنچو تاخیر کئے بغیر۔

نماز قضا کے خوف سے، وہاں پہنچنے سے پہلے جنہوں نے نماز پڑھ لی، انہوں نے بھی درست کیا۔ **رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَا وَالْتَسْيَاتُ** میری امت سے خطا اور نسیان پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ ”اس حدیث کی بھی وضاحت ہو گئی۔ دونوں میں سے ایک فریق ضرور غلطی پر تھا لیکن یہ غلطی خطا سے سرزد ہوئی تھی اس لئے اس پر مواخذہ نہیں ہوا۔“

تقسیم غنائم

علامہ ابن کثیر کی تحقیق کے مطابق **وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ** غزوہ بدر میں حاصل ہونے والے اموال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر نازل ہوئی۔ لیکن اس کی صحیح تطبیق اور اس پر پوری طرح عمل بنی قریظہ سے حاصل ہونے والے اموال غنیمت کی تقسیم کے وقت ہوا۔ اس سے پہلے جو اموال غنیمت مسلمانوں کے قبضہ میں آئے وہ کچھ زیادہ مالیت کے نہ تھے۔ بنی نضیر کو جب جلد وطن کیا گیا تو وہ اپنا قیمتی سامان، زیورات، جواہرات اور ملبوسات، یہاں تک کہ دروازوں کی چوکھٹیں بھی اکھاڑ کے لے گئے۔ جو اشیاء پیچھے رہ گئیں وہ زیادہ مالیت کی نہ تھیں۔ البتہ بنو قریظہ کے سارے اموال مسلمانوں کے تصرف میں آ گئے اور اس آیت کے مطابق ان کو تقسیم کیا گیا۔ ہر قسم کے متروکہ اموال سے خمس (پانچواں حصہ) نکال دیا گیا، بقایا 4/5 حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے گئے۔ گھڑ سوار کو تین حصے ملے۔ ایک حصہ اس کا اپنا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔ اور پیدل مجاہد کو ایک حصہ۔ اس لشکر میں چھتیس گھوڑے اور تین ہزار مجاہد۔ سارے اموال غنیمت کو تین ہزار بہتر حصوں میں تقسیم کر کے ہر سوار کو تین حصے اور ہر پیدل کو ایک حصہ ملا۔ غزوہ بدر میں صرف ایک گھوڑا تھا۔ اس لئے اس وقت گھوڑوں کے حصوں کا تعین عمل میں نہ آیا۔ (1)

غزوہ بنی قریظہ کے وقت رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ تین گھوڑے تھے لیکن مال غنیمت

سے صرف ایک گھوڑے کے دو حصے وصول فرمائے۔ (۱)

بہت سی عورتیں اور نابالغ بچے بھی جنگی قیدی بنائے گئے تھے جب انہیں مجاہدین میں تقسیم کیا جانے لگا تو رحمت عالمیان نے حکم دیا۔

لَا يَمْرُؤُا بَيْنَ الْاِمْرِ وَاَلْاِمْرَاَتِ يَبْلُغُوا

”ماں اور اس کے بچوں کو جدا نہ کیا جائے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائیں۔“

اس طرح اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو فروخت کرنا چاہے تو اس کو بھی ماں اور اس کی اولاد کو علیحدہ کرنے سے منع فرمادیا۔

وَمَنْ رَّسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُفَرَّقَ فِي الْبَيْعِ
بَيْنَ النِّسَاءِ وَالذَّرِّيَّةِ۔

(2)

”اور حضور کریم ﷺ نے عورت اور اس کے بچوں کو جدا کرنے سے منع فرمایا۔“
جنگی قیدی جو خنس میں بیت المال کو ملے، ان میں سے کچھ قیدیوں کو سعد بن عبادہ کی سربراہی میں شام بھیجا گیا۔ وہاں انہیں فروخت کیا گیا جو قیمت وصول ہوئی اس سے اسلحہ اور گھوڑے خریدے گئے۔ (3)

دیگر شرعی احکام

مذکورہ بالا احکام شریعہ کے علاوہ کئی دیگر اہم شرعی احکام کا نفاذ عمل میں آیا۔
عرب میں ایک قدیمی رواج تھا کہ متنی، حقیقی بیٹا خیال کیا جاتا تھا۔ وہ اپنے متنی بنانے والے کا وارث بھی ہوتا تھا۔ خاندان کی جو مستورات حقیقی بیٹے پر حرام تھیں وہ متنی پر بھی حرام ہوتی تھیں۔ جس طرح باپ حقیقی بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا تھا، اسی طرح وہ متنی کی بیوی مطلقہ بیوی کے ساتھ بھی نکاح نہیں کر سکتا تھا۔

اس سورت کی متعدد آیات نازل فرما کر اس قدیم رواج کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور اس کی بجائے اپنے محبوب رسول کو خود نمونہ پیش کرنے کا حکم دیا۔ ان آیات کے نزول سے پہلے حضرت زید کو زید بن محمد ﷺ کہہ کر پکارا جاتا تھا کیونکہ حضور نے انہیں

معتنی بنایا ہوا تھا۔ اب یہ طریقہ ختم ہو گیا۔ یوں انہیں زید بن حارثہ کہہ کر پکارا جانے لگا۔ ان کی شادی حضرت زینب کے ساتھ ہوئی تھی۔ جب انہوں نے باہمی تعلقات ناخوشگوار ہونے کے باعث طلاق دے دی تو عدت کی مدت گزرنے کے بعد رب العرش نے حضرت زینب کا نکاح سرور عالم ﷺ کے ساتھ کر دیا۔ **فَزَوَّجْنَاكَهَا** مخالفین نے اگرچہ طوفان بد تمیزی برپا کیا لیکن سرور عالم ﷺ خود یہ قربانی نہ دیتے تو انہیں نیت اس عذاب سے رستگاری حاصل نہ کر سکتی۔

حضرت فاروق اعظم عرصہ سے بارگاہ نبوت میں عرض کر رہے تھے کہ حضور ازواج مطہرات کو پردہ فرمانے کا حکم دیں۔ حضور جواب دیتے کہ جب تک میرا رب یہ حکم نازل نہ کرے، میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کر سکتا۔ اس موقع پر پردہ کی آیات نازل ہوئیں۔

5 ہجری میں ظہور پذیر ہونے والے دوسرے واقعات کا مختصرہ تذکرہ

ابورافع سلام بن ابی الحقیق کا عبرتناک انجام

اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص لطف و کرم سے اوس و خزرج دو قبیلوں کے دلوں میں اپنے محبوب مکرم ﷺ کی عقیدت و محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ دونوں قبیلے خد مت اسلام میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں کوشاں رہتے تھے۔ کعب بن اشرف یہودی کو اس کی ہڈیاں سرائی، بہتان تراشی اور اذیت رسانی کے باعث سرکار دو عالم ﷺ کے ارشاد کے مطابق قبیلہ اوس کے چند جوانمردوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ خزرج کے نوجوانوں کے دلوں میں جذبہ مسابقت ہر لمحہ تازہ رہتا تھا۔ وہ ایسا ہی کارنامہ انجام دے کر اپنے ترازو کا پلڑا برابر کرنا چاہتے تھے۔ کفار سے پے درپے جنگوں میں مصروفیت کی وجہ سے وہ یہ حسرت پوری نہ کر سکے۔ اب جب قریش بھی بے نیل مرام پسپا ہو گئے اور بنی قریظہ کا قصہ بھی تمام ہو گیا تو اب انہوں نے اپنے ارمانوں کو پورا کرنے کے لئے غور و خوض شروع کر دیا۔

یہودیوں کا وہ وفد جو مدینہ طیبہ سے مکہ کے قریش اور صحرائے عرب کے دیگر قبائل کو مشتعل کرنے کے لئے آیا تھا، سلام بن ابی الحقیق اس کارکن رکین تھا۔ خزرج کے نوجوانوں نے سوچا کہ اس وفد کا ایک رکن حبیب بن اخطب تو ہلکا ہو گیا لیکن سلام ابھی تک زندہ ہے

اور اسلام کے خلاف زہر فحشانی میں مصروف رہتا ہے۔ اگر اس کو کیفر کر دیا تک پہنچا دیا جائے تو ایک بڑے فتنہ باز کی شرانگیزی سے اسلام محفوظ ہو جائے گا۔ سلام کی رہائش خیبر میں تھی اور اس کا اپنا محفوظ قلعہ تھا جس میں یہ سکونت پذیر تھا۔ خزر جیوں نے اپنے دل میں یہ منصوبہ طے کر کے سرور عالم کی خدمت میں گزارش کی اور انون طلب کیا۔ سرور عالم علیہ السلام نے انہیں اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی اجازت دے دی۔

اس سے آگے ہم اس واقعہ کو صحیح بخاری سے نقل کرتے ہیں:

جب یہ دستہ قلعہ کے قریب پہنچا تو سورج غروب ہونے لگا اور لوگ اپنے مویشی ہانک کر گھروں کو موٹنے لگے۔ اس دستہ کے امیر حضرت عبداللہ نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ تم یہاں بیٹھو، میں جاتا ہوں اور قلعہ کے دربان کے ساتھ حیلہ کر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کروں گا۔ جب وہ دروازہ کے قریب پہنچا تو اس نے چادر سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیا اور اس طرح بیٹھ گیا جس طرح وہ پیشاب کر رہا ہو۔ جب لوگ قلعہ میں داخل ہو گئے تو یواب نے کہا اے بندہ خدا اگر تم نے اندر داخل ہوتا ہے تو جلدی کرو میں دروازہ بند کرنے لگا ہوں۔ حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ میں جدی سے قلعہ میں داخل ہو گیا اور ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا اور سارے لوگ قلعہ کے اندر داخل ہو گئے اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور چابیوں کے پچھے کو کھونٹی کے ساتھ لٹکا دیا۔ میں انہیں اس چابی کے پچھے کو اٹھالیا اور قفل کھول دیا۔

ابورافع کا یہ معمول تھا کہ رات کو اس کی مجلس ہوتی تھی۔ لوگ اس میں قصے کہانیاں سناتے تھے اور موجودہ حالات پر بحث و تمحیص کرتے تھے۔ جب وہ مجلس برخاست ہوتی اور لوگ گھروں کو چلے گئے تو میں اوپر چڑھا۔ جب میں کسی کمرے میں داخل ہوتا تو اندر سے قفل لگادیتا تاکہ ان لوگوں کو اُتر پتہ بھی چل جائے تو اس سے پیشتر کہ وہ مجھے آکر پڑائیش میں سدا کا کام تمام کر دوں۔

جب میں اس کمرے تک پہنچا جس میں وہ رہائش پذیر تھا۔ میں نے دیکھا کہ چار انجمن ہوا ہے۔ ہر طرف اندھیرا ہے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں بیٹھتے۔ میں نے جند آواز سے کہا یا بورافع۔ اس نے جواب دیا۔ نون ب میں سیدھا اس آواز کی طرف گیا اور اس پر تمنا ہوئی اور یہ تین دو رکعت کی نماز نے جو اس نے چار نمازوں کے بعد پڑائی۔ اس نے اس سے ہاتھ نکل

آیا اور چند قدموں کے فاصلہ پر رک گیا۔ پھر دوبارہ میں اس کے مددگار کی حیثیت سے کمرے میں داخل ہوا۔ میں نے اپنی آواز بدل لی اور کہا ابو رافع یہ کیا آواز تھی۔ اس نے کہا، تیری ماں مرے۔ کوئی آدمی کمرے میں داخل ہوا ہے۔ اس نے مجھ پر تلوار کا وار کیا ہے۔ میں پھر اس پر چھپنا اور اس پر تلوار کا وار کیا اور تلوار کی دھار اس کے پیٹ پر رکھی اور اس پر پناہ سارا زور ڈال دیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب اس کا کام تمام ہو گیا ہے۔ پھر میں وہاں سے دوڑا دروازوں کو کھولتا ہوا باہر نکلتا آیا۔ آخری میسر ہی کا مجھے خیال نہ رہا۔ میں نے پاؤں رکھ تو وہ فرش پر جا پڑا جس سے میری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی، میں نے اس کو اپنی پگڑی سے کس کر باندھ لیا۔ باہر نکل کر دروازے کے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے کہا، اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک اس کی موت کی تصدیق نہ ہو جائے۔ جب سحری کے وقت مرغ نے اذان دی تو قلعہ کی فصیل پر کھڑے ہو کر کسی شخص نے اس کی موت کا اعلان کیا تو میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ میں نے انہیں کہا بھگوانہ گو اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو ہلاک کر دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے سارا ماجرا بیان کیا۔ حضور نے فرمایا اپنا پاؤں آگے کرو۔ حضور نے اپنا دست مبارک اس ٹوٹی ہوئی ہڈی پر پھیرا تو وہ اس طرح درست ہو گئی گویا اسے کبھی کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔ (1)

خالد بن سفیان ابن شیخ الہذلی

عساکر کفار کی ناکامی، پسپائی اور بنو قریظہ کی خانماں بربادی کے باوجود چند بد باطن ابھی تک اپنی کینہ پروری سے باز نہیں آ رہے تھے اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے سرگرم عمل تھے۔ ان میں سے ایک خالد بن سفیان بن شیخ تھا جو اپنے دوستوں اور حلیفوں کو اکٹھا کر رہا تھا تاکہ وہ مسلمانوں پر حملہ کر کے دل کے پھپھو لے پھوڑے۔ نبی کریم ﷺ کو اطلاع ملی تو حضور نے اپنے معمول کے مطابق اس فتنہ کو اولین مرحلہ میں ہی نیست و نابود کرنے کا ارادہ فرمایا۔

حضور نے عبداللہ بن انیس کو یاد فرمایا۔ اسے بتایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ خالد الہذلی ہم پر حملہ کرنے کے لئے لوگوں کو اکٹھا کر رہا ہے۔ تم جاؤ اور اس فتنہ کی سرکوبی کرو۔ اشارہ پاتے ہی حضرت عبداللہ نے تلوار کو حائل کیا اور اس کی طرف روانہ ہو گئے۔ نماز کا وقت

آپہنچا تھا۔ انہیں یہ خطرہ تھا کہ وہ کہیں مصروف ہو جائیں اور نماز کا وقت نہ گزر جائے۔ نیز دشمن کے علاقہ میں صحیح طور پر نماز بھی ادا نہیں کر سکتے تھے ورنہ ان کا پردہ فاش ہو جاتا اور وہ اس مہم کو سر کرنے میں ناکام ہو جاتے۔ آپ نے نماز کی نیت باندھ لی۔ چلتے بھی رہے اور اشارہ سے ارکان نماز ادا بھی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ خالد مذکور کے پاس پہنچ گئے۔ اس نے ایک اجنبی کو اپنے پاس دیکھا تو پوچھا: **هَیْئَ التَّجَلُّعِ** ”تم کون ہو۔“ انہوں نے جواب دیا میں ایک عربی ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ مسلمانوں کی بیعت کئی کے لئے تم تیاری کر رہے ہو، اس سلسلہ میں اگر میں کوئی خدمت انجام دے سکتا ہوں تو اس کے لئے بسر و چشم حاضر ہوں۔ خالد نے کہا بیشک میں اس کے لئے تیاری کر رہا ہوں۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے کر چلا۔ تھوڑی دور تک چلے ہوں گے تو حضرت عبداللہ نے اسے اپنی طرف سے مطمئن پایا۔ سو چاہا بہترین وقت ہے۔ انہوں نے اپنی تلوار کو بے نیام کیا، اسے لہرایا اور بجلی کی سرعت سے اس پر وار کر کے اسے واصل جہنم کر دیا۔ (1)

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ اس کو تہ تیغ کرنے کے بعد رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں واپس آیا۔ حضور نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا **اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِہِیْ** ”یہ چہرہ کامیاب ہے۔“ میں نے عرض کی میں نے اس کو قتل کر دیا ہے۔ فرمایا تم سچ کہتے ہو۔ آپ مجھے لے کر اپنے کاشانہ اقدس کی طرف تشریف لے گئے اور اندر سے مجھے ایک عصا کر مرمت فرمایا اور حکم دیا اے انہیں کے فرزند ”اسے اپنے پاس رکھنا۔ میں عصا لے کر لوگوں کی طرف آیا۔ انہوں نے پوچھا اے عبداللہ ایہ کیا عصا ہے۔ میں نے بتایا کہ مجھے حضور نے یہ دیا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ میں اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھوں۔ لوگوں نے کہا کیا تم حاضر خدمت ہو کر اس کی وجہ نہیں پوچھتے۔ میں سوٹ کر گیا، عرض کی آقا! یہ عصا کیوں عنایت فرمایا ہے۔ فرمایا:

اَیَّہِ بَیِّنَیْ وَبَیِّنَیْکَ یَوْمَہُ الْفَیْءِ مَوَاتٍ قَلَّ النَّاسُ الْمُتَّقِرُونَ یَوْمَئِذٍ۔

”یہ میرے اور تیرے درمیان قیامت کے روز نشانی ہوگی اس روز بہت ہی کم لوگ ایسے ہوں گے جو کولہوں پر قیام لگائے ہوں گے۔“

حضرت عبداللہ نے عمر بھر اس عصا کو اپنے سے جدا نہ کیا جب انتقال فرمایا تو وصیت کی کہ اسے میرے کفن اور جسم کے درمیان رکھ دینا اور ایسا ہی کیا گیا۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جو دشمن حملہ کرنے کی تیاریاں مکمل کر چکا ہو اس پر حملہ کر کے موت کے گھاٹ اتار دینا غدر اور دھوکہ بازی نہیں۔ نیز یہ ثابت ہوا کہ حالت جنگ میں رکوع و سجود نہ کر سکے تو اشارہ سے بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو شرف زوجیت

سورۃ آل حزاب۔ جس میں غزوہ خندق اور بنی قریظہ کا ایمان افروز تذکرہ ہے، اس سورت میں ہادی انس و جان رضی اللہ عنہ کا حضرت زینب بنت جحش کو شرف زوجیت سے سرفراز کرنے کا بیان بھی ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حیات نبوی کے جن واقعات کو قرآن کریم نے یکجا ذکر کیا ہے، انہیں سیرت میں بھی اکٹھا لکھا جائے۔ اس نکاح کی تاریخ کے بارے میں اگرچہ ایک قول یہ بھی ہے جو امام یافعی کی طرف منسوب ہے کہ 3 ہجری میں ہوا لیکن اکثر علماء کے نزدیک ۵ ہجری قعدہ 5 ہجری میں انعقاد پذیر ہوا۔

علامہ ابن اثیر نے "اسد الغابہ" میں اور "المنہج" میں یہی قول ذکر کیا ہے۔

امام بخاری، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت زینب کو شرف زوجیت بخشنے کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام احباب کو ولیمہ میں شرکت کی دعوت دی، روٹی اور گوشت سے سب مہمانوں کی تواضع فرمائی۔ مجھے سب صحابہ کو بلانے کے لئے مقرر فرمایا۔ ایک گروہ آتا تھا، کھانا کھا کر چد جاتا تھا، پھر دوسرا گروہ آ جاتا تھا۔ یہ سلسلہ سارا دن جاری رہا۔ شام کے بعد مہمانوں کی آمد پھر شروع ہو گئی یہاں تک کہ کافی رات گزر گئی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے حضور کی طرف سے دعوت سب کو دی ہے، کسی کو نہیں چھوڑا۔ سب نے بعد مسرت اس دعوت کو قبول کیا، اور شریک ہوئے اور کوئی آدمی باقی نہیں رہ گیا۔ فرمایا کھانے کے برتن اٹھو ورنہ ستر خوان بڑھاؤ۔ ہم نے تعمیل کی۔ سب لوگ چپے گئے لیکن تین آدمی بیٹھے رہے۔ انہوں نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھ رکھا ہوا تھا۔ حضور از حد باحیا اور شرمیے تھے۔ حضور نے منسوب نہ سمجھا کہ ان کو چلے

جانے کے لئے فرمائیں۔ حضور پھر کچھ دیر کے لئے اس گھر سے تشریف لے گئے۔ اس اثناء میں ازواج مطہرات سے ملاقات کی اور خیریت مزاج دریافت کی۔ پہلا حجرہ حضرت صدیقہ کا تھا۔ وہاں گئے اور فرمایا السلام علیکم اہل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ انہوں نے عرض کی: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ پھر پوچھا: کَيْفَ وَجَدْتَ اَهْلَكَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ ”آپ نے اپنی اہلیہ کو کیسے پایا۔ اللہ تعالیٰ کی برکتیں حضور کے شامل حال ہوں۔“ اسی طرح تمام انہماک المؤمنین کے محرات میں قدم رنجہ فرمایا اور انہیں اپنی زیارت سے شاد کام کیا۔

حضور واپس تشریف لائے تو ابھی تک وہ ٹولی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ حضور نے ازراہ حیا پھر بھی ان کو چپے جانے کا حکم نہیں دیا۔ حضور پھر حضرت صدیقہ کی طرف وٹ گئے۔ اس اثناء میں کسی کے کہنے پر یا از خود یہ لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت انس فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کی یا کسی اور نے بتایا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں۔ حضور واپس تشریف لائے، میں ساتھ ساتھ تھا۔ حضور نے ایک قدم مبارک اندر رکھا دوسرا بھی باہر تھا کہ پردہ لٹکا دیا گیا، اس روز آیت حجاب نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ
إِلَى مَعَامِلِهِمْ غَيْرَ نَظِيرِينَ إِنَّهُ كَانَ يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيُخْبَرُونَ
بِمَا فِي بُيُوتِهِمْ فَلَا مُسْتَبِِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ
يُؤْذَى النَّبِيَّ فَيَسْتَجِيبُ مِنْكُمْ ذَلِكُمْ وَلَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ عَنِ الْحَقِّ
وَأَذَانًا لِّمَنْ هُمْ مَتَاعًا فَتَكُونُ مِنْ دَرَجَاتٍ حَقَابٍ ذَلِكُمْ
أَطَهَرَ لَكُمْ وَفُتُوْرِيْهِمْ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رُسُلَ
اللّٰهِ وَلَا أَنْ تَكُونُوا أَرْذَا جَةً مِنْ بَعْدِ آيَاتِهِ إِنَّ ذَلِكُمْ
كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا

(1)

”اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم کے گھر میں بجز اس صورت کہ تم کو کھانے کے لئے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکھنے کا نظارہ کیا کرو۔ لیکن جب تمہیں بلایا جائے، اندر چلے تو۔ پس جب کھانا

کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ۔ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے کی باتیں شروع کر دیا کرو۔ تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبی کے لئے تکلیف کا باعث بنتی ہیں۔ پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں اور چپ رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کسی کی شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز، تو مانگو پس پردہ ہو کر۔ یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لئے نیز ان کے دلوں کے لئے اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو۔ اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی۔ بیشک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔“

حضرت زینب ان مومنات قانات میں سے تھیں جنہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی۔ خیرات و صدقات کثرت سے کیا کرتی تھیں۔ ان کا اصل نام ”برہ“ تھا۔ حضور انور نے ان کا نام تبدیل کر کے زینب رکھ دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے بارے میں فرمایا کرتیں:

مَا دَأَيْتُ امْرَأَةً قَطُّ خَيْرًا فِي الدِّينِ مِنْ زَيْنَبَ. وَأَتَتْهُ بِئِثَّةٌ
وَأَصْدَقَ حَدِيثًا وَأَوْصَلَ لِلرَّحْمِ وَأَعْظَمَ أَمَانَةً وَصَدَقَتْ

”میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو دین کے معاملہ میں یا تقویٰ میں، راست گوئی، صلہ رحمی میں اور امانت و صداقت میں حضرت زینب سے زیادہ بہتر ہو۔“

حضرت صدیقہ سے ہی مروی ہے کہ محبوب رب العالمین ﷺ نے فرمایا

أَسْرَعُكُمْ لِحُوقَانِي أَطْلُوْكُمْ يَدًا

”یعنی تم میں سے جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے وہ سب سے پہلے مجھ سے آکر ملے گی۔“

ہم آپس میں اپنے ہاتھ ملائی تھیں کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں اور وہ کون خوش نصیب ہے جو سب سے پہلے ہر گاہ رسالت میں شرف باریابی حاصل کرے گی۔ لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینب فوت ہوئیں تو ہمیں پتہ چلا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد سخاوت و دریاغی تھی۔

وَكَاثَتْ زَيْنَبُ أَطْلُوْنَا يَدًا إِلَّا نَهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بَيْنَهُمَا وَتَصَدَّقُ

”اور حضرت زعنب جو سب سے زیادہ اس لحاظ سے لمبے ہاتھ والی تھیں کہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں اور صدقہ و خیرات کرتی تھیں۔“

امہات المؤمنین میں سے سرکارِ دو عالم کے بعد سب سے پہلے آپ کا انتقال ہوا۔ آپ خلافت فاروقی میں 20ھ میں راہی ملک بقاء ہوئیں۔ امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں آپ کا مزار پر انوار ہے۔ (1)

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَعَنْ سَائِرِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَأَرْضَاهُنَّ
عَقَبًا وَجَزَاهُنَّ عَنِ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِينَ

آپ سے سرکارِ دو عالم ﷺ کے نکاح کا ایک تاریخی پس منظر ہے جو شرعی، معاشرتی اور اخلاقی نقطہ نظر سے بہت اہم ہے۔ اس لئے ہم ضیاء القرآن کا ایک اقتباس ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ امید ہے اس کے مطالعہ سے آپ مستفید ہوں گے۔

”جو رسمیں کسی معاشرے میں جز پکڑتی ہیں، لوگ ان کے اتنے گرویدہ ہو جاتے ہیں کہ ان سے دستکش ہونا پسند نہیں کرتے۔ خواہ وہ رسمیں لغو اور بیہودہ کیوں نہ ہوں۔ عوام انسان تو محض قدامت پسندی اور کورانہ تقلید کے باعث ان رسوم کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور اہل دانش و فہم اس خوف سے ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرتے کہ اس طرح ان کا معاشرتی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ قوم ذہنی انتشار میں مبتلا ہو جائے گی۔ اور لا قانونیت پھیل جائے گی۔ اس لئے عوام اپنے نقطہ نظر سے اور خواہش اپنے اندیشوں کے باعث مروجہ رسوم کو نہیں چھیڑتے اور اگر کوئی شخص ان میں رد و بدل اور اصلاح کی کوشش کرتا ہے تو اس کے خلاف مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ عرب میں دیگر لغو رسوم کے علاوہ یہ بیہودہ رسم بھی تھی کہ جب کوئی شخص کسی کو اپنا متنی بنالیتا تو اسے وہی حقوق حاصل ہو جاتے جو حقیقی فرزند کو حاصل ہوتے۔ وہ متنی بنانے والے کے مرنے کے بعد اس کا وارث ہوتا۔ اس کی زوجہ کی بھی وہی حیثیت ہوتی جو بچے کی بیوی کی ہوتی۔ وہ انجمنی لڑکا اس قبیہ کا فرد شمار ہونے لگتا۔ اس طرح اس رسم کے باعث طرح طرح کی خرابیاں مرتب ہو رہی تھیں۔ نسب میں خلط ہو رہا تھا۔ بیادہ کسی کا ہوتا نہیں متنی بننے سے اپنے خاندان سے کٹ جاتا اور دوسرے خاندان کا فرد شمار ہوتا۔ اُرُسی کی حقیقی اولاد نہ ہو تو اس کے دوسرے

قریبی رشتہ دار اس کے مال متروکہ کے حق دار بنتے ہیں۔ لیکن متنی ہونے کی صورت میں یہ اجنبی بچہ ان کے سارے حقوق کو غصب کر لیتا اور خونی اور نسبی قرابت رکھنے والے قریبی رشتہ دار بھائی اور بھتیجے محروم کر دیئے جاتے یہ صریح ظلم تھا۔ پھر ایسے متنی کی بہو کے ساتھ اگر بعینہ وہی سلوک کیا جائے تو حرمت مصاہرت کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ متنی بنانے والے پر اس کے متنی کی بیوی حرام، اس کی بیوی کی ماں حرام، اگر کوئی اس کی بیٹی ہو تو وہ حرام۔ یہ عورتیں جن سے نکاح حلال ہے، ان سے اس رسم کے باعث نکاح حرام ہو جاتا تھا۔ اس جاہلانہ رسم سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو رہی تھیں اور معاشرہ گونا گوں مشکلات میں مبتلا تھا۔ لیکن سماج کے اس رواج کی اصلاح کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر رحم فرماتے ہوئے جب حضور اکرم ﷺ کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا تو حضور نے ان تمام رسوم و رواج کو ختم کر دیا۔ اگر حضور ﷺ سو سائے کے دباؤ کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا جرأت مندانہ اقدام نہ فرماتے تو اور کون صلاح کرتا۔ اگر یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل جاتا تو قیامت تک ان محرومیوں کا سلسلہ جاری رہتا۔

سورہ پاک کے آغاز میں حکم دیا کہ متنی تمہارا حقیقی بیٹا نہیں۔ یوں ہی صرف زبان ہل دینے سے کسی کا بیٹا، اپنا بیٹا نہیں بن سکتا۔ اس لئے نہ ان کو اپنا بیٹا سمجھو، نہ زبان سے اس کی فرزندگی کی نسبت اپنی طرف کرو۔ اس ارشاد پر عمل کی ابتداء بھی ذات رسالت مآب سے ہوئی۔ حضرت زید جنہیں زید بن محمد (ﷺ) کہہ کر پکارا جاتا تھا، اب پھر اپنے حقیقی باپ کی طرف منسوب ہو کر زید بن حارثہ کہے جانے لگے۔

لیکن ابھی تک اس رسم و رواج کے کئی غلط اثرات باقی تھے جن کے متعلق قوم کے جذبات از حد حساس واقع ہوئے تھے، ان کے خلاف سوچنا بھی ان کے اختیار میں نہ تھا۔ اپنے متنی کی زوجہ ان کے نزدیک بعینہ اس حیثیت کی مالک تھی جو اپنے حقیقی بیٹے کی بہو کی حیثیت تھی۔ عرب کا قانون بھی اپنے بیٹے کی بیوی مطلقہ ہو یا بیوہ سے نکاح کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ قرآن نے بھی اس کی حرمت کو برقرار رکھا۔ متنی کی بیوی کی حیثیت بھی وہی تھی، اس کے حرام ہونے میں انہیں قطعاً کوئی شبہ نہ تھا۔ اسلام نے اس قبیح رسم اور اس پر مترتب ہونے والے نتائج کو منسوخ کر دیا۔ جب حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق انہیں اپنی زوجیت

کا شرف بخشا۔ اس طرح اس رسم بد پر کاری ضرب لگا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ کر دیا۔“ (1)

واقعہ کی صحیح صورت تو یہ ہے جو آپ کے سامنے بلا کم و کاست پیش کر دی گئی۔ لیکن یورپ کے متعصب اور تنگ نظر پادریوں نے جنہوں نے دنیا کو دھوکا دینے کے لئے مؤرخ، محقق اور مستشرق کا لباس اوڑھ رکھا ہے، تاریخ اسلام کے اس سادہ سے واقعے کو یوں اچھالا اور اسے ایسا رنگ دیا کہ اچھے اچھے سمجھ داران کے دام فریب میں پھنس گئے اور دوست ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آئیے! قرآن کریم کے کلمات طیبات کو سمجھنے کی کوشش کریں اور جہاں جہاں انہوں نے ٹھوکر کھائی یا دانستہ اپنی بد باطنی کا مظاہرہ کیا ہے، اس کی نشاندہی کریں تاکہ حقیقت اپنی رعنائیوں کے ساتھ آشکارا ہو جائے۔

بعض غلط اور بالکل باطل روایات کا سہارا لے کر یہ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت زینب کا نکاح حضرت زید سے ہو گیا۔ تو ایک روز اچانک حضور ان کے گھر تشریف لے گئے وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت زینب بے دھیانی کے عالم میں بیٹھی تھیں۔ اچانک جب ان پر نظر پڑی تو حضور ان پر فریفتہ ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے **مَنْ جَعَلَ اللَّهُ مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ پَاک** ہے دوں کو بدلنے والا۔“ یہ آواز حضرت زینب نے سن لی۔ زید آئے تو ساری بات کہہ سن لی۔ حضرت زید نے یوں ہی مناسب سمجھا کہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق دے دیں تاکہ حضور ان سے نکاح کر سکیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ حضور نے زبان سے تو یہ فرمایا کہ زید اپنی زوجہ کو طلاق نہ دے اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ لیکن حضور کی دلی خواہش یہی تھی کہ زید طلاق دے دے تو حضور ان سے نکاح کریں۔ محض ظاہر داری کے طور پر نبی کریم نے انہیں طلاق دینے سے منع فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر عقاب فرمایا اور کہا کہ تم زبان سے کچھ کہہ رہے ہو اور دل میں کچھ چھپاتے ہو۔ میں تمہارے دل کے پوشیدہ رازوں کو ظاہر کر دوں گا۔ چنانچہ ان بد باطنوں نے اس آیت کے ان جملوں **مَنْ جَعَلَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ غَافِلًا** و **وَيُخَوِّفُ فِي أَنْفُسِكُمْ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ** کے یہی معنی لئے ہیں اور اپنی بحث باطنی کے باعث بارگاہِ رسالت تاب حیدر الصلوٰۃ والسلامت میں استغنیٰ کی جرات کی ہے۔

دل ہرگز برداشت نہیں کرتا کہ ان کی اس یادہ گوئی کو لکھنے کی جرأت کرے لیکن جب تک اسے لکھنا جاتا، اس کا رد ممکن نہ تھا۔

میں آپ کو ایک عقیدت مند کی حیثیت سے نہیں ایک حقیقت پسند کی حیثیت سے ان کی اس ہرزہ سرائی میں غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں، صداقت خود بخود نکھر کر سامنے آ جائے گی۔

اگر حضرت زینب ایک اجنبی خاتون ہوتیں، کسی غیر قبیلہ کی فرد ہوتیں جنہیں حضور نے کبھی نہ دیکھا ہوتا، تو پھر ان کی اس بے سروپا حکایت کو ماننے کی وجہ بھی ہوتی کہ اچانک دیکھا اور دل میں ان کی خوبصورتی کو دیکھ کر جذبہ الفت پیدا ہوا۔ حالانکہ واقعہ ایسا نہیں۔ آپ حضور کی پھوپھی زاد ہیں اور حضرت عبدالمطلب کی نواسی ہیں۔ حضور کے سامنے ولادت ہوئی اور حضور کے گھر کے صحن میں ان کا بچپن گزر۔ حضور کی آنکھوں کے سامنے وہ جوان ہوئیں۔ صبح و شام اپنی پھوپھی کے ہاں آمدورفت رہتی۔ کونسی ایسی بات تھی جس کا حضور کو علم نہ تھا۔ ان کی زندگی کا کون سا ایسا پہلو تھا جو حضور پر مخفی تھا اور اس روز اچانک آشکارا ہوا اور محبت کا طوفان اٹھ آیا۔ نعوذ باللہ

اور سنئے۔ حضرت زینب ان سعادت مند خواتین میں سے تھیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں ایمان سے مشرف ہوئیں۔ پھر حضور کی ہجرت کے بعد مکہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں آگئیں۔ مزید غور فرمائیے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں حضرت زید کے لئے شادی کا پیغام بھیجا تو انہوں نے اور ان کے بھائی نے یہ خیال کیا کہ حضور اپنی ذات اقدس کے لئے رشتہ طلب فرما رہے ہیں، اس خیال کے پیش نظر انہوں نے بطیب خاطر بصد مسرت اس پیغام کو قبول کیا۔ لیکن جب پتہ چلا کہ یہ پیغام زید کے لئے تھا، تو پھر وہ صورت حالات پیدا ہوئی جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔

جب حقیقت حال یہ ہے تو کوئی غیرت مند اور حقیقت پسند شخص اس داستان سراپا ہڈیان کو قبول نہیں کر سکتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب حضرت زینب کنواری تھیں اور حضور کے حرم کی زینت بننے کو اپنے لئے اور اپنے کتبہ کے لئے باعثِ صد عزت محسوس کرتی تھیں، اس وقت تو حضور کے دل میں کوئی کشش پیدا نہ ہوئی اور جب ایک سال سے زائد عرصہ آپ کے سزا کردہ غلام کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کر چکیں تو اچانک یہ

صورت پیدا ہو گئی جو ان عقل کے اندھوں کو نظر آنے لگی۔

آپ پوچھ سکتے ہیں کہ پھر قرآن کریم کے ان جملوں کا مطلب کیا ہے۔

۱۔ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ "حضور کو یہ فرمانے کی کیا وجہ تھی؟

2۔ تَخْفَىٰ فِيْ نَفْسِكَ "وہ کیا بات تھی جسے حضور اپنے دل میں چھپانا چاہتے تھے۔"

3۔ تَخْشَى النَّاسَ کے معنی کیا ہیں۔ "حضور لوگوں سے کیوں خوف فرما رہے تھے؟

آئیے یہ بھی سن بیجئے تاکہ آپ کے دل کی ہر خلش دور ہو جائے۔ بفضلہ تعالیٰ۔

حضرت زینب نے ارشاد نبوی کے مطابق حضرت زید سے نکاح تو کر لیا تھا لیکن مزاج اور طبیعت کا تفاوت قائم رہا۔ آپ کو اپنے علی خاندان اور شریف النسب ہونے پر جو فخر تھا، اس سے ان کی خانگی زندگی تخمینوں سے دو چار ہوتی رہتی تھی۔ وہ اپنے خاندان کے ساتھ وہ سوک روانہ رکھتیں جو روار کھنا چاہتے تھے۔ تنگدلی اور توتو، میں میں کی نوبت اکثر آتی رہتی تھی۔ حضرت زید بھی غیرت مند جوان تھے۔ وہ آئے دن کی یہ بے عزتی اور تذلیل برداشت کرتے کرتے تھک گئے تھے، ان کا پیمانہ صبر بھر پور ہو چکا تھا۔ خانگی زندگی کو خوشنوار بنانے کے لئے ان کی ساری کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ سال بھر کی ترش کھادی کے باعث زید دل برداشتہ ہو گئے۔ باہمی مودت والفت کی جگہ شدید نفرت نے لے لی اور طلاق کے بغیر اس الجھن کا انہیں کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن نکاح حضور ﷺ نے خود کیا تھا، اس لئے ان کی یہ مجال نہ تھی کہ چپکے سے طلاق دے کر انہیں فارغ کر دیں۔ حضور کی خدمت میں عرض کرنا ضروری تھا، چنانچہ حاضر ہوئے اور اپنی ساری چٹا کہہ سنائی۔ حضور کو بھی زید کے اس ارادے سے بڑی تشویش ہوئی اور یہ بالکل قدرتی عمل تھا۔ کل اتنا مجبور کر کے نکاح کیا اور آج زید نے طلاق دے دی، لوگ کیا کہیں گے۔ چنانچہ حضور نے انہیں یہی سمجھایا کہ تم طلاق دینے سے باز آؤ اور اس معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ کل میں نے بڑے شوق سے تمہارا نکاح کیا ہے۔ آج اگر تم طلاق دے دو تو حضرت زینب اور ان کے عزیزوں کی دل شکنی ہوگی لیکن حضرت زید کے لئے یہ ممکن نہ رہا تھا، اصلاح احوال کے لئے انہوں نے سارے جتن کئے تھے اور ہر امکانی کوشش کی تھی، لیکن حضرت زینب کے مزاج کو بدلنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس جملہ سے یہ معنی اخذ کرنا کہ حضور محض ظاہر داری کی وجہ سے یہ فرما رہے تھے انہیں، شرافت اور حقیقت حال کے ساتھ بہت بڑی ہے، انصافی ہے۔ بلکہ اس جملہ کا یہ مفہوم ہے جو میں نے عرض کیا۔ وَتُخَفِّفُ فِي نَفْسِكَ پر ان عیادوں نے بڑی سے دے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس چیز کو چھپا رہے تھے، وہ حضرت زینب سے محبت تھی، لیکن ان کی اس ہرزہ سرائی کو آیت کا گلا حصہ باطل کر دیتا ہے۔ ارشاد الہی ہے مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ یعنی آپ وہ چیز دل میں چھپا رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔ معصوم ہوا جسے حضور چھپا رہے تھے، وہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔ اب آپ یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو ظاہر فرمایا ہے تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا وہی وہ چیز ہے جس کو حضور چھپا رہے تھے۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز کا تصور کرنا باطل، کذب اور محض افتراء ہے۔ خود بتائیے کسی جگہ اللہ تعالیٰ نے اس عشق و محبت کو ظاہر کیا، صراحۃً نہ سہی کنایۃً، لفظانہ سہی اشارۃً اگر ایسی کسی بات کا نام و نشان نہیں تو پھر تَخَفُّفٌ فِي نَفْسِكَ کے یہ معنی بیان کرنا جو ان لوگوں نے کیے ہیں، کتنی بڑی گستاخی ہے۔

وہ بات جسے حضور چھپا رہے تھے اور جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا، وہ کیا تھی۔ اس کے متعلق وضاحت سیدنا امام زین العابدین علی بن حسین علیہ وعلیٰ آبیہ وجہہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے اس بیان سے ہوتی ہے:

”أَدْحَىٰ اللَّهُ تَعَالَىٰ مَا أَدْحَىٰ اللَّهُ تَعَالَىٰ بِهِ أَنَّ زَيْنَبَ سَيِّطَلُفَهَا
زَيْدٌ وَتَمَرُّوْجُهَا بَعْدَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إِلَىٰ هَذَا ذَهَبَ
أَهْلُ الشَّقِيْقِيْنَ مِنَ الْمُفْتِرِيْنَ كَأَمْرُهُرِّي وَبِكُرْبَيْنِ عَلَاوَد
الْعُسَيْرِي وَالْقَاصِي ابْنِي بَكْرِ بْنِ الْعَرَبِيِّ وَعَبْدِيهِمْ“ (1)

”یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر یہ وحی فرمائی تھی کہ زید حضرت زینب کو طلاق دے دیں گے اور آپ ان سے نکاح فرمائیں گے۔ مفسرین میں سے اہل تحقیق کا یہی قول ہے۔“

کیونکہ یہی وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زَوَّجَكُمَا سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کی حکمت بھی خود ہی بیان فرمادی کہ پہلے جو رسم چلی آرہی ہے کہ اپنے تمہنی کی زواج سے نکاح حرام

ہے، اس کا خاتمہ کر دیا جائے تاکہ لوگ اس رسم فجج کے باعث جن پریشانوں سے دوچار ہیں، ان کا ازالہ ہو سکے۔

ایک بار پھر وَمَحْشَى النَّاسِ کے کلمات پر بھی غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو بتا دیا کہ اس رسم بد کو ختم کرنے کے لئے اس کا فیصلہ یہ ہے کہ زید طلاق دے گا اور آپ ان سے نکاح کریں گے۔ حضور جانتے تھے کہ کفار و منافقین اس پر بہتان طرازی کا طوفان برپا کر دیں گے۔ حقیقت کو مسح کر کے لوگوں کے سامنے پیش کریں گے اور پراپیگنڈہ کا جو مؤثر موقع انہیں ملا ہے، اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ ان کی زبان درازیوں کے باعث ہو سکتا تھا کہ بعض کمزور ایمان والے پھسل جائیں۔ یہ اندیشہ تھا جو حضور دل ہی دل میں محسوس فرما رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہیں کہ ایسے اندیشوں کو اس کا محبوب رسول پر کاہ کی بھی وقعت دے۔ جھوٹ کے طوفان باندھنے والے، باندھا کریں۔ دین اسلام کا پرچم سرنگوں نہیں ہو گا۔ حضور کی عزت و عظمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اگر کوئی بد بخت ان کی ہرزہ سرائی سے متاثر ہو کر اسلام سے اپنا رشتہ توڑتا ہے۔ تو آپ کو میرے محبوب! ایک پر دہ ایک بار نہیں سوا بار انہیں روٹھنے دو۔ اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

فَمَنْ قَضَىٰ زَيْدًا قَنَاقًا وَطَرًا كَمَا مَطْلَبُ يَهْ بِهٖ كَهٗ زَيْدٌ طَلَّاقٌ دے دے اور وہ عدت گزار لیں اور زید کا ان کے ساتھ رابطہ کلی طور پر منقطع ہو جائے۔ اس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ زید حضرت زینب کو طلاق دینے کے لئے بڑے بے چہن ہیں، وہ اپنی اس خواہش کو پورا کر لیں۔ قَضَاُ الْوَطَرِ كَيْفَ عَنِ الطَّلَاقِ آخر میں ایک چیز کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ تم خولہ مخولہ یورپ کے مستشرقین اور مؤرخین پر برس رہے ہو۔ یہ باتیں انہوں نے اپنے پاس سے تو نہیں گزریں، تفسیر کی کتابوں میں ایسی روایتیں موجود ہیں، اس میں ان کا کیا قصور؟

جواباً گزارش ہے کہ علماء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ہر روایت قابل قبول نہیں۔ صرف وہ روایت ہی مقبول ہے جو نقد و بحث کی کسوٹی پر پوری اترے۔ ہمارے علماء محققین نے اس روایت کو مسترد کر دیا ہے۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

ذَكَرَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ وَابْنُ جَوْنَيْنَ هَهُنَا أَنَّ رَأْسَ بَعْضِ السَّلَفِ
أَجَبْنَا أَنْ نَضْرِبَ عَنْهَا صَفْعًا لِعَدْوِهَا وَحَيْثُ فَلَا تُوَرَّدُهَا.

کہ "بعض علماء نے یہاں کئی روایتیں نقل کی ہیں لیکن وہ صحیح نہیں، اس

لئے ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔“

علامہ ابن حبان امامد لسی نے لکھا ہے کہ

بِإِعْضَادِ الْمُتَقَرِّبِينَ كَلَامًا فِي الْآيَةِ يَقْتَضِي النِّقْصَ مِنْ مَنَصِبِ
النَّبُوَّةِ مَرَبِّهَا عَنْهُ صَفِيًّا۔

”بعض مفسرین نے یہاں ایسی باتیں کی ہیں جو شان رسالت کے منافی

ہیں، اس لئے ہم نے ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔“

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

أَمَّا مَا رَوَى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ هَوَى
زَيْنَبَ امْرَأَةً زَيْدًا وَرُبَّمَا أَطْلَقَ بَعْضُ الْمُحِبِّانَ لَفْظًا عَشِيقَ
فَهَذَا إِنَّمَا يَصْدُرُ عَنْ جَاهِلٍ لِعَصْمَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى
عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَثَلِ هَذَا أَوْ مُتَخَفٍ بِحُرْمَتِهِ

”یہاں جو افسانہ گھڑا گیا ہے یہ ان لوگوں کی طرف سے ہے جنہیں بنی

کریم کی عصمت کا علم نہیں ہے یا انہوں نے دانستہ شان نبوت کو گھٹانے
کی کوشش کی۔“ علامہ آلوسی کی بھی یہی رائے ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا، اس پر عمل ضروری تھا۔ چنانچہ اس کے رسول مقبول ﷺ نے

اس کی تعمیل کر کے اس جاہلانہ رسم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر کے رکھ دیا۔ (1)

حضرت ام حبیبہ مشکوئے نبوت میں

ابوسفیان اور اس کی بیوی ہندہ، اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے تھے لیکن ان کے گھر

میں پیدا ہونے والی اور ان کے آغوش میں نشوونما پانے والی ام حبیبہ ان خوش بخت خواتین
میں سے تھیں جنہوں نے اسلام کے بالکل ابتدائی ایام میں نور ایمان سے اپنے دل اور اپنے
سینہ کو منور کیا۔ یہ اپنے خاوند عبید اللہ بن حش کے ہمراہ ہجرت کر کے حبشہ گئیں۔ کچھ

عرصہ بعد عبید اللہ مرتد ہو کر عیسائی بن گیا اور وہیں مر گیا لیکن ام حبیبہ اپنے ایمان پر ثابت
رہیں۔ 5 ہجری میں حضور سرور عالم ﷺ نے اپنے بدترین دشمن ابوسفیان کی بیٹی کی

بیوگی اور غریب الوطنی پر ترس کھاتے ہوئے نجاشی شاہ حبشہ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ ام حبیبہ کا نکاح حضور کے ساتھ پڑھا جائے۔ اس واقعہ کو آپ اسی نیک بخت خاتون کی زبان سے سنئے فرمائی ہیں:

ایک روز میں اپنے مکان میں بیٹھی تھی کہ نجاشی کی لونڈی جس کا نام ابرہہ تھا، اس کا پیغام لے کر میرے پاس آئی۔ یہ خادمہ نجاشی کا لباس تبدیل کراتی، اس کے بالوں میں تیل ڈالتی اور کٹھنسی کیا کرتی۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اندر آنے کا نون طلب کیا، میں نے اس کو اجازت دی۔ وہ آئی اور آکر اس نے مجھے کہا کہ مجھے بادشاہ نے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میری طرف تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ کا نکاح حضور کے ساتھ کر دوں۔ اب آپ کسی کو وکیل مقرر کریں جو آپ کی طرف سے نکاح کی قبولیت کرے۔ یہ پیغام سن کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میں نے اسے دعائیں دیں اور یہ خوشخبری لے کر خوشی میں میں نے اپنے دو کڑے، چاندی کی بازبیں اور انگوٹھیاں اتار کر اسے دے دیں اور خالد بن سعید بن عامر کو اپنا وکیل مقرر کر دیا۔

عشاء کے وقت نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب اور دیگر مسلمانوں کو اپنے پاس بلایا، خود خطبہ نکاح پڑھا اور چار سو دینار مہر مقرر کیا۔ کئی دینار حاضرین مجلس پر بٹھا دیے اور مہر کی رقم خالد بن سعید کے حوالے کی اس کے بعد جب یہ حضرات اٹھ کر جانے لگے تو نجاشی نے کہا، تشریف رکھئے انبیاء کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد کھانا تناول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ دسترخوان بچھ دیا گیا اس پر کھانا چنا گیا، سب نے کھایا اور رخصت ہو گئے۔ امام بیہقی نے متعدد علماء کے حوالے سے اس کی تاریخ ۶ ہجری رقم کی جبکہ بعض نے ۶ ہجری تکمیل ہے۔ امام بیہقی نے یہ آخری قول لکھنے کے بعد تحریر کیا ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان ذی شان کو عملی جامہ پہنا کر جن دلوں میں نبی الانبیاء اور ان کے حلقہ مجوسوں کیسے بغض و عناد کے انگارے دھک رہے تھے، انہیں محبت و اخوت کے گلابائے رقیقین میں بدلنے کا آغاز فرمادیا۔ ارشاد الہی ہے:

عَسَىٰ اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ كَذَبُوا عَنْهُ عَادِيَةً مُّؤَدَّةً ۚ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

(۱)

”یقیناً اللہ تعالیٰ پیدا فرمادے گا تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جن سے تم (اس کی رضا کے لئے) دشمنی رکھتے ہو محبت۔ اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا اور غفور رحیم ہے۔“

آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں بھی دو روایتیں ہیں۔

ایک روایت کے مطابق آپ کا انتقال 44 ہجری میں ہوا۔ اس کے راوی ابو عبیدہ القاسم بن سلام ہیں جبکہ دوسری روایت کے مطابق آپ کی وفات 59ھ میں ہوئی۔ اس کے راوی ابو بکر بن ابی خیشمہ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

چند دوسرے واقعات جو 5 ہجری میں وقوع پذیر ہوئے ان کا مختصر تذکرہ

غزوہ دومتہ الجندل کے سلسلہ میں حضور نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ سے باہر تھے تو حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ ماجدہ ام سعد کا انتقال ہو گیا رضی اللہ عنہا۔ یہ وہ خوش بخت خاتون تھی جس نے مکہ مکرمہ میں حاضر ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ جب سرکارِ دو عالم واپس تشریف لائے تو آپ اپنی مخلص خادمہ کی مرقد پر تشریف لے گئے اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ اپنے آقا اور اپنے نبی کو سراہیں دیکھ کر اس خلد آشیانی کی مسرت کا کیا عالم ہو گا حضرت امیر خسرو نے شاید اسی منظر سے متاثر ہو کر یہ کہا تھا۔

کشتے کہ عشق دارد چہ از اردت بدیں سا بجزازہ گریائی مزارِ خواہی آمد

ان کے فرزند ارجمند حضرت سعد نے عرض کی یا رسول اللہ امیری وادہ اچانک وفات پا گئیں، اگر انہیں بات کرنے کی مہلت ملتی تو ضرور صدقہ کرتیں۔ کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کروں۔ حضور نے فرمایا، ہاں صدقہ کرو۔ پھر پوچھا آئی الصدقۃ اخفضت؟ ”کس صدقہ میں زیادہ فضیلت ہے۔“ فرمایا، پانی۔ چنانچہ انہوں نے کنواں کھدوایا اور کہا ہذی بہ لاقیر سعید ”یہ کنواں ام سعد کا کنواں ہے۔“

اس ایک روایت سے میت کیلئے صدقہ کے بارے میں سارے شبہات کا رد ہو گیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس کے لئے صدقہ کیا جائے، اگر اس چیز پر اس شخص کا نام لیا جائے یا اس شخص کے نام سے اسے شہرت مل جائے تو وہ چیز حرام نہیں ہوتی جس طرح کہ بعض

حضرات کو غلط فہمی لاحق ہے۔

وفد بلال بن حارث کی آمد

قبیلہ خزینہ کا ایک سردار بلال بن حارث اپنے چودہ ساتھیوں کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کر کے نعمت ایمان سے مالا مال ہوئے۔ بیرونی علاقوں سے آنے والے وفد میں یہ سب سے پہلا وفد تھا جس کو یہ سعادت ارزانی ہوئی۔ ضروریات دین کی تعلیم سے انہیں بہرہ ور کرنے کے بعد نبی اکرم نے فرمایا:

(1) اَرْجِعُوا كَمَا يَنْتَابُونَ، فَاَنْتُمْ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ
 ”اپنے وطن واپس چلے جاؤ تم جہاں بھی رہو گے تمہارا شمار مہاجرین کے
 خوش نصیب زمرہ میں ہوگا۔“

زلزلہ

اس سال مدینہ طیبہ میں زلزلہ آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رَأَيْتُمْ اِنَّهُ عَزَّوَجَلَّ
 يَسْتَعِيبُكُمْ فَاَعْتَبُوا (2) ”اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ تم توبہ کر کے اس کو راضی کرو۔ پس
 تم اس کو راضی کرو۔“

گھڑ دوڑ

اہل عرب کے پاس دو قسم کے گھوڑے ہوتے تھے، ایک عام قسم کے اور دوسرے
 خاص قسم کے جنہیں ایک خاص طریقہ سے لمبی دوڑ کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ اس کا طریقہ یہ
 تھا کہ گھوڑے کو ایک جگہ باندھ دیا جاتا اور اس کو خوب خوراک کھلائی جاتی یہاں تک کہ وہ
 خوب موٹا تازہ ہو جاتا۔ پھر اس کی خوراک اور پانی میں تدریجی طور پر کمی کی جاتی اور اس کو
 دوڑانا شروع کر دیتے۔ پہلے تھوڑے فاصلہ تک پھر آہستہ آہستہ فاصلہ بڑھاتے جاتے یہاں
 تک کہ وہ ہلاکتا ہو جاتا۔

1۔ ابن ماجہ میں حدیث 470

2۔ ابن ماجہ 502

شہسوار لامکاں علیہ السلام خود بھی گھوڑوں سے بہت محبت کرتے اور اس کی سواری کو بہت پسند فرماتے اور صحابہ کرام کے دلوں میں بھی مختلف طریقوں سے ان گھوڑوں کو پالنے کا شوق پیدا کرتے۔ بسا اوقات گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ کرایا جاتا اور سب شوقین حضرات کو اس میں شرکت کی دعوت دی جاتی۔ اس قسم کی ایک گھڑ دوڑ اس سال بھی منعقد ہوئی۔ مضر (تیار کردہ) گھوڑوں کی دوڑ کے لئے حفا سے شیتہ الوداع سے مسجد زریق کا فاصلہ مقرر تھا جو تقریباً ایک میل تھا۔ اونٹوں کی دوڑ کے مقابلے بھی ہوتے تھے۔ سرور انبیاء کی ایک ناقہ تھی جس کا نام عصباء تھا، دوڑ میں وہ ہمیشہ سب سے آگے ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک بدو اپنے جواں اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور مقابلہ میں شریک ہوا۔ یہ اونٹ عصباء سے بازی لے گیا۔ مسلمانوں کو اس بات کا بڑا رنج ہوا۔ نبی رحمت علیہ السلام نے یہ فرما کر سب کے رنج و غم کو دور کر دیا:

حَقُّ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى أَنْ لَا يَرْفَعَهُ شَيْءٌ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهُ (1)
 ”اللہ تعالیٰ کو حق پہنچتا ہے کہ جو چیز اس دنیا میں اونچی ہو اس کو نیچا کرے۔“

فرضیت حج

حج کی فرضیت کا حکم کب نازل ہوا۔ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ 5 ہجری میں اس کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔ صاحب ”تاریخ الخلفاء“ نے اس کو اصح الاقوال کہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرض کی ادائیگی کو بلا عذر 10 ہجری تک مؤخر فرمایا۔ ۷ ہجری میں قضائے عمرہ کیلئے تشریف لے گئے۔ عمرہ کر کے واپس تشریف لائے، حج ادا نہیں کیا۔ ماہ رمضان 8 ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا لیکن حج ادا نہیں کیا۔ 9 ہجری میں حضرت صدیق کو امیر الحج بنا کر بھیجا خود تشریف نہیں لے گئے۔ 10 ہجری میں حجتہ الوداع ادا فرمایا۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ حج کی فرضیت کا حکم 6 ہجری میں نازل ہوا۔ امام رافعی اور امام نووی نے اسی قول کو صحیح کہا ہے۔

جمہور علماء کی بھی یہی رائے ہے۔ بعض نے ۷ ہجری، بعض نے ۸ ہجری اور بعض نے

9 ہجری کے بارے میں کہا ہے۔ (1)

اس کے بارے میں مزید تحقیق اپنے مقام پر بیان کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

چاند گرہن

اسی سال 5 ہجری ماہ جمادی الثانی میں چاند کو گرہن لگا۔ یہود نے مانے کے برتنوں کو کافرشروع کر دیا اور کہنے لگے کہ چاند کو جادو کر دیا گیا ہے۔ اس لئے اس کی روشنی سب ہو گئی ہے۔ لیکن حقائق سے پردہ اٹھانے والے نبی صادق ﷺ نے ان لغویات کے بجائے اپنی امت کو صلوٰۃ الخسوف پڑھنے کا حکم دیا۔ اس وقت حضور نے خود نماز خسوف کی مامت کرائی، صحابہ کرام نے اپنے آقا کی اقتدا میں یہ نماز ادا کی اور اس کے بعد مسلمانوں کا یہ معمول ہو گیا کہ جب بھی چاند کو گرہن ملتا تو وہ بارگاہ الہی میں حاضر ہو کر نماز ادا کرتے۔ اس طرح صلوٰۃ الخسوف کا آغاز 5 ہجری ماہ جمادی الثانی سے ہوا۔

ہجرت کا سال ششم

ہجرت کا چھٹا سال

اس سال میں پیش آنے والے اہم واقعات

- 1- غزوہ بنی حیان
- 2- غزوہ ذی قرد یا غزوۃ الغابۃ
- 3- سریہ محمد بن مسلمہ الاشہلی
- 4- ثمامہ بن اثال کی آمد اور قبول اسلام
- 5- سریہ عکاشہ بن محصن الاسدی
- 6- سریہ محمد بن مسلمہ ذی القصد
- 7- سریہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 8- سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 9- سریہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ
- 10- سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 11- سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 12- سریہ کرز بن جابر
- 13- سریہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- 14- سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- جموم کی طرف
- الطرف کی جانب
- ام قرقہ کی طرف
- عسین کی طرف

غزوہ بنی حیان

یہ وہی قبیلہ ہے جس کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور گزارش کی تھی کہ ان کے قبیہ میں تبلیغ اسلام کیلئے چند مبلغ ان کے ہمراہ بھیجے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں توقع ہے کہ ان کا وعظ سن کر ہمارے قبیلہ کی کثیر تعداد اسلام قبول کر لے گی۔ رحمت عالم ﷺ نے اپنے صحابہ سے چھ چیدہ افراد ان کے ہمراہ روانہ فرمائے۔ یہ ایک فریب تھا ان کا، اصلی مقصد تو یہ تھا کہ وہ انہیں لے جا کر قیدی بنالیں گے اور مکہ لے جا کر ان کو گراں قیمت پر فروخت کر دیں گے۔ اس طرح کافی

رقم ان کے ہاتھ آجائے گی۔

ان حضرات کو لے جا کر ان ظالموں نے جو وحشیانہ سلوک کیا، اس کی تفصیلات آپ حادثہ رجیع کے عنوان کے ضمن میں پڑھ آئے ہیں۔ اس المناک حادثہ کے بعد رحمت عالم ﷺ کو پے در پے ایسی مصروفیتیں رہیں کہ ان دھوکہ بازوں کی گوثالی کی طرف توجہ مبذول نہ ہو سکی۔ غزوہ خندق اور غزوہ بنو قریظہ سے 5 ہجری کے آخری مہینہ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں فراغت ہوئی۔ اس کے بعد چھ ماہ کا عرصہ مدینہ طیبہ میں گزرا۔ یہ عرصہ فرزند ان اسلام کی تعلیم و تربیت میں صرف ہوا۔ وعظ وارشاد اور ذکر الہی کی محفلیں منعقد کر کے ان کے تزکیہ نفس کا اہتمام کیا جاتا رہا۔ اس کام کی اہمیت کا آپ اس بات سے بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سرور کون و مکان نے ظاہری دشمنوں کے ساتھ جنگ و قتال کو جہاد اصغر اور نفس کی اصلاح کیسے جد و جہد کو جہاد اکبر فرمایا ہے۔ چنانچہ چھ ماہ کی یہ مدت نبوت کے سبب اہم ترین فریضہ کو انجام دینے میں بسر ہوئی۔

اس سال ۱۰ ہجری اول میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دو سوا جاں نثاروں کو ہمراہ لے کر بنی خیان کے انسانیت دشمن افرو کو مزاحمت کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ ظاہر یہ یہاں گیا کہ اطراف شام کا قصد ہے۔ مدینہ منورہ سے اسی راستہ پر یہ لشکر روانہ ہوا جو شام کی طرف جاتا تھا۔ کافی دور جا کر حضور نے اپنا رخ بنی خیان کے علاقہ کی طرف موڑا۔ حضور نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ مقصد یہ تھا کہ اچانک ان پر حملہ کیا جائے لیکن انہیں کسی طرح اس لشکر کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ وہ اپنی بستیوں کو چھوڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے اور غاروں میں چھپ گئے۔ پہاڑیوں میں ان کا تعاقب مشکل تھا اور اس لحاظ و دق صحرائیں ان کے انتظار میں رکن بھی مناسب نہ تھا، اس لئے سرکارِ دو عالم اپنے جانثاروں سمیت عسکان تشریف لے آئے اور یہاں فرد کش ہو گئے۔ یہاں سے چھوٹی چھوٹی ٹولیاں اس علاقے میں بھیجی گئیں۔ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر کو دس سواروں کے ساتھ بھیجا۔ آپ کراغ الفہم تک گئے مگر کسی کافر سے سامنا نہ ہوا اور واپس تشریف لے آئے۔ اس سفر سے بظاہر وہ مقصد تو پورا نہ ہو جس کے لئے یہ طویل اور کٹھن سفر کیا گیا تھا۔ لیکن اس علاقہ میں قیام کرنے سے بہت سے قبل تک اسلام کا پیغام پہنچا دیا۔ ان لوگوں کو قرآن کریم کی تہاتر سننے، نبی رامت کی زیارت اور صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا ان علاقوں کے جغرافیائی حالات سے

اگاہی ہوئی اور یہاں آباد مختلف قبائل سے تعارف ہوا۔ یہ چیزیں مستقبل قریب میں اسلام کی اشاعت کے لئے بہت مفید ثابت ہوئیں۔ چودہ روز کے بعد سرور عالم ﷺ واپس تشریف لائے۔ حضور جب عسکان سے مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہونے لگے تو یہ دعا مانگی۔

اٰیْمُوْنَ تَايِبُوْنَ عَابِدُوْنَ رَبِّنَا حَامِدُوْنَ

”ہم لوٹ کر آنے والے ہیں، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔“

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَيْفَةِ عَلَى الْاَهْلِ

”اے اللہ! سفر میں تو ہمارا ساتھی ہے اور ہماری غیر حاضری میں ہمارے اہل پر تو ہمارا خلیفہ ہے۔“

اَللّٰهُمَّ اَسْأَلُكَ مِنْ وَعَثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْرِ

الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ۔

”اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں سفر کی صعوبت سے اور تکلیف دہ واپسی سے اور اپنے اہل و مال میں برے منظر سے۔“

اَللّٰهُمَّ بَلِّغْنَا بِلَاغًا صَالِحًا يَبْلُغُنَا اِلَى خَيْرٍ

”یا اللہ! ہمیں نیک مقصد تک پہنچا جو ہمیں خیر تک پہنچائے۔“

(1) مَغْفِرًا كَاِمْنِكَ وَرِضْوَانًا

”میں تجھ سے طلب کرتا ہوں مغفرت کو اور تیری رضا کو۔“

غزوہ ذی قردیا غزوۃ الغابۃ

عینہ بن حصین، جب خائب و خاسر ہو کر غزوہ خندق سے واپس آیا تو مسلمانوں سے اس کے بغض میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ جنگ میں شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا، مسلمانوں کو موٹ کر اپنے گھر بھرنے کی امیدیں خاک میں مل گئیں نیز اس پر ایک ذاتی رنجش کا اضافہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے اسے مدینہ کی کھجوروں کا 1/3 حصہ دینے کا لالچ دیا اور اس نے مشرکین قریش کا ساتھ چھوڑ دینے کا وعدہ کر لیا مگر وہ معاہدہ بھی پایہ تکمیل کو نہ پہنچا اور عینہ نے اپنے

حلیفوں کی نظروں میں بھی ذلیل و رسوا ہوا اب وہ مسلمانوں سے اس رسوائی کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ کھلے میدان میں مقابلہ کی ہمت تو نہ ہوئی البتہ راہزنوں اور قزاقوں کے گھڑیا طرفہ عمل کو اپنانے پر وہ مجبور ہو گیا۔

مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلہ پر ایک چراگاہ تھی جسے ”غابہ“ کہا جاتا تھا، وہاں رسول اکرم ﷺ کی شیردار اونٹنیاں چرا کرتی تھیں۔ بنی غفار قبیلہ کا ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ ان کی نگرانی کے لئے مقرر تھا۔ شام کے وقت وہ ان اونٹنیوں کا دودھ لے کر آتا اور حضور کی خدمت میں پیش کرتا۔ سرور عالم کو سفر سے واپس آئے، صرف چند راتیں ہی گزری تھیں کہ ایک روز عیینہ بن حصین نے اپنے سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ وہاں ڈاکہ مارا، اس چراگاہ کو قتل کر دیا اس کی بیوی اور بیٹے اونٹنیوں کو ہانک کر لے گیا۔

اس واقعہ کی اطلاع سب سے پہلے سلمہ بن عمرو بن الاکوع کو ہوئی۔ اس روز یہ صبح سویرے طہا جانے کے لئے گھر سے نکلے، کن اور ترکش کو حائل کیا۔ طلحہ بن عبید اللہ کا ایک غلام جوان کا گھوڑا لے کر جا رہا تھا وہ ان کے ہمراہ تھا۔

جب وہ ثنیۃ الوداع پر پہنچے، اس کی بلندی سے انہوں نے گھوڑے دیکھے جو ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ انہیں شک ہوا کہ یہ دشمن کے گھوڑے ہیں۔ عرب کے دستور کے مطابق انہوں نے تین مرتبہ بلند آواز سے ”واصباح“ کا نعرہ لگایا۔ پھر کسی کا انتظار کئے بغیر ان گھوڑوں کی طرف دوڑ پڑے۔ آپ صیغے کی طرح برق رفتار تھے، چند لمحوں میں وہاں پہنچ گئے اور ان گھڑ سواروں پر تیر برسارنے شروع کر دیئے۔ جب تیر مارتے تو ساتھ ہی یہ رجز پڑھتے:

حَذَفَ ذَنْبًا بَلَّغْتَ الْكَوْنُ الْيَوْمَ يَوْمَ الْمَوْصَلَةِ

”یہ لوتیر اچھے جانتے ہو میں کون ہوں۔ میں اکوٹ کا بیٹا ہوں۔ آج کا دن کینوں اور لعینوں کی بدکت کا دن ہے۔“

ابن اکوع کے ”واصباح“ کے نعرہ کی اطلاع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی پہنچ گئی۔ حضور نے مدینہ میں احادیث کے مطابق ”مغزوہ مغزوہ خطہ، خطہ واہد کو پہنچو، واہد کو پہنچو۔“ یہ آواز سنتے ہی صحابہ کرام پر انہوں کی طرح اور بے آواز۔ سب سے پہلے مقداد بن اسود پہنچے، ان کے بعد عمار میں سے بنی شہس کے جوان جہاں بنی شہس اور سعد بن زید پہنچے۔ پھر غسان

کے دو سوار عکاشہ بن محسن اور محرز بن نصرہ اور ابو قتادہ الحارث بن ربیع اور بنو زریق سے ابو عیاش حاضر خدمت ہوئے۔ حضور نے دستہ کا قائد حضرت سعد بن زید کو مقرر فرمایا۔ حکم دیا کہ تم دشمن کے تعاقب میں نکلو، میں بھی لوگوں کو لے کر تمہارے پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔ (1)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابو عیاش کو فرمایا، اے ابو عیاش! تم اپنا گھوڑا اگر اپنے سے ماہر سوار کو دے دو تو بہتر ہو گا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! اَنَا أَقْدَرُ النَّاسِ فِي خُودِ سَبَّاسٍ شُهُورٍ هُوتٍ۔ وہ خود بتاتے ہیں کہ میں نے ابھی پچاس گز کا فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ گھوڑے نے مجھے زمین پر پٹخ دیا۔ حضور نے ان کا گھوڑا معاذ بن معص کو عطا فرمادیا۔

یہ آٹھ بہادر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر برق رفتاری سے دشمن کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے جو سوار دشمن کے قریب پہنچا وہ محرز بن نصرہ اسدی تھا، اسے انحرام بھی کہا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ محمود بن مسلمہ کا گھوڑا ان کے باغ میں کھجور کے تنے کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ جب خطرہ کا اعلان ہوا اور مسلمان اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر دشمن کے تعاقب میں روانہ ہوئے تو گھوڑے ہنہنائے، یہ گھوڑا بھی ہنہنانے لگا اور کھجور کے ارد گرد چکر لگانے لگا اور اپنے سموں کو زور زور سے زمین پر مارنے لگا۔ محرز پاس سے گزر رہے تھے بنی اشہل کی کسی خاتون نے کہا کہ کیا تم اس گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کے تعاقب میں جانا پسند کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ اس خاتون نے انہیں گھوڑا پیش کیا۔ یہ اس پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو یہ ہوا سے باتیں کرنے لگا اور سب سے پہلے دشمن تک جا پہنچا۔ محرز بولے اے کیمنی ماں کے بچو! ذرا ٹھہرو، ابھی مہاجرہ النصر پہنچ رہے ہیں۔ جب مسلمان سواروں کے دستہ نے تعاقب کرتے ہوئے دشمن کو جالیا تو ابو قتادہ نے عیینہ کے بیٹے حبیب کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کی لاش کے اوپر اپنی چادر ڈال دی۔ پھر دشمن کے تعاقب میں دوڑے۔ اتنے میں حضور نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ وہاں پہنچے۔ صحابہ نے ایک لاش پر ابو قتادہ کی چادر دیکھی۔ انہوں نے انا للہ، پڑھا اور کہا، ابو قتادہ قتل ہو گئے۔ حضور نے فرمایا:

(2)

لَيْسَ بِأَيِّ قَتَاةٍ وَلَكِنَّهُ قَتِيلٌ لِأَيِّ قَتَاةٍ

”یہ ابو قتادہ نہیں بلکہ وہ شخص ہے جس کو ابو قتادہ نے قتل کیا ہے۔“

اس ڈھانپی ہوئی لاش سے پہلے لوگوں نے ابو قتادہ کا گھوڑا دیکھا جو گرا پڑا تھا اور اس کی کوئی چیز کٹی ہوئی تھیں انہیں یقین ہو گیا کہ یہ نفس یقیناً ابو قتادہ کی ہے۔ جب نبی کریم نے فرمایا کہ یہ نفس ابو قتادہ کی نہیں بلکہ قتیل ابو قتادہ کی ہے تو لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ ان کی اس حیرت کو دور کرنے کے لئے حضرت صدیق و فاروق آگے بڑھے اور چادر اٹھا دی تو وہ مسعدہ کی لاش تھی۔

فَقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مُسْعَدًا كَايَا رَسُولَ اللَّهِ

”ان دونوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور کہا، اللہ اور اس کے رسول نے سچ

کہا ہے۔ اے اللہ کے رسول! یہ مسعدہ کی لاش ہے۔“

لوگوں نے بھی جواباً نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اتنے میں حضرت ابو قتادہ بھی پہنچ گئے۔ وہ ان کے سامنے ان اونٹنیوں کو اکٹھا کر کے لار ہے تھے جو ان لٹیروں نے لوٹی تھیں۔ انہیں دیکھ کر حضور نے فرمایا:

أَقْبَحَ وَجْهًا يَا أَبَا قَتَادَةَ . أَبُوقَتَادَةَ سَيِّدُ الْعَرَبِينَ .

بَارَكَ اللَّهُ فَيْلَكِ يَا أَبَا قَتَادَةَ .

”اے ابو قتادہ! تیرے چہرے کو اللہ تعالیٰ کامیاب کرے۔ ابو قتادہ

سواروں کا سردار ہے۔ اے ابو قتادہ! اللہ تعالیٰ تجھے اپنی برکتوں سے

نوازے۔“

حضور نے فرمایا اِدْنُ مِرْيَئِي يَا قَتَادَةَ میرے نزدیک ہو جاؤ۔ میں نزدیک ہو گیا۔ حضور

نے بڑی نرمی سے تیر کا چپکان میرے چہرے سے نکالا۔ پھر اپنا عاب و صحن اس پر دیا اور اپنی

بہنیں مبارک اس پر رکھی۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں۔

فَوَالَّذِي أَلْزَمَ مُحَمَّدًا يَا نَبِيَّ مَا ضَرَبَ عَلَيَّ سَاعَةً قَطُّ وَلَا

قَرَحًا قَطُّ عَلَيَّ .

”اس بات پر کہ میں نے جس نے میرے آقا و نبوت سے عرصہ و معزز

فرمایا۔ میں محسوس ہوتا تھا کہ مجھے کوئی چوٹ لگی ہے مگر مجھے کوئی زخم

نہیں۔“

حضور نے فرمایا اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِعِزَّتِيْ شَعْرًا وَبَشِيرًا "یا اللہ! اس کے بالوں میں اور اس کے چہرہ کی رنگت میں برکت دے۔" آپ کا جب وصال ہوا تو آپ کی عمر ستر سال تھی لیکن یوں محسوس ہوتا تھا کہ پندرہ سال کا نوجوان ہے۔ (1)

عکاشہ بن محصن نے گھوڑا دوڑایا۔ اوپر اور اس کا بیٹا عمرو دونوں ایک اونٹ پر سوار تھے۔ عکاشہ نے ایک ہی وار سے دونوں کو نیزے میں پر دلیا۔ اور کیفر کردار تک پہنچا دیا اور ان سے کچھ اونٹنیاں چھین لیں۔ سرور عالم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ان کے تعاقب میں چلتے رہے یہاں تک کہ ذی قردنای پہاڑ تک پہنچ کر قیام فرمایا۔ ایک دن اور، ایک رات یہاں خیمہ زن رہے۔ حضرت ابن اکوع نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر حضور ایک سو مجاہد مجھے عطا فرمادیں تو میں باقی ماندہ اونٹ بھی ان سے چھین کر لے آؤں اور ان سب کو رسیوں میں باندھ کر حضور کی خدمت میں پیش کر دوں۔ حضور نے فرمایا وہ اب یہاں کہاں، وہ تو غطفان پہنچ کر رات کی شراب (غلوک) نوش کر رہے ہوں گے۔ (2)

امام مسلم نے اپنی صحیح میں سلمہ بن اکوع والی حدیث کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

حضرت سلمہ بن اکوع نے ان ڈاکوؤں کے قبضہ سے نبی کریم ﷺ کی ساری اونٹنیاں چھین لیں۔ سلمہ فرماتے ہیں، بخدا! میں ان پر تیروں کا بیٹھ برساتا رہا اور انہیں خاک و خون میں تڑپاتا رہا۔ جب ان کا کوئی سوار مجھ پر حملہ کرنے کے لئے مڑتا تو میں کسی درخت کے تنے کی اونٹ میں چھپ جاتا اور وہاں سے اس پر تیر چلاتا اور اس کو لہو لہان کر دیتا۔ جب وہ کسی تنگ گھاٹی میں داخل ہوتے تو پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتا اور ان پر پتھر برسا کر انہیں مڑھال کر دیتا۔ نبی اکرم کی جتنی اونٹنیاں لے کر وہ بھاگے تھے، وہ ایک ایک کر کے میں ان سے چھینتا رہا اور انہیں اپنی پشت کے پیچھے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سب اونٹنیاں میں نے ان سے چھین لیں۔ پھر وہ آگے بڑھے اور میں ان کے پیچھے پیچھے ان پر تیر برساتا گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی تیس چادریں اور تیس نیزے پھینک دیئے تاکہ ان کا بوجھ ہلکا ہو اور وہ تیزی سے بھاگ کر جان بچا سکیں۔ جو چیز وہ پھینکتے جاتے میں اس پر پتھر جوڑ کر نشان زد کر دیتا

تاکہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کی معیت میں یہاں سے گزریں تو ان کو پہچان کر اپنے قبضہ میں لے لیں۔ آخر وہ ایک جگہ آکر ٹھہرے تاکہ صبح کا کھانا کھائیں، اس اثناء میں فلاں بن بدر الفزاریؓ ان کے پاس آیا، میں سامنے پہاڑ کی ایک چوٹی پر بیٹھا تھا، اس فزاری نے ان سے پوچھا یہ سامنے کون شخص بیٹھا ہے۔ انہوں نے اسے بتایا کہ اس شخص نے ہمیں مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ صبح سے یہ ہم پر تیر برسا رہا ہے جو چیزیں ہمارے قبضہ میں تھیں سب اس نے چھین لی ہیں فزاری نے کہا اب وقت ہے، تم میں سے چار آدمی انھیں اور جا کر اس کا کام تمام کر دیں۔ چنانچہ ان کے چار آدمی میری طرف پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے لگے۔ جب وہ اتنے قریب آ گئے کہ میں ان سے گفتگو کر سکوں تو میں نے انہیں کہا "هَلْ تَقْرَأُونَ؟" (یوں ہی منہ اٹھائے چھ آ رہے ہو یا) مجھے پہچانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، بتاؤ تم کون ہو۔ آپ نے جواب دیا۔

اَنَسْنَاهُ بِنِ الْاَكُوْعِ - وَالَّذِي كَرَّمُوْهُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَا اَطْلُبُ رَجُلًا مِّنْكُمْ اِلَّا اَدْرَكْتُهُ وَلَا يَطْلُبُنِيْ فَيُدْرِكْنِيْ

”میرا نام سلمہ بن اکوع ہے۔ اس خدا کی قسم جس نے ہمارے آقا محمد ﷺ کے چہرہ کو منور اور مکرم فرمایا ہے۔ اگر میں تم میں سے کسی کو پکڑنا چاہوں تو فوراً پکڑ لوں اور تم میں سے کوئی مجھے پکڑنا چاہے تو وہ مجھے پکڑ نہیں سکے گا۔“

ان میں سے ایک انہیں کہنے لگا، میرے خیال میں یہ سچ کہہ رہا ہے اور وہ چاروں واپس لوٹ گئے۔ میں پہاڑ کی اس چوٹی پر بیٹھا رہا یہاں تک کہ رسول اکرم کے سواروں کو درختوں کے درمیان میں سے تے ہوئے دیکھا۔ سب سے آگے اخرم الاسدی تھے، ان کے پیچھے ابوقحہ انصاری اور ان کے پیچھے مقداد بن اسود کندی۔ میں نے اخرم (انہی کا نام محرز ہے) کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا اخرم! ان سے محتاط رہو، ایسا نہ ہو کہ وہ پکڑ لیں اور بھاگ کر لے جائیں۔ انتظار کرو یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام علیہم السلام یہاں پہنچ جائیں۔

اخرم نے کہا یا سلمہ اگر تم اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور یہ جانتے ہو کہ

جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو میرے درمیان اور شہادت کے درمیان رکاوٹ نہ بنو۔ اب میرے لئے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا کہ میں لیلائے شہادت کے اس عاشق صادق کے راستہ سے ہٹ جاؤں، وہ آگے بڑھے اور عیینہ کے بیٹے عبدالرحمن سے ان کا مقابلہ ہوا۔ عبدالرحمن نے نیزہ سے ان پر حملہ کیا اور وہ جاں بحق ہو گئے۔ یوں آن واحد میں مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

اتنے میں بارگاہ رسالت کے شہسوار حضرت ابو قتادہ پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنے نیزے کی اپنی عبدالرحمن کے سینہ میں گھونپ دی اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ (1)

حضرت محرز کی اس بیٹابی کی وجہ یہ تھی کہ ایک روز پہلے انہوں نے خواب دیکھا کہ ان کے لئے آسمان کا دروازہ کھل گیا اور وہ آسمان اول میں داخل ہو گئے۔ یہاں تک اسی طرح دروازے کھلتے گئے اور وہ اوپر چڑھتے گئے۔ وہ فرماتے ہیں ساتویں آسمان کے بعد جب میں سدرۃ المنتہی تک پہنچا تو مجھے کہا گیا یہ ہے تمہاری منزل۔ آپ کہتے ہیں کہ میں نے یہ خواب حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) سے بیان کیا کیونکہ خوابوں کی تعبیر بتانے میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ انہوں نے فرمایا: **آئینۂ یاسۃ شہادۃ** تمہیں شہادت کی خوشخبری ہو۔ اس خواب کے صرف ایک روز بعد یہ خلعت شہادت سے سرفراز کئے گئے۔ (2)

ایک دلچسپ واقعہ

آپ نے پڑھا کہ حضرت ابوذر کے بیٹے کو تو عیینہ کے آدمیوں نے قتل کر دیا اور ان کی بیوی کو پکڑ کر ساتھ لے گئے۔ ان کا یہ طریقہ تھا کہ وہ انہیں اونٹوں کو رسی سے باندھ کر اپنی حویلی کے صحن میں باندھ کرتے تھے۔ ایک رات جب سب لوگ میٹھی نیند کے مزے بوٹ رہے تھے، یہ خاتون انھیں اور کسی طرح ان رسیوں کو کاٹنے میں کامیاب ہو گئیں جن کے ساتھ انہیں جکڑا گیا تھا۔ وہاں سے اٹھ کر اونٹوں کے بازے میں آئیں۔ اب جس اونٹ کے قریب جاتی ہیں وہ آواز نکالتا ہے آخر وہ حضور کی اونٹنی ”عصباء“ کے پاس پہنچیں، یہ خاموش رہی۔ وہ اس پر سوار ہو گئیں، اسے ایڑ لگائی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی، اب مہر کو جھٹکا دیا

وہ چل پڑی۔ ان لوگوں کو پتہ چلا تو وہ ان کو پکڑنے کے لئے دوڑے لیکن عسبہا اتنی تیز رفتار تھی کہ وہ اس کی گرد پھاںکتے رہ گئے اور یہ مدینہ طیبہ پہنچی۔ جب ان کا تعاقب ہو رہا تھا تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر میں سلامت مدینہ طیبہ پہنچ گئی تو یہ اونٹنی ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء و مساکین میں تقسیم کر دوں گی۔

”الا کفء“ میں ہے کہ وہ غفاری خاتون بخیریت مدینہ منورہ پہنچی تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کیا، پھر اپنی نذر کے بارے میں بتایا:

قَتَبْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشْهًا جَزِيئَةً
حَمَلَهَا اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَجَّازِيهَا ثُمَّ تَحْمِلُ بِهَا

”رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات سن کر تبسم فرمایا اور کہا تم نے اس اونٹنی کو بہت برباد کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے اس پر سوار کیا اور اس کے ذریعہ تمہیں نجات دی، پھر تم اسے ذبح کرنا چاہتی ہو۔“

آخر میں شریعت کا ایک مسئلہ بیان فرمادیا:

إِنَّهُ لَا تَذَرُ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَلَا فِيمَا لَا تَمْلِكِينَ -

إِنَّمَا هِيَ نَاقَةٌ مِنْ إِبْنِ الرَّجَعِ إِلَى أَهْلِكَ عَلَى بَرْكَةِ اللَّهِ

”اللہ کی نافرمانی میں جو نذر مانی جائے یا کسی ایسی چیز میں جو تمہاری ملکیت نہ ہو تو وہ نذر ناجائز ہے۔ اس نذر کو پورا کرنا ضروری نہیں۔ یہ میری ناقہ ہے۔ تم اسے یہاں چھوڑو اور خود اپنے گھر تشریف لے جاؤ۔ اللہ تمہیں برکت دے۔“

سریہ محمد بن مسلمہ الاشہلی

دس محرم ۶ ہجری کو نبی رؤف رحیم ﷺ نے تیس سواروں کا ایک دستہ حضرت محمد بن مسلمہ کی قیادت میں بنی بکر کے ایک بطن القرطاک گوشالی کے لئے روانہ فرمایا۔ یہ لوگ ضریح نامی گاؤں میں سکونت پذیر تھے۔ حضور نے ان مسلمہ نوویت کی کہ انہیں اپنے حمد سے بے خبر رکھنا اور اپنا تک اہل پر حمد کر دینا۔ ضریح اور مدینہ طیبہ کے درمیان سات رات کی مسافت تھی۔ روز دہری کے پیش نظر مجاہدین رات کی تاریکی میں سفر کرتے اور دن میں

کسی محفوظ جگہ پر آرام کرتے۔ انہوں نے ان پر اچانک حملہ کیا۔ ان کے کئی آدمیوں کو یہ تیغ کیا جبکہ کافی لوگ بھاگ گئے۔ مسلمانوں کو ڈیڑھ سواونٹ تین ہزار بکریاں بطور غنیمت ہاتھ آئیں۔ اس مہم میں انہیں انیس روز لگ گئے محرم کی آخری تاریخ کو ان کی واپسی ہوئی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خمس نکالنے کے بعد ماں غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

ان لوگوں نے بنو حنیفہ کے ایک سردار کو بھی پکڑ لیا، انہیں علم نہ تھا کہ یہ کون ہے۔ رحمت عالم نے ان سے پوچھا: جانتے ہو تم کس کو جنگی اسیر بنا کر لے آئے ہو۔ یہ ثمامہ بن اثال الحنظلی ہیں، ان کے آرام و راحت کا ہر طرح خیال رکھنا۔ پھر حضور گھر تشریف لے آئے اور اہل خانہ کو فرمایا کہ کھانے پینے کی جو چیز تمہارے پاس ہے۔ وہ ثمامہ کے لئے بھجواؤ۔ تعمیل حکم کی گئی۔ نیز حضور نے فرمایا کہ میری شیردار اونٹنی کا دودھ بھی پینے کے لئے صبح و شام انہیں دیا کرو۔ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معنوں تھا کہ جب بھی ثمامہ سے ملاقات ہوتی، حضور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے۔

ایک روز حضور نے پوچھا ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے۔ کہنے لگا، میرے پاس خیر ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جو قتل کئے جانے کا سزاوار ہے۔ اور اگر آپ معاف کر کے احسان فرمائیں گے تو ایک ایسے شخص پر احسان ہو گا جو اس احسان کے لئے عمر بھر شکر گزار رہے گا۔ اگر آپ کو ماں کی ضرورت ہے تو فرمائیے جتن حکم دیں گے، اتنا مال پیش کر دوں گا۔ اتنی بات ہوئی اور نبی مکرم تشریف لے گئے۔ دوسرے روز پھر تشریف لائے۔ بیعت یہی گفتگو ہوئی۔ تیسرے روز بھی یہی مکالمہ ہوا۔ تیسرے روز حضور نے حکم دیا کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔ وہ چل گیا۔ مسجد کے قریب ایک نخلستان تھا جس میں کنواں تھا، وہاں گیا، غسل کیا، پاک صاف ہو کر پھر خدِ ضرعت ہو اور اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمد اعبدہ ورسوہ کہہ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

حسب معمول رات کو اس کے لئے کھانا آیا، اس نے پہلے سے بہت کم مقدار میں کھانا کھایا۔ اب دودھ پیش کیا گیا، اس نے وہ بھی چند گھونٹ پئے اور بقیہ واپس کر دیا۔ حضور کی خدمت میں اس کی یہ کیفیت بیان کی گئی۔ تو فرمایا مومن اور کافر کے کھانے میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے۔ کافر حرص اور لالچ کی وجہ سے گویا سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مومن سیر چشم اور دل کا غنی ہوتا ہے، وہ گویا ایک آنت میں کھاتا ہے۔

شمامہ عرض کرنے لگا، یا رسول اللہ! پہلے آپ کا چہرہ مجھے از حد ناپسند تھا، اب تمام لوگوں کے چہروں سے مجھے زیادہ دلکش اور حسین معلوم ہوتا ہے۔ پہلے آپ کا دین مجھے تمام مذاہب سے برا لگتا تھا، اب میں اسے دل و جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔ پہلے آپ کے شہر سے مجھے قلبی نفرت تھی، اب اس کی محبت میرے رگ و پے میں سرایت کر گئی ہے۔ میں عمرہ کی نیت سے جا رہا تھا کہ آپ کے سپاہیوں نے مجھے قیدی بنایا، اب میرے بارے میں کیا حکم ہے۔ نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے عمرہ کی قبولیت کا مژدہ سنایا۔ فرمایا، اب جاؤ اور عمرہ کرو۔ جب وہ مکہ پہنچا تو اہل مکہ نے اس پر طعن و تشنیع کے تیر چلانے شروع کر دیئے۔ کہنے لگے، تم بے دین ہو گئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، ایسا نہیں۔ بلکہ میں نے تو اب سچا دین قبول کیا ہے۔ اللہ کے رسول کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی ہے۔ انہوں نے زیادہ تنگ کیا تو آپ نے دھمکی دیتے ہوئے کہا، اب تمہیں یمامہ کی گندم سے ایک دانہ بھی نہ ملے گا جب تک رسول مکرم اذن نہیں دیں گے۔

یہ دھمکی دے کر وہ اپنے وطن یمامہ واپس چلا گیا۔ وہاں جا کر اس نے یہ حکم نافذ کر دیا کہ آج سے مکہ والوں کو غلہ گندم کی ترسیل مکمل طور پر بند کر دی جائے۔ جب غلہ کی درآمد کا سلسلہ بند ہو گیا تو اہل مکہ کے حواس باختہ ہو گئے۔ اب اس ہستی سے رحم و کرم کی توقعیں کرنے لگے جن کے ساتھ انہوں نے رحم و کرم کا سلوک کبھی نہیں کیا تھا۔ اب اس ہستی کو صلہ رحمی کے واسطے دینے لگے جس کے ساتھ انہوں نے کبھی قرابت داری کا فائدہ نہیں کیا تھا۔ رؤف و رحیم نبی سے ان کی یہ حالت زار نہ دیکھی گئی۔ فوراً حضرت شمامہ کو حکم تھا کہ اس پابندی کو ختم کر دو۔ نبیوں نے اپنے آقا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور گندم بھیجنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ (۱)

سریہ عکاشہ بن محصن الاسدی

اسی سال ربیع الاول کے مہینے میں نبی مکرم ﷺ نے حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی کی قیادت میں چالیس مجاہدین کا ایک دست روانہ فرمایا تاکہ بنی سہ کے ایک چٹمہ جو غمر مرزوق کے نام سے مشہور تھا، وہاں آباد لوگوں کی شرارتوں کا سد باب کریں۔ اس کے پہنچنے

سے پہلے ہی انہیں اطلاع مل گئی تھی اور وہ بھاگ گئے تھے۔ مسلمان وہاں پہنچے تو ان کی آبادیوں میں التبول رہے تھے۔ مسلمان ان کے بند علاقہ میں خیمہ زن ہوئے اور شجاع بن وحب کو چند مجاہدین کے ساتھ بھیجا گیا کہ وہ ان کا سراغ لگائیں۔ اور تو کوئی نہ ملے، صرف ایک آدمی پکڑا گیا۔ اس نے بتایا کہ ان کے اونٹ فداں فدہ وادی میں چر رہے ہیں۔ وہ گئے اور ان کے سارے اونٹ ہانک کر لے آئے اور حضور کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ اس سفر میں دشمن سے جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

سریہ محمد بن مسلمہ

مدینہ طیبہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ایک آبادی ذی القصد کے نام سے مشہور ہے۔ محمد بن مسلمہ کو دس مجاہدین کے ساتھ ان کی اصلاح احوال کے لئے بھیجا گیا۔ یہ رات کے وقت وہاں پہنچے اور آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ ان لوگوں کو پتہ چلا تو ان کے سو آدمی مسلح ہو کر آگئے انہوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا اور سب کو تہ تیغ کر دیا۔ صرف محمد بن مسلمہ بچ گئے اور وہ بھی شدید زخمی تھے۔ انہوں نے مسلمان شہداء کے کپڑے اتار لئے۔ وہاں سے ایک مسلمان کا اتفاقاً گزر ہوا۔ وہ حضرت محمد بن مسلمہ کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے مدینہ طیبہ لے آئے۔ (۱)

سریہ ابی عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس سال ماہ ربیع الاول میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو چالیس مجاہدین کا امیر بنا کر ذی القصد کی طرف روانہ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی ثعلبہ اور نمر کے علاقوں میں سخت خشک سالی تھی جس عداقت میں انہیں ہادل برسنے کی اطلاع ملی وہاں پہنچ جاتے۔ انہیں پتہ چلا کہ المراض سے تعین تک خوب بارش ہوئی ہے۔ مراض، مدینہ طیبہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔ بنو محارب، بنو ثعلبہ اور انمار تینوں قبیلے وہاں پہنچ گئے۔ جب اسلام دشمن قبائل وہاں جمع ہوئے تو ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی ایک چراگاہ ہیفاء پر حملہ کریں جہاں مویشی چرا کرتے تھے اور جو مدینہ سے

شملہ ان کے کندھوں کے درمیان لٹکا دیا۔ پھر فرمایا اے عوف کے فرزند اعمامہ اس طرح باندھا کرو۔ پھر فرمایا:

أَعْدُوا لِلَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَاتِلْ مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ وَلَا
تَعْلَلْ وَلَا تَعْدِرْ وَلَا تَقْتُلْ وَلْيَدَا-

”اللہ کا نام لے کر اور اس کے راستہ میں رخصت ہو جاؤ جو اللہ کا نیکار کرے، اس کے ساتھ جنگ کرو اور کسی کے ساتھ دھوکہ نہ کرنا۔ بد عہدی نہ کرنا اور کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔“

پھر مرشد انسانیت نے اپنا دست مبارک پھیلا دیا اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّعُوا اخْتِصَابًا قَبْلَ أَنْ تَحُلَّ يَكُمُ

”یعنی اے لوگو! پہنچ چیزوں سے بچو، اس سے پیشتر کہ تم پر اللہ کا عذاب نازل ہو۔“

مَا نَعَصَ مَكِّيًّا قَوْمًا إِلَّا أَخَذَهُمُ اللَّهُ بِالسِّنِينَ وَنَقِصَ
مِنَ الشَّمَاكِتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ

”جب کسی قوم کا پیغام نہ کم ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو قحط اور پید اور کی کمی سے دوچار کر دیتا ہے تاکہ وہ راہ راست کی طرف لوٹ آئیں۔“
مَا تَكُنَّ قَوْمٌ عَهْدَهُمْ إِلَّا سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ عَدُوَّهُمْ
”اور جب کوئی قوم اپنا وعدہ توڑ دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔“

وَمَا مَنَعَ قَوْمًا زَكَاةً إِلَّا أَصْبَحُوا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَظَرَّ السَّمَاءُ
وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَفُتُوا لِيُسْقَوْا

”اور جو قوم زکوٰۃ دینے سے ہاتھ روک لیتی ہے، اللہ تعالیٰ اس پر بارش کا نزول روک لیتا ہے، اور اگر بے زبان جانور نہ ہوں تو انہیں پینے کے لئے ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہو۔“

مَا ظَهَرَتِ الْفَاجِشَةُ فِي قَوْمٍ إِلَّا سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الظَّالِمِينَ

”اور جس قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ وہابی بیماری

طاہعون کو مسلط کر دیتا ہے۔“

وَمَا أَحْكَمَ قَوْمٌ بِخَيْرِ آيِ الْقُرْآنِ إِلَّا أَلَسَّ لَهُمْ شَيْعًا
وَأَذَاقَ بَعْضَهُمْ بِأَسْ بَعْضٍ

”اور جو قوم احکام قرآنی کے بغیر فیصلہ کرتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مٹی
وحدت کو پارہ پارہ کر دیتا ہے اور وہ ایک دوسرے پر ظلم و تشدد کرنے
لگ جاتے ہیں۔“

حضرت عبدالرحمن اپنے آقا کی دعاؤں اور توجہات کے سائے میں اپنی منزل کی طرف
روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر حسب ہدایت انہوں نے تبلیغ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ پہلے دن
بھی وعظ و تذکیر کا کوئی اثر نہ ہوا۔ دوسرے روز بھی آپ نے بڑی دل سوزی سے انہیں
دعوت حق دی لیکن بے سود۔ وہ جنگ کرنے کے لئے تلواریں تیز کرتے رہے۔ تیسرے
روز جب محمدی درویش نے اپنے رب قدوس کا نام لے کر نعرہ حق بلند کیا تو کفر کے قلعہ میں
شکاف پڑنے لگے۔ ان کے رئیس نے سب سے پہلے دعوت اسلام کو قبول کیا۔ یہ خود اور اس
کا قبیلہ، سارا نصرانی تھا، سب سے پہلے اس نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کے دست حق
پرست پر اسلام کی بیعت کی۔ پھر تو اسلام لانے والوں کا تانا باندھ گیا۔ چند آدمیوں کے علاوہ
سارا قبیلہ مشرف باسلام ہو گیا اور جو لوگ عیسائیت پر اڑے رہے، انہوں نے جزیہ دے کر
اسلامی مملکت کا پر امن شہری بن کر رہنا منظور کر لیا۔

ان کے رئیس کا نام اصبح بن عمرو القہنی تھا۔ اس کی ایک دختر نیک اختر تھی، اس کا نام
تماضر تھا۔ اصبح نے اس کا رشتہ برضا و رغبت حضرت عبدالرحمن کو دیا۔ آپ نے نبی رحمت
کی نصیحت کے مطابق اس سے نکاح کر لیا۔ پھر یہ خوش نصیب بچی مدینہ طیبہ میں حاضر
ہوئی۔ محبوب رب اعرش العظیم کی زیارت کر کے شرف صحابیت سے بہرہ ور ہوئی۔ اس
کے شکر سے اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالرحمن کو ایک چاند سا بیٹا عطا فرمایا جس کا نام ابو سلمہ
رکھا گیا۔ اس کے بارے میں علماء جرح و تعدیل کی رائے ہے۔

”یہ حافظ تھے، شہید تھے، بکثرت حدیثیں روایت کرتے تھے، علماء کے پیشوا تھے، تابعین

کے سربراہ اور مدد تھے، ۵۵ھ میں مدائن میں وفات پائی۔ ۹۳ ہجری میں ہوئی۔“ (۱)

سر یہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اسی ماہ ربیع الثانی میں بنی سلیم کے علاقہ جموم کی طرف زید بن حارثہ کو بھیجا گیا۔ جموم، مدینہ طیبہ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے۔ بنی مزینہ قبیلہ کی ایک عورت حلیمہ اور اس کے خاوند کو گرفتار کیا گیا۔ حلیمہ نے حضرت زید کی بنو سلیم کی جائے رہائش کی طرف راہنمائی کی جس کی وجہ سے آپ نے بہت سے اونٹ بکریاں بطور غنیمت اپنے قبضہ میں لیں اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنالیا۔ ان میں حلیمہ کا خاوند بھی تھا۔ جب ان سب کو لے کر حضرت زید بارگاہ رسالت میں پہنچے تو حضور نے حلیمہ کو اور اس کی وجہ سے اس کے خاوند کو بھی آزاد کر دیا۔

سر یہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ طرف کی جانب

مدینہ منورہ سے چھتیس میل کی مسافت پر ایک بستی ہے جس کا نام طرف ہے۔ یہاں ایک چشمہ ہے جہاں بنو نعلبہ سکونت پذیر تھے۔ حضرت زید کو پندرہ مجاہدین کے ہمراہ ادھر بھیجا گیا۔ بنو نعلبہ کے لوگ بھاگ گئے۔ بہت سے اونٹ اور بکریاں قبضہ میں آئیں۔ حضرت زید صبح سویرے بیس اونٹ لے کر مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ اس سفر میں جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ اس مہم پر چار دن صرف ہوئے۔

سر یہ کرڑ بن جابر

چھٹے سال ماہ جمادی الثانی میں یہ واقعہ پیش آیا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت انس سے جو روایت نقل کی ہے اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

”حضرت انس سے مروی ہے کہ قبیلہ مُعَلِّیُّ یا عُزَیْنہ کے چند لوگ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے لیکن وہاں کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی اور وہ بیمار ہو گئے۔ حضور کریم ﷺ نے انہیں وہاں جانے کا حکم دیا جہاں بیت المال کی شیردر اوٹنیں چرتی تھیں اور انہیں فرمایا کہ تم ان اوٹنیوں کا بول اور دودھ پیا کرنا۔ وہ وہاں چلے گئے اور ایسا کرنے سے جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے اوٹنیوں کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اوٹنیں لے کر بھاگ گئے۔ صبح سویرے اس کی

اطلاع حضور کو ہوئی۔ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے تعاقب میں سوار بھیجے۔ جب کافی دن چڑھ آیا تو یہ سوار ان کو پکڑ کر لے آئے۔ حضور کے حکم پر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلاخیں پھیری گئیں۔ انہیں دھوپ میں ڈال دیا گیا، وہ پانی طلب کرتے تھے اور انہیں پانی نہیں دیا جاتا تھا۔“ (1)

بعض لوگ اس واقعہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ بہت بڑا عظم ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کی آنکھوں میں سلاخیاں پھیر کر دھوپ میں پھینک دیا جائے اور وہ پیاس سے ترپتے رہیں لیکن انہیں پانی تک نہ دیا جائے۔ اگر معتز ضمیمہ تھوڑی سی زحمت اٹھاتے اور کتب احادیث میں اس اجمال کی تفصیل تلاش کرتے تو اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے۔

ان ستم گروں نے ان چرواہوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل سطور پر نظر ڈالئے۔ طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے تعاقب میں کرز بن جابر اللہمی کو بیس سواروں کے ساتھ بھیجا اہل عرینہ کی تعداد آٹھ تھی وہ شیردار اونٹنیاں ذی الحدر کی چراگاہ میں چرتی تھیں۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے چھ میل دور تھا۔ نواح میں تھی سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آڑا کر وہ غلام بیمار نے مع اپنے چند رفقاء کے انہیں جا لیا اور ان سے لڑنا شروع کر دیا ان غلاموں نے حضرت یسار کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور ان کی زبان اور آنکھوں میں کانٹے چبھو دیئے اور اس حالت میں انہیں پھینک دیا اور انہوں نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی جس وقت مجرم گرفتار ہو کر عدالت نبوت کے کئبرے میں کھڑے کئے گئے تو اقلیم عدل و انصاف کے شہسوار نے ان کے ساتھ وہی برتاؤ کرنے کا حکم دیا جو انہوں نے کیا تھا۔ اور یہ عین فرمان الہی کے مطابق تھا۔ ارشاد الہی ہے:

لَمَّا جَزَاؤُا الَّذِيْنَ يَحَارِبُوْنَ اِلٰهَ دَرَسُوْنَهُ وَيَسْعُوْنَ فِسَادًا
اَنْ يَقْتُلُوْا اَوْ يَصْنَبُوْا اَوْ يَقَطْعُوْا اَيْدِيَهُمْ وَاَرْجُلَهُمْ مِّنْ خِلْفَةٍ
اَوْ يُنْفِثُوْا مِّنَ الْاَرْضِ ذَلٰلًا يَّخْزٰى فِيْ اٰثَرِهَا فَاِنَّ فِيْ الْاٰخِرَةِ
عَذَابًا عَظِيْمًا

(2)

”بلاشبہ سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے۔ اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انہیں چن چن کر قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا کانٹے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مختلف طرفوں سے یا جلا وطن کر دیئے جائیں یہ تو ان کے لئے رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں اس سے بھی بڑی سزا ہے۔“

سریہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

بنو سعد بن بکر کا قبیلہ فدک کے علاقہ میں آباد تھا۔ ان کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ لشکر جمع کر رہے ہیں تاکہ یہودیوں کی امداد کریں۔ نبی مکرم ﷺ نے فتنہ کی اس آگ کو بروقت بجھانے کے لئے ماہ شعبان ۶ ہجری میں سیدنا علی مرتضیٰ کو ایک سو مجاہدین کا دستہ دے کر ان کی گوشالی کے لئے روانہ فرمایا۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ رات کو سفر کرتے اور دن کو آرام فرماتے۔ فدک اور خیبر کے درمیان عجیب نامی چشمہ پر پہنچے تو آپ کو ایک آدمی ملا۔ اس سے پوچھا گیا تم کون ہو۔ اس نے بتایا کہ اپنے گمشدہ جانور کو تلاش کر رہا ہوں۔ انہوں نے پھر پوچھا تاؤ بنو سعد نے جو لشکر اکٹھا کیا ہے اس کے بارے میں تجھے کچھ علم ہے، اس نے کہا مجھے کوئی علم نہیں۔ مسلمانوں نے جب اس پر تشدد کیا تو اس نے اعتراف کیا کہ میں بنو سعد کا جاسوس ہوں۔ مجھے انہوں نے خیبر بھیجی تھی تاکہ میں یہودیوں سے وہ شرائط طے کر دوں جن کی بنیاد پر بنی سعد ان کی امداد کر سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ یہودیوں نے جس طرح دوسرے قبائل کے ساتھ خیبر کی کھجوروں کا مقررہ حصہ دینے کا وعدہ کیا ہے اسی طرح کا وعدہ بنو سعد کے ساتھ بھی کریں تو بنو سعد ان کی امداد کریں گے مسلمانوں نے اس سے پوچھا تاؤ بنو سعد نے لشکر کہاں اکٹھا کر رکھا ہے۔ اس نے کہا جب میں ان کے پاس سے گیا تھا اس وقت تک دو سو آدمی جمع ہو چکے تھے۔ انہوں نے کہا ہمیں وہاں لے چل۔ اس نے کہا مجھے جان کی امان دو، میں تمہیں وہاں لے چلا ہوں۔ مسلمانوں نے کہا اگر تو نے ہماری صحیح راہنمائی کی یعنی جہاں وہ جمع ہو رہے ہیں وہاں لے گیا اور جس جگہ ان کے مویشی ہیں اس جگہ کی نشاندہی کی تو تجھے امان ہے۔ اس نے کہا مجھے منظور ہے۔ وہ مسلمانوں کو لے کر ایک ہموار

میدان میں گیا جہاں بہت سے اونٹ اور بہت سی بکریاں چر رہی تھیں۔ اس نے بتلایا یہ ہیں ان کے اونٹ اور یہ ہیں ان کی بکریاں۔ اب مجھے جانے کی اجازت ہے۔ مسلمانوں نے کہا جب تک ان کے لشکر کی جگہ تک ہم نہ پہنچ جائیں تمہیں اجازت نہیں۔ وہ انہیں اس جگہ لے گیا لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھا، سب تیز تر ہو گئے تھے۔ اس وقت اسے چھوڑ دیا گیا۔ مسلمان ان کے پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں ہانک کر اپنے ساتھ لے آئے۔ بنو سعد مسلمانوں کی آمد کا سن کر بھاگ گئے۔ سیدنا علی مرتضیٰ اپنے مجاہدین کو ہمراہ لے کر اور تمام مویشیوں کو ہانکتے ہوئے مدینہ طیبہ بخیریت پہنچ گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہود کے ساتھ ساز باز کر کے مسلمانوں کے خلاف مقابلہ میں آنے کی بنو سعد کو جرأت نہ ہوئی۔ (۱)

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام قرقہ کی طرف

ام قرقہ ایک عورت کا نام ہے، یہ ربیعہ بن بدر فزاری کی بیٹی تھی۔ اپنی قوت اور اپنے حفاظتی انتظامات میں اس کا نام بطور ضرب المثل زبان زد عام تھا۔ عرب کہتے تھے اَعَزُّوْا مَعْنَهُ هِيَ امُّ قُرْقَةَ "یہ تو ام قرقہ سے بھی بڑھ کر غالب آنے والا اور حفاظت کرنے والا ہے۔" اس کے گھر میں ہر وقت پچاس تلواریں آویزاں رہتی تھیں۔ پچاس مردان شمشیر زن ہر وقت موجود رہتے تھے اور یہ سب کے سب اس کے بیٹے اور اس کے پوتے تھے۔ اس کے ایک بیٹے کا نام قرقہ تھا، اسی کی وجہ سے اس کی کنیت ام قرقہ تھی جبکہ اس کا اصل نام فاطمہ بنت ربیعہ تھا۔ اس کا گرواوی القریٰ کے ایک جانب تھا جو مدینہ طیبہ سے سات رات کی مسافت پر تھا۔

یہ سریہ ماہ رمضان ۶ ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ اس کا جب یہ تھا کہ حضرت زید بن حارثہ تجارت کی غرض سے شام کی طرف روانہ ہوئے، ان کے پاس دیگر صحابہ کرام کے اموال تجارت بھی تھے۔ جب دو واوی القریٰ میں پہنچے تو قبیلہ فزارہ کی ایک شاخ بنی مدر کے بہت سے آدمی نکل آئے۔ انہوں نے حضرت زید اور ان کے ساتھیوں کو سخت مارا چٹا اور سراسیمہ بھی چھین لیا۔ انہوں نے واپس آکر بارگاہ رسالت میں یہ ماجرا عرض کیا۔ نبی کریم ﷺ نے ایک حبش (شکر) ان کے ساتھ بھیجا تاکہ ان لٹیہ دن کی گوثالی کرے۔ اس

لشکر کو حضور نے نصیحت کی کہ دن کے وقت آرام کریں اور رات کو سفر کریں۔ بنی بدر کے اندازہ کے مطابق جس صبح کو اس لشکر نے پہنچنا تھا، اس صبح کو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی پوری تیاری کر رکھی تھی۔ حسن اتفاق کہ لشکر اسلام کا راہبر راستہ بھول گیا اور یہ لشکر اس صبح کو وہاں نہ پہنچ سکا۔ انتظار کے بعد وہ لوگ تتر بتر ہو گئے۔ مسلمان دوسری صبح کو ایسے وقت پہنچے جب دشمن غفلت کی نیند سو رہا تھا۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ ان کے کئی آدمی مارے گئے۔ ام قرفہ اور اس کی لڑکی جاریہ کو قید کر لیا گیا۔ قیس بن محسر نے ان دونوں کو گرفتار کیا۔ قرفہ بوڑھی عورت تھی لیکن پرلے درجے کی گستاخ اور زبان دراز تھی۔ بارگاہ رسالت میں دشنام طرازی سے بھی باز نہ آتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے اپنے تمیم بیٹوں اور پوتوں کا ایک دستہ تیار کیا اور انہیں کہا: **اَعِدُّوا الْعِدَّةَ يَوْمَ يُبْعَثُ الْفَاسِقُونَ** (فتنہ باز عورت) کو کیفر کردار تک پہنچا دیا اور اس کی لڑکی کو اسیر بنالیا۔ ان قزاقوں کو ان کے کرتوتوں کا مزا چکھانے کے بعد حضرت زید اپنے ساتھیوں سمیت شاداں و فرحان واپس آئے۔ در اقدس پر حاضر ہو کر دستک دی، نبی مکرم ﷺ کو اطلاع ملی تو حضور تیزی سے تشریف لائے، حضرت زید کو گلے لگالیا اور انہیں چومے۔ حضرت زید نے سارا ماجرا عرض کیا تو حضور بڑے خوش ہوئے۔ وہ لڑکی سلمہ بن اکوع کے ماموں حزن بن ابی وہب کو عطا کر دی گئی کیونکہ یہ دونوں مشرک تھے۔ (1)

ام رومان رضی اللہ عنہا کی وفات

اسی سال ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ محترمہ ام رومان بنت عامر بن عویمر نے وفات پائی۔ آپ نے دعوت اسلامی کے آغاز میں اسلام قبول کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ان کے بطن سے ایک صاحبزادے حضرت عبدالرحمن اور ایک صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ تومد ہوئیں۔ جب ان کی قبر تیار ہو گئی تو رسول کریم ﷺ خود اس قبر میں تشریف لے گئے اور ان کو لحد میں رکھا اور ارشاد فرمایا:

1۔ احمد بن زبیر رحاب، "اسیرۃ النبی" جلد 2، صفحہ 162، "امام اسحاق"، جلد 1، صفحہ 209، "تاریخ قیس"، صفحہ 12

مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى امْرَأَةٍ مِنْ الْحُورِ الْعِينِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذِهِ
 ”جو شخص حوروں میں سے کسی خاتون کی زیارت کرنا چاہتا ہے، وہ ان کی
 زیارت کر لے۔“

ابن سعد کے نزدیک انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں وفات پائی۔ (۱)

غزوة خديجة

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا
لِإِغْفَارِ لَكَ ذُنُوبِكَ فَإِذَا قَدْ مَرَّ مِنْ تَحْتِهَا الْخَيْلُ
وَبِئْسَ نِعْمَةٌ عَلَيْكَ يَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا

یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی ہے
تاکہ دُور فرمائیے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ (ہجرت)
پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت) بعد لگائے گئے اور مکمل فرمائیے
اپنے انعام کو آپ اور چلائے
آپ کو سیدی راہ پر۔

(المع ۲۱۱)

غزوہ حدیبیہ

حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام تھا۔ اس کے ارد گرد جو گاؤں آباد ہو اوہ بھی اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ اس کا کچھ رقبہ حدود حرم میں ہے اور کچھ حدود حرم سے باہر ہے۔ محبت طبری لکھتے ہیں کہ یہ گاؤں کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب ہے اور اس کا زیادہ رقبہ حرم میں ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے نو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

محققین کے نزدیک یہ غزوہ 6 ہجری کے ماہ ذی قعدہ میں وقوع پذیر ہوا۔ امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کئے۔ ایک عمرہ کے سوا باقی تینوں عمرے ماہ ذی قعدہ میں ادا فرمائے۔ چوتھا عمرہ جو حج کے ساتھ ادا کیا وہ ذی الحجہ میں فرمایا۔ (1)

تاریخی پس منظر

مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر مسلمان مکہ چھوڑ کر اڑھائی تین سو میل دور مدینہ طیبہ میں جا کر آباد ہوئے مگر کفار نے یہاں بھی انہیں آرام کا سانس نہ لینے دیا۔ اتنا دسکا جھڑپوں کے علاوہ یکے بعد دیگرے بدر، احد اور خندق کی جنگیں ہوئیں۔ جنگ و جداس کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اہل مکہ نے مسلمانوں کے لئے مکہ کے دروازے بند کر دیئے تھے۔ خانہ کعبہ کے طواف اور زیارت کے لئے سرزمین عرب کا ہر شخص آسکتا تھا لیکن مسلمانوں پر یہ قدغن تھی کہ وہ حرم شریف کی زیارت کا قصد نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ناروا اقدام کی متعدد مقامات پر مذمت کی ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَا لَهُمْ آلَافٌ يَّعْبُدُونَ إِلَهَهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (2)

”اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کو کیوں عذاب نہ دے حالانکہ انہوں نے اہل

ایمان کو مسجد حرام میں آنے سے روک دیا ہے۔“

مدینہ طیبہ میں مہاجرین و انصار کو بیت اللہ شریف کی زیارت کا شوق ہر وقت بے چین رکھتا تھا۔ اپنی اس خواہش کا اظہار وہ بارگاہ رسالت میں بھی کرتے رہتے تھے۔ حضور انہیں صبر کی تلقین کے ساتھ ساتھ یقین دلاتے کہ عنقریب وہ دن آنے والا ہے جب یہ ساری رکاوٹیں دور ہو جائیں گی اور تم بڑی آزادی سے حج و عمرہ کے ارکان ادا کر سکو گے۔ ایک روز نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو یہ نوید جان فزائشی کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ہم سب امن و سلامتی کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ سکر صحابہ کرام کی خوشی کی حد نہ رہی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کے نعرے بلند کئے۔ یہ خبر آن واحد میں سارے شہر میں پھیل گئی۔ صحابہ کرام یہ جانتے تھے کہ نبی کریم کا خواب عام خواب نہیں ہے بلکہ یہ وحی الہی ہے اور اس میں ہماری دیرینہ آرزو کے بر آنے کی بشارت دی گئی ہے۔ اتنا تو انہیں یقین تھا کہ ایسا ضرور ہو گا لیکن کس طرح ہو گا، اس کے بارے میں مختلف دسو سے ان کو پریشان کرنے لگے۔

کیا قریش کے ساتھ جنگ ہوگی اور وہ انہیں شکست دے کر مسجد حرام میں داخل ہوں گے؟
کیا وہ زور بازو سے اہل مکہ کو شہر خالی کرنے پر مجبور کر دیں گے؟
کیا اہل مکہ خود بخود ان کے لئے شہر کے دروازے کھول دیں گے؟

بہر حال سفر کی تیاریاں زور شور سے شروع ہو گئیں۔ مدینہ طیبہ سے باہر جو قبائل مسلمان ہو چکے تھے، انہیں بھی دعوت دی گئی کہ وہ بھی اس سفر میں شریک ہوں تاکہ مسلمانوں کی زیادہ جمعیت دیکھ کر کفار مکہ مزاحمت کی جرأت نہ کر سکیں۔ بنو بکر، مزینہ اور جہینہ کو بھی ساتھ چلنے کی ترغیب دی گئی۔ ان قبائل نے اپنی معروفیتوں، اپنے اہل و عیال اور مال و منکر کی حفاظت کا بہانہ بنایا اور ساتھ چلنے سے معذرت کر دی۔ یہ لوگ آپس میں ازراہ تمسخر کہتے کہ محمد (ﷺ) چاہتے ہیں کہ ہم ایسی قوم کے ساتھ جا کر جنگ کریں جو پوری طرح مسلح ہے۔ مُحَمَّدٌ رِفْدَاكَ اَيْنَ وَ اَيْنَ اور اس کے ساتھی صرف اونٹوں کا گوشت بھون کر کھانا جانتے ہیں، دیکھنا اس دفعہ ان میں سے کوئی بچ کر نہیں آئے گا۔ یہ ان لوگوں کے گھر جارہے ہیں جو اعلیٰ درجے کے بہادر اور ہتھیاروں سے پوری طرح لیس ہیں جبکہ ان کے پاس تو جتنی اسلحہ برائے نام ہے اور تعداد بھی بہت کم ہے۔ (۱)

مدینہ طیبہ سے روانگی سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت نمیلہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ (1)

بعض کی رائے ہے کہ عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ کا والی مقرر فرمایا۔ (2)

یکم ذی قعدہ کو حضور نبی کریم ﷺ کی قیادت میں عشق کا یہ قافلہ سوئے حرم روانہ ہوا۔ اس کی تعداد چودہ سوار اور پندرہ سو کے درمیان تھی۔ حضور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار تھے۔ ستر اونٹ قربانی کے لئے ساتھ تھے اور ان کے گلوں میں قنادے ڈال دیئے گئے تھے تاکہ پہچان ہو سکے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں۔ یہ قافلہ جب مدینہ طیبہ سے چھ سات میل دور ذوالخلفہ نامی گاؤں میں پہنچا تو سب نے عمرہ کا احرام باندھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پیسے دو رکعتیں پڑھیں پھر مسجد کے دروازے کے پاس سے اونٹنی پر سوار ہوئے۔ جب اونٹنی اٹھی اور اس کا منہ قبلہ کی طرف ہوا تو حضور نے احرام کی نیت باندھی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حضور کا یہ سفر بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے ہے۔ پھر تبلیہہ کہ

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ
وَالْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ۔

اکثر صحابہ نے یہاں سے ہی احرام باندھا اور بعض نے حنفہ کے مقام پر عمرہ کا احرام باندھا۔ ان کے پاس ایک ایک تلوار تھی جو نیام میں بند تھی، اس کے علاوہ کوئی ہتھیار نہ تھا۔ ازدواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس سفر میں حضور کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کے علاوہ چند اور مخلص خواتین ام عمارہ، اسماء بنت عمر اور ام عامر الاشہلیہ وغیرہن بھی ساتھ تھیں۔ (3)

بنو خزاعہ قبیلہ کی دل ہمدردیاں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھیں اس میں ان کے مسلم اور غیر مسلم سب برابر تھے۔ سرور عالم نے یہاں سے اس قبیلہ کے ایک شخص بشر بن سفیان کو بھیجا کہ وہ مکہ جائے، وہاں کے حالات کا پورا جائزہ لے اور قریش کی سرگرمیوں اور ارادوں سے مطلع کرے۔ نیز مہاجرین اور انصار کے بیس افراد پر مشتمل ایک جتھہ تیار کیا

1۔ ابن کثیر، "اسیرۃ النبیؐ"، جلد 3، صفحہ 312

2۔ "مصدر سابق"، جلد 5، صفحہ 56

3۔ یضاً

جس کی قیادت عباد بن بشر کو تفویض فرمائی اور بطور طلیعہ لشکر اسلام کے آگے آگے چلنے کا انہیں حکم دیا۔ تحفہ کے مقام پر پہنچے تو قیام فرمایا اور ایک سایہ دار درخت کے نیچے جھڑو دینے کا حکم دیا۔ جب صفائی ہو گئی تو خود وہاں تشریف لائے اور صحابہ کرام کو ایک ایمان افروز خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ کا ایک جملہ یہ ہے

إِنِّي كَاتِبٌ لَّكُمْ قَرَضًا قَدْ تَوَكَّلْتُ فِيكُمْ مَا إِنَّا أَخَذْنَا تَوَكُّلًا لَّنْ
تَوَسَّلُوا أَبَدًا كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (1)
”میں تمہارا پیش رو ہوں اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم
اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ
کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔“

قریش کو جب نبی مکرم ﷺ کی روانگی کی اطلاع ملی تو ان کے دلوں میں دوسو سو اندیشوں کے طوفان اٹھ آئے۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ عمرہ محض بہانہ ہے، اصل مقصد مکہ پر قبضہ کرنا ہے۔ انہوں نے طے کر لیا کہ وہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو شہر میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ حضور جب عسفان کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے تقریباً دو دن کی مسافت پر ہے تو حضور کا فرستادہ بشر بن سفیان قریش کی سرگرمیوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس مقام پر حاضر خدمت ہوا۔ اس نے بتلایا کہ قریش کو حضور کی روانگی کی خبر پہنچی گئی ہے اور وہ مکہ سے نکل کی ڈھلوانی کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے ہیں۔ انہوں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ حضور کو مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہونے دیں گے۔ نیز انہوں نے حضور کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے دوسو شہسواروں کا دستہ دے کر خالد بن ولید کو کرائع النعمیم کی طرف بھیج دیا ہے۔ یہ بستی عسفان سے صرف آٹھ میل کے فاصلہ پر تھی۔ (2)

یہ سن کر حضور نے فرمایا صد حیف اقریش کو جنگوں نے کھوکھلا کر دیا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی ضد سے باز نہیں آئے۔ کیا حرج تھا اگر وہ میرے اور دیگر عرب قبائل کے درمیان حاکم نہ ہوتے۔ اگر عرب قبائل ہمارا خاتمہ کر دیتے تو ان کا مقصد پورا ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ مجھے ان پر غلبہ بخشتا تو وہ اپنی ہدائی کثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جاتے۔ اگر

اس وقت بھی اسلام قبول کرنے کے لئے وہ آمادہ نہ ہوتے تو پھر مجھ سے جنگ کرتے کیونکہ اس وقت وہ طاقتور ہوتے۔

آخر میں حضور نے فرمایا:

فَمَا تَنْظُرُونَ قُرَيْشٌ قَوْمَانِ لَا أَدَاكَ لِحَاجَةٍ عَلَى الَّذِي يَبْعَثُ اللَّهُ
بِهِ حَتَّى يُظْهِرَ اللَّهُ أَوْ تَنْقِرَ هَذِهِ السَّالِفَةُ (1)
”قریش کیا سوچ رہے ہیں، بخدا! میں اس وقت تک اس دین کے لئے
جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کر دے یا میری
زندگی ختم ہو جائے۔“

جب اہل مکہ کے عزائم کے بارے میں اطلاعات ملیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
مجلس مشاورت طلب کی اور حمد و ثنا کے بعد صحابہ کرام سے پوچھا کہ ان حالات میں ہمیں کیا
طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔ حضرت صدیق اکبر نے عرض کی:

اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَمَاجِئُنَا مُعْتَبِرِينَ وَلَكِنْ
يُحِبُّ يِقْتَالُ أَحَدٌ وَتَذَى أَنْ تَمُوتَ بِلَوْجِبَتِنَا فَمَنْ صَدَّقَا عَيْنَ
الْبَيْتِ قَاتِلْنَا (2)

”اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں یہ رسول اللہ! ہم عمرہ کرنے کے
لئے آئے ہیں، کسی سے جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے۔ ہماری
رائے یہ ہے کہ ہم جس مقصد کے لئے آئے ہیں اسی کی طرف رواں
دوال رہیں۔ جس نے ہمیں بیت اللہ شریف کے طواف سے روکا، ہم
اس کے ساتھ جنگ کریں گے۔“

اسید بن حنظلہ نے بھی اس رائے کی تائید کی۔ حضور نے ارشاد فرمایا قَبِيرٌ وَاعْلَى لَا سِيْرَ اللَّهُ
”اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ“ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنگ و قتال سے بچنے کے
لئے یہ مناسب سمجھا کہ اس مشہور راستہ کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کر کے مکہ پہنچیں۔
حضور نے پوچھا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو کسی غیر معروف راستہ سے ہمیں مکہ لے

جائے۔ ایک شخص نے حامی بھر لی۔ چنانچہ ایک نہایت ہی کشن اور دشوہ گزیر راستہ پر چل کر حضور حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہ جگہ حرم شریف کی سرحد پر واقع ہے۔ اس طرح خالد کے گھڑ سوار دستے سے ٹکراؤ کا خطرہ نکل گیا اور قریش کی یہ تدبیر باکھم ہو گئی کہ مسلمانوں کو راستہ میں ہی الجھا دیا جائے۔

راستہ میں جو واقعات رو پڑے ہوئے، ان میں بھی ہمارے لئے درس ہدایت ہے۔ اس لئے ان کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

حمار وحشی کا شکار

جس طرح پہلے عرض کیا کہ بعض صحابہ نے ذوالخلفہ کے مقام پر احرام نہیں باندھا تھا، ان میں سے ایک ابو قتادہ بھی تھے۔ صحابہ نے جو حالت احرام میں تھے، ابواء کے مقام پر ایک جنگلی حمار دیکھا۔ ابو قتادہ اپنی جوتی گانٹھنے میں مشغول تھے، آپ نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ صحابہ کی خواہش تھی کہ ابو قتادہ اسے دیکھیں لیکن نہ انہیں زبان سے بتا سکتے تھے، نہ اشارہ کر سکتے تھے ورنہ شکار میں اعانت کے مرتکب ہوتے اور کفارہ ادا کرنا پڑتا۔ ابو قتادہ کہتے ہیں کہ اچانک میں نے سر اٹھایا تو میری نظر اس پر پڑ گئی۔ میں فوراً اٹھا، گھوڑے پر زین کسی اور سوار ہو گیا لیکن جلدی میں عصا اور نیزہ لینا بھول گیا۔ میں نے اپنے احباب کی بڑی منت کی کہ مجھے میرا نیزہ پکڑا دو لیکن سب نے اس بارے میں میری مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ میں غصہ سے خود نیچے اترا، عصا اور نیزہ پکڑا، گھوڑے پر سوار ہوا اور اس جنگلی حمار (گدھے) کے پیچھے دوڑا دیا۔ چند قدم پر ہی اسے مار کر لیا۔ میں نے اسے ذبح کیا اور پکایا مگر میرے دوست اس کے کھانے میں بھی متامل تھے۔ ہم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسد پوچھا۔ حضور نے صحابہ سے دریافت کیا، کیا تم میں سے کسی نے ان کی امداد کی ہے یا اس جانور کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سب نے عرض کی نہیں۔ فرمایا، یہ تمہارے لئے حلال ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری ضیافت ہے، خوب کھاؤ، پھر پوچھا کچھ گوشت بھی بھیجے۔ میں نے عرض کی، ایک بازو میں نے حضور سے پھر کھا ہے۔ حضور نے احرام کی حالت میں اسے تناول فرمایا۔ (۱)

اس سے دو مسئلے معلوم ہو گئے۔

1۔ محرم کے لئے نہ شکار کرنا جائز ہے اور نہ کسی دوسرے شکاری کی اس سلسلہ میں امداد کرنا جائز ہے۔

2۔ اگر غیر محرم شکار کرے اور جس محرم نے اس سلسلہ میں اس کی امداد بھی نہ کی ہو، وہ اس شکار کا گوشت کھا سکتا ہے۔

ہدیہ بنی نہد

روحاء کے مقام پر بنو نہد قبیلہ کے افراد حاضر خدمت ہوئے سرور عالم ﷺ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول نہ کی۔ پھر انہوں نے اپنی اونٹنیوں کا دودھ حضور کی خدمت میں بھیجا حضور نے اسے واپس کر دیا اور فرمایا لَا أَقْبِلُ هَدِيَّةً مِنْ مُشْرِكٍ کہ ”میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کیا کرتا۔“ (1)

ہدیہ ایماء بن رخصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بنو غفار قبیلہ کا ایک شخص جن کا نام ایماء بن رخصہ تھا، سو بکریاں اور دو اونٹنیاں لے کر حاضر ہوئے۔ یہ سارے جانور شیر دار تھے۔ سرور عالم نے انہیں قبول فرمایا اور انہیں دعا دی، بَارَكَ اللَّهُ فِيكُمْ انہوں نے چند مقامی ترکاریاں بھی پیش کیں جو حضور نے بہت پسند فرمائیں اور ان میں سے کچھ چیزیں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجیں۔ (2)

کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابواء کے مقام پر جب یہ قافلہ پہنچا تو حضور نے حضرت کعب بن عجرہ کو دیکھا کہ ان کے بالوں سے جوئیں گر رہی ہیں اور آپ حالت احرام میں ہیں۔ رحمت عالم نے پوچھا هَلْ تُؤْذِنُكَ هَؤُلَاءُ يَا كَعْبُ اے کعب! کیا یہ جوئیں تمہیں تکلیف دے رہی ہیں، عرض کی۔ یا رسول اللہ! انہوں نے تو میرا ناک میں دم کر رکھا ہے لیکن مجبور ہوں۔ فرمایا، سر کے بال منڈا دو اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ قَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذَى مِنْ زَائِلٍ فَقَدِيهِ مَمْتًا

صِيَارًا أَوْ صَدَقَةً أَوْ لُطْفًا

(1)

”پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اسے کچھ تکلیف ہو سر میں اور وہ سر

منڈالے تو وہ فد یہ دے دے روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے۔“

حضور نے انہیں فرمایا، یا بکری ذبح کرو یا تین روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔

آپ نے بکری کی جگہ ایک گائے صدقہ کر دی۔ (2)

ایک منافق کا انجام

سنگار اور دشوار گزار راستہ کو طے کرتے ہوئے سرور عالم ﷺ جب ہموار میدان

میں پہنچے تو فرمایا، سب کہو **سْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَتُغْفَرُ لَيْهِ** ”ہم اللہ سے مغفرت طلب کرتے

ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔“ سب نے یہ جیسے دہرائے۔ حضور نے فرمایا یہی وہ

بات تھی جو بنی اسرائیل کے سامنے پیش کی گئی لیکن انہوں نے یہ کہنے سے انکار کر دیا۔ اس کا

ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں کیا گیا ہے: **وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرُ لَكُمْ حُطَّتِ بَاكُو** (3)

”اور کہتے چلے جانا بخش دے (ہمیں)، ہم بخش دیں گے تمہاری خطائیں۔“

صبح ہوئی تو سب نے امام الانبیاء کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ حضور نے فرمایا **لَكُمْ مَغْفُورٌ**

لَعَلَّكُمْ صَاحِبُ الْجَنَّةِ ”تم سب کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے سوائے سرخ اونٹ

داے کے۔“ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم نے اسے کہا کہ ہر گاہ رسالت میں حاضر ہو جاؤ

اور عرض کر دو کہ حضور تمہارے لئے مغفرت کی دعا مانگیں۔ وہ بولا میں تو آپے مشدہ اونٹ

کو تلاش کرنے میں مصروف ہوں، مجھے میرا اونٹ مل جائے، مجھے یہ اس سے زیادہ محبوب

ہے کہ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ وہ اپنے اونٹ کی تلاش میں مارا مارا چل رہا تھا۔

ایک چتر سے اس کا پاؤں پھسل، وہ ڈھلک ہوا نیچے جا کر مارا مر گیا۔ جنگلی درندہ اس کی ش

پہ نوت پڑے اور اس کو چیر چیر کر کھا گئے۔ (4)

حدیبیہ میں حضور کا قیام

نبی مکرم ﷺ جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو حضور کی ناقہ قصوی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے خیال کیا کہ تھکاوٹ کی وجہ سے بیٹھ گئی ہے۔ نبی کریم نے فرمایا: **لَا تَمْنَحِبْهَا حَتَّى يَأْتِيَ الْوَيْلُ عَنْ مَكَّةَ** ”اے اس ذات نے آگے بڑھنے سے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ جانے سے روکا تھا۔“ حضور نے حکم دیا کہ یہیں فروکش ہو جاؤ۔ لوگوں نے عرض کی:

یا رسول اللہ! یہاں تو پانی کی ایک بوند نہیں، سارے کنویں خشک پڑے ہیں۔ یہاں شہر اسلام نے قیام کیا تو پانی کی نایابی کی وجہ سے بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حبیب کبریٰ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور ایک صحابی کو حکم دیا کہ کسی کنویں میں اتر جائے اور یہ تیر اس میں گاڑ دے۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی تیر گاڑنے کی دیر تھی کہ پانی جوش مار کر ابن شریک ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کنواں پانی سے بھر گیا۔

اہل مکہ کی تشویش اور باہمی مذاکرات

قریش بضد تھے کہ وہ کسی قیمت پر حضور کو آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ حضور کی خواہش تھی کہ جنگ نہ ہونے پائے اور سارے معاملات حسن و خوبی سے طے پا جائیں۔ اسی اثناء میں بدیل بن ورقاء جو بنی خزاعہ قبیلہ کا سردار تھا۔ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضور کی خدمت میں آیا اور حضور (ﷺ) سے یہاں آمد کا مقصد پوچھا۔ حضور نے اسے بتلایا کہ بیت اللہ شریف کی زیارت کا شوق ہمیں کشاں کشاں یہاں لے کر آیا ہے۔ جنگ کرنے کا ہمارا قطعاً کوئی ارادہ نہیں اور نہ ہم کسی بہانے سے مکہ پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ احرام کی دو چادریں ہمارے زیر تن ہیں۔ قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں۔ کیا تم یہ باور کر سکتے ہو کہ ایک تلوار لے کر ہم تمہارے ساتھ اتنی مسافت طے کر کے لڑنے کے ارادے سے آئے ہیں۔ بدیل کو اطمینان ہو گیا۔ چنانچہ وہ اہل مکہ کے پاس گیا اور انہیں جا کر کہا کہ مسلمان صرف کعبہ کی زیارت اور طواف کے لئے آئے ہیں، جنگ کرنے کا ان کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں، اس لئے تم ان کا راستہ نہ روکو۔ قریش نے اسے ڈانٹ دیا اور صاف کہا کہ تم بدو لوگ ان ہاریکیوں کو نہیں سمجھتے۔ ہم کسی قیمت پر مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے کی

اجازت نہیں دے سکتے۔

چند قبائل جنہیں احابش کہا جاتا تھا، مکہ کے نواح میں آباد تھے۔ قریش کے ساتھ ان کا دوستانہ معاہدہ تھا۔ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اہل مکہ کو ان کی بڑی ضرورت تھی۔ یہ لوگ بلا کے تیر انداز اور جنگ جوتے۔ اہل مکہ نے ان کے سردار حلیس بن علقمہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ مجبور کرے کہ حضور واپس چلے جائیں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر حضور نے اس کی بات نہ مانی تو وہ برا فروخت ہو کر مسلمانوں کے خلاف اپنی پوری قوت استعمال کرے گا۔

حضور نے جب اسے اپنی لشکر گاہ کی طرف آتے دیکھا تو صحابہ کو ارشاد فرمایا کہ قربانی کے جانوروں کی قطاریں اس کے سامنے سے گزاردو۔ حلیس نے جب یہ منظر دیکھا تو بہت متاثر ہوا۔ حضور سے گفتگو کئے بغیر قریش کے پاس واپس آگیا اور جو کچھ دیکھا تھا وہ آکر بیان کر دیا اور انہیں یقین دلایا کہ مسلمان نہ جنگ کرنے کی غرض سے آئے ہیں اور نہ مکہ پر قبضہ کرنے کا کوئی ارادہ ہے۔ اس کی بات سن کر قریش کے غیظ و غضب کی حد نہ رہی۔ اسے کہا وہ بدو! بیٹھ جاؤ، تمہیں ان چیزوں کا کیا علم ہے۔ حلیس غصہ سے بے قابو ہو گیا اور انہیں کہا کہ ہم نے تمہارے ساتھ اس لئے دوستی نہیں کی کہ زائرین کعبہ کا راستہ روکنے کے لئے تمہاری امداد کریں۔ اگر تم اپنی ضد سے باز نہ آئے تو میں اپنے قبیلہ کے لوگوں کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔ قریش اس کی منت سماجت کرنے لگے کہ ذرا صبر سے کام لو، ہمیں سوچنے کا موقع دو۔ اس کے بعد اہل مکہ نے عروہ بن مسعود ثقفی کو کہا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جا کر گفتگو کرے اور انہیں واپس چلے جانے پر آمادہ کرے۔

اپنے پہلے سفیروں کے ساتھ انہوں نے جو برتاؤ کیا تھا۔ وہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ تم میرے ساتھ بھی وہی سلوک کرو گے اس لئے میں یہ خدمت انجام دینے سے قاصر ہوں۔ قریش نے اسے یقین دلایا کہ اس کی شخصیت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اس کی دانائی اور فراست پر انہیں کلی اعتماد ہے۔ چنانچہ وہاں سے روانہ ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو اور بڑی سیدھے مندی سے گفتگو کا آغاز کیا۔ کہنے لگا، مکہ آپ کی قوم کا مرکز ہے۔ اگر آپ ان تار و منشاہ دونوں کی فوج اکٹھی کر کے اس پر حملہ کر کے اس کو بربت کر دیں گے تو یہاں کے باشندوں میں قتل و غارت کا بازار گرم

کر دیں گے تو یہ داغ پھر کبھی نہیں مٹے گا اور اگر جنگ کی نوبت آئی، تو آپ کے یہ ساتھی آپ کو تنہا چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ جائیں گے۔ حضرت صدیق اکبر اس کی یہ گفتگو سن رہے تھے۔ جب اس نے یہ آخری بات کہی تو آپ کو یارائے ضبط نہ رہا اور کڑک کر فرمایا۔ اولات کے غلیظ چیتھڑے کو چومنے والے! تم نے کیا کہا۔ کیا ہم حضور کو چھوڑ کر چلے جائیں گے؟ عروہ نے یہ سنا تو ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔

عرب کے دستور کے مطابق عروہ اثنائے گفتگو کبھی کبھی اپنے ہاتھ سے سرور عالم ﷺ کی ریش مبارک کو چھو لیتا۔ حضرت مغیرہ جو پاس کھڑے تھے، اس کے ہاتھ کو سختی سے جھٹک دیتے۔ اگرچہ آپ عروہ کے ممنون احسان تھے کہ اس نے ان کی طرف سے تیرہ آدمیوں کا خون بہا دیا تھا جو ان سے قبل از اسلام قتل ہوئے تھے۔ جب وہ باز نہ آیا تو مغیرہ نے غضبناک ہو کر کہا: اب اگر تو نے ہاتھ لگایا تو واپس نہیں جائے گا: عروہ بولا مَا أَفْظَقْتُ وَ أَغْظَقْتُ ”تم کتنے کرخت مزاج اور سخت کلام ہو۔“ حضور سے پوچھنے لگا، یہ کون ہے۔ فرمایا یہ تیرا بھتیجا مغیرہ ہے۔ (۱)

عروہ نے حضور سے تبادلہ خیال کیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ حضور کا مقصد نہ اہل مکہ سے جنگ کرنا ہے اور نہ مکہ پر قبضہ کرنا ہے۔ بلکہ حضور اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ بیت اللہ کا عمرہ کرنے کیلئے یہاں آئے ہیں۔ چنانچہ اسلامی کیپ میں کچھ وقت گزارنے کے بعد جب وہ واپس گیا تو اس نے اہل مکہ کو اپنے مشاہدات کے نتیجے سے آگاہ کیا اور انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ مسلمانوں کی مزاحمت کا ارادہ ترک کر دیں۔ انہیں عمرہ و زیارت بیت اللہ سے نہ روکیں۔ وہ چند دن یہاں ٹھہر کر واپس مدینہ چلے جائیں گے۔ اس نے انہیں یہ بھی بتایا کہ وہ قیصر و کسریٰ اور کئی دوسرے بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہے لیکن جاں نثاری اور عقیدت کے جو جذبات اس نے غلامان محمد (ﷺ) کے دلوں میں موجزن دیکھے ہیں، ان کی نظیر اسے کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ وہ اگر تھوکتے ہیں تو لعاب دہن کو تبرک سمجھ کر ہاتھوں پر لے لیتے ہیں۔ اگر وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کے پانی کا ایک قطرہ زمین پر نہیں گرنے دیتے بلکہ ”گے بڑھ کر اسے اپنے چہروں اور سینوں پر مل لیتے ہیں۔ اگر کوئی کام کرنے کا اشارہ کرتے ہیں تو حکم بجالانے میں سب ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے جیتاب ہو

جاتے ہیں۔ میں نے اطاعت کیشی، جاں نثاری، خلوص اور محبت کے یہ دلکش منظر کسی شاہی دربار میں نہیں دیکھے۔ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ مشکل وقت میں مسلمان اپنے نبی کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ میں نے حقیقت حال سے تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔ اب جو تم مناسب سمجھو وہ کرو۔

قریش نے مسلمانوں کے خلاف جو روش اختیار کر رکھی تھی۔ انہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ جزیرہ عرب کے طول و عرض میں اس کار و عمل ان کے خلاف ہو گا اور لوگ یہ سمجھنے لگیں گے کہ قریش کعبہ کے خادم نہیں ہیں بلکہ مالک ہیں۔ انہیں یہ اختیار ہے جس کو چاہیں وہاں آنے دیں اور جس کو چاہیں وہاں آنے سے روک دیں۔ قریش کی کوشش تھی کہ اہل عرب کے اذہان میں ان کے متعلق یہ تاثر پیدا نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ جس کے باعث وہ مسلمانوں پر بر ملا حملہ کرنے سے گریزاں تھے۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ مسلمان مشتعل ہو کر جنگ کا آغاز کریں۔ چنانچہ انہوں نے بار بار ایسی حرکتیں کیں جس سے جنگ کے شعلے بھڑک سکتے تھے۔ ایک دفعہ رات کی تاریکی میں ان کے چاہیس پچاس آدمی اسلامی کیمپ میں گھس آئے اور مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مسلمانوں نے صبر و ضبط سے کام لے کر جنگ کو پھیلنے نہیں دیا بلکہ ان سب کو گرفتار کر کے حضور کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی سے انتقام نہیں لیا بلکہ سب کو رہا کر دیا۔ اس طرح قریش کی اس سازش کو ناکام بنا دیا۔

ایک روز مسلمان صبح کی نماز ادا کرنے میں مصروف تھے کہ تنعم کی طرف سے اسی آدمیوں کے ایک دست نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے ان سب کو بھی گرفتار کر لیا لیکن سرور عالم نے ان کے لئے بھی غمخوار کا اعلان کر دیا۔ یوں قریش کی دوسری سازش بھی ناکام بنا دی گئی۔

حالات کوئی فیصلہ کن صورت اختیار نہیں کر رہے تھے اہل مکہ نے جتنے سفیر بھیجے مسلمانوں کی حسن نیت کے بارے میں وہ خود تو مطمئن ہو کر آئے تھے لیکن اہل مکہ کو مطمئن نہ کر سکے۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یا ماکہ! انہیں اہل مکہ کے پاس بھیجیں۔ آپ حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ امیر سے دل میں شرعین مکہ کے لئے

جو بغض و عداوت ہے، وہ اس سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ میرے خاندان بنی عدی کا کوئی آدمی وہاں موجود نہیں جو آڑے وقت میں میری مدد کرے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے نقصان پہنچائیں گے۔ میری تجویز یہ ہے کہ حضور اگر حضرت عثمان کو اپنا سفیر بنا کر بھیجیں تو ان کی کامیابی کے امکانات زیادہ روشن ہیں۔ ان کے خاندان کے کافر افراد وہاں موجود ہیں اور وہ اثر و رسوخ کے مالک ہیں۔ ان پر کوئی دست درازی کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ نیز وہ لوگ ان کی بات توجہ سے سنیں گے۔ سرور عالم ﷺ کو یہ تجویز پسند آئی۔ چنانچہ نبی مکرم ﷺ نے حضرت عثمان کو اپنا سفیر بنا کر اہل مکہ کی طرف بھیجا تاکہ یہ اپنی ذاتی وجہات اور خاندانی اثر و رسوخ کے باعث اہل مکہ کی غلط فہمیوں کو دور کر سکیں اور قریش کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ مسلمانوں کو زیارت و طواف کعبہ سے نہ روکیں۔ حضور نے حضرت عثمان کو یہ بھی فرمایا کہ وہاں جو مسلمان مرد اور عورتیں بیکسی اور مظلومیت کی زندگی بسر کر رہی ہیں، ان سے ملاقات کریں اور انہیں یہ مشورہ سنیں کہ ان کی مظلومیت اور مقہوریت کے دن ختم ہونے والے ہیں۔ مکہ عنقریب فتح ہو گا اور یہاں دین حق کو غلبہ نصیب ہو گا۔ (1)

آپ تعیل ارشاد کے لئے روانہ ہوئے مکہ سے باہر ہی آپ کی ملاقات ابان بن سعید سے ہو گئی۔ یہ آپ کا چچا زاد بھائی تھا جو بعد میں مشرف باسلام ہوئے آپ نے اسے اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ اس نے آپ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور کہا اب آزادی اور اطمینان سے اپنا فرض ادا کرو۔ حضرت عثمان نے مکہ پہنچ کر رؤساء قریش سے ملاقات کی اور صحیح صورت حال سے انہیں آگاہ کیا۔ آپ نے انہیں بتایا کہ ہم جنگ کرنے کی غرض سے نہیں آئے، ہم نے احرام باندھا ہوا ہے، قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں اور اسلحہ ہمارے پاس نہیں۔ اگر ہمارا ارادہ مکہ پر قبضہ کرنے کا یا تم سے جنگ آزادی کا ہو تا تو کیا ہم اس بے سروسامانی کی حالت میں یہاں آتے۔ آپ نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ ہم یہاں چند روز قیوم کرنے کے بعد واپس چلے جائیں گے۔ لیکن وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے قسم کھائی ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آپ لوگ اس وقت واپس چلے جائیں البتہ آئندہ سال کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔

بیعت رضوان کا پس منظر

اہل مکہ نے حضرت عثمان کو اپنے پاس روک لیا تاکہ بات چیت کا سلسلہ جاری رہے۔ اس اثناء میں کفار نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ کسی دوسرے مسلمان کو تو نہ ہم مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں گے اور نہ وہ کعبہ کا طواف کر سکیں گے البتہ آپ ہمارے مہمان ہیں، آپ کو اجازت ہے کہ آپ خانہ کعبہ کا طواف کر لیں۔ وہ تو سمجھتے تھے کہ عثمان ہماری اس اجازت کو بعد تشکر قبول کریں گے اور فوراً طواف کعبہ میں مشغول ہو جائیں گے لیکن اس عاشق صادق کا جواب سن کر ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ

(1) مَا كُنْتُ بِأَفْعَلُ حَتَّى يَطُوفَ بِمِ رَسُولُ اللَّهِ

”میں اس وقت تک کعبہ کا طواف نہیں کروں گا جب تک میرا محبوب میرے اللہ کا رسول طواف نہیں کرے گا۔“

حضرت عثمان کے مکہ روانہ ہونے کے بعد بعض صحابہ کے دل میں رہ رہ کر یہ خیال چٹکیاں لینے لگا کہ کتنا خوش نصیب ہے عثمان اسے مکہ مکرمہ جانے کا موقع مل گیا ہے۔ وہ بیت اللہ کی زیارت کر کے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گا۔ اس کا طواف کر کے دل کی حسرت پوری کرے گا۔ صفا مردہ کے درمیان سعی کرے گا اور احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جائے گا۔ معصوم نہیں ہمیں یہ سعادت نصیب ہوتی ہے یا نہیں۔

اپنے ان جذبات کا اظہار انہوں نے بارگاہ رسالت میں بھی کر دیا۔ حضور نے فرمایا!

مَا أَظُنُّكَ طَافَ بِالْبَيْتِ وَتَحْتَ قَصُودُونَ ”میرا خیال ہے کہ وہ کعبہ کا طواف ہرگز نہیں کریں گے جبکہ ہم محصور ہیں اور ہمیں مکہ میں داخلہ کی اجازت بھی نہیں۔“

حضرت عثمان جب واپس آئے تو صحابہ نے پوچھا کہ آپ نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ اس موطن صادق نے جواب دیا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ نَوَاسِكْتُ بِهَا مُعْتَمِرًا كَذَا وَكَذَا سَنَةً وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقِيمٌ بِحَدِّ بَيْتِهِ مَا طُفْتُ

حَتَّى يَطُوفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (1)

”اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ اگر میں احرام کی حالت میں کئی سال بھی مکہ میں رہتا۔ تو میں ہر گز طواف نہ کرتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول طواف نہ فرماتا۔“

علامہ ابن قیم نے حضرت عثمان کا جواب یوں رقم کیا ہے آپ نے فرمایا۔

بِسْمِ اللَّهِ أَنْتُمْ بِي وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ مَكَثْتُ بِهَا سَنَةً وَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقِيمًا بِأَحَدِ بَيْتَيْهِ مَا هَفْتُ
بِهَا حَتَّى يَطُوفَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (2)

”تم نے میرے بارے میں بہت برا گمان کیا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر میں مکہ میں ایک سال بھی رہتا اور حضور حدیبیہ میں تشریف فرما رہتے تو میں ہر گز کعبہ کا طواف نہ کرتا جب تک کہ میرے آقا علیہ السلام طواف نہ کرتے۔“

حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ یہ واقعہ صرف اہل سنت کی کتابوں میں موجود نہیں بلکہ اہل شیعہ کی معتبر کتاب ”فروع کافی“ میں بعینہ اسی طرح موجود ہے۔ ان کی عبارت مع ترجمہ پیش خدمت ہے:

فَقَالَ الْمُسْلِمُونَ طُوبَى لِعُثْمَانَ قَدْ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعَى بَيْنَ
الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَاحِلٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَا كَانَ لِيَفْعَلَ۔ فَمَتَّاجَاءُ عُثْمَانُ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطَفْتَ بِالْبَيْتِ؟ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِأَطُوفَ
بِالْبَيْتِ وَرَسُولُ اللَّهِ لَمْ يَطُفْ بِهِ۔ (3)

”مسلمانوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! عثمان بڑا خوش نصیب ہے، اس نے بیت اللہ شریف کے طواف کی سعادت حاصل کی، صفا اور مرہ

کے درمیان سعی کی اور احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عثمان ایسا ہرگز نہیں کرے گا۔ جب حضرت عثمان واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا اے عثمان! کیا تو نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ نے عرض کی، میں بیت اللہ کا کیسے طواف کر سکتا تھا حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا طواف نہیں کیا تھا۔

جب اہل مکہ نے بات چیت کے لئے حضرت عثمان کو وہاں روک لیا تو اس اثناء میں یہ افواہ پھیل گئی کہ اہل مکہ نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان فرمایا کہ جب تک عثمان کے خون کا بدلہ نہیں لے لیں گے، یہاں سے نہیں نہیں گئے۔ صحابہ کو حکم دیا کہ وہ جان کی بازی لگا دینے کے لئے بیعت کریں۔ یہ اعلان حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضور کے حکم سے فرمایا:

وَقَدْ نَادَىٰ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ دُؤْمَ الْقُدْسِ نَزَلَ عَلَىٰ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَأَمْرًا بِلَبِيعَةٍ فَانْزَعُوا
عَنِ اسْمِ اللَّهِ وَيَبِيعُوا۔ (1)

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا لوگو! اسنو، اللہ کے رسول ﷺ پر جبرائیل امین نازل ہوئے ہیں اور لوگوں سے بیعت لینے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نکلو اور آکر بیعت کرو۔“

چنانچہ سب خاندان مصطفیٰ علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام پر وانوں کی طرح دوڑتے آتے اور بیعت کرتے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات پر بیعت کی عنی آنی نہ یغزوہ جینی حالت تھے غلین ہوں دشمن کا دباؤ کتنی ہی شدید ہوا وہ جان دے دیں گے، سر کاٹ دیں گے لیکن بھائیوں سے نہیں۔

سب سے پہلے جس کو بیعت کا شرف حاصل ہوا، وہ شان بن ابی شان بن، حب بن محمد بن تھے۔ بیعت کرتے ہوئے اس جانثار غلام نے عرض کی یا رسول اللہ! یا یحییٰ عنی مافی نفیس جو آپ کے حق میں ہے، میں کسی پر بیعت نہ کرتا ہوں۔ ”حضور علیہ السلام نے سب کو سنان کی شرط پر بیعت یا اور سب نے اس شرط پر بیعت کی۔ خواہ یہ حق یا باطل تھا۔ جس

سے سارے غلامان حبیب کبریاء علیہ افضل التحیۃ واجمل الثامین شاد تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرور عالم کا دست مبارک پکڑے ہوئے تھے اور لوگ ذوق و شوق سے بیعت سے مشرف ہو رہے تھے۔ سب نے یہ سعادت عظمیٰ حاصل کی لیکن ایک بد قسمت محروم رہا۔ اس کا نام جد بن قیس تھا، یہ منافق تھا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو دیکھا کہ لوگ تو دوڑ دوڑ کر بیعت کر رہے تھے اور یہ اپنے اونٹ کی بغلوں کے ساتھ چمٹا ہوا تھا تاکہ کوئی اسے دیکھ نہ لے۔

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے تین بار بیعت کی، ابتداء میں بھی، درمیان میں بھی اور آخر میں بھی۔ آپ فرماتے ہیں:

يَا بَعْثَاكَ وَيَا بَعْثَا النَّاسُ عَلَى عَدَمِ الْفِرَارِ قَدْ نَزَّ إِلَيْنَا الْفَتْحُ وَإِلَيْنَا الشَّهَادَةُ۔

”ہم نے اس شرط پر بیعت کی کہ ہم فرار نہیں ہوں گے یا فتح حاصل کریں گے یا شہادت کا تاج پہنیں گے۔“

جب سب صحابہ کرام بیعت کر چکے تو آخر میں سرور عالم ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور بارگاہ الہی میں عرض کی:

اللَّهُمَّ هَذَا عَنْ عُمَانَ فَإِنِّي حَاجِبُكَ وَحَاجَّةٌ رَسُولُكَ (1)
”اے اللہ! یہ ہاتھ عثمان کی طرف سے ہے کیونکہ وہ تیرے اور تیرے رسول کے حکم کی تعمیل میں گیا ہوا ہے۔“

اس کے بعد علامہ احمد بن زینی و حلان تحریر فرماتے ہیں:

وَمَا ذَلِكَ إِلَّا لِأَنَّكَ عَلِمَ بَعْدَ مِرْصَةِ الْقَوْلِ بِقَتْلِهِ (2)

”حضرت عثمان کی طرف سے یہ بیعت حضور نے اس لئے فرمائی کہ حضور کو علم تھا کہ آپ کے قتل کی خبر صحیح نہیں ہے۔“

بیعت لینے میں حکمت یہ تھی کہ کفار مکہ مسلمانوں کے عزم مصمم کے بارے میں سن کر مرعوب ہو جائیں اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے خیال کو اپنے دل سے نکال

دیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے سہیل بن عمرو کو صلح کیلئے گفتگو کرنے کی غرض سے بھیجا۔ اسے بھی حسن اتفاق ہی کہئے یا حضرت عثمان کے خلوص اور للہیت کا نتیجہ سمجھئے کہ اہل شیعہ کی معتبر کتاب ”فروع کافی“ میں یہ واقعہ بعینہ اسی طرح مذکور ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

وَيَايَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمِينَ وَضَرَبَ
بِإِحْدَى يَدَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى لِعُثْمَانَ۔ (1)

”رسول اللہ ﷺ نے سب مسلمانوں سے بیعت لی۔ پھر اپنا ایک ہاتھ دوسرے دست مبارک پر رکھا اور فرمایا میں یہ بیعت عثمان کی طرف سے کر رہا ہوں۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خوش بختی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ باقی تمام صحابہ نے اپنے اپنے ہاتھ نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر رکھ کر بیعت کی۔ لیکن حضرت عثمان کی بیعت کی جب باری آئی تو ان کے ہاتھ کے بجائے نبی کریم نے اپنا دست مبارک اپنے دوسرے دست مبارک پر رکھ کر ان کے طرف سے بیعت کی۔ سبحان اللہ! یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

سرور عالم ﷺ ایک درخت کے نیچے جلوہ افروز ہیں۔ صحابہ کرام پر و انوں کی طرح شوق شہادت سے سرشار بیعت کر رہے ہیں۔ انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ اپنے مرکز سے تقریباً اڑھائی سو میل دور ہیں۔ ان کی تعداد صرف چودہ، پندرہ سو ہے۔ جنگ کیسے جس قسم کے اسلحہ اور ساز و سامان کی ضرورت ہوتی ہے، اس کا فقدان ہے۔ ہادیہ نشین قبائل میں سے کوئی بھی ان کی مدد کرنے کیسے تیار نہیں۔ دشمن اپنے علاقہ میں ہے اور وہ مکہ کے سارے جنگجوؤں کو میدان میں لا سکتا ہے۔ نیز ضرورت کے وقت دوست قبائل بھی ان کی مدد کو پہنچ سکتے ہیں۔ ان حالات کو سمجھتے ہوئے بھی وہ عشق اور ایمان کے تقاضوں سے ہاجر ہیں اور ان کو عہدگی سے پورا کرنے کی جرأت بھی رکھتے ہیں۔ نتائج سے بے نیاز ہو کر وہ اپنے ہادی و مرشد کے دست مبارک پر سر کنانے اور جان دینے کی بیعت کر رہے ہیں۔ سرفروشی اور جان نثاری کا یہ روح پرور منظر چشم فلک حیر نے کب دیکھا ہوگا۔ ان پاکباز اور نیک نہاد عشق کے جذبہ ایثار پر عام بالائے کینوں کو بھی وجد آ گیا ہوگا۔ اسی

حالت میں جبرائیل امین آئے اور شمع جمال مصطفوی کے پروانوں کو خد اوند کریم کی طرف سے یہ مژدہ جانفزا سنایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ - (1)
 ”بیشک راضی ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ مومنین سے جب وہ درخت کے نیچے
 آپ کے دست حق پرست پر سر دھڑ کی بازی لگانے کی بیعت کر
 رہے تھے۔“

یہ بیعت، تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ سچ بھی اس کے
 تذکرہ سے ایمان کو جلا اور عشق کو نئی توانائیاں نصیب ہوتی ہیں۔

اس بیعت کی اطلاع جب اہل مکہ کو ملی تو ان کے اوسان خطا ہو گئے اور جس ہٹ دھرمی کا
 وہ اب تک مظاہرہ کرتے رہے تھے، اس کی تندی کا فور ہو گئی۔ ان میں سے جو لوگ زیرک
 اور دور اندیش تھے، وہ سر جوڑ کر بیٹھے اور اس سنگین صورت حال سے عہدہ بر آہونے کے
 لئے غور و فکر کرنے لگے۔ طویل بحث و تمحیص کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ بہتری اسی میں
 ہے کہ نبی کریم ﷺ سے صلح کے لئے سلسلہ جنابانی شروع کیا جائے اور انہیں یہ کہا جائے
 کہ وہ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آکر عمرہ کریں۔ یہ لوگ مکہ کو تین دن کے
 لئے خالی کر دیں گے۔ وہ تین دن یہاں رہیں، نماز پڑھیں اور طواف کریں۔ صفا مروہ کے
 درمیان سستی کریں، قربانیاں دیں اور تین روز کے بعد واپس چلے جائیں۔ جب اس تجویز پر
 وہ سب لوگ متفق ہو گئے تو انہوں نے سہیل بن عمرو، حویطب اور مکرز کو اپنے نمائندے بنا
 کر بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ انہوں نے سہیل کو خاص طور پر تاکید کی کہ تم جاؤ صلح کے لئے
 بات چیت کرو لیکن اس شرط میں کوئی چٹک نہ دکھاؤ۔ وہ اس سال ضرور واپس جائیں ورنہ
 سارے عرب میں ہماری رسوائی ہوگی کہ مسلمانوں نے اہل مکہ کی فشا کے خلاف بزور شمشیر
 عمرہ کیا ہے۔ سہیل اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر بارگاہ سرور انبیاء میں حاضر ہوا۔ حضور نے
 جب سہیل کو دور سے آتے دیکھا تو فرمایا قوم نے اس شخص کو بھیجا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ
 صلح کرنے پر آمادہ ہیں۔ نیز فرمایا **قَدْ سَهِّلَ أَمْرُكُمْ** اور تمہارا کام آسان ہو گیا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چار زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ عبادہ بن بشر اور سلمہ بن اسلم جنہوں

نے سروں پر خود پہنے ہوئے تھے، وہ پیچھے کی طرف مؤدب کھڑے ہو گئے۔ سہیل آیا اور دو زانو ہو کر بیٹھ گیا، صلح کے بارے میں گفتگو شروع کی۔ سلسلہ کلام کافی دیر تک جاری رہا۔ اٹھائے گفتگو آوازیں بلند و پست ہوتی رہیں۔ عباد بن بشر سے نہ رہا گیا، انہوں نے سہیل کو کہا، بارگاہ رسالت میں بلند آواز سے بات مت کرو۔ سارے صحابہ سرور عالم ﷺ کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے ہوئے تھے۔ طویل گفت و شنید کے بعد جب صلح کی شرائط پر اتفاق رائے ہو گیا تو صلح نامہ کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے قلم دوات اور کاغذ منگوایا گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اوس بن خوی کو فرمایا کہ وہ صلح نامہ لکھیں۔ سہیل نے کہا کہ نہیں صلح نامہ یا آپ کے چچا زاد حضرت علی لکھیں گے یا حضرت عثمان۔ حضور نے حضرت علی کو لکھنے کا حکم دیا۔ فرمایا کہ ۱۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سہیل تڑپ اٹھا، کہنے لگا، ہم رخصت کو نہیں جانتے۔ وہ لکھو جو ہم لکھا کرتے ہیں یعنی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مسلمانوں کو اس کی یہ تجویز سخت ناگوار گزری۔ انہوں نے کہا بیشک اللہ تعالیٰ رخصت ہے اور ہم یہی لکھیں گے۔ اس نے کہا اگر اس بات پر مصر ہیں تو ہم اس بات چیت کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ امن و سلامتی کے نبی نے حکم دیا لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمان رسالت کے مطابق لکھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پھر فرمایا لکھو۔ هَذَا مَا نَاضَطْنَاهُ عَلَیْكَ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی ہے۔ "رسول اللہ کا لفظ سن کر سہیل پھر پھر کا کہنے لگا

سارا جھگڑا تو یہی ہے، اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کی مخالفت کیوں کرتے۔ آپ لکھیں محمد بن عبد اللہ۔ مسلمان، سہیل کی پہلی تجویز سے ہی بھرے بیٹھے تھے اب اس کی دوسری تجویز نے ان کو سرپا احتجاج بنادیا۔ سب نے کہا، محمد رسول اللہ ہی لکھا جائے اور خدا مان مصطفیٰ اس بات پر مصر تھے کہ محمد رسول اللہ ہی لکھا جائے گا۔ آپس میں تلخ کلامی ہو رہی تھی اور آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ پیکر رحمت و رؤف ﷺ دونوں کو خاموش ہونے کی ترغیب دے رہے تھے اور دست مبارک سے خاموش ہونے کا اشارہ کر رہے تھے۔ سہیل کا ایک ساتھی حویطب اس منظر پر تصویر حیرت بنا ہوا تھا اور اپنے تیسرے ساتھی مرکز کو کہہ رہا تھا مَا زِلْتُمْ قَوْمًا تَخَوُّوْنَ اَلْبُیْنَ یَهْدِیْکُمْ مِّنْ هٰؤُلَاءِ کہ میں نے کسی قوم کو اپنے دین کے بارے میں اس شدت سے احتیاط کرنے والا نہیں دیکھا۔ پھر اللہ کے رسول نے حکم دیا اے علی اِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ قَدْ کُتِبَ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ہوں آپ یہی لفظ لکھیں۔" (۱)

یہاں ہم پہلے اس صلح نامہ کی ہو بہو عبارت نقل کرتے ہیں اس کے بعد جن شرائط پر صحابہ کرام کے قلوب میں اضطراب و بے چینی پیدا ہوئی اس کا تذکرہ کریں گے :

بِسْمِكَ اللَّهُمَّ هَذَا مَا اصْطَلَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَ
سُهَيْلُ بْنُ عَمْرِو اصْطَلَحَا عَلَى وَضْعِ الْحَرْبِ عَشْرَ سِنِينَ
يَأْمَنُ فِيهَا النَّاسُ وَيَكْفُ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ، عَلَى أَنَّهُ لَا
إِسْلَاحَ وَلَا إِغْلَاحَ - فَإِنَّ بَيْنَنَا عِيبَةً مَكْفُوفَةٌ وَإِنَّهُ مَنْ
أَحَبَّ أَنْ يَدْخُلَ فِي عَهْدِ مُحَمَّدٍ وَعَقْدِهِ فَعَلَّ وَإِنَّهُ مَنْ
أَحَبَّ أَنْ يَدْخُلَ فِي عَهْدِ قُرَيْشٍ وَعَقْدِهَا فَعَلَّ وَإِنَّهُ مَنْ
أَتَى مُحَمَّدًا أَوْ مِنْهُ بِغَيْرِ إِذْنٍ وَلِيَّتِهِ رَدَّاهُ مُحَمَّدٌ إِلَيْهِ وَإِنَّهُ مَنْ
أَتَى قُرَيْشًا مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ لَمْ يَرُدُّوهُ - فَإِنَّ مُحَمَّدًا أَيْرِجُهُ
عَنَّا عَامَهُ هَذَا يَا أَهْلَ بَيْتِهِ وَيَا دُخُلَ عَلَيْنَا مَنْ قَابِلٌ فِي
أَصْحَابِهِ دِيْعِيْمُ بِهَا ثَلَاثًا - وَلَا يَدْخُلُ عَلَيْنَا بِسِلَاحٍ إِلَّا سَدَحُ
الْمَسَافِرِ الشُّيُوفُ فِي الْقَرْبِ -

(1)

”اے اللہ تیرے نام سے۔ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ اور سہیل بن عمرو نے صلح کی ہے۔ انہوں نے اس بات پر صلح کی ہے کہ دس سال تک فریقین میں جنگ نہیں ہوگی۔ لوگ امن سے رہیں گے اور کوئی کسی دوسرے پر دست درازی نہیں کرے گا۔ کوئی چوری اور خیانت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ ہم ایک دوسرے کے راز افشا نہیں کریں گے۔ اور جس قبیلہ کی مرضی ہو وہ محمد (رسول اللہ ﷺ) کے ساتھ معاہدہ کرے اور جس کی مرضی ہو وہ قریش کے ساتھ معاہدہ کر لے۔ مکہ والوں میں سے جو شخص اپنے ولی کے اذن کے بغیر محمد (رسول اللہ ﷺ) کے پاس آئے گا تو آپ اسے واپس کر دیں گے اور اگر حضور کے اصحاب سے کوئی آدمی قریش کے پاس آئے گا تو وہ واپس نہیں کریں گے اور محمد (رسول اللہ ﷺ) اس سال اپنے صحابہ سمیت واپس

چلے جائیں گے اور آئندہ سال اپنے صحابہ سمیت عمرہ ادا کرنے کے لئے آئیں گے اور مکہ میں تین روز قیام کریں گے اور نکوار کے بغیر ان کے پاس اور کوئی ہتھیار نہ ہو گا اور نکواریں بھی نیا سونے میں بند ہوں گی۔“

اس معاہدہ پر حضور سرور عالم ﷺ کی طرف سے سیدنا ابو بکر صدیق سیدنا عمر بن خطاب، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، عثمان بن عفان، ابو عبیدہ بن جراح اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم نے اور مشرکین مکہ کی طرف سے حویطب بن عبدالمزی، مکرز بن حفص نے دستخط کئے جبکہ صبح نامہ لکھنے کا شرف سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو حاصل ہوا۔

اس معاہدہ کا اصل سرکار دو عالم ﷺ کے پاس رہا اور اس کی ایک نقل سہیل کو دے دی گئی۔ جب عرب قبائل نے معاہدہ کی یہ شق سنی کہ ہر قبیلہ آزاد ہے جس فریق کے ساتھ چاہے اپنی دوستی کا معاہدہ کر لے تو بنی خزاعہ نے اسی وقت اعلان کر دیا۔ **فَمَنْ يَدْخُلُ بِيْعَ عَهْدِ مُحَمَّدٍ وَعَهِدِهِ** ہم محمد (رسول اللہ ﷺ) کے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں۔“ بنو بکر نے کہا کہ ہم قریش کے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں۔

مسلمانوں نے معاہدہ کی جب یہ شرائط سنیں تو ان پر رنج و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ان کی غیرت ایمانی یہ کب گوارا کر سکتی تھی کہ حق و صداقت کے علمبردار ہوتے ہوئے وہ باطل سے دُوب کر صبح کریں۔ راہ حق میں جان دے دیتا اور سر کشا دیتا انہیں ہر گز گراں نہ تھا لیکن یہ بات ان کے لئے ناقابل برداشت تھی کہ کفار من مانی شرائط پر ان سے صبح کر لیں۔ ہر شخص رنجیدہ خاطر تھا۔ ہر دل میں بے چینی اور بے قراری تھی حتیٰ کہ حضرت فاروق اعظم جیسے بالغ نظر بھی مضطربانہ حالت میں اپنے قلبی اضطراب کا اظہار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ایک اللہ تعالیٰ کا نبی تھا جس کی نگاہ نبوت ان خوش آئند نتائج اور عواقب کو دیکھ رہی تھی جو مستقبل قریب پر اس معاہدے کے مرتب ہونے والے تھے اور ایک یار غار صدیق اکبر کی شخصیت تھی جس کے دل میں اطمینان اور سکون تھا۔ اسے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کا رسول جو کرتا ہے، اپنے رب کے حکم سے کرتا ہے اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں بندوں کی بھلائی اور سر فرازی ہے۔

صبح کرے۔ خصوصاً حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اضطراب اور سب کچھ کی وجہ

محض یہ تھی کہ انہیں بظاہر ان شرائط میں کفار کی بالادستی نظر آرہی تھی۔ جیتے جی انہیں گوارا نہ تھا کہ وہ زندہ بھی ہوں اور پتھروں کے پجاری اپنی من مانی شرائط پر صبح کرا میں۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کی عظمت و شوکت کے بارے میں جتنا کسی کا جذبہ شدید تھا، اتنی ہی اس کی بے چینی زیادہ تھی۔ حضرت عمر جو اپنے محبوب ہادی ﷺ کی شوکت و سطوت کے سامنے کسی سلطان دوراں کی شوکت و سطوت کو پرکاہ کے برابر بھی نہ سمجھتے تھے۔ جس کی خاک پا پر گنبد نیلو فری پر چمکنے والے مہر و ماہ اور کھکشاں قربان کئے جاسکتے تھے، اس سلطان گردوں سریر کے سامنے ابوسفیان اور اس کے حواری آواز اونچی کرنے کی جرأت کریں، ان چودہ سو مسلمانوں کی غیرت کیلئے ایک چیلنج تھا۔ اگرچہ اس اضطراب کا منبع جذبہ ایمانی تھا لیکن اس کی یہ وجہ بھی تھی کہ وہ نتائج جو پردہ غیب کے پیچھے پنہاں تھے اور جو حکمتیں اس معاہدہ کو تسلیم کرنے میں مضمر تھیں، وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہ تھی۔ انہیں مصطفیٰ کریم کی چشم مازاغ دیکھ رہی تھی۔ اور جو کچھ وہ ذات دیکھ رہی تھی۔ اس کے صدیق کی شان صدیقیت بن دیکھے پوری وثوق کے ساتھ اس کی تصدیق کر رہی تھی۔ اگر حضرت صدیق کی شان تسلیم قابل صد آفرین ہے تو حضرت فاروق کی ثواب اور بے کالی بھی قابل صد تحسین ہے۔ آئیے! دونوں کا مکالمہ انہیں کے الفاظ میں سماعت فرمائیے۔ دونوں کے سینوں میں شمع ایمان روشن ہے اور دونوں کی شانیں آپ کا دل موہ لیں گی۔

بارگاہ رسالت میں اپنے جذبات کے اظہار کے بعد حضرت صدیق کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت فاروق اپنے بے قابو جذبات کو یوں زبان دیتے ہیں:

يَا أَبَا بَكْرٍ أَلَيْسَ هَذَا بَيْنِي وَاللَّهِ حَقًّا "اے ابو بکر! کیا حضور اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں۔"

قَالَ بَلَى "انہوں نے جواب دیا، بیشک حضور اللہ تعالیٰ کے سچے

نبی ہیں۔"

أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ "کیا ہم حق پر نہیں۔ کیا وہ باطل پر نہیں۔"

أَلَيْسَ مَقْتَلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمَا "کیا ہمارے مقتول جنت میں نہیں۔ کیا ان کے مقتول

في النار "دوزخ میں نہیں۔"

"آپ نے فرمایا بیشک ایسا ہی ہے۔"

قَالَ بَلَى

فَعَدَّ لَهُمُ الْعَذَابَ فِي دِينِنَا "پھر ہم دین کے معاملہ میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں،

مَرْجِعُهُ وَلَمْ يَخْلُوهُ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۖ
اور عمرہ کئے بغیر لوٹ جائیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی
بَيْنَهُمْ
ہمارے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا۔“

اب شان صدیقی لب کشا ہوتی ہے، فرمایا:
أَيُّهَا الْمَوْجِلُ إِنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ وَ
”اے فحش! حضور اللہ کے رسول ہیں۔ وہ اپنے رب کی
لَيْسَ يَفْعُو رَبَّهُ
نافرمانی نہیں کرتے
وَهُوَ وَجْهُهُ
اور وہ آپ کا مددگار ہے۔“

فَأَسْمَيْتُ بِعَزْرِهِ حَتَّى كُنْتُ
”اس لئے حضور کے رکاب کو آخر دم تک مضبوطی سے
پکڑے رہا۔“
فَوَاللَّهِ إِنَّهُ عَلَى الْحَقِّ وَائْتَهُ
”خدا کی قسم! وہ حق پر ہیں اور وہ اللہ کے سچے رسول
رَسُولُ اللَّهِ
ہیں۔“

حضرت عمر نے فوراً کہا:
وَأَنَا أَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ
”میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضور اللہ کے سچے رسول ہیں“
حضرت عمر کے ذہن میں ایک غلط اور بھی تھی، اس کو دور کرنے کے لئے رازدان اسرار
نبوت سے پوچھا:

أَوَلَيْسَ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ
”کیا حضور نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت
سَتُفِي الْبَيْتِ
کریں گے
وَنُطَوِّفُ بِهِ
اور اس کا طواف کریں گے۔“

حضرت صدیقی نے جواب دیا:
بَلَى
”جی ہاں! حضور نے یہ بیان کیا تھا۔“
أَفِي خَيْرٍ أَنْ تَأْتِيَهُ الْعَامَرُ
”کیا حضور نے یہ فرمایا تھا کہ تم اس سال خانہ کعبہ کا
طواف کرو گے۔“

حضرت عمر نے کہا، نہیں۔ حضرت صدیقی نے کہا:
فَوَيْلٌ لِي
”یقیناً تم کعبہ شریف کے پاس جانے والے ہو اور اس کا
طواف کرتے والے ہو۔“

یہ ہمت جو ان زبان سے نکلے اور چہ ان کا محرک جذبہ محبت تھا۔ اگرچہ اس کا باعث

غیرت و حمیت ایمانی تھی، معاذ اللہ کوئی بے ادبی یا گستاخی نہ تھی لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ اس پر افسوس کرتے رہے۔ آپ کے اپنے الفاظ سنئے:

فَمَا زِلْتُ أَنْصَدُّ وَأَصُومُ وَأَصِلُّ وَأَعْتِقُ مِنَ الذِّنِّ
صَنَعْتُ يَوْمَئِذٍ مَخَافَةَ كَلَامِي الذِّنِّ تَكَلَّمْتُ بِهِ حَتَّى رَجَوْتُ
أَنْ يَكُونَ حَيًّا۔

(1)

”یہ کلمات جو میری زبان سے نکلے، ان کی تلافی کیسے میں صدقے کرتا رہا۔ روزے رکھتا رہا، نوافل پڑھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا تاکہ جو لغزش مجھ سے اس دن سرزد ہوئی تھی وہ معاف کر دی جائے۔ یہ سلسلہ میں نے جاری رکھا یہاں تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے رحمت و بھلائی کی قوی امید ہو گئی۔“

جب ان شرائط پر اتفاق ہو گیا تو سہیل نے کہا اب آپ اسے تحریر کر دیں تاکہ کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو یاد فرمایا۔ آپ حاضر ہوئے تو معاہدہ تحریر کرنے کا حکم فرمایا۔

محمد رسول اللہ لکھنے پر جو نازک صورت حال رونما ہوئی، وہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ سیدنا علی کا اصرار تھا کہ میں رسول اللہ کا لفظ نہیں مناؤں گا۔ حضرت اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ بھی آپ کو مجبور کر رہے تھے کہ آپ یہ لفظ نہ مٹائیں۔ حضور نے فرمایا، علی! رسول اللہ کے لفظ مٹا دو۔ اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھو۔ حضرت علی نے عرض کی، یا رسول اللہ! مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔ حضور نے فرمایا مجھے دکھاؤ تم نے کہاں لکھا ہے۔ حضور نے خود یہ لفظ محو کر دیئے اور حکم دیا اُكْتُبْ مُحَمَّدًا ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ کہ اس کی جگہ لکھو محمد بن عبد اللہ (ﷺ)۔ اہم نکتہ نے جو روایت لکھی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ يَعْنِي أَهْلَهُ۔ فَأَبَى فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ

سَلَّمَ بِيَدِهِ وَكُتِبَ هَذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ (2)

”حضور نے حضرت علی کو فرمایا، اس کو مٹا دو۔ آپ نے انکار کر دیا اور

رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے مٹایا اور اس کی جگہ لکھا: هَذَا مَا هَآلَكُمْ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ نے کفار مکہ کے ساتھ صلح کی ہے۔

جب یہ شق لکھی جانے لگی کہ اگر کوئی مسلمان مکہ واپس لوٹ جائے گا تو اہل مکہ واپس نہیں کریں گے اور اگر کوئی مکہ کا آدمی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مسلمانوں کے پاس آ جائے گا تو مسلمانوں پر لازم ہو گا کہ وہ اسے واپس کر دیں۔

اس شق سے صحابہ کرام میں بے چینی اور اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ مسلمانوں کی زبانوں سے نکلا:

اَيُّكُمُ هَذَا اَكَيْفَ يَرُدُّنَا اِلَى الْمَشْرُوكَيْنِ وَقَدْ هَلَّاهُمْ مُسْلِمًا

”سبحان اللہ! کیا یہ شرط بھی لکھی جائے گی، ایک شخص جو مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے گا، اسے ہم کس طرح کافروں کے حوالے کر دیں گے۔“

سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک جملہ سے اس طوفان کو خاموش کر دیا، فرمایا:

نَعْمَ اِنَّهُ مَن ذَهَبَ مِنَّا يَهْدُهُ فَبَعَدَهُ اللهُ وَمَن جَاءَ

مِنْهُمْ لَيْتَ يَجْعَلُ اللهُ لَهُ فَرَجًا وَنَجْرًا (1)

”ہاں! لکھی جائے گی، جو شخص ہمیں چھوڑ کر ان کے پاس چلا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے درِ رحمت سے دور کر دے گا اور جو ان میں سے ہمارے پاس آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کشادگی اور نجات کا راستہ پیدا فرما دے گا۔“

سیدنا علی مرتضیٰ کا رسول اللہ کے لفظ کو مٹانے سے انکار یا اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ کا اصرار کہ محمد رسول اللہ ہی لکھا جائے، معاذ اللہ کسی تافہانی یا گستاخی کے باعث نہ تھا بلکہ ذاتِ پاک مصطفیٰ سے جو قلبی وابستگی ان کو تھی، یہ سب اس کے تقاضے اور کرشمے تھے۔ اسی لئے حضور نے ان پر کسی قسم کی تارِ انفکال کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ ان کی طمانیت خاطر کا اہتمام فرماتے رہے۔ بعینہ یہ معاہدہ حضرت فاروق اعظمؓ کی بچینی کا تھا۔ سرکار نے اس

پر بھی قطعاً کسی برہمی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ ان کے اطمینان قلب کے لئے انہیں اپنے منصب نبوت اور علم خداوندی کی طرف متوجہ کرتے رہے۔

ابھی معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ کفار کے نمائندے سمیل بن عمرو کاڑکا ابو جندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور جسے زنجیروں میں جکڑ دیا گیا تھا، زنجیروں کو گھسیٹتا ہوا حدیبیہ کے میدان میں پہنچ گیا۔ مسلمانوں نے دیکھا تو ان کی خوشی کی حد نہ رہی۔ بڑے تپاک سے ابو جندل کو خوش آمدید کہا۔ اس کا باپ سمیل ابھی وہیں تھا، اس نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو غصہ سے بے تاب ہو گیا۔ ایک خاردار ٹہنی پکڑی اور اس کے منہ پر پیہم ضربیں لگانا شروع کر دیں، اسے گریبان سے پکڑ کر گھسیٹنے لگا اور کہنے لگا، یا محمد (ﷺ) یہ پہلا آدمی ہے، اس کی واپسی کا میں آپ سے مطالبہ کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا، ابھی معاہدہ لکھا جا رہا ہے، اس پر دستخط بھی نہیں ہوئے۔ معاہدہ اس وقت واجب العمل ہوتا ہے جب فریقین اس پر دستخط کر دیں۔ اس نے کہا اگر آپ میرے لڑکے کو واپس نہیں کریں گے تو میں سارے معاہدہ کو کالعدم قرار دے دوں گا۔ حضور نے سمیل کو کہا، سمیل! میرے لئے تو اس کو معاف کر دے اور ہمارے پاس رہنے دے۔ لیکن اس نے اس منت کی بھی پروا نہ کی۔ ابو جندل نے دیکھا کہ مجھے پھر ظالم باپ کی تحویل میں دے دیا جائے گا اور وہ مجھ پر پہلے سے بھی زیادہ مشق ستم کرے گا تو اس نے فریاد کرنا شروع کی۔ غریب پرور نبی نے ابو جندل کو اپنے پاس بلایا اور اسے فرمایا:

يَا أَبَا جَنْدَلٍ اَصْبِرْ وَاحْتَسِبْ فَإِنَّ اللَّهَ جَاعِلٌ لِّكَ وَلِيًّا مِّنْ مَّوَدَّةِ الْقَوْمِ
مِنَ الْمُسْتَغْفِرِينَ فَرَجًا وَفَرَجًا فَإِنَّا قَدْ عَقَدْنَا مَعَ الْقَوْمِ
صُلْحًا وَأَعْطَيْنَاهُمْ وَأَعْطَوْكَ عَلَىٰ ذَٰلِكَ عَهْدًا وَإِنَّا لَا نَعْبُدُ (۱)

”اے ابو جندل! صبر کرو اور اس کے اجر کی اللہ سے امید رکھو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تیرے لئے اور تیرے کمزور ساتھیوں کے لئے نجات کا راستہ بنانے (ہی) والا ہے۔ ہم نے قوم کے ساتھ صلح کی اور ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا ہے، اب ہم عہد شکنی نہیں کر سکتے۔“

اس چیز نے صحابہ کے زخمی جذبات پر نمک پاشی کا کام کیا لیکن کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ حضور ﷺ نے وہیں احرام کھول دیا اور اپنی قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا۔ حضور

کے سارے ساتھیوں نے اپنے آقا کے عمل کی اقتداء کرتے ہوئے احرام کھول دیئے اور اپنے جانوروں کو ذبح کر دیا اور یہیں سے یہ پیکر ان تسلیم و رضامت فرمائے مدینہ طیبہ ہوئے۔

آپ کو یاد ہو گا کہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کو دیگر اموال غنیمت کے علاوہ ابو جہل کا نامی گرامی اونٹ بھی غنیمت میں ملا تھا۔ ان ستر اونٹوں میں جن کو قربانی کے لئے حضور ہمراہ لائے تھے، یہ اونٹ بھی تھا۔ ایک روز یہ دوسرے اونٹوں کے ساتھ چر رہا تھا کہ وہاں سے بھگ نکلا اور حدیبیہ سے گزرتا ہوا یہ مکہ پہنچا اور ابو جہل کے گھر میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ عامر بن عنہ انصاری اس کی تلاش میں پیچھے پیچھے گئے اور اسے ڈھونڈ نکالا۔ اس کے گلے میں قلادہ تھا۔ اس کے کندھے کو زخمی کر کے خون بہا دیا گیا تھا جو اس بات کی نشانی تھی کہ یہ اونٹ حرم میں ذبح کرنے کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ احق لوگوں نے اس اونٹ کو واپس کر دینے سے انکار کر دیا۔ سہیل بن عمرو کو پتہ چلا تو اس نے حکم دیا کہ وہ اونٹ واپس کر دیں۔ انہوں نے اس کے بدلے میں سو اونٹ دینے کی پیشکش کی۔ سرکارِ دو عالم نے فرمایا، اگر میں نے اس کو قربانی کے لئے نامزد نہ کیا ہوتا تو ہم ایسا کر لیتے لیکن اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس اونٹ کو حضور نے ذبح فرمایا اور کئی دوسرے صحابہ کو بھی اس میں شریک کیا۔ ہر اونٹ میں سات سات آدمی شریک کئے گئے۔ نبی رحمت نے ان اونٹوں میں سے بیس اونٹ مکہ بھیجے تاکہ مردہ کے پاس حضور کی طرف سے انہیں ذبح کیا جائے۔ طلحہ بن عبید اللہ، عبدالرحمن بن عوف، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم اپنی اپنی قربانی کے اونٹ ساتھ لے گئے تھے نبی مکرم ﷺ جب جانوروں کی قربانی سے فارغ ہوئے تو اپنے خیمہ میں تشریف لائے جو سرخ چمڑے سے بنا ہوا تھا وہاں اپنے حجام خراش بن امیہ الکلبی کو طلب کیا سر مبارک کا حلق کرایا گیسو ہائے مبارک پاس ہی ایک درخت تھا اس پر ڈال دیئے گئے لوگ آتے تھے یہ موئے مبارک لے جاتے تھے جس کے پاس زیادہ ہوتے وہ دوسروں کو بھی حصہ دیتا۔ حضرت ام عمرہ رضی اللہ عنہا نے بھی کافی موئے مبارک لے لئے ان کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی شخص بیمار ہوتا تو آپ ان گیسوؤں کو دھوئیں اور یہ دھوون اس بیمار کو پلاتیں۔

وہ بیمار اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور دھوون کی برکت سے شفا یاب ہو جاتا تھا۔ (۱)

حضور انور ﷺ حدیبیہ میں انیس یا بیس دن قیام فرما رہے اس عرصہ میں صحابہ کرام

اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام جنہیں دیکھ کر ان کے ایمان وایقان میں مزید پختگی ہوئی اپنے محبوب کے خداداد کمالات کو دیکھ کر ان کی محبت اور عقیدت میں بے انداز اضافہ ہوا۔ ان تمام واقعات کا احاطہ تو شاید یہاں ممکن نہ ہو لیکن ان سے بالکل صرف نظر کرنا بھی محرومی ہے۔ اس لئے بطور تبرک چند واقعات اجمالی طور پر پیش خدمت ہیں۔

عمرہ کرنے والوں کے اس کاروان میں جو لوگ شریک تھے ان کی تعداد پندرہ سو کے قریب تھی ان کے علاوہ ان کی سواری کے جانور تھے ان اونٹوں کا گھدہ تھا جو قربانی کے لئے ساتھ تھے جہاں اتنا مجمع ہو وہاں مختلف اغراض سے آنے والوں کا تانتا گارہتا ہے۔ موسم بھی شدید گرمی کا تھا۔ ان سب ضرورتوں کے لئے جس قدر کثیر مقدار میں پانی کی ضرورت تھی اس کا آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں اور جس جگہ اس کاروان نے اپنا پڑاؤ کیا وہاں جتنے کنوئیں تھے وہ سارے خشک ہو چکے تھے قرب و جوار میں کوئی چشمہ یا ندی نہ تھی۔ سب سے پہلے جس دشواری کا مسلہ نوں کو سامنا کرنا پڑا وہ پانی کی قلت تھی امام بیہقی، امام بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے قیام کے دوران ایک روز سو گوں کو پیاس کی سخت تکلیف محسوس ہوئی نبی رحمت ﷺ تشریف فرما تھے ایک چھوٹا سا برتن سامنے رکھا تھا اس سے حضور وضو فرما رہے تھے لوگ گھبرائے ہوئے حضور کی طرف لپکے۔ پوچھا، لکم۔ کیا بات ہے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! ہمارے پاس پانی نہیں ہے تاکہ ہم پییں نہ وضو کے لئے پانی ہے بجز اس پانی کے۔ جو حضور کے سامنے رکھا ہوا ہے۔

فَوَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ فِي الزُّكُوتِ وَ
جَعَلَ الْمَاءُ يَتَوَرَّبُ بَيْنَ أَصَابِعِهِ مِثْلَ الْعَيْنُونِ - فَشَرِبُوا وَكُفُّوا
قَالَ كَمْ كُنْتُمْ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ أَلْفٍ كَفَّانَا كُنَّا خَمْسَةَ عَشَرَ قِيَامَةً (۱)

حضور کی انگلیوں سے یوں پانی ایلنے لگا جس طرح چشموں سے پانی ابلتا ہے سب لوگوں نے پانی پیا وضو کیا۔ میں نے پوچھا تم کتنے لوگ تھے حضرت جابر نے کہا اگر ہم ایک لاکھ ہوتے تب بھی کافی تھا۔ ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔

ایک دفعہ حضور انور ﷺ کو اطلاع ملی کہ پانی نایاب ہے لوگ بہت پریشان ہیں حضور تشریف لائے۔ ایک کنوئیں کی منڈیر پر جہاں فرمایا پانی منگوایا اس سے کلی فرمائی اور دعا مانگی

عَبْدُ الْمُؤْمِنِ بِهَمَّا لَا يُحِبُّ مِنَ النَّارِ۔ (1)

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ بخدا! نہیں ملاقات کرے گا اللہ تعالیٰ سے کوئی بندہ جو ان دو حقیقتوں پر ایمان رکھتا ہے مگر اس کو آگ کے عذاب سے بچالیا جائے گا۔“

حضور نبی کریم ﷺ جب صحران کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے پچیس میل کے فاصلہ پر ہے یا بقول بعض کراخ الغنم کے مقام پر پہنچے تو یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی جس کی پہلی آیت ”إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا“ (الفتح) نے اس حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ جس صبح سے تم کبیدہ خاطر ہو اور جن شرائط کے باعث تمہارے دل غمزدہ ہو گئے ہیں، یہ حقیقت میں فتح بنین ہے۔ چنانچہ چند سال میں ہی جب اس معاہدہ میں مضمحلہ برکات کا ظہور ہوا تو ہر ایک کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ واقعی یہ صلح اسلام اور ہادی اسلام کے مشن کی تکمیل کے لئے اور امت مسلمہ کے لئے ایک عظیم الشان فتح تھی۔ کفار نے ان شرائط کو مان کر مسلمانوں کی آزاد حیثیت کو گویا تسلیم کر لیا تھا۔ وہ اب اپنی قوم سے بہکے ہوئے چند افراد کی ٹولی نہیں تھے بلکہ ایک آزاد قوم تھے جن کی آزاد مملکت تھی جس کے اپنے مسویانہ حقوق تھے اور وہ لوگ جو اس کی اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے، انہوں نے بھی آج اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا۔ نیز صلح ہو جانے کے بعد مکہ اور مدینہ کے درمیان حالت جنگ کی کیفیت اختتام پذیر ہو گئی اور آنے جانے پر پابندیاں اٹھ گئی تھیں۔ چنانچہ تبلیغ اسلام کا کام اس زور شور سے ہوا اور ایسی کامیابیاں حاصل ہوئیں کہ گزشتہ انیس سال کی جدوجہد ایک طرف اور صلح کے بعد دو سال کی جدوجہد ایک طرف۔ قبائل کے قبائل فوج در فوج مدینہ طیبہ کا رخ کر رہے تھے اور حضور کے دست حق پرست پر اسلام قبول کر رہے تھے۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہیوں کی تعداد چودہ سو کے قریب تھی اور دو سال بعد جب فتح مکہ کے لئے حضور روانہ ہوئے تو دس ہزار کا لشکر جرار ہمراہ تھا۔ نیز امن قائم ہو جانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ موقع مل گیا کہ جو عداوتے اسلام کے زیر نگیں ہو چکے تھے، ان میں اسلامی حکومت کو مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا جائے اور اسلامی قانون کے نفاذ سے مسلم معاشرہ کو ایک نئی اور پاکیزہ تہذیب اور تمدن کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔

اس صلح کا یہ فائدہ بھی کچھ کم اہم نہیں کہ قریش کی جانب سے جب اطمینان ہوا تو حضور ﷺ نے شمالی عرب اور وسط عرب کی مخالف طاقتوں کو مسخر کرنے کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ صلح حدیبیہ کے تین ماہ بعد یہودیوں کے اہم مراکز خیبر، فدک، داوی القری، تیمہ اور تبوک پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور وسط عرب میں پھیلے ہوئے بادیہ نشین قبائل جو پہلے قریش کے حلیف تھے، ایک ایک کر کے حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے یا انہوں نے حضور کی اطاعت قبول کر لی۔

اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رحمت للعالمین ﷺ نے اپنے صبیہ کو فرمایا:

أَنْزَلَتْ عَلَىٰ هَٰذِهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ مَنْ أَهَبَ إِلَيْكَ مِنَ الدُّنْيَا جَمِيعًا تَلَكَ
 هُنَا هَيْئَةً مَرِيئًا لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ - قَدْ بَيَّنَّ اللَّهُ لَكَ مَا
 ذَا يَفْعَلُ بِكَ وَمَا ذَا يَقَعُ بِكَ - وَأَنْزَلَتْ عَلَيْهِ لِيُدْخِلَ
 الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
 خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَكَانَ ذَلِكَ عَشَدًّا
 اللَّهُ قَوُّرًا عَظِيمًا

(1)

”چاشت کے وقت مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ (یہ بات حضور نے تین بار فرمائی۔) صبیہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! آپ کو ان گنت مبارکیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توبہ دیا کہ وہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔ آپ فرمائیے! ہمارے ساتھ ہمارا رب کیا معاملہ کرے گا۔ تو اس وقت یہ سیت نازل ہوئی۔

يُدْخِلُ الْمُؤْمِنِينَ قُورًا عَظِيمًا (2) ”یعنی تاکہ داخل کر دے

یمان و اعرس اور ایمان والیوں کو باغوں میں، رواں ہیں جن کے نیچے نہریں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور دور فرماوے گا ان سے ان کی برائیوں کو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔“

جبرائیل امین نے حاضر ہو کر ہدیہ تہنیت پیش کیا۔ پھر تمام صحابہ نے اپنے آپ کا کی فتح میں پر دل کی گہرائیوں سے بعد خصوص مبارک باد عرض کی۔

آئندہ سال جب نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کو ہمراہ لے کر عمرہ قضا کرنے کے لئے تشریف لائے اور حلق کیا تو فرمایا یہ ہے جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ جب ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا اور کعبہ کے کلید بردار نے کعبہ کی کلید بارگاہ رسالت میں پیش کی تو حضور نے فرمایا: عمر بن خطاب کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔ جب حاضر ہوئے تو چابی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: **الَّذِي قُلْتُ لَكُمْ** یہ وہ چیز ہے جو میں نے تم کو کہی تھی۔ "اور جب ۱۰ ہجری کو حجتہ الوداع کے لئے حضور نے عرفات میں وقوف فرمایا تو حضور نے فرمایا: اے عمر! **هَذَا الَّذِي قُلْتُ لَكُمْ** یہ ہے وہ جو میں نے تمہیں کہا تھا۔ "حضرت عمر نے عرض کی، یا رسول اللہ! اسلام میں کوئی فتح، صلح حدیبیہ سے بڑی نہیں ہے۔ (۱)

حضرت صدیق اکبر کا ایک ارشاد بڑا ایمان افروز ہے۔ آپ بھی سماعت فرمائیے:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام میں کوئی فتح، صلح حدیبیہ سے بڑی نہیں۔ لیکن لوگوں کی عقلیں اس راز کو سمجھنے سے قاصر تھیں جو محمد مصطفیٰ (ﷺ) اور آپ کے رب کے درمیان تھا۔ بندے جلد بازی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں کی طرح جلد بازی نہیں کرتا یہاں تک کہ سارے امور اپنے انجام تک پہنچ جائیں۔ آپ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں نے حجتہ الوداع کے موقع پر سہیل بن عمرو کو دیکھا کہ جب حضور قربانی کے جانور ذبح کر رہے تھے تو وہ ان جانوروں کو پکڑ کر حضور کے قریب لے آتا تھا اور جب حجام نے سرور عالم (ﷺ) کا حق کیا تو میں نے دیکھا وہی سہیل ان موہائے مبارک کو چن رہا ہے او میں دیکھتا تھا کہ وہ انہیں اپنی آنکھوں پر رکھتا تھا۔ اس وقت مجھے سہیل کا وہ انکار یاد آگیا جو حدیبیہ کے دن اس نے کیا تھا۔ بسم اللہ شریف لکھنے سے بھی اس نے انکار کیا اور محمد رسول اللہ لکھنے سے بھی اس نے انکار کیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی اس بات پر حمد و ثنا کی جس نے اس کو اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشی۔

فَصَلُّوا لِلّٰهِ تَعَالٰی وَبِزَكَاتِهِ عَلٰی نَبِيِّ الرَّحْمَةِ الَّذِي هَدَانَا

(2)

بِهِ وَانْقَدْنَا بِهٖ مِنَ الْهٰكِلَةِ۔

”اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں اس نبی رحمت پر جس کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں ہلاکت سے نجات عطا فرمائی۔“

ابو بصیر کی مدینہ طیبہ آمد

بڑے اشتعال انگیز حالات میں جنہوں نے بڑے بڑے ڈر فنگا ہوں اور عالی ظرفوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا حضور نے صبح کا معاہدہ کر کے سر زمین حرم کو انسانی خونریزی سے بچا لیا اور صلح و امن کے اس معاہدہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے بعد رحمت عالمیان ﷺ اپنے غلامان و فاشعار اور عاشقان و لفظگار کے ہمراہ مدینہ طیبہ میں مراجعت فرما ہوئے۔ ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ مکہ سے ایک نوجوان جو دعوت حق قبول کرنے کی پاداش میں عرصہ دراز سے اپنے خاندان کے جو روستم کا تختہ مشق بنا ہوا تھا اور جسے انہوں نے اپنی زنجیروں میں جکڑ کر ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں قید کر رکھا تھا۔ کسی طرح اپنی زنجیروں کو کاٹ کر ان کے عقوبت خانہ سے نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔ راہ عشق و وفا کا یہ آبلہ پاس فر سینکڑوں میلوں کی مسافت پاپیادہ طے کر کے اپنے محبوب کے قدموں میں حاضر ہو گیا۔ روئے جاناں دیکھ کر قید و بند کی صعوبتیں اور رلاؤ کی کوفتیں سب فراموش ہو گئیں۔ گویا وہ دوزخ سے نکل کر فردوس بریں میں آگیا ہو۔ اسے یہاں آئے ہوئے بمشکل تین دن گزرے ہوں گے کہ ایک نئی آزمائش نے اس کے دروازے پر دستک دی اور اسے چونکا دیا۔ اس کے دو قریبی رشتہ داروں انضس بن شریق اور ازہر بن عبد عوف الزہری نے اپنا خط دے کر خنضس بن جابر کو بھیجا۔ یہ خط انہوں نے نبی مکرم کی طرف لکھا تھا کہ ہمارا ایک عزیز ابو بصیر ہماری اجازت کے بغیر یہاں سے بھاگ کر آپ کے پاس پہنچ گیا ہے۔ طے شدہ معاہدہ کے مطابق اسے ہمارے ان دو آدمیوں کے ہمراہ بھیج دیں۔ خنضس عامری کے ساتھ جو دوسرا آدمی آیا اس کا نام کوثر تھا۔ حضرت ابی بن کعب نے وہ خط پڑھ کر حضور اکرم ﷺ کو سنایا نبی مکرم نے ابو بصیر کو بلایا اور ان دو آدمیوں کے حوالے کر دیا اور فرمایا تم ان دونوں کے ساتھ چلے جاؤ۔ اس نے عرض کی، یا رسول اللہ آپ مجھے کافروں کے پاس بھیج رہے ہیں، وہ مجھے آزمائش میں مبتلا کر کے مجھے میرے ایمان سے محروم نہ کر دیں۔ رحمت

عالم نے بڑے پیارے انداز سے اپنے عاشق و لہکار کو فرمایا:

يَا أَبَا بَصِيرٍ لَنَا قَدْ أَعْطَيْنَا هَذَا الْقَوْمَ مَا قَدْ عَدَدْتَ وَلَا
يَصْلَحُ لَنَا فِي دِينِنَا الْعَدُّ وَلَئِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى جَاعِلٌ لَكَ وَ
لِمَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَرَجًا وَمَخْرَجًا (۱)

”اے ابو بصیر! تم جانتے ہو ہم نے اس قوم کے ساتھ جو وعدہ کیا ہے
اور ہمارا دین، ہمیں غدر کی اجازت نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے
اور تمہارے ساتھ جو مسلمان ہیں، ان کے لئے نجات کا راستہ ہموار کر
دے گا۔“

اس نے پھر عرض کی، یا رسول اللہ! آپ مجھے مشرکین کے حوالے کر رہے ہیں۔ حضور
نے فرمایا:

لَنْطَلِقَ يَا أَبَا بَصِيرٍ فَإِنَّ اللَّهَ سَيَجْعَلُ لَكَ فَرَجًا وَمَخْرَجًا (۲)

”ابو بصیر چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد تیری نجات اور رہائی کا دروازہ
کھول دے گا۔“

صحابہ کرام جو سرکارِ دو عالم کے رازدان تھے۔ حضور کے ارشادات کے دور رس معانی
پر جن کی نگاہ تھی، وہ چپکے چپکے اسے بشارتیں دے رہے تھے کہ آقا نے فرما دیا ہے، یقیناً تیری
نجات کا بہت جلد انتظام ہونے والا ہے۔

وہ دونوں آدمی ابو بصیر کو اپنی نگرانی میں لے کر روانہ ہو گئے اور ظہر کے وقت ذوالخليفة
پہنچے۔ ابو بصیر نے مسجد میں دو رکعت نماز ظہر ادا کی۔ ان کے پاس زادراہ کے طور پر کچھ
کھجوریں تھیں وہ نکالیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی دعوت دی کہ وہ بھی آکر کھائیں۔ انہوں
نے بھی اپنا توشہ دان کھول جس میں روٹی کے چند ٹکڑے تھے سب نے جو کچھ تھا، مل کر
کھایا۔ خنیس عامری نے اپنی تلوار دیوار سے لٹکادی تھی اور باتیں کرنے لگے۔ عامری نے
اپنی تلوار نیام سے نکالی اور اسے ہرا کر کہنے لگا، میں اپنی اس تلوار سے صبح سے شام تک اوس و
خزرج کا قتل عام کروں گا۔ ابو بصیر نے کہا، تمہاری تلوار کا تکی بھی ہے یا یوں ہی شخی بگھار

رہے ہو۔ اس نے کہا، بیشک اس کی دھار بڑی تیز ہے۔ ابو بصیر نے کہا، ذرا مجھے دو میں بھی دیکھوں۔ جب تلوار ابو بصیر کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے بجلی کی سرعت کے ساتھ وار کر کے خنجر کا کام تمام کر دیا۔ پھر وہ کوثر پر چبھنے لیکن وہ بھاگ نکلا۔ انہوں نے اس کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن وہ قابو نہ آیا۔ وہ وہاں سے بھاگا اور سید حامد بنہ طیبہ پہنچا۔ نبی مکرم نماز عصر سے فارغ ہو کر صحابہ کرام کے ساتھ ہم کلام تھے کہ کوثر دکھائی دیا، سانس پھولا ہوا ہے، پسینہ بہہ رہا ہے اور چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ جب خدمت اقدس میں پہنچا تو حضور نے دریافت کیا **يَا بَصِيرُ مَا لَكَ كَيْفَ بَلَغْتَ** یعنی ”وہ کہنے لگا، آپ کے آدمی نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا ہے اور میں بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں آیا ہوں، وہ بھی آرہا ہے، وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ رحمت عالم سے جان کی امان مانگی۔ حضور نے اس کو پناہ دے دی۔ اتنے میں ابو بصیر بھی پہنچ گیا۔ وہ عامری کے اونٹ پر سوار تھا۔ مسجد کے دروازے پر اونٹ بٹھایا اور اس کی تلوار گلے میں حائل کئے ہوئے حاضر ہو گیا۔ یا رسول اللہ۔ آپ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا۔ آپ نے مجھے دشمن کے ہاتھ میں دے دیا۔ میں اپنا دین بچا کر پھر حاضر ہو گیا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

وَيَلْ أَقِمِ مَسْعَى حَرْبِ لَوْ كَانَ مَعَهُ رَجَاؤٌ

”یعنی اگر اسے آدمی مل جائیں تو یہ جنگ کی آگ خوب بھڑکا سکتا ہے۔“

ابو بصیر نے مقتول عامری کے کپڑے ہتھیار اور اونٹ حضور کی خدمت میں پیش کر دیئے تاکہ اس سے پانچواں حصہ لے لیں۔ حضور نے لینے سے انکار کر دیا۔ فرمایا، اگر میں فحش لوں تو وہ کہیں گے کہ میں نے وعدہ پورا نہیں کیا۔ تو جان اور یہ سہاں۔ یہاں سے جدھر تیراجی چاہتا ہے، چلا جا۔

وہ مدینہ طیبہ سے نکل کر سیف المحر کے مقام پر آکر قیام پذیر ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ قبیلہ حبشہ کے علاقہ العسین اور ذی المروہ کے درمیان آکر قیام کیا۔ یہ جگہ سیف المحر کے قریب ہے اور مکہ کے تجارتی راستہ پر واقع ہے۔ جب اسماعیل بن عمرو نے یہ سنا کہ ابو بصیر نے عامری کو قتل کر دیا ہے تو اسے بزارنج ہوا۔ وہ غصہ سے کہنے لگا کہ ہم نے اس سے تو محمد (ﷺ) کے ساتھ معاہدہ نہیں کیا تھا۔ دوسرے قریشیوں نے سنا تو کہا کہ حضور نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ ہمارے آدمی کو تمہارے آدمیوں کے حوالے کر دیا۔ راستہ میں اگر اس نے

تمہارے ایک آدمی کو قتل کر دیا تو اس کی ذمہ داری حضور پر عائد نہیں ہوتی۔

ابو بصیر جب مدینہ طیبہ سے نکلے تھے تو ان کے پاس مٹھی بھر کھجوریں تھیں۔ تین دن تک ان پر گزارا کیا۔ جب ساحل پر پہنچے تو مچھلیاں مل گئیں جو سمندر کی موجوں نے ساحل پر پھینکی تھیں۔ انہیں بھون بھون کر پیٹ بھرتے رہے۔ اس بات کی اطلاع ان مظلوم مسلمانوں کو پہنچی جو ابھی تک مکہ میں اپنے رشتہ داروں کے ظلم و ستم کی پچھلی میں پس رہے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ لوگ کھسک کر ان کے پاس پہنچنے لگے۔ واقعی کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم نے ان مظلوموں تک ابو بصیر کے بارے میں جو فقرہ زبان رسالت سے نکالا تھا وہ پہنچا دیا آپ نے انہیں یہ بھی بتایا کہ وہ فلاں جگہ اقامت گزین ہے۔ ابو جندل جس کو اس کا باپ حضور سے زبردستی لے آیا تھا، وہ بھی ستر دیگر مسلمانوں کے ساتھ سیف البحر پہنچ گیا۔ ابو جندل کے پہنچنے سے پہلے ان لوگوں کا امیر ابو بصیر تھا۔ جب ابو جندل پہنچ گئے تو اس گروہ کی قیادت ان کے سپرد کی دی گئی کیونکہ وہ قریشی تھے۔ اس کے بعد مسلمانوں کی نامت ابو جندل کر لیا کرتے۔ ان کے بارے میں گرد و نواح کے لوگوں نے سنا تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ بنی غفار، اسلم اور جہینہ قبائل کے کئی طالع آزما بھی آکر ان کے ساتھ مل گئے یہاں تک کہ ان کی تعداد تین سو ہو گئی۔ اکاد کا قریشی اگر ان کے ہتھے چڑھ جاتا تو وہ اسے قتل کر دیتے۔ کوئی تجارتی قافلہ گزرتا تو اسے لوٹ بیٹے۔ اگر کوئی مقابلہ کرتا تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ ان کی روزمرہ کی کارروائیوں سے اہل مکہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ آخر راجہ راور مجبور ہو کر انہوں نے کفر و شرک کے سالار اعظم ابو سفیان بن حرب کو مجبور کیا کہ وہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرے کہ آپ اپنے آدمیوں کو اپنے پاس بلا لیں۔ ہم کوئی اعتراض نہیں کریں گے اور اس کے بعد ہمارا جو آدمی آپ کے پاس جائے، اسے آپ اپنے پاس رکھئے۔ ہم صلح نامے کی اس شرط کو منسوخ کرتے ہیں۔ ابو سفیان اپنے وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ بڑی منت سماجت اور عجز و نیاز سے یہ درخواست پیش کی کہ اس شرط کو منسوخ کر دیں اور ابو بصیر اور ابو جندل کو واپس بلا لیں۔

رحمت عالم نے ان کی درخواست کو شرف قبول بخشا اور اپنے دونوں مجاہدوں ابو جندل اور ابو بصیر کی طرف نوازش نامہ لکھا کہ وہ اپنے مسلمان ساتھیوں کو ہمراہ لے کر مدینہ طیبہ پہنچ جائیں اور باقی لوگوں کو اپنے گھروں کو واپس چلے جانے کی ہدایت کر دیں۔ آج کے

بعد کسی قریشی پر اور ان کے کسی کاروان پر دست تعدی و راز نہ کریں۔

جب سرور عالم کا گرامی نامہ ابو بصیر اور ابو جندل کے پاس پہنچا تو اس وقت ابو بصیر حالت نزع میں تھے، انہوں نے اپنے آقا کا عاطفت نامہ اپنے ہاتھ میں لے کر پڑھنا شروع کیا کہ روح قفسِ غصری سے پرواز کر گئی۔ ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ ابو جندل نے جھنجھڑ و تنگیوں کے بعد نماز جنازہ پڑھائی۔ اس جگہ آپ کی قبر کھودی گئی اور اس کشتہ تاوک جمال مصطفیٰ ﷺ کو لحد میں رکھ کر سپرد خاک کر دیا گیا۔ تقریباً تمام سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ”وَجَعَلَ عِنْدَ قَبْرِهِ مَسْجِدًا“ اور ان کے مزار پر انوار کے پاس ہی مسجد تعمیر کر دی تاکہ اللہ تعالیٰ کے قلم بندے جب اس مسجد میں اپنے پروردگار کو سجدہ کرنے سے فارغ ہوں تو انہیں ایک عاشق رسالت مآب کی مرقہ منور کی زیارت ہو جائے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم وَاَصْحَابِہٖ وَرَحْمَۃُہٗ وَبَرَکَاتُہٗ وَسَلَّم عَلٰی یٰوْمِہٖ الدِّیْنِ حضرت ابو بصیر امتلاء و آزمائش اور رنج و محن کی قلیل مدت بسر کرنے کے بعد اب وہ ابدی وصال کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

تیمید یک دم و کردند زینب فتراکش خوشا نصیبی غزالے کہ زخم ادا کار بست

شجرہ بیعت

و درخت جس کے نیچے بیٹھ کر رحمت عالم ﷺ نے یہ بیعت لی، اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، طارق بن عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے کہا کہ میں حج کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ میرا گزر ایک ایسی قوم کے پاس سے ہوا جو نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی۔ میں وہاں سے حضرت سعید بن مسیب کے پاس آیا اور میں نے جو دیکھا تھا، وہ بیان کیا۔ حضرت سعید نے فرمایا:

حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّهُ كَانَ فِيمَنْ بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الشَّجَرَةِ فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنْ أَتَاءِ الْمُقْبِلِ نَسِينَهَا فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَيْهِ فَقَالَ سَعِيدٌ إِنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْلَمُواهَا وَعَلَّمَتْهُمُوهَا أَنْتُمْ، فَأَنْتُمْ أَعْلَمُ (۱)

”مجھے میرے والد میتب نے بتایا کہ وہ ان لوگوں سے تھے جنہوں نے اس درخت کے نیچے سرور عالم سے بیعت رضوان کی تھی۔ انہوں نے فرمایا اگلے سال جب ہم حج یا عمرہ کرنے کے لئے وہاں سے گزرے تو ہمیں وہ درخت فراموش ہو گیا کہ کون سا تھا ہم اس کو پہچاننے میں کامیاب نہ ہوئے۔ اپنے والد کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد حضرت سعید نے کہا کہ رسول اللہ کے صحابہ کو تو درخت معلوم نہ ہوا اور تمہیں معلوم ہو گیا کہ یہ وہ درخت ہے، تو تم بہتر جانتے ہو۔“

دوسری روایت ہے کہ

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَرَّ بِذَلِكَ الْمَقَامِ بَعْدَ ذَهَابِ الشَّجَرَةِ فَقَالَ أَيْنَ كَأَنْتَ فَجَعَلَتْ بَعْضُهُمْ يَقُولُ هَهُنَا وَبَعْضُهُمْ يَقُولُ هَهُنَا فَلَمَّا كَثُرَ اخْتِلَافُهُ قَالَ سِيرُوا فَقَدْ ذَهَبَتِ الشَّجَرَةُ۔

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جگہ سے گزرے جہاں سے وہ درخت غائب کر دیا گیا تھا۔ آپ نے پوچھا، وہ درخت کس جگہ تھا۔ کسی نے کہا، اس جگہ تھا۔ کسی نے کہا اس جگہ تھا۔ جب لوگوں کا اس درخت کی جگہ میں اختلاف بڑھا تو آپ نے فرمایا، چلو آگے چلو، وہ درخت غائب کر دیا گیا ہے۔“

اس درخت کو غائب کرنے میں کیا حکمتیں تھیں، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ ایک بات واضح ہو گئی کہ سیدنا عمر پر یہ الزام غلط ہے کہ آپ نے اس درخت کو کاٹ ڈالا جس کے نیچے بیعت رضوان لی گئی تھی۔ وہ درخت قدرت الہی سے غائب ہو گیا مگر لوگ کسی دوسرے درخت کو وہ درخت سمجھنے لگے تھے اس لئے حضرت عمر نے اس درخت کو کاٹنے کا حکم دے دیا۔ (1)

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الَّذِي يَتَوَفَّقُهُ وَصَلْتُ إِلَى هَذَا الْمَقَامِ مِنَ السِّيَرَةِ النَّبَوِيَّةِ الشَّرِيفَةِ السِّيَرَةِ الظَّاهِرَةِ الْعَطْرَةِ

وَالصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ عَلَى عَبْدِكَ وَنَبِيِّهِ وَوَحْيِيِّهِ وَصَفِيِّهِ سَيِّدِنَا
 مُحَمَّدٍ الْمُبَشَّرِ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ وَعَلَى آلِهِ الطَّاهِرِينَ وَعَلَى
 أَوْلَادِهِ الطَّاهِرَاتِ أَهْلِ بَيْتِ الْمُؤْمِنِينَ وَعَلَى أَصْحَابِهِ الْغُرِّ
 الْمُحَجَّلِينَ وَمَنْ أَحَبَّ وَاتَّبَعَهُ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ -

رَبَّنَا نَقْتَلُ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ - فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَ
 الْأَرْضِ أَنْتَ قَلْبِي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْ
 بِالصَّالِحِينَ - رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ
 عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ أَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي
 ذُرِّيَّتِي إِنِّي بُنِيتُ إِلَيْكَ وَلَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ - رَبِّ ارْحَمْهُمَا
 كَمَا رَبَّنِي صَغِيرًا - رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَ
 الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ -
 يَا أَكْرَمَ الْمُسْتَوَلِينَ يَا سَمِيَّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ لَا
 تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ وَأَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ

الْعَبْدُ الْمُسْكِنُ
 مُحَمَّدٌ كَرَّمَ شَأْنَهُ

سال ششم میں جوئے شرعی احکام نافذ ہوئے

1- فرضیت حج

اس سال حج کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔ (1)

2- حالت احرام میں جنگلی جانوروں کے شکار پر پابندی۔

اس کی تفصیل آپ ص ۷۷ حدیبیہ کے آغاز میں پڑھ آئے ہیں، اس کے تکرار کی ضرورت نہیں۔

3- حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو جوؤں کی وجہ سے حالت احرام میں سر منڈانے کی اجازت دے دی گئی، اس کی تفصیل بھی آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔

4- نماز استسقاء کی ابتداء۔

اس سال ماہ رمضان میں صحابہ کرام نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ! عرصہ دراز گزر گیا ہے بارش کا ایک قطرہ تک نہیں پڑکا۔ پانی کے ذخائر ختم ہو گئے ہیں، گھاس خشک ہو گئی ہے، درختوں کے پتے اور کھل تک سوکھ گئی ہے، مویشی بھوک سے ہلاک ہو رہے ہیں، غذائی اجناس کی نایابی کے باعث لوگ بھی فاقہ کشی پر مجبور ہیں۔ **فَاسْتَسْقَى لَنَا رَبُّنَا** اپنے رب کریم سے ہمارے لئے بارش کی التجا کیجئے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ مع اپنے صحابہ کے بڑے سکون و وقار کے ساتھ عید گاہ کی طرف پیدل روانہ ہوئے۔ جب عید گاہ تک پہنچے تو امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باجماعت دو رکعت نماز استسقاء ادا فرمائی۔ دونوں رکعتوں میں بالجمہر قرأت کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد **سُبِّحَ اسْمُ رَبِّكَ الْأَعْلَى** اور دوسری رکعت میں **هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْعَاشِيَةِ تَلَاوَت** فرمائیں۔ سرور عالم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ نماز عیدین اور نماز استسقاء میں یہی دو سورتیں تلاوت فرمایا کرتے۔ نماز سے فراغت کے بعد لوگوں کی طرف رخ انور کیا **فَلَمَّا قَضَى صَلَواتَهُ اسْتَقْبَلَ النَّاسَ بِوَجْهِهِ** پھر چادر مبارک کو الٹا کر کے اوڑھا، پھر اپنے

گھنٹوں کے بل بیٹھے اور دست دعا اٹھائے۔ پہلے تکبیر کہی، پھر بایں الفاظ بارگاہ مجیب الدعاء میں بارش کے لئے التجاء کی:

اَللّٰهُمَّ اَسْقِنَا وَارْبَعْنَا غَيْثًا مُّبِيْنًا وَحَيَاءً رَسِيْمًا وَجَدًا
طَبَقًا عَدَقًا مُّغِيْدًا عَامًّا هَيْنِيْثًا مَّرِيْثًا مَّرِيْعًا مَرِيْعًا
وَإِبْلًا شَامِلًا مُّسِيْلًا مُّجِلَّلًا دَائِمًا وَدَرًا نَافِعًا غَيْرَ ضَائِرٍ
عَاجِلًا غَيْرَ رَاسِثٍ غَيْثًا - اَللّٰهُمَّ تُغِيْ بِهٖ الْبِلَادَ وَتُغِيْثُ
بِهٖ الْعِبَادَ وَتَجْعَلُهٗ بِلَادًا صَالِحًا لِّلصَّالِحِيْنَ وَالْبَادَ - اَللّٰهُمَّ
اَنْزِلْ فِيْ اَرْضِنَا زَيْلَتَهَا وَاَنْزِلْ عَلَيْهَا سَكَنَهَا اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْ
عَلَيْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا تُغِيْ بِهٖ الْبِلَادَ مَيِّتَةً وَ
اَسْوَةً وَمِمَّا خَلَقْتَ اَنْعَامًا وَاَنْاسًا كَثِيْرًا - (1)

”اے اللہ! ہم پر (رحمت کی) بارش نازل فرما۔ ایسی بارش سے ہماری مدد فرما جو مخلوق کو سیراب کر دے۔ ایسی بارش جو تروتازہ کرنے والی ہو، جو خوشی و شادمانی لانے والی ہو۔ جو اپنے دامن میں خیر کثیر لئے ہو اور مسلسل ہو۔ ہر قسم کے نقصان سے خالی اور اچھے اثرات والی ہو۔ حسن فطرت کو نکھارنے والی اور جانوروں کی سیرابی کا سامان کرنے والی ہو۔ موسلا دھار ہو اور ہر سو پر سنے والی ہو۔ جل تھل کرنے والی ہو اور ساری زمین کو محیط ہو۔ مفید ہو۔ مضر نہ ہو۔ جلد بر سے و تاخیر سے نہ بر سے۔ اے اللہ! اس (بارش) کے ذریعے شہروں کو حیات نو عطا کر۔ اس کے ذریعے اپنے بندوں کی مدد فرما۔ اسے ایسی بارش بنا جو شہروں اور دیہات میں رہنے والوں کے لئے مفید ہو اور کافی ہو۔ اے اللہ! ہماری زمین پر اس کا حسن اور اس کی برکت نازل فرما۔ اے اللہ! ہم پر آسمان سے پاک پانی نازل فرما جس کے ذریعے تو مرد و زمینوں کو حیات بخشے اور اس پانی سے اپنی مخلوق میں سے کثیر تعداد میں انسانوں اور جانوروں کو

۱۔ مفتاح صمیمین بن محمد بن ابراہیم ص ۱۸۱ (۹۶۵ھ) ”تہذیب فی احوال المسلمین“ ج ۱، ص ۱۰۷

سیراب کرے۔“

لوگ ابھی بیٹھے تھے کہ بادل کے ٹکڑے آسمان پر نمودار ہوئے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ آپس میں جڑتے چلے گئے اور سارے آسمان پر بادل چھا گیا۔ پھر مینہ برساتا شروع ہوا اور لگاتار سات دن اور سات رات برساتا رہا۔ پھر مسلمان حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ از میں پانی میں غرق ہو گئی، مکانات گر گئے، سارے راستے منقطع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اس بارش کو ہم سے دور کر دے۔ لوگوں کے اس قدر جلدی بارش سے تنگ آ جانے پر حضور ہنس پڑے یہاں تک کہ دندان مبارک دکھائی دینے لگے۔ پھر بادل کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا **حَوَالَيْنَا لَا عَلَيْنَا** ہمارے ارد گرد برسو، ہم پر مت برسو۔ فوراً مینہ کے افق سے بادل ہٹ گیا۔ پھر عرض کی **اللَّهُمَّ عَلَي دُودَيْسِ الْغُرَابِ وَمَنَايِطِ الشَّجَرِ وَبُطُونِ الْأَوْدِيَةِ وَظُهُورِ الْأَكَامِلِ** اللہ! چٹانوں کے سروں پر، درختوں کے جھنڈوں پر، وادیوں کے اندر اور ٹیلوں کی پستوں پر بارش نازل فرما۔

اسی وقت مدینہ طیبہ کے اوپر سے بادل چھٹ گیا۔ بارش رک گئی اور ارد گرد کے پہاڑوں پر مینہ برساتا رہا۔ حضور پر نور نے فرمایا کہ آج اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو یہ منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ کون ہے جو ان کے وہ اشعار سنائے؟ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کھڑے ہو گئے اور مندرجہ ذیل اشعار پڑھ کر سنائے:

**وَابْيَضُ يَسْتَقِي الْعَنَامُ بِوَجْهِهِ
شِمَالُ الْيَتْمَى وَعَمَّةٌ لِلدَّارِ اِمْلٍ**

”وہ گوری رنگت والے جس کے رخ انور کے طفیل بادل پانی مانگتے ہیں اور وہ یتیموں کی پناہ اور بیواؤں کی عصمت کا می فظ ہے۔“

**يَلُودُ بِهِ الْهَلَاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ
فَهُمْ عِنْدَنَا فِي نِعْمَةٍ وَقَوَاضِلٍ**

”آل ہاشم کے ہلاک ہونے والے مساکین اس کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور جنہیں اس کے پاس پناہ ملتی ہے وہ انعام و اکرام اور فضل و احسان میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔“

**كَذَبْتُمْ وَبَيَّتَ اللَّهُ بِرِدَى مُحَمَّدٍ
وَلَمَّا نَقَاتِلُ دُونَهُ وَمَنَايِلُ**

اگر انہیں اپنے پاس رکھتی ہوں تو وہ بھوکے رہیں گے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ میرے نزدیک تو اس پر حرام ہو گئی ہے۔ یہ ارشاد سن کر اس نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا اور کہنے لگی الہی! میں اپنے دکھ درد کا شکوہ تیری بارگاہ میں کرتی ہوں۔ اسی اثناء میں حضور انور ﷺ پر نزول وحی کے آثار ظاہر ہونے لگے اور جبرائیل امین یہ آیات مبارکہ لے کر حاضر ہو گئے:

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الْغَافِلِ فِي ذَوِّهَا وَتَشْكِي إِلَى
اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُّرَ كَمَا بَرَأَ اللَّهُ سَمِيعٌ بَصِيرٌ (1)
”بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو نکرار کر رہی تھی آپ
سے اپنے خاوند کے بارے میں (اور ساتھ ہی) شکوہ کئے جاتی تھی اللہ
سے (اپنے رنج و غم کا) اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو۔ بے شک
اللہ تعالیٰ سب کی باتیں سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔“

سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت اوس کو بلایا اور یہ آیات پڑھ کر سنائیں اور فرمایا:
جو جملہ تم نے بولا ہے اس کے کفارہ کے لئے غلام آزاد کرو۔ انہوں نے عرض
کی، یا رسول اللہ! میری تو یہ بساط نہیں۔ میں اسے کیسے خرید کر آزاد کروں۔
حضور نے فرمایا، پھر دو ماہ تک لگا تار روزے رکھو۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول
اللہ! میں اگر دن میں دو بار کھانا نہ کھاؤں تو میری بینائی کمزور ہو جاتی ہے۔ حضور
نے فرمایا، پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ انہوں نے عرض کی، میں تو اتنے
مسکینوں کو اس وقت ہی کھانا کھلا سکتا ہوں کہ حضور میری مدد فرمائیں۔ چنانچہ
سرکارِ دو عالم ﷺ نے انہیں پندرہ صاع غنہ دیا اور پندرہ صاع غلہ خود ان کے
پاس تھا، اس طرح نصف صاع فی کس کے حساب سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا
کھلانے کا انتظام ہوا۔ (2)

6۔ حرمت شراب کا حکم

شراب کی حرمت کا حکم کس سال میں نازل ہوا؟ اگرچہ اس بارے میں متعدد اقوال ہیں

لیکن علامہ قسطلانی کی تحقیق یہ ہے کہ حرمت خمر کا یہ حکم چھٹے سال نازل ہوا۔ علامہ ابن اسحاق کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ شراب کی حرمت کا حکم سنہ 4 ہجری میں نازل ہوا۔
وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

کیونکہ شراب اہل عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، گنتی کے چند افراد کے علاوہ سب اس کے دلدلہ تھے، اس لئے بڑے حکیمانہ انداز سے تدریجاً اس کی حرمت کے احکام نازل ہوئے۔ سب سے پہلے اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَمِنْ شَرَابِ النَّخْلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَفَكَّرُونَ مِنْهُ سَكَرًا
وَرَمًا قَاتِلًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۔ (1)

”اور (ہم پلاتے ہیں تمہیں) کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم بتاتے ہو اس سے مٹھارس اور پاک رزق۔ بلاشبہ اس میں بھی ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھدار ہیں۔“

اس وقت مسلمان بھی اسے پیتے تھے اور اس کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ کچھ عرصہ بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ قُلْ فِيهِمَا إِكْثَرُ غَيْرٍ وَمَنَافِعُ
لِنَاسٍ وَلَٰكِنَّهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ (2)

”وہ پوچھتے ہیں آپ سے شراب اور جوئے کی بابت۔ آپ فرمائیے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے۔“

اس آیت کے نزول کے بعد بعض لوگوں نے شراب چٹا چھوڑ دی اور دوسرے لوگ بدستور پیتے رہے۔ اسی اثناء میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو دعویٰ کیا کہ ان کے بعد شراب کا دور چلا۔ شراب پی کر وہ مخمور ہو گئے۔ اسی اثناء میں نماز مغرب کا وقت ہو گیا، ایک صاحبِ امامت کے لئے مصلیٰ پر کھڑے ہوئے، انہوں نے پہلی رکت میں سورہ کافرون کی تلاوت کچھ اس طرح شروع کی: قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اُعْبُدُوا

مَا تَقْبَلُونَ اسی طرح آخر سورت تک ”لا“ گراتے گئے۔ جس سے سورت کے معنی ہی بدل کر رہ گئے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَعْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ -

(1)

”اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نماز کے جبکہ تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو (زبان سے) کہتے ہو۔“

اس آیت کے نزول سے اوقات نماز میں شراب نوشی ممنوع قرار دے دی گئی۔ لوگ ایسے اوقات میں اب یہ شوق پورا کرتے جن میں کوئی نماز نہ ادا کی جاتی۔ اکثر عشاء کی نماز کے بعد تاکہ نماز فجر تک نشہ ختم ہو جائے یا نماز صبح کے بعد تاکہ نماز ظہر تک انہن ہوش میں آجائے۔

پھر ایک مرتبہ حضرت عثمان بن مامک نے احباب کی دعوت کی۔ ان مدعوین میں حضرت سعد بن ابی وقاص بھی تھے۔ میزبان نے اونٹ کا بھونا ہوا سر پیش کیا اور اس کے بعد شراب سے مہمانوں کی تواضع کی یہاں تک کہ وہ اس کے نشہ سے مخمور ہو گئے۔ مدہوشی کے عالم میں انہوں نے اپنی مدح اور اپنے خاندان اور قبیلہ کی مدح و ستائش میں زمین و آسمان کے قبابے ملانے شروع کر دیئے۔ حضرت سعد نے مدہوشی کی حالت میں ایسے شعر پڑھے جن میں انصاری ہجو تھی۔ ایک انصاری غصہ سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے اونٹ کے جڑے کی ہڈی اٹھائی اور حضرت سعد کے سر پر دے ماری، وہ شدید زخمی ہو گئے۔ حضرت سعد نے بارگاہ رسالت میں شکایت کی، حضرت عمر بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے سنا تو کہا اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَّنَا رَأْيَكَ فِي الْخَمْرِ بَيِّنًا شَافِيًا اے اللہ! شراب کے بارے میں کوئی واضح حکم نازل فرما۔ اس وقت سورۃ المائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَكْثَرُ لَآئِهٖ رَجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ (وَإِلَىٰ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ) فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ -

(2)

”اے ایمان والو! یہ شراب اور جو اور بت اور جوئے کے تھر سب ناپاک ہیں، شیطان کی کارستانیوں ہیں۔ سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب اور جوئے کے ذریعے اور روک دے تمہیں یاد الہی سے اور نماز سے، تو کیا تم باز آنے والے ہو؟“

حضرت عمرؓ نے یہ حکم الہی سن کر عرض کی **لَا تَهَيِّنَا يَا رَبِّ** : ”اے ہمارے پروردگار ہم باز آ گئے۔“

حرم شراب کے بارے میں یہ قطعی حکم تھا۔ مسلمانوں نے اپنے رب حکیم کا جب یہ فرمان سنا تو سر تسلیم خم کر دیا۔ شراب کے بھرے ہوئے مٹکے انڈیل دیئے گئے۔ جہاں ناؤ نوش کی محفلیں تھیں اور مینا و جام گردش میں تھے، یہ حکم سنتے ہی سارے مینا و جام اونڈے کر دیئے گئے۔ اس روز مدینہ طیبہ کی گلیوں میں شراب تاب یوں بہ رہی تھی جیسے بارش کا پانی۔ اس کے بعد کسی مسلمان نے شراب پینے کی جرأت تو کیا خواہش تک نہ کی۔ اطاعت خدا اور اطاعت رسول ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔

7۔ مسلم خواتین، مشرکین پر حرام قرار دے دی گئیں

صبح حدیبیہ سے پہلے مسلم مرد، مشرک عورتوں سے اور مشرک مرد، مسلم عورتوں سے شادیاں بیا کرتے تھے۔ جب حدیبیہ کے مقام پر صبح نامہ لکھا گیا تو اس کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی شخص مکہ سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مدینہ طیبہ آجائے گا تو مسلمانوں پر لازم ہو گا کہ وہ اسے واپس کر دیں۔ ابو جندل اور ابو بصیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ آپ پڑھ آئے ہیں۔ اسی اثناء میں عقبہ بن ابی معیط جو گبر، کافر اور اسلام کا کفر دشمن تھا، اس کی بیٹی ام کلثوم جو مسلمان ہو چکی تھی اور مکہ میں اپنے اہل خانہ کے پاس مقبوریت اور مظلومیت کے دن گزار رہی تھی، وہ موقع پا کر مدینہ طیبہ پہنچ گئی۔ اسے واپس لانے کے لئے اس کے دو بھائی عمارہ اور وید اس کے تعاقب میں مدینہ پہنچے اور بارگاہ رسالت میں اس عہدہ کے حوالے سے اس کی ہمتی سامنے لیا۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ نے اس کی درخواست کو مسترد کر دیا۔ فرمایا: یہ عہدہ صرف مردوں کی ہمت کے لئے ہے، عورتیں اس میں داخل

نہیں۔ اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مِنْهُنَّ
فَاَمْتَحِنُوهُنَّ إِنَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ
مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ
وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ۔

(1)

”اے ایمان والو! جب آجائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کر لو۔ اللہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو۔ پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف مت واپس کرو۔ نہ وہ حلال ہیں کفار کے لئے اور نہ وہ کفار حلال ہیں مومنات کے لئے۔“

8۔ مومن مردوں کے لئے مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت

اسی آیت میں دوسرا حکم بھی بیان کر دیا کہ جس طرح مومن عورت کسی کافر کی بیوی نہیں بن سکتی اسی طرح مومن مرد کسی مشرک عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَا تُنْكِحُوا بَعْضَ الْكَافِرِ

(2)

”اسی طرح تم بھی نہ روکے رکھو اپنے نکاح میں کافر عورتوں کو۔“

ہجرت کا سال منقلم

ہجرت کا سال ہفتم

اسلام کی فتح مند یوں کا عہد زریں

ہجرت سے مسلمانوں کی انتہائی بے بسی اور مظلومیت کے دور کا اختتام ہوا۔ غزوہ خندق میں مشرکین کے لشکر جرار کی رسوا کن پپائی سے ان کے چار حانہ قوت کا طسم ٹوٹ گیا، غرور و نخوت سے ان کی اکڑی ہوئی گردنیں خم ہو گئیں اور اس کے بعد ان میں مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی جرأت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے سی وقت ارشاد فرما دیا:

(1) اَلَا نَ تَعَزُّوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَ نَا حُنَّ نَسِيْرُ الْيَوْمِ

”اب ہم ان پر حملہ کیا کریں گے وہ ہم پر چڑھائی نہیں کر سکیں گے۔“

چھٹے سال کے آخر میں حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان جو معاہدہ صلح طے پایا، اس نے ان کے غبارے سے ہمیشہ کے لئے ہوا نکال دی۔ دس سال تک باہمی جنگ نہ کرنے کی شرط پر مشرکین متفق ہو گئے۔ مسلمانوں کو مکہ مکرمہ اور عرب کے دیگر علاقوں میں آمد و رفت کی آزادی حاصل ہو گئی۔ اسی طرح ہجرت کے صرف چھ سال بعد کفار و مشرکین کی متحدہ قوت کا جنازہ نکل گیا۔ جب ساتویں سال ہجرت کا آغاز ہوا تو اس کے ساتھ ہی اسلام کے عہد زریں کی صبح سعید طلوع ہوئی۔ جس سے اسلام کی فتح یابیوں اور ظفر مند یوں کا ایسا سلسلہ شروع ہوا، جس کے باعث تین معلوم براعظموں، ایشیاء، افریقہ اور یورپ میں اسلام کا پرچم بھرانے لگا۔ قریش مکہ سے جنگ کے اختتام کے باعث حضور نے اسلام کے دوسرے دشمنوں کی تسخیر کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ حضور نے اب تبلیغ اسلام کا کام پوری سرگرمی سے شروع کیا۔ عرب کے صحراؤں میں آباد قبائل کے علاوہ شاہانِ عالم کو بھی اپنا پیغام رسالت پہنچانے کے لئے قاصد روانہ کئے۔

شاہان عالم کو دعوت اسلام

ہجرت کے ساتویں سال ۱۰ھ محرم میں مندرجہ ذیل بادشاہوں کی طرف نبی کریم ﷺ نے اپنے گرامی نامے تحریر فرمائے جن میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ یہ گرامی نامے مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سلاطین کے پاس لے کر گئے

- 1- عمرو بن امیہ الصمری کو حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس گرامی نامہ دے کر بھیجا۔
- 2- وحید بن خنیفہ الکلبی کو ہرقل قیصر روم کے پاس گرامی نامہ دے کر روانہ فرمایا۔
- 3- عبد اللہ بن حذافہ السبکی کو پرویز بن ہرمز بن نوشیروان کسری ایران کی طرف گرامی نامہ دے کر بھیجا۔

- 4- حاطب بن ابی بلتعہ کو اسکندریہ بھیجا تاکہ مقوقس شاہ مصر کو گرامی نامہ پہنچائے۔
- 5- سلیمان بن عمرو العامری کو حوزہ بن علی الحسلی کی طرف دعوت نامہ دے کر بھیجا۔
- 6- شجاع بن وہب کو نصاریٰ عرب کے سردار حارث بن ابی شمر الغسانی کی طرف روانہ فرمایا۔

یہ حارث ان عیسائیوں کا رئیس تھا جو عربی النسل تھے اور شام کے سرحدی علاقوں میں سکونت پذیر تھے۔

یہ مکتوب، یہ بات اور حدیث کی جملہ اہمات الکتاب میں مروی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے قارئین کرام کو نبی امی ﷺ کے اسلوب تحریر اور انداز دعوت پر آگاہی ہوگی کہ دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہوں کو اس سادگی کے ساتھ تعلقات سے بالاتر رہتے ہوئے حضور ﷺ نے پیغام ہدایت دیا اور اس سادگی کے باوجود یہ دعوت کتنی دل نشین اور اثر انگیز ثابت ہوئی کہ ان میں سے اکثر کے قلوب و اذبان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنے ہم عصر بادشاہوں کو اپنے مکتوب کا جواب دینا قبول کرنے کی دعوت دینے کا ارادہ فرمایا تو واقعتاً حال نے عرض کی، یا رسول اللہ! سلاطین ممالک صرف ان خطوط کو درخور اعتناء سمجھتے ہیں جو رسم بہر ہوں، جن خطوط پر مہر نہ لگی ہو ان کو وہ صوبہ ہی نہیں کرتے۔ چنانچہ بایں برحق ﷺ نے چاندنی کی انگوٹھی بنوائی جس کا تمیز بھی چاندنی کا تھا۔ اس میں محمد رسول اللہ کے کلمات طیبات باری صورت کندہ

کرائے:

اللہ
رسول
محمد

سب سے اوپر ”اللہ“ جل جلالہ کا اسم مبارک، درمیان میں کلمہ ”رسول“ اور نیچے نام نامی ”محمد“ ﷺ۔

رحمت عالمین ﷺ کا یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ آپ نے جس قاصد کو جس ملک کے حکمران کی طرف روانہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کو اس ملک کی زبان کا ماہر بنادیا کہ بے تکلفی سے وہ اظہار مدعا کر سکے۔ (۱)

مکتوب گرامی بنام نجاشی بادشاہ حبشہ

سب سے پہلے رحمت عالم ﷺ نے اپنے صحابی عمرو بن امیہ الضمری کو اپنا مکتوب گرامی دے کر نجاشی کی طرف بھیجا۔ انہوں نے جب وہ والا نامہ نجاشی کو پیش کیا تو اس نے بڑے ادب و احترام سے اسے وصول کیا، اسے اپنی آنکھوں پر رکھ اور ازراہ ادب و تواضع اپنے تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور اس گرامی نامہ کو پڑھا۔ گرامی نامہ کا عربی متن درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى النَّجَاشِيِّ مَلِكِ الْحَبَشَةِ
أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ
الْقَدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمُ وَأَشْهَدُ أَنَّ عِيسَى
بَنَ مَرْيَمَ رُوحُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا فِي مَرْيَمَ الْبَتُولِ
الطَّاهِرَةِ الْمَطْهَرَةِ الطَّيِّبَةِ الْحَصِينَةِ فَحَسَبَتْ يَوعِيسَى
فَخَلَقَهُ اللَّهُ مِنْ رُوحِهِ وَنَفَخَهُ كَمَا خَلَقَ آدَمَ مِنْ يَدِهِ
وَإِنِّي أَدْعُوكَ إِلَى اللَّهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَالْمُؤَالَاةِ
عَلَى طَاعَتِهِ فَإِن تَابَعْتَنِي وَتَوَّعْتُ بِالَّذِي جَاءَنِي

قاصد نے یہ گرامی نامہ نجاشی کو دیا تو اس نے بعد ادب اسے وصول کیا اور پڑھ کر کہا:

أَشْهَدُ بِأَنَّكَ النَّبِيُّ الَّذِي يَنْتَظِرُهُ أَهْلُ الْكِتَابِ

”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی وہ نبی امی ہیں جن کا اہل کتاب انتظار کر رہے ہیں۔

آپ ہی کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی کہ آپ راکب ہمارے ہیں۔

آپ ہی کے بارے میں حضرت عیسیٰ نے شہادت دی تھی کہ آپ شتر سوار ہیں۔“

اور کہا کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں خود ضرر خدمت ہوتا۔ اس نے حضور کی بارگاہ میں ایک عریضہ لکھا جس کا عربی متن درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مِنَ النَّجَاشِيِّ أَصْحَمَةَ سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَرَحْمَةُ
اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔
اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الَّذِي هَدَانِي لِلْإِسْلَامِ
أَمَّا بَعْدُ

فَقَدْ بَلَغَنِي كِتَابُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَمَا ذَكَرْتَ مِنْ أَمْرِ عَيْشِي
عَلَيْهِ السَّلَامُ قَوْمِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ مِنْ أَنَّ عَيْشِي عَلَيْهِ
السَّلَامُ لَا يَزِيدُ عَلَيَّ مَا ذَكَرْتَ تَفَرُّوقًا أَنَّهُ كَمَا قُلْتَ
وَقَدْ عَرَفْنَا مَا بَعَثْتَ بِهِ إِلَيْنَا وَقَدْ مَرَّ بِنَسَبِ عَيْتِكَ وَ
أَصْحَابِهِ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ صَادِقًا مُصَدِّقًا
وَقَدْ بَايَعْتُكَ وَبَايَعْتُ ابْنَ عَمِّكَ وَأَسْلَمْتُ عَلَى يَدَيْهِ
بِاللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَقَدْ بَعَثْتُ إِلَيْكَ ابْنِي أَرْهَافَ بْنَ
سَهْتٍ أَنَّ ابْنِكَ يَنْفُسِي قَعْلَتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَإِنِّي
أَشْهَدُ أَنَّ مَا نَقُولُ حَقٌّ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

(1)

”یہ عریفہ نجاشی محمد کی طرف سے ہے۔ یا رسول اللہ! آپ پر اللہ تعالیٰ کے سلام، رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ وہ اللہ جس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں، جس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی ہدایت دی۔

اما بعد: یا رسول اللہ! حضور کا گرامی نامہ مجھے موصول ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے بارے میں حضور نے جو ذکر کیا ہے زمین و آسمان کے پروردگار کی قسم! حضرت عیسیٰ اس سے ذرہ برابر بھی کم و بیش نہیں۔ آپ کے چچا زاد بھائی جعفر اور دوسرے مسلمان یہاں پہنچ گئے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ میں نے حضور کی بیعت کی اور حضور کے ابن عم کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین پر ایمان لے آیا ہوں۔ اپنے بیٹے ارعاء کو حضور کی خدمت اقدس میں بھیج رہا ہوں، اگر حکم ہو تو میں خود بھی حاضر ہونے کے لئے تیار ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور کا ہر فرمان حق ہے۔ والسلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“

نبی کریم ﷺ نے اس کے بعد نجاشی کو ایک اور گرامی نامہ تحریر فرمایا جس میں ام حبیبہ کے ساتھ حضور کے عقد نکاح کرنے کا حکم تھا۔
نجاشی نے حضور کے ان دونوں گرامی ناموں کو ہاتھی دانت کی ایک ڈبیا میں بڑے اہتمام و احترام سے رکھا اور کہا۔

لَنْ تَزَالَ الْعَبْسَةُ بِخَيْرٍ مَّا كَانَ هَذَا مِنَ الْكِتَابَيْنِ بَيْنَ
أَظْهَرَهَا۔

(1)

”کہ جثہ میں ہر طرح خیریت رہے گی جب تک یہ دو گرامی نامے اس کے پاس رہیں گے۔“

نجاشی کے نام رسالت مآب کے اس مکتوب گرامی کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ کہتے ہیں۔
ابھی حال میں حبشی اطالوی جنگ کی ابتداء میں اخباروں نے (ہمد م نے مصر کے اخبار ”ابداع“ سے اور اس نے لویس بابا کے اخبار ”برہان اسلام“ سے نقل کر

کے) یہ خبر شائع کی تھی کہ نجاشی نے اپنے خزانے سے آنحضرت ﷺ کا یہ خط جواب تک محفوظ ہے نکال کر مسلمانوں کے ایک وفد کو دکھایا (1)۔

”المواہب اللدنیہ“ میں مرقوم ہے کہ اس نجاشی کا نام اصحمہ تھا۔ مسلمان سنہ 5 بعثت میں ہجرت کر کے حبشہ آئے۔ یہ گرامی نامہ اسی نجاشی کے نام حضرت عمرو بن امیہ الحضرمی سنہ 7 ہجری میں لے کر اس کے پاس پہنچے۔ اس نے اسام قبول کیا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی۔ اس کی وفات 9 ہجری میں ہوئی جب سرکارِ دو عالم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔

ایک روز نماز صبح کے بعد حضور نے اس کی موت کی خبر دی۔ ارشاد فرمایا: *قَدْ تُوَفِّيَ فِي هَذِهِ السَّاعَةِ فَاحْرُجُوا بِنَا إِلَى الْمُصَلَّى* کہ نجاشی نے، بھی ابھی وقت پائی ہے، سب مسلمان عید گاہ میں چلیں اور اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوں۔ مسلمانوں کا ایک جم غفیر اکٹھا ہو گیا، امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس خوش بخت کی نماز جنازہ خود پڑھائی۔ اس کی وفات کے بعد جو نجاشی حبشہ کے تخت پر متمکن ہوا اس کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے اسام قبول کیا یا نہیں۔ (2)

مکتوب گرامی بنام قیصر روم

ہادیٰ برحق، سرور انبیاء محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک گرامی نامہ سلطنت رومہ کے مطلق العنان شہنشاہ ہرقل کے نام لکھا۔ یہ گرامی نامہ لے جانے کے لئے حضور انور کی نظر انتخاب حضرت دجیہ بن خلیفہ الکلبی رضی اللہ عنہ پر پڑی جو اپنے حسن و جمال کے باعث اپنے ہم عصروں میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے۔

حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف ”مدارج النبوة“ سے اکتساب فیض کرتے ہوئے میں یہ واقعہ سپرد قلم کر رہا ہوں۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت دجیہ کو جب گرامی نامہ دے کر بھیجا تو انہیں ہدایت فرمائی کہ وہ پہلے بھری کے حاکم حارث بن ابی ثمر کے پاس جائیں، وہ ان کے ساتھ

1۔ (کنز حید اللہ، ”رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی“ صحت 114-115)

2۔ ”تاریخ الخلیفہ“، جلد 2، صفحہ 31

اپنا کوئی خاص آدمی بھیجے گا، اس طرح وہ آسانی قیصر تک رسائی حاصل کر سکیں گے۔ حادثہ نے اپنے مصاحب خاص عدی بن حاتم کو حضرت وحید کے ساتھ بھیجا کہ وہ یہ دعوت نامہ ہر قل کو پہنچانے میں ان کی اعانت کرے۔ ہر قل ان دنوں بیت المقدس آیا ہوا تھا تاکہ جو نذر اس نے مانی تھی وہ پوری کرے۔ خسرو پرویز نے مملکت روم پر حملہ کر کے اس کے کئی زرخیز صوبے ان سے چھین لئے تھے اور بیت المقدس کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد وہاں سے ان کی مقدس صلیب بھی چھین کر لے گیا تھا۔ ہر قل نے جب مملکت روم کی زمام اقتدار سنبھالی اور اپنے مفتوحہ علاقوں کو ایرانیوں سے واپس لینے کے لئے کمر بستہ ہوا تو اس وقت اس نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے ایرانیوں پر فتح عطا فرمائی تو وہ ننگے پاؤں پیادہ قسطنطنیہ سے روانہ ہو کر بیت المقدس جائے گا، وہاں مسجد اقصیٰ کی زیارت کرے گا اور نماز پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین عطا فرمائی۔ اس نے کسریٰ سے اپنے سارے علاقے بھی واپس لے لئے اور مقدس صلیب بھی ان سے چھین لی۔ اب وہ اس نذر کو پورا کرنے کے لئے قسطنطنیہ سے پیدل روانہ ہوا تھا۔ اس کی رعایا اس کے راستہ میں جہاں سے اس کا گزر ہوتا قیمتی قالینیں بچھاتی اور اس پر گل وریحان کی پتیاں پھراور کرتی۔ یہ طویل سفر اسی طرح طے کر کے وہ بیت المقدس پہنچ چکا تھا۔ ابن بطوطہ جو ایلیا کا گورنر اور ہر قل کا گہرا دوست تھا اور شام کے نصاریٰ کا مذہبی پیشوا تھا، وہ بیان کرتا ہے کہ قیصر علم نجوم کا ماہر تھا۔ بیت المقدس میں قیام کے دوران اس نے ایک رات ستاروں میں غور کیا تو اسے وہ ستارہ نظر آیا جو اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ اب اس قوم کا بادشاہ ظاہر ہو گیا ہے جو ختنہ کر لیا کرتی ہے۔ یہ معلوم کر کے اس کی طبیعت مکدر ہو گئی۔ اس کو اپنی عظیم مملکت کے انحطاط و زوال کے اندیشوں نے مغموم و افسردہ کر دیا، اس کے چہرہ کی شکلنگی، پڑمردگی میں تبدیل ہو گئی۔ صبح جب اس کے امراء و اعیان مملکت اس کے پاس آئے تو اس کے چہرے کی بدلی ہوئی رنگت کو دیکھ کر پوچھنے لگے کہ جہاں پناہ! آپ یوں افسردہ و پریشان کیوں ہیں؟ اس نے اس کی وجہ بتائی کہ عنقریب وہ قوم جس کے مرد ختنہ کر لیا کرتے ہیں ان ممالک پر قابض ہو جائے گی۔ پھر اس نے پوچھا اس علاقہ میں کون ہوگا جس کو ختنہ کر لیا کرتے ہیں۔ اسے بتایا گیا کہ یہاں تو صرف یہودیوں کے ہاں ختنہ کا رواج ہے لیکن ان کی تعداد بہت قلیل ہے۔ وہ کسی طرح آپ کے لئے خطرہ کا باعث نہیں بن سکتے۔ اگر آپ چاہیں تو ان کے جو چند ہزار

نفوس آپ کے ملک میں آباد ہیں، ان کو تہ تیغ کرنے کا حکم صادر کر کے ان کا صفایا بھی کر سکتے ہیں، اس طرح ان کی طرف سے خطرہ کا امکان تک بھی نہ رہے گا۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کسی نے آکر قیصر کو بتایا کہ ملک عرب سے ایک آدمی آیا ہے۔ وہ وہاں کے عجیب و غریب حالات سن رہا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ وہاں ایک نبی ظاہر ہوا ہے اور اس کے آنے سے وہاں عجیب قسم کے واقعات رو پڑ رہے ہیں۔ ہر قل نے حکم دیا کہ اس شخص کا معائنہ کر کے بتاؤ کہ یہ ختم شدہ ہے یا نہیں۔ جب انہوں نے معائنہ کیا تو بتایا کہ وہ مختون ہے۔ قیصر نے کہا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے غلبہ کے بارے میں رات کو وہ ستارہ نمودار ہوا ہے۔

چند لمحوں کے بعد عدی بن حاتم، حضرت وحیہ کو اپنے ہمراہ لے کر قیصر کے پاس آیا اور رحمت عالم ﷺ کا گرامی نامہ پیش کیا۔ ہر قل نے والا نامہ کھول کر پڑھا اس کا عربی متن مع ترجمہ درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ
 سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى
 أَمَا بَعْدُ؛ فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدَعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْتُ تَسْلَمَ وَ
 أَسْلِمْتُ يُعْطِيكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِن تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ
 إِثْمُ الْعَرَبِيَّيْنِ، وَإِنَّا هَلْ الْكِتَابُ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ
 سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ
 شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ،
 فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ۔

اللہ
 رسول
 محمد

(1)

”یہ خط محمد کی طرف سے ہے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ہر قل کی طرف جو روم کا بڑا ہے۔ سلامتی ہو ہر اس شخص پر جو ہدایت کا

خیر و کار ہے۔

لما بعد۔ میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں، تو اسلام لے آ تو سلامت رہے گا۔ تو اسلام لے آ، اللہ تعالیٰ تجھے دو چند اجر عطا فرمائے گا اور اگر تو نے اس دعوت کو قبول کرنے سے روگردانی کی تو تمہارے سسوں کے انکار کا گناہ بھی تیری گردن پر ہو گا۔ اے اہل کتاب! آج اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا رب نہیں بنائیں گے۔ اگر اس دعوت کے باوجود وہ روگردانی کریں تو تم یہ کہو اے روگردانی کرنے والو! گواہ بنا ہم مسلمان ہیں۔“

اللہ
رسول
محمد

ہر قس نے جب اسے پڑھا تو جلال نبوت سے وہ مارے خوف کے پسینہ پسینہ ہو گیا اور اس کی پیشانی سے پسینے کے قطرے نکلنے لگے اور حاضرین محفل نے آہ و فغاں شروع کر دی۔ اس نے اپنے امراء کو حکم دیا کہ اگر اس علاقہ کے کچھ لوگ ہمارے ملک میں آئے ہوئے ہوں تو انہیں تلاش کر کے میرے پاس لے آؤ تاکہ ان سے حقیقت حال دریافت کی جائے۔ صبح صبح بیہ میں فریقین کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔ اس طرح راستے پر امن ہو گئے تھے۔ تجارتی کاروانوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی۔ ابو سفیان بھی اپنے تجارتی قافلہ سمیت غزوہ آیا ہوا تھا۔ قیصر کے آدمیوں کو ان کا علم ہوا تو غزوہ پہنچے اور وہاں سے انہیں قیصر کے پاس بیت المقدس لے آئے اور دربار میں پیش کیا۔ اس سے آگے کے واقعات حضرت ابن عباس نے خود ابو سفیان سے سن کر روایت کئے ہیں اور امام بخاری نے انہیں بالتفصیل اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

ابو سفیان کہتے ہیں کہ جب ہم قیصر کے سامنے پیش کئے گئے تو ان نے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ تم میں سے اس شخص کا قریب ترین رشتہ دار کون ہے۔ میں نے کہا کہ ان کا سب

سے قریبی رشتہ دار میں ہوں، میرے چچی کے لڑکے ہیں۔ ہر قتل نے مجھے اپنے سامنے سب سے آگے بیٹھنے کا حکم دیا اور میرے دوسرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھادیا اور ترجمان کے ذریعے میرے ساتھیوں کو کہا کہ میں ابوسفیان سے اس شخص کے بارے میں چند سوالات پوچھوں گا۔ اگر یہ کوئی غلط جواب دے تو فوراً بتانا کہ یہ جھوٹ بوس رہا ہے۔ ابوسفیان کہتے تھے کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہو تا کہ لوگوں میں میں جھوٹا مشہور ہو جاؤں گا تو میں ان جوابات میں جھوٹ کی ملاوٹ ضرور کرتا لیکن اس خوف سے میں اس سے باز رہا۔

پھر قیصر اور ابوسفیان کے درمیان سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا:

قیصر : ان کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان : یہ عرب کے شریف ترین خاندان (بنو ہاشم) کے فرد ہیں۔

قیصر : کیا ان سے پہلے ان کے بزرگوں میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان : نہیں۔

قیصر : کیا ان کے اسلاف میں کوئی بادشاہ ہو گزرا ہے؟

ابوسفیان : نہیں۔

قیصر : ان کے پیروکار غریب لوگ ہیں یا دوست مند؟

ابوسفیان : غریب و ضعیف لوگ ہیں۔

قیصر : ان کے ماننے والوں کی تعداد آئے روز بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟

ابوسفیان : بڑھ رہی ہے۔

قیصر : کیا ان کا دین قبول کرنے کے بعد کوئی شخص ان کے دین سے بیزار ہو کر مرتد

بھی ہوا ہے؟

ابوسفیان : نہیں۔

قیصر : نبوت کے دعویٰ سے پہلے کیا لوگ ان پر جھوٹ بولنے کا الزام بھی لگاتے تھے؟

ابوسفیان : ہر گز نہیں۔

قیصر : کیا انہوں نے کبھی کسی سے عہد شکنی کی ہے؟

ابوسفیان : اب تک نہیں کی۔ ابھی ہمارے ساتھ ان کا معاہدہ ہوا ہے، معصوم نہیں وہ

ایفاء عہد کرتے ہیں یا نہیں۔ (ابوسفیان کہا کرتے کہ اپنے جوابات میں اس

جملہ کے علاوہ میں کوئی اور لفظ نہ بڑھا سکا لیکن قیصر نے میرے اس جملہ کو
ہرگز درخور اعتناء نہ سمجھا۔

قیصر : کیا تمہاری آپس میں کبھی جنگ بھی ہوئی ہے؟
ابوسفیان : ہمارے مابین جنگیں ہوئی ہیں۔

قیصر : ان کا نتیجہ کیا نکلا؟

ابوسفیان : کبھی وہ غالب آئے اور کبھی ہم۔

قیصر : وہ تمہیں کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟

ابوسفیان : وہ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، کسی کو اس کا شریک نہ
تھہرائیں۔ وہ ہمیں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، صدقہ کرنے، حج بولنے، عفت
اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔

ان سوالات و جوابات کے بعد ہر قل نے ترجمان کو کہا کہ وہ سامعین کو بتائے۔

کہ میں نے تم سے ان کا نسب پوچھا۔ تم نے کہا، وہ تم میں عالی نسب ہیں۔ اللہ کے رسول
ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جس قوم میں وہ مبعوث ہوتے ہیں وہ اس میں افضل اور عالی نسب
ہوتے ہیں۔

میں نے تم سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی اور نے یہ بات کہی ہے یعنی نبوت کا دعویٰ کیا
ہے؟ تم نے کہا نہیں۔ میں نے خیال کیا کہ اگر ان سے پہلے کسی اور نے یہ بات کہی ہوتی تو
میں جانتا کہ یہ شخص اس بات کی افتاء کرتا ہے جو اس سے پہلے کہی گئی ہے۔

میں نے تم سے پوچھا کہ ان کے آباء و اجداد میں کوئی بادشاہ ہو گزرا ہے؟ تم نے کہا
نہیں۔ میں نے خیال کیا کہ اگر ان کے آباء و اجداد میں کوئی بادشاہ ہوتا تو میں یہ سمجھ سکتا کہ
وہ نبوت کا دعویٰ کر کے اپنے باپ کا ملک طلب کر رہے ہیں۔

میں نے تم سے پوچھا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے تم اس پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ تم
نے کہا نہیں۔ یقیناً میں جانتا ہوں کہ جو شخص لوگوں کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتا وہ اللہ تعالیٰ
کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بولے گا۔

میں نے تم سے پوچھا کہ ان کی پیروی کرتے ہیں یا کمزور لوگ؟ تم نے کہا
کمزور لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ رسالوں کے تابعدار اکثر کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں۔

میں نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟ تم نے کہا بڑھ رہے ہیں۔ ایمان کا یہی حال ہے حتیٰ کہ وہ مکمل ہو جائے۔

میں نے تم سے پوچھا کیا ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص ان کے دین سے ناراض ہو کر مرتد بھی ہوا ہے؟ تم نے کہا نہیں۔ ایمان کا یہی حال ہے۔ جب اس کی مٹھاس اور حلاوت دل میں سرایت کر جاتی ہے تو پھر وہ نکلتی نہیں۔

میں نے تم سے پوچھا کہ وہ تمہیں کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ تم نے بتایا کہ وہ حکم دیتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ وہ ہمیں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، صدقہ کرنے، سچ بولنے اور عفت و صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ جو کچھ تم نے بتایا اگر وہ حق ہے تو عنقریب وہ میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کے مالک بن جائیں گے۔ میں یقیناً جانتا تھا کہ وہ ظاہر ہونے والے ہیں مگر میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم سے ہوں گے۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکوں گا تو ان کی ملاقات کے لئے سفر کی مشقت اٹھاتا۔ اگر مجھے وہاں حاضری کی سعادت نصیب ہوتی تو میں ان کے قدموں کو دھوتا۔

تحقیق احوال کے بعد اس نے وہ گرامی نامہ طلب کیا جو حضرت دجیہ کلبی بوساطت حاکم بصری لے کر آئے تھے۔ چنانچہ اس نے اس کا مطالعہ کیا۔ اس مکتوب کا اردو ترجمہ آپ پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں۔

ابوسفیان نے کہا کہ جو کچھ ہر قل نے کہا تھا جب وہ کہہ چکا اور حضور کا گرامی نامہ پڑھنے سے فارغ ہوا تو اس کے امراء اور مصاحبین نے شور و غل مچا شروع کر دیا اور ان کی آوازیں بلند ہونے لگیں تو انہوں نے ہمیں باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو کہا خدا کی قسم! ابو کبہہ ☆ کے بیٹے (مرد در عالم) کا کام بڑا عظیم ہو گیا ہے، اب اس سے رومیوں کا بادشاہ بھی خوف کھانے لگا ہے۔ میں ہمیشہ یہ یقین کرتا رہا کہ وہ عنقریب غالب ہو جائے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے قبول اسد ام کے دروازے کھول دیئے۔

حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں۔ ہر قل حضرت دجیہ

☆ ابو کبہہ آنحضرت کے رضاعی والد تھے۔ ابوسفیان جو اس وقت تک کافر تھا، نے ازراہ حقیر آپ کو کبہہ کا جینا کہا تھا۔ (ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن برہیم بخاری (م 256ھ)، "صحیح بخاری" (مختصر)، القاہرہ، مکتبۃ احیاء کتب السنۃ، 1386ھ، جلد 9، صفحہ 14، باب "کیف کان بدء الوحی"

کو تہائی میں لے گیا اور انہیں کہا کہ بخدا! میں جانتا ہوں کہ حضور اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ ہماری کتابوں میں ان کی ساری صفات مذکور ہیں لیکن مجھے ڈر ہے اگر میں ان پر ایمان لانے کا اعلان کروں گا تو رومی مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ قیصر نے حضرت وحید کو اپنا خط دے کر اپنی مملکت کے ایک عظیم پیشوا کے پاس بھیجا۔ اس کا نام مغاطر تھا، وہ روم میں رہائش پذیر تھا۔ ساری رومی مملکت میں اس کے پایہ کا کوئی عالم نہ تھا۔ سب لوگ اس کی دل سے عزت کرتے تھے۔ حضرت وحید اس کے پاس روم گئے، اسے قیصر کا خط دیا اور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دین اسلام کے بارے میں بالتفصیل اس سے گفتگو کی۔ وہ بول اٹھا، خدائے بزرگ و برتر کی قسم! محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ ان کی جن صفات کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ سب ہماری مذہبی کتب میں موجود ہیں۔ مجھے ان کی نبوت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر کلیسا میں گئے۔ سارے عیسائیوں کو مٹی طبع کر کے اس نے کہا:

اے میرے رومی بھائیو! کان کھول کر سنو، میرے پاس احمد عربی کے بارے میں خط آیا ہے۔ اس خط میں انہوں نے ہمیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے۔ ان کی رسالت آفتاب سے روشن تر ہے۔ اٹھو، سب کہو اللہ ایک ہے اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔

جب ان عیسائیوں نے اس کی زبان سے یہ دعوت سنی تو بھگ گئے اور اس پر حملہ کر دیا۔ اس پر اتنے تیر چلائے اور اتنے وار کئے کہ وہ جاں بحق ہو گیا۔ حضرت وحید وہاں سے بچ کر برقل کے پاس واپس آئے۔

مغاطر پر جو جیتی تھی سے سکر جاتی۔ اس نے کہا یہ شخص ان کے نزدیک مجھ سے کہیں زیادہ محترم اور معزز تھا۔ جب اس کے ساتھ انہوں نے یہ سوک کیا ہے تو معلوم نہیں وہ میرے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے؟ (1)

اس کے بعد قیصر، بیت المقدس سے حمص واپس چلا آیا۔ حمص اس کا پایہ تخت تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دربار شاہی منعقد کیا۔ تمام مراء سلطنت اور اعیان مملکت کوس میں شرکت کی دعوت دی۔ یہ دربار شاہی اپنے محل سے اس کے وسیع صحن میں منعقد کیا۔ اس کے

ارد گرد چاروں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ جب سب مہمان آگئے تو اس نے تمام بیرونی دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا۔ خود محل کے شاہ نشین سے نمودار ہوا اور قوم کو یوں خطاب کیا:

اے مملکت روم کے شہریو! اگر تمہاری یہ خواہش ہے کہ تمہیں فلاح و کامیابی نصیب ہو اور ہمیشہ راہ راست پر چلتے رہو اور تمہارا ملک اور حکومت ہمیشہ قائم دائم رہے تو اٹھو، اس نبی کا دامن پکڑ لو جو تمہارے درمیان ظاہر ہوا ہے۔

یہ سنتے ہی حاضرین میں ایک بھگدڑ مچ گئی۔ سب جنگلی گدھوں کی طرح دو تیاں جھڑنے لگے۔ وہ دوڑے کہ محل کے صحن سے باہر نکل جائیں، جب آگے بڑھے تو سارے دروازے مقفل تھے، باہر نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ وہ ان بھاگنے والوں کو اس کے پاس واپس لائیں۔ جب وہ سب اس کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے تو اس نے ان کا غصہ فرو کرنے کے لئے کہا کہ میں نے یہ بات محض تمہیں آزمانے کے لئے کہی تھی کہ مجھے پتا چل جائے کہ تم اپنے عقیدہ میں کہاں تک پختہ ہو^۱ اپنے عقیدہ اور مذہب کے ساتھ تمہاری یہ دل بستگی دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی ہے۔ ہر قل کی یہ بات سن کر وہ بھی خوش ہو گئے اور اس کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہر قل کی اسلام کے بارے میں یہ آخری اطلاع ہے۔ (۱)

مکتوب گرامی کی تعظیم و تکریم

ڈاکٹر حمید اللہ نے ”الوثائق السیاسیہ“ میں ایک دوسرے خط کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ گرامی نامہ حضور نے قیصر کی طرف اس وقت ارسال فرمایا جب حضور میدان تبوک میں خیمہ زن تھے اور یہ گرامی نامہ لے جانے کے لئے بھی حضرت دجیہ کو ہی منتخب فرمایا گیا۔ اس کا عربی متن اور اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى صَاحِبِ التَّوْبِ
 إِنِّي أَدْعُوكَ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَسْلَمْتَ فَدَكَ مَا
 لِلْمُسْلِمِينَ وَعَلَيْكَ مَا عَلَيْهِمْ فَإِنْ لَمْ تَدْخُلْ فِي

الْإِسْلَامِ قَاطِعِ الْجُزْيَةِ، فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ :
 (قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ
 لَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ
 الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ
 عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ) وَلَا فَلَا تَحْمِلُ بَيْنَ الْفَلَاحِيِّينَ
 وَبَيْنَ الْإِسْلَامِ أَنْ يَدْخُلُوا فِيهِ أَوْ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ - (1)

”محمد رسول کی طرف سے عام شاہ روم

میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم اسلام لے دو تو
 تم پہلے مسلمانوں کی طرح ہو جاؤ گے تو جو حقوق ان کے ہیں وہی حقوق
 تمہیں حاصل ہوں گے اور جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہیں وہ تم پر بھی
 عائد ہوں گی۔ اگر تم اسلام کو قبول نہیں کرتے تو پھر جزیہ دینا قبول کر لو
 کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (ترجمہ آیت) ”جنگ کرو ملن لوگوں سے جو
 نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے
 حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے
 دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ وہ
 دیں جزیہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں“ اگر تمہیں یہ
 بھی منظور نہیں تو پھر اپنی رعایا کو آزاد چھوڑ دو، چاہے وہ مسلمان ہو
 جائیں، چاہے وہ جزیہ دینا منظور کر لیں۔“

سعید بن راشد کہتے ہیں کہ جب میں شام (دمشق) گیا تو مجھے بتایا گیا کہ سامنے والے
 گرجا میں وہ شخص رہتا ہے جسے قیصر نے اپنا قاصد بنا کر بارگاہ رسالت میں بھیجا تھا۔ چنانچہ ہم
 اس گرجا میں گئے، وہاں ہماری ملاقات ایک پیر فرقت سے ہوئی۔ میں نے اس سے پوچھا، کیا
 تم قیصر کے قاصد بن کر سرور عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے؟ اس نے کہا ہاں ابھر میں
 نے کہا، وہ واقعہ تو سنو۔ اس نے کہا کہ نبی کریم ﷺ جب تبوک کے مقام پر تشریف فرما

1۔ ”توحید سہیلہ“، صفحہ 110، احمد بن علی شمس الدین (م 821ھ) میں نقلی روایت، کتاب سنی

ہوئے تو حضور نے حضرت وحیہ کلبی کو اپنا گرامی نامہ دے کر قیصر کی طرف روانہ کیا۔ جب قیصر کو یہ والا نامہ ملا۔ اس نے اپنے سارے قسیسوں اور بطریقوں کو اپنے دربار میں طلب کیا اور سارے دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے سب حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ شخص (نبی کریم) جس جگہ آکر خیمہ زن ہوا ہے، اسے تم جانتے ہو۔ اس نے میری طرف لکھا ہے کہ میں ان باتوں میں سے کوئی ایک بات تسلیم کروں۔ 1۔ یا تو ہم اسلام قبول کر لیں۔ 2۔ یا انہیں جزیہ ادا کرنا منظور کر لیں۔ 3۔ یا جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ قیصر نے کہا۔ اے نصرانیت کے عالمو! تم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ وہ اس زمین پر ضرور قابض ہو جائے گا جہاں میں اب قدم رکھے ہوئے ہوں۔ پس آؤ ہم اس کا دین قبول کر لیں یا اس کو جزیہ دینا منظور کر لیں۔ یہ سنتے ہی ان سب نے بیک آواز غرانا شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنی کلاہیں اتار کر پھینک دیں اور کہنے لگے۔ کیا تم ہمیں اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ ہم نصرانیت کو ترک کر دیں اور حجاز سے آنے والے ایک عرب کے غلام بن جائیں؟ جب قیصر نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ ہرگز اسلام کو قبول نہیں کریں گے اور اگر اسی حالت میں وہ یہاں سے باہر نکل گئے تو لوگوں کو اس کے خلاف بھڑکا کر ایک قیامت برپا کر دیں گے تو اس نے اپنا پینتر بدلا۔ کہنے لگا، میں نے تو یہ ساری باتیں تمہیں آزمانے کے لئے کہی ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ تم اپنے عقیدہ پر کہاں تک پختہ ہو۔

پھر اس نے حاضرین کو کہا کہ مجھے ایک ایسا آدمی چاہئے جو سخن فہم اور عربی زبان کا بھی ماہر ہو تاکہ ان کے ساتھ عربی میں بے تکلفی سے گفتگو کر سکے۔ چنانچہ مجھے اس کام کے لئے منتخب کیا گیا۔ قیصر نے اپنا خط میرے حوالے کیا اور مجھے کہا میرا یہ خط ان کے پاس لے جاؤ اور جو وہ کہیں اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا لیکن اگر تم ان کی ساری گفتگو کو اپنے حافظہ میں محفوظ نہ کر سکو تو ان تین باتوں کو ہرگز فراموش نہ ہونے دینا۔ پہلی بات یہ ہے کہ کیا انہوں نے اثنائے گفتگو کہیں میرے پہلے خط کا حوالہ دیا ہے یا نہیں۔ دوسری بات کہ اثنائے گفتگو انہوں نے لیل و نہار (رات دن) کا کہیں ذکر کیا ہے یا نہیں۔ تیسری بات یہ کہ ان کی پشت کی طرف غور سے دیکھنا اگر کوئی تعجب آمیز چیز تمہیں دکھائی دے تو وہ بتانا۔

تنوخی کہتا ہے کہ قیصر کا خط لے کر میں تبوک آیا، نبی کریم ﷺ اپنے حلقہ احباب میں تشریف فرما تھے۔ میں نے کسی سے پوچھا، آپ کے نبی کہاں ہیں؟ مجھے بتایا گیا وہ سامنے

تشریف فرما ہیں۔ میں گیا اور حضور کی خدمت میں سامنے بیٹھ گیا اور ہر قل کا خط نکال کر پیش کر دیا۔ حضور نے اسے پکڑا اور اپنے پاس رکھ لیا۔ اور مجھ سے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے عرض کی، کہ میں قبیلہ تنوخ کا ایک فرد ہوں۔ فرمایا، کیا اسلام کو قبول کرتا پسند کر دے گیونکہ یہ دین تو تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ میں نے عرض کی، میں ایک قوم کی طرف سے سفیر بن کر آیا ہوں اور میرا دین وہی ہے جو میری قوم کا دین ہے۔ جب تک میں اپنی قوم کے پاس لوٹ کر نہ چلا جاؤں میں اپنا مذہب نہیں بدلوں گا۔

میرا یہ جواب سن کر حضور اکرم ہنس پڑے اور یہ آیت تلاوت کی:

لَا تَكْفُرْ بِاللَّهِ الَّذِي فَتَنَّاكَ بِهِ تَدْرِكُهُ النَّارُ ۖ وَلَهُ أُعْتَبِرْتَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُ بَصِيرًا (۱)

"بیشک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں البتہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو۔"

پھر فرمایا، اے تنوخی بھائی! میں نے ایک دعوت نامہ کسریٰ کی طرف بھیجا تھا۔ اس نے اس کو پھاڑ کر پارہ پارہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کی مملکت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ میں نے تیرے بادشاہ کی طرف دعوت نامہ ارسال کیا۔ اس نے اسے عزت و احترام سے وصول کیا، ہوگ اس کی قوت سے خائف رہیں گے جب تک اس کی زندگی میں خیر ہوگی۔ تنوخی کہتا ہے کہ میں نے یہ جمدت تو مجھے یاد آگیا کہ یہ ان تین باتوں میں سے ایک ہے جن کو یاد رکھنے کا قیصر نے مجھے تاکید کی تھی۔ میں نے بطور یادداشت تیر کی نوک سے اپنی کموار کی میان پر اس کو لکھ لیا۔

حضور نے وہ خط اپنے بائیں ہاتھ بیٹھے ہوئے شخص کو پڑھنے کے لئے دیا۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ ان کا نام معاویہ ہے۔ قیصر کے خط میں ایک اعتراض تھا کہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے وَ هُوَ ضَمِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کہ سرے آسمانوں اور زمین کو طے جائے تو جنت کا عرض اس کے برابر ہوگا۔ اس نے پوچھا دوزخ کہاں ہوگا؟ حضور نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا سُبْحَانَ اللَّهِ عَنِ الْمَلِئِکِ إِذَا أَمَّاءُ

التَّهَادُّ کہ رات کہاں ہوتی ہے جب دن آجاتا ہے۔

یہ دوسری بات تھی جو میں نے بطور یادداشت لکھ لی۔

جب قیصر کا خط پڑھنے سے حضور فارغ ہوئے تو مجھے فرمایا کہ تو ہمارے پاس قیصر کا قاصد بن کر آیا ہے، تیری خاطر مہارت اور تیری تکریم ہم پر لازم ہے لیکن ہم حالت سفر میں ہیں اور ہمارا زاد راہ بھی قریب الانقضاء ہے ورنہ ہم ضرور تمہیں انعام و اکرام سے نوازتے۔ صحابہ کرام میں سے ایک شخص نے عرض کی، میں اسے انعام پیش کرتا ہوں، اس نے اپنا سامان کھولا۔ مصوریہ کی بنی ہوئی ایک خلعت اٹھائی اور میرے سامنے آکر رکھ دی۔ میں نے اس شخص کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ ان کا نام عثمان ہے۔ پھر نبی کریم نے فرمایا، تم میں سے کون اس کا میزبان بنے گا۔ ایک انصاری جوان نے بڑھ کر عرض کی، میں یا رسول اللہ! چنانچہ وہ انصاری مجھے لے کر اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب میں اس محفل سے باہر نکل آیا تو نبی کریم نے فرمایا، اے تنوخی! ادھر آؤ۔ میں حاضر ہوا۔ تو ارشاد فرمایا ہفتنا، یا مَضِیْمًا اُصْرَتَ لَکَ اِیْہَا سَے گزر جیسے تمہیں حکم دیا گیا تھا۔ مجھے قیصر کی بات یاد آگئی۔ میں حضور کی پشت کی طرف آیا وہاں کندھوں کے درمیان مجھے مہربانوت نظر آئی جو نمایاں ہو رہی تھی۔

اس طرح قیصر نے جن باتوں کے بارے میں تنوخی کو تاکید کی تھی۔ ان میں سے تیسری بات بھی پوری ہو چکی تھی اللہ کے نبی نے اپنے خداداد علم سے بھی پردہ اٹھا دیا۔ اب جان بوجھ کر کوئی شان محمدی اور علوم مصطفوی کا انکار کرتا ہے تو یہ اس کی بد نصیبی ہے حَاجِبًا بِاِیِّ اللّٰہِ یَا ذِیْنِہِمْ وَ سِوَا جَاقِیْنِیوَا کی شان والے ہادی برحق نے تو تمام شکوک و اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دے دیئے۔ (1)

مکتوب گرامی کی تعظیم و تکریم

علامہ بدر الدین عینی شارح صحیح بخاری رقم طراز ہیں کہ ہر قل نے نبی کریم ﷺ کے گرامی نامہ کو سونے کی ایک ٹکلی میں بڑے اہتمام سے محفوظ کر دیا۔ اور قیصر کے وارث سارے روی بادشاہ اس گرامی نامہ کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے رہے اور اسے ہمیشہ بڑے

معزز مقام پر رکھا کرتے۔ ایک قیصر جس کا نام یوزفرش تھا، جس نے سین کے مشہور شہر طلیطلہ اور دیگر علاقوں پر قبضہ کیا۔ یہ مکتوب گرامی اس کے پاس تھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے شلمین کو ورثہ میں ملا۔ مروی ہے کہ سلطان منصور قلاوون نے سیف الدین طح المصوری کو مغرب کے بادشاہ کے پاس ایک ہدیہ دے کر بھیجا، مغرب کے بادشاہ نے سیف الدین مذکور کو اندلس کے ایک بادشاہ کے پاس ایک معاملہ میں سفارشی بنا کر بھیجا، اس افرنگی بادشاہ نے وہ سفارش قبول کر لی اور سیف الدین سے درخواست کی کہ وہ اس کے پاس ہی ہمیشہ کے لئے رہائش اختیار کرے لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے معذرت کی۔ بادشاہ نے انہیں کہا کہ اگر آپ میری یہ گزارش مان لیں گے تو میں آپ کو گراماں بہا تحفہ دوں گا۔ اس نے ایک صندوق نکالا جو سونے کے پتروں سے منڈھا ہوا تھا۔ اس سے ایک زریں قلم دان نکال، پھر اسے کھول کر ایک خط نکالا اور کہا یہ تمہارے نبی کریم ﷺ کا توازش نامہ ہے جو آپ نے میرے دادا قیصر کو لکھا تھا، ہم اسے سلا بعد نسل محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے آباء و اجداد نے ہمیں وصیت کی ہے کہ **مَا دَاوَرَ هَذَا الْكِتَابُ عِنْدَنَا لَا يَزَالُ الْمُلْكُ فِيْنَا**۔ یعنی جب تک یہ گرامی نامہ ہمارے پاس رہے گا حکومت ہم میں باقی رہے گی۔ اس نے ہم اسے بڑی حفاظت سے اپنے پاس رکھتے ہیں اور اس کا بڑا ادب کرتے ہیں اور کسی جیساں کو اس پر مطلع نہیں ہونے دیتے۔ (۱)

مکتوب گرامی بنام مقوقس شاہ مصر

بادی برحق ﷺ نے ایک وال نامہ مقوقس شاہ مصر کے نام لکھا، اسے رہنمائی اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو حکم دیا کہ وہ اس گرامی نامہ کو مکتوب ایہ تک پہنچائے۔ حضرت حاطب اسکندریہ پہنچے، مقوقس سے ملاقات کرنے کے لئے اس کے محل میں گئے۔ پہلے اس کے دربان سے ملاقات ہوئی تو آپ نے اسے اپنی آمد کی غرض و غایت بتائی۔ دربان بڑی عزت و تکریم سے پیش آیا۔ فوراً مقوقس کی خدمت میں باریاب کر دیا، حالانکہ کئی دن تک ایک سو سے آئے ہوئے تھے لیکن ابھی تک ان کی ملاقات کی باری نہیں آئی تھی۔ بادشاہ نے بھی آپ کی بڑی عزت کی اور بڑا ادب و احترام سے اپنی نامہ وصول کیا۔ اس خط کا

عربی متن مع اردو ترجمہ درج ذیل ہے :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ اِلٰی مَقْعُوْسٍ عَظِیْمٍ الْقَبِیْطِ
سَلَامٌ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی
اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْكَ بِدَعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسِیْمُ تَسْلَمُ
یُعْطِیْكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَیْنِ اِنْ تَوَلَّیْتَ فَعَلِیْكَ اِشْمُ
الْقَبِیْطِ یَا هَلْ اَلِکِیْطُ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ
اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نَشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا
بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَعُولُوْا اَشْهَدُوْا
بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ -

اللہ
رسول
محمد

(1)

”یہ خط محمد کی طرف سے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں مقوقس کی طرف جو قبطیوں کا سردار ہے۔ سلامتی ہو ہر اس شخص پر جو ہدایت کا پیر و کار ہے۔

اما بعد! میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام سے آؤ سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تجھے دو گنا اجر عطا فرمائے گا۔ اگر تم روگردانی کرو تو سارے قبطیوں کی گمراہی کا گناہ تیری گردن پر ہو گا۔

اے اہل کتاب! آج اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا رب نہیں بنائیں گے اور اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو کہو اے منکر و گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں۔

اللہ
رسول
محمد

حضرت حاطب نے اس والا نامہ کے مضمون کی تائید کرتے ہوئے کئی نافرمانوں اور سرکشوں کے عبرت ناک انجام کی طرف اس کو متوجہ کیا جو اعلیٰ افتدار کے مالک تھے اور ان کی دولت و ثروت کا شمار مشکل تھا لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو تباہ و تہاد کر دیئے گئے۔ آپ نے مقوقس کو کہا، بجائے اس کے کہ لوگ تم سے عبرت حاصل کریں بہتر یہ ہے کہ تم ان سے عبرت حاصل کرو۔

مقوقس نے ہاتھی دانت کی ایک خوبصورت ڈبیا منگوائی، بڑے ادب و احترام سے یہ گرامی نامہ اس میں رکھا، اسے سر بھر کیا اور اپنی خاص کثیر کے حوالے کر دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ اسے حفاظت سے رکھ لے۔ پھر ایک عربی دان کاتب کو بلایا اور اسے بارگاہ رسالت میں پیش کرنے کے لئے ایک عریفہ الماء کر لیا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
لِمُحَمَّدٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ مِنَ الْمُتَقَوِّسِ عَظِيمِ الْقِبْطِ
سَلَامٌ عَلَيْكَ

أَمَّا بَعْدُ : قَدْ قَرَأْتُ كِتَابَكَ وَفَهِمْتُ مَا ذَكَرْتَ فِيهِ وَمَا
تَدْعُو إِلَيْهِ وَقَدْ عِدْتُ أَنَّ نَبِيًّا بَقِيَ وَكُنْتُ أَظُنُّ أَنَّه
يَخْرُجُ بِالشَّامِ وَقَدْ أَكْرَمْتُ رَسُولَكَ وَبَعَثْتُ إِلَيْكَ
بِعَبْدَيْنِ لَهُمَا مَكَانٌ فِي الْقِبْطِ عَظِيمٌ وَبِكَتُوبَةٍ
أَهْدَيْتُ إِلَيْكَ بَغْلَةً لِيَرْكَبَهَا وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ

(1)

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کی خدمت میں
(مقوقس عظیم قبط کی طرف سے)، آپ پر سلام

امابعد! میں نے آپ کا مکتوب گرامی پڑھا۔ اس کے مندرجات کو اور
جس دین کو قبول کرنے کی آپ نے دعوت دی ہے، اسے سمجھا۔ مجھے
اس بات کا ہم تھا کہ ایک نبی کی آمد ہوگی لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ملک
شام سے تھا۔ سو گا۔ میں نے آپ سے قصداً عنایت و تحریم کی ہے۔
میں حضور کی خدمت میں، انبیاء صحیح رہا ہوں جن کی اہل اقطار

نگاہوں میں بڑی قدرو منزلت ہے۔ ایک خلعت اور ایک فخر حضور کی سواری کے لئے پیش ہے۔ والسلام علیک۔“

اس نے اپنے اسلام قبول کرنے کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ ان دو کنیزوں میں سے ایک کا نام ماریہ تھا جس کو حضور نے کاشانہ نبوت میں شمولیت کا اعزاز بخش۔ انہی کے بطن سے سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرزند حضرت ابراہیم تولد ہوئے جنہوں نے کسبی میں اٹھارہ ماہ کی عمر میں وفات پائی۔ دوسری کنیز کا نام ”سیرین“ تھا جو شاعر دربار رسالت حضرت حسان کو مرحمت فرمائی۔ ان کے بطن سے حضرت حسان کے فرزند عبدالرحمن پیدا ہوئے۔ مقوقس نے جو فخر بھیجا تھا، اس کا رنگ سفید تھا، دلدل کے نام سے مشہور ہوا اور حضرت امیر معاویہ کے زمانہ تک زندہ رہا۔

واقعی لکھتے ہیں کہ ایک رات مقوقس نے حضرت حاطب کو تنہائی میں اپنے پاس بلایا اور سرور انبیاء ﷺ کے متعلق چند استفسارات کئے۔ کہنے لگا کہ ہم ایک نبی کی آمد کے لئے چشمِ براہ تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ نبی ملک شام سے ظاہر ہو گا لیکن اب وہ عرب سے مبعوث ہوئے ہیں۔ عرب ایسا ملک ہے جہاں قحط سالی، تنگ دستی اور افلاس ہے چنانچہ میری قوم اس دین کو قبول نہیں کرے گی۔ اگر میں اسلام قبول کر لوں تو مجھے یہاں کے تاج و تخت سے دستبردار ہونا پڑے گا جس کو میں پسند نہیں کرتا۔ حضرت حاطب نے سرور انبیاء ﷺ کو جب اس کی یہ باتیں بتائیں تو حضور نے فرمایا:

(۱) صَبَرْتَ الْحَيِّثُ بِمَلِكِهِ وَلَا بَقَاؤَ بِمَلِكِهِ

”خبیث نے اپنے ملک کے سلسلہ میں بخیش کی ہے لیکن اس کا ملک باقی نہیں رہے گا۔“

علامہ بلاذری، ”انساب الاشراف“ میں رقم طراز ہیں کہ:

حضرت حاطب، جب گرامی نامہ لے کر پہنچے تو مقوقس نے اس گرامی نامہ کی بڑی عزت و تکریم کی اور کہا لَوْلَا الْمَلِكُ (یعنی مَلِكُ الزُّوْمِ) لَا تَسَلَّمْتُ اَگر مجھے شاہِ روم کا خوف نہ ہوتا تو میں اسام قبول کر لیتا۔ پھر اس نے دو کنیزیں، ماریہ اور سیرین بطور ہدیہ ارسال کیں۔ ان کے علاوہ ایک ہزار مثقال سونا، بیس

غلط تھیں، ایک سفید فخر سواری کے لئے اور ایک بغور نامی گدھا۔ (1)

حضرت ماریہ کو حضور نے کاشانہ نبوت کی زینت بننے کا شرف بخشا۔ انہی کے بطن سے حضرت ابراہیم تولد ہوئے۔ لیکن جب ان کی عمر اٹھارہ ماہ ہوئی تو انہوں نے انتقال فرمایا۔ اس صدمہ سے حضور کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ صحابہ نے عرض کی یا نبی اللہ! انت احق من عرف اللہ حقہ فیہما اعطاکہ واخذکے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ جو عطا فرماتا ہے اور جو واپس لیتا ہے اس کو صحیح طور پر سب سے زیادہ سمجھنے والے حضور ہیں۔ تو پھر یہ گریہ کیسا؟ تو مرشد برحق نے فرمایا:

تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُولُ مَا يُخِيطُ الرَّبُّ
وَلِنَا عَلَيْكَ يَا اِبْرَاهِيمُ لَمَعَزُونُونَ۔

(2)

”آنکھیں اشکبار ہیں دل غمزدہ ہے لیکن ہم اپنی زبان پر کوئی ایسا حرف نہیں لاتے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہو۔ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی پر غمگین ہیں۔“

جس روز حضرت ابراہیم نے وفات پائی اس روز سورج کو گرہن لگا۔ لوگ کہنے لگے کہ سورج بھی اس حادثہ کے باعث گرہن سے دوچار ہوا ہے۔ حضور نے سنا تو حقیقت حال سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا۔

يَا نَبِيَّاهُ لَا تَكْثِفُ لِمَوْتِ أَحِبِّهِ وَلَا لِجَنَابِهِ

(3)

”سورج کو کسی کی موت اور کسی زندگی سے گرہن نہیں لگا کرتا۔“

مکتوب گرامی بنام حارث بن ابی شمر الغسانی

رحمت عالم ﷺ نے شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو اپنا مکتوب گرامی دے کر حارث کی طرف روانہ کیا۔ حارث کو قیصر نے اس غسانی ریاست کا حکمران مقرر کیا تھا۔ شجاع کہتے ہیں کہ جب میں حارث کے پاس پہنچا تو دو روز تک میں اس کے دروازے پر بیٹھا رہا لیکن ملاقات کی کوئی صورت نہ نکلی۔ آخر میں نے اس کے دربان سے رابطہ قائم کیا، اسے بتایا کہ میں

1۔ حرب، ر. د.، کتاب الاشراف، جلد 1، صفحہ 449

2۔ ص، صفحہ 451

3۔ محمد بن عبد بنی بن یوسف، 1۔ قانی السی، 2۔ شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ، 3۔ ص، ص 370، صفحہ 214

رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں اور حارث کے نام حضور کا خط لایا ہوں۔ مجھے یہاں آئے دو دن گزر گئے ہیں لیکن ابھی تک میری ملاقات نہیں ہوئی۔ دربان نے بتایا کہ حارث فلاں دن باہر آئے گا، اس سے پہلے ملاقات ممکن نہیں۔ چنانچہ مجھے مجبوراً وہاں رکنا پڑا۔ اس اثناء میں وہ دربان میرے پاس آیا کرتا اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں سوالات کیا کرتا۔ پھر میں اسے سرکار کے ایمان افروز حالات سناتا۔ سنتے سنتے بسا اوقات اس کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگتے۔ وہ کہتا کہ انجیل میں آنے والے نبی کی جو علامتیں پڑھی ہیں وہ ساری ان میں پائی جاتی ہیں۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ اگر مجھے حارث کا خوف نہ ہوتا تو میں اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیتا۔ وہ دربان میری بڑی عزت کیا کرتا اور میری خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتا۔ اس نے مجھے بتایا کہ حارث سے امید نہ رکھو کہ وہ اسلام قبول کر لے گا کیونکہ وہ قیصر سے ڈرتا ہے۔

جس روز حارث باہر نکلا، شجاع نے گرامی نامہ اسے پہنچایا، اس نے کھول کر پڑھا۔ اس میں درج تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ اِلَى الْحَارِثِ بْنِ اَبِي شَمْرٍ
سَلَامٌ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی
وَاَمَنَ بِهٖ وَصَدَّقَ وَاِنِّیْ اَدْعُوْكَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَحَدّٰہٗ
لَا شَرِیْکَ لَہٗ یَبْعٰی لَکَ مُنْکَکَ ۔ (1)

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام۔“

ہر اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیر و کار ہے۔ اور اس پر ایمان لے آیا ہے اور اس کی تصدیق کی ہے۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لے آؤ۔ تمہارا ملک باقی رہے گا۔“

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

”اس نے خط پڑھا غصہ سے بے قابو ہو گیا اور گرامی نامہ کوزمین پر دے مارا۔ بڑبڑا کر کہنے لگا

کون ہے جو مجھ سے میری حکومت چھیننا چاہتا ہے؟ میں اس پر حملہ کروں گا۔ اس نے گھوڑوں کی نعل بندی اور لشکر کو تیزی کا حکم دیدیا۔ پھر قیصر کو اپنے ارادہ سے مطلع کیا۔ قیصر نے اسے فوراً جواب لکھا کہ اس خیال خام کو دماغ سے نکال دو اور ان پر حملہ کرنے کا امت ارادہ کرو اور جلدی میرے پاس پہنچو۔“ (۱)

جب حادثہ کو قیصر کا خط موصول ہوا جس میں اس نے اسے تاکید کی تھی کہ ان پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دے اور فوراً ایلیا، اس کے پاس پہنچے تو اب اس کا مزاج درست ہو گیا اور اس کی وہ تندی کا فور ہو گئی جس کا مظاہرہ اس نے حضور کا گرامی نامہ پڑھ کر کیا تھا۔ شجاع کہتے ہیں، اس نے مجھے بلایا اور دریافت کیا کہ تمہارا دوا بھی کا کب ارادہ ہے؟ میں نے بتایا کہ میں کل عازم مدینہ ہو جاؤں گا۔ چنانچہ اس نے ایک سو مشقال سونا مجھے ہدیہ پیش کیا۔

محبوب رب العالمین کا گرامی نامہ شہنشاہ ایران خسرو پرویز کے نام

اللہ تعالیٰ کے سچے اور پیارے رسول علیہ افضل الصلوٰۃ والصلیٰ السلام نے اپنے ایک صحابی حضرت عبد اللہ بن حذافہؓ اسلمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ ایران کے فرمانروا خسرو پرویز کو حضور اکرم ﷺ کا گرامی نامہ پہنچائیں۔ یہ خط سر بہر تھا۔ اس کا متن مندرجہ ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ اِنِّیْ کَسَرْتُ عَظِیْمًا فَاِیْرِسْ
سَلَامًا عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَهُ الْهُدٰی وَاَمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَشْهَدُ
اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا
عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔ وَاَدْعُوْکُمْ بِدَاعِیَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔
فَاِنِّیْ اَنَا رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اِلَی النَّاسِ کَافَّةً لَا نَذَرَ
مَنْ کَانَ حَیًّا وَیَمِیْنُ الْقَوْلِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ۔ اَسَلُوْا سَلَامًا
فَاِنَّ اٰیٰتِیْ قَعَلِیْکَ اِنَّهُ الْمُبْرُوْنِ۔

(۲)

”یہ خط محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کسریٰ شاہ ایران کے نام ہے۔
مسلم متقی جو ہر اس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور اللہ اور اس

کے رسول پر ایمان لے آیا اور یہ گواہی دی کہ اللہ وحدہ لا شریک کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اے کسری! میں تمہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اللہ عزوجل کا رسول ہوں تمام لوگوں کی طرف تاکہ میں بروقت متنبہ کروں جو زندہ ہیں اور تاکہ حجت تمام کردوں کفار پر۔ اسلام قبول کر لے سلامت رہے گا اور اگر تو اسلام قبول کرنے سے انکار کرے گا تو تیری گردن پر سارے مجوسیوں کی گمراہی کا گناہ ہوگا۔"

جب اس پیکرِ نخت و غرور نے یہ ہدایت نامہ پڑھا تو فرط غضب سے آپے سے باہر ہو گیا اور اس کو پھڑک پھڑکے کر دیا اور ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہا کہ میرا ایک غلام مجھے اس قسم کا خط لکھنے کی جسارت کرتا ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کو جب اس کی گستاخی کے بارے میں عرض کی گئی تو ارشاد فرمایا مَزَّقَ كِتَابِي مَزَّقَ اللّٰهُ مُلْكَهُ اس نے میرے گرامی نامہ کو پارہ پارہ کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ملک کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

کسری نے یمن میں اپنے مقرر کردہ گورنر باذان کو حکم نامہ لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تیرے علاقہ میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اسے فوراً جھکڑی لگا کر میرے پاس بھیجو۔ باذان نے اپنے ایک وزیر مسکی بانویہ کو ایک فارسی النسل شخص کے ساتھ مدینہ طیبہ روانہ کیا جس کا نام خر خسره تھا۔ نیز اس نے ایک خط بھی حضور ﷺ کے نام لکھ کر انہیں دیا۔ اس میں تحریر تھا کہ آپ ان دونوں کے ہمراہ کسری کے پاس فوراً پہنچیں۔

جب یہ لوگ طائف پہنچے تو وہاں قریش مکہ کے کئی سردار آئے ہوئے تھے۔ ابوسفیان اور صفوان بن امیہ وغیرہما۔ انہوں نے جب باذان کا خط بنام رسول اکرم پڑھا تو خوشی سے ان کی باچھیں کھل گئیں۔ کہنے لگے اب ان کی ٹکڑ کسری سے ہوئی ہے، ان کا خاتمہ اب زیادہ دور نہیں۔ بانویہ اور خر خسره وہاں سے چل کر مدینہ طیبہ پہنچے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے انہیں خوش آمدید کہا اور ان کے طعام و قیام کا خاطر خواہ انتظام فرمایا۔ پھر ایک صبح انہیں اپنے پاس ہوا یا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دونوں دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ بانویہ نے سلسلہ کلام کا آغاز کیا، اس نے کہا، شہنشاہِ ایران نے ہمارے فرمانروا باذان کو خط لکھا ہے،

اس میں حکم دیا ہے کہ وہ آپ کی طرف اپنے آدمی بھیجے جو آپ کو پکڑ کر اس کے دربار میں پیش کریں۔ باذان نے یہ ڈیوٹی ہمارے سپرد کی ہے، آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ اگر آپ اس کا فرمان بجالائیں گے تو باذان آپ کے لئے سفارشی خط شہشاہ کو تحریر کر دے گا۔ جس سے آپ کو فائدہ ہو گا اور وہ آپ کو کوئی اذیت نہیں پہنچائے گا۔ اور اگر آپ اس کا حکم بجا نہیں لائیں گے اور ہمارے ساتھ چلنے سے انکار کر دیں گے تو اس کا نتیجہ آپ کو معلوم ہی ہے۔ وہ آپ کو اور آپ کی ساری قوم کو تباہ کر دے گا اور آپ کے شہروں کو برباد کر کے رکھ دے گا۔ سرکارِ دو عالم نے وہ خط پڑھا اور ان کی دھمکی آمیز گفتگو سنی تو جسم فرمایا۔ پھر انہیں بڑے محبت بھرے انداز میں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ وہ گفتگو تو بڑی جرأت سے کر رہے تھے لیکن جلالِ نبوت سے ان کے دل ان کے سینوں میں تھر تھر کانپ رہے تھے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ جانے کیلئے تیار نہیں تو ہمارے بادشاہ باذان کے نام جوابی خط لکھ دیجئے۔ حضور انور نے فرمایا اب جاؤ آرام کرو۔ کل صبح پھر ملاقات ہوگی۔

رات کو جبرئیل امین بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اس مغرور پر دیز پر اس کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا ہے۔ اس نے اس کے پیٹ میں چھرا گھونپ کر رات کو فلاں وقت اس کا کام تمام کر دیا ہے۔ جب صبح بانویہ اور خر خسروہ دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا:

أُبَيِّقًا صَاحِبَكُمْ إِنَّا رَفِيقًا قَدْ قَتَلَ رَبُّهُ كَسْرَىٰ فِي هَذِهِ

الْمِثْقَةِ لِسَبْعِ سَاعَاتٍ مَضَتْ مِنْهَا۔ (۱)

”جاؤ اور اپنے صاحب کو جا کر بتادو کہ میرے رب نے اس کے رب کسریٰ کو آج رات قتل کر دیا ہے جب کہ رات کے سات پہر گزر چکے تھے۔ اس کے بیٹے شیرویہ نے اس کی چھاتی پر چڑھ کر اس کا پیٹ پھاڑ ڈالا ہے۔ جاؤ اور باذان کو جا کر اس کے شہنشاہ کی بدکت کی اطلاع دو۔“ کہنے لگے آپ کو علم ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اس کے نشان کتنے خوفناک ہوں گے جو آپ نے کہا ہے؟ ہم اپنے بادشاہ کو لکھ دیں گے اور وہ اس کی اذیت ناک سزا دے گا۔“

(یہ منگل کی رات اور جمادی الاول کی دسویں تاریخ تھی اور ہجرت کا ساتواں سال تھا) حضور انور نے فرمایا، بے شک یہ ساری باتیں اسے جا کر بتاؤ اور ساتھ ہی یہ بھی بتانا کہ میرا دین اور میری حکومت کسریٰ کی مملکت کی آخری سرحدوں تک پہنچے گی بلکہ وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کوئی کھر والا جانور یا سم والا جانور موجود ہے۔ اور اسے میری طرف سے یہ بھی کہنا کہ اگر تم اسلام قبول کر لو گے تو تمہارا ملک اور تمہارا ساز و سامان تمہارے پاس ہی رہنے دیا جائے گا۔

جب باذان کے قاصد واپس جانے لگے تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک کمر بند جو سونے اور چاندی سے مرصع تھا، خرخرہ کو بطور تحفہ عطا فرمایا اور انہیں رخصت کیا۔ وہاں سے چل کر وہ باذان کے پاس پہنچے۔ جو واقعات رو پڑے ہوئے تھے وہ اسے کہہ سنائے۔ باذان نے کہا کہ یہ گفتگو کسی بادشاہ کی نہیں بلکہ نبی کی معلوم ہوتی ہے۔ اگر ان کی بتائی ہوئی یہ خبر سچی نکلی تو سب بادشاہوں سے پہلے میں ان پر ایمان لے آؤں گا۔ چند روز ہی گزرے تھے کہ شیر و یہ کا خط اس کے نام موصول ہوا جس میں اس نے اپنے باپ کو قتل کرنے کی اطلاع دی تھی۔ اور باذان کو لکھا تھا کہ اسے کسریٰ تسلیم کر لے۔ یہ خط پڑھنے کے بعد اسے یقین ہو گیا کہ سرور کائنات اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ چنانچہ اس نے اور کئی فارسی النسل لوگوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا اور اپنے ساتھیوں کے مسلمان ہونے کی اطلاع بارگاہ رسالت میں بھیج دی۔ (1)

غزوة خيبر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَمَنْ عَمِلْ كِسْفًا نَّجَافًا وَنَهَارًا
وَيَكُنِ الْإِلَهُ عَيْنًا
حَكِيمًا

اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جن کو وہ
(عنقریب) حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ سب سے
زبردست بڑا دانا ہے۔

(الفق آیت ۱۹)

غزوہ خیبر

غزوہ خیبر کا پس منظر

نوع انسانی کے ہادی برحق رحمت عالم ﷺ کی یثرب تشریف آوری سے پہلے وہاں اوس و خزرج کے علاوہ یہودیوں کے تین مشہور قبائل آباد تھے۔ بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔

یثرب کی تجارت ان کے قبضہ میں تھی۔ بھلوں کے باغات اور اناج کی منڈیاں ان کے تصرف میں تھیں۔ یثرب کے بیشتر مزرعوں کا قبہ کے بھیجی ہوئی مالک تھے۔ دفاعی ضرورتوں کے پیش نظر ہر قبیلہ کا اپنا اپنا محلہ تھا جس میں وہ سکونت پذیر تھے۔ اپنے اپنے علاقہ میں انہوں نے مضبوط قلعے اور گڑھیں تعمیر کر رکھی تھیں تاکہ اگر کوئی بیرونی طاقت ان پر حملہ آور ہو تو وہ ان قلعوں اور گڑھیوں میں مورچہ بند ہو کر اپنا دفاع کر سکیں۔

سرور عالم ﷺ جب یثرب تشریف لے آئے تو حضور نے تمام یہودی قبائل کے ساتھ دوستی کے معاہدے کئے تاکہ یہاں کے سارے باشندے بلا امتیاز مذہب اور نسب امن و آشتی کی زندگی بسر کر سکیں۔ اس معاہدہ کا مفصل تذکرہ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔ محض یاد دہانی کیلئے اس کی اہم دفعات پیش خدمت ہیں:

1۔ اس معاہدہ میں شرکت کرنے والے ہر فریق کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

2۔ ہر فرقہ اپنے مذہبی شعائر کو کسی روک ٹوک کے بغیر ادا کر سکے گا۔

3۔ ہر فرقہ کی عبادت گاہوں کا تحفظ کیا جائے گا۔

4۔ ان کی معاشی سرگرمیوں پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہوگی۔

اس سے پہلے انہوں نے اوس و خزرج کے قبائل میں سے جس قبیلہ کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا ہوا ہے وہ برقرار رہے گا۔ اس معاہدے کے جملہ فریق ایک دوسرے کی تائید و

نصرت کے پابند ہوں گے۔

5۔ وہ ایک دوسرے سے دھوکا اور غدر نہیں کریں گے۔

6۔ وہ دشمن کے لئے جاسوسی نہیں کریں گے۔

7۔ وہ دشمن قبائل کی مدد نہیں کریں گے۔

8۔ وہ کسی پر دست تعدی و راز نہیں کریں گے۔ (1)

ان حکیمانہ انتظامات کے باعث اہل یثرب بڑی پرسکون زندگی بسر کرنے لگے۔

جب اسلام اپنے فطری حسن و جمال کے باعث لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے لگا اور مسلمانوں کی تعداد میں آئے دن بیش قدر اضافہ ہونے لگا تو یہودی قبائل کے دلوں میں مسلمانوں کے بارے میں حسد و عناد کی آگ بھڑکنے لگی اور انہوں نے رفتہ رفتہ ان تمام معاہدوں کو پس پشت ڈالنا شروع کر دیا۔

میدان بدر میں اسلام کی فتح مبین اور کفار کی شکست فاش نے انہیں سیخ پا کر دیا اور ان کی توقعات کو خاک میں ملا دیا۔ وہ اس امید پر زندہ تھے کہ قریش کا لشکر مسلمانوں کا چکومر نکال دے گا لیکن جب جنگ کا نتیجہ ان کی توقعات کے بالکل برعکس نکلا تو ان کے حسد و عناد کے شعلے مزید بھڑک اٹھے اور اس معاہدہ کو توڑنے کے لئے وہ بہانے تلاش کرنے لگے۔ سب سے پہلے عبد شمس کی آغاز بنو قینقاع نے کیا۔ ان کو سمجھانے کے لئے نبی کریم ﷺ ان کے بازار میں تشریف لے گئے اور انہیں کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، تم مجھ پر ایمان لاؤ مباد اللہ تعالیٰ تم پر بھی اپنا عذاب نازل کرے اور تمہیں بھی اہل مکہ کے سے عبرت ناک انجام سے دو چار ہونا پڑے۔ انہوں نے برملا کہہ دیا کہ آپ نے اہل مکہ کو شکست دے کر یہ سمجھ لیا ہے کہ آپ ہمیں بھی شکست دے دیں گے۔ وہ تازی لوگ تھے، فن سپہ گری سے بالکل نا آشنا۔ جس روز آپ نے ہمارے ساتھ جنگ کی تو اس روز آپ کو پتا چلے گا کہ ہم کیسے بہادر لوگ ہیں۔

رحمت مہربان ﷺ نے ان کی اس گستاخی پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ اس کے فوراً بعد ایک مسلمان خاتون نے یہودیوں کی کسانچہ پیش آیا۔ چنانچہ حضور نے جب ان کا محاصرہ کیا تو انہوں نے ان سے دو دلوں میں مسلمانوں کا ایسا خوف پیدا کیا کہ انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور

اپنے حلیف عبداللہ بن ابی کے ذریعہ حضور کی خدمت میں گزارش کی کہ انہیں اور ان کے اہل و عیال کو تہ تیغ نہ کیا جائے بلکہ انہیں یہاں سے چھپے جانے کی اجازت دی جائے۔

غزوہ احد کے بعد 4 ہجری میں بنو نضیر کی عہد شکنی کا واقعہ روپذیر ہوا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ ایک روز ان کے ہاں تشریف لے گئے تاکہ حسب وعدہ دو مقتولوں کے خون بہا میں اپنا حصہ ادا کرنے کے لئے انہیں کہیں۔ انہوں نے ایک دیوار کے ساتھ پلنگ بچھادیا اور حضور کو اس پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ان بد بختوں نے نبی کریم ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ایک یہودی عمرو بن جحاش کو کہا کہ چھت پر بھاری پتھر پڑاؤ۔ ہے اس کو آپ پر لڑھکادے، اس طرح وہ پیغمبر اسلام سے خد صی پالیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو ان خبیث النفس یہودیوں کی اس سازش سے بروقت مطلع فرما دیا۔ حضور چپکے سے اٹھ کر وہاں سے چلے گئے۔ اس کھلی غداری کے بعد ان کی جد و وطنی کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیلات بھی آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔ یہ لوگ وہاں سے خیبر میں سر فروکش ہو گئے لیکن یہاں آکر بھی انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف اپنی سازشوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کے سرکردہ افراد کا ایک وفد جو سلام بن ابی الحقیق، حمی بن اخطب اور کنانہ بن ابی الحقیق وغیرہ پر مشتمل تھا مکہ آیا اور مکہ والوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ پھر دیگر قبائل عرب کے پاس جا کر اسلام کے خلاف اس اجتماعی کوشش میں شریک ہونے پر براہیغفہ کیا۔ انہیں کی تک و دو سے غزوہ احزاب پیش آیا جس کے تفصیلی حالات کا آپ ابھی ابھی مطالعہ کر چکے ہیں۔

انہیں ایام میں جب مسلمان خندق کھود کر اپنا دفاع کر رہے تھے تو بنی نضیر کا سربراہ حمی بن اخطب رات کی تاریکی میں بنی قریظہ کے رئیس کعب بن اسد کے پاس آیا اور اسے مجبور کر دیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے معاہدہ کو توڑ کر اس اجتماعی مہم میں ان کے ساتھ شریک ہو جائے۔

اس کی تفصیلات اور بنو قریظہ کے عبرت ناک انجام کے حالات بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ جب بنو قریظہ کی شکست فاش اور ان کے عبرت ناک انجام کی اطلاع خیبر کے یہودیوں کو ملی تو مشورہ کے لئے وہ اپنے رئیس سام بن مضمکم کے پاس اکٹھے ہوئے۔ اس نے کہا کہ ہمیں اس دفعہ اپنی قوت پر بھروسہ کر کے مسلمانوں پر یلغار کر دینی چاہئے۔ خیبر کے

تمام یہودی نوجوان پوری طرح مسلح ہو کر مسلمانوں پر حملہ کریں۔ اگر مزید ملک کی ضرورت ہوئی تو ہم تمام فداک اور وادی القری میں آباد اپنے یہودی بھائیوں کو دعوت دیں کہ اس تاریخ ساز حملہ میں وہ ہماری امداد کریں۔ اس نے کہا کہ اس دفعہ ہم عرب کو اس جنگ میں شرکت کی دعوت نہیں دیں گے۔ غزوہ خندق میں انہوں نے جو ہر تادم سے کیا ہے ہم اسے فراموش نہیں کر سکتے۔ صرف یہودی سر فروشوں کا لشکر جراتیار کر کے ہم مرکز اسلام پر حملہ آور ہوں گے۔ تمام یہودیوں نے سلام بن مشکم کی تجویز کو بہت سراہا اور بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ لیکن ان کے عاقبت اندیش زعماء نے اس تجویز کی تائید نہ کی۔ انہوں نے کہا، ان نازک حالات میں ہمیں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہئے جہاں شکست کا احتمال ہو۔ پہلے ہمیں وہ تمام ممکنہ وسائل مجتمع کر لینے چاہئیں جن کی وجہ سے ہماری فتح اور مسلمانوں کی شکست یقینی ہو۔ (1)

چنانچہ اسی پر سب متفق ہوئے کہ ہمیں اپنی فوجی قوت کے علاوہ دیگر مشرک عرب قبائل سے بھی مدد لینا چاہئے۔ چنانچہ ان کا ایک وفد جو چودہ افراد پر مشتمل تھا کنانہ بن ابی الحقیق کی قیادت میں غطفان پہنچا اور ان کو اس مہم میں شریک ہونے کی دعوت دی اور ان سے وعدہ کیا کہ وہ انہیں اس امداد کے عوض اپنے نخلستانوں کی نصف پیداوار کھجوریں دیں گے۔ (2)

اس کے ساتھ ساتھ عبداللہ بن ابی ریس المنافقین جو مدینہ طیبہ میں ایک بااثر شخصیت تھا، اپنے منصوبہ کے بارے میں اس سے بھی نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس نے خیبر کے یہودیوں کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں کہا کہ مسلمانوں سے تمہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے مقابلہ میں ان کی تعداد بہت کم ہے۔ ان کے پاس اسلحہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اگر تم استقامت کا مظاہرہ کرو گے تو ان کو نیست و نابود کر کے رکھ دو گے۔

1- ابن سعد، تاریخ العرب، ج 1، ص 349-350، محمد حسین بیگلر، تاریخ محمد، ج 2، ص 387، 1979ء، عرب، ص 387
2- ابن سعد، تاریخ العرب، ج 1، ص 349-350، محمد حسین بیگلر، تاریخ محمد، ج 2، ص 387، 1979ء، عرب، ص 387

غزوہ خیبر کی تاریخ

سرور عالم ﷺ سفر حدیبیہ سے ماہ ذی الحجہ سنہ 6 ہجری میں مراجعت فرمائے مدینہ طیبہ ہوئے۔ یہاں آکر حضور کو ان سازشوں کے بارے میں آگاہی ہوئی جو خیبر کے یہودی، دیگر مشرک قبائل کے ساتھ مل کر مدینہ طیبہ پر چڑھائی کرنے کے لئے کر رہے تھے۔ اس سنگین صورت حال کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ نے وقت ضائع کئے بغیر ان کی گوثالی کے لئے فوری اقدام ضروری سمجھا۔ چنانچہ اس مہم کو سر کرنے کے لئے صرف ان جانباز مجاہدوں کو شمولیت کی دعوت دی جو حدیبیہ کی مہم میں ہم رکاب تھے۔ کیونکہ دین اسلام سے ان کی گہری عقیدت اور اپنے رسوں مکرم سے بے پایاں محبت ہر شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ دوسرے لوگوں کے لئے یہ اعلان فرمایا کہ صرف وہ لوگ ہی اس سفر میں ہر کامیابی کا شرف حاصل کر سکتے ہیں جو اموال غنیمت کے طلب گار نہ ہوں اور جن کے دلوں میں صرف فکر حق کو بلند کرنے کا شوق موجزن ہو۔ چنانچہ مدینہ طیبہ میں بیس پچیس روز قیام کے بعد ماہ محرم سنہ 7 ہجری میں حضور انور ﷺ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت سہاب بن عرقطہ انفقاری کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ ابن ہشام نے نمیلہ بن عبد اللہ اللہی کا نام لیا ہے۔ لشکر اسلام کی تعداد سولہ سو تھی، جن میں سے چودہ سو پیادے اور دو سو گھڑ سوار تھے۔ (1) مقدمہ انجیش کی کمان حضرت عکاشہ بن محسن الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کی۔ مہم پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر مقرر فرمایا اور میسرہ پر ایک دوسرے صحابی کو متعین کیا۔ بنو النضیر قبیلہ کے دو آدمی جو اس راستہ کے بیچ دھم سے بخوبی سگاہ تھے، انہیں راستہ دکھانے کی ذمہ داری سونپی۔ (2)

امہات المؤمنین میں سے اس سفر میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کو معیت کا شرف حاصل ہوا۔ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ جب بنو غطفان کو اطلاع ملی کہ نبی کریم ﷺ خیبر پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئے ہیں تو انہوں نے اپنے تمام جنگجو جوانوں کو اکٹھا کیا تاکہ اہل خیبر کی امداد کے لئے روانہ ہوں۔ جب وہ خیبر کی طرف ایک منزل طے کر چکے تو انہیں پیچھے

سے شور سنائی دیا جیسے کسی نے ان کے اہل و عیال پر حملہ کر دیا ہو۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں مسلمانوں نے ان کے اہل و عیال کو بے یار و مددگار پا کر ان پر دھاوا نہ بول دیا ہو۔ اس خیال سے وہ لرز اٹھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ خیبر کے یہودیوں کی امداد کے لئے آگے بڑھنے کے بجائے انہیں چاہئے کہ وہ لوٹیں اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کریں۔ چنانچہ انہوں نے خیبر کے یہودیوں کو ان کے حال پر چھوڑا اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے لئے لوٹ آئے۔ (1)

”احرکات العسکرۃ“ کے مصنف نے بنو غطفان کے واپس لوٹ آنے کی ایک اور وجہ لکھی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیبر کی طرف پیش قدمی جاری رکھی لیکن لشکر اسلام کا ایک دست بنو غطفان کی آبادی کو سر اسیمہ اور خوفزدہ کرنے کے لئے ان کے علاقہ کی طرف روانہ کیا۔ جب یہ دست وہاں پہنچا تو وہاں بچوں اور عورتوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ غطفانیوں کو اطلاع ملی تو ان کے حواس باختہ ہو گئے۔ وہ اپنے حلیف یہودیوں کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر واپس دوڑے تاکہ اپنے اہل و عیال کی حفاظت کر سکیں۔ (2)

اگرچہ مدینہ طیبہ سے خیبر کی مسافت آٹھ برید (8×12=96 میل، 156 کلومیٹر) تھی لیکن اس سفر میں رازداری اور تیز رفتاری کو ملحوظ رکھا گیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ یہ طویل مسافت صرف تین رات میں طے کر کے خیبر کی حدود میں داخل ہو گئے۔ (3)

اٹھائے سفر ایک رات یہ کارواں سرگرم سفر تھا اور ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا کہ ایک صاحب نے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کو فرمائش کی کہ اپنا کچھ کلام سنائیں۔ وہ اپنی سواری سے اترے اور حدی کی لے میں مندرجہ ذیل اشعار پڑھنے شروع کئے:

اَللّٰهُمَّ لَا تَلَا تُنَا مَا اَهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا مَلَكُنَا

”اے اللہ! اگر تو ہماری دھگیر ی نہ فرما تا تو نہ ہمیں صدقہ دینے کی توفیق ہوتی اور نہ نماز پڑھنے کی۔“

- 1۔ ابو محمد عبد اللہ ابن بشام (م 213ھ)، ”تہذیب الاسماء“، ص 380-381، ج 3۔
- 2۔ سیف بن عیینہ، ”تہذیب الاسماء“، ص 380-381، ج 3۔
- 3۔ محمد بن عیسیٰ، ”تہذیب الاسماء“، ص 374، ج 3۔

فَلَا تُفِرُّ فِدَاءَ لَكَ مَا أَقْتَضَيْنَا وَثَّقْنَا الْأَقْدَامَ إِنَّ لَاقِينَا
 ”ہم تجھ پر نثار! ہم نے شیطان کی پیروی کرتے ہوئے جو گناہ کئے ہیں وہ ہمیں بخش دے اور جب دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔“

وَأَنْزَلْنَاهُ سَكِينَةً عَلَيْنَا وَإِنَّا إِذَا أَوْصِيحَ بِنَا أَتَيْنَا
 ”ہم پر تسکین نازل فرما۔ ہمیں جب جہاد کے لئے پکارا جاتا ہے تو ہم حاضر ہو جاتے ہیں۔“

وَبِالْوَصِيَّاحِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا وَلَئِنْ أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا (1)
 ”انہوں نے چیخ و پکار سے ہم پر حملہ کرنے کی کوشش کی ہے اور جس وقت وہ ہمیں کسی فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اس میں مبتلا ہونے سے انکار کر دیتے ہیں۔“

ان کی آواز میں بلا کا سوز تھا۔ اونٹوں میں مستی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔ ذکر الہی کو اس اثر انگیز لہجہ میں سن کر سب مجاہدین پر بھی کیف و سرور طاری ہو گیا۔ رحمت عالم ﷺ نے دریافت فرمایا مَن هَذَا السَّائِقِ؟ یہ حدی خواں کون ہے؟ عرض کی گئی، یہ عامر ہیں۔ فرمایا رَحِمَهُ اللهُ کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اپنے آقا کی زبان سے اپنے مجاہد بھائی کے حق میں یہ کلمات دعا سن کر حضرت فاروق اعظم بولے وَجَبَتْ يَا رَسُولَ اللهِ لَوْلَا أَمْتَعْتَنَا بِهِ يَا رَسُولَ اللهِ! اس کے لئے اب شہادت واجب ہو گئی۔ اے اللہ کے حبیب! اس سے متمتع ہونے کا مزید موقع حضور نے ہمیں کیوں عطا نہ فرمایا۔ (2)

یوں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے نغمے ادا پتے ہوئے عاشقان باصفا کا یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ چاندنی رات تھی، سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سب سے آگے آگے چل رہا ہے اور وہ چاند کی روشنی پڑنے سے جو چادر اس نے اوڑھی ہوئی ہے وہ چمک رہی ہے۔ حضور نے پوچھا یہ کون ہے؟ عرض کی گئی یہ عیس بن جبر

1۔ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر قیم الجزیریہ (691-751ھ)، ”تراجم العباد فی ہدی خیر العباد“، بیروت، مؤسسة الرسالة،

ہیں۔ فرمایا، اس کو پکڑ لو۔ خود عیسٰی کہتے ہیں کہ یہ فرمان سنتے ہی صحابہ نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا۔ میں سوچنے لگا کہ مجھ سے ایسی کون سی خطا سرزد ہوئی ہے جس کی یہ سزا ہے؟ میں اسی سوچ میں غلطیاں و بچھاؤں تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تشریف لے آئے اور پوچھا تم سب ساتھیوں سے الگ آگے آگے کیوں جا رہے تھے؟ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میری اونٹنی بڑی تیز رفتار اور منہ زور ہے۔ یہ زبردستی آگے بڑھنا چاہتی تھی۔ پھر پوچھا وہ چادر کہاں ہے جو میں نے تمہیں اوڑھائی تھی؟ میں نے عرض کی، جب یہ سفر پیش آیا تو میں نے اسے آنکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ دو درہم سے زاد سفر خریدا۔ دو درہم اپنے اہل خانہ کو بطور خرچہ دیئے اور چادر درہم کی یہ چادر خرید لی جو اب میں نے اوڑھ لی ہوئی ہے۔ سرکارِ دو عالم میری یہ عرضداشت سن کر مسکرا دیئے۔ پھر فرمایا، اے عیسٰی! تم اور تمہارے کنگال دوست بخدا اگر تم لوگ کچھ عرصہ زندہ سلامت رہے تو تمہارے زاد سفر میں بہت اضافہ ہو جائے گا، اپنے اہل خانہ کے لئے تم کثیر رقم بطور خرچہ دے جایا کرو گے اور تمہارے پاس درہم اور غلاموں کی کثیر تعداد ہوگی وَمَا ذَلِكُمْ لَكُمْ بِعَيْنِي زُر و سیم کی اس بہتت میں تمہارے لئے بھلائی نہ ہوگی۔ (۱)

رسول اکرم ﷺ جب صہباء کے مقام پر پہنچے جو خیبر سے قریب تھا، عصر کی نماز ادا کی، پھر فرمایا، دسترخوان بچھاؤ اور کھانا لاؤ۔ ستو کے بغیر کھانے کے لئے کوئی چیز نہ تھی۔ یہی ستو حضور نے اور سارے لشکر اسلام نے تناول فرمائے۔ پھر کھلی کر کے مغرب کی نماز ادا فرمائی۔ پھر کچھ دیر بعد نماز عشاء سے فراغت پائی۔ ان امور سے فارغ ہونے کے بعد راستہ دکھانے والوں کو طلب کیا، ان میں سے ایک، جس کا نام حسیل بن خازم تھا حاضر ہوا اسے حکم دیا کہ ہمارے آگے آگے چلو، ہمیں ان راہیوں کے آخر تک لے جاؤ۔ وہاں سے خیبر اور شام کے درمیان سے گزرتے ہوئے ہمیں اس جگہ لے جاؤ جہاں ہم بنو غطفان اور اہل خیبر کے درمیان حائل ہو جائیں۔ اس نے تعمیل ارشاد کی اور لشکر اسلام کو لے کر ایسے مقام پر پہنچا جہاں سے متعدد راستے نکل رہے تھے۔ اس نے عرض کی، یا نبی اللہ! یہ سارے راستے ہماری منزل کی طرف جاتے ہیں۔ فرمائیے ان میں سے کس راستہ پر چلوں؟ فرمایا، ان کے

۱۔ امام محمد بن یوسف (صاحب النسخ) (م ۹۴۲ھ)، "تسلیم الہدیٰ"، شادی سے آٹھ سال پہلے، القابریۃ، بیروت، ص ۱۷۱

نام بتاتے جاؤ۔ حضور پر نور کی عادت مبارک تھی کہ ہمیشہ اچھے ناموں کو پسند فرمایا کرتے اور ان سے نیک فال لیتے اور برے ناموں اور بد فالی کو ناپسند کیا کرتے۔

اس نے عرض کی ایک راستہ کا نام حزن (غم) ہے، دوسرے کا شاش اور تیسرے کا نام حاطب (ایندھن اکٹھا کرنے والا) ہے۔ ان تینوں کو حضور نے مسترد کر دیا۔ اب ایک ہی راستہ باقی رہ گیا جس کا نام مرحب تھا، فرمایا اس راستہ پر چلو۔ (1)

لشکر اسلام اس راستہ پر چل کر وادی رجب میں جا کر قیم پذیر ہوا۔ یہی جگہ تھی جو بنو غطفان اور خیبر کے درمیان واقع تھی۔ یہاں ٹھہرنے کا مقصد یہ تھا کہ بنو غطفان کو یہود خیبر کی مدد کرنے سے روک دیا جائے۔

حدود خیبر میں داخل ہوتے وقت حضور کی دعا

جب یہ کارواں حدود خیبر میں داخل ہوا تو سرور عالم ﷺ نے حکم دیا ٹھہر جاؤ۔ سب ٹھہر گئے۔ پھر ان کلمات طیبات سے یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَخْلَلْنَ، وَرَبَّ الْاَرْضَيْنِ
السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ، وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا اَضَلَّنَّ، وَرَبَّ
الرِّيَاحِ وَمَا اَذْرَيْنَّ، فَاِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ
وَاَحْسَنِ اَهْلِهَا وَخَيْرِ مَا فِيْهَا، وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ
اَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا۔

(2)

”اے اللہ! اے سات آسمانوں اور جن چیزوں پر یہ سایہ ٹکرن ہیں ان کے رب! اے سات زمینوں اور جو انہوں نے اپنے اوپر اٹھایا ہوا ہے ان کے رب! سب کے رب!

اے شیطانوں اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے ان سب کے رب! اے ہواؤں اور جن کو وہ اڑا رہی ہیں ان سب کے رب! ہم تجھ سے ان کے اس گاؤں کی خیر اور اس کے باشندوں کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور ہم

اس گاؤں کے شر اور اس کے رہنے والوں کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔“
 پھر فرمایا اَقْدِمُوا بِسْمِ اللّٰهِ۔ اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔
 حضور نبی کریم ﷺ ہر گاؤں میں داخل ہوتے وقت یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

خیبر میں داخلہ

اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کا یہ لشکر اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول ﷺ کی قیادت میں آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ خیبر کی بستی کے بالکل نزدیک پہنچ گیا۔ ابھی رات کا اندھیرا تھا۔ وہاں سب نے کچھ دیر آرام کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ رات کے وقت کسی بستی پر حملہ نہ فرمایا کرتے بلکہ صبح صادق کے طلوع کا انتظار فرماتے۔ اگر اس وقت صبح کی اذان سامع نواز ہوتی تو حملہ کا ارادہ ترک فرما دیتے اور اگر اذان کی آواز سنائی نہ دیتی تو پھر حملہ کرنے کا حکم دیتے۔

خیبر کے یہودیوں نے یہ افواہ سن لی تھی کہ سرور عالم ﷺ ان پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں لیکن انہیں یقین تھا کہ مسلمان ان پر حملہ کرنے کی ہرگز جرأت نہیں کریں گے۔ وہ کہتے ہمارا لشکر دس ہزار جنگجو اور بہادر افراد پر مشتمل ہے۔ اسلحے کا ذخیرہ ہم نے اکٹھے کر رکھا ہے۔ ہمارے قلعے بڑے مستحکم ہیں، ان حالات میں مسلمانوں کے لئے ممکن نہیں کہ وہ ہم پر چڑھائی کر سکیں۔ اس یقین کے باوجود انہوں نے ساری احتیاطی تدبیر اختیار کر رکھی تھیں۔ صبح سویرے ان کا لشکر پریڈ کے لئے جمع ہوتا۔ اس لشکر جرار کو یوں چاق و چوبند دیکھ کر وہ کہتے۔

(1) مَعْتَدًا يَغْزُونََنَا هَيْهَاتَ! هَيْهَاتَ!

”یہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہم پر حملہ کریں گے؟ ہاں ممکن، ہاں ممکن۔“

لیکن جس رات اسلام کے جانبازوں کی فوج ظفر موج ان کے علاقہ میں پہنچی اس رات ان پر ایسی نیند مسلط ہوئی کہ طلوع آفتاب تک ان کی آنکھ تک نہ کھلی۔ نیند کے خمار میں ہے سدھ پڑے رہے یہاں تک کہ اس صبح ان کے مرغوب نے اذان تک بھی نہ دی۔

لَمْ يَحْزَرْكُوا اَيُّمَ النَّيَّةِ وَلَمْ يَصْبَحْ لَهُمْ دِيْنٌ حَتَّى

طَلَعَتِ الشَّمْسُ - (1)

جب سورج چڑھے ان کی آنکھ کھلی تو ایک گھبراہٹ ان پر مسلط تھی لیکن انہیں یہ سان گمان بھی نہ تھا کہ یہ صبح اپنے دامن میں ان کے لئے ایک فیصلہ کن گھڑی لے کر طلوع ہوئی ہے۔ وہ حسب معمول اپنی کسین، کدالیں کندھوں پر اٹھائے اور ہاتھوں میں ٹوکڑے ٹوکڑیاں پکڑے روزمرہ کے کام کے سئے کھیتوں اور باغات کی طرف روانہ ہوئے۔ باہر نکلے تو دیکھا کہ اسلام کے مجاہد اپنے قائد کی قیدت میں ان کے قلعوں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کی چیخیں نکل گئیں، بولے محمد و الخمیس یہ تو محمد (فداہ ابی و امی) اور ان کا شکر ہے۔ ہر اسماں ہو کر پیچھے پڑے اور اپنی گڑھیوں میں جا کر پناہ لی۔ سرور عالم ﷺ نے جب انہیں سراپیمہ ہو کر پیچھے بھاگتے دیکھا تو فلک شکاف غرہ لگایا اور اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ، خَيْرَبْتَ خَيْرَبُ، اِنَّا اِذَا اَنْزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْصٍ

فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُتَذَكِّرِينَ - (2)

”اللہ سب سے بڑا ہے۔ خیر اجڑ گیا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں خیمہ زن ہوتے ہیں تو جن کو ڈرا دیا جاتا ہے ان کی صبح خوفناک ہوتی ہے۔“

یہودی اپنے اپنے قلعوں میں داخل ہو کر مورچہ بند ہو گئے اور اپنے سردار سلام بن معمم کو صورت حالات سے آگاہ کیا کہ لشکر اسلام نے ان پر چڑھائی کر دی ہے۔ اس نے کہا، تم نے میری بات نہ مانی۔ میں تم کو کہا کرتا تھا کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے تم ان پر چڑھائی کرو۔ اس وقت تم نے میری بات کی پروا نہ کی۔ اب میں جو بات تمہیں کہنے لگا ہوں اس کو غور سے سنو اور اس پر عمل کرو۔ میں تمہیں کہتا ہوں کہ اب ان کے ساتھ بہادرروں کی طرح جنگ کرو۔ میدان جنگ میں جان قربان کر دینا شکست کھانے اور بھاگتے ہوئے قتل ہونے سے بدرجہا بہتر ہے۔ (3) چنانچہ انہوں نے جان کی بازی لگانے کا عزم معمم کر لیا۔ انہوں نے اپنے اموال اور اہل و عیال کو تکیہ کے قلعہ میں مجتمع کر دیا۔ غدہ کے انبار اور

اسلحہ کے ذخائر قلعہ "ناعم" میں اکٹھے کر دیئے۔ سارے جنگجو بہادروں کو قلعہ "نطاة" میں جمع کر دیا۔ سلام بن مشکم اگرچہ سخت بیمار تھا وہ بھی اس قلعہ میں فروکش ہوا تاکہ اپنے لڑاکوں کو جنگ پر براہیختہ کر سکے۔ سلام، چند روز بعد اسی قلعہ میں ہلاک ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ کو جب یقین ہو گیا کہ یہودی جنگ سے کسی قیمت پر باز نہیں آئیں گے تو حضور نے اسلام کے سارے مجاہدین کو اپنے پاس جمع کیا اور ان کے سامنے جہاد کے موضوع پر ایک اثر انگیز خطاب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے والوں اور سر کٹانے والوں کے فضائل بیان فرمائے اور حاضرین کو یہ مژدہ سنایا کہ اگر تم صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو گے اور دشمن کے سامنے فولاد کی چٹان بن کر ڈٹے رہو گے تو یقیناً فتح و ظفر تمہارے قدم چومے گی اور مال غنیمت کے ڈھیر تمہارے قدموں میں لگا دیئے جائیں گے۔ (1)

علامہ مغلاطائی اور دیگر علماء سیرت نے لکھا ہے کہ غزوہ خیبر سے پہلے مسلمان جرنیلوں کے پاس چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہوا کرتی تھیں جنہیں لواء کہا جاتا تھا۔ بڑے پرچوں کا رواج نہ تھا، ان کا آغاز غزوہ خیبر سے ہوا۔

علامہ دمیاطی کہتے ہیں کہ پہلا پرچم جو غزوہ خیبر میں قائدین لشکر اسلام کو مرحمت فرمایا گیا، وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چادر سے بنایا گیا تھا۔ اس پرچم کا رنگ سیاہ تھا۔ اس کا نام "عقاب" تھا۔ دوسرا پرچم سفید تھا۔ ان کے علاوہ چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں تھیں جو دوسرے جرنیلوں میں تقسیم کی گئیں۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا شعار تھا۔
يَا مَنْصُورُ اُمّتٍ (2)

حضرت حباب کا دامنشمندانہ مشورہ

نبی مکرم ﷺ نے لشکر اسلام کے قیام کے لئے یہودیوں کے نطاة کے قلعوں کے قریب ہی اپنے خیمے نصب کر دیئے۔ اتنے میں حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور نے یہاں قیام فرمایا ہے۔ اگر اس جگہ کا انتخاب حکم الہی سے ہوا ہے تو پھر ہم اس کے بارے میں کچھ عرض نہیں کریں گے لیکن اگر اس میں مشورہ کی

گنجائش ہے تو میں کچھ گزارش کی اجازت چاہوں گا۔ حضور نے فرمایا، یہاں قیام اپنی رائے سے ہوا ہے تم مشورہ دے سکتے ہو۔ حضرت حباب عرض پرداز ہوئے، یا رسول اللہ! حضور نے یہودیوں کے قلعوں کے بالکل قریب اپنے خیمے نصب کئے ہیں اور کھجور کے درختوں کے جھرمٹ میں قیام فرمایا ہے۔ سیم کے پانی کے جوڑ بھی یہاں آس پاس ہیں، میں نظاۃ کے قلعوں کے مکیں کو خوب جانتا ہوں، وہ بلا کے تیر انداز ہیں۔ یہ دور سے تیر چلاتے ہیں اور ان کا نشانہ خطا نہیں جاتا۔ نیز ہم نشیب میں ہیں اور وہ بندی پر، وہ بآسانی ہمیں اپنے تیروں کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ قوی اندیشہ بھی ہے کہ وہ درختوں کے جھنڈوں میں چھپ کر ہم پر شب خون ماریں گے۔ یا رسول اللہ! میری گزارش یہ ہے کہ ہم یہاں سے اپنے خیمے اکھاڑ کر ایسی جگہ لے جا کر انہیں نصب کریں کہ ان کے تیر بآسانی ہم تک نہ پہنچ سکیں، جہاں کھلا میدان ہو۔ وہ گھنے درختوں کی آڑ لے کر ہم پر اچانک حملہ نہ کر سکیں اور سیم کے پانی کے تالاب بھی وہاں نہ ہوں۔

رحمت عالم ﷺ نے حضرت حباب کی اس دانشمندانہ رائے کو بہت پسند فرمایا اور اس پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا۔ فرمایا اُشْرَتْ بِالرَّأْيِ تو نے صحیح مشورہ دیا ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ کو یاد فرمایا۔ وہ حاضر ہوئے تو انہیں حکم دیا کہ لشکرِ اسلام کے لئے ایسی جگہ تلاش کرو جو یہود کے قلعوں سے دور ہو، وبائی بیماریوں سے محفوظ ہو اور جہاں وہ ہم پر شب خون نہ مار سکیں۔

نبی کریم کے ارشاد کی تعمیل میں انہوں نے اس سارے علاقے کا سروے کیا اور واپس آ کر عرض کی، آقا! حسب ارشاد میں نے جگہ تلاش کر لی ہے۔ حضور نے صحابہ کو حکم دیا اللہ کا نام لے کر اپنی نئی قیام گاہ میں منتقل ہو جاؤ۔ محمد بن مسلمہ نے رجیع کی وادی کو رہائش کیلئے منتخب فرمایا تھا۔ اس مقام میں وہ ساری خوبیاں پائی جاتی تھیں جن کی ضرورت تھی۔ (1)

علامہ یاقوت حموی، ”معجم البدان“ میں لکھتے ہیں کہ ”رجیع“ نام کے دو مقام ہیں۔ ایک وہ مقام جہاں عضل اور قارہ کے چند اوباشوں نے دھوکا سے حضرت ضییب اور ان کے چھ ساتھیوں کو شہید کیا تھا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) یہ مقام مکہ اور طائف کے درمیان

ہے۔ دوسرا وہ مقام جہاں خیبر پر حملہ کرتے وقت لشکر اسلام نے قیام کیا تھا۔ لشکر اسلام کے یہاں قیام کرنے سے بنو غطفان کے لئے ممکن نہ رہا کہ وہ خیبر کے یہودیوں کی امداد کے لئے اپنا لشکر لے کر وہاں پہنچیں۔ یہ دونوں شہر ایک دوسرے سے چند روہن کی مسافت پر ہیں۔ (1)

فتح خیبر کے لئے سرور عالم کی جنگی حکمت عملی

آپ نے ابھی پڑھا ہے کہ خیبر کا علاقہ متعدد قطعات میں منقسم تھا۔ ہر حصہ میں متعدد قلعے تھے۔ اگر ایک وقت میں صرف ایک قلعہ پر حملہ کیا جاتا تو اس بات کا اغلب امکان تھا کہ دوسرے قلعوں والے یہودی سب اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ میں نکل آتے اور لشکر اسلام کو دشواریوں کا سامن کرنا پڑتا۔ اس لئے قائد لشکر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیبر پر لشکر کسی کے لئے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ مسلمان مجاہدوں کے چھوٹے چھوٹے دستے ترتیب دیئے اور ہر دستہ کو ایک ایک قلعہ کے لئے مخصوص کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ ہر قلعہ کے مکین اپنے دفاع میں مصروف رہیں اور اپنی بکھری ہوئی طاقت کو متحد کر کے لشکر اسلام کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ لشکر اسلام کا بڑا حصہ اپنی طاقت ایک قلعہ پر مرکوز کر کے حملہ آور ہوتا۔ اس کو فتح کرنے کے بعد یہی لشکر دوسرے قلعے پر حملہ کرتا اور دیگر مختصر دستے دوسرے قلعوں کے مکینوں کو اپنا بچاؤ کرنے میں مصروف رکھتے۔ (2)

خیبر کا محل وقوع

علامہ محمد رضا مصری، اپنی کتاب ”محمد رسول اللہ“ میں خیبر کے بارے میں لکھتے ہیں ”خیبر، ایک وسیع و عریض زرخیز قطعہ زمین کا نام ہے جو مدینہ طیبہ سے شام کی طرف آٹھ برید کے فاصلہ پر واقع ہے ایک برید، بارہ میلوں کی مسافت کو کہتے ہیں، چنانچہ مدینہ طیبہ سے خیبر کی کل مسافت چھیانوے عربی میل بنتی ہے۔ یہاں کے سارے باشندے یہودی تھے۔ اس علاقہ میں متعدد قلعے، بے شمار کھیت اور کثیر التعداد نخلستان تھے۔

1۔ محمد بن یزید، محمد بن حنفیہ (1178-1129ء) ”محمد بن حنفیہ“ جلد 3 صفحہ 29

2۔ ”معارف المستشرقین“، جلد 2، صفحہ 383

یہاں کے باشندے متعدد وادیوں میں بکھرے ہوئے تھے، وہ وادیاں باہم قریب قریب تھیں۔ انہوں نے اپنے کھیتوں کے درمیان قلعے تعمیر کئے ہوئے تھے۔“ (1)

حصون خیبر

خیبر کا خطہ بنیادی طور پر تین حصوں میں منقسم تھا اور ہر حصہ متعدد قلعوں پر مشتمل تھا۔

- 1- حصون النطاة: اس حصہ میں یہ تین قلعے تھے (ا) النعم (ب) الصعب (ج) قلعة زبیر
- 2- حصون اشق: اس حصہ میں دو قلعے تھے (ا) حصن ابی (ب) حصن براء۔ اس قلعہ کو سربید بھی کہا جاتا تھا۔

3- حصون التثیبہ: اس حصہ میں تین قلعے تھے (ا) حصن القمص (ب) وطح (ج) سلم خیبر کے گرد و نواح میں یہودیوں کی اور کئی بستیاں بھی تھیں مثلاً فدک اور تماء جبکہ تماء اور خیبر کے درمیان ایک وادی میں چھوٹے چھوٹے دیہات واقع تھے اس لئے اس وادی کو ”وادی القری“ کہا جاتا ہے۔ یہ ساری آبادیاں اور ان سے ملحقہ زمینیں یہودیوں کے تصرف میں تھیں۔ یہاں کی آب و ہوا صحت کے لئے بہت مضر تھی جس کی وجہ سے یہاں اکثر وبائی امراض بخار وغیرہ کا دور دورہ رہتا تھا۔

جنگ کا آغاز

سب سے پہلے حضور نبی کریم ﷺ نے غزاة کے قلعوں کو فتح کرنے کا عزم فرمایا۔ اور غزاة کے قلعوں میں سب سے پہلے قلعہ ناعم کا محاصرہ کیا۔ اس دن نبی کریم ﷺ نے مجاہدین اسلام کو یہ ہدایت فرمائی:

لَا تَسْتَمُوا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْتَمُوا اللَّهَ الْعَافِيَةَ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ مَا تُهْتَلُونَ بِهِ مِنْهُمْ فَإِذَا الْقَيْتُوهُمْ فَقُولُوا اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبَّنَا وَرَبُّهُمْ تَوَاصَيْتَنَا وَتَوَاصَيْتَهُمْ بِبَيْدِكَ إِنَّمَا تَقَتُّلُهُمْ أَنْتَ ثُمَّ الزُّمُوا الْأَرْضَ جُلُومًا فَإِذَا غَشَّوْكُمْ فَانْهَضُوا وَكَتَبُوا

(2)

”دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت اور سلامتی کا سوال کرتے رہو۔ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ دشمن کے مقابلہ میں تمہیں کس طرح آزمایا جائے گا لیکن جب دشمن سے مقابلے کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو اور آئنا سامنا ہو جائے تو یہ دعا مانگو، اے اللہ! ہمارا بھی تو ہی رب ہے اور ان کا بھی تو ہی رب ہے۔ ہماری پیشانیاں اور ان کی پیشانیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ تو ہی ان کو موت کے گھاٹ اتارنے والا ہے۔ یہ دعا مانگنے کے بعد زمین پر جم کر بیٹھ جاؤ، جب وہ تم پر حملہ کریں تو کھڑے ہو جاؤ اور نصیر و تکبیر بلند کرو اور جنگ شروع کر دو۔“

نبی کریم ﷺ کی اجازت سے مسلمانوں نے سب سے پہلے حصن ناعم کا محاصرہ کیا۔ سرادون جنگ ہوتی رہی اور فریقین داد شجاعت دیتے رہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس روز سر مبارک پر خود سجایا ہوا تھا، دوزر میں پہنی ہوئی تھیں، ہاتھوں میں نیزہ اور ڈھال تھی اور جس گھوڑے پر حضور سوار تھے اس کا نام ”انظرب“ تھا۔ یہودی لشکر اسلام پر تیرہ برساتے رہے۔ مسلمان انہی تیروں کو چن چن کر یہودیوں کی طرف بولتے رہے۔ جب شام ہو گئی تو حضور ﷺ مع صحابہ کرام اس مقام پر لوٹ آئے جو محمد بن مسلمہ نے لشکر اسلام کی قیام گاہ کے لئے تجویز کیا تھا۔ ہر صبح مسلمان اس قلعہ پر حمد کرتے اور شام کو واپس آجاتے۔ (1)

خیبر کا قلعہ ناعم جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا

علامہ ابن کثیر نے اپنی کتاب ”السیرۃ النبویہ“ میں، علامہ مقریری نے ”امتن الائمہ“ میں اور دیگر متعدد سیرت نگاروں نے اپنی اپنی تالیفات میں لکھا ہے کہ مرحب، اپنے بھائیوں کے ہمراہ اسی قلعہ میں موجود تھا اور سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اس کی جنگ اسی قلعہ کے دروازے کے سامنے ہوئی جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

حضرت برید و رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی کبھی درد شقیقہ کی تکلیف ہوتی تھی۔ یہ تکلیف ایک دو روز جاری رہتی تھی۔ جب حضور خیبر میں تشریف لے تو پھر اس درد شقیقہ کی تکلیف ہوئی۔ جس کی وجہ سے آپ ہاتھ تشریف نہ لاسکے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا پرچم عطا فرما کر بھیجی جنہوں نے ان کے ساتھ شدید جنگ کی لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ دوسرے روز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کا پرچم لے کر قلعہ پر حملہ کیا اور شدید جنگ کی جو پہلے دن سے بھی زیادہ سخت تھی لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ بارگاہ رسالت میں صورت حال عرض کی گئی، حضور نے فرمایا:

لَا تُعْطِينَ رَايَةَ عَدَاوَةٍ إِلَّا يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَيْهِ لَيْسَ بِفَرَايِمٍ
يُحِبُّ اللَّهُ وَرَسُولُهُ يَأْخُذُهَا عَنْوَةً

”کل میں یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس قلعہ کو فتح فرمائے گا، وہ شخص فرار نہیں ہوگا، وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا ہوگا اور قوت بازو سے اس قلعہ پر قابض ہو جائے گا۔“

حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی سب مجاہدین نے سن لیا۔ ان کی یہ رات بچ و تاب کھاتے گزری ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ سعادت اس کو نصیب ہو۔ جب صبح ہوئی تو سارے مجاہدین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ وہ یہ جاننے کے لئے اذہبے قرار تھے کہ وہ کون خوش نصیب ہے جس کو آج پرچم عطا کیا جائے گا۔

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ آشوب چشم کی تکلیف کے باعث مدینہ طیبہ سے حضور کے ہم رکاب خیبر کی طرف روانہ نہیں ہو سکے تھے۔ جب سرکارِ دو عالم ﷺ مدینہ طیبہ سے روانہ ہو گئے تو علی مرتضیٰ نے اپنے دل میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ جہد پر تشریف لے جائیں اور میں پیچھے رہ جاؤں؟ بخدا ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ چنانچہ دکھتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنے آقا کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ خیبر میں حضور کے قریب جا کر اپنی اونٹنی بٹھائی اور حالت یہ تھی کہ آنکھوں پر پٹی بندھی تھی۔ اس روز جب حضور ﷺ نماز جمعہ ادا فرما چکے تو جھنڈا منگوایا اور کھڑے ہو کر لوگوں کو وعظ فرمایا۔ پھر پوچھا اَیْنَ عَلِیُّ عَلِیُّ کہاں ہیں؟ عرض کی گئی، ان کی دونوں آنکھیں دکھتی ہیں، اس لئے یہاں موجود نہیں۔ حضور نے انہیں بلا بھیجی۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کو بلائے کے لئے میں گیا۔ میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر حضور کی خدمت میں لے آیا۔ رحمتِ عالم ﷺ نے پوچھا علی! تمہیں کیا ہے؟ عرض کی، یا رسول اللہ! آنکھیں دکھنے لگی ہیں اور مجھے

اپنے سامنے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا میرے نزدیک آ جاؤ۔ سیدنا علی فرماتے ہیں، میں نزدیک ہوا، حضور نے میرا سر اپنی گود مبارک میں رکھا، پھر اپنا لعاب دہن ہاتھوں پر لگا کر میری آنکھوں پر ملا تو میں اسی وقت صحت یاب ہو گیا گویا مجھے کبھی آشوب چشم کی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔ اس لعاب دہن کی برکت سے ساری عمر آپ کی آنکھوں کو کبھی تکلیف نہ ہوئی۔ پھر حضور نے انہیں پرچم عطا فرمایا۔

آپ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا میں ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں؟ حضور نے فرمایا، آہستہ آہستہ ان کے میدان میں جاؤ اور وہاں پہنچ کر انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دو۔ نیز انہیں بتاؤ کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کون سے حقوق ان پر واجب الاداء ہوں گے۔ اے علی! بخدا اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لئے اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ تمہیں سرخ اونٹ دیئے جائیں۔

حضرت علی رخصت ہو کر قلعہ کے سامنے تشریف لے گئے اور جا کر اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔ ایک یہودی نے اس قلعہ کی چھت سے جھانکا اور آپ کو دیکھ کر پوچھا، آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا، میں علی ہوں، یہودی کے منہ سے نکلا کہ اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی، آپ یہودیوں پر غالب آ جائیں گے۔

یہودیوں کی طرف سے قلعہ سے جو شخص پہلے نکلا وہ مرحب کا بھائی حارث تھا۔ اس نے آکر دعوت مبارزت دی۔ سیدنا علی مرتضیٰ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے۔ آپ نے چبک جھپکنے میں اس کا کام تمام کر دیا اور جو یہودی حارث کے ساتھ گئے تھے، وہ وٹ کر اپنے قلعہ میں آ گئے۔ پھر ایک دوسرا یہودی جو طویل القامت اور بھرے ہوئے جسم کا تھا، اس کا نام "حار" تھا، وہ مقابلہ کے لئے نکلا تو حضور نے فرمایا، اس پانچ گزے کو تم دیکھ رہے ہو؟ حضرت علی مرتضیٰ اس کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ آپ نے اس پر کئی وار سے تیمن اس کا کچھ نہ ہوا۔ پھر آپ نے اس کی پٹھنیوں پر تلوار کا وار کیا، وہ گھٹنوں کے تل گر پڑا اور آپ نے اس کو جہنم رسید کیا اور اس کے متحیر رہنے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد ایک درمیانی میدان میں تھا۔ اس کا نام "ایم" تھا اور اس کے رازیہ شہر پرانے شان سے یہودیوں کے پاس تھا۔ تلوار اور سپاہیوں میں سے تھا۔ اس نے ہاتھ میں یہ چھوٹا تھوڑا سا سے دو گھوڑوں

کہا کرتا تھا۔ اس کے مقابلے کے لئے بھی شیر خدا علی مرتضیٰ میدان میں آئے۔ حضرت زبیر بن عوام نے آپ کو کہا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ میرے دور اس کے درمیان حائل نہ ہوں۔ چنانچہ علی مرتضیٰ درمیان سے ہٹ گئے۔ حضرت زبیر کی دلدہ اور حضور کی پھوپھی حضرت صفیہ نے جب دیکھا کہ ان کا لخت جگر اس پیل تن یہودی کے سامنے نکل آیا ہے تو عرض کی، یا رسول اللہ! کیا یہ شخص میرے بیٹے کو قتل کر دے گا؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

بَلِ ابْنُكَ يَقْتُلُكَ إِن شَاءَ اللَّهُ

”اس کی کیا مجال کہ آپ کے بیٹے کا باں بیکا کر سکے، آپ کا بیٹا اس کو قتل کر دے گا، ان شاء اللہ“

چنانچہ حضرت زبیر رجز کہتے ہوئے اس کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ آپ اپنی تلوار کی ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کر دیا۔ جب حضرت زبیر نے یاسر کو داخل جہنم کیا تو رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میرا چچا اور خالو تم پر قربان ہوں۔ پھر فرمایا، ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری میری پھوپھی کا لڑکا زبیر ہے۔

امام مسلم نے سلمہ بن اکوع سے روایت کیا ہے کہ مرحب اپنی تلوار ہوا میں لہراتا ہوا میدان میں نکلا، اس کے سر پر زرد رنگ کا خود تھا جو یکن کا بنا ہوا تھا۔ اس نے یہ رجز پڑھتے ہوئے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی:

قَدْ عَلِمْتُ خَيْبَرُ أَتَى مَرْحَبٌ شَاكِي السِّلَاحِ بَطْلٌ مُجَرَّبٌ

إِذَا اللَّيْثُ أَقْبَلَتْ تَدَقُّبٌ

”خیبر کے درو دیوار جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں۔ ہتھیاروں سے مسلح ہوں، بہادر ہوں اور تجربہ کار ہوں۔ جب شیر مجھ پر حملہ کرتے ہیں تو میں جوش سے بھڑک اٹھتا ہوں۔“

اس کے مقابلہ کے لئے عامر بن اکوع نکلے اور آپ نے یہ رجز پڑھا:

قَدْ عَلِمْتُ خَيْبَرُ أَتَى عَامِرٌ شَاكِي السِّلَاحِ بَطْلٌ مُغَامِرٌ

”خیبر جانتا ہے کہ میرا نام عامر ہے۔ میں اسلحہ سے مسلح ہوں، بہادر ہوں اور خطرات میں کود جانے والا ہوں۔“

انہوں نے ایک دوسرے پر وار کئے۔ مرحب کی تلوار حضرت عامر کی ڈھال پر لگی۔ عامر نے جھک کر اس پر اپنی تلوار کا وار کیا۔ آپ کی تلوار زیادہ لمبی نہ تھی اور وہ آپ کے گھٹنے کی بڈی پر جا لگی جس کے باعث وہ شہید ہو گئے۔ مرحب پھر شیر کی طرح دھاڑتا ہوا میدان میں آیا۔ رجز پڑھا اور مد مقابل کا مطالبہ کیا۔ اب اس کے سر غرور کو خاک مذلت میں ملانے کے لئے اللہ کے شیر سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔ آپ نے سرخ رنگ کا جب پہنا ہوا تھا اور آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

أَنَا الَّذِي سَمَّيْتَنِي حَيْدًا
كَلَيْتَ غَابَاتٍ كَرِيْبٍ الْمَنْظَرِ
أَوْفِرْهُم بِالضَّاعِ كَيْلَ السَّندَرِ

”میں وہ ہوں جس کا نام اس کی ماں نے حیدر رکھا ہے، جنگل کے شیروں کی طرح میں بڑا خوفناک ہوں، میں ان کو ایک صاع کے بدلے بہت بڑے پیالے سے باپ کر دوں گا۔“

آپ نے اپنی شمشیر خارہ گداز کا وار مرحب کے سر پر کیا۔ آپ کی تلوار اس کے فولادی خود کا نٹی ہوئی اس کے دانتوں تک اتر گئی۔ پھر آپ نے اس کے سر کو کاٹ کر تن سے جدا کر دیا۔

امام احمد سے مروی ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ جب میں نے مرحب کو قتل کیا تو میں اس کا سر کاٹ کر لے آیا اور بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔

حضرت جابر کی ایک روایت میں ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا۔ لیکن صحیح مسلم میں سلمہ بن اکوع کی روایت سے یہ مروی ہے کہ مرحب کو موت کے گھاٹ اتارنے والے سیدنا علی مرتضیٰ تھے۔

حدیث بریدہ بن الحصیب اور ابی نافع کی حدیث سے اس قول کی تائید ہوتی ہے اور جابر کی روایت سے امام مسلم کی حدیث زیادہ قوی اور اس پر دو وجوہ سے مقدم ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس سند سے صحیح مسلم کی حدیث مروی ہے وہ دوسری سند سے اصح ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت جابر خیبر کی جنگ میں شریک نہ تھے، ان کی روایت دید پر نہیں شنید پر موقوف ہے۔ لیکن حضرت سلمہ، بریدہ اور ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ تینوں اس جنگ میں شریک تھے اور انہوں نے چشم دید واقعہ بیان کیا ہے۔ ابومر نے بھی اسی روایت کی صحیح

کی ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ نے مرحب کو قتل کیا تھا۔ اور علامہ ابن اثیر کا یہی قول ہے۔ (1)
ایک سیاہ فام غلام کا اسلام قبول کرنا

امام بیہقی نے حضرت جابر، حضرت انس، عروہ اور موسیٰ بن عقبہ سے مندرجہ ذیل واقعہ نقل کیا ہے:

اہل خیبر میں سے کسی یہودی کا ایک سیاہ فام غلام تھا جو اس کاریوز چرایا کرتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے مالک کے قبیلہ والوں نے ہتھیار سجائے ہیں اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو اس نے ان سے پوچھا، تمہارا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے اسے بتایا کہ ہم اس شخص سے لڑنا چاہتے ہیں جو یہ خیال کرتا ہے کہ وہ نبی ہے۔ ان یہودیوں کی زبان سے اس حبشی غلام نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر سنا۔ اس نے اپنا کاریوز لیا اور اسے چرانے کے لئے باہر لے گیا۔ مسلمانوں نے اس کو پکڑ لیا اور رسول کریم ﷺ کے پاس لے آئے۔ ابن عقبہ کہتے ہیں کہ وہ خود اپنی بھیڑوں کو لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس سے گفتگو فرمائی۔ اس آدمی نے پوچھا، آپ کیا کہتے ہیں اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ حضور نے فرمایا، میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خدا نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔ اس غلام نے پوچھا، اگر میں یہ شہادت دے دوں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ رحمتِ عالم نے فرمایا، اگر تو ایمان لے آیا تو تجھے جنت ملے گی۔ وہ غلام مسلمان ہو گیا اور عرض کی:

اے اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول! میں ایسا شخص ہوں جس کی رنگت کالی ہے، جس کا چہرہ بد صورت ہے، جس سے بدبو اٹھ رہی ہے، میرے پاس کوئی ماں بھی نہیں۔ اگر میں ان یہودیوں کے ساتھ جنگ کروں اور قتل کر دیا جاؤں تو کیا جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ حضور نے فرمایا، بے شک۔

اس نے پھر عرض کی، اے اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول! یہ بکریاں میرے پاس ان کے مالکوں کی امانت ہیں، میں ان کا کیا کروں؟ حضور نے فرمایا کہ ان کو لشکر سے نکال کر لے جاؤ اور انہیں کنکریاں مار کر ان کے مالک کی طرف بھگا دو، اللہ تعالیٰ تیری امانت تیری طرف سے ادا فرمائے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ حضور اس کی دینت داری کے بارے میں سن کر متعجب ہوئے۔ وہ بکریاں اکٹھی ہو کر بڑی تیزی سے اپنے مالکوں کی طرف چل پڑیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی چرواہا انہیں ہانک کر لے جا رہا ہے۔ چنانچہ ہر بکری اپنے اپنے مالک کے پاس پہنچ گئی۔ پھر وہ جھشی غلام میدان جنگ کی طرف گیا اور یہودیوں سے لڑنا شروع کیا۔ اسے ایک تیر لگا جس سے وہ شہید ہو گیا مسلمان ہونے کے بعد اسے ایک سجدہ کرنے کی بھی مہلت نہیں ملی تھی۔ مسلمان اسے اٹھا کر اپنے لشکر کی طرف لے گئے۔ رحمت عالم نے فرمایا، اسے میرے خیمہ میں لے جاؤ۔

چنانچہ اسے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خیمہ میں داخل کر دیا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو خیمہ میں اس کے پاس گئے۔ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ حَسَنَ اللَّهُ وَجْهَكَ وَطَيَّبَ رِيْحَكَ وَكَثَّرَ مَالَكَ

”اے جھشی غلام! تیرے چہرے کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت بنا دیا ہے،

تیری بدبو کو خوشبو سے بدل دیا ہے اور تیرے مال کو بہت بڑھا دیا ہے۔“

حضور نے فرمایا، میں نے دو حوروں کو دیکھا کہ اس کے چہرے پر لگی گرد و غبار کو جھاڑ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو خاک آلود کرے جس نے تیرے چہرے کو غبار آلود کیا ہے اور اس شخص کو ہلاک کرے جس نے تجھے شہید کیا ہے۔ (1)

محمود بن مسلمہ کی شہادت

قصد عام کے محاصرہ کے یام میں ایک روز جب جنگ کی شدت کم ہوئی تو محمود بن مسلمہ قصد کی دیوار کے سائے میں سنانے کے لئے بیٹھ گئے۔ چونکہ شدید گرمی تھی اس لئے آپ نے اپنا خود اتار کر نیچے رکھ لیا۔ یہودیوں نے جب آپ کو یوں بیٹھ دیکھا تو انہوں

نے اس موقع کو غنیمت سمجھا ان میں مرحب بھی تھو وہ قلعہ کی چھت پر گیا اور وہاں پڑے ہوئے چکی کے پاٹ کو اس نے آپ کے سر پر گر کر کچل دیا جس سے بعد میں آپ شہید ہو گئے۔

جب سیدنا علی مرتضیٰ نے مرحب کے پرچے اڑا دیئے اور اسے داخل جہنم کیا تو سرور عالم ﷺ نے محمود بن مسلمہ کے بھائی محمد بن مسلمہ کو فرمایا:

”اے محمد! تمہیں مبارک ہو، تمہارے بھائی کا قاتل قتل کر دیا گیا ہے۔“

یہ سن کر محمد بن مسلمہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ جس روز محمود بن مسلمہ، اس زخم کی تاب نہ لا کر شہید ہوئے اسی روز مرحب کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ (1)

حصن صعب

قلعہ ناعم کو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے حصن الصعب، کو اپنے محاصرہ میں لیا اور تین دن تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ یہ بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ ایک یہودی کاریوز چرنے کے لئے قلعہ سے باہر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو اس ریوڑ سے چند بکریاں پکڑ کر لے آئے؟ حضرت کعب بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ غلام حاضر ہے۔ چنانچہ میں اس ریوڑ کے پیچھے دوڑا اور اس ریوڑ سے دو بکریاں پکڑ لیں اور باقی ریوڑ قلعہ میں داخل ہو گیا۔

میں نے ان بکریوں کو اپنی بغل کے نیچے دبایا اور تیزی سے واپس دوڑ۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے میں نے کوئی چیز اٹھائی ہی نہیں ہے۔

میں انہیں لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضور انور کے حکم سے انہیں ذبح کیا گیا اور لشکر اسلام میں ان کا گوشت تقسیم کر دیا گیا۔ سب مجاہدین نے ان کا گوشت کھیا۔ حضرت کعب سے پوچھا گیا تمہاری تعداد کتنی تھی؟ آپ نے فرمایا بہت بڑی تعداد تھی (لیکن حضور کی برکت سے سب نے سیر ہو کر کھیا)

بنی اسلم قبیلہ کا ایک مجاہد بیان کرتا ہے کہ ہم نے نطاۃ کے قلعوں کا دس دن تک محاصرہ کئے رکھا لیکن ہم کسی ایسے قلعہ کو فتح نہ کر سکے جس میں سامان خوردنی دریافت ہوا ہو۔ مسلسل فوج کشی نے ہمارا حال کر دیا تھا۔ ہم نے اسماعیل بن حارث کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور کی

خدمت میں بھیجا کہ جا کر ہماری حالت زار بیان کرے۔ وہ حاضر ہوئے اور عرض کی، یا رسول اللہ! اسلم کے قبیلے والے سلام عرض کرتے ہیں، ساتھ ہی یہ التجا کرتے ہیں کہ بھوک اور بیماری نے ہمیں بے حال کر دیا ہے، ہمارے لئے بارگاہ الہی میں دعا فرمائیے۔ جب اسماء نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بنی اسلم کا پیغام پہنچایا تو حضور نے دعا کے لئے بارگاہ الہی میں ہاتھ اٹھائے اور عرض کی:

اَللّٰهُمَّ فَاقْتَحِرْ عَلَيْهِمْ اَعْظَمَ حَسَنٍ فِيْهَا اَكْثَرُهَا طَلْعًا
وَاَكْثَرُهَا دَوْدُكَا۔

”اے اللہ! ان قلعوں میں سے بڑا قلعہ ان کے لئے فتح فرما جس میں خور و نوش کا سامان اور گھنی و چربی کثیر مقدار میں ہو۔“

پھر حضور نے اس روز جھنڈا احباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا اور لوگوں کو ان کے ساتھ جہاد پر جانے کی ترغیب دی چنانچہ نبی مکرم ﷺ کی دعا کی برکت سے اسی روز شام سے پہلے یہ قلعہ ”اصعب“ فتح ہو گیا اور اس میں اشیائے خور و نوش کے بے پناہ ذخائر دستیاب ہوئے۔

سارا دن شدید جنگ ہوتی رہی۔ یہودیوں کی طرف سے ان کا ایک نامور بہادر ”یوشع“ نامی میدان میں نکلا اور کہا ہے میرے ساتھ کوئی نبرد آزمائی کرنے والا؟ خود حضرت حباب اس کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ ایک دوسرے پر تلوار کے وار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت حباب کے ایک وار نے اس کا کام تمام کر دیا۔

اس کے بعد ایک اور یہودی جس کا نام ”ذیال“ تھا، دو میدان میں نکلا، اور مسلمانوں کو لاکار۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے حضرت عمارہ بن قتبہ الغفاری میدان میں آئے اور بجلی کی سرعت سے اس کے سر پر تلوار کا وار کیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ساتھ ہی یہ نعرہ لگایا۔ خُذْهَا وَاَنَا الْغَلَامُ الْغَفَّارُ ”میں ہوں غفاری نوجوان“ ان کے اس اعلان پر بعض لوگوں نے کہا کہ ان کا جہاد باطل ہو گیا کہ انہوں نے اپنا خرہ لگایا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے یہ سننا تو فرمایا

”بَشِيرٌ سَوَابِرٌ يَّجِيءُكَاسُ كِي سَتَشِي بِي“۔

اس رشتہ نبوی سے معلوم ہوا کہ دشمن کے مد مقابل اپنا نام لے کر لاکارنا ممنوع نہیں

بلکہ وہ شخص اجرا و ثناء کا مستحق ہوتا ہے۔

اس قلعہ کو فتح کرنے کے لئے جو جنگ ہوئی علامہ مقریزی اس کا خلاصہ یوں بیان کرتے ہیں ”پہلے دو روز مسلمان اس قلعہ پر حملہ آور ہوتے رہے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ تیسرے روز جب حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلام کے ساتھ اس قلعہ پر حملہ کیا، آپ کے ہاتھ نبی کریم ﷺ کا عطا فرمودہ پرچم تھا۔ فریقین میں گھمسان کا رن پڑا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس حمد میں بنفس نفیس شریک تھے۔ جب یہود نے سرور عالم ﷺ کو دیکھا تو تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ مسلمان حضور کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے جتنے تیر یہودیوں کی کمانوں سے نکلتے تھے انہیں اسلام کے جانباز اپنے کشتہ سینوں پر روکتے تھے۔ یہود نے پھر ایک شدید حملہ کیا جس کی تاب نہ لا کر مسلمان سامنے سے ہٹ گئے یہاں تک کہ یہودی سپاہی رسول اکرم ﷺ کے قریب پہنچ گئے۔ حضور اپنے گھوڑے سے اتر کر نیچے کھڑے تھے۔ حضور کے غلام ”مد عم“ نے گھوڑے کی باگیں پکڑی ہوئی تھیں۔ اس نازک وقت میں بھی حضرت حباب اپنی جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے سامنے ڈٹ گئے اور اسلام کے پرچم کو بھراتے رہے اور یہودیوں پر تیر برساتے رہے۔

سرور عالم ﷺ نے مسلمانوں کو جہاد کے لئے پکارا تو بکھرے ہوئے مسلمان پروانوں کی طرح ہجوم کر کے شمع نبوت پر قربان ہونے لگے۔ جنگ اپنے شباب پر تھی کہ یہود کی صفوں میں شکست کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ وہ دوڑ کر قلعہ کے اندر گھس گئے اور آہنی دروازے بند کر لئے۔ پھر قلعہ کی فصیل پر کھڑے ہو کر انہوں نے سنگباری شروع کر دی۔ اس بے پناہ سنگباری کے باعث مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ لیکن معا بعد جوش شہادت سے سرمست ہو کر مسلمانوں نے یہود پر حمد کر دی۔ یہودی قلعہ سے باہر آ گئے اور وادہ شجاعت دینے لگے۔ اس معرکہ میں تین مسلمان شہید ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے دلوں میں مسلمانوں کا خوف دہرا کر پیدا کر دیا۔ وہ شکست کھا کر واپس بھاگے۔ مسلمان بھی ان کے پیچھے قلعہ میں داخل ہو گئے اور یہودیوں کا

بے دریغ قتل شروع کر دیا اور جو زندہ بچے ان کو قیدی بنالیا۔ (1)

محمد بن مسلمہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی کمان کے چلہ پر تیر رکھ کر ان کو ہدف بنالیا تو اس ایک تیر سے سب غر حال ہو کر پسپا ہو گئے اور مسلمان اس قلعہ میں داخل ہو گئے۔

علامہ مقریزی کہتے ہیں کہ خوراک کے جو ذخائر مسلمانوں کو اس قلعہ سے دستیاب ہوئے ان میں جو، بھجور، گھی، شہد، تیل، چربی اور دیگر بے شمار اشیاء تھیں۔ حضور کے حکم سے ایک منادی کرنے والے نے اعلان کیا کُلُوا وَاعْبُدُوا وَلَا تَحْتَمِلُوا ثَوْدَ جَانُورٍ کو کھاؤ لیکن کوئی چیز اٹھا کر نہ لے جاؤ۔ (2)

اس قلعہ سے مسلمانوں کو یمن سے آئے ہوئے کپڑے کی بیس لگانھیں دستیاب ہوئیں۔ مختلف قسم کی شرابوں کے مٹکے ملے۔ ان کو توڑ دیا گیا اور شراب بہادی گئی۔ تانبے اور مٹی کے برتن ملے جن میں یہود کھایا پیتے تھے۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ ان کو خوب دھوؤ۔ پھر ان میں کھانا پکاؤ اور کھاؤ پو۔ ان اشیاء کے علاوہ بھیڑ بکریوں کے ریوز، گائے کے گھے اور کثیر تعداد میں گدھے بھی ملے۔ ایک یہودی کی نشان دہی پر زیر زمین مکان سے اسلحہ دریافت ہوا جس میں منجنیق اور دیابات وغیرہ کی کثیر تعداد تھی۔ ایک مسلمان جس کا نام عبد اللہ الحمار تھا، اس نے شراب پی۔ حضور نے اس کی جوتوں سے مرمت کی اور جو لوگ موجود تھے انہیں بھی حکم دیا کہ اسے جوتے ماریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں کہا، اس پر خدا کی لعنت ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا قَدْ نَفَخْتُ فِي حَبِّ النَّارِ وَرَسُولُكَ کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اس کے اس پر لعنت مت بھیجو۔ (3)

حصن قلعہ الزبیر

پہاڑی چوٹی کو عربی میں قلعہ کہتے ہیں۔ یہ علاقہ کیونکہ حضرت زبیر کے حصہ میں آیا تھا اس سے اس چوٹی کو آپ کے نام سے موسوم کیا گیا اور یہ قلعہ اس پہاڑی چوٹی پر تھا، اس

لئے یہ قلعہ ”حصن قلۃ الزبیر“ کے نام سے مشہور ہوا۔

ان دونوں قلعوں (ناعم اور صعب) کو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے حصن قلۃ الزبیر کا محاصرہ کیا کیونکہ پہلے دو قلعوں کے سارے یہودی بھی یہاں جمع ہو گئے تھے۔ تین روز تک اس کا محاصرہ جاری رہا۔ اس اثناء میں ایک یہودی جس کا نام غزال تھا، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، اے ابوالقاسم! اگر آپ مجھے امان دیں تو میں آپ کو ایک راستہ بتاؤں گا جس سے آپ نطاع کے سرے قلعوں کو فتح کر کے مطمئن ہو جائیں گے اور اس کے بعد آپ اہل شق کی طرف متوجہ ہو سکیں گے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اس کو اس کے اہل و عیال اور اس کے اموال کو امان دے دی۔ امان پانے کے بعد اس نے کہا، اگر آپ ایک مہینہ بھی اس قلعہ کا محاصرہ جاری رکھیں تو یہود کو ذرا پروا نہ ہوگی۔ انہوں نے زیر زمین پانی کے نئے سرنگیں بنائیں ہیں، رات کی تاریکی میں وہ نکلتے ہیں، پانی سے سیراب ہو کر قلعوں میں واپس آتے ہیں اور تازہ دم ہو کر آپ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اگر آپ ان سرنگوں کو کاٹ دیں تو وہ شدت بیاس سے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضور نے ان کی سرنگوں کو کاٹ دیا۔ وہ باہر نکل آئے اور مسلمانوں سے جنگ شروع کی۔ خوب بہادری کے جوہر دکھائے۔ کئی مسلمان بھی شہید ہوئے یہودیوں میں سے دس یہودی قتل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول نے اس قلعہ کو بھی فتح کر لیا۔ یہ نطاع کے قلعوں میں آخری قلعہ تھا جو فتح ہوا تھا۔

ان سے فارغ ہونے کے بعد سرور عالم ﷺ ”شق“ کے علاقہ کے قلعوں کو فتح کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ (1)

شق کے قلعوں کی فتح

حصن اہلی

اس علاقہ میں بھی متعدد قلعے تھے۔ سب سے پہلے جس قلعہ کو فتح کرنے کے لئے حضور متوجہ ہوئے وہ ”حصن اہلی“ تھا۔ یہودیوں میں سے ایک بہادر جس کا نام عزوال تھا، بعض نے اس کا نام عزال بتایا ہے، میدان میں نکلا اور **هَلْ مِنْ مُّجِبِّائِینَا** کا نعرہ بلند کیا، حضرت حباب بن منذر اس کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ دونوں ایک دوسروں پر حملہ آور ہوئے۔ کافی دیر تک ایک دوسرے کو اپنی ضربات کا نشانہ بناتے رہے۔ پھر حضرت حباب نے اپنی تلوار کے وار سے اس کا دایاں بازو کاٹ دیا۔ عزوال کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی، وہ پیچھے مڑا تاکہ قلعہ میں داخل ہو لیکن حضرت حباب نے اسے بھاگنے نہ دیا۔ اس کے پاؤں کو کاٹ ڈال، وہ گر پڑا، اور پھر اس کا کام تمام کر دیا۔

اس کے بعد ایک اور یہودی نکلا۔ اس نے بھی **هَلْ مِنْ مُّجِبِّائِینَا** کا نعرہ لگایا۔ اس کے مقابلہ کے لئے ایک مسلمان مجاہد نکلا لیکن اس یہودی نے اس کو شہید کر دیا اور پھر مد مقابل کے لئے چیلنج دیا۔ اب اس کے مقابلہ کے لئے ابودجانہ رضی اللہ عنہ اپنی شمشیر آبدار ہراتے ہوئے نکلے، آپ نے اس وقت اپنے خود پر سرخ دوپٹہ باندھا ہوا تھا اور بڑے فخر و ناز سے غمیلے ہوئے اس کے مقابل آئے۔ ابودجانہ نے پہلے وار سے ہی اس کی ہاتھیں کاٹ دیں اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا، پھر اس کی تلوار زردہ اور دوسرا سامان لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ہر چیز ابودجانہ کو عطا فرمادی۔ اس کے بعد کسی یہودی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ میدان میں آکر کسی مسلمان کو لٹکا سکے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور قلعہ کے دروازوں کو توڑتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ حضرت ابودجانہ ان حملہ آور مسلمانوں کی قیادت کر رہے تھے۔ جتنے یہودی تھے، سب بھاگ بھاگے ہوئے اور قلعہ کی دیواروں پر چڑھ کر نیچے چھوٹ گئے اور وہاں سے

شق کے دوسرے قلعہ "حِصْنُ الْيَزَالِ" میں جا کر پناہ لی۔ اس قلعہ میں سے مسلمانوں کو کثیر
التعداد بھیڑ بکریاں اور کھانے کا سامان ہاتھ آیا۔ (1)

حصن البرای

نطاۃ کے قلعوں کے شکست خوردہ یہودی بھی اسی قلعہ میں اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے
قلعہ کے دروازے بند کر لئے اور شکر اسلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔
رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ سمیت ان پر بلہ بول دیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ انہوں
نے مسلمانوں پر تیر اور پتھروں کی بوچھاڑ کر دی۔ کئی تیر سرکارِ دو عالم ﷺ کے لباس کے
ساتھ جا کر پیوست ہو گئے۔ حضور نے کنکریوں کی ایک مٹھی ن اور ان کے قلعے کی طرف
پھینکی۔ قلعہ کی دیواریں لرزنے لگیں۔ مسلمانوں نے ان پر شدید حملہ کیا اور تمام یہودیوں کو
جنگی قیدی بنالیا۔

حصون کتبہ

سرورِ عالم ﷺ نے نطاۃ اور شق کے قلعوں کو جب فتح کر لیا تو ان قلعوں کے شکست
خوردہ یہودی کتبہ کے قلعوں میں آکر مورچہ بند ہو گئے۔

حصن القموص

کتبہ کے قلعوں میں القموص سب سے بڑا اور مضبوط قلعہ تھا۔ موسیٰ بن عقبہ نے بیان
کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیس روز تک اس قلعہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ آخر کار شیر خدا علی
مرتضیٰ کی ہمت و شجاعت کے باعث یہ قلعہ بھی فتح ہوا اور اس پر اسلام کا پرچم ہرا دیا گیا۔
اس قلعہ کے بہت سے یہودی مرد و زن کو جنگی قیدی بنالیا گیا۔ اس قلعہ سے اسیر
ہونے والی یہودی عورتوں میں حضرت صفیہ بھی تھیں جو حبی بن اخطب کی بیٹی اور کنانہ بن
ابی الحقیق سردار قلعہ کی بیوی تھیں۔ (ان کے بارے میں تفصیل ابھی ملاحظہ کریں گے)
بعض مؤرخین نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور مرحب کی لڑائی کو اس قلعہ کی فتح کے
حالات میں ذکر کیا ہے لیکن اکثر علماء سیرت و تاریخ کا یہی فیصلہ ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ کی

جنگ مرحب کے ساتھ قلعہ ناعم پر حملہ کرنے کے دوران میں ہوئی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حصن وطیح و سلم

خیبر کی مختلف وادیوں میں جو متعدد قلعے تھے، اسلام کے جانباز مجاہدوں نے یکے بعد دیگرے ان سب کو فتح کر کے ان پر اسلام کا پرچم لہرا دیا۔ صرف دو قلعے باقی رہ گئے تھے۔ ایک کاتام وطیح اور دوسرے کاتام سلم تھا۔ دوسرے قلعوں کو فتح کرنے کے بعد رحمت عالمین ﷺ نے ان دونوں قلعوں کا محاصرہ فرمایا جو چودہ روز تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں کسی یہودی نے وہاں سے باہر نکل کر مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کی جرأت نہ کی۔ حضور نے ارادہ فرمایا کہ مخنیقیں نصب کر کے ان پر سنگ باری کی جائے۔ اور ہر قلعوں میں محصور یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ اگر یہ محاصرہ کچھ روز مزید جاری رہا تو فاقہ کشی کے باعث وہ ایزیال رگڑ رگڑ کر بلاک ہو جائیں گے۔ نیز جب انہوں نے دیکھا کہ یہ دین اسلام مخنیقیں نصب کر کے ان کے قلعوں کی دیواروں کو منہدم کر دیں گے اور اس کے بعد انہیں بے دریغ قتل کر دیا جائے گا تو انہوں نے صبح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کیا۔ کننہ بن ابی الحقیق نے شاخ نامی ایک یہودی کو حضور پر نور کی خدمت میں بھیجا اور اس کے ذریعہ سے عرض کی کہ اجازت ہو تو وہ غنٹگو کے سائے حاضر ہو جائے۔ سرکارِ دو عالم نے اسے حاضر ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ کننہ اپنے قلعہ سے اتر کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ مختصر مذاہرات کے بعد مندرجہ ذیل شرائط پر رسول اللہ ﷺ سے صلح کا معاہدہ طے ہوا۔

1۔ نبی کریم ﷺ قلعہ میں مورچہ بند یہودیوں کا خون معاف فرمادیں گے۔

2۔ ان کی اولاد ان کے حوالے کر دی جائے گی۔

3۔ دو دو گنٹگو کے قلعوں اور اس کے مزدور رقبوں سے نکل جائیں گے اور اپنی اولاد کو بھی ساتھ لے جائیں گے۔

4۔ سونے چاندی کے سارے زیورات، سواری کے جانور، ہتھیار، اسلحہ اور کپڑوں کے تھن، سب حضور کے حوالے کر دیں گے۔ صرف اتنا پڑا سا تھ لے جائیں گے جو ان کی پشت پر ہوا ہوگا۔

حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم اپنے سامان سے کوئی چیز چھپاؤ گے تو اللہ اور رسول اس صلح کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہوں گے۔

وہ علاقہ جس میں یہ دو قلعے تھے وہ سمیہ کے نام سے معروف تھا اور یہاں کے نخلستانوں میں کھجور کے چالیس ہزار درخت تھے۔

ان لوگوں نے ان شرائط پر حضور کے ساتھ صلح کی۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجاہدین اسلام کو بھیجی تاکہ ان کے تمام اموال اپنے قبضہ میں لیں۔ ان دو قلعوں میں سے مسلمانوں کو مندرجہ ذیل اسلحہ دستیاب ہوا:

سوزر ہیں، چار سو تلواریں، ایک ہزار نیزے اور پانچ سو عربی کمانیں مع ترکشوں کے۔ (1)
اس طرح یہ دو قلعے صلح سے فتح ہوئے۔ دوسرے قلعوں کے برعکس یہاں جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

حیی بن اخطب کے خزانہ کے بارے میں مزید استفسار

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صلح کا معاہدہ طے ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے کنانہ اور ربیع کو بلایا۔ کنانہ ابو الحقیق کا بیٹا تھا اور حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ سے بیہا ہوا تھا۔ ربیع اس کا حقیقی یا چچا زاد بھائی تھا۔ حضور انور نے ان سے دریافت فرمایا کہ وہ زیورات اور دیگر قیمتی اشیاء کہاں ہیں جو مدینہ سے جلا وطنی کے وقت حیی اپنے ساتھ لایا تھا۔ انہوں نے بات ماننے کے لئے کہا:

أَذْهَبَتْهُ التَّفَقَّاتُ وَالْحُرُوبُ

”کہ جنگوں کے اخراجات کے باعث وہ سارا خزانہ خرچ ہو گیا ہے۔ ان

میں سے اب ہمارے پاس پھوٹی کوڑی تک بھی نہیں۔“

اور اپنے قول کو صحیح ثابت کرنے کے لئے انہوں نے شدید قسمیں کھائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اگر وہ خزانہ تمہارے پاس سے دستیاب ہو گیا تو اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔“

انہوں نے کہا بے شک! پھر حضور نے فرمایا:

”تمہارے اموال سے جو کچھ میں لوں گا وہ میرے لئے حلال ہو جائے گا اور تمہاری جانوں کا میں مالک ہو جاؤں گا۔“
انہوں نے کہا بیشک!

چنانچہ اس بات پر چند مسلمانوں کو گواہ بنالیا گیا اور چند یہودیوں کو بھی اس بات کا گواہ بنایا گیا۔ بعد ازاں ”سعہ“ نے جو سلام بن ابی الحقیق کا بیٹا تھا، حضور کو ایک کھنڈر کے بارے میں بتایا کہ یہاں خزانہ مدفون ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت زبیر کو چند مجاہدین کے ہمراہ ”سعہ“ کے ساتھ بھیجا۔ وہاں کھدائی کی گئی تو اونٹ کے چمڑے میں وہ خزانہ دستیاب ہو گیا اور اس میں ان کے سارے زیورات تھے۔ سب کچھ لا کر حضور کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت زبیر کو حکم دیا کہ وہ کنانہ کی مزید گوثالی کریں تاکہ جو کچھ اس نے چھپا رکھا ہے وہ سب نکال کر پیش کر دے۔ آپ نے اس کی مرمت کی تو اس نے بقیہ زیورات اور نورات بھی نکال کر پیش کر دیئے۔ ایک روایت کے مطابق کنانہ نے محمد بن مسلمہ کے بھائی محمود کو جب وہ قلعہ ناعم کی دیوار کے سائے کے نیچے سنا رہے تھے، چکی کا پاٹ گرا کر شہید کر دیا تھا۔ حضور ﷺ نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ کے حوالے کر دیا تاکہ وہ بطور انتقام کنانہ کو قتل کر دیں۔ اس طرح ان دونوں کا خون مباح ہو گیا اور ان کی اولاد کو جنگی قیدی بنالیا۔ اونٹ کے چمڑے میں لپٹا ہوا جو خزانہ ہا، اس میں سونے کے کڑے، سونے کی چوڑیاں، پازیمیں، کان کے آویزے اور جواہرات و زمرہ کے ہار اور سونے کی انگلیں وغیرہ کافی مقدار میں دستیاب ہوئیں۔ (1)

صفیہ بنت حبشی کا اسلام لانا

سارے اسیران جنگ مردوزن کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔ ان میں صفیہ بھی تھیں جو اپنے صوری اور معنوی محاسن کے اعتبار سے سب سے ممتاز تھیں۔ یہ کنانہ بن ابی الحقیق کی زوجہ تھیں جو یہودیوں کا حکمران تھا۔ نیز یہودیوں کے ایک دوسرے رئیس اعظم حبشی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ حضور کے ایک جمیل القدر صحابی حضرت حبشیہ نے اسے حضور کی اجازت

سے اپنے لئے جن لیا تھا۔ ایک صحابی نے ہر گاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ! حضور نے بنی نضیر اور بنو قریظہ کی مخدومہ سیدہ صفیہ، وحیہ کلبیہ کو عطا فرمادی ہے حالانکہ یہ خاتون حضور کے ہی شایان شان ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے وحیہ کو یہ فرمایا اور کہا کہ۔

”وحیہ اتم صفیہ کے بجائے کوئی دوسری کنیز چن لو اور اس سے دستبردار ہو جاؤ۔“

وحیہ نے فرمان نبوی سنتے ہی کنانہ کی بہن اپنے لئے پسند کر لی۔ حضرت صفیہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس عالی مرتبت خاتون کو اپنے لئے منتخب فرمایا۔ پھر حضور نے انہیں اختیار دے دیا کہ اگر ان کی مرضی ہو تو حضور ان کو آزاد کر دیں اور وہ اپنے باقی ماندہ رشتہ داروں کے پاس واپس چلی جائیں یا سلام قبول کر لیں اور رحمتِ عالم انہیں اپنی زوجیت کا اعزاز عطا فرمائیں۔ آپ نے عرض کی اَخْتَارَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں اور اپنے خاندان کے لوگوں کے پاس جانے کے لئے تیار نہیں۔ (1)

اس ذرہ نواز اور قدر شناس نبی نے حضرت صفیہ پر مزید کرم یہ فرمایا کہ ان کو آزاد کر دیا اور ایک آزاد خاتون کی طرح ان کو اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ ان کا پہلا نام زینب تھا۔ رحمتِ عالم نے ان کا نام بدل کر صفیہ رکھا۔ اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔

علامہ زر قانی ”شرح المواہب اللدیہ“ میں رقم طراز ہیں :

”چونکہ یہ اپنی قوم کے بادشاہ کی بیٹی تھیں، اس لئے ان کی دل جوئی اور عزت

افزائی کی یہی صورت تھی کہ شہنشاہ کونین ﷺ انہیں اپنی زوجیت کی عزت

سے سرفراز فرمائیں۔“ (2)

علامہ محمد رضا لکھتے ہیں :

لَا تَنْتَ أَخَذَ صَفِيَّةَ لِأَنَّهَا بِنْتُ مَلِكٍ مِنْ مُلُوكِهِمْ

”یہودیوں کے بادشاہوں سے وہ ایک بادشاہ کی صاحبزادی تھیں اس

لئے حضور علیہ السلام نے انہیں اپنے لئے پسند فرمایا۔“ (3)

ایک روز صفیہ اپنے پیہر خوند کنانہ بن ابی الحقیق کے پاس بیٹھی تھیں تو آپ نے اسے

1۔ ”تاریخ الخلفاء“، جلد 2، صفحہ 57

2۔ علامہ زر قانی، ”شرح المواہب اللدیہ“، جلد 3، صفحہ 25

3۔ ”محمد رسول اللہ“، صفحہ 282

اپنا ایک خواب سنایا کہ آسمان کا چاند میری گود میں آگرا ہے۔ جب اس نے یہ خواب سنا تو وہ غصہ سے بے قابو ہو گیا اور کہنے لگا:

(1) مَا هَذَا إِلَّا أَنْتَ تَمْنَيْنَ مَلِكَ الْجَبَّارِ مُحَمَّدًا

”اس سے پتا چلتا ہے کہ تیری تمنا یہ ہے کہ تو حجاز کے بادشاہ محمد (ﷺ) کی ملکہ بنے۔“

اس نے غصہ سے ان کے چہرہ پر تھپھر ر سید کیا۔ اس سے ان کی آنکھ سبز ہو گئی۔ حضور کی بارگاہ میں شب زفاف جب حاضر ہوئیں تو حضور نے دریافت کیا، یہ سبز داغ کیا ہے؟ تو انہوں نے سارا واقعہ عرض کیا۔

حضرت ابو ایوب انصاری کی پاسبانی

جس رات حضرت صفیہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں تو حضرت ابو ایوب انصاری اس خیمہ کے باہر ساری رات جاگ کر پہرہ دیتے رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ان کے پاؤں کی آہٹ سنی فرمایا، کون ہے؟ عرض کی گئی، یہ ابو ایوب ہیں۔ حضور نے انہیں طلب فرمایا اور پوچھا تم کیوں خیمہ کے آس پاس چکر لگا رہے ہو؟ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ اس جنگ میں صفیہ کے چچا، باپ اور خاندان کو مجاہدین اسلام نے قتل کیا تھا اور یہ خاتون نو مسلمہ ہے، مجھے اس سے خدشہ ہوا کہ کوئی ناشائستہ حرکت نہ کرے۔ چنانچہ میں رات بھر جاگ کر پہرہ دیتا رہا۔ رحمت عالم ﷺ اپنے اس غلام کی اس ادائے جان ثناری پر بہت خوش ہوئے اور بارگاہ الہی میں التجا کی:

(2) اللَّهُمَّ احْفَظْ أَبَا أَيُّوبَ كَمَا بَاتَ يَحْفَظُنِي

”اے اللہ! جس طرح ابو ایوب رات بھر میری حفاظت میں جاگتا رہا ہے، الٰہی تو بھی اس کی حفاظت فرما۔“

زینب یہودیہ کی سازش

زینب جو عارث کی بیٹی، سلام بن مشکم کی زہدہ اور مہربان کی بیٹی تھی، اس نے حضور

انور علیہ السلام کو زہر دینے کی سازش کی۔ جب سرکارِ دو عالم ﷺ نے فی تھانہ شان سے قلعہ قوص میں داخل ہوئے تو اس یہود نے بکری کا بھنا ہوا گوشت بطور ہدیہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا تھا کہ حضور کو بکری کے کس حصہ کا گوشت زیادہ مرغوب ہے۔ اسے بتایا گیا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ بکری کے بازو کا گوشت بہت پسند فرماتے ہیں۔ اس نے اس بکری کے سرے گوشت میں زہر ملا دیا، خصوصاً اس کے بازو کے گوشت میں زیادہ مقدار میں زہر کی ملاوٹ کر دی۔ جب اس بکری کا بھنا ہوا زہر آلود گوشت دسترخوان پر رکھ گیا تو حضور نے اس کا بازو اٹھ لیا اور اس کا ایک ٹکڑا تناول فرمایا لیکن چبانے کے بعد فوراً اسے تھوک دیا اور فرمایا:

يَا نَاصِيَةُ هَذَا الْعَظْمَ لِيُخْبِرُنِي أَنَّهُ مَسْمُومٌ

”اس بازو نے مجھے خبر دی ہے کہ اس میں زہر ملا یا گیا ہے۔“

اس دسترخوان پر حضور کے ہمراہ بشر بن براء اور چند دیگر صحابہ بھی تھے۔ بشر نے بھی گوشت کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالا، اسے چبایا اور پھر نکل لیا۔ زہر بڑی سخت قسم کا تھا۔ چنانچہ گوشت کا ٹکڑا نکلنے ہی ان کے چہرہ کی رنگت متغیر ہو گئی اور پل بھر میں ان کی موت واقع ہو گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد ان کی وفات ہوئی۔

حضرت بشر نے عرض کی، یا رسول اللہ! اس خدا کی قسم جس نے آپ کو معزز و محترم بنا کر مبعوث فرمایا، جب میں نے لقمہ منہ میں ڈالا تو مجھے پتا چل گیا کہ یہ زہر آلود ہے لیکن میں نے یہ من سب نہ سمجھا کہ حضور کی موجودگی میں اس لقمہ کو تھوک دوں۔ مبادا حضور کے مزاج نازک پر میری یہ حرکت گراں گزرے۔ اس لئے میں نے اس لقمہ کو نکل لیا۔ (۱)

حضرت بشر اس کی زہر خورانی سے وفات پا گئے تو حضور نے بطور قصاص اس یہود کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

صحائف تورات

فتح خیبر سے جو بے شمار اموال غنیمت مسلمانوں کو دستیاب ہوئے ان میں تورات کے متعدد نسخے بھی تھے۔ یہود کو معصوم ہوا تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ تورات

ان کی مقدس کتاب ہے اس لئے اس کتاب کے جتنے نسخے مسلمانوں کے پاس ہیں، وہ ہمیں واپس کر دیئے جائیں۔ رحمت عالم ﷺ نے بلا تامل مسلمانوں کو حکم دیا کہ تورات کے جتنے نسخے انہیں ملے ہیں، ادب و احترام کے ساتھ انہیں یہودیوں کو واپس کر دیا جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے امتثال امر کرتے ہوئے تمام نسخے یہودیوں کو واپس کر دیئے۔

ڈاکٹر اسرائیل ویلفشمن نے اپنی تصنیف ”ساریخ الیہودی بداد العرب“ میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی عالی ظرفی اور کشادہ دلی پر حیران و ششدر ہو کر رہ گیا۔ اس نے حضور کے اس طرزِ عمل کا موازنہ یہودیوں اور عیسائیوں کے طرزِ عمل سے کیا ہے، وہ لکھتا ہے:

”پیغمبر اسلام کے اس کریمانہ سوک سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ دوسرے مذاہب کے مقدس صحیفوں کا حضور کے قلب مبارک میں کتنا احترام تھا۔ یہودی آج بھی حضور کے اس احسان کے معترف ہیں۔ اس کریمانہ طرز عمل کے برعکس رومیوں نے جب یروشلم پر سنہ 70 بعد مسیح قبضہ کیا تو انہوں نے ان کی مقدس کتابوں کو نذر آتش کر دیا اور اپنے پاؤں سے انہیں روند ڈال تھا۔ اسی طرح نصاریٰ نے جب جہنم میں یہودیوں کے خلاف مہم چلائی تھی تو انہوں نے بھی تورات کے جتنے نسخے انہیں ملے تھے، انہیں جلا کر خاکستر بنادیا تھا۔ کتنا واضح تفاوت ہے پیغمبر اسلام کے طرز عمل میں اور دوسرے فاتحین کے طرز عمل میں؟“ (1)

معرکہ خیبر میں مسلم خواتین کی شرکت

ہو غفار قبیہ کی ایک خاتون نے بتایا کہ سرور عالم ﷺ جب فتح خیبر کے لئے روانہ ہوئے تو میں بنی غفار کی چند دیگر خواتین کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم نے ارادہ کیا ہے کہ ہم حضور کے ہمراہ اس سفر میں جائیں گی ہم پیاسوں کو پانی پلائیں گی، زخموں کی مرہم پٹی کریں گی، رجسالت تک ممکن ہو اہم مسلم مجاہدین کی معونات دے دوں گی۔ سرور عالم ﷺ نے ہمیں اجازت دے دی۔ فرمایا: **يٰۤاَيُّهَا اللّٰهُ**

اجازت ہے اللہ کی برکتیں تمہارے شامل حال ہوں۔

چنانچہ ہم نبی مکرم ﷺ کے ہمراہ خیبر کی طرف روانہ ہوئیں۔ جب خیبر فتح ہوا اور کثیر تعداد میں مال غنیمت ہمارے قبضہ میں آیا تو سرور عالم ﷺ نے ان مجاہدات کو اموال غنیمت میں سے تو حصہ نہیں دیا لیکن انہیں بالکل محروم بھی نہیں رکھا۔ اموال فنی میں سے کچھ انہیں عطا فرمادیا۔

یہ خاتون کہتی ہیں کہ یہ ہار جو تمہیں میرے گلے میں نظر آ رہا ہے، یہ بھی اس روز حضور نے اپنے دست مبارک سے میرے گلے میں ڈال تھا۔ میں نے سچ تک اسے اپنے سے جدا نہیں کیا۔ مرتے وقت بھی ان کی گردن میں یہ ہار آویزاں تھا کیونکہ اس خاتون نے وصیت کی تھی کہ اس ہار کو میرے مرنے کے بعد بھی میرے گلے میں رہنے دیں اور مجھے اس کے ساتھ دفن کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

انسان قربان ہو جائے اس عظمت ایمان پر کہ ہر وہ چیز جس کی نسبت سرور عالم کی طرف ہوتی تھی اسی کو وہ اپنی نجات کا ضامن سمجھتے تھے۔

تاریخ میں ان خواتین کے اسمائے مبارکہ محفوظ ہیں۔ بطور تبرک انہیں یہاں بیان کیا جا رہا ہے:

(1) ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔

(2) صفیہ دختر عبدالمطلب۔

(4) ام ایمن۔ (4) سہمی۔ نبی کریم کی خادمہ (5) عاصمہ بن عدی کی زوجہ۔ خیبر میں ہی ان کے بطن سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام سہلہ رکھا گیا۔

(6) ام عمارہ نصیبہ بنت کعب (7) ام منیع (8) ام مطاوع الاسلمیہ (9) ام سلیم بنت ملحان

(10) ام الضحاک بنت مسعود ایثریہ (11) ہند بنت عمرو بن حرام (12) ام العلاء انصاریہ

(13) ام عامر الاشہلیہ (14) ام عطیہ الانصاریہ (15) ام سہیلہ (16) امیہ بنت قیس

انصار یہ (17) سعیدہ بنت سعد الاسلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن جمیعاً۔

مال غنیمت کی تقسیم

ہر مال غنیمت سے پانچواں حصہ رسول کریم ﷺ کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ خواہ اس معرکہ میں حضور شریک ہوئے ہو یا شریک نہ ہوئے ہوں۔

جو مسلمان جنگ میں شریک نہیں ہوتا تھا اس کو مال غنیمت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔
البتہ بدر میں آٹھ ایسے صحابہ کو بھی مال غنیمت سے حصہ دیا گیا جو اس جنگ میں شریک نہیں
ہوئے تھے۔

غزوہ خیبر سے حاصل ہونے والے اموال غنیمت اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص تھے
خواہ وہ غزوہ خیبر میں شریک ہوئے یا شریک نہ ہوئے۔
ارشاد الہی ہے:

وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُوهَا فَجَعَلَ لَكُمُ هِذَا (1)

”(اے غلامانِ مصطفیٰ) اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔
جنہیں تم (اپنے اپنے وقت پر) حاصل کرو گے۔ پس جلدی دے دیے
ہیں تمہیں یہ اموال غنیمت۔“

اہل حدیبیہ میں سے جو لوگ غزوہ خیبر میں شریک نہ ہوئے یا اس سے پہلے وفات پا گئے،
انہیں بھی مال غنیمت سے حصہ دیا گیا اور ان لوگوں کو بھی حصہ دیا گیا جو اہل فدک کے
ساتھ سفارتی سرگرمیوں میں مصروف رہے مگر جنگ میں شریک نہ ہو سکے۔

یہ مال غنیمت اس طرح تقسیم ہوا کہ پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کے لئے تین حصے۔ ایک
اس کا اپنا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔ اگر کسی سوار کے پاس ایک سے زائد گھوڑے
ہوتے تھے تو اس کو بھی صرف ایک گھوڑے کے دو حصے دیئے جاتے۔ اس جنگ میں سرکار
دو عالم علیہ السلام کے تین گھوڑے تھے۔ لہذا، غریب اور سب۔ حضور ﷺ کے صرف ایک
گھوڑے کے دو حصے دیئے گئے۔ (2)

زرعی زمینوں کا انتظام

جب خیبر کے سارے قلعے مسلمانوں نے فتح کر لئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
یہود کو یہاں سے چھپ جانے کا حکم دیا جس طرح معاہدہ صلح میں طے پایا تھا۔ یہود نے عرض
کی کہ ہمیں یہیں رہنے دیا جائے۔ ہم یہاں کھیتی باڑی اور باغات کی کچھ بھال کا سسد جاری

رکھیں گے اور ہم لوگ امور زراعت کے بارے میں آپ کے صحابہ سے زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔ جو پیداوار ہوگی اس میں نصف ہمارا اور نصف آپ کا ہوگا۔

مسلمانوں کی تعداد اس وقت زیادہ نہ تھی۔ نیز ان کی دیگر ذمہ داریوں سے انہیں فرصت بھی نہیں ملتی تھی۔ ہر وقت کفار کے ساتھ جہاد کا خطرہ درپیش ہوتا تھا۔ اس لئے حضور نے مناسب سمجھا کہ ان شرائط پر یہودیوں کو یہاں ٹھہرنے اور کاروبار زراعت کو سرانجام دینے کی اجازت دے دی جائے لیکن اجازت کے ساتھ حضور نے فرمایا:

نُفِقْكُمْ فِيْهَا عَلَى ذٰلِكَ مَا شِئْتُمْ

(1)

”ہم جب تک چاہیں گے تمہیں یہاں ٹھہرنے کی اجازت دیں گے۔“

سرکارِ دو عالم ﷺ نے باغات کے پھول اور اجناس کی تقسیم کے لئے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو مقرر فرمایا۔ وہ ہر سال تشریف لے جاتے اور طے شدہ معاہدہ کے مطابق ان اجناس اور پھلوں کو تقسیم کرتے۔ نصف یہود کو دے دیا جاتا اور بقیہ نصف بیت المال کے سپرد کر دیا جاتا۔

ایک سال یہودیوں نے آپ کو رشوت دینا چاہی تاکہ غلہ اور زرعی پیداوار کی تقسیم ان کی مرضی کے مطابق کرنے پر آمادہ کر لیا جائے۔ آپ نے جب ان کا وہ طشت دیکھا جس میں سونے کے چمکتے ہوئے زیورات کثیر مقدار میں بطور رشوت انہیں پیش کئے گئے تھے تو آپ نے فرمایا ”اللہ کے دشمنو! کیا تم مجھے حرام کھانا چاہتے ہو؟ بخدا! میں اس ہستی کے پاس سے آیا ہوں جو مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب اور عزیز ہے اور تم میری نگاہوں میں سب لوگوں سے زیادہ مبغوض ہو۔ میرا تمہیں مبغوض سمجھنا اور اس ذات سے میری محبت، مجھے اس امر پر برا بیچتہ نہیں کر سکتی کہ میں اس تقسیم میں ایک دانے کا فرق بھی کروں۔“ آپ کا یہ جواب سن کر ان یہودیوں کے منہ سے بے اختیار نکلا:

يٰۤهٰذَا اَقَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْاَرْضُ

(2)

”ایسے ہی بے لاگ عدل کے باعث آسمان و زمین قائم ہیں۔“

یہودیوں کے ساتھ بے لاگ عدل و انصاف

یہودیوں کو خیبر کی زرعی زمینیں حصہ پر دے دی گئیں۔ بعض مسلمان ان کی ان زمینوں میں سے کوئی ترکاری اور سبزیاں لے لیتے تھے اور بعض فصل سے چارہ کاٹ لیتے تھے۔ اس کی شکایت ان یہودیوں نے بارگاہ رسالت میں پیش کی۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو حکم دیا کہ اعلان کر دو:

الصَّوْمَةُ جَامِعَةٌ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُسْلِمُ (1)

”جماعت تیار ہے اور جنت میں صرف مسلمان داخل ہوں گے۔“

یہ اعلان سن کر سارے مسلمان اکٹھے ہو گئے۔ بے لاگ عدل و انصاف کے علمبردار محمد رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطاب فرمایا۔ پہلے اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا:

”یہود نے یہ شکایت کی ہے کہ تم ان کے مخصوص رقبوں میں داخل ہو جاتے ہو و وہاں سے سبزیاں اور چارہ وغیرہ لے لیتے ہو۔ حالانکہ ہم نے ان کے ساتھ یہ وعدہ کیا ہے کہ تمہاری جائیں اور تمہارے اموال، جو تمہارے قبضے میں ہیں، ان کی ہم حفاظت کریں گے۔ سنو! جن دُشمنوں کے ساتھ معاہدہ طے پاتا ہے ان کے اموال پر دست درازی جائز نہیں ہوتی۔“

فَكَانَ الْمُسْلِمُونَ لَا يَدْخُلُونَ مِنْ بُقُولِهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنٍ (2)

”اس کے بعد مسلمان جو ترکاری ان سے لیتے، اس کی قیمت ادا کرتے۔“

شہداء خیبر

اس غزوہ میں پندرہ مسلمان شہید ہوئے جن میں سے چار مہاجر تھے اور گیارہ انصار۔

یہودیوں کے ترانوںے مرد قتل ہوئے۔ (3)

مشرکین مکہ کا شرط بدنا

انہی پہلی روایت کرتے ہیں کہ حویطب بن عبدالمزی جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، کہتے ہیں کہ جب صبح حدیبیہ کے بعد میں واپس آیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ محمد (ﷺ)

سارے عرب پر غالب آجائیں گے۔ اس کے باوجود مجھے یہ ہمت نہ ہوئی کہ میں اپنے مشرکانہ عقائد کو چھوڑ کر اسلام قبول کروں۔ اسی اثناء میں عباس بن مردس مکہ آیا اور اس نے کہا کہ محمد (ﷺ) خیبر کے یہودیوں پر حملہ کرنے کے سے روانہ ہو گئے ہیں اور خیبر کے یہودیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ کے سے ایک لشکر جر تیار کر رکھا ہے جو پوری طرح مسلح ہے۔ اب محمد (ﷺ) کا بچ کر واپس آنا بالکل ممکن نہیں۔

عباس نے کہا اگر اس بات پر میرے ساتھ کوئی شرط لگانا چاہے تو میں اس کے سے بھی تیار ہوں۔ حویطب کہتے ہیں، میں نے کہا، میں تمہارے ساتھ اس بات پر شرط لگانے کے لئے تیار ہوں۔ صفوان بن امیہ، نوفل بن معاویہ اور چند دوسرے قریشی عباس کے طرف دار تھے۔ چنانچہ ہم نے سوانٹ کی شرط لگائی۔ اور میرے ساتھی یہ کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) غالب آجائیں گے جبکہ عباس اور اس کا گروہ یہ کہتا تھا کہ اس جنگ میں غلبہ اہل خیبر کو ہو گا۔ آخر کار جب رسول اللہ (ﷺ) کی کامیابی کی اطلاع آئی تو حویطب اور اس کے ساتھیوں نے عباس اور اس کے ساتھیوں سے ایک سوانٹ وصول کئے۔ (1)

حجاج بن علاط کا دلچسپ واقعہ

حجاج بن علاط سلمیٰ کو پتا چلا کہ نبی کریم (ﷺ) خیبر میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ شوق زیارت اسے خیبر لے گیا۔ اس رخ انور کو دیکھتے ہی چشم بصیرت بینا ہو گئی اور اس نے فوراً دست اقدس پر اسلام کی بیعت کر لی۔ اسی اثناء میں خیبر کے سارے قلعوں پر اسلام کا پرچم ہرانے لگا۔ حجاج نے مکہ واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ حضور نے اسے اجازت مرحمت فرمائی۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں دوست مند آدمی ہوں، میری کچھ دوست میری بیوی کے پاس ہے اور کچھ سرمایہ میں نے مکہ کے تجارت کو بطور قرضہ دے رکھا ہے۔ اگر انہیں میرے بارے میں یہ پتا چل گیا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور خداوند قدوس کو اپنا پروردگار تسلیم کر لیا ہے تو وہ میری ساری دولت کو ہڑپ کر جائیں گے ورنہ مجھے پھوٹی کوڑی بھی نہیں دیں گے۔ اگر اجازت ہو تو اپنی دولت ان سے واپس لینے کے سے حیلہ سازی سے کام لوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں اجازت دے دی۔ وہاں سے رخصت

ہو کر حجاج مکہ مکرمہ پہنچے۔ ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے اہل مکہ کو علم ہو گیا تھا کہ پیغمبر اسلام یہودیوں سے جنگ کرنے کے لئے خیبر روانہ ہو گئے ہیں۔ یہ خبر اہل مکہ کے لئے بڑی مسرت آگئیں تھی۔ وہ جانتے تھے کہ خیبر کے قلعے بڑے مضبوط ہیں۔ وہاں کے یہودی بڑا کے لڑاکے ہیں۔ ان کے پاس ہر قسم کے اسلحہ کے انبار ہیں اور خور و نوش کا سامان بھی ان کے پاس کافی مقدار میں ہے۔ انہیں یقین تھا کہ خیبر کے یہودی لشکر اسلام کو بری طرح شکست دے دیں گے۔ مکہ میں چند ایسے آدمی بھی تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ مجاہدین اسلام کو اگر قریش شکست نہیں دے سکے تو یہودی بچارے کس شہر میں ہیں کہ انہیں شکست دے سکیں۔

دونوں فریق بڑی بے چینی سے اس جنگ کے نتیجہ کا انتظار کرنے لگے۔ مکہ میں جو نوادرات آتا وہ اس سے دریافت کرتے کہ خیبر کی جنگ کا کیا انجام ہوا؟

جب اہل مکہ نے حجاج کو دیکھا کہ یہ خیبر سے واپس آیا ہے تو وہ اس کے گرد جمع ہو گئے تاکہ اس سے کوئی تازہ خبر سنیں۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ حجاج مسلمان ہو گیا ہے۔ انہوں نے حجاج سے پوچھا کہ سنا ہے کہ وہ قطع رحمی کرنے والے (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) یہودیوں سے جنگ کرنے کے لئے خیبر روانہ ہوا ہے، اس کے بارے میں کوئی تازہ خبر ہو تو بتاؤ۔ اس نے کہا، میں تمہیں اس کی خبر سناؤں گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ دور و نزدیک سے سارے مکہ والے سٹ کر اس کے آس پاس جمع ہو گئے۔ اس نے انہیں بتایا کہ محمد (ﷺ) کو خیبر کے یہودیوں نے عبرت ناک شکست دی ہے، ان کے ساتھیوں کے کشتوں کے پستے لگا دیئے ہیں اور خود انہیں جنگی قیدی بنایا ہے۔ یہودیوں نے یہ طے کیا ہے کہ وہ آپ کو یہاں قتل نہیں کریں گے بلکہ انہیں زنجیروں میں جکڑ کر مکہ بھیجیں گے تاکہ اہل مکہ اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کے لئے انہیں جس طرح چاہیں قتل کریں۔

یہ خبر سنتے ہی وہ خوشی سے دیوانے ہو گئے۔ وہ فوراً مسرت سے ناپنے کو لگے۔ ان کے قلب شکاف خروں سے مکہ کی ساری فضا گونجنے لگی اور گھر گھر خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ چونکہ ان کے مشتعل جذبات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ وہ اس کی مدد کریں اور اس کے مقتولوں سے اس کی رقوم واپس لیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ رقوم اس میں فوراً خیریتوں اور مصلحتوں سے چھینا ہوں بار بار میں یاد دہا رہا ہوں کہ اس کو ...

کی۔ چند دنوں میں اس کے مقروضوں سے اس کی رقم لے کر اس کے حوالے کر دی۔ حجاج کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو بھی برا بیچتے کیا کہ میرا جو سرمایہ اس کے پاس ہے وہ واپس کر دے تاکہ اس سرمایہ سے وہ مسلمانوں سے لوٹی ہوئی قیمتی اشیاء ارباب نرغ پر خرید سکے۔

مسلمانوں کی شکست کی خبر جنگ کی آگ کی طرح مکہ اور اس کے گرد و نواح میں پھیل گئی۔ اس خبر سے جہاں کفار و مشرکین کو بے پایاں خوشی ہوئی وہاں مکہ کے مسلمانوں پر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے جب یہ خبر سنی تو ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اٹھنے کی تاب ہی نہ رہی۔ کچھ دیر بعد انہوں نے اپنا ایک غلام حجاج کے پاس بھیجا تاکہ اس سے براہ راست اس خبر کی تصدیق کرے۔ اس غلام نے حضرت عباس کا پیغام باس الفاظ حجاج کو پہنچایا:

اللَّهُ أَعْلَىٰ وَأَجَلٌ مِنْهُ أَنْ يَكُونَ الَّذِي يَجُتَّ بِهٖ حَقًّا

”اللہ تعالیٰ اس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ تمہاری یہ خبر سچی ہو۔“

حجاج نے اس غلام کو کہا کہ اپنے آقا ابوالفضل کو میرا سلام عرض کرنا اور انہیں کہنا کہ میں ان سے خلوت میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ اور میں انہیں ایسی خبر سناؤں گا کہ وہ خوش ہو جائیں گے۔ غلام نے جب یہ پیغام حضرت عباس کو دیا تو فرط مسرت سے وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے انہیں کوئی تکلیف پہنچی ہی نہ تھی۔ حضرت عباس نے اس بشارت کے عوض غلام کو آزاد کر دیا۔ آپ نے نذر مانی کہ وہ دس مزید غلاموں کو آزاد کریں گے۔ ظہر کے وقت حجاج حضرت عباس سے ملاقات کے لئے آئے اور کہا کہ میں بالکل تہائی میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ جب وہ عیحدہ کمرے میں اکٹھے ہوئے تو حجاج نے پہلے ان سے وعدہ لیا کہ تین روز تک وہ راز کو افشاء نہیں کریں گے۔ اگر انہوں نے قبل از وقت اس راز کو افشاء کر دیا تو اندیشہ ہے کہ کفار مکہ ان کا تقرب کر کے انہیں گرفتار کر لیں گے۔ حضرت عباس نے پختہ وعدہ کیا کہ وہ ایسا ہی کریں گے۔ اب حجاج یوں گویا ہوا:

”اے عباس! میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اگر میری بیوی اور مکہ کے تاجروں کے رے اسلام لانے کی خبر مل گئی تو وہ میرا مال واپس نہیں کریں گے۔ میں خیبر سے اس وقت روانہ ہوا ہوں جب کہ شکر اسلام نے اہل مکہ کے راز

قلعوں کو فتح کر لیا تھا اور ان قلعوں سے جتنا مال غنیمت ملا اس کا پانچواں حصہ حضور کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا تھا۔ یہودیوں کے بادشاہ حمی بن اخطب کی بیٹی کے ساتھ حضور نے نکاح کر لیا ہے اور ابن ابی الحقیق قتل کر دیا گیا ہے۔“

شام کے وقت حجاج مکہ سے نکل گیا۔ حضرت عباس کے لئے تین روز تک خاموش رہنا بڑا شوار تھا لیکن طوعاً و کرہاً انہوں نے اپنا عہد نبھایا۔ جب تین راتیں گزر گئیں تو آپ نے قیمتی لباس زیب تن فرمایا، بہترین خوشبو سے اپنے آپ کو معطر کیا، ایک عصا ہاتھ میں پکڑا اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہاں پہنچے جہاں قریش اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے آپ کو جب بہترین لباس میں مبوس ہشاش بشاش دیکھا تو آپ کی استقامت اور صبر کی داد دیتے ہوئے بولے:

لَا يَصِيبُكَ إِلَّا خَيْرٌ نَأَى أَبَا الْفَضْلِ هَذَا وَاللَّهُ الصَّبْرُ يُحَيِّرُ
الْمُصِيبَةَ۔

”اے ابو الفضل! آپ ہمیشہ خیر و عافیت سے رہیں۔ اتنے المناک لمحات میں اتنا صبر! یہ آپ کو ہی زیب دیتا ہے۔“

آپ نے فرمایا میں تو ہر طرح خیریت سے ہوں کیونکہ حجاج نے مجھے بتایا ہے کہ حضور کو خیبر میں فتح مبین حاصل ہوئی ہے۔ سارے قلعوں پر اسلام کا پرچم لہرا دیا گیا ہے اور ان کے بادشاہ کی بیٹی کو سرکارِ دو عالم ﷺ کی زوجہ بننے کی سعادت میسر آئی ہے۔

جب حقیقت حال سے پردہ اٹھا تو مشرکین مکہ کی توقعات کے محلات پر نہ خاک ہو گئے۔ (1)

حضرت جعفر بن ابی طالب، مسند اور آپ کے رفقاء کی حبشہ سے واپسی

امام بخاری اپنی صحیح میں ابو موسیٰ اشعری سے یوں روایت کرتے ہیں

”آپ نے کہا کہ ہم ابھی اپنے وطن یمن میں تھے کہ ہمیں اطلاع ملی کہ نبی رحمت ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ہمارا قافلہ اپنے وطن سے ہجرت کر کے سوئے منزل جاناں ﷺ روانہ ہوا۔ اس قافلہ میں میرے دو بڑے بھائی، ابو ہریرہ اور ابو رعم بھی شامل تھے۔

ہمارے علاوہ ہمارے قبیلہ کے باوند یا ترپن افراد شریک سفر ہوئے۔ ہم یمن کی بندرگاہ سے کشتی میں سوار ہوئے تاکہ حجاز کی بندرگاہ پر اتریں۔ باد مخالف نے ہماری کشتی کو دھکیل کر حبشہ کے ساحل پر پہنچا دیا۔ ہمیں مجبوراً وہاں اترنا پڑا۔ وہاں ہماری ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب سے ہوئی۔ ہم ان کی معیت میں وہاں اقامت گزریں ہو گئے اور ہمیں اس وقت حضور کی بارگاہ عالی میں حاضر ہونے کی سعادت میسر آئی جب حضور خیبر کے قلعوں کو فتح کر چکے تھے۔“ (۱)

بعض لوگوں نے ہمیں کہا کہ ہمیں تم پر یہ شرف حاصل ہے کہ ہم نے تم سے پہلے اللہ کی رضا کے لئے ہجرت کی۔ اسی اثناء میں حضرت اسماء بنت عمیس ام المومنین حضرت حصہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کے لئے گئیں۔ اسماء بن خواتین میں سے تھیں جنہوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ آپ ام المومنین حضرت حصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت عمر تشریف لائے۔ انہوں نے حضرت اسماء کو دیکھا تو پوچھا یہ کون ہے؟ حضرت حصہ نے جواب دیا کہ یہ اسماء بنت عمیس ہیں۔ آپ نے کہا کیا یہ حبشہ سے آئی ہیں؟ کیا یہ مہندری سفر طے کر کے آئی ہیں؟ اسماء نے جواب دیا ہاں۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ہم لوگ ہجرت میں تم سے سبقت لے گئے ہیں، اس لئے تم سے زیادہ ہم رسول اللہ ﷺ کے حق دار ہیں۔ یہ سن کر حضرت اسماء کو سخت غصہ آیا اور کہا، ہرگز نہیں، بخدا! تمہیں رسول اللہ ﷺ کی معیت حاصل تھی، تم میں سے اگر کوئی بھوکا ہوتا تو حضور اسے کھانا کھلاتے تھے اور اگر تم میں سے کوئی نادانی سے کسی غلطی کا مرتکب ہوتا تھا تو حضور اس کو وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ ہم نے یہ عرصہ ایک ایسے ملک میں گزارا جو یہاں سے بہت دور تھا اور جس کے باشندوں کی اکثریت ہم سے بغض رکھتی تھی۔ اپنے وطن سے دوری، اپنے اہل و عیال سے مجبوری اور طرح طرح کے شدائد ہم نے محض اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول کے لئے برداشت کئے۔ بخدا! میں اس وقت تک نہ کھاؤں گی، نہ پیوؤں گی جب تک میں حضور ﷺ کی خدمت میں جو آپ نے کہا ہے وہ بیان نہ کر دوں اور اپنے بارے میں حضور ﷺ سے دریافت نہ کر لوں۔ بخدا! بارگاہ رسالت میں نہ میں جھوٹ بولوں گی، نہ راہ حق سے ہٹوں گی اور نہ آپ کی باتوں میں کوئی اضافہ کر دوں گی۔

نبی رحمت ﷺ جب تشریف لائے تو حضرت اسماء عرض پرداز ہوئیں:
اے اللہ کے نبی! حضرت عمرؓ نے ایسا ایسا کہا ہے۔ حضور نے پوچھا، پھر تم نے کیا
جواب دیا؟ میں نے جو جواب دیا تھا وہ بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ حضور نے فرمایا:
”تم سے زیادہ مجھ پر کسی کا حق نہیں ہے۔“

حضرت عمرؓ اور ان کے احباب نے صرف ایک ہجرت کی ہے۔ اور اے کشتی والو! تم نے
دو ہجرتیں کی ہیں۔

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ جب اہل سفینہ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ جوق در جوق میرے
پاس آتے اور حضور کے ارشاد کے بارے میں دریافت کرتے۔ دنیا میں کوئی چیز اس سے
زیادہ نیک کے لئے مسرت بخش نہ تھی اور نہ کسی اور چیز کی اہمیت ان کے نفوس میں ان الفاظ
سے زیادہ تھی جو رحمت عالم ﷺ نے فرمائے تھے۔

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ ابو موسیٰ اشعریؓ بار بار مجھ سے یہ حدیث سنا کرتے تھے۔
حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ اگرچہ ہم فتح خیبر میں شریک نہ ہو سکے لیکن
حضور نے ہمیں بھی مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔

امام ابن اسحاقؒ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ
اصمؓ کی کونجاشی کی طرف بھیجا اور اس سے مطالبہ کیا کہ حضور کے صحابہ جو حبشہ میں موجود
ہیں، انہیں واپس بھیج دے۔ چنانچہ سارے صحابہ حضرت بعثتؓ کی معیت میں محبوب کریم ﷺ
کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اس وقت حضورؐ خیبر میں تشریف فرما تھے۔ وہاں ہی ان سب کو
شرف حضوری نصیب ہوا۔ جب حضرت بعثتؓ حضورؐ کی خدمت میں پہنچے، رحمت عالم ﷺ نے
نہیں اپنے سینہ سے عیاں کرانے کی بات کی۔ انہوں نے انکسوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا:

مَا أَقْدَرِي يَا بَعْثُ مَا اسْتَزِفْتُمْ خَيْرًا أَمْ يَقْدُورُ جَعْفَرُ (1)
”میں نہیں جانتا کہ مجھے اس بات سے زیادہ خوشی ہونی ہے۔“
یہ بعثتؓ کی آمد تھی۔

امام ابن کثیرؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ مکہ کے مہاجر جو حبشہ میں تھے اور حضرت بعثتؓ نے
بات بات ان سے ان کی قدردانی کی۔ انہوں نے ان سے نام لیا۔ انہیں ملے ہیں۔ (2)

حضرت ابو ہریرہ اور آپ کے قبیلہ بنی دوس کی آمد

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں:

ہم مدینہ طیبہ پہنچے تو ہمارے ساتھ قبیلہ کے اسی (80) افراد بھی تھے۔ ہم نے نماز فجر سباع بن عرفطہ الغفاری کی اقتداء میں ادا کی، انہوں نے پہلی رکعت میں سورہ مریم اور دوسری رکعت میں **وَبِئْسَ الْاِلٰهٌ مَّا تُصَلُّونَ** تلاوت کی۔ جب انہوں نے یہ آیت پڑھی **الَّذِينَ** **اِذَا اُلْكُوا عَلٰی النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ** (1) ”جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں“ تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میرے چچا نے تو دو پیانے بنا رکھے ہیں ایک بڑا پیاناہ اور ایک ناقص پیاناہ۔ جب وہ لیتے ہیں تو بڑے پیانے سے لیتے ہیں اور جب دیتے ہیں تو چھوٹے سے دیتے ہیں۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ایک شخص نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ خیبر میں ہیں اور اب تمہارے پاس واپس تشریف لاسنے والے ہیں۔ میں نے کہا مجھے جس جگہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ حضور وہاں تشریف فرما ہیں، میں شرف نیاز حاصل کرنے کے لئے وہاں ہی پہنچوں گا۔ حضرت سباع نے ہمیں زاور اور اومہیا کر دیا اور ہمیں سواری کے لئے جانور بھی دیئے یہاں تک کہ ہم خیبر میں پہنچ گئے۔ اس وقت رحمت عالم نے نطافہ کے قلعے فتح کر لئے تھے اور اب سحیہ کے قلعوں کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ہم وہاں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام قلعوں کو فتح فرمادیا۔ حضور ﷺ نے مجاہدین سے مشورہ کر کے مال غنیمت میں سے ہمیں بھی حصہ عطا فرمایا۔ (2)

عیینہ بن حصین اور بنو فزارہ کی آمد

بنو فزارہ نے اہل خیبر کی امداد کرنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں کہا کہ وہ ان کی امداد نہ کریں اور واپس چلے جائیں۔ مگر انہوں نے یہ بات مان لی تو خیبر کی کھجوروں کے پھل سے انہیں حصہ دیا جائے گا۔ لیکن انہوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ خیبر کے یہودی ہمارے حریف ہیں ہم ان کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ جب اللہ تعالیٰ کی مدد سے نبی کریم ﷺ کو خیبر کے یہودیوں پر فتح حاصل ہوئی تو بنی فزارہ حضور کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور کہا کہ جو وعدہ آپ نے ہمارے ساتھ کیا تھا، وہ پورا کریں۔ حضور نے فرمایا تمہارا حصہ؟ تمہارے لئے تو ذوالرقیہ ہے (یہ خیبر کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے)۔ انہوں نے کہا پھر ہم آپ سے جنگ کریں گے۔ حضور نے فرمایا ہم تمہارا پیلیج قبول کرتے ہیں۔ جنت کے مقام پر ہماری تمہاری جنگ ہوگی۔ جب حضور کا یہ فرمان انہوں نے سنا تو ان پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہاں سے راہ فرار اختیار کی۔

عیسہ نے مال غنیمت سے اپنا حصہ طلب کیا اور اپنا یہ احسان جتلیا کہ ہم نے اپنے حلیف یہودیوں کا ساتھ چھوڑ کر آپ کے لئے فتح کا راستہ ہموار کیا ہے۔ اس لئے آپ کی اس فتح میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا تم جھوٹ کہہ رہے ہو کہ ہماری وجہ سے تم نے یہودی کی امداد نہیں کی۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ تم نے ایسا شور مچا تھا جس کی وجہ سے تم خوفزدہ ہو گئے تھے اور بھاگ گئے تھے۔ اس نے پھر کہا مال غنیمت سے ہمیں بھی کچھ عطا فرمائیے تو فرمایا تمہارے لئے ذوالرقیہ ہے۔ اس نے پوچھا ذوالرقیہ کیا ہے؟ فرمایا وہ ایک پہاڑ جو تم نے خواب میں دیکھا تھا کہ تم نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ عیسہ مایوس ہو کر لوٹ گیا۔ جب اپنے اہل خانہ کے پاس آیا تو اس کے پاس حارث بن عوف آیا اور کہا، کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے ارادہ سے باز آ جاؤ؟ بخدا! محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) یقیناً فتح یاب ہوں گے اور مشرق و مغرب میں ان کی حکومت کا ڈنکا بجے گا کیونکہ یہودی علماء ہمیں آپ کے بارے میں بتایا کرتے تھے۔ میں نے ابورافع سلام بن مشکم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم محمد (ﷺ) سے حسد کرتے ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے نبوت بنی ہارون سے نکل کر بنی ہاشم میں آ گئی ہے۔ یقیناً وہ نبی مرسل ہیں اور یہود میری اس بات کو نہیں مانتے۔ ان کی خود سری کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ان کا دوسرا مرتبہ قتل عام ہو گا۔ ایک یثرب میں اور دوسرا خیبر میں۔ (۱)

لیکن یہود اپنی ضد پر اڑے رہے اور ان کو دوبارہ ان زہرہ گداز حالات سے دوچار ہونا پڑا جن کی چشم گوئی ان کے ایک برادر سلام بن مشکم نے کی تھی۔

غزوہ خیبر میں جن شرعی احکام کا نفاذ ہوا

جتنوں میں عام طور پر اخلاقی مصلحتوں اور قانونی پابندیوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس

وقت لشکر کے سپاہیوں اور ان کے جرنیلوں کے سامنے ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ ہر قیمت پر دشمن کو شکست دے کر کامیابی حاصل کی جائے۔ طیارے پر امن شہریوں، ہسپتالوں اور درس گاہوں پر بے دریغ بمباری کرتے ہیں۔ توپیں آگ اگلتی ہیں اور ہستے ہستے شہر ویرانوں اور کھنڈروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ جو جنرل اس قسم کے انسانیت سوز جرائم کا ارتکاب کر کے جنگ جیت لیتا ہے، اسے مختلف قسم کے اعزازات سے نوازا جاتا ہے اور شعراء اس کی توصیف میں قصائد لکھتے ہیں۔ تو میں اس کی تکریم کے لئے جو س نکالتی ہیں اور سربراہان مملکت سنہری تمغوں کو ان کے سینوں پر آویزاں کر کے فخر محسوس کرتے ہیں۔ لیکن حبیب رب العالمین ﷺ کی شان ہی نرالی ہے۔ وہ اس وقت بھی احترام انسانیت کا درس دے رہے ہوتے ہیں۔ وہ اس وقت بھی امانت میں خیانت کرنے والوں کی سرزنش کرتے سنائی دیتے ہیں۔ اس خیانت کا مرتکب عظیم جرنیل ہو یا عام سپاہی، کسی کو معاف نہیں کیا جاتا۔ وہ اس وقت بھی اپنے رب کریم جل مجدہ کے احکام کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں اور بڑی سنجیدگی سے ان کی تنفیذ میں سرگرم عمل ہوتے ہیں۔

خیبر کے معرکوں میں نبی رحمت ﷺ اپنے فرائض نبوت کی بجا آوری میں منہمک نظر آتے ہیں۔ حالات کی نزاکت، فوج کی ممکنہ برہمی کا اندیشہ، دشمن کی عیاریاں، کوئی چیز بھی تو ان کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔ اس عرصہ میں شریعت کے جو احکام نازل ہوئے اور ان کو جس ہمت، خلوص اور دل سوزی سے عملی جامہ پہنایا گیا، اس کا مطالعہ کر کے آپ کے لوح قلب پر عظمت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا نقش یوں ثبت ہو جائے گا کہ اس کی چمک کو کوئی چیز مدہم نہیں کر سکے گی۔

اموال غنیمت میں خیانت کی ممانعت

سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک غلام کو حکم دیا کہ مجاہدین میں یہ اعلان کر دے:

أَدْعُوَ الْخِيَاطَ وَالْمُخَيَّطَ: فَإِنَّ الْغُلُولَ عَارٌ وَشَتَارَةٌ تَارٌ

(1)

يَوْمَ الْقِيَمَةِ

”جس کے پاس ماں غنیمت میں سے دھاگہ اور سوئی بھی ہے، وہ وہاں سے کر

دے، کیونکہ اموال غنیمت میں بددیانتی باعث جنگ و عار ہے، وہ بڑا
 رذیل جرم ہے اور روز قیامت وہ آگ کا شعلہ بن کر لپکے گا۔“

فروہ نامی صحابی نے سورج کی دھوپ سے بچنے کے لئے ایک چٹکا اپنے سر پر باندھا ہوا
 تھا۔ حضور نے دیکھا تو اسلام کے اس جانباز سپاہی کو فرمایا۔

(۱) عَصَا بَہْ مِنْ تَارٍ عَصَبَتْهُ بِهَارَ اسَلَفَ
 ”اے فروہ! تو نے آتشیں چٹکا سے اپنا سر لپیٹا ہوا ہے۔“

فروہ نے اسے فوراً اتار کر پھینک دیا۔

ایک مجاہد نے ایک معمولی سی چیز اموال فنی سے مانگی۔ ہادی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام
 نے فرمایا کہ مال فنی سے کسی کو دھاگہ یا سوئی تک دینا بھی روا نہیں۔

ایک صاحب نے ایک عقال کے بارے میں سوال کیا۔ فرمایا کہ جب تک مال غنیمت
 تقسیم نہ ہو جائے میں تمہیں عقال نہیں دوں گا۔ ”عقال“ اس رسی کو کہتے ہیں جو سر کے
 رومال پر باندھی جاتی ہے اور اس رسی کو بھی کہتے ہیں جس سے اونٹ کا گھٹنا باندھا جاتا ہے۔
 کر کر وہ نامی ایک سپاہی جنگ میں مارا گیا۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ اس نے مال غنیمت
 میں سے ایک چادر لی تھی۔ اس خیانت کے باعث اب وہ آگ میں جل رہا ہے۔

اسی طرح بنی اشجق قبیلہ کا ایک آدمی یہودیوں سے جنگ آزما ہوا اور مارا گیا۔ سرکارِ دو
 عالم ﷺ نے ایسے مجاہد کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا، اس تمہارے دوست نے
 مال غنیمت میں خیانت کی ہے، اس لئے میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا۔ جب اس کے
 سہان کی ستاشی نہ گئی تو صرف کانچ کے دو ٹکے اس کے سہان سے دستیاب ہوئے جن کی
 قیمت دو درہم سے بھی کم تھی۔ مال غنیمت میں سے کسی چیز کو فروخت کرنا جائز نہیں جب
 تک اسے اس کے نام پر نشان رونہ کر دیا جائے۔

اسی تربیت نبوی کا اثر تھا کہ مسلمانوں میں لانت کا جوہم پیدا ہوا۔ جب کہ یہ ان کے
 قہرِ انیض پر مسلمانوں نے قبضہ کیا اور اس سے بیش قیمت اور نادر تحائف دستیاب ہوئے۔
 انہیں جب مدینہ طیبہ روانہ کیا گیا تو ان میں ایک پائی کے برابر بددیانتی کا سراغ نہیں
 ملا۔ وہ اس درجہ لانت کا مظہر و انکیزہ نہ بن سکے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ سوگ سوئے کی ڈلیوں کو سونے کے زیوروں سے بطور تخمینہ خرید و فروخت کر رہے ہیں۔ حضور نے اسے بھی روک دیا۔ فرمایا، سونے کو سونے سے اگر فروخت کیا جائے تو وزن بھی برابر ہونا چاہئے اور یہ لین دین بھی دست بدست ہونا چاہئے۔

دیگر شرعی احکام

ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَسْتَقِ مَاءَهُ
دَرَسًا غَيْرَةً۔

”جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے۔“

اگر کسی غازی کو مال غنیمت سے کوئی کنیز ملے تو اگر وہ کنیز حاملہ ہو تو وضع حمل سے پہلے وہ اس کے ساتھ مقاربت نہیں کر سکتا۔

کیونکہ اس سے خط نسب کا خطرہ ہوتا ہے، اس لئے اس سے روک دیا۔ وہ کنیز اگر غیر حاملہ ہو تو پھر بھی ایک ماہ تک اس سے مقاربت کی اجازت نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ حاملہ ہو اور اس کا حمل ابھی ظاہر نہ ہوا ہو۔ ایک ماہ کے بعد اگر اس کو حیض آجائے تو اطمینان ہو جائے گا کہ وہ امید سے نہیں ہے۔

گدھوں کی حرمت کا حکم

جنگ خیبر کے ایام میں مسلمانوں کو سامانِ خور و نوش کی قلت کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ قاذو کشی تک نوبت پہنچ گئی۔ ایک روز مسلمانوں نے یہودیوں کے گدھے پکڑے، انہیں ذبح کیا اور دیگوں میں ان کا گوشت ڈال کر پکانا شروع کیا۔ جب نیم پختہ گوشت کے پکنے سے سوہندی سوہندی خوشبو سے ساری فضا مہکنے لگی تو رحمتِ عالم تشریف لائے۔ پوچھا، کیا پک رہا ہے؟ عرض کی گئی، ہاں تو گدھوں کا گوشت پکا رہا ہے۔ حضور نے ایک صحابی کو حکم دیا کہ یہ

اعلان کردو:

إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانَكُمْ مِنَ الْمُؤْمِرِ الْخُمْرِ فَأَنْهَاهَا رَبُّكَ (1)
 ”یعنی اللہ اور اس کا رسول تمہیں اس بات سے منع فرما رہے ہیں کہ تم
 گدھوں کا گوشت کھاؤ کیونکہ یہ پلید ہے۔“

خمر کے گوشت کی بھی ممانعت فرمادی۔ اس کے علاوہ فرمایا، جنگلی جانوروں میں سے
 درندوں کے گوشت کو بھی حرام قرار دے دیا گیا اور جو پرندے تیز ناخنوں سے شکار کرتے
 ہیں ان کو بھی حرام کر دیا گیا۔

ارشاد فرمایا، کھجور کا پھل جب تک قابل استعمال نہ ہو جائے اس کو فروخت کرنا جائز نہیں۔
 طبقہ نسواں میں جو خرابیاں جز پکڑے ہوئے تھیں ان کے بارے میں بھی واضح احکام
 جاری فرمائے۔ فرمایا۔

لَعَنَ يَوْمَئِذٍ الْأَوَاصِلَةَ وَالْمُؤَاصِلَةَ وَالْوَأِشِمَةَ وَالْمُؤَشُمَةَ
 وَالْخَامِشَةَ وَجَهَهَا وَالشَّاقَّةَ بَجِيَّتِهَا۔ (2)
 رحمت عالم ﷺ نے مندرجہ ذیل عورتوں پر لعنت بھیجی:

1- الْأَوَاصِلَةُ وہ عورت جو دوسری عورتوں کے بال لے کر کسی عورت کے
 بالوں سے پوست کر دیتی ہے۔

2- الْمُؤَاصِلَةُ جس کے بالوں کے ساتھ کسی دوسری عورت کے بال پوست
 کئے جائیں۔

3- الْوَأِشِمَةُ جو سوئی کی نوک سے کسی خاتون کے چہرے اور ہاتھوں وغیرہ پر
 نیلے رنگ کے نقش و نگار گوندتی ہے۔

4- الْمُؤَشُمَةُ وہ عورت جس کے جسم پر ایسے نقش و نگار گوندے جاتے
 ہیں۔

5- الْخَامِشَةُ وَجَهَهَا جو کسی عزیز کی موت پر یا کسی دوسرے صدمہ کے وقت
 اپنے چہرہ کو نوچتی ہے۔

6- اَلشَّاقَّةُ جَبِيهَا جو کسی عزیز کی موت یا کسی دوسرے صدمہ کے وقت اپنا گریبان پھاڑتی ہے۔

7- ان کے علاوہ اَلْمَجْشَمَةُ، اَلْخَلِيَّةُ اور اَلثَّهْبَةُ کو بھی حرام قرار دیا۔

المجشمہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے میدان میں کھڑا کر کے اس پر نشانہ بازی کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں ایک جاندار کو بے جا اذیت دی جاتی ہے، اس لئے اسے حرام قرار دے دیا گیا۔

الخلیہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے کسی درندے نے اپنی گرفت میں لے لیا ہو۔ اس کو اس درندہ کی گرفت سے چھڑا لیا جائے لیکن ذبح کرنے سے پہلے وہ مر جائے تو وہ جانور بھی حرام ہوگا۔

النهہ زندہ جانور سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیا جائے۔

8- نیز رحمت عالم ﷺ نے میدان جنگ میں کسی عورت کو قتل کرنے سے بھی روک دیا۔ (1)

9- اس موقع پر سرکارِ دو عالم ﷺ نے پیدل غازی کے لئے ایک حصہ اور گھڑ سوار کے لئے تین حصے مقرر فرمائے۔ ان تین حصوں میں سے ایک حصہ سوار کے لئے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لئے۔ اگر کسی سوار کے پاس متعدد گھوڑے ہیں تو اسے صرف ایک گھوڑے کے دو حصے ملیں گے۔ باقی گھوڑوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس جنگ میں سرورِ عالم ﷺ کے پاس تین گھوڑے تھے مگر سرکار نے صرف ایک گھوڑے کے دو حصے لئے۔

مزارِ عت کا جواز

فتح خیبر کے بعد وہاں کی ساری زرعی زمینیں، وسیع و عریض باغات اور نخلستان، حضور نبی کریم ﷺ کے قبضہ میں آگئے۔ اگر حضور چاہتے تو یہودیوں کو جلا وطن کر دیتے اور تمام زرعی زمینوں پر خود کاشت کرنے کا اہتمام فرما دیتے۔ لیکن رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان دشمنان اسلام کو ان کے بغض و عناد کے باوجود ان کے اپنے مکانات اور حویلیوں میں رہائش پذیر رہنے دیا اور زرعی زمینیں مزارعت پر ان کو دے دیں۔ طے یہ پیدا کہ زمینوں کے مالک اہل اسلام ہوں گے۔ یہ لوگ ان زمینوں میں کاشتکاری کریں گے اور جو زرعی پیداوار ہوگی وہ مسلمان اور یہودی آپس میں نصف نصف بانٹ لیں گے۔ اسی طرح باغات کی آپاشی، درختوں کی گوڑی اور ان کی نگہداشت کے ذمہ دار یہودی ہوں گے اور باغات کا پھل باہم برابر برابر تقسیم کر لیا جائے گا۔

سرور عالم ﷺ کے اس طرز عمل سے یہ ثابت ہو گیا کہ اپنی زرعی اراضی کو کاشتکاری کے لئے کسی دوسرے شخص کو مزارعت پر دینا اسلام میں جائز ہے۔ اگر مزارعت ناجائز ہوتی تو سرور کائنات ہگز اس کی اجازت نہ دیتے۔ بخ اور کھیتی باڑی کی ذمہ داری یہودی پر تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ نصف پھل اور نصف اناج یہودیوں کو عطا فرماتے اور نصف خود استعمال میں لاتے۔

متعہ کی حرمت کا اعلان

زمانہ جاہلیت میں متعہ کی اجازت عام تھی۔ ایک شخص کسی عورت کے ساتھ ایک مقررہ مدت تک، ایک مقررہ رقم اور کر کے اس کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کر سکتا تھا اور اس کو وہاں کا معاشرہ معیوب نہیں سمجھتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے جس طرح زمانہ جاہلیت کی غیر صحیح رسوم کا قلع قمع فرمایا اسی طرح متعہ کی حیثیت پر سم کا بھی خاتمہ کر دیا اور غزوہ خیبر کے موقع پر سرکار دو عالم ﷺ نے یہ اعلان کر دیا کہ متعہ حرام ہے، کوئی شخص اس کا مرتکب نہ ہو۔

یہ حیا سوز حرکت اگرچہ اس قابل نہیں کہ اسے زیر بحث لا کر اپنا وقت بھی ضائع کیا جائے اور اپنے قارئین کی برداشت کو جانچا جائے۔ لیکن بد قسمتی سے یہاں ایک ایسا طبقہ بھی پیدا جاتا ہے جو نہ صرف متعہ کو جائز اور مباح سمجھتا ہے بلکہ اس کے فضائل و برکات کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ حج و عمرہ جیسے عظیم اعمال صحابہ جی اس کے سامنے بچا نظر آتے جیتے ہیں۔ انہوں نے اس کی تعریف و توصیف میں ریش و آسماں کے قلوب مدائیے ہیں کہ اس شرمناک فعل کا چند بار کتاب کرنے والے کا مرتبہ سیدنا علیؑ رحمہ اللہ و جبر

سے بھی بلند ہو جاتا ہے۔ العیاذ باللہ

اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس موضوع پر کچھ تفصیل سے بحث کریں تاکہ متعہ کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں کسی قطعی نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ نیز اسلام جیسے پاکیزہ دین فطرت پر فسق و فجور کی قبیح ترین اور شرمناک حرکت کو مباح اور جائز قرار دینے کا جواز لازم ہے، اس کا ازالہ کیا جاسکے۔

وہ شیعہ فرقہ ہے جو اس حیا سوز اور گھناؤنے عمل کو حج و عمرہ سے بھی افضل سمجھتا ہے اور اس کی شان میں جو قصیدہ خوانی ان لوگوں نے کی ہے ایسا سن کر ایک شریف انسان مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں چند سوالات کے تفصیلی جوابات دینا از حد ضروری ہیں:

- 1- متعہ کس کو کہتے ہیں؟
- 2- شیعہ نے متعہ کے جواز کے لئے کیا دلائل دیئے ہیں؟
- 3- شیعہ نے متعہ کے فضائل میں جو ہرزہ سرائی کی ہے اس کی تردید۔
- 4- اہل سنت کے نزدیک متعہ کی حرمت کے کیا دلائل ہیں؟

1- متعہ کیا ہے؟

”ایک مرد اور عورت کا باہمی رضا مندی سے ایک مقررہ مدت تک ایک متعین رقم کے عوض میاں بیوی کی طرح ایک ساتھ مباشرت کو متعہ کہتے ہیں۔“
اس میں اور نکاح میں بہت فرق ہے جن میں سے چند فرق درج ذیل ہیں۔

متعہ

نکاح

- 1- نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے۔ متعہ کے لئے ولی کی اجازت ضروری نہیں۔
- 2- نکاح میں گواہوں کی موجودگی میں دونوں متعہ میں گواہوں کی موجودگی ضروری نہیں۔ دونوں مرد و زن رازداری سے بھی ایجاب و قبول کر سکتے ہیں۔
- 3- نکاح کے بعد علیحدگی کے لئے طلاق متعہ میں طلاق کی ضرورت نہیں۔ جب

ضروری ہے۔ مقررہ مدت ختم ہو جائے گی دونوں مرد و

عورت خود بخود جدا ہو جائیں گے۔

4۔ نکاح میں ظہار، ایلاء اور لعان کے

متعد میں ان امور کی گنجائش نہیں۔

ضابطے جاری ہوتے ہیں۔

5۔ نکاح کے بعد زوجین میں سے ایک

متعد میں کوئی وراثت نہیں۔

میر جائے تو دوسرا اس کا وارث ہوتا ہے۔

6۔ نکاح کے بعد جو اولاد ہوگی وہ اس کے

متعد میں لعان کے بغیر بھی مردانکار کر سکتا

خاندان کی ہوگی۔ وہ ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

ہے۔

انکار کی صورت میں اس کو لعان کرنا ہوگا۔

7۔ نکاح کے بعد طلاق یا وفات ہو جائے

متعد سے متعد کی عدت ہر حال میں صرف

تو عورت کو مقررہ عدت گزارنی پڑتی

دو حیض ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ پینتالیس دن

ہے۔

ہے۔

جو شیعہ متعد کے جواز کے قائل ہیں وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ ان کے درمیان

رشتہ ازدواج نہیں، جب ان دونوں کے درمیان رشتہ ازدواج نہیں تو پھر اس عورت کی

حیثیت کیا ہے؟ مغرب کے بے غیرت اور بے شرم معاشرہ میں اسے گرل فرینڈ کہتے ہیں۔

عربی میں ایسی عورتوں کو خلائل اور اخدان کہا جاتا ہے۔ "خلائل" خلیلہ کی جمع ہے اور

اخذان، خدان کی جمع ہے۔ یہ وہ عورتیں ہیں جن کا کسی مرد کے ساتھ ناجائز تعلق ہو۔ یہ

عورتیں نص قرآنی کی رو سے قطعی حرام ہیں۔ اس میں صنف نازک کی حد درجہ توہین و

تذلیل ہے۔ جب چاہا اسے اپنے شہتین عشرت کی زینت بنالیا اور جب چاہا پرانے جوتے کی

طرح اسے پرے پھینک دیا۔

یہ ہیں وہ حالات جن سے اس عورت کی حریمیت و غیرت حرکت کا ارتکاب کرنے والے

مرد و زن کو سزا پہنچاتا ہے۔

اب ہم منہ مل کا کر کرتے ہیں جو شیعہ لوگ متعد کے جواز کے لئے پیش کرتے ہیں :

متعہ کے جواز کے دلائل

اجماع شیعہ کہتے ہیں کہ متعہ کا اذن اجماع سے ثابت ہے۔ شیعہ اور سنی دونوں کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک جنگ کے موقع پر اس کا اذن دیا اور تمام شکر اسلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس اعلان کو سنا۔ اور جو چیز اجماع سے ثابت ہو وہ قطعی ہے، اس اجماع کو منسوخ قرار دینے کے لئے قطعی دلیل کی ضرورت ہے، اخبار واحد ظنی ہیں، اور ظنی سے قطعی کی تمنیخ نہیں ہو سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں، ایک اباحت اور دوسری اذن۔

مباح وہ چیز ہے جو اپنی ذات میں حسن اور خوب ہو۔ اور اذن میں ماذون کا ذاتی طور پر حسن اور خوب ہونا ضروری نہیں۔ بس اوقات ذاتی طور پر وہ چیز از حد قبیح ہوتی ہے لیکن کسی ضرورت کے پیش نظر اس کو استعمال کرنے کا اذن دے دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر حاست اضطراب میں مردار وغیرہ کھانے کا اذن ہے لیکن درحقیقت یہ چیزیں ذاتی لحاظ سے بہت قبیح اور غلیظ ہیں۔ مردار، خون، خنزیر اور وہ جانور جس کو بتوں کا نام لے کر ذبح کیا جائے، یہ چاروں چیزیں پر لے درجے کی غلیظ اور گندی ہیں۔ صرف اس شخص کو ان کے کھانے کا اذن دیا گیا ہے جس کے پاس کھانے کے لئے کچھ بھی نہ ہو اور اگر چند روز اس کو یہ چیزیں کھانے کی اجازت نہ ملے تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔

اسی طرح متعہ کا فعل از حد حیا سوز اور شرمناک ہے۔ انسانی شرف و کرامت کی قباکی اس سے دھجیاں اڑ جاتی ہیں۔ عہد جاہلیت میں اس قسم کے بے شمار غلیظ اور گندے اعمال کئے جاتے تھے۔ ان میں یہ متعہ بھی تھا۔ اس کا اذن انتہائی غیر معمولی حالت میں دیا گیا تھا جبکہ مجاہد اپنے اہل خانہ سے بہت دور حالت جنگ میں تھے۔ ایسے لوگوں کو متعہ کا اذن دیا گیا جو عرصہ دراز سے اپنی بیویوں سے دور تھے۔ اور اب ان کے لئے صبر کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ انتہائی مجبوری اور ضرورت کے وقت ایک حد درجہ قبیح چیز کے ارتکاب کا اذن دینا اور چیز ہے اور کسی چیز کو اس کے ذاتی حسن و خوبی کے باعث جائز قرار دینا بالکل مختلف چیز ہے۔

شیعہ کا یہ دعویٰ بھی حقیقت کے خلاف ہے کہ اجماع جو قطعی ہے، خبر واحد سے اس کی تمنیخ کی جا رہی ہے حالانکہ یہ ظنی ہے۔

یہ بات درست نہیں کیونکہ جس حدیث میں متعہ کی حرمت کا اعلان ہے وہ خبر واحد اور ظنی نہیں بلکہ پندرہ سو مجاہدین کے سامنے رحمت عالم ﷺ نے اس کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ جس ارشاد نبوی کو ڈیڑھ ہزار مجاہدین اپنے کانوں سے سنیں اور دوسروں کو سنائیں، ایسی خبر کو خبر واحد کیونکر کہا جاسکتا ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰ کا فیصلہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ آپ نے سنا کہ حضرت ابن عباس، متعہ کے جواز کے قائل ہیں۔ آپ بہت برا فروختہ ہوئے اور ازراہ غضب فرمایا: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّكَ إِذَا مَرَّ بِكَ أَحَدٌ مِنْهُمْ فَاصْلُحْ** "تم ایک ایسے شخص ہو جو راہ سے بھٹک گیا ہے۔" نیز جس زمانہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی حرمت کا اعلان کیا اس وقت حضرت ابن عباس کمسن تھے اور اپنے باپ حضرت عباس کے پاس مکہ میں فروکش تھے۔ جب کہ حضور اکرم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے جا چکے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے اپنے اس فتویٰ سے رجوع کر لیا۔ اس کے بعد دوسری امت کی طرح متعہ کو حرام قطعی کہتے تھے۔ **فَمَا اسْتَشْعَرْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَانُكُوهُنَّ اُجُودَهُنَّ** شیعہ اس آیت سے بھی متعہ کا جواز ثابت کرتے ہیں۔

اگر آپ اس آیت کے سیاق و سباق کا نظر غائر سے مطالعہ فرمائیں تو یہاں وہ متعہ مراد نہیں جس کے یہ وہب و مدادہ ہیں۔ بلکہ اس استماع سے مراد نکاح ہے۔ اس لئے اس آیت سے متعہ کے جواز کے لئے استدلال کرنا انتہائی بے باقی اور جسارت ہے۔

متعہ کی حرمت کے دلائل

۱۔ آپ کے سامنے چند آیات قرآنی پیش کر رہا ہوں جن کے مطالعہ سے آپ کو یقین ہو جائے گا۔ یہ فعل ارحد خلیفہ اور رندا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے قطعی حرام ہونے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ
الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خِشْعُونَ
وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ النَّغْوِ مُعْرِضُونَ
وَالَّذِينَ هُمْ يُرْجِعُهُمْ كَيِّفَ يُرْجَعُونَ
إِنَّ عَلَىٰ أَرْوَاحِهِمْ ثَمَرًا مِّنْكَ
يَتَذَكَّرُونَ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمْ

(1) هُمُ الْعَدُوْنَ -

”بے شک دونوں جہان میں باہم راہ ہو گئے ایمان والے۔ وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں، اور وہ جو ہر بیہودہ امر سے منہ پھیرے ہوتے ہیں، اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں کے اور ان کنیزوں کے جو ان کے ہاتھوں کی ملکیت ہیں۔ تو بے شک انہیں مدد مت نہیں کی جائے گی اور جس نے خواہش کی ان کے ہاں تو یہی لوگ حد سے بہت زیادہ تجاوز کرنے والے ہیں۔“

2۔ قرآن کریم میں بدکاری کے سبب چوری چھپے یا رانے گانٹھنے والوں، دیرینے گانٹھنے والیوں کا ذکر بڑے تحقیر آمیز لہجہ میں کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو ان کی پیروی سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

فَأَنذِرْهُمْ بِآيَاتِ أَهْلِهِمْ وَاتَّوْهُنَّ أَجْوَرَهُنَّ بِالنَّكَاحِ

(2) مُتَّصِنَاتٍ غَيْرِ مُسْلِمَاتٍ ذَلَا مُتَّخِذَاتٍ أَخْدَانٍ -

”پس نکاح کر لو ان سے ان کے سر پرستوں کی اجازت سے اور وہ ان کو مہر دستور کے موافق تاکہ نکاح سے وہ پاک دامن بن جائیں، نہ علانیہ زنا کار ہوں اور نہ بنانے والی ہوں پوشیدہ یار۔“

3۔ آئمہ اہل بیت کی تصریحات بھی متعہ کے قطعی حرام ہونے پر دلالت کر رہی ہیں۔
بسام صیرفی نے حضرت ابو عبد اللہ جعفر الصادق سے متعہ کے بارے میں پوچھا:

(3) فَقَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَهَا الزَّوْنَا

”آپ نے فرمایا یہ تو زنا ہے۔“

ان لوگوں کے قول و عمل میں جو تضاد ہے اسے دیکھ کر سرچکرا رہا ہے اور دل ڈوبنے لگتا ہے۔ ایک طرف تو وہ اہل بیت رسالت مآب سے کسی غیر سید کے نکاح کو بھی ناجائز سمجھتے

ہیں اور دوسری طرف خاندان نبوت کی عصمت مآب خواتین سے متعہ کرنے کے جواز کے قائل ہیں بلکہ حکم دیتے ہیں۔ شیخ الطائفہ ابو جعفر الطوسی اپنی مشہور کتاب ”تہذیب الاحکام“ میں لکھتے ہیں

(1) عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ لَا تَأْتَسَّ بِالشَّعْرِ بِأَلْهَائِيَّةٍ
”یعنی امام جعفر صادق فرماتے ہیں کسی ہاشمی خاتون کے ساتھ متعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔“

پھر اسی صفحہ پر امام جعفر صادق سے ہی ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

(2) قَالَ تَمَتَّعَ بِأَلْهَائِيَّةٍ
”ہاشمیہ خاتون سے متعہ کیا کرو۔“

بنو ہاشم جو خاندان رسالت مآب ﷺ ہے، ان کی عصمت شعار خواتین کے بارے میں ایسی بات لکھنا اور پھر اسے حضرت امام جعفر صادق کی طرف منسوب کرنا، بے حیائی اور بے غیرتی کی کیا انتہاء نہیں؟

اسی کتاب کے صفحہ 250 پر ایک روایت ہے۔ وہ بھی ملاحظہ فرمائیے، آپ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی:

جَاءَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمِيرٍ النَّيَّيْ إِلَى أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ
فَقَالَ لَهُ مَا تَقُولُ فِي مُتَعَةِ النِّسَاءِ فَقَالَ أَحَلَّهَا اللَّهُ فِي
كِتَابِهِ عَلَى بَنِي آلِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِيهِ
حَدٌّ لِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَقْبَلَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمِيرٍ
فَقَالَ يَتْرُكُ أَنَّ نِسَاءَكَ وَبَنَاتِكَ وَأَخَوَاتِكَ وَبَنَاتِ
عَمَّتِكَ يَفْعَلْنَ ذَلِكَ فَأَعْرَضَ أَبُو جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ
حِينَ ذَكَرَ نِسَاءَهُ وَبَنَاتَهُ عَمَّتَهُ -

(3)

”عبد اللہ بن عمیر النبی ایک مرتبہ امام ابو جعفر محمد باقر علیہ السلام کی

1۔ ابو جعفر محمد بن حسن خوی (465ھ)، ”تہذیب الاحکام“، الطبعة الأولى، 1377ھ، مطبع 2، جلد 7، صفحہ 271

2۔ یسنا

3۔ ابنہ، صفحہ 250

خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، عورتوں کے متعہ کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنی نبی کی زبان کے ذریعہ اس چیز کو حلال قرار دیا۔ پس یہ قیامت تک حلال ہے۔ یہ سن کر عبداللہ بن عمیر پھر عرض کرنے لگا۔ اے امام! کیا یہ بات آپ کے لئے مسرت بخش ہے کہ (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) کہ آپ کی عورتیں، آپ کی بیٹیاں اور آپ کی بہنیں، آپ کے چچ کی بیٹیاں یہ کام کریں۔ جب اس شخص نے خاندان نبوت کا نام لیا تو امام محمد باقر نے اس شخص سے اپنا منہ پھیر لیا۔“

اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ یہ قبیح اور گندافعل ہے اور امام باقر اپنے خاندان کی مستورات کے لئے اس کو ہر گز گوارا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اس کے محبوب کریم ﷺ کے نزدیک امت مسلمہ کی تمام عفت شعار بیچوں کی آبرو یکساں طور پر عزیز ہے۔ اسی شیخ الطائفہ جعفر طوسی کی اسی کتاب میں ایک روایت درج ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ متعہ قطعاً حرام ہے۔ وہ روایت آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَيِّبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ
قَالَ حَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ
خَيْبَرَ لِحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْيِيَّةِ وَنِكَاحِ الْمُتَعَتِ

(1)

”حضرت زید بن علی نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے روز پالتوں گدھوں کے گوشت اور متعہ کے نکاح کو حرام قرار دے دینے کا اعلان کیا تھا۔“

جب حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کے فرزند حضرت زید اس حدیث کے راوی ہیں تو اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ ☆

اہل فدا کے ساتھ معاہدہ صلح

سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی قیادت میں لشکر اسلام، خیبر کے یہودیوں کی گوشمالی کے لئے خیبر کی طرف رواں دواں تھا۔ جب یہ لشکر خیبر کے نزدیک پہنچ گیا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے ایک صحابی محیصہ بن مسعود کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ تم اہل فدا کے پاس جاؤ، پہلے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دو، اگر وہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو انہیں کہو کہ نبی مکرم ﷺ تم پر بھی اسی طرح شکر کشی کریں گے جس طرح اہل خیبر پر کی ہے۔ تمہارے میدان میں آکر مجاہدین اسلام خیمہ زن ہو جائیں گے اور اس کا جو نتیجہ نکلے گا وہ تم سے پوشیدہ نہیں۔

محیصہ کہتے ہیں کہ میں وہاں پہنچا۔ انہیں سرکارِ دو عالم ﷺ کا پیغام پہنچا۔ ان کے جواب کے لئے دو روز تک مجھے وہاں ٹھہرنا پڑا۔ وہ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ نطاعۃ کے قلعوں میں یہود کے بہادر سورما عمر، یاسر، حارث اور ساری یہودی امت کا سردار "محب" بھی وہاں موجود ہے۔ دس ہزار یہودی لڑاکے پوری طرح مسلح ہیں۔ مسلمانوں کی کیا محال ہے کہ خیبر پر حملہ کرنے کی جسارت کر سکیں؟ محیصہ فرماتے ہیں، جب میں نے ان کے حبش باطن کا جائزہ لیا تو واپس جانے کی تیاری شروع کر دی۔ انہیں جب میرے اس ارادے کا علم ہوا تو میرے پاس آئے اور کہا، آپ واپس جانے میں جلدی نہ کریں، ہمیں سوچنے اور باہمی مشورو کرنے کا موقع دیں۔ ہم اپنے چند ذمہ دار آدمی بھیجیں گے جو نبی کریم سے مصالحت کے لئے سلسلہ جنابی کریں گے۔ یہ ساری باتیں محض ٹال منول کے لئے تھیں۔ نفاق کے قلعوں کے لئے جو جنگ ہو رہی تھی وہ اس کے نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے۔ جب انہیں پتا چلا کہ عمر، یاسر اور حارث، جن کی جتنی مہارت اور شجاعت پر انہیں کامل جرہ ہے، انہیں اسلام کے مجاہدوں نے انہیں ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیاتے ہیں۔ یہ محب جو قبائلیک بنو نضیر کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتا تھا وہاں فقر حیدری نے اس کے بھی پانچ زوایے تو ان کے حواس باختہ ہو گئے۔ اور اب انہوں نے حضور انور ﷺ سے صلح کرنے میں اپنی اپنی بجات، کھمچی، پنا پچ، اپنے ایک رار، نون بن یوشع کو چند دیگر یہودیوں کے سرداروں کا دست میں بھیجی۔ ان یہودی وفد نے صلح کی درخواست کی جو

رحمت عالم ﷺ نے قبول فرمائی اور اہل فدک کے ساتھ مندرجہ ذیل شرائط پر صلح کا معاہدہ طے پایا:

- 1۔ حضور انور ﷺ سارے یہودیوں کی جان بخشی فرمائیں گے۔
- 2۔ یہودی فدک کے علاقہ سے نکل جائیں گے۔
- 3۔ تمام غیر منقولہ جائیدادیں، مکانات، نخلستان اور کھیت، سرور عالم ﷺ کے حوالے کر دیں گے۔

لیکن انہوں نے ان شرائط پر عمل درآمد کرنے میں پس و پیش شروع کی تو حضرت محیصہ نے انہیں سمجھایا کہ ان حرکتوں سے باز آ جاؤ۔ حضور نے اگر صرف ایک سو مجاہد بھی تمہاری سرکوبی کے لئے بھیج دیئے تو وہ تم سب کو ہانک کر لے جائیں گے۔ آخر کار اس بات پر صلح ہوئی کہ فدک کی نصف زمین، یہود کی ملکیت میں رہے گی اور دوسرے نصف کے سرکارِ دوعالم ﷺ مالک ہوں گے۔ اس نصف کی آمدنی سے حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ فرماتے اور خاندان بنو ہاشم کے کم عمر افراد پر اور اس خاندان کی بیواؤں کی شادی پر خرچ فرماتے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب فدک کے یہودیوں کو یہاں سے جلا وطن کرنا گزیرا ہو گیا تو آپ نے بیت المال سے ان کے نصف حصہ کی قیمت ادا کی تب انہیں جلا وطن کیا۔ (1)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے نصف حصہ کی قیمت لگانے کے لئے تین جلیل القدر صحابہ کو مقرر کیا تاکہ وہ وہاں جا کر اس قطعہ زمین اور اس میں اگے ہوئے کھجوروں کے درختوں کی قیمت کا اندازہ لگائیں تاکہ وہ قیمت فدک کے یہودیوں کو ادا کی جائے۔ ان صحابہ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ ابوالبیہشم، لک، بن تیہان، فروہ بن عمرو بن جبار اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

یہ حضرات وہاں تشریف لے گئے اور فدک کی نصف اراضی جو یہودیوں کی ملکیت تھی اور ان پر جو نخلستان تھے، ان کی قیمت کا تخمینہ لگایا۔ وہ قیمت پچاس ہزار درہم سے زیادہ تھی۔

1۔ علامۃ علی بن برہان الدین اعظمی شافعی (م 1044ھ)، "سان العیون فی یہود" میں ماموں (معروف ماسیرۃ الکلبی)، مکتبہ مصطفیٰ الباقی علی، 1349ھ، جلد 2 صفحہ 183

یہ قیمت ادا کر کے آپ نے دوسرا نصف بھی بیت المال کے لئے خریدا اور اس طرح غیر مسلمانوں کے ساتھ اس رواداری اور تسامح کا برتاؤ کیا جس کی مثال اقوام عالم کی تاریخ میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ (۱)

اراضی فدک کی آمدنی اور اس کی تقسیم

مندرجہ بالا تفصیل سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ فدک کو فتح کرنے کے لئے لشکر کشی نہیں کی گئی بلکہ یہ علاقہ بذریعہ صلح سرور عالم ﷺ کے قبضہ میں آیا تھا۔ اس لئے یہ اراضی اموال فائے میں سے تھی اور نبی کریم ﷺ کی ملکیت تھی۔ حضور اس کی آمدن سے ازواج مطہرات، بنو ہاشم کے یتیموں اور ناداروں پر مال خرچ فرمایا کرتے تھے۔ اور جو بیچ جاتا اس سے مجاہدین کے لئے اسلحہ، سواری کے جانور اور دیگر ضروریات خریدی جاتی تھیں۔

رحمت عالم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اموال فائے کی دیکھ بھال کی ذمہ داری خلیفۃ الرسول کے سپرد ہوئی۔ آپ ان اراضی کا انتظام فرماتے اور ان سے جو آمدنی ہوتی وہ اس طرح خرچ کرتے جس طرح رحمت عالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو خرچ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت سیدۃ النساء نے سرور کائنات کی اراضی فائے سے اپنے ورثہ کا مطالبہ کیا تو حضرت صدیق اکبر نے سیدۃ النساء العالیین کی خدمت میں سرور کائنات رحمت معدنیں ﷺ کا یہ فرمان پیش کیا جس میں ہادی برحق نے فرمایا کہ "ہم گرد و انبیاء نہ کسی کی جائیداد کے وارث ہوتے ہیں اور نہ کوئی ہماری جائیداد کا وارث ہوتا ہے۔ جو مال ہم چھپے چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔"

حضرت زبیراء سلام اللہ علیہا نے آپ سے پختہ وعدہ لیا کہ آپ ان زمینوں کی آمدنی اسی طرح خرچ کیا کریں گے جس طرح نبی مکرم ﷺ خرچ کیا کرتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر نے آپ کو یقین دہانی کرائی کہ وہ ایسا ہی کریں گے۔ چنانچہ صدیق اکبر اپنی وفات تک اس معاہدہ کو نبھاتے رہے۔ آپ کے بعد حضرت فاروق اعظم نے اسلامی مملکت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو آپ بھی سرور عالم اور حضور کے خلیفہ برحق کے طریقہ کے مطابق ان

اراضی کی آمدنی کو صرف فرماتے رہے۔ آپ نے اپنی خلافت کے تیسرے سال ان جائیدادوں کا انتظام سیدنا علی مرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے کر دیا اور ان دونوں حضرات سے کہا کہ وہ اس مد کی آمدنی بعینہ اس طرح خرچ کریں گے جس طرح خود نبی مکرم ﷺ اور آپ کے جانشین صدیق اکبر کیا کرتے تھے۔ خلافت فاروقی میں ایسا ہی ہوتا رہا۔ پھر عہد عثمانی میں بھی اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ یہی وہ حضرات اس کا انتظام بھی کیا کرتے اور حسب سابق ان کی آمدنی کو بھی ویسے ہی خرچ کرتے رہے۔ حضرت عثمان کے بعد سیدنا علی نے مسند خلافت کو شرف بخشا۔ آپ کا بھی یہی معمول رہا، اس میں کسی قسم کا رد و بدل نہیں کیا اور نہ اپنے عہد اقتدار میں اس کو حضور کے وارثوں میں تقسیم کیا۔

آپ نے بھی اپنے پورے عہد خلافت میں اسوہ صدیقی اور فاروقی پر کار بند رہ کر اس بات کی تصدیق فرمادی کہ شیخین کا تعامل برحق تھا۔ اگر خدا نخواستہ ان حضرات نے سرور عالم ﷺ کے وارثوں کا حق غصب کیا ہوتا تو حضرت علی مرتضیٰ جب سلطنت اسلامیہ کے خود مختار خلیفہ بنے تو یہ آپ کی اولین ذمہ داری تھی کہ اس خامانہ طرز عمل کا خاتمہ کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ داروں کو ان کا حق دیتے۔ سیدنا علی کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے تو آپ بھی اسی طریقہ پر گامزن رہے۔ آپ کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کو یہ ذمہ داری تفویض ہوئی اور جناب امام عالی مقام بھی اسی طرح اس کی آمدنی کو خرچ کرتے رہے جس طرح ان سے پہلے اولوالعزم خلفاء کا معمول تھا۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت زین العابدین اور آپ کے بھتیجے حضرت حسن بن حسن نے مشترکہ طور پر یہ ذمہ داری سنبھالی۔ ان کے بعد حضرت حسن کے فرزند حضرت زید اس فریضہ کو ادا کرتے رہے۔ (1)

ان ائمہ اہل بیت اور پیشوایان امت کے اس طرز عمل نے اس حقیقت کو مہر نمرود کی طرح آشکار کر دیا کہ ان اموال کے بارے میں ان ائمہ اہل بیت کا طرز عمل بھی وہی تھا جو حضرت ابو بکر نے اختیار کیا تھا۔ بلاشبہ وہ اہل حق تھے اور ان کا طرز عمل بھی برحق تھا۔ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر زبان طعن دراز کرنے والے ذرا یہ تو بتائیں کہ ان ائمہ اہل بیت کے بارے میں ان مفتیان شرع ابن سبا کا کیا فتویٰ ہے؟

باغ فدک کا مسئلہ کیونکہ امت مسلمہ میں عرصہ دراز سے متنازعہ فیہ رہا ہے اور دشمنان اسلام نے امت مسلمہ کے اتحاد و اتفاق کے قلعہ پر اس مسئلہ کی آڑ لے کر شب خون مارنے کی بارہا کوششیں کی ہیں، اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ کی مزید وضاحت کر دی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ، طالبان حق کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ حقیقت کو سمجھ سکیں اور اسلام کے بدخواہوں کا آلہ کار بننے سے بچ سکیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

ہمارے بعض دوست بڑے ظلمطراق ہے یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے باغ فدک چھین لیا، ان پر ظلم کیا، ان کی دل آزاری کی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے ہم نوا اور مؤید تھے وغیرہ وغیرہ۔ اس موقع پر وہ جس شائستگی اور شرافت کی تمام حدود کو پھاند جاتے ہیں ان کے ذکر سے میں دانستہ احتراز کرتا ہوں۔

میرے پیش نظر مسئلہ کو الجھانا نہیں، سلجھانا ہے۔ میں شکوک و شبہات کو ہوا دے کر ماحول کو غبار آلود نہیں کرنا چاہتا۔ تاہم حق و باطل میں امتیاز کرنا آپ کا کام ہے۔

سب سے پہلے میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ فدک کیا ہے؟ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کے بعد قدم بہ قدم سوئے منزل بڑھتے جائیں گے۔

اہل اسلام کو جو اموال و املاک کفار سے حاصل ہوتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

(1) قیمت (2) فے۔

مال قیمت اس کو کہتے ہیں جو لڑائی اور لشکر کشی کے بعد حاصل ہو۔

مال فے اس کو کہتے ہیں جو لشکر کشی کے بغیر حاصل ہو۔

مال قیمت اور مال فے کی یہ تعریف متفقہ ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ دونوں قسم کے اموال کا شرعی حکم قرآن حکیم میں وضاحت سے مذکور ہے۔ اس کے لئے ہمیں پریشان ہونے یا مزید ورق گردانی کی چنداں ضرورت نہیں۔

سورۃ الانفال کی آیت لیسویں آیت میں اموال قیمت کے احکام صراحتاً ذکر کئے گئے

ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِتِخْمَتِهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِإِثْنِ
الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنْتُمْ أَمْنَةً عَلَيْهِ

وَمَا أَرْزَلْنَا عَلَىٰ عِيسَىٰ

(1)

”اور جان لو۔ کہ جو کوئی چیز تم غنیمت میں حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول کے لئے، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جسے ہم نے اتار اپنے محبوب بندہ پر۔“

اس آیت میں غور کرنے سے واضح ہو گیا کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں گے۔ چار حصے حکم مجاہدوں اور غازیوں میں تقسیم کئے جائیں گے اور پانچویں حصہ کے مصارف اس آیت میں کھول کر ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

مال فے کے احکام سورہ حشر کی آیت نمبر 7 میں بیان کئے گئے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِينَ
الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ
الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ

(2)

”جو مال پنا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے تو وہ اللہ کا ہے، اس کے رسول کا ہے اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ مال گردش نہ کرتا رہے تمہارے دولت مندوں کے درمیان۔“

اس سے واضح ہو گیا کہ جو اموال فے ہوں ان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حصہ ہے، حضور کے رشتہ داروں کا، امت کے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا۔ اموال فے میں ان تمام لوگوں کو حصہ دار بنانے کی حکمت ساتھ ہی بیان فرمادی کہ ماں چند اغنیاء میں ہی گردش نہ کرتا رہے اور سمٹ کر چند افراد کے ہاتھوں میں جمع نہ ہو جائے۔

بلکہ اس کی گردش کا دائرہ زیادہ سے زیادہ ہو تاکہ دولت کی تقسیم سے امت کے زیادہ سے زیادہ افراد مستفید ہوتے رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کئی لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ کے مختصر جملہ میں اسلامی نظام معیشت کی روح و اس کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے۔ سرمایہ دارانہ

معیشت میں دولت سمٹ کر چند افراد کے پاس جمع ہو جاتی ہے۔ ملک کے منشی بھر لوگ از حد متحمل ہو جاتے ہیں اور قوم کے باقی افراد عسرت و تنگ دستی کا شکار بن جاتے ہیں۔ اسلام نے سرمایہ داری کی پہلے ہی بیخ کنی کر دی اور اسلامی معاشرہ کا مزاج اس طرح بنایا کہ وہاں سرمایہ داری نہ پنپ سکے۔ دولت کو چند ہاتھوں میں مجتمع ہونے سے روکنے کے لئے قبل از وقت احتیاطی تدابیر اختیار کیں اور حفاظتی بند باندھ دیئے۔ اس طرح نہ دولت سٹے گی، اور نہ قوم از حد امیر اور از حد غریب طبقوں میں بٹے گی اور نہ ان میں باہمی حسد و بغض کی آگ سلگے گی، اور نہ وہ وقت آئے گا کہ غربت کے ماروں کا پیمانہ مبر چھکنے لگے اور وہ بے اختیار و بے قابو ہو کر آمادہ بغاوت ہو جائیں اور اپنے ہاتھوں اپنی قوم کے خون کے دریا بہا دیں۔

غنیست و فتنے کا مفہوم اور ان کے قرآنی احکام ذہن نشین کرنے کے بعد آگے چلئے۔ اہل سنت و جماعت کا موقف یہ ہے کہ اموال فتنے کے حقدار بہت سی اقسام کے لوگ ہیں اس لئے ان کو متعین کرنا ممکن نہیں۔ مثلاً آج ایک لڑکا یتیم ہے، کل وہ بالغ ہو کر خوشحال ہو جاتا ہے۔ آج ایک شخص مسکین ہے، کل وہ دولت مند بن جاتا ہے۔ جب تک پیدا یتیم تھا اور دوسرا مسکین تھا وہ ان اموال میں حصہ دار تھے۔ آج ان کی جگہ جو دوسرے ہو گئے یتیمی اور غربت سے دو چار ہیں وہ حصہ دار بن گئے۔ یہی حال ذوی القربی کا ہے اور یہی حکم ابن السبیل کا ہے۔ جب صورت احوال ایسی ہو تو وہ اموال وقف کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور ان اموال و املاک کا لقمہ و نسق خود حاکم وقت یا اس کی طرف سے مقرر کردہ شخص کیا کرتا ہے۔

یہ مسئلہ امر ہے کہ فداک، جنگ اور لشکر کشی سے نہیں بلکہ صلح سے مسلمانوں کے تصرف میں آیا تھا، اور آیت میں بیان کردہ حکم کے مطابق یہ کسی ایک شخص یا خاندان کی نجی ملکیت نہیں بلکہ اس میں مذکورہ بالا تمام اصناف حصہ دار ہیں، ورنہ دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں آجائے گی۔ قرآن نے کسی لَایْکُونُ دَوْلَةً بَیْنَ اَیْمَانِیَّہ سے ارتکاز زر سے بچنے کے لئے جو احکام نافذ کئے ہیں، ان کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ رحمت دو عالم ﷺ جب تک اس جہان فانی میں رونق افروز رہے، حضور اپنی نگرانی میں اس علاقہ کی آمدنی کو حق داروں میں تقسیم فرماتے تھے اور حضور کی رحمت کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو ان باغات اور مزارعہ اراضی کی نگہداشت اور

اس کی آمدنی کی تقسیم سب کے سپرد ہوئی۔ آپ اپنے عہد خلافت میں حسب ارشاد خداوندی اور حسب سنت نبوی اس فریضہ کو انجام دیتے رہے اور یہ سلسلہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعد میں آنے والے خلفاء راشدین کے زمانوں میں بھی اسی طرح جاری رہا۔ اور اس طرح سماجی نظام معیشت کی برکتوں اور سعادتوں سے اسلامی معاشرہ سیراب اور بہرہ مند ہوتا رہا۔

حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ عمل حقیقت میں ارشاد خداوندی کی تعمیل تھی اور سنت نبوی کی صحیح معنوں میں اطاعت تھی اور ان حضرات پر کسی قسم کا الزام و اتہام وارد نہیں ہو سکتا بلکہ وہ لائق صد تبریک و تحسین تھے کہ انہوں نے ہر قسم کے دھاؤ کا مقابلہ کیا لیکن فرمان الہی اور سنت محمدی سے سر مو انحراف نہ کیا۔ ہاں اگر وہ ایسا نہ کرتے تو وہ قابل سرزنش ہوتے، بلکہ اس وقت کا زندہ اور بیدار معاشرہ حکام الہی و سنت نبوی کی اس خلاف ورزی کو ہرگز برداشت نہ کرتا۔ لیکن ہمارے ہاں تو الٹی گنگا بہ رہی ہے۔ تنقید کے تیروں سے ان مردان پاک سرشت کو گھائل کیا جا رہا ہے جنہوں نے عہد وفا کو نبھایا اور راہ حق پر استقامت و ثبات کے انمٹ اور درخشاں نقوش ثبت کئے۔

یہ تو ہوا اہل سنت کا موقف۔۔ نظری بھی اور عملی بھی۔ اب رہے معترضین، تو ان کا عقیدہ یہ ہے کہ فدک جوئے ہے یہ حضور کی ذاتی ملکیت تھی۔ حضور کی رحلت کے بعد اس کی وارث صرف حضرت سیدہ خدیجہ اور شیخین نے ان کو فدک کی اراضی سے محروم کر کے حضور کی نور نظر اور لخت جگر پر بڑا ظلم کیا اور ان کی حق تلفی کی۔

آپ خود انصاف فرمائیے! اگر ایسا ہوتا تو آیت یوں ہوتی مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلْيَنْتَفِعْ بِهَا فِرَاقًا وَلْيُلْزِمِ الْغَنَاءَ وَلَا يَذَرِهَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (1) ہے، بات ختم ہو جاتی اور کسی کو چون و چرا کی مجال تک نہ رہتی۔ لیکن وہاں قرآن کریم کی آیت اس طرح تو نہیں۔ وہاں تو وَلْيُلْزِمِ الْغَنَاءَ وَلْيَذَرِهَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (1) کی تفصیل بھی موجود ہے۔

یہ لوگ اپنے دل سے پوچھیں کہ یہ کلمت کیا قرآن کی آیت کا حصہ نہیں؟ اور کیا ان کلمات کا مدعا واضح نہیں جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں یا یہ الفاظ صرف سننے کے لئے

اور دونوں کو مرعوب کرنے کے لئے ہیں، عمل سے ان کا کوئی سروکار نہیں؟
 جب تک ہم قرآن کریم کو اپنے خداوند کریم کا کلام سمجھتے ہیں، ہم اس آیت کا انکار نہیں کر سکتے اور اگر انکار نہیں کر سکتے تو پھر اس داستان سرائی کے لئے وجہ جواز یہ ہے؟
 یہ ایک سیدھی اور صاف بات ہے۔ اس میں کوئی کجی نہیں، کوئی زلیغ نہیں اور کوئی چیغ نہیں، یہ ایک روشن حقیقت ہے جو شک و شبہ سے بالترتیب۔ پھر ہم آفتاب سے تابندہ تر حقیقت کا یہاں انکار کریں۔ اور سب سے روپا تاویلات اور من گھڑت مزعومات کی دلدل میں پھنس کر یوں خود بھی قیامت کے روز شر مسار ہوں اور قرآن و اسلام کی تعلیمات کو زک یونچ کر باطل کو جادو غرانی کا موقع دیں؟ لیکن جہاں بات کا منظر بنانا اور بال کی کھال اتارنا محبوب مشغہ ہو وہاں سادگی اور پرکاری کو کون خاطر میں لاتا ہے؟ سچی بات کو سننا کون گوارا کرتا ہے؟ وہاں تو ایسی ایسی اچانک اور دور زکار تاویلوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ اپنی غلطی کا اعتراف تو بڑے دل گردے کا کام ہے۔ جن کے پیش نظر اپنی نیند ری کو چکانا ہو، جس لغزش کے پیچھے دیرینہ جذبہ انتقام کی آگ سگ رہی ہو، وہاں عقل و عیاں ایسی اخترا میں کرتی ہے، حقائق اور حقوق کو پس پشت ڈال کر محض جذبات کو ابھارتی ہے۔ اس کے لئے دروغ بانی میں کہاں کا ایسا مظاہرہ کرتی ہے کہ اچھے بھلے دُک و راب کو چشمہ آب حیا ان سمجھنے لگتے ہیں۔

اگر ایک لمحہ کے لئے یہ مان بھی لیا جائے، اگرچہ ایسا ماننا حکم خداوندی کی صریح نافرمانی ہے، کہ فدک حضور کی ملکیت تھا اور وصال کے بعد ان املاک کی حیثیت، ایسی تھی جو دار ثلث میں بانٹ دی جاتی ہے تو پھر دراثت کا حق صرف حضرت سیدہ بتول سلام اللہ علیہا و علیہا و علیہا کو ایسے پہنچتا ہے؟ اس میں تو سارے وارث حصہ دار ہوں گے۔ حضرت عباس، امہات اللہ منین و ر دیگر درماء بھی شریک ہوں گے۔ صرف حضرت سیدہ کو دارث تقسیم کرنا اور باقی درماء کو محروم کر دینا متعدد آیات قرآنی کی صریح خلاف ورزی ہے اور ہم سیدہ بتول کے بارے میں اس کا تصور تک نہیں کر سکتے۔

جب ان دونوں کے یہاں بھی قدم نہیں جھٹے اور مقصود برآباد کھالی نہیں دیتا تو پھر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی حیات طیبہ میں ہی فدک کی وسیع و عریض ملک اپنی بیٹی کو ہبہ کر دی تھیں اور انہوں نے اسے قبول کر لیا تھا اس لئے فدک وغیرہ کی

واحد حق دار حضرت سیدہ ہی تھیں۔ آپ غور فرمائیں کہ بارگاہ رسالت میں یہ کتنی بڑی گستاخی ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ معاذ اللہ، حضور نے باقی تمام ورثاء کو محروم کرنے کے لئے فدک اپنی حیات طیبہ میں ہی حضرت سیدہ کو دے دیا اور دوسرے ورثاء کو محروم رکھا۔ اس گئے گزرے زمانے میں بھی اگر کوئی شخص ایسی بات کرتا ہے کہ اپنے ایک وارث کے نام اپنی ساری جائیداد کا انتقال کر دیتا ہے اور باقی وارثوں کو محروم کر دیتا ہے تو اس کے عمل کو انتہائی مذموم و مریضہ ظلم قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس کی اس بات سے سارے خاندان کا امن و سکون برباد ہو جاتا ہے۔ ان میں خوزریوں اور مقدمہ بازیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ سوچئے اوہ نبی برحق جو آیا ہی ظلم و زیادتی کو مٹانے کے لئے تھا، جو آیا ہی عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تھا، اس کی آمد کی برکت سے ٹوٹے ہوئے دل جڑ گئے، دریدہ قبوں کے چاکر فو ہو گئے، خاندانی عداوتوں کے آتش کدے گلزار بن گئے۔ ایسے یمن و سعادت کے پیامبر کے بارے میں ایسا تصور تک کرنا بھی انتہائی رذالت اور کمینگی ہے۔ اہل بیت کی عقیدت کا روپ دھار کر ناموس نبوت پر حمد آور ہونا کہیں کی ایمانداری ہے۔ اگر نبی نے خود نعوذ باللہ اپنے خاندان کے افراد میں ظلم و عداوت کا آغاز کیا تو ظلم و ستم کی ستائی ہوئی مخلوق اپنے درد کا درماں کرنے اور اپنے زخموں پر مرہم لگوانے کہاں جائے؟

اسی طرح کئی دوسری باتیں بھی ہمہ کے دعویٰ کی تردید کرتی ہیں۔

فدک کا علاقہ جو بطور فئے حضور کے تصرف میں آیا، کوئی معمولی سا علاقہ نہ تھا۔ یہ ایک وسیع و عریض خطہ ہے جس میں زرخیز میدان اور شاداب باغات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ بقول ملاحاقر مجلسی، اس کی سالانہ آمدنی چوبیس ہزار دینار تھی۔ اس وقت کے حساب کے مطابق دو لاکھ چوبیس ہزار روپیہ۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خطہ حضرت سیدہ کو ہبہ کر دیا تھا تو پھر آپ مدینہ طیبہ کی متمول اور دولت مند خواتین میں سرفہرست ہوں گی۔ حالانکہ عہد رسالت میں آپ کی عمرت اور تنگی گزران کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں۔ آنا خود اپنے دست مبارک سے چکی میں پیستیں، گھر میں جھاڑو خود دیتیں اور کھانا خود پکاتیں۔ حتیٰ کہ گھسی پانی کا بھرا ہوا مشکیزہ اپنے کندھوں پر اٹھ کر لاتیں۔ جس کی سالانہ آمدنی ڈھائی لاکھ روپیہ ہو وہ تو دس بیس کینریں خرید کر رکھ سکتا ہے۔ نیز یہ روایت بھی عند الفریقین مسلم

ہے کہ ایک دفعہ چند کنیریں اور غلام بارگاہ رسالت میں لائے گئے اور حضرت علی کے ایماء پر حضرت سیدہ لوئڈی مانگنے کے لئے حضور کی خدمت میں گئیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا، اے فاطمہ! اے میری لخت جگر! جب تک اہل صفہ کی ضرورتیں پوری نہ ہو جائیں، میں تمہیں لوئڈی کیسے دے سکتا ہوں؟ البتہ تمہیں لوئڈی سے بھی بہترین تحفہ پیش کرتا ہوں۔ جب سونے لگو تو یقیناً مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کا ورد کر لیا کرو۔ اس کے علاوہ کئی بار ایسے مواقع آئے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کو خدمتِ دین کے لئے مال پیش کرنے کی دعوت دی اور ہر صحابی نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر بطیب خاطر مالی قربانی پیش کی، لیکن کسی روایت میں یہ موجود نہیں کہ حضرت سیدہ نے (ان کے قول کے مطابق) جن کی سالانہ آمدنی اڑھائی لاکھ روپے تھی، انہوں نے بھی کبھی اس میں حصہ لیا ہو۔ غزوہ تبوک کا واقعہ تو بالفاق خیبر و فدک کی فتح کے وقت کا ہے، اس وقت یقیناً آپ اتنی بڑی جاگیر کی مالکہ تھیں۔ مسلمانوں کی مالی حالت مخدوش تھی۔ تبوک کی مہم اخراجات کا تقاضا کر رہی تھی۔ سید عالم ﷺ نے جہاد کی تیاری کے لئے مالی قربانی پیش کرنے کا جب اعلان کیا تو حضرت عثمان ہزاروں دینار لے آئے اور حضور کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے۔ حضور انہیں اپنی جھولی میں ڈال کر مسجد کے صحن میں پھرتے تھے اور حضرت عثمان کو دعاؤں سے نوازتے تھے۔ حضرت عمر اپنا نصف مال لے کر حاضر ہوئے اور حضرت صدیق کی شان ہی نرالی تھی، اپنا سارا اثاثہ اٹھایا اور اپنے آقا کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حتیٰ کہ اپنا لباس بھی اتار اور بوری کا لباس پہنا۔ ان حضرات کے علاوہ دیگر صحابہ نے بھی ایثار و خصوص کے خوب مظاہرے کئے۔ لیکن کیا کوئی ایسی روایت ہمیں دکھا سکتے ہیں جس میں درج ہو کہ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اس میں کوئی حصہ ڈالا ہو؟ ایسا بھی نہیں کہ صحابہ کرام کے چندوں کے بعد ضرورت نہ رہی ہو بلکہ قرآن تو صاف بتاتا ہے کہ بعض مجاہد میدانِ جنگ میں شرکت کے لئے حاضر ہوئے لیکن سواری کا انتظار نہ ہو سکا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَا أُجِدُّ مَا أُحِبُّمُكُمْ عَلَیْہِ میرے پاس تمہاری سواری کے لئے کوئی جانور نہیں ہے۔ ناچار انہیں واپس ہونا پڑا۔ اس وقت ان کے رنج، غم کی یہ حالت تھی کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

تَوَلَّوْا قَاعِيَهُمْ تَفِيضٌ مِّنَ الدَّامِغِ حَزَنًا
 ”وہ لوٹے اس حال میں کہ ان کی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔“ (1)

اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت سیدہ اتنی جاگیر کی مالکہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک پیسہ خرچ کرنے کی روادار نہ تھیں؟ اس بات کو کوئی ایماندار تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جس گھرانے سے دنیا نے جو دو کرم اور بخشش و عطا کا سبق سیکھا ہو وہاں بخل و کنجوسی کا کیا گزر؟ دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور اس کے اہل بیت اطہار کو دنیا کی لذتوں سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ وہاں تو آخر دم تک کئی کئی دن فاقہ سے گزرتے رہے۔ کئی کئی ماہ چوہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ ان روشن حقائق کے سامنے کیا اس کذب و افتراء کا پردہ چاک نہیں ہو جاتا کہ حضور نے اپنی صاحبزادی کو تمام دوسرے حقداروں کو محروم کرتے ہوئے اتنی بڑی جاگیر بہہ کر کے مالکہ بنا دیا۔ محبت کے بلند بانگ و عودوں کے شور و غل میں ناموس مصطفیٰ علیہ الطیب الخیر والثناء اور عظمت اہل بیت رضوان اللہ علیہم پر اس بے دردی اور بے خوفی سے شب خون ہمارے ان دوستوں کو ہی زیب دیتا ہے۔

اب آئیے! ان روایات کی طرف جن کا سہارا لے کر گلشن اسلام کے ان سدا بہار شجر ثمر بار پر یورش کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں حضور کریم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت سیدہ صدیق اکبر کے پاس گئیں اور میراث کا مطالبہ کیا اور یہاں تک کہا

اے ابوقحافہ کے بیٹے! آپ تو اپنے باپ کے وارث بنیں اور میں اپنے باپ کے ورثہ سے محروم رہوں؟ یہ بات قرین قیاس نہیں کہ حضور کی جدائی کا زخم ابھی تازہ ہو اور آپ نے حصول میراث کے لئے تک و دو شروع کر دی ہو۔ نیز آپ کی شان سے بعید ہے کہ آپ خود بنفس نفیس عدالت صدیقی میں تشریف لے گئی ہوں اور دعویٰ دائر کیا ہو، جیسا کہ عام طور پر کم علم خیال کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے کسی آدمی کے ذریعے اپنے اس مطالبہ کو خلیفہ برحق کے گوش گزار کیا۔ امام بخاری کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أُرْسِلَتْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبِمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْهِ

”یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ

سے حضرت ابو بکر کے پاس آدمی بھیجا اور حضور کی میراث کا مطالبہ کیا۔“

اس تصریح کے بعد دوسرے مقامات پر جہاں مطالبہ کرنے کی نسبت خود حضرت سیدہ کی طرف کی گئی ہے، وہ مجوز متصور ہوگا۔

جب حضرت سیدہ کا پیغام حضرت صدیق اکبر کو پہنچا تو آپ نے جو جواب دیا وہ بھی امام بخاری کے غلط میں سن لیجئے:

فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ لَا نُورِثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ لَنَا مَا يَأْكُلُ الْإِنْسَانُ
مُحَمَّدٍ مِنْ هَذَا الْمَالِ فَلَوْ أَنَّ اللَّهَ لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْ
صَدَقَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّبِيُّ كَانَتْ
عِيْرًا فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ
أَعْمَلَتْ فِيهَا كَمَا عَمِلَ فِيهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَرَكَهُ عَلَيْنَا ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا قَدْ عَرَفْنَا يَا أَبَا
بَكْرٍ قَصِيصَتَكَ وَذَكَرَ قَرَابَتَهُمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَقَّهُمْ فَتَكَلَّمُوا أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ وَالَّذِي
نَفْسِي بِيَدِهِ وَقَرَابَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِدَّ مِنْ قَرَابَتِي۔

(1)

”حضرت سیدہ کے جواب میں حضرت ابو بکر نے عرض کی، اللہ کے

رسول نے ارشاد فرمایا ”ہماری مال وراثت نہیں ہوتی، جو مال ہم چھوڑ

جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور اس محمدؐ اس سے کھا سکتی ہے“

(ابو بکر نے کہا) بخدا میں حضور کے صدقات میں کوئی تبدیلی نہیں

کروں گا۔ جس طرح وہ عہد نبوت میں تھے ویسے ہی رہیں گے اور میں

ان میں ایسا ہی کروں گا جس طرح ان میں اس اللہ ﷻ کیا کرتے

تھے۔ سیدہ میں نے ان بات کی تصدیق نہ کرنا چاہی، اس لیے ابو بکر نے آپ

کی فضیلت و بزرگی کو جانتے ہیں۔ پھر آپ نے اس رشتہ داری کا ذکر کیا جو نہیں حضور کے ساتھ تھی اور ان کے حق کا ذکر کیا۔ حضرت صدیق اکبر نے یہ سن کر فرمایا، اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے کہیں زیادہ مجھے یہ محبوب ہے کہ اللہ کے رسول کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کروں۔“

آپ خود سوچئے کہ اس جواب میں کوئی قابل اعتراض بات ہے؟ بے دلی کا ادنیٰ شائبہ بھی اس میں پایا جاتا ہے جس سے اہل بیت کی حق تلفی کا گمان ہو سکتا ہو؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ نے خاتون جنت کی خدمت میں یہ عرض کی کہ اللہ کے پیارے رسول، آپ کے جان اور آقا و مول کا ارشاد گرامی یہ ہے اور مجھ میں یہ تاب نہیں کہ میں ارشادات نبوی سے سر مو انحراف کر سکوں۔ آپ خود ہی انصاف فرمائیے کہ اس جواب میں کون سا جملہ قابل اعتراض ہے۔

بعض لوگ جوش و رشدت غضب میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت صدیق کی خود ساختہ ہے۔ انہوں نے فقط حضرت سیدہ کا حق غصب کرنے کے لئے یہ حدیث گھڑی ہے۔ حیرت ہے کہ ایسے بے سرو پا کلمات زبان سے نکالتے ہوئے نہیں غضب خدا کا خوف یا جگ ہنسائی کی فکر نہیں ہوتی۔ یہ حدیث صرف حضرت صدیق سے ہی مروی نہیں۔ صرف کتب اہل سنت میں ہی مرقوم نہیں بلکہ صحابہ کی کثیر تعداد سے مروی ہے اور معترضین حضرات کی معتبر کتب حدیث میں بھی ائمہ اہل بیت سے منقول ہے۔ ملاحظہ فرمائیے: اصول کافی صفحہ 18 پر حضرت امام جعفر صادق حضور نبی کریم کا ارشاد گرامی روایت کرتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَرَاتِ
الْعُلَمَاءَ وَرَتَّةَ الْأَنْبِيَاءِ لَمْ يُورَثُوا دِينًا وَلَا دَرَهَامًا
لَكِنْ أَوْرَثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَ مِنْهُ أَخَذَ بِحِطِّهِ وَافِئِهِ

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، بے شک انبیاء دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم کو ورثہ میں دیتے ہیں۔ جس

نے ان کے علم سے حصہ لیا سے بڑا وافر حصہ ملا۔

دوسری روایت ملاحظہ فرمائیے:

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ شیر خدا اپنے فرزند ارجمند حضرت محمد بن حنفیہ کو ازراہ وصیت فرماتے ہیں:

وَتَقَفَّهْ فِي الدِّينِ فَإِنَّ الْفُقَهَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ هَلْ
الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُورَثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَكِنَّهُمْ وَارَثُوا
الْعِلْمَ وَمَنْ أَخَذَ مِنْهُ أَخَذَ بِحَقِّ وَافِرٍ۔ (1)

"اے میرے فرزند! دین میں تقفہ حاصل کرو۔ کیونکہ فقہاء ہی انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ بے شک انبیاء دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم وراثت میں دیتے ہیں اور جس نے علم نبوت سے بچو حاصل کیا اس کو حفظ وافر نصیب ہوا۔"

تیسری روایت ملاحظہ ہو۔ یہ حضرت امام جعفر صادق کا اپنا ارشاد ہے۔ اس سے حدیث نبوی کی تصدیق اور وصیت مرتضوی کی تصویب ہوتی ہے۔ حضرت امام نے فرمایا:

إِنَّ أَعْمَاءَ وَرَثَةِ الْأَنْبِيَاءِ وَذَلِكَ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُورَثُوا
دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا وَلَكِنَّهُمْ أَوْرَثُوا أَحَادِيثَ مِنْ أَحَادِيثِهِمْ
فَمَنْ أَخَذَ بِحَقِّ وَافِرٍ فَقَدْ أَخَذَ حَقَّ وَافِرًا۔ (2)

"بے شک عوام ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ کیونکہ انبیاء درہم و دینار وراثت میں نہیں چھوڑتے بلکہ وہ احادیث (احکام شریعت اور اسرار کتاب) ہی اپنی وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں۔ پس جس شخص نے بحر علم سے کچھ حاصل کیا اس کو حفظ وافر نصیب ہوا۔"

اہل سنت کی کتب میں یہ ارشاد نبوی کثیر التعداد صحابہ سے مروی ہے۔ بعض کے اسماء گرامی ذہن نشین کر لیجئے۔ حضرت حذیفہ بن یمان، زید بن عوام، عباس، علی، عمر، عثمان، عبد الرحمن، سعد بن ابی وقاص، ابوذر داء اور ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم

اجمعین۔ جب یہ بات نہیں بنی تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث آیات قرآنی کے خلاف ہے کیونکہ قرآن میں ہے **يُؤْصِيكُمُ اللَّهُ فِيْ اَوَّلٰىكُمْ** (1) تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ وصیت کرتا ہے اور ”کُم“ میں نبی اور امتی دونوں داخل ہیں۔

اور حدیث صرف وہ معتبر ہوتی ہے جو قرآن کے مطابق ہو۔ بجا فرمایا آپ نے! مخالف قرآن حدیث معتبر نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول قرآن کی تصدیق کے لئے تشریف لایا ہے اس کی تردید و تکذیب کے لئے نہیں۔ اس لئے جو حدیث قرآن کی کسی آیت کے معارض ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا ارشاد نہیں ہو سکتی۔

لیکن میرے محترم! کبھی آپ نے قرآن کی تفسیر اور قرآن کی تغیر میں جو فرق ہے، اس پر بھی غور کیا؟ اگر بیٹا باپ کو قتل کرے، اگرچہ وہ اس کا بیٹا ہے لیکن اس آیت کی رو سے آپ اس کو وارث بنائیں گے؟ اگر کسی مسلمان کا بیٹا مرتد ہو جائے تو اس کا بیٹا ہونے میں شک نہیں، لیکن کیا وہ مرتد بیٹا اپنے باپ کا وارث ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان احادیث نے اس بات کی تفسیر کر دی کہ کون سا بیٹا اپنے باپ کا وارث ہو سکتا ہے اور کون سا نہیں۔ یہ احادیث آیات قرآنی کی مفسر ہیں مغیرہ ناسخ نہیں۔ اسی طرح کی ایک اور آیت میں غور کریں۔

ارشاد الہی ہے۔ **اَحْلَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا** (2) کہ اللہ تعالیٰ نے بیع (خرید و فروخت) کو حلال کر دیا لیکن سود کو حرام قرار دیا۔ اگر اس آیت کو سند بناتے ہوئے کوئی شخص شراب، سور اور مردار کی خرید و فروخت اور کاروبار شروع کر دیتا ہے، کیا آپ اس کے استدلال کو صحیح مانیں گے؟ وہ احادیث جن میں ان حرام چیزوں کے کاروبار کو روکا، انہیں قرآن کی ناسخ اور مخالف گردان کر مسترد کر دیں گے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ یہ فرمائیں گے کہ بیع حلال ہے لیکن ان احادیث میں جو معتزین حضرات کی کتب میں بھی روایت ائمہ معصومین میں منقول ہیں اس آیت کی مفسر ہیں نہ کہ ناسخ۔

نیز جہاں خطاب ہو وہاں ہر جگہ حضور اور امت دونوں مراد نہیں ہوا کرتے۔ بلکہ بعض مقامات پر صرف امت کو خطاب ہوتا ہے۔ مثلاً اسی آیت سے چند سطر پہلے ارشاد ہے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَعْقِلُوا فِي الْيَسْرِ فَمَا عَلَيْكُمْ حُومًا طَابَ

لَكُمْ مِنَ الْيَسَارَةِ مَثَلٌ وَثَلَّثَ وَرَأَيْتُمْ (1)

اس آیت میں مخاطبین کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے لیکن ان میں حضور داخل نہیں کیونکہ حضور کو نو تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔ یہاں معترضین حضرات فرماتے ہیں کہ انبیاء کے موافق اگر احکام وراثت جاری نہیں ہوتے تو پھر وراثت سلیمان و داؤد کا کیا مضبوط ہو گا؟ اور کیا سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام کے وارث نہ بنے؟ نیز حضرت زکریا علیہ السلام کیوں یہ دعوائے جھوٹے کرتے رہے؟

فَهَبْنِي مِنْ لَدُنْكَ ذَرِيَّةً يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِي

يَعْقُوبَ (2)

”جس بخش دے مجھے اپنے پاس سے ایک وارث۔ جو وارث بنے میرا اور

وارث بنے یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا۔“

اس کے متعلق گزارش ہے کہ پہلی آیت میں جس وراثت کا ذکر ہے وہ داؤد علیہ السلام کی وراثت نہیں بلکہ سب و شریعت کی وراثت ہے۔ کیونکہ مال کی وراثت کا ذکر ہوتا تو آپ کے دوسرے انخرو بھائی بھی آپ کے ساتھ برابر کے حصہ دار ہوتے۔ صرف ایک بیٹے کو اپنی جائیداد دے دینا اور اس کے باقی بھائیوں کو سرے سے محروم کر دینا شان نبوت کے خلاف ہے۔ اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام اپنے بیٹے کے لئے دامن طلب پھیرا کر دھانکا کرتے تھے جو ان کی نبوت کی ذمہ داریوں اور حوص و حکمت کا وارث ہو ورنہ ان کے پاس اپنے خزانے کہاں تھے، جن کے لئے وہ اتنے بچپن میں رنجے ہوں؟ اور یعقوب علیہ السلام کو بزرے تو صدیاں بیت چکی تھیں اور ان کے بارہ فرزند تھے۔ یہ ایک فرزند کی کیسے؟ تھی ورنہ صدیوں میں ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہوگی۔ اگر کوئی بہت بڑا خزانہ حضرت یعقوب نے چھوڑا ہوگا تو وہ تقسیم و تقسیم تا پید ہو چکا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت زکریا علیہ السلام اس یعقوب کی وراثت جس کے سے آپ التجا کرتے ہیں وہ نبوت کے داخل و حوص و حکمت کے جوابدہ ہیں جن کے نفع ہونے کا نفع و نفع دہندہ ہے۔ یہاں جو ان کے ایک بیٹے کے تمام خزانے سے یہ پیش کرتے ہیں۔

آخر میں یہ فقیر بخاری شریف کی ایک حدیث کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہے جسے بکثرت اچھالا جاتا ہے اور سادہ لوح لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرائی جاتی ہے کہ حضرت سیدہ، حضرت صدیق اکبر پر ناراض ہو گئیں اور عمر بھر کے سئے ان سے قطع تعلق کر لیا۔

بخاری شریف میں پانچ مرتبہ مذکورہ آیا ہے۔ بخاری شریف کی جلد اوں کے صفحہ 526 پر درج حدیث کے الفاظ بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ ورق الٹ کر ایک بار پھر تازہ کر لیجئے (☆) اس میں حضرت سیدہ کی ناراضگی کا کوئی ذکر نہیں بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ صدیق اکبر کے موقف کی تصدیق کرتے ہیں، ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں اور صدیق اکبر آخر میں یہ کہتے ہیں کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے حضور کے رشتہ دار مجھے اپنے رشتہ داروں سے کہیں زیادہ عزیز ہیں۔ یہی طرح جلد دوم کے صفحہ 575 پر حدیث مذکور ہے جس میں صراحت سے ذکر ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان املاک کو حضرت علی اور حضرت عباس کے تصرف میں اس شرط پر دیا تھا کہ وہ ان سے حاصل ہونے والی آمدن کو اس طرح خرچ کریں گے جس طرح حضور نبی کریم ﷺ اور ابو بکر صدیق خرچ کیا کرتے تھے۔ بعد میں یہ ساری املاک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قبضہ میں آئیں۔ پھر آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن اور ان کے بعد حضرت امام حسین کے قبضہ میں رہیں اور یہ حضرات اپنے اپنے اوقات میں اس آمدنی کو سنت نبوی کے مطابق صرف کرتے رہے۔ حضرت سیدنا امام حسین کی شہادت کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت علی زین العابدین اور حضرت امام حسن بن علی کے صاحبزادے حسین دونوں ان کا باری باری انتظام کرتے رہے۔ پھر زید بن حسن کو یہ خدمت تفویض کی گئی۔

فَكَانَتْ هَذِهِ الصَّدَقَةُ بِمِيزَانٍ مَنَعَهَا عَلِيُّ عَنَّا
فَعَلَبَهَا عَلَيْهَا ثُمَّ كَانَ سَيِّدُ حَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ ثَمَرُ سَيِّدِ
حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ثُمَّ سَيِّدِ عَلِيٍّ بْنِ حُسَيْنٍ وَحَسَنِ
كُلٌّ بِهَمَّا يَتَدَاوَلَانِهَا ثُمَّ سَيِّدِ زَيْدِ بْنِ حَسَنِ - (1)

اس حدیث میں کہیں بھی حضرت سیدہ کی ناراضگی کا ذکر نہیں۔ بلکہ یہاں سے پتا چلتا

ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان علاقوں کا انتظام حضرت علیؓ مرتضیٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ اور یہ سلسلہ چلتا رہا اور مذکورہ بالا حضرات اس کی آمدن کو سنت نبویؐ کے مطابق صرف کرتے رہے۔ انہوں نے بھی اس کی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ اگر یہ ورثہ ہوتی تو حضرت سیدہ کے سارے وارثوں میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم ہو جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ ان حضرات کے مسلسل عمل نے حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے اس فیصلہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ دل میں اگر خوف خدا موجود ہے تو انہیں قطعاً ان حضرات پر زبان طعن و راز کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ سماعت فرمائیے:

عباسی خلیفہ سفاح جب پہلے خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہوا تو ایک آدمی جس نے اپنے گھٹے میں قرآن مجید حائل کر رکھا تھا، کہنے لگا:

أَنَا شِدُّكَ اللَّهُ لَا حَكَمْتَ بَيْنِي وَبَيْنَ حَصْبِي بِهَذَا الْمُصْحَفِ -

”اے خلیفہ! میں تجھے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر التجھ کرتا ہوں کہ میرے درمیان اور میرے دشمن کے درمیان اس قرآن کی رو سے فیصلہ کرو۔“

خلیفہ نے پوچھا: تمہارا دشمن کون ہے؟ کہنے لگا: أَبُو بَكْرٍ فِي صَلَاحِهِ فَنَدَّكَ أَبُو بَكْرٍ میرا دشمن ہے جس نے فدک اہل بیت کو نہیں دیا۔ سفاح نے پوچھا: أَظَلَمْتَ يَا أَبُوبَكْرٍ تَمَّ بِكَ قَلَمٌ کیا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ اس طرح پھر عثمان کے بارے میں گفتگو ہوئی اور اس نے کہا کہ عثمان نے بھی مجھ پر قلم کیا۔ خلیفہ نے پوچھا: کیا علیؓ نے بھی تم پر قلم کیا۔ اب اس پر سخت طاری ہو گیا اور اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ عملی طور پر حضرت علیؓ مرتضیٰ اور ائمہ اہل بیتؑ نے بھی وہی کچھ کیا جو صدیق اور عمر فاروقؓ نے کیا تھا۔ نہ اس زمین میں تبدیلی کی نہ اس زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی میں کسی قسم کا رد و بدل کیا اور نہ کسی کیسے ازرہ وراثت مالکانہ حقوق تسلیم کئے۔ تو پھر بے انصافی کی حد ہے کہ آپ ان حضرات کو تو پتہ نہ کہیں اور اپنا سارا غصہ حضورؐ کے پیارے اور محبوب اور وفا شعار ساتھیوں پر نکالیں جن کا جرم محض یہ ہے کہ انہوں نے سنت نبویؐ سے انحراف نہ کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ صرف ان کا تو یہ جرم نہیں اور نہ اس جرم میں کوئی اور حضرات بھی شریک ہیں جن سے یہ دُک اپنی محبت و عقیدت کا طبر زارت ہیں۔ ابو بکرؓ اور عمرؓ کا اصلی قصور جسے وہ کسی قیمت پر معاف نہیں کر سکتے وہ یہ ہے

کہ انہوں نے مشرق و مغرب میں اسلام کا نام بلند کیا، آتش کدے سرد کر دیئے، صلیبوں کو سرنگوں کر دیا۔ شام کے راسہ زاروں اور ایران کے مرغزاروں سے ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ“ کی دل گداز صدائیں بلند ہونے لگیں۔

اسی طرح بخاری شریف کی دوسری احادیث میں حضرت سیدہ کے غصے اور ناراضگی کا کہیں ذکر نہیں بلکہ ایک حدیث جو جلد اول کے صفحہ 435 پر مذکور ہے وہ غور طلب ہے:

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے انہیں بتایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور کی وفات کے بعد ابو بکر سے میراث کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابو بکر نے حضور کی حدیث پیش کی لَا نُورِثُ مَا تَوَرَّثْنَا صَدَقَةٌ اور پھر معذرت خواہی کرتے ہوئے گزارش کی:

لَسْتُ تَارِكًا شَيْئًا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَعْمَلُ بِهِ إِلَّا أَنِّي عَمَلْتُ بِهِ فَإِنِّي أَخْشَىٰ أَنْ تَرْكَتُ شَيْئًا
مِّنْ أَمْرٍ أَنَّ آيَرِيغَ۔

(1)

”یعنی میں کسی چیز کو ترک نہیں کر سکتا، جس پر حضور کا عمل تھا مگر میں اس پر عمل کروں گا۔ کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ اگر میں نے حضور کے کسی عمل کو چھوڑا تو مجھ میں کبھی پیدا ہو جائے گی۔“

کتنی صاف بات ہے اور کس حسین انداز سے اپنی معذوری کا اظہار کیا گیا ہے۔ آپ کی ساری زندگی اتباع سنت کا زندہ ثبوت ہے۔

اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

فَعَصَيْتَ بِهِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَجَرْتَ
أَبَا بَكْرٍ وَكَتَمْتَ زَوْجَ مَهَاجِرَتِهِ حَتَّىٰ تُؤْفِقَتْ۔

(2)

”کہ حضرت سیدہ، ابو بکر صدیق کی اس بات پر ناراض ہو گئیں اور صدیق اکبر سے قطع تعلق کر دیا۔ یہ قطع تعلق آپ کے وصال تک جاری رہی۔“

ان الفاظ میں غور طلب چند امور ہیں۔ کیا یہ حضرت سیدہ کا قول ہے کہ میں ابو بکر پر

تاریخ ہوں، ہرگز نہیں اور نہ ہی حضرت عائشہ کا قول ہے بلکہ ان کے بعد کے راویوں میں سے کسی راوی نے اپنے خیال کے مطابق قیاس آرائی کی۔ لیکن یہ قیاس آرائی شان قبول کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کے سامنے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول پیش کیا جائے اور آپ اسے بخوشی قبول نہ کریں بلکہ ان تاریخ نگاروں کا اظہار کریں۔ آپ ذرا قرآن کریم کی اس آیت پر غور کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَلَا وَرَيْتَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُخْلِفُوا فِيكُمْ شَرْجَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

لَا يُخْبِدُو فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَصَيْتَ وَيَسِئُوا إِلَيْكُمَا (1)

”اے میرے محبوب! تمہارے رب کی قسم! وہ لوگ تمہارے دلوں میں دوڑیں گے اور تمہیں دیکھ کر تمہاری نفسیں ہل جائیں گی اور وہ اپنے منہ پر حرج (بے جا شک و شبہ) پیدا کریں گے اور تمہاری طرف سے جو کچھ چھپا رکھا ہے وہ تمہاری آنکھوں میں آ جائے گا اور وہ تمہاری نفسوں میں دوڑیں گے اور وہ تمہاری نفسوں میں دوڑیں گے۔“

جب ایک عام انسان پر الزم ہے کہ وہ حضور کے فیصلے کے سامنے ہار چوں۔ چہاں ہار نہ ہو جائے اور اس کے بارے میں کسی قسم کا دباؤ دل میں نہ آئے تو حضرت خاقان جنت کے متعلق کہنا کہ آپ ارشاد نہ فرمائی کہ میں نے اسے قتل کر دیا۔ یہ تو قابلِ تسلیم نہیں۔ راوی کا یہ بیان ہے کہ نیک سے نیک آدمی بھی غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور سے واپس آئے اور اپنی قوم کو پیچھے کی پرستش کرتے ہوئے دیکھا تو غصے سے بے قابو ہو گئے اور یہ خیال کیا کہ شاید اس میں ہاروں کی غفلت کا دخل ہے۔ حالانکہ یہاں کڑ نہیں تھا۔ تو اس طرح کی غلط فہمیاں جب اکابر سے ہو جاتی ہیں تو یہی حدیث بہ ٹھیک ہمارے ارشدِ یوں نہ ہو، اس قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو جائے تو قطعاً بعید از فہم نہیں۔ لیکن اُمرانِ الحاد کو حقیقت پر محمول کیا جائے تب بھی ایسی روایات بہت موجود ہیں جن سے حضرت سیدہ کی خوشنودی کا ثبوت ملتا ہے۔ صرف ایک قول پر ہی التواء کرنا نہیں۔

حدیث کمال الدین میثم بحرانی ”شرح نوحی“ میں یہ قول ہمارے سامنے آتا ہے:

”یہ حدیث سیدہ کی خوشنودی کا ثبوت ہے۔“

يَا خَيْرَةَ النَّسَاءِ وَابْنَةَ خَيْرِ الْأَبَاءِ وَاللَّهُ مَا عَدَوْتُ رَأَى
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا عَمِلْتُ إِلَّا بِأَمْرِهِ -

”اے خواتین عالم کی سردار! اے تمام باپوں کے تاجدار کی خت جدر،
خدا کی قسم! میں نے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے سے ذرا
تجاوز نہیں کیا۔ میں نے وہی کیا جس کا حضور نے حکم دیا۔“

اس کے بعد آپ نے عرض کیا:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْ فِدَاكِ
قَوْلَكُمْ يُقْسِمُ الْبَاقِي وَيَحْيِي مِنْهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ
عَلَى اللَّهِ أَنْ أَصْنَعُ بِكُمْ كَمَا كَانَ يَصْنَعُ قَرَضَيْتُ وَيَذَلَّتْ
أَخَذَتِ الْعَهْدَ عَلَيْهِ بِهٖ

(1)

”حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فدک سے ضروریات زندگی (خوراک) لیا
کرتے تھے۔ اور باقی کو مستحقین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور مجاہدین کو
سواریاں اسی سے مہیا فرماتے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کو گوہ بنا کر اس بات کا
وعدہ کرتا ہوں کہ میں بھی وہی کچھ کروں گا جس طرح حضور علیہ
الصلوٰۃ والسلام کیا کرتے تھے۔ یہ سن کر آپ راضی ہو گئیں۔ اور اس
بات پر عمل پیرا رہنے کا پورا وعدہ کر لیا۔“

اس کے بعد علامہ کمال الدین لکھتے ہیں جس سے امام بخاری کی بھی تصدیق ہوتی ہے۔

وَكَانَ يَأْخُذُ فِدَاكُمْ غَدَمَهَا إِيَّاهُمْ وَمِنْهَا مَا يَكْفِيهِمْ شَعًا
فَعَلَّتِ الْخُلُقَاءُ بَعْدُ كَذَلِكِ -

(2)

یعنی حضرت ابو بکر صدیق کا یہ معمول تھا کہ فدک وغیرہ کاغذ اہل بیت کے فرائض
حسب ضرورت تقسیم کرتے۔ آپ کے بعد آنے والے خلفاء بھی اسی طرح کرتے رہے۔
جب ان حقائق کا آپ نے مطالعہ فرمایا تو حضرت ابو بکر صدیق پہ گاہ جانے والا
انعام کی نمکس طور پر پہنچ گئی ہو گئی۔ اور اسی طرح حضرت فاروق اعظم کی ذات اقدس و طہر
پر جو بہتان تراشی کی جاتی تھی اس کا بھی نام و نشان نہ رہا۔

دلائل النبوة (معجزات)

غزوہ خیبر کے ایام میں حضور ﷺ سے متعدد معجزات کا ظہور ہوا جو اس بات کے روشن دلائل تھے کہ حضور نبی برحق ہیں۔ بعض کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اور چند ایک معجزات کا ذکر کرنے کی اب سعادت حاصل کر رہا ہوں:-

- 1- یزید بن ابی جہید کہتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن اکوع کی پنڈلی میں زخم کا ایک نشان دیکھا۔ میں نے کہا، اے ابو مسلم! یہ چوٹ آپ کو کیسے لگی؟ انہوں نے کہا، یہ چوٹ جنگ خیبر میں مجھ کو لگی تھی اور یہ اتنی شدید تھی کہ لوگوں نے کہا کہ سلمہ کے بچنے کی اب کوئی صورت نہیں، سلمہ کی وفات اب یقینی ہے۔ اس حالت میں میں اپنے آپ کو ہوا پر گاہر سات میں لے آیا اور آکر اس زخم کے باء میں عرض کیا۔ رحمت عالم ﷺ نے تین مرتبہ دم فرمایا۔ چہم زدن میں اسی لفظ اللہ تعالیٰ نے صحت کاملہ عطا فرمائی۔ (1)
- 2- نبی کریم کا فرمانا کہ فلاں آدمی جہنمی ہے۔

سبیل بن سعید روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کی مشرکین سے جنگ ہوئی۔ خوب گھمسان کارن پڑا۔ مسلمانوں کی طرف سے ایک شخص کفار پر بڑی شدت سے حملہ کرتا تھا۔ جہاں بھی اسے کوئی مشرک دکھائی دیتا تو وہ اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ اس کی شجاعت اور بہادری سے متاثر ہو کر لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! آج جس جرأت و بہادری کا مظاہرہ فداں شخص نے کیا ہے کوئی شخص اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ حضور نے فرمایا لیکن وہ شخص تو دوزخی ہے۔ یہ بات سن کر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ کہنے لگے، اگر یہ شخص جہنمی ہے تو ہم میں سے اور کون ہے جو جنت کا مستحق ہو؟ لیکن ایک شخص نے کہا کہ یہ شخص اس حالت پر باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ اس نے اس کا حاقب شروع کیا۔ جب وہ تیزی سے دشمن پر چھینتا تو وہ شخص بھی تیزی سے اس کے پیچھے بھاگتا۔ اگر وہ اس سے حملہ کرتا تو یہ شخص بھی آہستہ آہستہ اس کے پیچھے جاتا۔ یہاں تک کہ دشمن نے اس کو زخمی کر دیا۔ اس زخم کے درد نے اسے غم حال کر دیا اور وہ اس پر صبر نہ کر سکا۔ اس نے اپنی تلوار زمین میں گاڑی اور اس کی دھار اپنے سینہ میں چھبوا دی اور اس پر اپنا زور ڈال کر

اپنا خاتمہ کر دیا۔ وہ شخص جو اس کا تعاقب کر رہا تھا جب اس نے یہ منظر دیکھا تو دوڑ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ عرض کرنے لگا اَشْهَدُ اَنْكَ لَوْسُوْلُ اللّٰهِ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ حضور نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے سارا واقعہ سنایا۔ نبی کریم نے ارشاد فرمایا، بسا اوقات کوئی شخص جنتیوں کا سا عمل کرتا ہے حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات کوئی شخص بظاہر جہنمیوں کا فعل کرتا ہے اور حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔ (۱)

غزوہ وادی القری

خیبر کے گرد و نواح میں یہودیوں کی کئی اور آبادیاں تھیں۔ ان لوگوں کو بھی اپنی قوت و کثرت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ خیبر کے یہودیوں کی شکست کے باوجود وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ مسلمانوں کو باسانی شکست دے سکتے ہیں۔ سرور عالم ﷺ خیبر فتح کرنے سے فارغ ہوئے تو مدینہ طیبہ کی طرف واپسی کا سفر شروع کیا۔ اس اثناء میں حضور کا گزر وادی القری سے ہوا۔ یہ وادی مدینہ منورہ اور شام کے درمیان میں واقع ہے۔ یہ وادی بڑی وسیع تھی۔ یہودیوں کے بہت سے گاؤں اس میں آباد تھے۔ اس کی ایک جانب خیبر تھا اور دوسری جانب تیماء کی بستی تھی۔ یہاں کے سارے باشندے بھی یہودی تھے۔ لشکر اسلام جب ان کے قریب سے گزرا تو عصر کا وقت تھا، سورج غروب ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ نبی مکرم ﷺ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ لیکن انہوں نے اس دعوت کو مسترد کر دیا اور جنگ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ ان کے نواح میں بدو قبائل بستے تھے وہ بھی مسلح ہو کر ان کی امداد کے لئے آگئے۔ وہ لوگ لشکر اسلام کی قوت کا اندازہ نہ لگا سکے جس نے ابھی چند روز پہلے خیبر کے یہودیوں کو شکست فاش دی تھی، جو ان سے بدرجہا قوی اور طاقتور تھے۔

ان کی جنگی تیاریوں کے پیش نظر رحمت عالم ﷺ نے اسلام کے جاں بازی ہدوں کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ ارشاد نبوی سنئے ہی سب مسلمان پوری طرح مسلح ہو کر صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلامی پرچم حضرت سعد بن عبادہ کو عطا فرمایا۔ ان کے علاوہ ایک جھنڈا حبیب بن منذر کو، دوسرا سہل بن حنیف کو اور تیسرا عباد بن بشر رضی اللہ عنہم کو مرحمت فرمایا۔ لشکر اسلام کی صف

ہندی کے بعد رحمت عالم ﷺ نے آگے بڑھ کر انہیں پھر دعوت دی کہ وہ اسلام قبول کر لیں، نیز یہ بھی انہیں بتایا کہ اگر وہ اسلام قبول کر لیں گے تو ان کی جائیں اور اموال سب محفوظ ہو جائیں گے۔ لیکن انہوں نے اس داعی حق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعوت کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اعلان جنگ کر دیا اور ان کو اپنے حصار میں لے لیا۔ چار روز تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ ایک روز ان کا ایک پہلوان تموار لہراتا ہوا میدان میں نکلا اور ہڈی ہڈی کا نعرہ لگایا۔ حضرت زبیر بن عوام نے اس کا چیلنج قبول کیا اور اپنی شمشیر آبدار سے یک وار کر کے اس کا کمرہ قلم کر دیا۔ اس کے بعد ان کا ایک اور پہلوان نکلا ہوا میدان میں اترا۔ سیدنا علی مرتضیٰ نے آگے بڑھ کر چشم زون میں اس کا سر قلم کر دیا۔ یکے بعد دیگرے ان کے گیارہ پہلوان نعرے لگاتے ہوئے اور مسلمانوں کو لٹکارتے ہوئے میدان میں نکلے۔ ان ساری لومڑیوں کو اللہ اور اس کے رسول کے شیعروں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جب بھی ان کا کوئی پہلوان کسی مجاہد کے ہاتھوں قلم اجل بنا تو حضور پر نور ﷺ مشرکین کو از سر نو اسلام قبول کرنے کی دعوت دے دے اور ان کے لئے قہر کا دروازہ کھول دیتے لیکن ان اندھوں اور بہروں کو دین حق کو قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ دوسرے روز صبح میرے ابھی سورج نیا وبرا بر بند ہوا ہو گا کہ انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ (۱)

”سبل ہندی وارشاد“ کے فضل مصنف علامہ محمد بن یوسف صالحی نے اس کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کیا ہے۔ وہ بھی سماعت فرمائیے۔

”رسول مکرم ﷺ خیمہ سے واپسی کے وقت ”المصنباء“ نامی ہستی کے پاس سے گزرے۔ پھر برہہ نامی گاؤں سے گزرتے ہوئے ”ادی القریٰ“ میں تشریف لائے۔“ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ:

رفعت بن زید جزئی نے ایک سیاہ فام غلام حضور کی خدمت اقدس میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ اسی کا نام ”عمہ“ تھا۔ اس کے ذمہ یہ خدمت تھی کہ وہ اس کا کام ﷺ کی ناک پر کھانا وغیرہ درست کرتا۔ ایک روز عمہ حضور کی ناک پر کھانا چاہتا تھا کہ ایک تیرا کیا اور اس کے جسم میں چوست ہو گیا جو جان نجات دہاں سمجھا جاتا ہے یہ بھی ذکر فرما لگایا

هَيِّنَّا لَهُ الْجَنَّةَ اَسَ جَنَّتْ مَبْرُكٌ هُوَ۔ اللہ کے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

كَلاَّ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ اِنَّ الشَّيْطَانَ الَّتِي اخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْغَنَائِمِ لَمْ يُصِيبْهَا الْمَقْسَمُ تَشْتَعِبُ عَلَيْنَا (1)
 ”ہرگز ایسا نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اس نے خیبر کے موال غنیمت سے ان کی تقسیم سے پہلے جو چادر اچک لی تھی وہ جگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے۔“

لوگوں نے جب حضور کا یہ ارشاد گرامی سنا تو سب لرز گئے۔ جس نے کوئی معمولی چیز بھی لی تھی وہ بھی واپس کر دی۔ ایک شخص نے چمڑے کی دوھری (ایک یادو) لی تھیں وہ بھی واپس کر دیں۔

مدِ علم کو تیر سے گھائل کر کے انہوں نے جنگ کا آغاز کر دیا۔ نبی مکرم ﷺ نے بھی اپنے صحابہ کو صف بندی کا حکم دیا اور مختلف آزمودہ کار صحابہ کو پرچم عطا فرمائے۔ شکر اسلام کا علم حضرت سعد بن عبادہ کو مرحمت فرمایا، ان کے عداوہ حضرات حباب بن منذر، سہل بن حنیف اور عباد بن بشر کو بھی پرچم عطا فرمائے۔ یہ انتظام کرنے کے بعد نبی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہاں کے یہودیوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ورنہ انہیں یہ بھی بتایا کہ اگر وہ ایمان لے آئے تو ان کی جانوں و اموال کی حفاظت کی ضمانت دی جائے گی لیکن شور بختوں کی قسمت میں ایمان لانے کی سعادت نہ تھی۔ انہوں نے اپنا ایک بہادر میدان میں بھیجا۔ اس نے هَلَنْ مِنْ قُتَابِ بْنِ كَانْعَرَه لگا کر مجاہدین اسلام کو لٹکارا۔ حضرت زبیر بن عوم نے اس کی ہلاکت پر لبیک کہتے ہوئے اس پر اپنی شمشیر خراش کاف سے وار کیا ورنہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان کا دوسرا بہادر دعوت مبارزت دینے کے لئے سامنے آیا تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے آگے بڑھ کر وار کیا ورنہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ان کے تیسرے بہادر کے چہینچ پر حضرت ابو دجانہ سامنے آئے اور چشم زدن میں اس کو واصل جہنم کر دیا۔ ان کے چوتھے پہلوان کو بھی حضرت ابو دجانہ کی تلوار نے خاک و خون میں ترپا دیا۔ یہاں تک کہ ان کے گیارہ بہادروں کو مجاہدین اسلام نے یکے بعد دیگرے موت کی خیند سل دیا۔

جب بھی ان کا کوئی بہادر موت کے گھاٹ اتار آجاتا تو نبی رحمت ﷺ انہیں دین حق قبول کرنے کی دعوت دیتے۔ اثنائے جنگ جب بھی نماز کا وقت آجاتا تو امام الانبیاء والمرسلین ﷺ مجاہدین کے ساتھ باجماعت نماز ادا فرماتے اور ان کے لئے درتوبہ کھولتے ہوئے دین حق قبول کرنے کی انہیں دعوت دیتے۔ جنگ و قتال کا یہ سلسلہ غروب آفتاب تک جاری رہا۔ جب دوسرے روز صبح طلوع ہوئی تو ابھی سورج نیزہ برابر اونچا ہوا تھا کہ ان کے حوصلوں نے گھٹنے ٹیک دیئے اور ان لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنی شکست تسلیم کر لی۔ اس طرح سرور عالمیان ﷺ نے بزور شمشیر ان پر فتح حاصل کر لی۔ مسلمانوں کو بطور غنیمت بے شمار مال و دولت کے علاوہ قیمتی گھریلو ساز و سامان کی ایک کثیر مقدار ہاتھ آئی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے چار روز تک وادی القریٰ میں قیام فرمایا اور سارا مال غنیمت اپنے مجاہد صحابہ میں تقسیم کر دیا۔ لیکن ازراہ کرم ان کی زر خیز زمینیں اور سرسبز و شاداب نخلستانوں سے انہیں بے دخل نہیں کیا۔ بلکہ وہ ان کے قبضہ میں رہنے دیئے اور ان شرائط پر انہی کو وہاں کھیتی باڑی کرنے کی اجازت دی جن شرائط پر اہل خیبر کو اپنی زمینوں میں آباد رہنے کا وزن دیا تھا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت عمرو بن سعید بن العاص کو وہاں کا والی مقرر فرمایا اور حضرت جمرہ بن ہوذہ کو جاگیر عطا فرمائی۔ (1)

تہماء

خیبر اور وادی القریٰ پر اسلامی تسلط قائم ہونے کے بعد بلاد عرب میں یہودیوں کے اقتدار کا جنازہ نکل گیا۔ صرف ایک بستی باقی رہ گئی جہاں یہودی آباد تھے۔ اس بستی کا نام تہماء تھا۔ یہ شام اور مدینہ طیبہ کے درمیان مدینہ طیبہ سے سات منزل کے فاصلہ پر واقع تھی۔ (2)

یہاں کے باشندوں کو جب معلوم ہوا کہ خیبر اور وادی القریٰ کے یہودیوں نے لشکرِ اسلام کا مقابلہ کیا لیکن ہردو کو شرمناک شکست سے دوچار ہونا پڑا تو انہیں یقین ہو گیا کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ سے جنگ کرنے کی سکت نہیں رکھتے، ان کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ

جزیہ ادا کرنا قبول کر کے سرکارِ دو عالم ﷺ سے صلح کی درخواست کریں۔ چنانچہ نبی رحمت ﷺ نے ان کی پیشکش قبول فرمائی۔ ان پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک فرما دیا۔ ان کے رہائشی مکانات، ان کی زرعی زمینیں اور باغات انہیں کے قبضہ میں رہنے دیئے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی زمینوں کا خراج اور حسب ضابطہ فی کس جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔

جزیہ

ایک ٹیکس ہے جو اسلامی مملکت کے غیر مسلم شہریوں سے وصول کیا جاتا ہے جو اسامی مملکت کی بالادستی کو قبول کرتے ہوئے ایک پرامن شہری کی طرح وہاں آباد ہونے کا معاہدہ کریں۔

دشمنان اسلام نے جزیہ کی وجہ سے اسلامی نظام سیاست پر اعتراضات کی بوچھاڑ کی ہے اور اسلام کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں غلط تصورات پیدا کرنے کی ناپاک سعی کی ہیں۔ اس لئے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جزیہ کے بارے میں تفصیل سے لکھ جائے تاکہ معترضین کے اعتراضات کا اطمینان بخش جواب دیا جاسکے اور اسلام کے اس بے عدیل نظام کے بارے میں ساری غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جاسکے۔

اسلامی مملکت کے باشندوں کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1۔ مسلم رعایا۔

2۔ غیر مسلم رعایا۔

غیر مسلم رعایا کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے جنگ کئے بغیر صلح کی اور صلح نامہ کے مطابق اسلامی مملکت کی شہریت قبول کر لی۔ دوسری قسم ان غیر مسلموں کی ہے جنہوں نے جنگ میں شکست کھانے کے بعد گھٹنے ٹیکے اور مملکت اسلامیہ میں پرامن شہری کی حیثیت سے سکونت پذیر ہو گئے۔ ان دونوں قسموں کو آسانی کے لئے ہم اہل ذمہ کے نام سے یاد کر سکتے ہیں۔

مملکت اسلامیہ میں سکونت پذیران تینوں طبقات کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ یہ ذمہ داری صرف قول کی حد تک نہیں بلکہ عملی طور پر ان سے عہدہ برآ ہونا اسلامی مملکت کا دینی فریضہ ہے۔ مسلمانوں کے بارے میں

حضور نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس کا ایک جملہ ذکر کرنے پر اکتفاء کروں گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرفات کے میدان میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جم غفیر کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي وَهَّاءُكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ
حَرَامٌ لَّيِّنًا تَلْقَوْنَ جُزْءَكُمْ مَحْرُومًا يَوْمَئِذٍ هَذَا وَحُومَةٌ شَهْرُكُمْ
هَذَا فِي بِلَدِكُمْ هَذَا إِنَّا نَكْفِيكُمْ سَلَفَكُمْ سَلَفُونَ رَبِّكُمْ قَبَسْنَا عَنْكُمْ
عَمَلَكُمْ (1)

”اے لوگو! تمہارے خون، تمہارے اموال، تمہاری عزتیں، تم پر اس طرح قلیل احترام ہیں جس طرح یہ حرمت والوں، یہ حرمت والے، مسینہ، تمہارے اس مقدس شہر میں لائق صد عزت و تکریم ہے (اور یہ حرمت عارضی نہیں بلکہ یہ اس وقت تک برقرار رہے گی جب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے) اب شک تمہارے رب سے ملاقات کرو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں باز پرس کرے گا۔“

یہی فیہ مسلمہ رعایا، توان کے مال، جان اور آبرو کی حفاظت کے لئے اس ہادی برحق ﷺ نے جو تاکیدیں ارشادات فرمائے ہیں ان کی فصاحت، بلاغت اور زور بیان سے پتھر میں حتیٰ تیک جاتے ہیں اور رحمت سے کڑی سوائی برائیں بھی جھک جاتی ہیں۔

ننت فرین میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

۱۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس امر سے تجزیہ و تصور کروانے کے لئے متعین فرمایا۔ جب وہ بارگاہ رسالت سے رخصت ہوا تو وہ اپنے قریبی رشتہ دار حبیبہ بنہ بنہ نے نہیں پہنچا بلکہ ارشاد فرمایا:

فَقَدْ أَرَمَنْ ظَلَمَ مَعَهُ هَذَا أَوْ كَفَفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ
الْمَقْصَصَةُ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا يَغْيِرُ طَبِيبٌ نَفْسَهُ فَإِنَّ
مَحْبِبًا يَوْمَ تَقِيَّامُهُ

”اے عبد اللہ! کان کھول کر میری بات سن دو۔ جس نے بھی کسی معاہدہ (ال ذمہ) پر ظلم کیا، یا اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دی، یا اسے نقصان پہنچایا، یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو قیامت کے روز میں اس کا گریبان پکڑوں گا۔“

خود غور فرمائیے کہ وہ شخص جو سرور عالم ﷺ کو اپنا نبی اور ہادی یقین کرتا ہے کیا وہ برداشت کر سکتا ہے کہ وہ ایسے جرم کا ارتکاب کرے جس کے باعث روز محشر شفعہ ائمہ نبین ﷺ اس کا گریبان پکڑ کر اللہ کی جناب میں پیش کریں۔ اس سے بیغ ترا سبب ناممکن ہے۔

رَدِّی تَنْفَعُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ آخِرُ مَا تَكَلَّمَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتَ قَالَ
لِحَفِظُونِي فِي ذِمَّتِي۔ (1)

”حضرت نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے بتایا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس دنیا سے انتقال فرماتے ہوئے آخری بات جو ارشاد فرمائی، وہ یہ تھی کہ میں نے جن لوگوں کے جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی ہے، اس کی اج رکن، اس پر آج نہ آنے دینا۔“

کیا شان ہے اس نبی رحمت ﷺ کی! کہ آخری وقت بھی مملکت اسلامیہ کی غیر مسلم رعایا کی حفاظت کا خیال رہا۔ اور اپنی امت کو وصیت فرمائی اور اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ کسی غیر مسلم پر زیادتی کر کے تم یہ نہ سمجھو کہ تم نے کسی غیر مسلم پر زیادتی کی ہے۔ بلکہ درحقیقت تم نے میرے اس وعدہ کو توڑا ہے جس کے یفاء کی میں نے ذمہ داری قبول کی تھی۔ اس کی سنگینی اور سزا کا باآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس سے پہلی حدیث میں بھی مسلمانوں کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا کہ تم اپنے مسلمان ہونے پر، اپنے نمازی اور روزے دار ہونے پر، مہاجر اور مہاجر ہونے کے باعث کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ اگر تم نے اسلامی مملکت کے کسی غیر مسلم شہری کی جان، مال و

آبرو پر دست درازی کی تو تم سے تمہارے مسلمان ہونے کی وجہ سے یا تمہارے اعمال حسنت کی وجہ سے چشم پوشی کر لی جائے گی۔ ہر گز نہیں۔ میں خود تمہارا گریبان پکڑوں گا اور بارگاہ ایزدی میں تمہارے خلاف مقدمہ دائر کروں گا۔

حضور نبی کریم ﷺ کے خلفاء راشدین نے اپنے دور حکومت میں اپنے آقا کے اس ارشاد کو ہر وقت پیش نظر رکھا۔ یہاں تک کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جو آخری وصیت کی اس کا تعلق بھی اسلامی مملکت کی غیر مسلم رعایا سے ہے۔ آپ شدید زخمی ہیں۔ زندگی کے آخری لمحے ہیں۔ اس وقت آپ نے جو گفتگو فرمائی۔ وہ بھی ملاحظہ فرمائیے تاکہ آپ پر واضح ہو جائے کہ اسلامی مملکت کی غیر مسلم رعایا کی جان و مال اور آبرو کی اسلام کی نگاہوں میں کیا قدر و منزلت ہے۔

قاضی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں :

وَكَاثَ فِيمَا تَكَلَّمَ بِهِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
عِنْدَ وَفَاتِهِ أَوْصَى الْخَلِيفَةَ مِنْ بَعْدِي بِدِينِ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ يُؤْفَى لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ
وَأَنْ يُقَاتِلَ مِنْ وَرَائِهِمْ وَلَا يُكَلَّفُوا فَوْقَ طَاقَتِهِمْ (1)

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت جو گفتگو فرمائی، وہ یہ تھی کہ میں اپنے بعد منصب خلافت کے لئے مقرر ہونے والے خلیفہ کو رسول اللہ ﷺ کے ذمہ کی وصیت کرتا ہوں یعنی اہل ذمہ کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا ہے اس کو دوپورا کرے۔ اگر ان پر کوئی بیرونی یا اندرونی دشمن حملہ آور ہو تو اپنی فوجوں سے ان کا دفاع کرے اور ان پر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈالے جس کے اٹھانے کی ان میں طاقت نہ ہو۔“

آپ کی معلومات میں اضافہ کے لئے یہ عرض بھی کر دوں کہ اسلام کا فوجداری قانون اور دیوانی قانون، مسلم رعایا اور ذمی رعایا کے لئے یکساں ہیں یعنی اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے گا تو مسلمان ہونے کی وجہ سے اس سے کوئی رعایت نہیں کی جائے گی بلکہ اس سے اسی طرح قصاص یا جازہ کا جس طرح مسلم مقتول کے قاتل سے لیا جاتا ہے۔ چنانچہ

ایک دفعہ عہد رسالت میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ اس قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے۔ چنانچہ اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ حضور نے فرمایا:

أَنَا أَسْقُ مِنْ وَفَى بِذِمَّتِهِمْ

(1)

”کہ میں سب سے زیادہ اس بات کا حقدار ہوں کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کروں۔“

اسی طرح سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ مقتول کے بھائی نے قاتل کو معاف کر دیا تو حضرت امیر المومنین کو اطمینان نہ ہوا۔ اسے اپنے پاس بلایا اور پوچھا لَعَلَّكُمْ قَرَعُوكَ أَوْ هَدَّ دَوْلَكَ (2) شاید ان لوگوں نے تجھے ڈرایا ہو یا تمہیں دھمکی دی ہو اور اس لئے تم نے قصاص معاف کر دیا ہو۔ اس نے عرض کی، اے امیر المومنین! میں نے اپنے مقتول بھائی کی دیت لے لی ہے اور میں نے اس کا خون معاف کر دیا ہے۔ تب آپ نے اس قاتل کو رہا کر دیا اور اس وقت ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا جس میں اسلام کے اس قانون کا خلاصہ بیان کر دیا گیا، فرمایا۔

إِنَّهُمْ قَبِلُوا عَقْدَ الذِّمَّةِ لِيَكُونَ أَمْوَالُهُمْ كَأَمْوَالِنَا وَ

دِمَائُهُمْ كَدِمَائِنَا۔

(3)

ان لوگوں نے اس لئے ذمی کے معاہدہ کو قبول کیا ہے تاکہ ان کے مال، ہمارے مالوں کی طرح اور ان کے خون، ہمارے خونوں کی طرح ہو جائیں۔“

یہ ہے اپنی غیر مسلم رعایا کے بارے میں اسلام کا طرز عمل۔ کیا دنیا کا کوئی اور نظام اس کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ جب مملکت اسلامیہ کے ہر شہری کی جان، مال اور آبرو بلا امتیاز مذہب، کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے تو ہر محبت وطن شہری پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق بیت المال میں حصہ داخل کرے تاکہ اسلامی مملکت سرحدوں کی حفاظت اور اندرون ملک امن و امان پر قرار رکھنے کے لئے اخراجات برداشت کر سکے۔

1۔ الامام محمد بن محمود سہارنوی (م 786ھ)، "نغایہ شرح الہدایہ"، القاہرہ، مکتبہ القاہریہ، لکھنؤ، ص 8، جلد 8، صفحہ 256

2۔ "بدایہ شرح موبہ الرحمن"

مسلمان رعایا بیت المال میں جو رقم جمع کراتی ہے اس کو زکوٰۃ و عشر کہتے ہیں۔ یہ زکوٰۃ و عشر مردوں، عورتوں، بچوں (بچوں پر صرف عشر) سب پر فرض ہے اور ذمی رعایا جو رقم بیت المال میں جمع کراتی ہے۔ اس کو "جزیہ" کہتے ہیں۔ یہ وہ جزیہ ہے جس کے بارے میں اسلام کے سیاسی حریفوں نے ایک کبرام مچار کھا ہے۔ اسلام کے رخ زیا کو شکوک و شبہات کی گرد سے غبار آلود کرنے میں اپنی ساری قوتیں صرف کر رہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جاتا ہے۔ جزیہ صرف غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں سے وصول نہیں کیا جاتا۔ ایک مملکت کا شہری ہونے کی حیثیت سے دونوں کے ساتھ مساویانہ سلوک ہونا چاہئے تھا لیکن اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ امتیازی سلوک برتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ غیر مسلموں کو مالی مشکلات میں مبتلا کرنے کے لئے ان پر جزیہ کی اونٹنی لازمی قرار دے دی گئی ہے اور ان کے اعتراضات کی تان اس بات پر مگر ٹوٹتی ہے کہ جزیہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ غیر مسلموں پر یہ مالی تادان لگا کر انہیں مجبور کیا جائے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں۔

آئیے ہم حقیقت کی روشنی میں ان اعتراضات کا جائزہ دیں۔
 کہا گیا ہے کہ جزیہ صرف غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں سے وصول نہیں کیا جاتا۔ اور یہ امتیازی برتاؤ ہے جو ناروا ہے۔ اس کے بارے میں عرض ہے کہ یہ بالکل جھوٹا الزام ہے جس طرح پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مسلمان بھی اپنے مال سے مال سے حصہ دیتے ہیں۔ اسے زکوٰۃ و عشر کہا جاتا ہے اور وہ مقدار میں جزیہ کی مقدار سے کئی گنا زیادہ ہے۔ نیز مسلمانوں کے پاس اُمر موشی ہوں، بھیڑ بھریں، گائیں، بھینسیں، گھوڑے اور اونٹ تو ان کی زکوٰۃ بھی مسلمانوں کو ادا کرنا پڑتی ہے۔ حالانکہ ذمی رعایا سے مواشیوں پر کسی قسم کا گناہ یا ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا۔

مسلمان عورت اُمر صاحب نصاب ہو یا مسلمان بچہ اُمر صاحب نصاب ہو تو اس کو بھی لازمی طور پر اپنے اموال کی زکوٰۃ و عشر دینا پڑتا ہے۔ ان کے برعکس کسی ذمی عورت اور بچے سے کوئی جزیہ نہیں لیا جاتا۔

جو دعویٰ سامنے آئے کہ اسلام نے مالی اور دینی کے نقطہ نظر سے ذمیوں کو قسری مراعات سے ہم دور کیا ہے۔ بجائے اس کے کہ ان حقوق کو سمجھا جاتا، احتیاف کیا جاتا، اسلام کی

فیاضی کا شکریہ ادا کیا جاتا، الثانیہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ اسلام غیر مسلم رعایا سے امتیازی سلوک روا رکھتا ہے۔ آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ان کا یہ الزام کہاں تک صحیح ہے؟
ان کا دوسرا الزام کہ جزیہ ایک مالی تاوان ہے۔ جس سے اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم رعایا کو زیر برد کرتی ہے اور ان کو مالی دشواریوں سے دوچار کرتی ہے۔ اس کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ :

اگر آپ جزیہ کی مقدار سے آگاہ ہو جائیں گے تو یہ الزام خود بخود کاغذ مہو جا۔ گا۔
حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر مسلموں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے :

دولت مند طبقہ، متوسط طبقہ اور فقراء

امراء پر از تالیس درہم سالانہ یعنی چار درہم ماہوار۔ متوسط طبقہ پر چوبیس درہم سالانہ یعنی دو درہم ماہانہ تیسرے طبقہ پر بارہ درہم سالانہ یعنی ایک درہم ماہوار۔

آپ خود سوچئے کہ کیا یہ اتنا بوجھ ہے جو ان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ ورنہ کو طرح طرح کی مالی پریشانیوں میں مبتلا کرنے کا باعث بن سکتا ہے؟ یہ یک نہایت ہی قلیل اور حقیر سی رقم ہے جو قطعاً بوجھ تصور نہیں کیا جاسکتا۔

ان کی آخری تہمت کہ جزیہ عائد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ غیر مسلموں کو سلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اس کے سراسر کذب و افتراء ہونے میں ذرا شک نہیں۔ جس دین کا بنیادی اصول یہ ہو کہ ”لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ“ کہ دین قبول کرنے میں کسی پر جبر نہیں کیا جائے گا، کسی کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اس دین کے پیروکار کسی پر جبر کر کے اسے مسلمان بنانے میں کیوں اپنا وقت اور اپنی قوت ضائع کریں گے؟ نیز آپ خود سوچیں کیا عقیدہ اتنی حقیر اور کم مایہ چیز ہے کہ اتنی قلیل سی رقم کی ادائیگی سے بچنے کے لئے انسان اپنے پہلے عقیدہ کو چھوڑ کر ایک نیا عقیدہ قبول کرے جس کو اس کا ضمیر تقسیم نہیں کرتا۔ لوگ تو اپنے عقیدہ کے لئے پناہ وطن چھوڑ دیتے ہیں۔ اپنی عمر بھر کی کمائی پر، تار و پتے ہیں۔ اور اگر اپنے عقیدہ کی راہ میں سرکٹنا پڑے تو اس کو بھی بصد مسرت قبول کر لیتے ہیں۔ عقیدہ اتنی ارزاں اور حقیر چیز نہیں ہے کہ دولت مند لوگ زتالیس درہم کے عوض، متوسط طبقہ چوبیس درہم کے عوض و تیسرا طبقہ بارہ درہم سالانہ کے عوض اس کو بی

دے۔ اگر کوئی شخص اتنی قلیل رقم پر اپنا عقیدہ بدلتا ہے تو اس کی تبدیلی قطعاً کسی کے لئے قابل افسوس نہیں ہونی چاہئے۔ یہ چیز بھی آپ کے ذہن میں رہے کہ ہر غیر مسلم پر جزیہ کی ادائیگی لازم نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط بھی نہیں پائی جائے گی تو جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

اس بحث کے مطالعہ سے بھی اس الزام کی قطعی کھل جائے گی جو اسلام کے سیاسی حریف جزیہ کے سلسلہ میں اسلام پر عائد کرتے ہیں، کہ یہ لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے عائد کیا جاتا ہے۔ اب ہم ان شرائط کو ذرا تفصیل سے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں:

شرائط جزیہ

1۔ عاقل ہو، بالغ ہو، مرد ہو۔

2۔ جسمانی عوارض سے محفوظ ہو، یعنی لپانج، اندھا، پیر فروت اور دائم المرض نہ ہو۔

3۔ آزاد ہو۔

4۔ ایسا مفلس نہ ہو جو بے روزگار ہو۔

ان شرائط سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ دیوانہ، نابالغ، بچہ، عورت، لپانج، اندھا، پیر فروت، دائم المرض، غلام اور بے روزگار۔ یہ سب لوگ جزیہ ادا کرنے کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اگر جزیہ کا مقصد غیر مسلموں کو جبراً مسلمان بنانا ہو تا تو ان سب پر جزیہ لگایا جاتا۔ کم از کم نابالغ بچے اور عورت سے تو ضرور جزیہ وصول کیا جاتا کیونکہ مسلمان نابالغ بچے اور عورت پر زکوٰۃ و عشر ادا کرنا لازمی ہے۔ ان تمام افراد کو مستثنیٰ کرنے سے یہ ان لوگوں کے الزام کی تردید نہیں ہو جاتی کہ جزیہ کا مقصد لوگوں کو جبراً مسلمان بنانا ہے؟

یہ صرف نظریات ہی نہیں بلکہ مسلمانوں نے اپنے عہد اقدار میں ان احکامات و نظریات پر عمل بھی کیا ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اپنی "کتاب الخراج" میں تحریر فرماتے ہیں۔
کہ حضرت خاندن نے جن غیر مسلم قوموں اور قبیلوں سے صلح کی اور ان کو صلح نامے لکھ کر دیئے، ان میں یہ جملہ موجود ہے۔

يَمَّا شَيْخٌ ضَعُفَ عَنِ الْعَمَلِ أَوْ أَصَابَتْهُ آفَةٌ مِّنَ الْأَفَاكِ

أَوْكَانَ عَنِّيَا فَافْتَرَّ وَصَارَ أَهْلُ دِينِهِ يَتَصَدَّقُونَ عَلَيْهِ
طَرِحَتْ جِزْيَتُهُ وَعِيْلٌ مِّنْ بَيْتِ الْمَالِ وَعِيَالُهُ مَا أَقَامَ
فِي دَارِ الْإِسْلَامِ-

(1)

”اگر کوئی بوڑھا کام کرنے کے قابل نہ رہے یا بدنی بیماریوں میں سے اسے کوئی بیماری لگ جائے یا پہلے وہ غنی تھا اب محتاج ہو گیا اور اس کے مذہب والے اس کو صدقہ خیرات دینے لگیں، ان حالات میں اس سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اس کا اور اس کے اہل و عیال کا خرچہ بیت المال سے ادا کیا جائے گا جب تک دارالاسلام میں سکونت پذیر رہے۔“

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد خلافت میں ایک روز ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک بوڑھا ایک مکان کے دروازے پر کھڑا بھیک مانگ رہا ہے۔ آپ چپکے سے گئے اور اس کا بازو پکڑ لیا۔ اس سے پوچھا کہ تم کیوں بھیک مانگ رہے ہو؟ اس نے کہا۔ اسئل الجزیۃ والمحلۃ والسن۔ میں اس لئے بھیک مانگ رہا ہوں کہ مجھے جزیہ ادا کرنا ہے۔ خود کمانے سے عاجز ہوں۔ اپنی ضروریات زندگی پوری کرتا ہوں، اور اپنے بڑھاپے کی وجہ سے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر لے گئے۔ اپنے گھر سے اسے کچھ دیا۔ پھر بیت المال کے خازن کو بلایا اور اسے ہدایت کی :

أَنْظُرْ هَذَا وَضَرَبَاكَ فَإِنَّ اللَّهَ مَا أَنْصَفَنَا إِنَّ أَكَلْنَا
شَيْبَتَهُ ثُمَّ نَحْنُ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ مِمَّنْ أَنْصَفْنَا لِيُفْقَرُوا
وَالْمَسَاكِينُ وَوَضَعَ عَنْهُ الْجِزْيَةَ وَضَرَبَاكَ-

(2)

”اس کا خیال رکھو اور اس جیسے جتنے لوگ ہیں، ان سب کا خیال رکھو۔ بخدا! ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ ہم نے اس کی جوانی کی کمائی سے تو جزیہ وصول کیا۔ اور جب بوڑھا ہو گیا تو ہم نے اسے نظر انداز کر دیا۔“

پھر یہ آیت پڑھی:

إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ الْآيَةُ

"اور اس شخص اور اس جیسے سارے معذوروں سے جزیہ معاف کر دیا گیا اور ان کے اخراجات کی کفالت بیت المال کے ذمہ لگائی۔"

جزیہ کی اصل وجہ

جزیہ کے بارے میں اسلام کے سیاسی حریفوں نے جو شکوک و شبہات پیدا کئے تھے، ان کی حقیقت سے آپ پوری طرح سچا ہو گئے ہیں کہ جزیہ لگانے سے نہ ان کے ساتھ امتیازی برتاؤ کرنا مقصود ہے نہ ان کو مالی لحاظ سے زیر بار کرنا مقصود ہے اور نہ اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ لوگوں کو جبراً مسلمان بنایا جائے۔ تو اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ پھر اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ آگے بڑھنے سے پہلے ایک بات اور ذہن نشین کر لیں کہ مسلمان اور غیر مسلم رعایا سے جو رقم وصول کی جاتی ہے، ان کے لئے مختلف نام کیوں مقرر کئے گئے ہیں جن سے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ جو بھی کسی سے وصول کیا جاتا ہے، اس کے لئے ایک ہی نام مقرر کیا جاتا۔ جس میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہ ہوتا تو بہت سے شکوک و شبہات پیدا ہی نہ ہوتے اور اسلام کے مخالفین کو لب کشائی کی جرأت ہی نہ ہوتی۔

اس کے لئے گزارش ہے کہ ناموں کے اختلاف کی ایک اہم وجہ ہے جس کو کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ زکوٰۃ و عشر جو مسلمانوں کے ذمہ واجب الاداء ہے، یہ اسلام کی دوسری عبادتوں کی طرح ایک عبادت ہے۔ لیکن غیر مسلم رعایا جو اسلام کو اپنا دین نہیں مانتی ان کے لئے واجبہ کو زکوٰۃ و عشر سے موسوم کرنا قرین انصاف نہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اسلام ان لوگوں سے اپنے نظام عبادات پر عمل کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے جو اس کی سچائی کو مانتے ہی نہیں، تو یہ کتنی بے انصافی ہے کہ ان غیر مسلموں کو اسلام کے پیش کردہ نظام عبادت کا پابند بنایا جائے۔ انہیں کہا جائے کہ نمازیں ادا کرو، رمضان شریف کا چاند نظر آجائے، سب روزے رکھو، تم بھی زکوٰۃ و عشر ادا کرو۔ اسلام کی عبادت روح اس دھاندلی کو نہ بڑھائے۔ اس سے ملنے والے حوالہ دہانہ ہیں ان کو الگ نام دیا گیا تاکہ مسلمانوں کے لئے واجبہ اور ان کے لئے واجبہ میں امتیاز برقرار رہے۔

اب اختصار کے ساتھ غیر مسلموں پر جزیہ عائد کرنے کے بارے میں صحابہ کرام کا جو تعامل تھا، اس کی روشنی میں حقیقت جان پیش کی جاتی ہے:

عہد صحابہ میں ہی مسلمانوں نے تین معہوم براعظموں پر مسلم کا پرچم لہرایا تھا۔ س گت قبیلے اور کثیر التعداد قومیں اور ملک ان کے زیرِ تسلیم ہو گئے تھے۔ ان سے معاہدے ہوئے۔ صلح نامے لکھے گئے۔ جن کے مطالعہ سے حقیقت حال روزِ راشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام اپنی غیر مسلم رعایا کو جس طرح، دیرِ مای عبادت کا مکلف نہیں کرتا، اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ بھی ایک اسلامی عبادت ہے، جس میں شرکت کے لئے اہل ذمہ کو مجبور نہیں کیا کہ وہ اپنے مسلمان ہم وطنوں کے شانہ بشانہ اپنے ملک پر حملہ کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔ ان کو ان کی جنگی خدمات سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ ان جنگی خدمات سے مستثنیٰ ہونے کے عوض ان پر جزیہ کی قلیل اور حقیر رقم واجب کر دی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اب میں چند صلح نامے آپ کے مطالعہ کے لئے پیش کرتا ہوں۔

(1) پہلا صلح نامہ: ریاست حیرہ کے امیر کے نمائندہ صلح بن نطونا سے حضرت خالد بن ولید نے صلح کا جو معاہدہ کیا اس کی عبارت یہ تھی:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ هَذَا كِتَابٌ مِنْ خَالِدِ بْنِ
وَلِيدٍ يَصْلُو بَابِنَ نَطُونًا وَقَوْمَهُ إِتَى عَاهِدُكُمْ عَلَى
الْجُزْيَةِ وَالْمَنْعَةِ فَإِنْ مَنَعْنَاكُمْ فَلَنَا الْجُزْيَةُ وَالْأَفْلَاحُ
نَمْنَعُكُمْ۔

(1)

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ مکتوب ہے خالد بن ولید کی طرف سے صلح بن نطونا اور اس کی قوم کے نام۔ میں تم سے معاہدہ کرتا ہوں جزیہ اور دفاع پر (یعنی تم جزیہ ادا کرو گے اور ہم دشمنوں سے تمہاری حفاظت اور دفاع کریں گے) اگر ہم تمہارا دفاع کریں تو ہم جزیہ لینے کے حقدار ہیں، اور اگر ہم تمہارا دفاع نہ کریں تو ہمیں جزیہ لینے کا حق نہیں پہنچتا یہاں تک کہ ہم تمہارا دفاع کریں۔“

اس صلح نامے سے بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ دشمن کے سامنے سینہ سپر ہونا، ان کی پیش قدمی کو روکنا اور ان کے حملہ کو پسپا کرنا، یہ صرف مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ اہل ذمہ کو یہ تکلیف نہیں دی جائے گی کہ وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کریں۔
(2) دوسرا صلح نامہ: ایران میں مسلمانوں کے ایک سالار سوید بن مقرن نے جرجان کے ایک بادشاہ کو خط لکھا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ هَذَا كِتَابٌ مِنْ سُوَيْدِ بْنِ
صَوْلٍ بْنِ رِزْبَانَ صَوْلٍ بْنِ رِزْبَانَ وَأَهْلِ دَهْشْتَانِ
وَسَائِرِ أَهْلِ جُوجَانَ إِنَّكُمْ الذِّمَّةَ وَعَلَيْنَا الْمَنَعَةُ (1)

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ مکتوب ہے سوید بن مقرن کی طرف سے
صول بن رزبان و اہل دہستان اور تمام اہل جرجان کے نام کہ تمہاری
ذمہ داری یہ ہے کہ تم معاہدہ کی شرطوں کو پورا کرو اور ہم پر فرض ہے
کہ ہم تمہاری حفاظت اور دفاع کریں۔“

امام ابو یوسف ”کتاب الخراج“ میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے اہل ذمہ کے ساتھ جزیہ
ادا کرنے پر جو صبح کی اور جس بنیاد پر سارے شہر فتح ہوئے وہ یہ تھا:

عَلَى أَنْ يَغَارِبُوا مِنْ تَأْوَاهُمْ مِنْ عَدُوِّهِمْ وَيَذُبُّوا عَنْهُمْ
فَادُوا الْجُزْيَةَ إِلَيْهِمْ عَلَى هَذَا الشَّرْطِ - فَأَقْبَلَتْ حَتَّى
الْتَمَسَتْ كُلُّهَا عَلَى هَذَا. (2)

”مسلمان ان دشمنوں کا مقابلہ کریں گے جو اہل ذمہ پر حملہ آور ہوں
گے۔ اور ان سے ان کا دفاع کریں گے۔ اس شرط پر وہ انہیں جزیہ ادا
کریں گے۔ چنانچہ اس شرط پر شام کا سارا ملک فتح ہو گیا۔“

علامہ ابن اسیر، اندلسی، ”المقدمات“ میں اس کی وجہ باریک غلط بیان کرتے ہیں
إِنَّ الْجُزْيَةَ إِنَّمَا تَأْخُذُ مِنْهُمْ سَنَةً بِسَنَةٍ حَزَاءً عَلَى
تَأْمِينِهِمْ وَاقْتِرَابِهِمْ عَلَى دِينِهِمْ يَتَصَرَّفُونَ فِيْ جَوَارِ

الْمُسْلِمِينَ وَذَمَّ لَهُمُ الْإِيمَانُ - يُعَارِثُونَ عَنْهُمْ عَدَاؤَهُمْ

وَلَا يَلْزَمُهُمْ مَا يَلْزَمُ الْمُسْلِمِينَ - (1)

”اہل ذمہ سے جو جزیہ سال بسال لیا جاتا ہے، یہ اس چیز کے عوض ہے کہ مسلمانوں نے ان کو امن دیا، ان کو اپنے دین پر برقرار رہنے دیا تاکہ وہ مسلمانوں کے پڑوس میں اور ان کی حفاظت میں امن و سلامتی کے ساتھ کاروبار حیات میں مصروف رہیں۔ ان کے دشمنوں سے مسلمان جنگ کریں گے اور جہاد میں شرکت کی ذمہ داری جو ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے، اہل ذمہ کو اس کا پابند نہیں کیا جائے گا۔“

ان چند تصریحات سے آپ کو اس کی اصل وجہ پر آگاہی ہوئی، جس کے باعث اہل ذمہ سے یہ حقیر سی رقم جزیہ کے نام سے وصول کی جاتی ہے۔ اور تاریخ میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ جب بھی مسلمانوں نے اپنے آپ کو ان کا دفاع کرنے میں بے بس پایا تو ان سے وصول شدہ جزیہ انہیں واپس کر دیا گیا۔ چنانچہ عہد فروقی کا ایک مشہور واقعہ پیش ہے۔ مغربی محاذ کے سپہ سالار اعلیٰ حضرت ابو عبیدہ بن جراح تھے۔ ان کی فرست، جنگی مہارت اور شجاعت سے تقریباً سارا ملک شام ہشموں فلسطین و لبنان فتح ہو گیا تھا۔ چند متفرق علاقے ابھی دشمن کے قبضہ میں تھے۔ ہر قل نے جب اپنے زر خیز صوبہ کو اپنے قبضہ میں سے نکلتے ہوئے دیکھا تو اس کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے سردھڑ کی بازی لگا دی۔ پنی تمام فوج ایک جگہ اکٹھی کی تاکہ اجتماعی قوت سے مسلمانوں پر دھواؤں جائے۔ ہر قل کی تیاری کا علم جب حضرت ابو عبیدہ کو ہوا تو آپ نے بھی یہ قرین مصلحت سمجھا کہ اسلامی فوج جو شام کے مختلف شہروں میں بکھری ہوئی ہے، اس کو یکجا کر کے دشمن کا بھرپور مقابلہ کیا جائے۔ اگر وہ حملہ کرنے کی جرأت کرے تو اس کا دندان شکن جواب دیا جائے۔ لہٰذا تمام سالاروں کو آپ نے حکم دیا کہ آپ اپنے اپنے جانباز سپاہیوں کے ساتھ میرے ساتھ آکر مل جائیں تاکہ دشمن کی اجتماعی قوت کا جواب ہم بھی اپنی اجتماعی طاقت سے دیں۔ اس لئے جو جزیہ اور خراج آپ لوگوں نے اہل ذمہ سے وصول کیا ہے، وہ ان کو واپس دیں۔ کیونکہ وہ جزیہ ہم نے اس شرط پر ان سے وصول کیا تھا کہ ہم ان کا دفاع کریں گے۔ لیکن موجودہ

حالات میں ہم یہ فریضہ انجام دینے سے قاصر ہیں۔ اس لئے ہم پر لازم آتا ہے کہ ہم ان کا جزیہ ان کو لوٹا دیں اور انہیں یہ کہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو فتح و نصرت دی تو ہم پھر یہاں آئیں گے۔ اگر تم نے سابقہ صلح کے معاہدہ کو برقرار رکھا تو ہم بھی اس کی پابندی کریں گے۔ چنانچہ تمام سالار اپنے مجاہدین کو لے کر جب اپنے مرکوزوں سے روانہ ہونے لگے تو انہوں نے وصول شدہ جزیہ اور خراج کی رقم اہل ذمہ کو واپس کر دیں۔ اس قسم کا برتاؤ ان کے لئے بڑا حیران کن تھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ مسلمانوں کے رخصت ہوتے وقت یہ دعا بھی مانگ رہے تھے الٰہی انہیں پھر ہمارے علاقوں میں واپس لے کر تاج مروت، عدل و احسان انہوں نے ہمارے ساتھ روار کھا ہے ایسا عدل و احسان آج تک نہ دیکھنے میں آیا نہ سننے میں۔ اگر رومی ہوتے تو خراج لوٹانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ ہمارے پاس جو کچھ بھی کھی تھا وہ بھی وٹ کر اپنے ساتھ لے جاتے۔ جو رقم مسلمانوں نے اس وقت واپس کی، وہ کوئی تیس رقم نہ تھی۔ صرف ایک شہر حمص کے لوگوں کو سات لاکھ درہم انہوں نے واپس کئے۔

ان صحابہ ناموں اور حضرت ابو عبیدہ کے اس طرز عمل سے جزیہ لگانے کی وجہ اظہر من الشمس ہو گئی۔ اس کے بعد امرچہ مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔ لیکن تاریخ اسلام کے ایک واقعہ نور بصیرت میں اضافہ کرنے کے لئے پیش کر رہا ہوں:

آرمینیا کے نواحی علاقہ "الباب" کے گورنر سراقہ بن عمرو سے وہاں کے بادشاہ نے مطالبہ کیا:

أَنْ تَقْضِيَ عَنْهُمْ مَعَهُ أَجْزِيَّةً عَلَى أَنْ يَقُومُوا بِهَا يَوْمَئِذٍ
مِنْهُمْ ضِدَّ عَدُوِّهِمْ فَقِيلَ سَرَّاقَةٌ وَكُتِبَ سَرَّاقَةٌ إِلَى
بِإِثْنِ الْخَطِّبِ وَأَجَازَةً وَحَسَنَةً

(1)

"کہ ان کا جزیہ معاف کر دیا جائے۔ وہ ان کے دشمن کے مقابلہ میں ان کے ساتھ شانہ بشانہ صف بستہ ہو کر کھڑے ہوں گے اور ان کے ساتھ جنگ کریں گے۔ سراقہ نے اس کا یہ مطالبہ منظور کر لیا اور اس کی اطاعت نہتے میرے اموال میں نہتے خطیب کی خدمت میں جمع کی۔

آپ نے اس کی منظوری بھی کی۔ اس کی تائید بھی کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اہل ذمہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر حملہ آوروں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو ان سے جزیہ ساقط کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح انطاکیہ کے قریب ایک شہر ”جرمومہ“ کے نام سے آباد تھا۔ جس نے باشندوں کو جراحہ کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں انطاکیہ پر حضرت ابو عبیدہ کی طرف سے حبیب بن مسلمہ الغمری، والی تھے۔ جراحہ نے ان سے صلح کی درخواست کی۔ اس شرط پر کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں مسلمانوں سے مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔ جاسوسی کی خدمات بھی انجام دیں گے۔ اس شرط پر کہ ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

علامہ یاقوت حموی ”معجم البلدان“ میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں :

وَلِأَبُو عَبِيدَةَ أَنْطَاكِيَّةَ حَبِيبَ بْنَ مَسْمَةَ الْغَمَرِيُّ
وَعَمْرَ الْجَرَجُومَةَ فَصَالِحَهُ أَهْلُهُ عَلَى أَنْ يَكُونُوا أَعْوَانًا
لِلْمُسْلِمِينَ وَعِيُونًا وَمَسَارِعَ فِي حَبِيبِ الدِّكَاكِيمِ وَأَنْ لَا
يُؤْخَذُوا بِالْجَزْيَةِ۔

(1)

”حضرت ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلمہ الغمری کو انطاکیہ کا والی بنایا۔
نبیوں نے جرجومہ پر حملہ کیا ان لوگوں نے ان شرط پر ان سے صلح کی
کہ دشمن کے مقابلہ میں وہ مسلمانوں کے مددگار ہوں گے۔ دشمن کی
جاسوسی کریں گے۔ بشرطیکہ ان سے جزیہ وصول نہ کیا جائے۔“

چنانچہ آپ نے ان شرط پر ان کے ساتھ صلح کر لی۔ اور ان سے جزیہ ساقط کر دیا۔
عتبہ بن فرقہ جو حضرت ذروق، عظم کے جرنیل تھے۔ انہوں نے ذرہانی جان کے
باشندوں کے ساتھ اس معاہدہ پر صلح کی :

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ هَذَا مَا أَعْطَى عُتْبَةُ بْنُ
قُرَيْظَةَ عَامِلُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَذْرَبًا يَتِمُّونَ
سَهْلَهَا وَجَبَلَهَا وَحَوَاشِيَهَا وَأَهْلَهَا وَمِلَّةَ كُلِّهُمْ الْأَمَانُ
عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَشَرَائِعِهِمْ عَلَى أَنْ يُؤَدُّوا الْعِزَّةَ
عَلَى قَدَرِ طَائِفَتِهِمْ . . . وَمَنْ حَشَرَ مِنْهُمْ فِي سَنَةٍ وَضَعَهُ

عَنْهُ جَزَاءُ يَلْكَ السَّنَةِ۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ صلح نامہ ہے جو عتبہ بن فرقد، جو امیر المؤمنین عمر بن خطاب کے نائب ہیں، آذربائیجان کے باشندوں کے ساتھ طے کیا کہ اس کے میدانی علاقوں میں، پہاڑی علاقوں میں اور بیرونی حدود کے ساتھ رہنے والے سب لوگوں کو امان دے دی گئی ہے، ان کی جانوں، مالوں، ان کے مذہبی احکام کو اس شرط پر کہ وہ جزیہ ادا کریں گے اپنی استطاعت کے مطابق۔ اور ان میں سے جو شخص مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوگا، اس سال اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا۔“

موجودہ دور میں جزیہ کی حیثیت

مندرجہ بالا تشریح سے اس امر کی وضاحت بھی ہو گئی کہ اگر اہل ذمہ اپنے اپنے اسلامی ملکوں کے دفاع کے لئے برضا و رغبت تیار ہو جائیں تو ان سے جزیہ از خود ساقط ہو جائے گا۔ اگر وہ اس بات پر تیار نہ ہوں تو بحیثیت اس مملکت کے شہری کے، ان پر لازم ہے کہ وہ مملکت کے دفاعی اخراجات میں حصہ ڈالیں اور یہی جزیہ ہے۔ لیکن اگر وہ اس بات پر تیار نہ ہوں اور صرف جزیہ کے غلط سے الرجک ہوں تو اس کا کوئی اور نام بھی رکھا جاسکتا ہے۔ جس طرح نو تغیب سے جو جزیہ وصول کیا جاتا تھا اس کو صدقہ کہا جاتا تھا۔

جزیہ وصول کرنے میں نرمی

جزیہ اور خراج کی وصولی کے لئے ذمیوں پر تشدد کرنا منع ہے۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے ایک عامل کو بھیجتے ہوئے فرمایا:

”ان کے جائزے، گرمی کے کپڑے، ان کے کھانے کا سامان اور ان کے جانور جن سے وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ خراج وصول کرنے کی خاطر ہر گز نہ یس۔ نہ کسی کو درہم وصول کرنے کے لئے کوڑے مارنا۔ نہ کسی کو تھار کھٹے مارنا۔ نہ خراج کے عوض کسی چیز کا بدلہ کرنا۔ نہ جو ان کے حاکم بنائے گئے ہیں تو

ہمارا کام نرمی سے وصول کرنا ہے۔ اگر تم نے میرے حکم کے خلاف کیا تو اللہ تعالیٰ میرے بجائے تم کو پکڑے گا اور اگر مجھے تمہاری خلاف ورزی کی خبر پہنچی تو میں تمہیں معزول کر دوں گا۔“ (1)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے شام کے فاتح اور گورنر حضرت ابو عبیدہ کو جو فرمان لکھا۔ اس میں ایک حکم یہ بھی ہے:

وَأَمْنِ السُّيَمِيَّةِ مِنْ ظُلْمِهِمُ وَالْإِضْرَارِ بِهِمْ وَأَكْلِ
أَمْوَالِهِمْ إِلَّا بِحَقِّهَا۔

”مسلمانوں کو منع کر دیں کہ وہ ذمیوں پر ظلم نہ کریں۔ نہیں ضرر نہ پہنچائیں اور حلال ذریعہ کے بغیر ان کے مال مت کھائیں۔“

غروب کے بعد رجوع آفتاب

حضرت امام طحاوی نے اسماء بنت عمیس کے واسطے سے دو سندوں سے یہ روایت ”مشکلات الحدیث“ میں نقل کی ہے:

1۔ ایک روز حضور پر نور ﷺ نے اپنا سر مبارک سیدنا علی مرتضیٰ کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ حضور پر نزول وحی کی کیفیت طاری تھی۔ سیدنا علی نے ابھی نماز عصر ادا نہیں کی تھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ سرور عالم ﷺ نے چشم مبارک کھول کر علی مرتضیٰ سے پوچھا، اے علی! کیا تم نے نماز عصر ادا کی ہے؟ آپ نے عرض کی، نہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے بارگاہِ الہی میں التجا کی:

اللَّهُمَّ إِنَّهُ كَانَ فِي طَاعَتِكَ وَطَاعَةِ رَسُولِكَ فَأَرَدَ
عَلَيْهِ الشَّمْسَ قَالَتْ أَسْمَاءُ وَرَأَيْتُهَا عَرَبَتْ نَحْدَرَ رَأَيْتُهَا
طَلَعَتْ بَعْدَ مَا عَرَبَتْ وَقَعَتْ عَلَى الْجَبَلِ وَالْأَرْضِ فَذَلِكَ
فِي الصُّبْحِ فِي خَيْبَرٍ وَهَذَا حَدِيثٌ ثَابِتٌ الزَّوَايِدُ عَنِ

(2)

الْبُخَارِيُّ۔

”اے اللہ! علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں مصروف تھا۔ پس

ڈوبے ہوئے سورج کو لوٹا دے تاکہ وہ نماز ادا کر سکے۔ حضرت اسماء کہتی ہیں کہ میں نے خود سورج کو ڈوبتے ہوئے دیکھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو گیا اور یہ واقعہ خیبر سے واپسی کے وقت انصہاء میں پیش آیا۔ اور یہ روایت ثقہ راویوں سے ثابت ہے۔“

اس روایت پر بعض لوگوں نے اعتراضات کئے ہیں اور اس کو موضوع بھی کہا ہے۔ ابن جوزی اور ابن تیمیہ اس روایت کو موضوع قرار دینے میں پیش پیش ہیں لیکن علماء ربانین نے جن کے چند نام درج ذیل ہیں، ان کی تردید کرتے ہوئے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے:

امام جلال الدین سیوطی، شہاب الدین خفاجی، ابن عابدین، ملا علی قاری، امام سخاوی اور شاہ محمد عبدالحق محدث دہلوی۔ ان اکابر دین و ملت اور اساطین علم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور ان شبہات کا رد کیا ہے جو اس سلسلہ میں پیش کئے گئے۔

نماز صبح کا قضاء ہونا

خیبر سے مدینہ طیبہ واپسی کے وقت صبح کی نماز قضاء ہونے کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو یوں روایت کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

”کہ خیبر سے واپسی کے وقت ایک رات سرکارِ دو عالم ﷺ نے رات کے پہلے حصہ میں سفر شروع کیا۔ جب رات ڈھل گئی اور نیند محسوس ہونے لگی تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے سب کو شب باشی کی اجازت مرحمت فرمائی۔ لیکن استراحت فرمانے سے پہلے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کیا تم میں سے کوئی ایسا صالح شخص ہے جو جاگتا رہے اور جب فجر طلوع ہو تو ہمیں جگا دے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم سوتے رہ جائیں اور نماز فجر قضاء ہو جائے۔ حضرت بلال نے عرض کی، یا رسول اللہ! اس خدمت کے لئے غلام حاضر ہے۔ اس اہتمام کے بعد سب آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ حضرت بلال نے اپنے آپ کو بیدار رکھنے کے لئے نفل پڑھنا شروع کر دیئے۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ نفل پڑھنے میں مشغول رہے۔ طلوع فجر سے تھوڑی دیر پہلے انہوں نے مشرق کی طرف

منہ کر کے اپنے اونٹ کے ساتھ ٹیک لگالی تاکہ جو نمی صبح صادق طلوع ہو تو انہیں پتا چل جائے۔ لیکن اس وقت ان پر نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ ان کی آنکھیں بند ہو گئیں اور سو گئے اور ایسے سوئے کہ طلوع آفتاب کے بعد جب دھوپ تیز ہو گئی تو سب سے پہلے حضور پر نور ﷺ کی آنکھ مبارک کھلی۔ نبی مکرم ﷺ نے حضرت بلال کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

مَا كُنْتُمْ يَتَانِيَا يَلَانُ اے بلال تم نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟

بلال نے عرض کی یا رسول اللہ! جس ذات نے آپ کو سوائے رکھا، اس نے مجھے بھی جاگنے نہیں دیا۔ حضور نے فرمایا: صَدَقْتَ تو نے سچ کہا ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے سب کو یہاں سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ کچھ دور آگے جا کر حضور نے اپنے ونٹ کو ہٹایا اور سب صحابہ کو اپنی سواریاں بٹھانے کی ہدایت کی۔ حضرت بلال نے اذان و اقامت کہی۔ اہل انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء میں نماز صبح قضاء پڑھی گئی۔ نماز سے فراغت کے بعد باوی برحق نے اپنے جاں نثاروں کو ارشاد فرمایا:

اِذَا نَسِيتُمُ الصَّلَاةَ فَصَلُّوْهَا اِذَا ذَكَّرْتُمْوهَا فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ اَرْقِبِ الصَّلَاةَ لِيْذَكِّرْكُمُ۔

(1)

”یعنی اگر تم نماز ادا کرنا بھول جاؤ، جیسے ہی تمہیں یاد آئے اس کو پڑھ لیا کرو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ادا کیا کر نماز مجھے یاد کرنے کے لئے۔“

نماز کے قضاء ہونے میں حکمت

رحمت عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

عَيْنَاكَ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي

”یعنی بوقت خواب میری دونوں آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن میرا دل اس وقت بھی جاگ رہا ہوتا ہے۔“

اس روز بیدار نہ ہونے میں حکمت یہ تھی کہ سب لوگوں کو پتا چل جائے کہ اگر کسی وجہ سے وہ نماز ادا کرنے سے قاصر رہیں تو جب یاد آئے تو قضا کر لیں۔ نیز حضور نے فرمایا ہے:

صَلُّوا لِمَا رَأَيْتُمْ مُوَفِّيًۖ صَلَاتِیْ

”کہ تم نماز اس طرح ادا کیا کرو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔“

اور نماز ادا کرتے ہوئے صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کو سفر و حضر میں بارہا دیکھا تھا لیکن نماز قضاء کرتے ہوئے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا جبکہ امت کے بعض افراد سے نماز کا قضاء ہونا بعید از امکان نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر نیند طاری کر کے قضاء نماز پڑھنے کا بھی موقع فراہم کر دیا تاکہ اللہ کے محبوب کی امت قیامت تک اداء و قضاء میں اپنے نبی رؤف و رحیم ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کرتی رہے۔

وَلِلّٰہِ فِیْ شُؤْنِہِ حَکْمٌ لَا تَعْدُّ وَلَا تُحْصِی (1)

”اللہ کے سارے کاموں میں حکمتیں ہوا کرتی ہیں جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔“

مدینہ طیبہ واپسی

اس مبارک سفر میں نبی کریم ﷺ خیبر کے تمام قلعوں، وادی القری، فدک اور تناء کی بستیوں پر اسلام کا پرچم لہراتے ہوئے اور بلاد حجاز میں یہودیوں کی قوت و شوکت کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کرتے ہوئے واپس مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے۔ خیبر کی طرف روانگی کے وقت دشمنان اسلام خوشی سے پھولے نہیں سارے تھے۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ خیبر کے یہودی جن کے لشکریوں کی تعداد (دس ہزار) اسمانی لشکر (سولہ سو) سے کئی گنا زیادہ ہے۔ ان کے پاس ہر قسم کے اسلحہ کے انبار لگے ہیں۔ دور تک تنکاری کے لئے ان کے پاس تختیاں بھی ہیں۔ یہودی، مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیں گے۔ لیکن اسلام کی اس حیرت انگیز کامیابی نے ان کی امیدوں کو خاک میں ملادیا۔ جب نبی رحمت ﷺ فتح و کامرانی کے پرچم لہراتے ہوئے واپس مدینہ طیبہ مراجعت فرما ہوئے ہوں گے تو مسلمانوں کے جذبات مسرت و شادمانی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟

حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ میں انٹ پر حضور کے پیچھے سوار تھا۔ حضور ﷺ

نے فرمایا:

أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ مِّنْ كُنْزِ الْجَنَّةِ قُلْتُ بَلَىٰ يَا رَسُولَ
اللَّهِ فَمَا ذَاكَ أَيْ وَأَقْبَىٰ - قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ
الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ -

(1)

”اے عبد اللہ بن قیس (ان کا نام) کیا میں تمہیں وہ کلمہ نہ بتاؤں جو
جنت کے خزانوں میں سے ہے۔ میں نے عرض کی۔ میرے ماں باپ
حضور پر قربان، اے اللہ کے پیارے رسول! مجھے ضرور بتائیے۔ حضور
نے فرمایا ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“

حضور کی ایک اہم ہدایت

جب یہ کاروان سعادت نشان ”جرف“ کے مقام پر پہنچی تو رات ہو گئی۔ حضور ﷺ
نے سب کو منع فرمایا کہ کوئی شخص رات کے وقت اپنے اہل خانہ کے ہاں نہ جا دھمکے۔
مسلمانوں کو یہ طریقہ تعلیم فرمایا کہ سفر سے واپسی پر رات کو اچانک اپنے اہل خانہ کے پاس نہ
جاؤ بلکہ اپنی آمد کی پہلے اطلاع دو تاکہ وہ تمہارا استقبال کرنے کے لئے غسل وغیرہ کر کے،
لباس بدل کر اور باہوں میں تیل کنگھی کر کے تیار ہو جائے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری غیر
حاضری میں اپنے لباس وغیرہ کے معاملہ میں بے پروا ہو گئی ہو اور تم رات کو اچانک جا دھمکو
اور تم اسے اس حالت میں دیکھ کر کراہت محسوس کرنے لگو۔

رات وہاں بسر ہوئی۔ حضور نبی کریم جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو سامنے کوہ احد
نظر آیا حضور نے اسے دیکھ کر فرمایا:

هَذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ - اللَّهُمَّ إِنِّي أَحْرَمُ بَيْنَ لَا بَيِّ
الْمَدِينَةِ -

(2)

”یہ پہاڑ ہے، یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔
اے اللہ! میں مدینہ طیبہ کے دونوں کناروں کے درمیان سارے علاقہ

کو حرم قرار دیتا ہوں۔“

مہاجرین کی سیر چشتی

آپ کو علم ہے کہ جب اہل مکہ کے مظالم سے تنگ آکر مہاجرین ترک وطن کر کے مدینہ طیبہ میں پہنچے تو ان کی خستہ حالی اور بے مائیگی کو دیکھ کر انصار نے اپنے کھیتوں، باغوں اور مکانات کو نصف نصف تقسیم کیا۔ ایک نصف اپنے پاس رکھا اور دوسرا نصف اپنے مہاجر بھائیوں کی خدمت میں پیش کر دیا۔

ہائی برحق ﷺ جب مدینہ طیبہ مراجعت فرما ہوئے تو مہاجرین نے وہ زرعی اور سکنی اہلک انصار کو واپس کر دیں۔ کیونکہ خیبر، ودی انقری اور تناء سے جو اسول غنیمت ہاتھ آئے تھے، ان کو جب مجاہدین میں تقسیم کیا گیا تو مہاجرین کی معاشی خستہ حالی، خوشحالی سے بدستور گئی۔ اب ان چیزوں کی انہیں ضرورت نہ رہی جو ان کے انصار بھائیوں نے بعد مسرت نہیں دی تھیں۔ حضرت انس کی والدہ نے کھجوروں کے چند ٹمردار درخت بارگاہ رسالت میں پیش کئے تھے تاکہ رحمت عالم ﷺ ان کے پھل کو اپنے استعمال میں لے آئیں۔ سرکار عالم نے یہ درخت اپنی کنیز ام ایمن والدہ اسامہ بن زید کو مرحمت فرمادئے۔ ان کا پھل وہ استعمال کرتی تھیں۔ خیبر سے واپسی کے بعد حضور انور ﷺ نے وہ درخت انس کی والدہ کو واپس فرمادئے۔ انہوں نے یہ درخت اپنے بیٹے انس کو دے دیئے۔ حضرت ام ایمن کو پتا چلے تو وہ آئیں اور حضرت انس کی گرون میں اپنے ازال کر رہنے لگیں۔ خدای قسم حضور نے یہ درخت مجھے عطا فرمایا تھا۔ اب یہ تمہیں نہیں مل سکتے۔ رسول اکرم ﷺ فرمایا، ام ایمن ایہ درخت انس کے پاس رہنے دو، ان کے بدلہ میں تجھے اور کھجور کے درخت دیتا ہوں۔ ام ایمن نے عرض کی کہ لا ایلہ الا هو اس خدای قسم جو وحدہ شریک ہے۔ میں یہ درخت انس کو ہرگز نہیں دوں گی۔ حضور نے فرمایا، اتنے مزیدار درخت ہے کہ اگر یہ درخت انس کے پاس رہنے دو۔ لیکن یہ بارہ قسم کھاتیں اور ان درختوں سے کھانا کھانے سے بیمار کر دیتیں اور وہ اس وقت تک راضی نہ ہو میں جب تک یہ درخت سے خوشحال نہ ہوں۔ (1)

غزوہ خیبر کے بعد جنگی مہمات

نبی مکرم ﷺ نے غزوہ خیبر سے واپسی کے بعد موسمِ غزاں اور موسمِ رماہینہ طیبہ میں گزارا۔ اس عرصہ میں بذاتِ خود کسی غزوہ پر تشریف نہیں لے گئے۔ بہت سے فوجی مہمیں صحابہ کرام کی سرکردگی میں مختلف اطراف میں روانہ فرمائیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ سریہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام حمد بن حنبل نے حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت کیا ہے۔ سلمہ بن اکوعؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دستہ حضرت ابو بکرؓ کی قیادت میں بنو فزارہ کی گوشاہی کے لئے روانہ فرمایا۔ میں بھی اس دستہ میں شامل تھا۔ ہم جب بنو فزارہ کے چشمہ پر پہنچے تو رات ہو گئی تھی۔ حضرت صدیق نے ہمیں وہاں رات گزارنے کی اجازت دی۔ ہم رات بھر سوتے رہے۔ نماز صبح کے بعد آپؐ نے ہمیں دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ دشمن کے جو آدمی ہمارے قابو میں آئے ہم نے ان کو قتل کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ بچے اور عورتیں پہاڑ کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ میں نے دوڑ کر ان کا تعاقب کیا اور ان کو اپنے حصار میں لے آیا۔ میں ان کو گھیر کر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس لے آیا۔ آپ اس وقت چشمہ پر فردکش تھے۔ ان میں بنو فزارہ کی ایک عورت تھی اس کے ساتھ اس کی ایک نوجوان بیٹی بھی تھی جو بڑی خوش شکل تھی۔

حضرت صدیقؓ نے وہ لڑکی مجھے عنایت کر دی۔ میں اس کو مدینہ طیبہ لے آیا۔ یمن میں نے اس کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ دوسرے روز نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے بازار میں ملے اور فرمایا۔ سلمہ، وہ لڑکی مجھے دے دے۔ میں نے معذرت خواہی کی۔ حضورؐ نے اسے نہیں فرمایا۔ دوسرے روز بھی بازار میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی۔ حضورؐ نے دوبارہ فرمایا۔ سلمہ، وہ لڑکی مجھے دے دے۔ میں نے دوبارہ معذرت پیش کی۔ حضورؐ نے اصرار نہ فرمایا اور تشریف لے گئے۔ تیسرے روز پھر حضورؐ کی زیارت نصیب ہوئی۔ رسولِ عالم ﷺ نے تیسری بار فرمایا۔ وہ لڑکی مجھے دے دے۔ اب میں انکار نہ کر سکا۔ میں نے

عرض کی، میں اسے حضور کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ سرکارِ دو عالم نے مجھ سے وہ لڑکی لئے کر مکہ بھیجی اور اسے بطور فدیہ دے کر جو غریب اور کمزور مسلمان مرد اور عورتیں کفار مکہ کے قبضہ میں تھیں، انہیں رہا کرایا۔ (1)

2۔ سر یہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تیس سواروں کے ایک دستہ کا قائد بنا کر بنو ہوازن کی ایک شاخ بنو نصر بن معاویہ اور بنو جشم بن بکرہ جو ترہہ کے موضع میں رہائش پذیر تھے، (یہ ایک بستی ہے جو مکہ مکرمہ سے چار رات کے فاصلہ پر اس راستہ پر واقع ہے جو صنعاء اور نجران کی طرف جاتا ہے) کی فتنہ انگیزیوں پر قابو پانے کے لئے روانہ فرمایا۔ بنی بلال کے ایک شخص کو ان کا دلیل راہ مقرر فرمایا۔ یہ دستہ دن کے وقت چھپ کر آرام کرتا اور رات کی تاریکی میں سفر کرتا۔ جب یہ دستہ بنو ہوازن کے علاقہ میں پہنچا تو ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ان کو اطلاع مل گئی تھی کہ مسلمانوں کا ایک فوجی دستہ ان کی سرکوبی کے لئے آ رہا ہے۔ چنانچہ وہ پہلے ہی وہاں سے بھاگ گئے اور میدانِ خالی چھوڑ گئے۔ حضرت عمرؓ جب ان کو وہاں سے مفروہ پایا تو مدینہ لوٹنے کا قصد کیا۔ کسی نے عرض کی کہ خشمِ قبیلہ یہاں سے قریب ہے۔ کیا یہ مناسب نہیں کہ ان کی اصلاح کے لئے ان کے خلاف کارروائی کی جائے؟ آپؐ نے فرمایا کہ میرے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ میں بنو ہوازن پر حمد کروں، کسی دوسرے قبیلہ پر حمد کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا تھا۔ میں سرکار کے حکم کے بغیر کسی پر حمد نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپؐ بخیریت واپس تشریف لے آئے۔ (2)

3۔ سر یہ عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ کو تیس سواروں کا، میر بنا کر بھیجا تاکہ یسر بن رزام یہودی کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں۔ حضور کو اس کے بارے میں اطلاع ملی تھی کہ وہ حمد کرنے کے لئے بنو غطفان قبیلہ سے ساز باز کر رہا ہے۔ جب عبد اللہ بن رواحہ

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 417، ابوابِ محمد بن عبید اللہ، (384-458ھ)، طبع دار المعرفۃ، بیروت۔

2۔ سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 290، ابوابِ محمد بن عبید اللہ، (384-458ھ)، طبع دار المعرفۃ، بیروت۔

3۔ سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 292، ابوابِ محمد بن عبید اللہ، (384-458ھ)، طبع دار المعرفۃ، بیروت۔

رضی اللہ عنہ خیر پہنچے اور یسیر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس کو کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ حضور تمہیں خیر کے سارے علاقہ کا گورنر مقرر فرمائیں۔ پہلے تو اس نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا لیکن آخر کار وہ آمادہ ہو گیا۔ ابنتہ اس نے یہ شرط لگائی کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے اپنے تیس آدمی ہمراہ لے جائے گا، جسے منظور کیا گیا۔ مسلمان تیس سوار تھے۔ ہر ایک سوار نے یسیر کے ایک ایک آدمی کو اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ جب یہ لوگ قرقرہ نیا رنامی گاؤں پہنچے جو خیر سے چھ میل کی مسافت پر تھا تو یسیر، مسلمانوں کے ساتھ آنے پر بہت پشیمان ہوا۔ اس نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کی تلوار چھیننی چاہی لیکن آپ تازہ گئے۔ آپ نے اپنے اونٹ کو ایڑ لگائی اور اپنے ساتھیوں کو تیز تیز چلے۔ موقع پا کر یسیر پر تلوار کا وار کیا اور اس کی ران کاٹ دی۔ یسیر کے پاس سخت لکڑی کی ایک ڈھال تھی اس نے اس سے آپ کا چہرہ زخمی کر دیا۔ یسیر کی اس حرکت کے بعد ہر مسلمان سوار نے اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے یہودی کو قتل کر ڈالا۔ ان میں سے صرف ایک یہودی بھاگ کر اپنی جان بچنے میں کامیاب ہوا۔ مسلمانوں کا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ حضرت عبداللہ، جب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبداللہ کے زخمی چہرہ پر اپنا لعاب دہن لگایا جس سے ان کا زخم مندمل ہو گیا اور اس کی وجہ سے آپ کو ذرا تکلیف نہ ہوئی۔ (1)

4۔ سر یہ بشیر بن سعد الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سر کا دو عالم ﷺ نے تیس سواروں کا ایک دستہ قبیلہ بنی مرہ کی گوشالی کے لئے روانہ فرمایا اور اس کی قیادت حضرت بشیر بن سعد کے سپرد کی۔ جب یہ دستہ بنو مرہ کے علاقہ میں پہنچا تو ان کے جانوروں کو ہانک لیا تو بنو مرہ نے لڑائی شروع کر دی اور ان کے ساتھیوں کو انہوں نے تہ تیغ کر دیا۔ بشیر بن سعد جان بچا کر مدینہ منورہ پہنچے اور حضور کی بارگاہ میں سارا ماجرا بیان کیا۔ حضور ﷺ نے جمیل القدر صحابہ کا ایک جتھہ تیار کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ بنو مرہ کو کیفر کر دار تک پہنچائیں۔ اس لشکر میں اسامہ بن زید، ابن مسعود بدری اور کعب بن عجرہ جیسی ہستیاں تھیں۔

حضرت اسامہ بن زید کی مراد اس بن ٹھیک سے نہ بھیڑ ہو گئی۔ جب اسامہ نے اس پر حمد کرنے کے لئے تلوار بلند کی تو اس نے جھٹ پڑھا **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** لیکن حضرت اسامہ نے تلوار کا وار کر کے اس کا سر قلم کر دیا۔ صحابہ کرام نے بہت ملامت کی۔ جس سے انہیں بہت افسوس ہوا۔ جب یہ دو مدینہ طیبہ پہنچے تو نبی کریم ﷺ کو سارے حالات سے آگاہ کیا گیا تو حضور نے بڑے غصہ سے فرمایا: **يَا أَسَامَةُ مَنْ لَكَ يَدٌ إِلَّا اللَّهُ** اے اسامہ! اس نکلے کا جو اس نے پڑھا ہے کیا جواب ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اس نے قتل سے بچنے کے لئے نکلے پڑھا تھا۔ یہ اس کا عقیدہ نہ تھا۔ حضور نے پھر فرمایا: **وَمَنْ لَكَ يَا أَسَامَةُ يَدٌ إِلَّا اللَّهُ** حضور بار بار یہ جملہ دہراتے رہے۔ اسامہ کہتے ہیں کہ میری ندامت و رجسٹ کی حد نہ تھی۔ دل میں آرزو کرتا کہ کاش میں نے اسے قتل نہ کیا ہوتا۔ کاش میں آج مشرف باسلام ہوتا۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! آج کے بعد میں کبھی ایسے آدمی کو قتل نہ کروں گا جو نکلے پڑھے گا۔ حضور نے فرمایا: میرے بعد بھی ایسا نہ کرو۔ میں نے عرض، حضور کے بعد بھی ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ (1)

اس غزوہ میں ہر مجاہد کو دس دس اونٹ اور سو سو بکریاں حصہ میں آئیں۔

5۔ سر یہ غالب بن عبد اللہ السیثی

اسی سال ماور مضان میں نبی کریم ﷺ نے غالب بن عبد اللہ السیثی کو ایک سو تیس مجاہدین کے ایک دستہ کا میر بنا کر روانہ کیا۔ تاکہ جانب نجد مدینہ طیبہ سے آٹھ ہریہ کے فاصلے پر مل مینہ پر حملہ کریں ورنہ ان کی سرکوبی کریں۔ ان مجاہدین نے ان کے مرکز مینہ میں پہنچ کر ان پر یغری۔ جو سامنے آیا اس کو تھج کر دیا اور کثیر تعداد میں اونٹ اور بھیڑ بکریاں ہار کر لے آئے۔ (2)

6۔ بشیر بن سعد کی زیر قیادت دوسرا سر یہ

اسی سال ہوشال میں بشیر بن سعد کو یمن اور جناب کے علاقہ کی طرف بھیجا گیا۔ اس نے وہاں یہ قحطی کے دنوں میں نو بیوے لے کر انھیں غصہ سے چند شہر پہنچا دیے۔

ہوئے ہیں اور عیینہ بن حصین کے ساتھ ساز باز کر کے مدینہ طیبہ کے اطراف واکنفا پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ حضور نے صدیق اور حضرت فاروق سے مشورہ کیا۔ دونوں نے عرض کی کہ بشیر بن سعد کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین سو مجاہدین کا امیر بنا کر بشیر بن سعد کو بھیجا اور ان کو پرچم عطا فرمایا۔ حسیل کو اس دستہ کا راہنما مقرر کیا۔ یہ لشکر جناب کی سمت میں یمن اور جبار (1) کی بستیوں کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے آگے بڑھا اور سلاح نامی بستی میں آکر خیمہ زن ہوا۔ یہ بستی خیر اور وادی القری کے قرب و جوار میں ہے۔ وہاں بنو غطفان کے اونٹوں کی کثیر تعداد چر رہی تھی۔ لشکر اسلام کو دیکھ کر ان کے چرواہے بھاگ گئے اور ترم اونٹوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ چرواہوں نے جا کر اپنے مالکوں کو حقیقت حال سے آگاہ کیا لیکن کسی کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ بشیر اپنے مجاہدین سمیت بخیر و عافیت مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ راستہ میں عیینہ کا ایک جاسوس گرفتار ہوا جسے قتل کر دیا گیا۔ آگے بڑھ کر عیینہ کے پیروکاروں سے ٹکرا بھیڑ ہو گئی۔ جنہیں بھاگ جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ ان میں سے دو آدمی جنگی قیدی بنائے گئے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں آزاد کر دیا۔ (2)

7۔ سریہ ابی حدردالا سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس سریہ کی تفصیل ابی حدرد کی زبانی سنئے:

ابو حدرد کہتے ہیں کہ میں نے اپنی قوم کی ایک خاتون سے شادی کی اور دو سو درہم مہر مقرر ہوا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تاکہ اس سلسلہ میں حضور میری امداد فرمادیں۔ حضور نے پوچھا تم نے کتنا مہر مقرر کیا ہے! میں نے عرض کی دو سو درہم۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ۔ تم نے اتنا مہر مقرر کیا ہے! میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے تمہاری امداد کروں۔ چنانچہ میں چند روز ٹھہرا رہا۔ پھر بنی جشم قبیلہ کا ایک آدمی رفاعہ بن قیس نامی آیا۔ اس کے ساتھ اس کا بہت بڑا قبیلہ تھا۔ چنانچہ اس نے "الغابہ" مقام پر قیام

1۔ علامہ مقرر بنی نے جبار کے جیم پر صمد (پیش) اور صاحب "تاریخ قمیس" نے جبار کے جیم پر فتح (زر) دیا ہے۔

کیا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ قیس قبیلہ کو وہ دعوت دے تاکہ وہ اس کے ساتھ مل کر رسول کریم ﷺ پر حملہ آور ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے مجھے اور دو مسلمانوں کو یاد فرمایا۔ ہمیں حکم دیا کہ ہم اس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ سواری کے لئے ہمیں ایک بوڑھی اونٹنی دی گئی جو اٹھنے سے بھی عاجز تھی۔ ہم میں سے ایک آدمی اس پر سوار ہوا تو وہ اٹھ نہ سکی۔ لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے دھکیل کر اسے اٹھایا۔ حضور نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جاؤ اور معلومات حاصل کر کے مجھے آگاہ کرو۔ ہمارے ساتھ حیر کن اور تلواریں تھیں۔ جب ہم غابہ کے مقام پر پہنچے تو سورج ڈوبنے لگا تھا۔ میں ایک کونہ میں چھپ گیا اور میں نے دوسرے دو ساتھیوں کو ایک اور کونہ میں چھپنے کے لئے کہا۔ میں نے انہیں کہا کہ جب تم میرا نعرہ تکبیر سنو اور دوڑ کر مجھے لشکر میں گھستا ہوا دیکھو تو تم دونوں بھی بلند آواز سے نعرہ تکبیر کہو اور دوڑ کر مجھ سے آؤ۔ ہم اب اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ ہمیں موقع ملے کہ ہم دشمن پر حملہ بول دیں۔ اتفاقاً ان کا ایک چرواہا تھا، اسکی واپسی میں تاخیر ہو گئی۔ تو اس کا مالک رفاعہ بن قیس اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی تلوار گردن میں حائل کی اور کہا بخدا میں اپنے چرواہے کے پیچھے جاؤں گا۔ اسے ضرور کوئی مصیبت پہنچی ہے۔ اس کے ساتھیوں نے اسے کہا خدا کے لئے تم نہ جاؤ ہم جا کر اسے تلاش کر کے لے آتے ہیں۔ اس نے کہا میرے بغیر اور کسی کو جانے کی اجازت نہیں۔ انہوں نے کہا پھر ہم تمہارے ساتھ جاتے ہیں، لیکن اسے منع کر دیا کہ اس کے ساتھ کوئی نہ آئے۔ وہ تنہا نکلا۔ جب میرے پاس سے گزرا تو میں نے اس پر اپنا تیر چلایا جو اس کے دل میں پوست ہو گیا اور اسے یارائے تکلم بھی نہ رہا۔ میں نے جھپٹ کر اس کا سر قلم کر دیا۔ پھر میں لشکر کی طرف دوڑا اور بلند آواز سے نعرہ تکبیر کہا جسے سن کر نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے میرے دونوں ساتھی دوڑ کر آئے۔ اور دشمن نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ ان کے کثیر تعداد و اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کو ہانک کر ہم مدینہ طیبہ بارگاہ رسالت میں لے آئے۔ میں رفاعہ کا سر بھی اپنے ہمراہ لایا تھا، وہ بھی میں نے حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے مجھے ان اونٹوں سے حیرہ اونٹ عطا فرمائے تاکہ میں اپنا مہر ادا کروں۔ اس طرح میری بیوی میرے گھر میں آگئی۔ (۱)

8- سر یہ حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صحیحین میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے ایک فوجی دستہ تیار کیا اور اس کی قیادت ایک انصاری کو تفویض فرمائی، اور سب مجاہدین کو حکم دیا کہ اپنے امیر کا حکم سنیں اور اس کو بجالائیں۔ اثنائے سفر وہ انصاری سالار کسی وجہ سے اپنے سپاہیوں سے ناراض ہو گیا اور انہیں حکم دیا کہ ایندھن اکٹھا کریں، جب ایندھن اکٹھا ہو گیا تو اس نے حکم دیا کہ آگ جلاؤ۔ جب آگ خوب بھڑک اٹھی اور انگارے دھکنے لگے تو اس نے اپنے سپاہیوں کو کہا کہ تمہیں علم ہے کہ حضور نے تمہیں میرا حکم بجالانے کی تاکید فرمائی تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ بے شک حضور نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ اس نے کہا میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو جاؤ۔ سپاہی یہ عجیب و غریب حکم سن کر ششدر رہ گئے اور ایک دوسرے کی طرف تکتے لگے۔ آخر کار انہوں نے کہا کہ ہم نے سرکارِ دو عالم ﷺ کا دامن اس لئے پکڑا تھا کہ ہمیں آگ کے عذاب سے رہائی نصیب ہوگی۔ اگر پھر بھی ہمیں آگ میں جلنا ہے تو پھر حضور کی غلامی اختیار کرنے کا کیا فائدہ۔ چنانچہ انہوں نے اس کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔

جب یہ لشکر واپس آیا تو انہوں نے بارگاہ رسالت میں ساری صورت حال پیش کی۔ حضور نے فرمایا اگر تم اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر تمہیں آگ سے لکنا کبھی نصیب نہ ہوتا۔ پھر اپنے غلاموں کو ایک اہم درس دیتے ہوئے فرمایا:

(1) اَتَمَّا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ

”یعنی تم پر حاکم کے ہر حکم کی تعمیل لازمی نہیں۔ صرف اچھے اور صحیح احکام کی بجا آوری ضروری ہے۔“

ان سرایا کے علاوہ چند دیگر سریات (فوجی مہمیں) بھی ہیں جن میں سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختصر فوجی دستے اپنے کسی صحابی کی قیادت میں مختلف فتنہ پرداز قبائل کی سرزنش کے لئے بھیجے۔ مسلمان مجاہدین کے وہاں پہنچنے سے ان کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔“ (2)

غزوہ ذات الرقاع (۱)

ان متعدد سرایا کے علاوہ ایک ایسی مہم بھی پیش آئی، جس کو سر کرنے کے لئے رحمت
عالیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خود رحمت سفر برداشت کرنا پڑی۔ یہ غزوہ کتب سیرت و
تاریخ میں غزوہ ذات الرقاع کے عنوان سے معروف ہے۔

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ ایک بیرونی تاجر اپنے ہمراہ گھوڑے، اونٹ اور
دیگر سامان تجارت لے کر فروخت کرنے کے لئے مدینہ طیبہ آیا۔ چند دن وہاں ٹھہرا۔
یہاں تک کہ اس کا سارا سامان فروخت ہو گیا۔ اہل مدینہ کے رویہ سے اس نے اندازہ لگایا کہ
دشمن ان پر حملہ کرنے کے لئے تیاریوں میں مصروف ہے اور یہ لوگ بڑی بے فکری کا
مظاہرہ کر رہے ہیں۔ شاید انہیں دشمن کی منصوبہ بندیوں کا علم تک نہیں۔ اس نے
مسلمانوں کو بتایا کہ بنی انمار اور بنی سعد بن ثعلبہ تو تم پر حملہ کرنے کے لئے شکر جمع کر رہے
ہیں اور تم ان کا مقابلہ کرنے کے لئے سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کر رہے۔ جب یہ اطلاع سرور
عالم ﷺ کو ملی تو حضور نے کسی توقف کے بغیر ان پر حملہ بولنے کا عزم فرمایا۔ حضرت ابوذر
غفاری کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود دس محرم کو چار سو یا سات سو مجاہدین لے
کر دشمن کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے۔ مہینے کے گاؤں سے گزرتے ہوئے "واوی
الشعرۃ" پہنچے۔ وہاں ایک روز قیام فرمایا اور دشمن کی سرگرمیوں سے آگاہی حاصل کرنے کے
لئے مجاہدین کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں گرد و نوح میں پھیلا دیں۔ شام کے وقت یہ لوگ واپس
آئے اور عرض کی کہ ہم نے یہ سارا حقائق چھان مارا ہے، ہمیں دشمن کا ایک آدمی بھی نہیں
ملا۔ حضور انور ﷺ صبح کو ہمارے لے کر وہاں سے روانہ ہوئے اور نخل نامی منزل تک پہنچ
گئے۔ ان کی نشست گاہوں تک کو ڈھونڈ ڈالا لیکن عورتوں کے علاوہ وہاں کسی مرد کا سراغ نہ
ملا۔ ان کو جتنی قیدی بنایا۔ ان کے سارے مرد بھاگ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچ گئے اور
لشکر اسلام کو جھانکنے گئے۔

۱۔ وہاں وہ تیسرے وقت واپس آئے۔ یہاں تک کہ پچھلے دنوں میں ان کے یہاں جتنا مال تھا۔
وہاں تک پہنچ گئے۔ انہوں نے پچھلے دنوں کے مال کو دیکھا تو قہقہے مارتے تھے۔

9- سریہ بنی غطفان

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ لشکر اسلام کی مدد بھیڑ بنو غطفان کے ایک گروہ سے ہوئی۔ لیکن فریقین نے ازراہ احتیاط ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے احتراز کیا۔ اسی اثناء میں نماز ظہر کا وقت آگیا۔ امام الانبیاء ﷺ نے جماعت کرائی۔ سب مسلمانوں نے حضور کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ مشرکین نے جب مسلمانوں کو نماز میں مصروف دیکھا تو انہوں نے مسلمانوں پر ہلہ بول دینے کا ارادہ کیا۔ ان میں سے ایک شخص نے انہیں کہا کہ صبر سے کام لو۔ ابھی تھوڑی دیر بعد ایک دوسری نماز کا وقت ہونے والا ہے اور وہ نماز انہیں اپنے جگر کے ٹکڑوں سے بھی زیادہ پیاری ہے۔ جب اس نماز کی ادائیگی میں یہ لوگ مشغول ہوں اس وقت تم ان پر حملہ کرنا یہ ذرا مدافعت نہیں کریں گے اور تم آرام سے ان کو موت کے گھاٹ اتار سکو گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو بھیج کر اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دشمن کے اردوں سے آگاہ کیا۔ چنانچہ حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عصر کی نماز، صلوٰۃ خوف کے طریقہ کے مطابق ادا کی۔ اس طرح دشمن اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام رہا۔ یہ پہلی نماز خوف تھی جو سرور عالم ﷺ نے ادا فرمائی۔ پھر مدینہ واپسی کا عزم فرمایا اور جہاں نامی ایک شخص کو مدینہ روانہ کیا تاکہ اہل مدینہ کو لشکر اسلام کی بخیریت واپسی کا مشرودہ سنائے۔ اس سفر میں حضور پر نور ﷺ پندرہ دن مدینہ منورہ سے باہر رہے۔ طبرانی نے اپنی اوسط میں لکھا ہے کہ اس سفر میں اتنے معجزات رونما ہوئے کہ اس غزوہ کا نام ”غزوۃ الاعاجیب“ مشہور ہو گیا۔ ان میں سے چند معجزات کا ذکر تقویت ایمان کا باعث ہو گا۔ اس لئے انہیں ذکر کیا جا رہا ہے:

1- امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ واپسی کے وقت ایک روز قیلوہ کرنے کے لئے حضور مع مجاہدین اپنی سواریوں سے نیچے اترے۔ جہاں کسی کو گھنسا یہ نظر آیا وہاں سستانے کے لئے لیٹ گیا۔ رحمت عالم ﷺ بھی ایک درخت کے سایہ میں استراحت فرما ہوئے اور اپنی تلوار درخت کی ایک شاخ سے آویزاں کر دی۔ بہت جلد سب لوگ خواب راحت کے مزے لوٹنے لگے۔ اچانک حضور کی آواز بلند ہوئی۔ حضور سب کو اپنے پاس بلا رہے تھے۔ ہم فوراً وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضور کے قریب ایک بدو بیٹھا

ہوا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا۔ یہ بدو آیا۔ اور میری کھوار نیام سے نکال لی۔ میں جاگا تو یہ برہنہ کھوار لہرا رہا تھا۔ یہ کہنے لگا بتاؤ تمہیں میری کھوار سے کون بچائے گا؟ میں نے جواب دیا۔ ”اللہ“ اس نے پھر یہی سوال پوچھا۔ میں نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری بار پھر اس نے وہی سوال پوچھا تو میں نے یہی جواب دیا کہ میرا اللہ مجھے بچائے گا۔ اس جواب سے وہ ایسا مرعوب ہوا کہ کھوار کو میان میں ڈال کر آرام سے یہاں بیٹھ گیا۔ حضور نے اس سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا اور اسے رہا کر دیا۔ (1)

2- حضرت جابر سے مروی ہے۔ اس سفر میں جب لشکر اسلام ”حرہ واقم“ پہنچا تو ایک بدوی عورت اپنے بچے کو لے کر حاضر ہوئی۔ عرض کرنے لگی، یا رسول اللہ! یہ میرا بیٹا ہے۔ اس پر شیطان کا اثر ہے۔ حضور نے بچے کو کہا کہ منہ کھولو۔ اس نے منہ کھولا تو حضور نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور زبان سے فرمایا:

لَا خَاسِرَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَا رَسُولُ اللَّهِ

”اے اللہ کے دشمن دور ہو جاؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔“

یہ کلمات حضور نے تین بار دہرائے اور اس کی ماں کو فرمایا اب بے فکر ہو جاؤ، اب اس شیطان کی مجال نہیں کہ دوبارہ بچے کو اذیت پہنچائے۔ (2)

3- حضرت جابر سے مروی ہے کہ جب غزوہ ذات الرقاع سے ہم لوٹ رہے تھے تو ”محبط حرہ“ پہنچے۔ ہم نے دیکھا ایک اونٹ تیزی سے آ رہا ہے اور بڑبڑا رہا ہے۔ سرکار نے فرمایا تمہیں پتا چلے کہ اونٹ نے کیا کہا؟ اس نے مجھ سے مدد مانگی ہے کہ میں اس کے مالک سے اس کی سفارش کروں۔ اونٹ نے کہا کہ میں نے سالہا سال اس کی زمین میں گل چلایا ہے۔ اب یہ مجھے ذبح کرنا چاہتا ہے۔ حضور نے فرمایا جابر! جاؤ اور اس کے مالک کو بلا لاؤ۔ میں نے عرض کی کہ میں تو اس کے مالک کو نہیں پہچانتا۔ فرمایا، یہ اونٹ خود تمہاری راہنمائی کرے گا۔ اونٹ میرے آگے آگے چل پڑا۔ مجھے وہاں لے گیا جہاں اس کا مالک بیٹھا ہوا تھا۔ میں اسے بلا کر بارگاہ رسالت میں لے آیا۔ حضور نے اونٹ کی سفارش فرمائی۔ (3)

4- ابو نعیم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ ہم حضور پر نور ﷺ کی معیت میں

سرگرم سفر تھے کہ ایک صحابی ایک پرندے کے بچے کو پکڑ کر لا رہا تھا۔ رحمت عالم ﷺ اس کو دیکھ رہے تھے۔ اس بچے کی ماں اور باپ اپنے بچے پر جھپٹ رہے تھے۔ یہاں تک کہ اس نے اس پکڑنے والے کے سامنے اپنے آپ کو ڈال دیا۔ لوگ اس پرندے کے طرز عمل کو دیکھ کر تصویر حیرت بن گئے۔ نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَتَعْجَبُونَ مِنْ هَذَا الطَّائِرِ أَخَذَ نَمُو فَرْخَهُ وَطَرَحَ نَفْسَهُ
رَحْمَةً بِفَرْخِهِ وَاللَّهُ لَرَبُّكُمْ أَزْهَمُ بِكُمْ مِنْ هَذَا الطَّائِرِ
بِفَرْخِهِ۔

(1)

”اے لوگو! تم اس پرندے کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہو کہ تم نے اس کا بچہ پکڑا اور اس نے اپنے آپ کو تمہارے سامنے ڈال دیا۔ بخدا تمہارا رب، اس پرندے سے بھی زیادہ تم پر رحم فرمانے والا ہے۔“

5۔ ابن اسحاق نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ اثنائے سفر سرور کائنات ﷺ کا گزر کفار کے ایک نخلستان سے ہوا۔ وہاں سے ایک عورت ملی جسے اسیر بنا لیا گیا۔ اس کا خاوند وہاں موجود نہ تھا۔ جب وہ واپس آیا اور اسے پتا چلا کہ مسلمان اس کی بیوی کو جنگی قیدی بنا کر لے گئے ہیں تو اس نے قسم کھائی کہ میں اپنی بیوی کا بدلہ مسلمانوں سے لے کر رہوں گا۔ وہ لشکر اسلام کے قدموں کے نشانات دیکھ کر ان کے تعاقب میں چل پڑا۔ حضور ﷺ رات بسر کرنے کے لئے ایک جگہ اترے۔ آرام فرمانے سے پہلے حضور نے اپنے صحابہ سے پوچھا مَن دَجُلٌ يَمْلِكُنَا بَاقِیَ لَیْلَةٍ؟ تم میں سے کون رات کو ہمارا سپردہ دے گا۔ حضرت عباد بن بشر اور عمار بن یاسر نے کھڑے ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ! اس خدمت کے لئے ہم حاضر ہیں۔ یہ دونوں گھاٹی کے دہانے پر بیٹھ گئے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد ایک نے دوسرے کو کہا، تم کیا پسند کرتے ہو؟ رات کے پہلے حصہ میں جاگنایا بچھلے حصہ میں۔ حضرت عمار نے رات کے آخری حصہ میں جاگنا پسند کیا۔ چنانچہ عمار سو گئے اور حضرت عباد کھڑے ہو کر نفل پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔

اس عورت کا خاوند بھی تلاش کرتا وہاں پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ کوئی مسلمان نماز ادا کر رہا ہے۔ اس نے تاڑ کر تیر مارا جو آپ کی پسی میں آکر پوسٹ ہو گیا۔ آپ نے اسے نکالا

اور اپنے پاس رکھ لیا اور نماز نہیں توڑی۔ پھر اس نے دوسرا تیر مارا وہ دوسرے پہلو میں کھب گیا۔ آپ نے اسے بھی نکال کر رکھ دیا اور ادائے نماز میں مصروف رہے۔ جب خون بکثرت جسم سے بہ گیا تو انتہائی نقاہت کا احساس ہوا۔ آپ نے اپنی نماز توڑی اور حضرت عمار کو جگایا اور اپنی حالت بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ بھائی! جب آپ کو پہلا تیر لگا تھا اس وقت مجھے کیوں نہ جگا دیا؟ عباد نے کہا، میں اس وقت سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ میں نے اس وقت تلاوت کو منقطع کرنا پسند نہ کیا۔ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ بکثرت خون بہنے سے میری موت واقع ہو سکتی ہے اور اگر میں نے تمہیں جگا کر مورچہ سنبھالنے کا فرض ادا نہ کیا تو میں ایک بہت بڑی خیانت کا مرتکب ہوں گا تو میں کبھی بھی سورہ کہف کی تلاوت کے سلسلہ کو منقطع نہ کرتا خواہ میری جان بھی چلی جاتی۔

حضرت عباد کے ایمان افروز جواب کو آپ بھی پڑھئے:

قَالَ كُنْتُ فِي سُورَةٍ أَقْرَأُهَا وَهِيَ سُورَةُ الْكَافِرَاتِ وَكَرِهْتُ
أَنْ أَقْطَعَهَا حَتَّى أَفْرَغَ مِنْهَا وَكَوْلَا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ أَضِيعَ
يُغْفَرُ أَمْوَنِي بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا
انْصَرَفْتُ وَلَوْ أَنِّي عَلَنَ نَفْسِي -

(1)

6۔ امام مسلم، ابو نعیم اور بیہقی نے مندرجہ ذیل واقعہ حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوہ ذات الرقاع میں سفر کر رہے تھے کہ ہم ایک سرسبز وادی میں اترے۔ حضور انور ﷺ قندے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ میں نے لوٹنے میں پانی بھر اور حضور کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ دور جا کر حضور نے ادھر ادھر دیکھا کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی۔ جس سے پردہ کر کے حضور قندے حاجت کریں۔ وادی کے کنارے پردہ درخت تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی ایک شاخ کو پکڑ کر فرمایا اے درخت اللہ کے اذن سے میری اطاعت کر۔ وہ درخت فوراً فرمانبردار اونٹ کی طرح پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جب حضور علیہ السلام دوسرے درخت کے پاس پہنچے تو اس کی ایک شاخ کو پکڑ کر اسے بھی ایسی ختم دیا۔ چنانچہ وہ بھی فرمانبردار اونٹ کی طرح پیچھے پیچھے چل پڑا۔ حضور جب اس مسافت کے

نصف میں پہنچے تو دونوں درختوں کی ٹہنیوں کو آپس میں جوڑ دیا۔ چنانچہ وہ دونوں ٹہنیاں آپس میں جڑ گئیں۔ ان کی اوٹ میں حضور نے قضائے حاجت کی۔ حضور میرے پاس واپس تشریف لائے تو وہ دونوں درخت ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنی پہلی جگہوں پر پہنچ گئے۔ حضور جب میرے پاس پہنچے تو مجھ سے دریافت فرمایا۔ **يَا جَابِرُ هَلْ رَأَيْتَ مَعَاذِي** (اے جابر! تم نے میرے مرتبہ کو دیکھا؟) میں نے عرض کی، ہاں یا رسول اللہ۔

7۔ پھر حضور نے فرمایا۔ اے جابر! لوگوں میں اعلان کرو کہ سب وضو کریں۔ لیکن کسی کے پاس ایک قطرہ پانی کا نہ تھا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ خدا انصاری کے پاس جاؤ ممکن ہے اس کی مشک میں کچھ پانی ہو۔ چنانچہ چند قطرے وہاں سے پانی کے مے۔ میں نے وہ حاضر خدمت کئے۔ پھر حضور نے ارشاد فرمایا۔ کہ بڑا پیالہ منگو دو۔ چنانچہ میں ایک بڑا پیالہ لے آیا اور حضور کے سامنے رکھ دیا۔ حضور نے اپنا دست مبارک اس میں پھیرا دیا۔ پھر مجھے حکم دیا کہ وہ پانی کے چند قطرے میرے ہاتھ پر انڈیل دو اور بسم اللہ شریف پڑھو۔ میں نے دیکھا کہ حضور کی انگشت ہائے مبارک سے پانی کے فوارے بہنے لگے یہاں تک کہ سارے شکرے سیر ہو کر پانی پیا۔ جب سب سیراب ہو چکے تو حضور نے اس پیالے سے پنا دست مبارک نکالا وہ پیالہ اب بھی لباب بھرا ہوا تھا۔

عمرۃ القضاء

گذشتہ سال سنہ 6 ہجری اسی ماہ ذیقعد میں رحمت عالمین ﷺ اپنے چودہ سو صحابہ کی معیت میں عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تھے۔ اہل مکہ نے مزاحمت کی اور اس کاروان سعادت نشان کو عمرہ ادا کرنے کی اجازت نہ دی۔ یہاں تک کہ فریقین میں صلح کا معاہدہ طے پایا۔ جس کا تفصیلی تذکرہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ اسی عمرہ کی قضاء کے لئے ایک سال بعد ماہ ذیقعد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمرہ ادا کرنے کے لئے تیاری فرمائی۔ گذشتہ سال جو لوگ ہمراہ گئے تھے۔ ان کو بھی حکم ملا کہ وہ بھی تیار ہو جائیں۔ چنانچہ وہ سب لوگ تیار ہو گئے۔ سوائے ان حضرات کے جو غزوہ خیبر میں جام شہادت نوش کر چکے تھے یا ویسے اس عرصہ میں پیک اجل کی دعوت قبول کرتے ہوئے عالم آخرت کو سدھار چکے تھے۔ ان کے علاوہ بھی کئی حضرات اپنے قاقا کی معیت میں عمرہ ادا کرنے کا شرف حاصل

کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

مدینہ طیبہ کے کئی کمینوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہمارے پاس کوئی زادراہ نہیں۔ ہم کیا کریں؟ ہمارا کوئی دوست بھی نہیں جو ہمارے خور و نوش کا اہتمام کرے۔ نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے اہل اسلام کو حکم دیا کہ اپنے ان اسلامی بھائیوں کی مدد کریں اور ہر شخص اپنی بساط کے مطابق ان کے ساتھ تعاون کرے۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ ہم کہاں سے ان پر صدقہ کریں؟ اللہ کے رسول نے فرمایا جو تمہارے بس میں ہے وہ صدقہ کرو خواہ نصف کھجور ہی ہو۔ جلیل القدر مفسرین نے آیت کریمہ **أَنْتُمْ قَوْنِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُنْفِقُوا مِمَّا جَاءَكُمْ حَتَّىٰ تَبْلُغُوا إِلَىٰ التَّهْلُكَةِ** (۱) (اور خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں اور نہ بھینکنا اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں بتائی میں) کے آخری جملہ کی یہ تشریح کی ہے کہ راہ خدا میں مال خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ نہ روکو، ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ سب صحابہ کرام نے اپنی بساط کے مطابق ان کی مالی امداد میں حصہ لیا۔

سفر عمرہ پر روانگی سے پہلے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوہریرہ کو مدینہ طیبہ کا والی مقرر فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قربانی کے لئے ساٹھ اونٹ ہمراہ لئے اور ان اونٹوں کی دیکھ بھال کے لئے تاجیہ بن جندب الاسلمی کو متعین فرمایا۔ ان کی اعانت کے لئے بنی اسم قبیلہ کے چار افراد انہیں عطا فرمائے اور ان کے گلوں میں قلاذے ڈال دیئے۔ حضور پر نور ﷺ نے اپنے قربانی کے جانور کو اپنے دست مبارک سے خود قلاذہ پہنایا۔ (خشک چمڑے کا ٹکڑا جو قربانی کے جانوروں کی شناخت کے لئے ان کے گلے میں ڈالا جاتا ہے اسے قلاذہ کہتے ہیں۔) سرکارِ دو عالم ﷺ نے خود، زبیر، نیزے وغیرہ سامان جنگ ہمراہ لے جانے کا بھی اہتمام فرمایا اور سو گھوڑے بھی ساتھ لے لئے۔ ہتھیاروں کی نگرانی کی ذمہ داری بشیر ابن سعد رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی۔ گھوڑوں کی نگہداشت کا فریضہ محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔

بارگاہ رسالت میں عرض کی گئی یا رسول اللہ! حضور اسلحہ ہمراہ لے جا رہے ہیں حالانکہ ان کے ساتھ معاہدہ یہ ہوا تھا کہ حضور ایک کموارہ بھی میان میں اپنے ہمراہ لے سکتے ہیں۔ فرمایا کہ ہم حدودِ حرم میں یہ اسلحہ لے کر داخل نہیں ہوں گے۔ اس وقت حسب معاہدہ ہر

مجاہد کے پاس صرف ایک تلوار ہوگی اور وہ بھی میان میں۔ بقیہ اسلحہ ہم کسی جگہ رکھ دیں گے۔ اگر مشرکین مکہ نے عہد شکنی کرتے ہوئے ہم پر دھاوا بولنے کی حماقت کی تو ہمارا اسلحہ ہمارے قریب ہی ہوگا۔ اس وقت ہم یہی اسلحہ لے کر ان کا مقابلہ کریں گے۔

محمد ابن مسلمہ گھوڑے لے کر مرابطہ ان پہنچ گئے۔ وہاں کئی قریشی نوجوانوں سے ملاقات ہوئی۔ ان کے دریافت کرنے پر حضرت محمد ابن مسلمہ نے انہیں بتایا کہ نبی مکرم ﷺ مع اپنے صحابہ کے تشریف لا رہے ہیں۔ کل صبح یہاں پہنچ جائیں گے۔ قریشی نوجوانوں نے حضرت بشیر ابن سعد کے پاس اسلحہ کے انبار دیکھے تو ان کے حواس باختہ ہو گئے۔ بڑی تیزی سے وہاں سے نکلے۔ قریش کو صورت حال سے مطلع کیا۔ سب گھبرا گئے۔ کہنے لگے ہم نے صبح کی کسی شق کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ہم اپنے معاہدہ پر قائم ہیں اور ابھی معاہدہ کی مدت بھی ختم نہیں ہوئی پھر حضور نے اسلحہ اور لشکر کے ساتھ چڑھائی کیوں کی ہے؟

سرور کائنات ﷺ نے مسجد نبوی کے دروازہ سے ہی عمرہ کا احرام باندھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے باواز بلند **اَللّٰهُمَّ تَبَيَّنْ** کا ورد شروع کیا۔ سب صحابہ نے بھی اپنے ہاوی کی اقتداء کرتے ہوئے باواز بلند **اَللّٰهُمَّ تَبَيَّنْ** کہنا شروع کر دیا۔ سب تلبیہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے یہاں تک کہ مرابطہ ان تک پہنچ گئے۔ سارا اسلحہ پانچ کے مقام پر بحفاظت رکھ دیا۔ قریش نے مکرز ابن حفص کو مع چند نوجوانوں کے حضور کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے عرض کیا کہ غدر اور عہد شکنی کبھی آپ کا شیوہ نہیں رہا۔ اس دفعہ آپ خلاف معاہدہ ہتھیاروں کی اتنی مقدار اپنے ہمراہ کیوں لے آئے ہیں؟ حالانکہ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ معاہدہ طے ہوا تھا کہ آپ ایک تلوار وہ بھی نیام میں اپنے ہمراہ لائیں گے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ یقین کرو کہ میں ہتھیار لے کر حدود حرم میں ہرگز نہیں داخل ہوں گا۔ مکرز خوش ہو گیا اور کہنے لگا۔ ہمیں آپ سے یہی توقع تھی کہ آپ ایسے عہد کریں گے۔ مکرز قریش کے پاس واپس آیا اور ان کو مطمئن کیا۔

نبی رحمت ﷺ جب مرابطہ ان کے قریب پہنچے۔ وہاں قیام کیا۔ کسی نے بتایا کہ قریش کہہ رہے تھے کہ یثرب کے بخار نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے، ان میں کھڑے ہونے کی بھی سکت نہیں رہی۔ صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! حضور اجازت فرمادیں تو

سواری کے اونٹوں سے چند اونٹ ذبح کر کے انہیں پکائیں تاکہ سب میر ہو کر کھائیں اور شور باجیں تو ہم تروتازہ ہو کر مکہ میں داخل ہونے کے قابل ہو جائیں گے۔ دشمن ہمیں چاق و چوبند دیکھ کر سہم جائے گا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سواری کے اونٹ ذبح کرنے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ تم میں سے جس کے پاس زادراہ ہے وہ لے آئے۔ چڑے کا دسترخوان بچھایا گیا۔ جو زادراہ جمع ہوا اس کو دسترخوان پر پھیلا دیا گیا اور حکم دیا اب پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ۔ چنانچہ سب نے میر ہو کر کھانا کھایا اور اپنے تھیلے بھی بھر لئے اور دسترخوان پر بھی بہت سا کھانا بچ گیا۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ

اللہ تعالیٰ کا محبوب اپنے دو ہزار جاں نثار صحابہ کے ہمراہ ذی الحجہ کی چار تاریخ کو صبح سویرے حرم مکہ میں تشریف فرما ہوا۔ مکہ نے جب قریش کو حضور کی آمد کے بارے میں اطلاع دی تو انہوں نے ازراہ حسد و عناد حضور کی طرف دیکھنے سے اپنی آنکھیں بند کر دیں۔ رؤسائے قریش مکہ چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے تاکہ ان کی آنکھیں سرور عالم ﷺ کو نہ دیکھیں۔ ازراہ حسد و عناد انہیں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہ حضور کا رخ نور دیکھیں۔ (۱)

سرور عالم ﷺ کے حکم سے ذی طوی کے مقدم پر قربانی کے اونٹوں کو بھی کر دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ اپنی تاقہ قصواء پر سوار ہو گئے۔ سارے صحابہ کرام اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارد گرد صف باندھے ہوئے تھے۔ ان سب نے اپنی تلواریں گلے میں لٹکانی ہوئی تھیں۔ بند آواز سے لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ کا ورد کر رہے تھے۔ جب یہ مومنین ذی طوی کے مقدم پر پہنچے تو جہن کی طرف سے حرم شریف میں داخل ہوئے۔ امام بخاری اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی تاقہ قصواء پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تکمیل پزیر ہوئی تھی۔ اور وہ شہر پڑھ رہے تھے۔ اس اشعار میں سے چند اشعار آپ بھی سنئے اور ظہنہ از مویہ

حَتَّوْا نَجِي الدُّفَارِ عَنْ سَبِيهِ الْيَوْمَ نَضْرِبُكَ عَلَى تَرْزِيلِهِ

وَيَذِهُلُ الْغَيْلَ عَنْ خَلِيلِهِ
قَدْ أُنْزِلَ الرَّحْمَنُ فِي تَنْزِيلِهِ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِقَبْلِهِ
أَعْرِفُوا حَقَّ اللَّهِ فِي قَبُولِهِ (1)

1۔ ”اے فرزند ان کفر! میرے آقا کے راستہ کو خالی کر دو آج ہم تمہارے ساتھ قرآن کریم کے تنزیل پر جنگ کرتے ہیں۔

2۔ ہم تمہیں ایسی ضرب لگائیں گے جو تمہاری گردنوں کو کندھوں سے جدا کر دے گی اور ہر پیرے دوست کو اس کے پیرے دوست سے غافل کر دے گی۔

3۔ اے فرزند ان کفر! میرے آقا کے راستہ کو خالی کر دو۔ راستہ خالی کر دو کیونکہ ساری بھلائیاں اس کے رسول کی ذات میں ہیں۔

4۔ اے میرے پروردگار! میں اس کے ارشاد پر ایمان لانے والا ہوں اور میں اس بات کو جانتا ہوں کہ اس کے ہر حکم قبول کرنے میں ہی اللہ کا حق ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ شعر سنے تو عبد اللہ بن رواحہ کو جھڑک دیا۔ کہا تمہیں شرم نہیں آتی کہ حضور علیہ السلام کی موجودگی میں وہ پھر حرم شریف میں اشعار پڑھنے شروع کر دیئے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سن تو فرمایا اے عمر! سے کچھ نہ کہو۔ یہ اشعار کفار میں تیروں سے بھی زیادہ اثر کرتے ہیں۔ (2)

حضور نے عبد اللہ بن رواحہ کو فرمایا، اے رواحہ کے بیٹے! تم کہو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا نَصْرَ لَهُ إِلَّا اللَّهُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ”کوئی معبود نہیں ماسوائے اللہ وحدہ کے اس نے اپنے بندہ کی مدد کی وہ اپنے شکر کو غالب کیا اور تنہا اسی نے (کفار کے) گروہوں کو شکست دی۔“ سب نے مل کر یہی جیسے دہرانے شروع کر دیئے۔ (3)

امام بخاری و امام مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے

صحابہ سمیت مکہ میں تشریف لے آئے۔ یثرب کے بخار نے مجاہدین اسلام کو لاغر اور کمزور کر دیا تھا۔ کفار مکہ بھی اپنی مجلسوں میں انہی خیالات کا اظہار کرتے رہے تھے کہ کل مسلمان یہاں آئیں گے تم دیکھو گے کہ یثرب کے موکی بخار نے ان کو لاغر و کمزور کر دیا ہوگا۔ زرد رنگ، پتکے ہوئے گال اور نقاہت ان کے انگ انگ سے ظاہر ہو رہی ہوگی۔ کفار نے پروگرام بتایا کہ جب مسلمان حرم میں داخل ہوں گے تو ہم سامنے والی پہاڑی کی چوٹی قلعیتان پر بیٹھ کر ان کا تماشا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو ان کی باتوں سے آگاہ فرما دیا۔ حضور اور سارے صحابہ نے اضطباع کیا ہوا تھا۔ یعنی چادر کو دائیں کندھے کے نیچے بغل سے گزار کر بائیں کندھے پر ڈالا ہوا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کو فرمایا:

(1) وَيَحْمَدُ اللّٰهُ اَمْرًا اَرَاهُمْ مِنْ نَفْسِهِ قُوَّةً

”یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو کفار کے سامنے اپنی قوت و طاقت کا مظاہرہ کرے گا۔“

حضور نے سب کو ارشاد فرمایا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کریں یعنی کندھے اٹھا کر، سینے پھیلا کر، تیز حیز قدم اٹھا کر چلو تاکہ دشمنوں پر تمہارا رب بیٹھے اور محبت جم جائے۔ چنانچہ سب نے پہلے تین چکر رمل کے ساتھ کئے۔ مسلمانوں کی یہ چال ڈھال دیکھ کر کفار مکہ کی وہ غلط فہمی دور ہو گئی کہ یثرب کی آب و ہوائے مسلمانوں کو زار و ناتواں بنادیتا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن ابی ذر فرماتے ہیں کہ اوائے عمرہ کے وقت ہم حضور کو اپنے حصار میں لے رہے تاکہ کوئی اوباش قریب آنے کی جرأت ہی نہ کر سکے۔

امام بیہقی حضرت سعید ابن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دہلیہ ﷺ جب طواف سے فارغ ہوئے تو بیت اللہ شریف کے اندر تشریف لے گئے۔ ساری رات وہاں مصروف عبادت رہے یہاں تک کہ حضرت بلال نے حسب ارشاد کعب کی محبت پر چڑھ کر صبح کی اذان دی۔ یہ اذان پر اور صد سن کر کفار مکہ پر نوہام ٹوٹ پڑا۔ جو جہل کا میاں مکر رہے کہنے لگے کہ یہ حق نے ابوالقلم (ابو جہل) پر برائے روز فرمایا۔ اس بناء کو یہ کلمات اذان کہتے

اس نے نہیں سنا۔ صفوان بن امیہ کہنے لگا، خدا کا شکر ہے کہ میرا باپ یہ منظر دیکھنے سے پہلے مر گیا۔ خالد بن اسید نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرا باپ آج سے پہلے لقمہ اجل بن گیا اور اس کو یہ منظر دیکھنا نہیں پڑا کہ ایک حبشی غلام کعبہ کی چھت پر چڑھ کر یوں پتنگ رہا ہے۔ (۱) دوسرے کفار نے جب یہ کلمات اذان سے تو انہوں نے اپنے چہروں کو کپڑے سے ڈھانپ لیا۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صفا و مروہ کے درمیان اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر سعی فرمائی اور مروہ کے قریب قربانی کے اونٹ ذبح کئے۔

چند صحابہ کرام کو حضور ساز و سامان اور اسلحہ کی حفاظت کے لئے مکہ مکرمہ سے باہر چھوڑ آئے تھے۔ جب حضور کے ہمراہ آنے والے صحابہ عمرہ ادا کر چکے تو ان میں سے دو سو کو سامان وغیرہ کی حفاظت کے لئے بھیجا تاکہ پیچھے رہ جانے والے صحابہ آئیں اور عمرہ ادا کریں۔

مکہ سے واپسی

نبی کریم ﷺ کو مکہ مکرمہ میں آئے ہوئے تین دن گزر گئے اور چوتھے دن ظہر کا وقت آیا تو اہل مکہ نے سہیل بن حبیب بن عبد اعزیٰ کو بھیجا کہ حضور کو مکہ سے نکل جانے کے لئے کہیں۔ وہ دونوں آئے، اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک محفل میں تشریف فرما تھے اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہ کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے۔ ان دونوں نے بڑی بے باکی سے کہا کہ معاہدہ کے مطابق یہاں آپ کے قیام کی مدت ختم ہو گئی ہے، اب یہاں سے چلے جائیے اور مکہ خالی کر دیجئے۔ نبی رحمت نے مزید مہبت طلب کی لیکن انہوں نے یہاں سے چلے جانے پر اصرار کیا۔ حضرت سعد بن عبادہ نے ان کے گستاخانہ لہجہ کو دیکھا تو وہ بڑے غضبناک ہو کر بولے ”اے سہیل! تیری ماں مرے۔ یہ زمین نہ تیری ہے نہ تیرے باپ کی۔ بخدا حضور یہاں سے جب آپ کی مرضی ہوگی تشریف لے جائیں گے۔ حضور نے حضرت سعد کی اس غیرت ایمانی کو دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا ”اے سعد! رہنے دو یہ ہماری قیام گاہ پر آئے ہیں، ان کی دلآزاری مناسب نہیں۔“ حضور نے سب کو کوچ کا حکم دے دیا اور فرمایا لَا يُمَسِّينَ أَحَدٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ یعنی کوئی مسلمان یہاں شام

کے وقت موجود نہ ہو۔ حضور اپنی ناقہ پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اور سرف کے مقام پر آکر قیام فرمایا۔

حضرت سید الشہداء کی صاحبزادی عمارہ کا ساتھ جانے پر اصرار

حضرت حمزہ کی بیٹی عمارہ اپنی ماں سلمیٰ بنت عمیس کے پاس مکہ میں رہائش پذیر تھیں۔ حضور جب مکہ میں تشریف لے آئے تو حضرت علی نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ ہم اپنے چچا کی یتیم بیٹی کو ان مشرکین کے پاس کب تک چھوڑے رکھیں گے۔ حضور نے انہیں ساتھ لے جانے کی اجازت فرمائی۔ سیدنا علی جب روانہ ہوئے تو عمارہ "يَا نَعِيَّتِي يَا نَعِيَّتِي" میرے چچا! میرے چچا! کہتی ہوئی پیچھے دوڑ کر آئی۔ سیدنا علی نے اسے اٹھایا اور خاتون جنت کے حوالے کیا اور کہا کہ اپنے چچا کی بیٹی کا خاص خیال رکھنا۔ جب یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو حضرات علی مرتضیٰ، جعفر ابن ابی طالب اور زید بن حارثہ بیٹوں نے بارگاہ رسالت میں درخواست کی، یہ بیٹی انہیں ملنی چاہئے۔ حضرت زید کو حضور نے حضرت حمزہ کا بھائی بنایا تھا۔ حضرت حمزہ نے بیٹی کے بارے میں انہیں ہی وصی مقرر کیا تھا۔ انہوں نے عرض کی کہ بیٹی انہیں ملنی چاہئے۔ سیدنا علی نے عرض کی کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے، میں اس کا زیادہ حق دار ہوں، یہ مجھے ملنی چاہئے۔ حضرت جعفر نے گزارش کی کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میرے گھر اس کی خالہ ہے۔ اس لئے یہ مجھے ملنی چاہئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جعفر کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا کیونکہ ان کی اہلیہ عمارہ کی خالہ تھیں۔ فرمایا اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ "خالہ ماں کے قائم مقام ہے۔"

مدینہ طیبہ میں واپسی

ماہ ذی الحجہ میں حضور رحمت عالمین ﷺ عمرہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے۔ اس مقدس سفر میں سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمراہ رکاب جانے والوں کی تعداد بچوں اور خواتین کے علاوہ دو ہزار تھی۔ مدینہ جا کر اہل آیت نے اس خواب کی تصدیق کر لی کہ یہ خواب پورا ہو گا اور یقیناً وہ گا۔ چنانچہ اہل مدینہ سب وہ سنیں اور دشمنوں نے اپنی آنکھوں سے اس خواب کی جیسے کامیابی دیکھی۔

لَقَدْ صَدَّقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الْوَحْيَ بِالْحَقِّ لَسَدَّ عَيْنَ الْمُسْرِئِ
 الْحَرَامُونَ شَاءَ اللَّهُ الْمُنِيعِينَ الصَّاحِقِينَ رُءُوسَكُمْ وَ
 مُقْصِرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ
 دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا۔

(1)

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچی خواب دکھایا حق کے ساتھ کہ تم
 ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا امن و امان سے،
 منڈواتے ہوئے اپنے سروں کو یا ترشواتے ہوئے، تمہیں کسی کا خوف نہ
 ہوگا۔ پس وہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے تو اس نے عطا فرمادی تمہیں اس
 سے پہلے ایسی فتح جو قریب ہے۔“

ہجرت کا سال ہشتم

ہجرت کا سال ہشتم

مکہ کے جگر پارے رسالت مآب کے قدموں میں

ہجرت کا آٹھواں سال اپنے دامن میں، سلام اور فرزند ان اسلام کے لئے ابدی مسرتوں اور فیصلہ کن فتوحات کی بشارتیں لے کر طوع ہوا۔ اسلام کا میل رواں جس برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا اس نے کفر کی بندہال ہستیوں کو رزا کر رکھ دیا تھا۔ ان پر یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ جس قدسی صفات ہستی کے دست مبارک میں اسلامی دعوت کا پرچم ہے وہ کوئی عام انسان نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ رسول اور اس کا محبوب بندہ ہے۔ اس سے فکر لینا پہاڑ سے ٹکرانے کے مترادف ہے۔ ہماری سلامتی اس میں ہے کہ اس کے دامن رحمت کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ اس کی سچی دعوت کو صدق دل سے قبول کریں۔ عمر عزیز کا جو حصہ اس کی مخالفت میں برباد کیا ہے اب بقیہ زندگی نبی برحق کی غلامی میں بسر کر کے سخائی مافات کی صورت پیدا کریں، شاید رضائے الہی کی لازوال دوست سے اپنی خالی جھولیاں بھر لیں۔

آٹھویں سال کے دوسرے مہینہ صفر المظفر میں دنیائے عرب کی تین عظیم شخصیتیں بارگاہ حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء میں حاضر ہوئیں، اپنی سابقہ غلطیوں اور نادانیوں پر اشک ندامت بہا بہا کر حضور پر نور ﷺ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرنے کی بیعت کی۔ ان فقید المثال ہستیوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں: عمرو بن اعاص، خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ۔ دنیائے کفر و شرک کے یہ فلک بوس کھسار کس وار فنگی سے مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں ڈھیر ہو گئے۔ اس کی تفصیلات بڑی حیرت انگیز اور ایمان افروز ہیں، میں ذرا تفصیل سے انہیں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

حضرت عمرو بن العاص کی کہانی ان کی اپنی زبانی

انہوں نے بیان کیا:

میرے دل میں اسلام کی عداوت گھر کئے ہوئے تھی۔ میں لشکر کفار کے ساتھ جنگ بدر میں شریک ہوا اور قتل ہونے سے بچ گیا۔ پھر کارزار احد میں شرکت کی، بے دریغ لوگ مارے گئے لیکن میں یہاں سے بھی بچ گیا۔ پھر خندق کا معرکہ پیش آیا کفار کے اس لشکر جرار میں بھی میں شریک تھا۔ لیکن یہاں بھی قتل ہونے سے بچ گیا۔ معرکہ خندق میں بھی جب کفار کے لشکر جرار کو شرمناک ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو میں نے سوچنا شروع کیا کہ ان پے در پے شکستوں کا سبب کیا ہے؟ ہر معرکہ میں لشکر اسلام کے مقابلہ میں ہماری افواج کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی، ہمارے پاس ہر قسم کے اسلحہ کے انبار تھے، ہمارے لڑاکوں کے خور و نوش کا سامان بھی وافر مقدار میں تھا، بایں ہمہ کسی ایک معرکہ میں بھی ہمیں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ طویل غور و خوض کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ محمد (ﷺ) قریش پر یقیناً غلبہ آجائیں گے۔ میں ”رحط“ کے مقام پر چلا گیا جہاں میرا ساز و سامان تھا۔ میں نے لوگوں کے پاس آمد و رفت اور ملاقاتیں بند کر دیں۔ کچھ عرصہ بعد حدیبیہ کے مقام پر فریقین کے درمیان صلح کا معاہدہ طے پایا۔ رسول کریم (ﷺ) واپس مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور مشرکین مکہ لوٹ آئے۔ ان حالات سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ آئندہ سال نبی کریم (ﷺ) مکہ مکرمہ میں ضرور فاتحانہ شان سے داخل ہو جائیں گے۔ میں اس سے پہلے مکہ مکرمہ سے نکل جانا چاہتا تھا۔ مکہ اور طائف دونوں شہر میرے لئے قابل قبول نہ تھے۔ میرے دل میں حضور کی عداوت تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر قریش کا بچہ بچہ بھی اسلام قبول کر لے تو میں پھر بھی اسلام کو قبول نہیں کروں گا۔ میں کچھ روز ”رحط“ میں قیام پذیر رہا۔ وہاں سے مکہ مکرمہ آیا اور اپنے قبیلہ کے لوگوں کو جمع کیا۔ وہ لوگ میرے مشورہ کو قبول کر لیا کرتے تھے، میری ہر بات کو توجہ سے سنا کرتے تھے اور میرے ہر فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا کرتے تھے۔ میری دعوت پر میرا سارا قبیلہ جمع ہو گیا تو میں نے ان سے پوچھا کہ میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ تم بڑے زبردست اور دور اندیش ہو۔ تمہاری رائے ہمیشہ صائب ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ

محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا معاملہ اب بہت طاقت پکڑ رہا ہے۔ جس سے نمٹنے کے لئے میری ایک تجویز ہے۔ انہوں نے کہا، بتائیے کیا سوچا ہے؟ میں نے کہا میری رائے تو یہ ہے کہ ہم حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلے جائیں اور اس کی پناہ میں وہاں رہائش پذیر ہو جائیں۔ اگر محمد (ﷺ) فتح یاب ہو جائیں اور سارے عرب پر قبضہ کر لیں تو ہم ایسے حالات میں نجاشی کی پناہ میں ہوں گے۔ ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچ سکے گا۔ ہمارے لئے محمد (ﷺ) کی محکومی سے نجاشی کے زیر سایہ زندگی بسر کرنا بہت پسندیدہ ہے، اور اگر قریش ان پر غالب آجائیں تو وہ ہمارا قبیلہ ہیں۔ ان کی فتح ہماری فتح ہوگی۔ وہ ہماری قدر و منزلت کو پہچانتے ہیں۔ وہ ہمیں قطعاً کوئی ضرر نہیں پہنچائیں گے۔ سب حاضرین نے عمرو بن العاص کی اس تجویز کو بہت سراہا۔ حبشہ روانہ ہونے سے پہلے انہوں نے نجاشی کو بطور ہدیہ پیش کرنے کے لئے اعلیٰ قسم کی چمڑے کی مصنوعات خریدیں کیونکہ نجاشی کو مکہ کی چمڑے کی مصنوعات بہت پسند تھیں۔ پوری طرح تیاری کر کے ہم مکہ سے حبشہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ہم وہاں پہنچ کر اقامت گزریں ہو گئے۔ ایک روز ہم نے وہاں عمرو بن امیہ الضمری کو دیکھا۔ معلوم ہوا کہ وہ نبی کریم ﷺ کا نجاشی کے نام گرامی نامہ لے کر آیا ہے۔ اس نوازش نامہ میں حضور نے حضرت جعفر اور ان کے مسلمان رفقاء کے ساتھ حسن سوگ کی تاکید کی تھی۔ نیز اسے تحریر کیا کہ وہ ام حبیبہ کا نکاح سرور عالم ﷺ کے ساتھ کر دے۔ عمرو بن امیہ الضمری وہ مکتوب گرامی لے کر نجاشی کی ملاقات کے لئے گیا۔ کچھ دیر وہاں ٹھہرا پھر واپس چلا گیا۔ میں نے اپنے دوستوں کو کہا کہ عمرو بن امیہ یہاں آیا ہوا ہے۔ اگر میں نجاشی کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ درخواست کروں کہ وہ عمرو کو ہمارے حوالے کر دے اور وہ ہماری اس درخواست کو منظور کرے تو پھر ہم عمرو کی گردن اڑا دیں گے۔ اگر ہم یہ کارنامہ انجام دینے میں کامیاب ہو گئے تو ہمارے سارے قریش بھائی خوش ہو جائیں گے اور ہماری اس خدمت کے عوض ہماری غیر حاضری کو محسوس نہیں کریں گے۔ سب نے میری اس رائے کی تائید کی۔ چنانچہ میں ایک روز نجاشی کے پاس جانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر حسب معمول میں اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ اس نے کہا، اے میرے مخلص دوست! مرحبا خوش آمدید۔ کیا اپنے ملک سے میرے لئے کوئی تحفہ بھی لائے ہو؟ میں نے جواب دیا، اے حبشہ کے بادشاہ! میں تمہارے لئے بہترین قسم کی چمڑے کی مصنوعات لے کر آیا ہوں۔

چنانچہ وہ سارے تحائف میں نے اس کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ اس نے ان میں سے چند تحائف اپنے بطریقوں میں تقسیم کر دیئے اور بقیہ کے بارے میں حکم دیا کہ ان کی فہرست مرتب کی جائے اور انہیں بحفاظت مال خانہ میں رکھ دیا جائے۔

میں نے جب محسوس کیا کہ بادشاہ ان نادور تحائف کے باعث بہت خوش ہو گیا ہے تو میں نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنی عرضداشت پیش کر دی۔ میں نے کہا، اے بادشاہ! میں نے ایک آدمی دیکھا ہے، جو ابھی ابھی آپ کے دربار سے باہر نکلا ہے۔ یہ ہمارے دشمن کا قاصد ہے جس دشمن نے ہمیں بہت صدمے پہنچائے ہیں۔ اس نے ہمارے سرداروں اور نامور افراد کو قتل کیا ہے۔ اگر تم اس قاصد کو میرے حوالے کر دو تو میں اس کو قتل کر کے اپنے غضب کی آگ ٹھنڈی کر سکوں گا۔ یہ سن کر نجاشی کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور اس نے ایک زوردار منچہ میری ناک پر دے مارا۔ میرے دونوں نچھنوں سے خون بہنے لگا۔ میں نے خون کو اپنے سے پونچھنا چاہا۔ میرا سارا اپنا اس سے تر ہو گیا۔ مجھے اس وقت تلی شرمندگی محسوس ہوئی کہ اگر زمین پھٹ جاتی تو میں اس میں گھس جاتا۔

میں نے کہا، اے بادشاہ! اگر مجھے علم ہو تا کہ تم اس بات سے اتنے برا وقت ہوئے تو میں یہ مطالبہ نہ کرتا۔ نجاشی کو اپنی حرکت پر کچھ ندامت سی ہوئی۔ اس نے کہا، اے میرا امیر! نے ایسی ہستی کے قاصد کو اپنے قبضہ میں لینے کا سوا کیا جس کے پاس ناموس آہ (جبرئیل) حاضر ہوتا ہے۔ جو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر تازی ہو آ کر تاقی، تاکہ تو اس کو قتل کر دو۔ عمرو کہتے ہیں کہ اس کی اس بات سے اپنا تک میرے دل میں ایک نکتہ رونا ہو گیا۔ میں نے اپنے دل سے کہا کہ اس دین حق کو تو عرب و عجم نے پہچان لیا ہے۔ ایک تو ہے کہ اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہے۔ میں نے بادشاہ سے استفسار کیا۔ بادشاہ انیا تو بھی اس دین کے حق ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ نجاشی بولا، ہاں بے شک۔ میں بھی اس کے برحق ہونے کی شہادت دیتا ہوں۔ اے عمر! میری بات مانو اور اس ہستی کی حافی اختیار کرو۔ بخدا! وہ حق پر ہیں۔ آپ اپنے ہمد مخفی نہیں پر غائب جاؤ گے۔ جس طرح موسیٰ، فرعون و اس کے قتل قہر و پناہ غائب ہوئے تھے۔ میں نے کہا، یہ تمہاری طرف سے میرے سرداروں کے لئے دینیت لینے کے تیار ہونا چاہیئے۔ اب بے شک میں تیار ہوں۔ نجاشی نے اپنا ہاتھ زحیم و اسلم قبول کر لیا۔ میں نے مجھے دینیت دے دیا۔

پھر اس نے طشت منگو لیا اور اس میں میرا خون دھویا میرے خون آلود کپڑے اتروائے اور مجھے نیا لباس پہنایا۔ نئی شاہی پوشاک زیب تن کر کے جب میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو وہ مجھے اس لباس میں دیکھ کر خوش ہو گئے۔ انہوں نے پوچھا، کیا نجاشی نے تمہاری وہ درخواست قبول کر لی ہے؟ میں نے بات بتاتے ہوئے کہا کہ یہ میری پہلی ملاقات تھی، میں نے پہلی ملاقات میں ایسی بات کرنا گوارا نہ کیا پھر کسی وقت حاضر ہو کر یہ بات کہوں گا۔ انہوں نے کہا، تو نے بہت اچھا کیا۔

اس کے بعد کسی کام کا بہانہ بنا کر میں اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گیا۔ وہاں سے سیدہ بندر گاہ پہنچا۔ ایک کشتی روانگی کے لئے تیار کھڑی تھی۔ میں اس میں سوار ہو گیا۔ وہ کشتی یمن کی ”شعبیہ“ نامی بندر گاہ پر آکر لنگر انداز ہوئی۔ میں وہاں اترا۔ وہاں سے ایک اونٹ خرید اور سیدہ حامدینہ طیبہ کی طرف چل پڑا۔ ”مر الفطمران“ سے گزرتا ہوا ”ہداۃ“ کی بستی میں پہنچا۔ وہاں سے چلا تو مجھے دو آدمی نظر آئے۔ ان میں سے ایک خیمہ کے اندر تھا اور دوسرا باہر کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سواری کے دونوں اونٹوں کی نکلیں تھیں۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو وہ خالد بن ولید تھا۔ میں نے جھٹ کہا، اے ابا سلیمان! (خالد کی کنیت) اس نے کہا ہاں میں نے پوچھ کدھر کا قصد ہے؟ اس نے کہا محمد ﷺ کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ کوئی قابل ذکر آدمی باقی نہیں رہا۔ اگر ہم نے مزید تاخیر کی تو وہ اپنے طاقتور بچوں سے ہماری گردنیں دبوچ لیں گے۔

میں نے کہا میں بھی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ بیکس پناہ میں جا رہا ہوں۔ وہاں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر عثمان بن طلحہ بھی خیمہ سے باہر نکل آئے اور ہمیں مر حبا کہا۔ پھر ہم تینوں مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب ہم تینوں بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہونے کے لئے رواں دواں تھے۔ تو ”بنو ابی عبہ“ کے پاس ہم نے ایک آدمی دیکھا اور جس نے بلند آواز سے کہا:

قَدْ أَعْطَتْ مَكَّةَ الْمَقَادَةَ بَعْدَ هَذَيْنِ

”ان دونوں کے چلے آنے کے بعد مکہ نے اپنی باگ ڈور ہمارے حوالے

کر دی ہے۔“

اس کے بعد وہ شخص مسجد نبوی کی جانب مڑ گیا۔ میرا گمان ہے کہ اس نے ہمارے حاضر

ہونے کی بشارت اللہ کے رسول کی خدمت میں عرض کر دی۔

مدینہ طیبہ پہنچ کر ہم نے اپنی اونٹنیاں ”حرہ“ (پتھر یا میدان) میں جا کر بٹھائیں، صاف ستھرا لباس پہنا، اس وقت عصر کی اذان ہو رہی تھی، ہم چلے اور ہم ہار گاہ حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پہنچے۔ حضور پر نور کا رخ مبارک فرط مسرت سے دیکھنے لگا۔ حضور کے ارد گرد جتنے مسلمان تھے وہ بھی از حد سرور نظر آرہے تھے۔ پہلے حضرت خالد آگے بڑھے اور بیعت کا شرف حاصل کیا۔ پھر عثمان بن ابی طلحہ بیعت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ پھر میری باری آئی۔ میں حاضر ہوا، فرط حیا سے میری آنکھیں اوپر نہیں اٹھ رہی تھیں۔ میں نے اس شرط پر بیعت کی کہ اللہ تعالیٰ میرے سارے سابقہ گناہ معاف فرمادے۔ افسوس کہ مجھے یہ خیال نہ آیا کہ میں یہ بھی عرض کروں کہ میرے پچھلے گناہ بھی اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔ میری عرض سن کر حضور پر نور نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الْإِسْلَامَ يَجُوبُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَالْهَجْرَةُ تَجُوبُ مَا
كَانَ قَبْلَهَا۔

”یعنی اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اور ہجرت بھی پہلے گناہوں کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔“

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے ہم دونوں نے اسلام قبول کیا اس کے بعد ہر کٹھن موقع پر حضور ہم دونوں کو سب پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت ابو بکر بھی اپنے عہد خلافت میں ایسا ہی برتاؤ کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر کا رویہ میرے ساتھ تو ویسا ہی تھا البتہ حضرت خالد پر وہ کچھ ناراض لگتے تھے۔

ان تینوں حضرات نے ہجرت کے بعد آٹھویں سال ماہ صفر میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے دستِ ہدایت بخش پر اسلام کی بیعت کرنے کا شرف عظیم حاصل کیا۔ (1)

خالد بن ولید کا قبول اسلام

دوسری فقید المثال شخصیت جس نے ہجرت کے آٹھویں سال ماہ صفر میں داعی حق اور

۱۔ ابن مسعودؓ حصہ 4 ص 343-346 اور ترمذی میں مسند میں بھی ہے اس کے علاوہ سیرۃ و تاریخ کی

تذکرہ میں یہ واقعہ درج ہے۔

مرشد کامل ﷺ کے دست مبارک پر اسلام قبول کرنے کی بیعت کی وہ حضرت خالد بن ولید کی ہستی تھی۔ جو نور محمدی سے اکتساب نور کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی تلواریں بن کر چمکی۔ اور جہاں بھی کسی طاغوتی قوت نے سر غرور بلند کیا وہ اس پر صاعقہ موت بن کر لگی اور اسے خاکستر بنا کر چھوڑا۔

تاریخ انسانی کا یہ بے مثال جرنیل اپنی جملہ بے عدیل صلاحیتوں سمیت شمع جمال مصطفوی کا پروانہ کیوں کر بنا؟

یہ ایمان افروز حکایت شیریں اس جرنیل کی زبان سے سنئے جس نے اسلامی فتوحات میں اپنی عسکری عبقریت کا وہ زندہ جاوید مظاہرہ کیا جس کی مثال تاریخ عالم میں نایاب ہے۔ یہ روح پرور کہانی حضرت یحییٰ نے اپنے والد حضرت مغیرہ بن عبد الرحمن سے سنی اور حضرت مغیرہ نے خود حضرت خالد کو اپنے ایمان لانے کا قصہ بیان کرتے ہوئے سنا۔ حضرت خالد فرماتے ہیں:-

جب میرے رب نے میرے لئے بھلائی کا ارادہ فرمایا تو اس نے اسلام کی محبت میرے دل میں ڈال دی اور میرے جذبہ حق پذیری کو راہ راست پر گامزن ہونے کی توفیق بخش دی۔ حدیبیہ سے پہلے جتنی جنگیں ہوئی تھیں ان سب میں کفار کے لشکر میں شامل ہو کر میں شریک ہوا تھا۔ ہر بار میں اسی نتیجہ پر پہنچا کہ میں وقت ضائع کر رہا ہوں۔ محمد ﷺ بلاشبہ ان کفار پر غالب آجائیں گے۔

جب رسول اللہ ﷺ عمرہ ادا کرنے کی نیت سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے تو مشرکین کے گھڑ سوار دستے کا میں سالار تھا۔ عسکان کے مقام پر میرے دستہ اور لشکر اسلام کا آمانا سامنا ہوا۔ میں ان کے سامنے صف باندھ کر کھڑا ہو گیا اور راستہ روک لیا۔ حضور ﷺ نے ہمارے سامنے نماز ظہر ادا کی۔ ہم نے حضور پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن ہمیں حوصلہ نہ ہوا۔ حضور نے ہمارے برے ارادہ پر آگاہی حاصل کر لی اور جب نماز عصر کا وقت آیا تو سرور عالم نے عصر کے وقت نماز خوف ادا کی۔ میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ خود ان کا محافظ ہے۔ ہم ان پر حملہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ میں اپنے سواروں سمیت دائیں طرف مڑ گیا۔ اس طرح کھراؤ نہ ہو سکا۔

سرور عالم ﷺ آگے بڑھ کر حدیبیہ کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے۔ آخر کار فریقین میں

صلح کا معاہدہ طے پایا۔ تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب کیا باقی رہ گیا ہے؟ مجھے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ یہاں سے نکل کر جاؤں تو کہاں جاؤں؟ حبشہ جاتا ہوں تو وہاں کا بادشاہ خود مسلمان ہو چکا ہے اور مسلمانوں کی کافی تعداد اس کے زیر سایہ رہائش پذیر ہے۔ اگر ہر قل کے پاس جا کر پناہ لیتا ہوں تو مجھے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر یہودیت یا نصرانیت کو اختیار کرنا پڑے گا اور عجمیوں کا تابع فرمان ہو کر رہنا پڑے گا۔ اسے میری غیرت گوارا نہیں کرتی۔ اب اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ اپنے گھر میں پڑا رہوں اور پیچھے رو جانے والے لوگوں کے ساتھ اپنی بقیہ زندگی کے دن بسر کروں۔

میں اسی پخت و پز میں تھا کہ نبی رحمت ﷺ عمرہ قضا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ میں روپوش ہو گیا تاکہ میں مکہ میں حضور کے داخل ہونے کا منظر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوں۔ میرا بھائی وید بن وید مسلمان ہو کر نبی اکرم ﷺ کے اس کاروان میں شریک تھا۔ اس نے مجھے تلاش کیا تبین میں اسے نہ مل سکا۔ اس نے مجھے مندرجہ ذیل خط لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ میرے لئے سب سے زیادہ تعجب انگیز یہ امر ہے کہ تیرے لئے سے سلام کی صداقت کس طرح مخفی رہی حالانکہ تیری عقل و دانش اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اسلام جیسا سچا مذہب تجھ سے کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تیرے بارے میں مجھ سے پوچھا خالد کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے لے گئے گا۔ نیز حضور نے فرمایا خالد جیسا زیرک انسان اسلام جیسے دین سے کیسے جاہل رہ سکتا ہے؟ اگر وہ کفار و مشرکین کے متبدل میں مسلمانوں کی مدد کرتا تو اس کے لئے بہت بہتر ہوتا۔ ہم اس کی قدر کرتے اور وہ اس پر اسے فوقیت دیتے۔ اے میرے بھائی از زندگی کے جو لمحے تم نے ضائع کئے ہیں ان کا فوراً تدارک کرو۔ تو نے واقعی بڑے زریں مواقع ضائع کئے ہیں۔

حضرت خالد بیان کرتے ہیں کہ جب میرے بھائی کا خط مجھے ملا تو میری آنکھیں کھل گئیں۔ مدت قبل جانے کا شوق میرے دل میں موجود نہ تھا۔ یہاں پر اسلام قبول کرنے کا جذبہ مزید قائم نہ ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارے میں جو شخص و مناد تھا وہ کافور ہوا۔ ان دنوں میں نے جواب دیا کہ میں ایک جنگ و رنج خط سے نکل کر رہ رہا ہوں۔

شہاداب اور کشادہ علاقہ میں آگیا ہوں۔ میں نے سوچا یہ بڑا اہم خواب ہے۔ مدینہ جاؤں گا تو حضرت ابو بکر سے اس کی تعبیر پوچھوں گا۔ جب آپ وہاں پہنچے تو حضرت صدیق اکبر سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی۔

آپ نے فرمایا کہ وہ تنگ اور بنجر علاقہ کفر کا تھا۔ سرسبز و شاداب اور کشادہ علاقہ دین اسلام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہنچا دیا ہے۔

جب میں نے بارگاہ رسالت میں حاضری کا پختہ عزم کر لیا تو میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ رفیق سفر کس کو بناؤں۔ گھر سے نکلا تو صفوان بن امیہ سے اچانک ملاقات ہو گئی۔ میں نے اسے کہا، اے ابوہب! کیا تم اپنی حالت کو نہیں دیکھ رہے، ہمارا کیا حال ہو گیا ہے؟ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) عرب و عجم پر غائب آگئے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم خود آپ کے پاس حاضر ہو جائیں اور آپ کی غلامی اختیار کر لیں۔ اس سے ہماری عزت و شرف میں اضافہ ہوگا۔ میری بات سن کر اس نے بڑی شدت سے نہ کر دی۔ اس نے کہا اَلْوَلَدُ یَبْقَیْ غَیْرَیْ مَا اَتَّبَعْتُمْ اَبَدًا یعنی ”اگر ساری دنیا ان پر ایمان لے آئے اور میرے سوا اور کوئی باقی نہ رہے تو میں پھر بھی ان کی اطاعت نہیں کروں گا۔“ وہ چد گیا۔ میں نے سوچا یہ وہ شخص ہے جس کا بھائی اور باپ غزوہ بدر میں قتل کر دیئے گئے تھے۔ اس سے ایمان لانے کی توقع عبث ہے۔ پھر میری ملاقات عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی۔ جو بات میں نے صفوان سے کہی تھی، وہی بات اس کے سامنے بھی دہرائی۔ اس نے مجھے وہی جواب دیا جو صفوان نے مجھے دیا تھا۔ کہ اگر ساری دنیا ان پر ایمان لے آئے اور میرے بغیر کوئی کافر بھی نہ رہے، میں تب بھی ان پر ایمان نہیں لاؤں گا۔ میں نے کہا کہ میری یہ بات کسی کو نہ بتانا، اس نے وعدہ کیا۔

میں وہاں سے اپنے گھر لوٹ آیا اور خادم کو کہا کہ میرے نوٹ پر پالان کس کر اسے باہر لے آؤ، میں عثمان بن طلحہ سے ملاقات کر کے واپس آ رہا ہوں۔ میں نے دل میں کہا کہ عثمان میرا دوست ہے اگر اس سے یہ بات کروں تو کیا حرج ہے؟ پھر مجھے یاد آیا کہ اس کے بہت سے قریبی رشتہ دار غزوہ احد میں قتل کر دیئے گئے تھے۔ بھلا وہ میری بات کب مانے گا؟ پھر میں نے سوچا کہ بات کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔ میں تو یہاں سے چلے جانے کا پکا ارادہ کر چکا ہوں۔ اگر میرے ساتھ نہیں آئے گا تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ چنانچہ میں نے اس سے اپنی قوم کی حاست زار بیان کی۔ پھر میں نے پہلے دو رفیقوں کی طرح اس کو حضور کی خدمت

میں حاضر ہونے کی دعوت دی۔ خلاف توقع اس نے میری یہ دعوت بلا تامل قبول کر لی۔

اب ہم نے باہم طے کیا کہ صبح سویرے ”یانچ“ کے چشمہ پر ملاقات کریں گے اور جو صاحب وہاں پہلے پہنچے وہ دوسرے کا انتظار کرے۔ دونوں مل کر مدینہ طیبہ روانہ ہوں گے۔ دوسرے روز صبح صادق سے پہلے ہم دونوں یانچ کے چشمہ پر پہنچ گئے اور وہاں سے اکٹھے محبوب رب العالمین ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے چل پڑے۔

جب ہم دونوں (خالد اور عثمان) ہذا کی بستی میں پہنچے تو وہاں ہماری ملاقات عمرو بن العاص سے ہو گئی۔ انہوں نے ہمیں مرہب کہا۔ ہم نے انہیں خوش آمدید کہا۔ حضرت عمرو بن العاص نے پوچھا کہ ہر جا رہے ہو؟ ہم نے پوچھا آپ کدھر جا رہے ہیں؟ انہوں نے پھر ہم سے پوچھا تم لوگ کدھر جا رہے ہو؟ ہم نے کہا رَلْنَا مُنْجِلًا فِي الْأَسْوَاحِ دَائِبًا يَوْمَ مُحْتَدٍ صَلَّيْنَا اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسلام قبول کرنے کے لئے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کا طوق زیب گلو کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ قَالَ ذَٰلِكَ الَّذِي أَقْدَمْتَنِي كَمَا، بخدا یہی مقصد مجھے یہاں لے آیا ہے۔

چنانچہ یہاں سے ہم تینوں اکٹھے مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر حرہ میں اپنی سواریوں کو بٹھایا، خود صاف ستھرا لباس پہنا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہماری آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ میں بارگاہ رسالت میں حاضری کے لئے جا رہا تھا کہ میری ملاقات اپنے بھائی سے ہو گئی۔ اس نے کہا بھائی جان! جلدی کرو۔ حضور تمہارا انتظار فرما رہے ہیں۔ ہم تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ وہاں پہنچے تو محبوب رب العالمین ﷺ مجھے دیکھتے بھی رہے اور تبسم بھی فرماتے رہے۔ میں نے سلام نیاز پیش کیا۔ عرض کی اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ یَا نَبِیَّ اللَّهِ حضور نے کشادہ روئی سے مجھے میرے سلام کا جواب مرحمت فرمایا۔ میں نے عرض کی۔ وَفِیْ اَشْهَادٍ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللَّهُ وَانْتَكَ رَسُولُ اللَّهِ نَبِیْ رَحْمَتِ اللَّهِ نے فرمایا: اَنَحْمَدُ یُنْعِیْ الَّذِیْ هَٰذَا لَمْ یَخْلُقْ لَکَ عَقْلًا رَّجَوْتُ مِنْ لَا یُسَلِّمُکَ اِلَّا وَاِلَى الْغَیْرِ اللہ تعالیٰ کو سب تعریفیں سزاوار ہیں جس نے تجھ کو ہدایت عطا فرمائی۔ مجھے امید تھی کہ تیری عقل خدا داد تجھے خیر تک پہنچائے گی۔

پھر میں نے گزارش کی، یا رسول اللہ! میں متعدد مقامات پر حضور کی محافت اور عناد میں ازار مارا، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ میری ان غلطیوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: اَلْاِسْلَامُ يَجِبُ مَا كَانَ قَبْلَهُ اِسْلَامَ لَانِے سے پہلے جتنے بھی گنہ سرزد ہوئے ہوں، اسلام لانے سے وہ سب مایامیٹ ہو جاتے ہیں۔ "میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! پھر بھی میری بخشش کے لئے دعا فرمائیے۔ حضور نے ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَالِدِ بْنِ وَبَيْدٍ كُلَّمَا اَوْصَعَ فِيْهِ مِنْ سَيِّئَةٍ عَنْ سَيِّئَاتِكَ۔

"اے اللہ! خالد نے تیرے راستے سے روکنے کی جتنی بار کوشش کی، الہی اس کو معاف فرمادے۔"

حضرت خالد فرماتے ہیں۔ پھر حضرت عمرو بن العاص حضرت عثمان بن طلحہ نے سرورِ عالم ﷺ کی بیعت کی سعادت حاصل کی۔
حضرت خالد کا قول ہے:

وَكَانَ قَدْ وُضِعَ فِي صَفْرِ سَنَةِ ثَمَانٍ قَوَّالِہٖ مَا كَانَ
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ یَوْمِ اُسْلِمْتُ
یَعْدِلُ فِيْ اَحَدٍ اَوْ مِنْ اَصْحَابِہٖ فِیْہَا حَزْبَہٗ (1)

"ہماری مدینہ منورہ ۸ ہجری، ۸ صفر میں ہوئی پس اللہ کی قسم جس روز میں ایمان لایا اس وقت سے رسول اللہ ﷺ کسی مشکل مرحلہ میں کسی اور صحابی کو میرے ہم پایہ نہیں سمجھتے تھے۔"

غزوة موت

غزوہ موت

وَإِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ
بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَ
يُقْتَلُونَ. وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ
وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمْ
الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ.

(1)

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے خرید لی ہیں ایمان داروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس عوض میں کہ ان کے لئے جنت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔ پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر پختہ وعدہ تو رات اور انجیل اور قرآن (تینوں کتابوں) میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ ہے۔ (اے ایمان والو!) پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ تعالیٰ سے۔ اور یہی بڑی فیروز مندی ہے۔“

کفر و طغوت کے علمبرداروں نے اسلام کے سیل رواں کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے جتنے پختہ بند باندھے تھے، ایمان کی تند و تیز موجیں انہیں تنکوں کی طرح بہا کرے گئیں۔ شرک و الحاد کے متوالوں نے جو ناقابلِ تسخیر مراکز بنائے ہوئے تھے، مصطفوی درویشوں نے اپنے پاؤں کی ٹھوکروں سے انہیں ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ عرب کے افق پر رشد و ہدایت کا جو آفتاب عالم تاب طلوع ہوا تھا، اس کی شوخ کرنوں نے ظلمتوں اور تاریکیوں کو

نہیں دتا بود کر دیا تھا۔ وہ فضا میں جہاں کچھ عرصہ پہلے اُٹل مُٹل (ہل زندہ باد) کے نعرے گونج کر رہے تھے، اب وہاں ہر سوائف اکبر کے فلک شگاف نعرے فردوس گوش بننے لگے تھے۔ توحید کی سہانی چمک نے جزیرہ عرب کے گوشہ گوشہ کو رشک صد طور بنا دیا تھا۔ بادی برحق ﷺ کے خون کے پیاسے اور ان کی گزرگاہوں میں کانٹے بچھانے والے، اب ان کے قدموں میں دیدہ و دل فرس راہ کرنے لگے تھے۔ بے جان بتوں کے پجاریوں نے اپنے ہاتھوں سے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ اب ان کے سر صرف خالق کائنات کے حضور میں ہی خم ہو سکتے تھے۔

غزوہ خندق کے تمام مشرک قبائل کے منتخب اور نمائندہ لشکر جرار نے مرکز اسلام مدینہ منورہ پر چڑھائی کی لیکن اسلام کے مٹھی بھر مجاہدین نے ان کو ایسی شکست دی کہ ان کی کمر بستہ ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گئی۔ پھر انہیں کبھی جرأت نہ ہوئی کہ وہ حملہ آور بن کر مدینہ طیبہ پر چڑھائی کریں۔

ہجرت کے بعد یہود اور منافقین نے اپنے دجل و فریب کے جال بچھ کر غریب الدیار اور مفلوک الحال مسلمانوں کو اپنا صید زبوں بنانے کے لئے لاکھوں جتن کئے۔ ان کی بعض فریب کاریاں اور عیاریاں اتنی خطرناک تھیں کہ قرآن حکام مکرھو یعزوں ومنہ الجہال پہاڑ بھی ان سے لرز لرز گئے۔ لیکن حضور سرور عالم ﷺ کی پیغمبرانہ قیادت نے دو تین سال کی قبیلہ مدت میں ان کی رعوت و نخت کا جتازہ نکال دیا اور سنہ 7 ہجری میں خیبر کے ناقابل تسخیر قلعوں اور گرد و نواح میں یہود کی آبادیوں پر اسلام کا پرچم ہرانے لگا۔ جہاں تک جزیرہ عرب کا تعلق تھا، اسلام دشمن ساری قومیں دم توڑ چکی تھیں۔

جزیرہ عرب کے مشرق و مغرب میں دو حامی قومیں تھیں جنہوں نے تقریباً ساری معمور دنیا کو اپنے چنگل میں دبوچ رکھا تھا۔ اسلام کی صدائے لالہ الا اللہ ان کے سامنے جند ہوئی اور شجرہ سہم آہستہ آہستہ تباہ و برباد بن گیا لیکن انہوں نے اس تحریک اسلامی کو کبھی رخنہ و رخنہ نہ سمجھا۔ آخر کار اسلام کی ان پرپہ فوجات نے انہیں چوکن کر دیا اور وہ اس میں غرق ہو گئے۔ اس بھرتی ہوئی قوت سے بروقت نہ ہٹا یا تو جین ممکن ہے کہ کل اس قوت سے سہانہ روح بن جائے۔ اس سے قیصر روم نے بھی اسلام سے نپٹنے سے منہ پھیر دیا اور وہ مناسبت سے قلعہ کا اتھارہ کرنے لگا۔

ماہ جمادی الاول سنہ 8 ہجری میں "موتہ" کے مقام پر اسلامی لشکر کی پہلی ٹکر رومی فوجیوں سے ہوئی جن کی امداد کے لئے کثیر تعداد میں عرب کے عیسائی قبائل بھی امداد کر آئے تھے۔

اس جنگ کے اسباب

دعوت اسلام کا روح پرور پیغام جزیرہ عرب کی سرحدوں سے باہر سیدم الفطرت افرو کو متاثر کرنے لگا تھا۔ شام کے علاقہ میں بھی اس دین حق پر ایمان لانے والوں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ بات وہاں کے عیسائی باشندوں اور عیسائی حکمرانوں پر بڑی گراں گزر رہی تھی۔ قیصر روم کے مقرر کردہ گورنر نے حکم جاری کر رکھا تھا کہ جو شاہی عرب اسلام قبول کرے، اسے قتل کر دیا جائے۔ اس غیر انسانی حرکت کو رحمت عالم ﷺ کیسے برداشت کر سکتے تھے؟ (۱)

اسی اثناء میں ایک اور المناک واقعہ پیش آیا جس نے حارث کی سنگینی میں ہوشربا اضافہ کر دیا۔ ہادی برحق ﷺ نے بصری کے حاکم جسے ہر قتل نے وہاں گورنر مقرر کیا ہوا تھا اور جس کا نام حارث بن ابی شمر الغسانی تھا، کو اپنا گرامی نامہ تحریر فرمایا جس میں اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس دعوت نامہ کو لے جانے کے لئے حضرت حارث بن عسیر ارازدی کو منتخب فرمایا۔ یہ جب موتہ کے مقام پر پہنچے تو قیصر کے ایک رئیس شریصل بن عمرو الغسانی نے آپ سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کدھر جا رہے ہو؟ حضور کا اسم گرامی سے کر کہا، کیا تم ان کے قاصد ہو؟ حارث نے کہا ہاں۔ میں ان کا قاصد ہوں۔ یہ سنتے ہی اس نے انہیں رسیوں سے جکڑ دیا اور پھر ان کا سر قلم کر دیا۔ رسول اکرم ﷺ نے جتنے قاصد روانہ کئے تھے، ان میں سے کسی کے ساتھ ایسا سوک نہیں کیا گیا سوائے ان کے۔

جب یہ المناک خبر سرکارِ دو عالم ﷺ نے سنی تو حضور کو بہت دکھ ہوا۔ شریصل نے انسانیت سوز حرکت کی تھی۔ کسی قاصد کو قتل کرنا کسی ملک میں بھی جائز نہ تھا۔ اس نے بغیر کسی اشتعال کے ایک سفیر کو قتل کیا تھا۔ یہ ایک ناقابلِ عفو جرم تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے لئے اس کو نظر انداز کرنا ناممکن نہ تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ جب عمرہ کے بعد مدینہ منورہ پہنچے تو

اپنے شہید صحابی کا انتقام لینے کے لئے تیاری شروع کر دی۔ حضور عمرہ کی ادائیگی کے بعد ذوالحجہ میں واپس تشریف لائے اور جمادی الاول سنہ 8 ہجری میں موتہ کی طرف ایک لشکر روانہ کیا۔ یہ مجاہدین مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر جرف کے مقام پر جمع ہوئے اور اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

حضور اکرم ﷺ وہاں تشریف لائے اور ظہر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد صحابہ کو ارشاد فرمایا:

”اس لشکر کا سپہ سالار زید بن حارثہ کو مقرر کرتا ہوں۔ اگر یہ شہید ہو جائیں تو پھر جعفر بن ابی طالب اس لشکر کی کمان سنبھالیں گے۔ اگر وہ بھی جام شہادت نوش کر لیں تو پھر عبد اللہ بن رواحہ مجاہدین کی قیادت کریں گے اور یہ بھی راہ حق میں قتل کر دیئے جائیں تو پھر مسلمان جس کو منتخب کریں وہ ان کا امیر ہو گا۔“

حضور انور ﷺ نے اسلام کا پرچم اپنے دست مبارک سے حضرت زید کو عطا فرمایا۔ وہ علم سفید رنگ کا تھا اور مجاہدین کو وصیت کی کہ سب سے پہلے حارثہ بن عمیر شہید کے مزار پر حاضری دیں اور وہاں جتنے لوگ ہیں ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لیں تو بہت بہتر ورنہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان سے جنگ کریں۔ (۱)

آداب جنگ کی نبوی تعلیمات

نبی مکرم ﷺ مجاہدین اسلام کو الوداع کرنے سے لئے شیعہ الوداع تک تشریف لائے۔ عام مسلمان بھی حضور کے ساتھ تھے۔ انہیں رخصت کرتے وقت ہادی کو نین ﷺ نے ایک وصیت فرمائی۔ یہ وصیت حضور کے نبی برحق ہونے اور حضور کی شانِ رمتہ للعالمین کی روشن دلیل ہے۔ ایسے موقع پر ہر فوج کا سربراہ اپنے جاں بازوں کو اہم ہدایات دیتا ہے۔ لیکن اقوامِ عالم کے کسی کمانڈر نے ایسی پسند و ناصح سے اپنے فوجیوں کی راہنمائی کی ہو، فاترِ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آج تک جنگوں کی ہدایت فوجیوں اور وحشت سامانیوں کو کم کرنے کے لئے جو اصلاحات کی گئی ہیں، وہ حقیقتاً وہ۔۔۔ اسی خزانہ حکمت و رحمت کی ریزہ چینی ہے۔ اس وصیت کا عربی متن مع اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ہادی برحق ﷺ نے فرمایا:

أَوْصِيَكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَبِمَنْ مَعَكُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا
”میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور جو مسلمان
تمہارے ہمراہ ہیں ان کے ساتھ بھائی کی تاکید کرتا ہوں۔“
أَعِزُّوا بِاسْمِ اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ
”اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں اللہ کے منکروں کے ساتھ جنت
کرو۔“

لَا تَعْتَدُوا وَلَا تَغْلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيًّا وَلَا امْرَأَةً
”کسی کے ساتھ دھوکا نہ کرو۔ بددیا نہ کرو۔ کسی بچے کو اور کسی
عورت کو مت قتل کرو۔“

وَلَا كَيْفَرًا فَإِنِّي لَا مَنَعَرٍ لَا بِصَوْمَةٍ وَلَا تَقْرَبُوا مَعْدًا
”کسی بوڑھے کو اور اپنی خانقاہوں میں گوشہ نشین رہنے والے کو نہ تنگ نہ
کرو۔ کسی کھجور کے درخت کو نقصان نہ پہنچاؤ۔“

وَلَا تَقْطَعُوا شَجَرًا وَلَا تَهْدُوا مَوَاطِنًا

”اور نہ کوئی درخت کاٹو اور نہ کسی مکان کو منہدم کرو۔“ (1)

جب شکر اسلام روانہ ہونے لگا تو مسلمانوں نے اس دعا سے اپنے مجاہد بھائیوں کو
رخصت کیا:

صَحِّحَكُمْ اللَّهُ وَدَفَعَكُمْ الشُّوَّ وَرَدَّكُمْ سَائِلِينَ غَائِمِينَ

”اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھ ہی ہو۔ وہ ہر تکلیف کو تم سے دور کرے اور تمہیں
صحیح و سلامت اموال غنیمت سے مالا مال کر کے واپس لے آئے۔“

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے یہ دعائیں سنیں تو فی ابد یہہ ان اشعار سے اپنے قلبی جذبات
کا اظہار فرمایا:

لَيْكُنِّي أَسَدَ الرَّحْمَنِ مَغْفِرَةً وَصَوْبَةً ذَاتَ فَرْخٍ تَقْنِفُ الزُّبَا

"لیکن میں سہامتی اور مال غنیمت کا طلب گار نہیں ہوں۔ بلکہ میں تو اپنے رخصت پروردگار سے یہ عرض کرتا ہوں کہ وہ مجھے بخش دے۔ اور مجھے ایسی ضرب لگے جو کھارخہ کر دے اور اس سے تیزی سے نکلنے والا خون جھارک بناتا رہے۔"

اَوْطَعْنِي يَدَيَّ حَرَمَ مَجْدِكَ بِحُورِيَّةٍ تَنْفَعُ الْاَوْحْسَاءَ وَالْكَبَدَا
 "یہ مجھے کوئی طاقتور آدمی اپنے دونوں ہاتھوں سے ایسا نیا دے کہ جو میری تینوں اور جگر کو چیرتا ہو نکل جائے۔"

حَتَّى يَقَالَ اِذَا مَرَدُّا بَعْدِي اَرْشَدَكَ اللهُ مِنْ غَيْرِ وَقَدْ رَتَدَا ۱۱
 "تیسرا حکم کہ جب وہ میری قبر کے پاس سے گزریں تو وہ یہ کہنے پر مجبور نہ جائیں۔ اے اس قبر میں آرام کرنے والے اللہ تعالیٰ تجھے سید سے راستہ پر چلنے والا بنائیے اور توبہ کیا ہے۔"

وہ جو کاہن تھا۔ دوسرے مجاہد روایت ہوئے لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ رک گئے تاکہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں جمعہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کریں۔ جب یہ کارنامہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا تو دریافت فرمایا کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیوں نہیں گئے؟ انہوں نے عرض کی کہ میں نے ارادہ کیا کہ نماز جمعہ حضور کی اقتداء میں ادا کروں پھر میں ان کے ساتھ جا ہوں گا۔

فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَافَقْتُمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا
 مَا اُذْمَرْتُمْ عَذَابَتْهُمَا وَفِي رِوَايَةٍ لَعْنُوهُمَا فِي سَبِيلِ اللهِ
 اَوْ رَوْحَهُ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ (2)

"رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے عبداللہ! اگر تو زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر دے تو اس درجہ کو نہیں پاسکتا جو انہوں نے صبح ساری روایت ہو کر پالیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا، اللہ کے راستہ میں ایک لکھ یا دس لکھ دینا سے بہتر ہے۔"

جب یہ سر فروش مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تو دشمنوں کو ان کی روانگی کی اطلاع مل گئی۔ انہوں نے بھی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ جتنے جنگجو ان کے پاس تھے ان سب کو اکٹھا کیا۔ شریک بن عمرو الغسانی جس نے حضور پر نور کے قاصد کو شہید کر کے اس جنگ کی پہلی چنگاری سلگائی تھی، وہ ان جنگی تیاریوں کا منتظم بنایا گیا۔ اس نے قبیلہ غسان کے ہاتھ، حم، جذام، قیس، بہراء اور بلی قبائل کے ایک لاکھ لڑاکوں کو بھی جمع کیا۔ اسد م کے جان باز مدینہ طیبہ سے چل کر جب ملک شام کے ”معون“ نامی قصبہ میں پہنچے تو انہیں خبر ملی کہ خود ہر قل ایک لاکھ فوج کے ساتھ بقاء کے ضلع میں تاب کے مقام پر سکر خیمہ زن ہو گیا ہے۔ اور مندرجہ بالا قبائل کے ایک لاکھ (ایک رویت میں پچاس ہزار) سپاہی بھی وہاں پہنچ گئے ہیں۔

معان نام کا ایک بہت بڑا قلعہ تھا جو حجاز اور شام کے درمیان واقع تھا اور دمشق سے مکہ کے راستہ پر پانچ روز کی مسافت پر تھا۔ مسلمانوں کو جب اس بڑی دشمنی کی اطلاع ملی تو انہوں نے سوچ بچ شروع کر دی کہ ان حالات میں نہیں کیا کرنا چاہئے ”دورات صبح و مشورے ہوتے رہے۔ آخر طے پایا کہ سرور عالم ﷺ کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا جائے۔ حضور مناسب خیال فرمائیں گے تو مزید کمک روانہ فرما دیں گے۔ ورنہ آقا کا جو ارشاد ہوگا، اس پر بے چون و چرا عمل پیرا ہو جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کی غیرت ایمانی اس کو برداشت نہ کر سکی۔ آپ نے یک ایسا نعرہ مستانہ لگایا کہ اس نے سب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا:

يَا قَوْمِ وَاللّٰهِ اِنَّ الْبَيْتَ تَكْرَهُوْنَ لَنَبِيٍّ خَرَجْتُمْ لَطْلُبُوْنَ
الشَّهَادَةَ وَمَا تُقَاتِلُ النَّاسَ بَعْدِيْ وَلَا قُوَّةَ وَلَا كَثْرَةَ
مَا تُقَاتِلُهُمْ اِلَّا بِهَذَا الدِّينِ الَّذِيْ اَكْرَمَنَا اللّٰهُ بِهِ
فَاَنْطَلِقُوْا فَاِنَّمَا هِيَ اِحْدَى الْحُسَيْنِيْنَ اِمَّا ظُهُورٌ وَّ
اِمَّا شَهَادَةٌ.

(1)

”اے قوم! بخدا جس کو اب تم ناپسند کر رہے ہو اسی کی طلب میں تو تم گھروں سے نکلے ہو یعنی شہادت۔ ہم لوگوں کے ساتھ عدد، طاقت اور

کثرت کے مل بوتے پر جنگ نہیں کیا کرتے۔ ہم تو اس دین کے مل بوتے پر جنگ کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشرف فرمایا ہے۔ اے اللہ کے بندو! چلو دو نیکیوں میں سے ایک نیکی تمہیں نصیب ہو جائے گی، فتح یا شہادت۔“

یہ ایمان افروز نعرہ سن کر سب ہکا ر اٹھے:

قَدْ وَاللّٰهِ صَدَقَ ابْنُ رَوَاحَةَ

”بھلا! ابن رواحہ نے سچ کہا ہے۔“ (1)

زید بن ارقم نے بتایا کہ میں کسبن یتیم تھا اور حضرت عبداللہ بن رواحہ میرے سر پرست تھے۔ وہ مجھے اس سفر میں اپنے ہمراہ لے گئے۔ میں اونٹ پر ان کے پیچھے سوار تھا۔ آپ نے فی ابد یہ شعر گنگنا نے شروع کر دیے جن میں انہوں نے اپنے شوق شہادت کا اظہار کیا تھا۔ مجھے رونا آگیا۔ انہوں نے مجھے اپنے درو سے کچو کا دیا اور فرمایا:

مَا عَدَيْتَ يَا لَكُمْ اَنْ يَّوْضُقِنِي اللّٰهُ الشَّهَادَةَ

”اے نوجوان! اے اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرمادے تو تمہیں کیا تکلیف

ہوگی۔“

اس ایک واقعہ سے آپ صحابہ کرام کی شجاعت اور جذبہ جاں نثاری کا باآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ان کے دل کتنے قوی تھے اور اپنے رب پر ان کا بھروسہ کتنا پختہ تھا اور اپنے نفوس کے بارے میں کتنے بے پروا تھے۔ انہوں نے اس نفع بخش سودے کو دل سے قبول کر لیا تھا جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ
بِاَنْ لَّهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ
يُقْتَلُوْنَ. وَوَعْدًا عَلٰى حَقٍّ فِيْ التَّوْرَةِ وَالْاِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ
وَمَنْ اَوْفٰ بِعَهْدِهِ مِنْكُمْ فَاسْتَبَشِرُوا بِبَيْعِكُمُ
الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهِ وَذٰلِكَ هُوَ الْعَهْدُ الْعَظِيْمُ (3)

”یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں ایمان داروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس عوض میں کہ ان کے لئے جنت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں۔ پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے اس پر پختہ وعدہ تورات اور انجیل اور قرآن (تینوں کتابوں) میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے۔ (اے ایمان والو) پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے۔ اور یہی بڑی فیروز مندی ہے۔“

معرکہ موتہ

جب یہ لشکر اسلام شام کے ایک ضلع بلقاء میں پہنچے تو ان کا آئنا سامنا ہر قتل کے رومی لشکر سے ہوا۔ عرب قبائل نے جو لشکر جمع کیا تھا وہ ضلع بلقاء کے مشارف نامی قصبہ میں خیمہ زن تھا۔ مسلمان مشارف سے ہٹ کر موتہ نامی گاؤں کے قریب پہنچ گئے۔ آخر یہی جگہ میدان جنگ بنی۔ مسلمانوں نے اپنی صف بندی کی۔ قطبہ بن قعدہ جن کا تعلق بنی عذرہ قبیلہ سے تھا انہیں مینہ کی قیادت سونپی گئی۔ میسرہ پر عبایہ بن مالک انصاری کو امیر متعین کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ میں اس جنگ میں شریک تھا۔ میں نے جب دشمن کی جگہ دیکھی، جنگی ساز و سامان کے انبار اور ان کی بے شمار فوج کو دیکھا تو میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ میری سرایمگی کی یہ حالت دیکھ کر ثابت بن ارقم نے کہا اے ابو ہریرہ! شاید تم دشمن کی کثیر تعداد کو دیکھ کر پریشان ہو گئے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ ثابت نے کہا تم نے ہمارے ساتھ جنگ بدر میں شرکت نہیں کی۔ دشمن کی تعداد اس وقت بھی ہم سے تین گن تھی۔ سنو! اِنَّا لَهٗ مُقْتَدِرُوْنَ (1) ہمیں کثرت تعداد کی وجہ سے کامیابی نہیں ہوئی بلکہ ہماری فتح و نصرت کا راز ہمارے دین میں مضمر ہے۔ (2)

صف بندی کے بعد جنگ شروع ہو گئی۔ دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئے۔ رسول معظم ﷺ کا علم حضرت زید بن حارثہ بلند کئے ہوئے تھے اور آپ کی شمشیر، صاعقہ

1۔ ”الہد یہ والنہیہ“، جلد 4، صفحہ 244

2۔ ابن کثیر، ”اسیرۃ النبویہ“، جلد 3، صفحہ 461

موت بن کر دشمن کی صفوں پر قیامت برپا کر رہی تھی اور انہیں موت کے گھاٹ اتار رہی تھی۔ آپ کافی دیر تک داد شجاعت دیتے رہے اور دشمنوں کی صفوں کو تھس تھس کرتے رہے۔ آخر کار ایک دشمن نے اپنا نیزہ ان کے سینہ میں گھونپ دیا۔ اس طرح آپ کا سر، تاج شہادت سے سرفراز ہوا۔

اس سے پہلے کہ پرچم اسلام ان کے ہاتھ سے زمین پر گر پڑتا حضرت جعفر بن ابی طالب بجلی کی سرعت سے آگے لپکے اور سلام کے پرچم کو تھام لیا۔ آپ سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ نے محسوس کیا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن پر حملہ کرنے کا لطف نہیں آ رہا تو آپ نے اپنے گھوڑے کی پشت سے چھانگ لگا دی اور اپنی تلوار سے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔ جس کی ایک وجہ تو یہ بیان کی گئی ہے کہ انہیں اندیشہ تھا کہ انکے شہید ہونے کے بعد ان کا گھوڑا کفار کے کام نہ آئے اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جنگ کے حالات کتنے ہی سنگین ہوں یہاں سے فرار کا تصور تک بھی دہل میں پیدا نہ ہو۔ آپ نے اسلام کے جھنڈے کو مضبوطی سے تھام لیا اور دشمن پر تازہ توڑ حملے شروع کر دیئے اور اپنی بے نظیر شجاعت سے دشمن کے چھپے چھپڑا دیئے۔

ایک کافر نے آپ کے دائیں بازو یا ہاتھ پر تلوار کا وار کیا جس میں آپ نے پرچم اسلام تھما ہوا تھا۔ تلوار کے وار سے آپ کا دایاں بازو یا ہاتھ کٹ کر دور جا گرا لیکن آپ نے جھنڈے کو فوراً بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ دشمن نے پھر آپ کے بائیں ہاتھ پر وار کیا۔ یہ ہاتھ بھی کٹ کر الگ ہو گیا۔ اس ہاشمی شیر نے نبی رحمت کے پرچم کو زمین پر گرنے سے پہلے اپنے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے سینہ کے ساتھ دبوچ لیا۔ آپ کے دونوں بازو کٹ گئے، تلوار گر پڑی اور کفار نے اپنے تیروں، نیزوں اور تلواروں سے آپ کو گھائل کرنا شروع کر دیا۔ جب جسم اطہر سے خون کا آخری قطرہ بھی راقع میں بہ گیا تو نقابست کی انتہا ہو گئی۔ اس وقت ایک رومی نے اپنی تلوار کا ہار کر کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ حضرت عہد مند بن رواحہ نے آگے بڑھ کر وہ جھنڈا اٹھایا۔ حضرت جعفر کے جسد اطہر پر نیزوں، تلواروں اور تیروں کے نوے سے زیادہ زخم لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ زخموں کی تعداد سے زیادہ تھی۔ لطف یہ ہے کہ کوئی زخم پشت پر نہیں تھا، سارے چہرے اور سینہ پر تھے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر مبارک اکتیس سال تھی۔ بعض نے اسی سال بتائی

ہے۔ بہر حال بھرپور جوانی میں آپ نے اپنی جان کا نذرانہ اپنے رب العزت کے نام کو بند کرنے کے لئے بعد خلوص پیش کر دیا۔ آپ جب فکر حق کو بند کرنے کے لئے جان کی بازی لگا کر کفر سے برسرِ پیکار تھے، اس وقت یہ رجز آپ کی زبان پر تھا:

يَا حَبْدَا الْجَنَّةُ وَاقْتَرَابُهَا طَيِّبَةٌ وَبَارِدًا شَرَابُهَا

”کتنی بہترین ہے جنت اور اس کا قرب۔ اس کی شراب بہت پاکیزہ اور ٹھنڈی ہے۔“

وَالزُّمُرُ دُرٌّ مَرْقَدٌ فِي عَذَابِهَا عَلَى رَأْسِهَا لَقِيَتْهَا ضَرَابُهَا (1)

”روم تباہ ہو گیا اور اس کا عذاب قریب آ گیا۔ مجھ پر زوم ہے کہ جب میں اس سے ملاقات کروں گا تو اس سے جنگ کروں گا۔“

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے آگے بڑھ کر حسب ارشاد نبوی وہ جھنڈا تھام لیا۔ دشمن کے مڈی دل لشکر نے مسلمان مجاہدین کو اپنے زخمے میں لے رکھا تھا اور وہ ان پر تازی توڑ جسے کر رہے تھے۔ ان جانگد زحافات میں حضرت عبداللہ کے قدم کاٹنے لگے اور انہوں نے بھاگ کر جان بچانے کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ اسی وقت رحمت خداوندی نے اسلام کے اس عاشق صادق کی دستگیری کی۔ انہوں نے ایک لمحہ کے لئے اپنے دل میں سرگوشی کی اور پوچھا۔

اے نفس! تو کس کی ملاقات کے شوق میں زندہ رہنا چاہتا ہے۔ کیا اپنی بیوی سے وصال کے لئے؟

تو سن! میں نے اس کو تین طلاقیں دے کر اپنے اوپر حرام کر دیا ہے۔

کیا تو اپنے دو غلاموں کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہے جو بڑے خلوص سے تیری خدمت گزاری میں دن رات مشغول رہتے ہیں؟ تو سن! ان دونوں کو میں نے راہ خدا میں سزا دے کر دیا۔

کیا تجھے اپنے ہرے بھرے پھلدار باغ کی محبت فرار اختیار کرنے پر پر ہیجتہ کر رہی ہے؟ تو کان کھول کر سن لے اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی رَسُوْلِكَ کہ وہ باغ میں نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے

صدقہ کر دیا ہے۔ (2)

پھر اپنے نفس کو جبر کتے ہوئے یہ اشعار موزوں کئے:

أَقْسَمْتُ يَا نَفْسُ لَتَنْزِلَنَّكَ لَتَنْزِلَنَّ أَوْ لَتَكْرَهَنَّ

اے نفس! میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تمہیں میدان جنگ میں اترنا پڑے گا یا تم خوشی سے اتر دو گے۔ "یا تمہیں اترنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔"

إِنَّ أَجْلَبَ النَّاسِ وَشَدُّهُ الرِّقَّةَ مَا فِي أَدَاكِ تَكْرَهُتِ الْجَنَّةَ

"لوگ تو جہنم کر کے آگئے ہیں اور ان کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تجھے دیکھتا ہوں۔ کہ تم جنت کو ناپسند کر رہے ہو؟"

قَدْ طَالَ مَا قَدْ كُنْتُ مُطْمَئِنَّةً هَلْ أَنْتِ إِلَّا نَظْفَةٌ فِي شَتَّةٍ (۱)

"بہت عرصہ تک تم نے اطمینان کی زندگی بسر کی ہے۔ تم کیا ہو مگر ایک قطرہ، پرانے مشکیزہ میں۔"

اس وقت ان کے چچا زاد بھائی نے انہیں گوشت والی ہڈی پیش کی اور کہا۔ آپ نے نئی روز سے کچھ نہیں کھایا یہ کھالو، کمزوری دور ہو جائے گی اور دشمن سے اچھی طرح ڈر سکو گے۔ آپ نے اسے لے لیا دانتوں سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹا اور اسے چبانا شروع کیا۔ ابھی نگلا نہیں تھا کہ جنگ کا نعرہ بلند ہوا۔ آپ نے اس گوشت والی ہڈی کو پرے پھینکا، تلوار بے نیام کی اور دشمن پر ہلے بولے دیا۔ وار فگلی کا یہ عالم تھا کہ تن بدن کا ہوش تک نہ تھا۔ بجلی کی سرعت سے ان کی تلوار مصروف بیکار تھی۔ دشمن نے بھی اپنے تیروں اور نیزوں کے رخ ان کی طرف موڑ دیئے تھے۔ یہاں تک کہ اس مرد مجاہد نے اپنی جان عزیز اپنے خداوند قدوس کی عظمت کو بلند کرنے کے لئے پیش کر دی۔ (۲)

عاشقان جمال محمدی کی انہیں جانفروشیوں کو دیکھ کر حضرت علامہ اقبال یہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔

عاشقاں اوز خواہاں خوب تر خوشتر و زیبا تر و محبوب تر

یعنی لوگوں کے تو محبوب خوبصورت ہوا کرتے ہیں لیکن میرا محبوب تو وہ ہے جس کے عشاق کے حسن و جمال کا عالم یہ ہے کہ دنیا بھر کے حسین ان کے سامنے بیچ ہیں۔ شمع جمال محمدی کے ان تینوں پروانوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا۔ تاقیہ مت کروڑوں رحمتیں اور

ان گنت برکتیں نازل ہوتی رہیں اس خطہ پاک پر جہاں اسلام کے یہ شیر آرام فرما ہیں۔ اہی! ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما! آمین۔

غزوہ موتہ کا نازک لمحہ

یہ لمحے سرفروشان اسلام کے لئے قیامت کے لمحے تھے۔ حضور کے تینوں نامزد سپہ سالار ایک ایک کر کے اپنی جانیں راہ حق میں قربان کر چکے تھے۔ اب کون آگے بڑھ کر اس جھنڈے کو بند کرے گا اور اس کو اونچا لہرانے کے لئے اپنے پیش روؤں کی طرح اپنے سر کا نذرانہ پیش کرے گا؟ اس اثناء میں ثابت بن قیس بن ارقم جو قبیہ بنی عبدالمطلب کا ایک منجید جوان تھا، آگے بڑھا اور اسلام کے جھنڈے کو اٹھایا اور مجاہدین کو لگا کر کہا۔ اے سلام کے سرفروشو! اب ایسا آدمی جن کو جو علم اسلام کو بند رکھ سکے۔ لوگوں نے کہا ہم تمہیں اپنا علمبردار بناتے ہیں۔ آپ نے کہا، میں اس کے لائق نہیں۔ سامنے خالد کھڑے تھے۔ اس نے انہیں پکارا، اے ابوسلیمان! (حضرت خالد کی کنیت) یہ لو اسلام کا جھنڈا۔ حضرت خالد نے کہا آپ اس شرف کے مجھ سے زیادہ حق دار ہیں۔ آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں اور غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ور ہیں۔ ثابت نے جوش سے کہا۔ خالد اسے پکڑ بھی لو۔ میں نے تیرے حوالے کرنے کے لئے یہ جھنڈا زمین سے اٹھایا ہے۔ حضرت ثابت نے حاضرین سے پوچھا، کیا تم خالد کو قائد شکر منتخب کرنے پر رضامند ہو؟ سب نے یک آواز کہا۔ ہم رضامند ہیں۔ اس وقت حضرت خالد نے وہ علم پکڑ لیا اور مد پر بھروسہ کرتے ہوئے اس آڑے وقت میں ہی ہدین اسلام کی قیادت کا بار گراں اپنے کندھوں پر اٹھایا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے جس وقت جام شہادت نوش کیا تو مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ دونوں لشکر اپنی اپنی قیام گاہوں پر واپس آگئے تاکہ دوسرے روز صبح تازہ دم ہو کر اپنے اپنے دشمنوں سے برسرِ پیکار ہو سکیں۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن رواحہ شہید ہو گئے اور حضرت خالد کو قائد جمیع مقرر کیا گیا تو مسلمان تتر بتر ہو کر پسپا ہونے لگے۔ حضرت خالد نے انہیں آوازیں دیں لیکن کسی نے توجہ نہ کی۔ یہاں تک قطبہ بن عامر جو یمین کے امیر تھے، انہوں نے مجاہدین کو لگا کر کہا:

أَيُّهَا النَّاسُ! الْآنَ يُقَاتِلُ الرَّجُلُ فِي حَرْبِ الْكُفَّارِ خَيْرٌ
مِنْ أَنْ يُقَاتِلَ فِي حَالِ الْفِرَاقِ۔

”اے لوگو! کفار سے جنگ کرتے ہوئے کوئی شخص قتل ہو جائے تو یہ
اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ وہ بھاگ رہا ہو اور اس کو دشمن موت کے
گھاٹ اتار دے۔“

جب لوگوں نے قطیفہ کی للکار سنی تو سب واپس لوٹ آئے۔ اب شام ہو چکی تھی۔
دونوں فوجیں اپنے اپنے خیموں میں واپس گئیں۔ صبح ہوئی تو حضرت خالد کی جنسی عبقریت
آشکارا ہوئی۔ آپ نے شکر اسلام کی ساری ترتیب بدل دی اور نئے سرے سے صف بندی
کی مقدمتہ التحیش کو لشکر کے پیچھے متعین کر دیا، جب دشمن کے سپاہی صف آراء ہوئے تو ان
کے سامنے پہلے دیکھے ہوئے چہروں کے بجائے اجنبی چہرے تھے۔ وہ حیران تھے کہ یہ افسر
اور سپاہی کل والے تو نہیں۔ کل مقدمتہ التحیش کے سپاہی اور ان کا قائد اور شخص تھے۔ میمنہ
اور میسرہ میں بھی کل والے ہو گئے۔ انہوں نے از خود یہ نتیجہ اخذ کیا کہ شکر اسلام
کو تازہ مکہ پہنچ گئی ہے۔ یہ خیال آتے ہی ان پر مروجہ عوبیت کا عالم طاری ہو گیا۔ ان کے حوصے
پست ہو گئے اور وہ ایسے بوکھلائے کہ میدان کارزار میں سے ان کے قدم اکھڑنے لگے۔
حضرت خالد نے ان کی نفیاتی بے چینی اور اضطراب کو بھانپ لیا تو نعرہ تکبیر بلند کر کے ان
پر بل بول دیا۔ مسلمان مجاہد شاہینوں کی طرح ان پر جھپٹ رہے تھے اور ان کے کشتوں کے
پشتے لگاتے چلے جا رہے تھے۔ رومیوں کے قشون قاہرہ تتر بتر ہو کر میدان جنگ سے بھاگنے
لگے۔ مسلمانوں نے ان کے بے شمار فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بہت سال
غنیمت اپنے قبضہ میں کر لیا۔ (1)

مدینہ طیبہ سے دور۔ بہت دور، کفر و اسلام کے لشکروں میں گھمسان کی جنگ ہو رہی
تھی۔ حضرت خالد کی قیادت میں اسلام کا مختصر لشکر رومیوں کے ان گنت سپاہیوں پر قیامت
برپا کر رہا تھا۔ ادھر مسجد نبوی میں مؤذن بارگاہ رسالت بلند آواز سے اعلان کر رہا تھا: اَلصَّلَاةُ
جَامِعَةٌ اس علان کے الفاظ سے مدینہ والے خوب متعارف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ رحمت
عالم علیہ اس اعلان کے بعد کوئی اہم ترین خطاب فرمانے والے ہیں۔ اپنے آقا کے ارشادات

عالیہ سننے کے لئے مدینہ کے گوشہ گوشہ سے لوگ پروانہ دار مسجد نبوی کی طرف اندسے چلے آ رہے ہیں۔ چند لمحوں میں مسجد بھر گئی۔ حضور پر نور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی ٹپکنے لگے۔ اس حوال میں حضور نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! اے لوگو! میں تمہیں تمہارے غازیوں کے لشکر کے حالات سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ لشکر یہاں سے روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ دشمن سے ان کا منسا منا ہوا۔ لشکر اسلام کے پہلے عمبردار حضرت زید نے جام شہادت نوش کیا۔ وَقِيلَ زَيْدٌ شَهِيدٌ فَاسْتَغْفِرُ وَالَّهُ حضرت زید شہید ہو گئے، ان کے لئے طلب مغفرت کرو۔

پھر حضرت جعفر نے علم اسلام تھاہ اور لشکر کفار پر پے در پے مدد کئے حَتَّى قُتِلَ شَهِيدٌ فَاسْتَغْفِرُ وَالَّهُ کہ ”وہ بھی شہید ہو گئے ان کے لئے بھی سب مغفرت طلب کرو۔“ پھر عبد اللہ بن رواحہ نے آگے بڑھ کر اسلام کا پرچم اٹھایا اور بڑی ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کو بھی نعمت شہادت سے سرفراز کر دیا گیا فَاسْتَغْفِرُ وَالَّهُ ان کیلئے سب مغفرت طلب کرو۔“

حضور نے فرمایا پھر خالد بن ولید نے جھنڈا پکڑا۔ وہ اللہ کے بہترین بندے اور قبیلہ کے بہترین بھائی ہیں۔ وہ اللہ کی تلواروں سے ایک تلوار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کفار اور منافقین کی سرکوبی کے لئے بے نیام کیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی قیادت میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔

دوسری روایت میں ہے حضور نے دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا سَيِّفٌ مِّنْ سَيِّوْفِكَ فَانْصُرْنَا

”اے اللہ! خالد تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے اس کی مدد فرما“

اس روز سے آپ سیف اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ثُمَّ اخَذَ اِلْوَاءَ سَيِّفٍ مِّنْ سَيِّوْفِ اِلٰهِكَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى

فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ۔

”پھر اللہ کی تلواروں سے ایک تلوار نے اسلام کے جھنڈے کو اٹھایا اور

اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ پر مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔“

حضرت خالد نے بڑی دلیری اور بہادری سے جنگ کی اور وہ مسلمانوں کو کفر کے بے شہر لشکر کے زرنے سے نکالنے میں کامیاب رہے۔ اس روز جنگ میں حضرت خالد کے ہاتھ میں نو تلواریں یکے بعد دیگرے ٹوٹیں۔ سات دن تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ فرزند ان اسلام عقابوں کی طرح رومی لشکر پر جھپٹتے اور ان کو موت کے گھاٹ اتارتے رہے۔ باقی لوگوں نے بھی بھاگ کر جان بچائی۔ کچھ روز بعد حضرت عجل بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ موتہ کے حالات کے بارے میں اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوئے۔

حضور ﷺ نے انہیں فرمایا، اے عجل اگر تمہاری مرضی ہو تو تم وہاں کے حالات سے مجھے آگاہ کرو۔ اور اگر تمہاری مرضی ہو تو میں تمہیں وہاں کے حالات سے مطلع کروں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! حضور ہی فرمائیں تاکہ حضور کی زبان سے وہاں کے حالات سن کر میری قوت ایمانی میں بھی اضافہ ہو۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے جنگ کے مکمل حالات بیان کئے جسے سن کر حضرت عجل نے عرض کی:

وَالَّذِي يَعْتَكُ بِالْحَقِّ مَا تَرَكْتُ مِنْ حَدِيثِهِمْ حَرْفًا
وَاحِدًا۔ وَإِنَّ أَمْرَهُمْ لَكَمَا ذَكَرْتُ۔

”اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث

فرمایا ہے آپ نے ان کے حالات میں ایک حرف بھی رہنے نہیں دیا اور

بعینہ اسی طرح واقعات ہوئے ہیں جس طرح آپ نے ذکر فرمایا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّا اللَّهُ دَفَعَنِي الْأَرْضَ حَتَّى رَأَيْتُ مَعْتَرِكُهُمْ

”اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو اٹھا لیا یہاں تک کہ میں ان کے

میدان جنگ کو دیکھنے لگا۔“

جب حضور نے حضرت خالد کے جھنڈا پکڑنے اور کفر سے جنگ کرنے کا ذکر فرمایا تو

زبان پاک سے نکلا:

أَلَا تَحْيَا الْوُطَيْيُسُ یعنی اب جنگ کی بھٹی بھڑک اٹھی ہے۔

اس جنگ کا نتیجہ

اس جنگ کا نتیجہ کیا نکلا؟

اس سوال کا جواب تشریح طلب ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی، وہ وہاں سے بھاگ کر مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں کے لوگوں کو ان کی آمد کا پتا چلا تو انہوں نے بھاگ کر آنے والوں کے خلاف شدید رد عمل کا مظاہرہ کیا، ان پر مٹی پھینکنے لگے اور ان نعروں سے ان کا استقبال کیا **يَا فُرَّادُ قَوْمِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ** اے بھگوڑو! تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے بھاگ کر آ گئے ہو۔ خفا پوش اور غریب پرور رسوں نے یہ فرما کر نعرہ بازی کرنے والوں کو خاموش کیا۔ فرمایا:

لَيْسُوا بِالْفَرَّارِ وَلَكِنَّهُمْ الْكِرَادُونَ شَاءَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ (1)
 ”یہ بھگوڑے نہیں ہیں بلکہ یہ پٹ پٹ کر دشمن پر حملہ کرنے والے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ۔“

ان روایات سے پتا چلتا ہے کہ مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور انہوں نے بھاگ کر جان بچائی لیکن یہ خیال درست نہیں کیونکہ صحیح روایات اس کی تردید کرتی ہیں۔ مشہور سیرت نگار موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”المغازی“ میں لکھا ہے:

**ثُمَّ اصْطَلَحَ الْمُسْلِمُونَ... عَلَى خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ
 الْمَخْزُومِيِّ فَهَزَمَ اللَّهُ الْعَدُوَّ وَأَظْهَرَ الْمُسْلِمِينَ - (2)**

”پھر مسلمانوں نے باہمی مشورہ سے حضرت خالد بن ولید الخزومی کو اپنا قائد بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست فاش دی اور مسلمانوں کو غالب فرمایا۔“

ایک دوسری روایت ہے جس کے راوی حضرت انس ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

ثُمَّ أَخَذَ الرَّأْيَةَ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِ اللَّهِ فَقَتَعَ اللَّهُ عَلَى يَدَيْهِ - (3)

1۔ ابن کثیر، ”اسیرہ النبیہ“، جلد 3، صفحہ 469

2۔ ایضاً، صفحہ 468

3۔ ایضاً

”پھر اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اسلام کا جھنڈا اٹھالیا اور اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے شکر اسلام کو فتح ارزانی فرمائی۔“

ان روایات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ مجاہدین اسلام نے شکر اعداء کو شکست فاش دی اور مسلمانوں کو غلبہ اور کامیابی نصیب ہوئی۔ اس لئے ہم اسی بات کو ترجیح دیتے ہیں جس کی تائید ان صحیح روایات سے ہو رہی ہے۔

علامہ ابن کثیر نے ان مورخین کی آراء قلمبند کرنے کے بعد اپنی ذاتی تحقیق بایں الفاظ تحریر کی ہے:

فَلَمَّا حَمَلَ عَلَيْهِمْ خَالِدٌ هَزَمُوهُمْ بِأَذِينِ اللَّهِ وَاللَّهُ
أَعْلَمُ۔

(1)

”جب حضرت خالد نے رومی شکر پر حملہ کیا تو اللہ کی تائید سے انہیں شکست فاش دی۔ واللہ اعلم“

جن دُشمنوں کو اہل مدینہ نے بھگوزا کہا تھا اور جن کے منہ پر مٹی پھینکی تھی وہ سارا لشکر اسلام نہ تھا بلکہ وہ چند افراد تھے جنہوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کے بعد اور حضرت خالد کے زمام قیامت سنبھالنے سے پہلے جب حالات کو از حد تشویش ناک دیکھا تو وہ جان بچانے کے لئے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ صرف ان چند افراد پر اہل مدینہ نے خاک افشانی کی تھی۔

آپ خود انصاف فرمائیے کہ اسلام کے تین ہزار مجاہدوں کا کھ سے زائد رومی لشکریوں کے ساتھ جنگ آزما ہوئے۔ اور یہ جنگ سات روز تک جاری رہی۔ اسی جنگ میں حضرت خالد کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں لیکن مسلمانوں کے صرف بارہ مجاہد شہید ہوئے اور بقیہ مجاہدین بخیر و عافیت واپس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ کیا اس سے بڑی کوئی فتح یابی ہو سکتی ہے؟ مسلمان اتنے بڑے لشکر سے جنگ آزما ہوئے تھے، چاہئے تو یہ تھا کہ مسلمان مجاہدین سے کوئی بھی بچ کر نہ آتا لیکن صرف بارہ مسلمانوں کا شہادت پانا اور بقیہ سارے لشکر کا بخیریت واپس آنا اور حقیقت بے مثال فتح یابی ہے۔

غزوہ موتہ کے شہیدوں کے اسماء گرامی

جنہوں نے اپنی جانیں دے کر دولاکھ رومی سپاہیوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔

- (1) حضرت زید بن حارثہ (2) حضرت جعفر بن ابی طالب (3) حضرت عبداللہ بن رواحہ (4) مسعود بن الاسود (5) وہب بن سعد بن ابی سرح (6) عباد بن قیس (7) حارث بن نعمان (8) سراقہ بن عمرو (9) ابو کلیب بن عمرو بن زید (10) جابر بن عمرو بن زید (یہ دونوں گئے بھائی تھے) (11) عمرو (12) عامر۔ یہ دونوں بھی گئے بھائی تھے اور سعد بن حارث بن عباد کے فرزند تھے۔ (1)

رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ وَجَزَاهُمْ عَنِ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِينَ
خَيْرَ الْجَزَاءِ وَوَقَعْنَا لِإِتِّبَاعِهِمْ فِي سَبِيلِ سَاقِرِ كَلِمَةِ اللَّهِ

خاندان حضرت جعفر طیار سے تعزیت

شہید اہل بیت حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفیقہ حیات حضرت اسماء بنت عمیس فرماتی ہیں کہ جس روز موتہ کے میدان جنگ میں حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں نے شہادت کا شرف حاصل کیا، اس روز رحمت عالمیان ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا۔ جعفر کے بیٹوں کو میرے پاس لے آؤ۔ میں انہیں لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئی تو حضور نے انہیں پیار سے سونگھے۔ حضور کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے ٹپکتے لگے یہاں تک کہ ریش مبارک بھیگ گئی۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ حضور کیوں رو رہے ہیں، کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی اطلاع ملی ہے؟ فرمایا۔ ہاں! وہ آج شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر بے ساختہ میری چیخ نکل گئی۔ میری چیخ سن کر بہت سی عورتیں جمع ہو گئیں۔ ہادی برحق ﷺ نے اس وقت مجھے ارشاد فرمایا:

يَا أَسْمَاءُ لَا تَقُولِي هَجْرًا وَلَا تَضْرِبِي خَدًّا

”اے اسماء! کوئی بیہودہ بات زبان پر نہ لانا اور اپنے رخساروں کو ہلانے

نہ مارنا۔“

پھر سرور عالم ﷺ نے حضرت جعفر کے لئے اس طرح دعا فرمائی:

وَقَالَ اللَّهُمَّ قَدِّمَهُ يُعْنِي جَعْفَرًا إِلَى أَحْسَنِ الثَّوَابِ وَ
اخْلُقْهُ فِي ذُرِّيَّتِهِ بِأَحْسَنِ مَا خَلَقْتَ أَحَدًا مِنْ عِبَادِكَ
فِي ذُرِّيَّتِهِ -

(1)

”اے اللہ! جعفر کو بہترین ثواب عطا فرما اور اے اللہ! تو جعفر کی اولاد کے لئے اس کا بہترین قائم مقام بن جس طرح اپنے بندوں میں سے اپنے کسی بندے کا ان کی اولاد کے لئے قائم مقام ہوا ہے۔“

اس کے بعد نبی مکرم ﷺ اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے اور اپنے اہل خانہ کو فرمایا۔ جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرنے میں غفلت نہ کرنا۔ آج انہیں کھانا پکانے کا ہوش نہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ بھوکے رہیں۔

حضرت جعفر کے صاحبزادے عبد اللہ فرماتے ہیں کہ:

نبی اکرم ﷺ کی خادمہ سلمیٰ نے جو صاف کئے۔ پھر انہیں پیسا، پھر چھان کر گوند حل۔ زیتون سے سالن تیار کیا۔ اس کے اوپر سیاہ مرچیں چھڑکیں۔ میں نے وہ کھانا کھایا۔ سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین روز مجھے اپنے پاس رکھا۔ جس ام المومنین کی باری ہوتی، وہاں حضور تشریف لے جاتے اور مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔ تین روز بعد مجھے اپنے گھر آنے کی اجازت ملی۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ میت والوں کے لئے جو کھانا پکا کر بھیجا جاتا ہے اس کی اساس حضور کا یہی عمل مہرک ہے۔ تعزیت کے موقع پر جو کھانا پکایا جاتا ہے اہل عرب اسے ”الوضیمہ“ کہتے ہیں۔ شادی کے موقع پر جو کھانا پکایا جاتا ہے اسے ”الولیمہ“ کہتے ہیں۔ کسی مسافر کی آمد پر جو دعوت دی جاتی ہے۔ اسے ”النتیعہ“ کہتے ہیں۔ مکان تعمیر کرنے کے موقع پر جو ضیافت کی جاتی ہے اسے ”الوکیرہ“ کہتے ہیں۔ (2)

امام احمد بن حنبل نے صحیح سند سے یہ روایت بیان کی ہے:

تین روز تک حضور ان کے گھر نہیں گئے۔ اس کے بعد ان کے ہاں قدم رنجہ فرمایا اور

انہیں حکم دیا کہ آج کے بعد تمہیں میرے بھائی (جعفر) پر رونے کی اجازت نہیں۔ پھر آپ کے دونوں صاحبزادوں محمد اور عبداللہ کو طلب فرمایا، وہ حاضر ہوئے تو ان کے سروں کے بال مونڈ دیئے۔ پھر فرمایا کہ محمد تو ہمارے چچا بو طاب سے مشابہت رکھتا ہے اور عبداللہ صورت و سیرت میں میرے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ پھر سارے خاندان کے لئے دعا فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن جعفر فرماتے ہیں کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے لئے یہ دعا فرمائی:

(1) اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهٗ فِي صَفَقَةِ يَوْمَيْنِهِ

”لمی! جو سودا یہ کریں اس میں برکت عطا فرما۔“

حضور کی اس دعا کی ایسی برکت ہوئی کہ جب بھی میں نے کوئی چیز خریدی یا فروخت کی مجھے نفع ہی ہوا۔ اسی وقت ان کی والدہ پہنچ گئیں اور حضور کی خدمت میں عرض کی کہ اب یہ بچے یتیم ہو گئے ہیں۔ اور بڑے حزن و ملال کا اظہار کیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا اٰہَا الْعِیْلَةُ تَحَاوِیْنَ عَلَیْہُمْ وَاَنَا وَلِیُّہُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اے اسماء! تم اس لئے خائف ہو کہ اب یہ مشن و محتاج ہو جائیں گے۔ میں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ان کا ولی و سرپرست ہوں۔ (2)

ایک روز سرورِ عالم ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ حضور نے سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا ”وَعِیْکُمُ السَّامِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ“ حاضرین نے عرض کی، حضور نے کس کو سلام کا جواب دیا ہے۔ فرمایا ابھی جعفر بن ابی طالب فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ میرے پاس سے گزرے اور انہوں نے مجھے سلام کہا۔ اس کے جواب میں میں نے بھی انہیں سلام کہا۔ (3)

طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رحمت کائنات ﷺ نے ایک روز فرمایا کہ میں رات کو جنت میں گیا۔ وہاں میں نے جعفر بن ابی طالب کو فرشتوں کی معیت میں پرواز کرتے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کٹے ہوئے دو بازوؤں کے بدلے انہیں دو پر عطا فرمائے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ جعفر جبریل و میکائیل کے ساتھ اڑ رہے تھے۔

ان دو پروں کی حقیقت کیا تھی؟ علامہ سہیلی فرماتے ہیں:

کہ ان دو پروں سے مراد وہ ملکوتی صفت اور روحانی قوت ہے جس کے باعث آپ میں پرواز کرنے کی طاقت پیدا ہو گئی تھی۔ (1)

لشکر اسلام کی مدینہ منورہ واپسی

حضرت خاتمہ اپنی خدا داد جنگی عبقریت کے باعث اسلامی لشکر کو اپنے سے چھپا سٹھ گنا زیادہ لشکر کے حصار سے نکال لانے میں کامیاب رہے۔ انہوں نے اپنی منہی بھر فوج کے ساتھ ایسی شدید جنگ لڑی جس نے دشمن کے چھکے چھڑا دیئے۔ اسی مرحلہ پر آپ کے ہاتھ میں پے در پے نو تلواریں نوٹی تھیں۔ آپ کے تابڑ توڑ حملوں نے دشمن کو اس قدر خوفزدہ اور سر اسیمہ کر دیا کہ جب مجاہدین میدان جنگ سے واپس ہوئے تو اتنی افرادی طاقت کے باوجود انہیں جرأت نہ ہوئی کہ مسلمانوں کا تعاقب کر سکیں۔ جہاں تھے وہیں ٹھٹھرا کر رہ گئے۔ مجاہدین اسلام بڑے اطمینان سے اپنے مرکز مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب اس لشکر کے قریب پہنچنے کی اطلاع مدینہ پہنچی تو ان مجاہدین کی پیشوائی کے لئے حضور پر نور ﷺ اپنے صحابہ کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے۔ مسلمان بچے بھی کثیر تعداد میں ساتھ ہو گئے۔ وہ گیت گارہے تھے اور گے آگے دوڑتے جارہے تھے۔ رؤف و رحیم نبی کو بچوں کی یہ تکلیف گوارا نہ ہوئی۔ حکم دیا کہ ہر سوار اپنے ساتھ ایک بچہ بٹھائے۔ اسلام کے بطل جلیل حضرت جعفر شہید کے فرزند حضرت عبداللہ کو حضور نے اپنی سواری پر آگے بٹھایا۔ جب وہ شکر سامنے آیا تو نوگوں نے خصوصاً بچوں نے منٹھیاں بھر بھر کر ان پر منی پھینکنی شروع کر دی اور اس جگر گداز طعن سے ان کا استقبال کیا۔ **يَا قُذْرًا قُذِرَتْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ** ۱۷ بھگوزو! تم راہ خدا میں جہاد کرنے سے بھاگ آئے ہو۔ اس زندگی سے تو میدان جہاد میں کٹ مرنا تمہارے لئے باعث عزت و سرفرازی تھا۔ رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ و السلام نے یہ جملے سنے تو فوراً ارشاد فرمایا:

لَيْسُوا بِالْفُزَارِ وَلَكِنَّهُمْ الْكُرَّاطُونَ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

”یہ بھاگنے والے نہیں ہیں بلکہ یہ بار بار حملہ کرنے والے ہیں، ان شاء

اللہ تعالیٰ

ان میں سے بہت سے لوگ ان کے طعنوں کی تاب نہ لا کر خانہ نشین ہو گئے اور اپنے دروازے بند کر دیے۔ اگر کوئی ان کے دروازے کو کھٹکھٹاتا تو دروازہ نہ کھولتے۔ انہیں یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں کوئی پر جوش نوجوان ان کو مطعون کرنے کے لئے نہ دھمکا ہو۔ بعض حضرات تو ان طعنوں کے ڈر سے نماز کے لئے بھی مسجد نبوی میں حاضر نہ ہو سکتے اور گھر میں ہی نمازیں ادا کر لیتے۔ بندہ نواز آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جاں نثاریوں کی دلجوئی اور ان کو اس محضہ سے نکالنے کے لئے خاص آدمی بھیج کر اپنے پاس بلا تے اور انہیں تسلی دینے کے لئے فرماتے:

أَنْتُمْ أَكْثَرُ أَدْوَانٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

یعنی تم بھگوڑے نہیں ہو بلکہ تم پلٹ پلٹ کر دشمن پر حملہ کرنے والے ہو۔ چند مہینے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کے بعد حالات کی سنگینی سے ہر سب ہو کر وہاں سے چلے آئے تھے۔ جب وہ واپس مدینہ پہنچے تو انہیں حوصلہ نہ ہوا کہ دن کی روشنی میں شہر میں داخل ہوں۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو چپکے سے اپنے گھروں میں داخل ہوئے اور چھپ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے باہمی مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ اپنے آپ کو اپنے بادی و مرشد کی خدمت میں پیش کر دیں اور اپنی غلطی کے لئے معذرت طلب کریں۔ اگر حضور نے مناسب سمجھا تو ہمیں توبہ کی تلقین فرمائیں گے اور ہم توبہ کر لیں گے۔ ورنہ یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ صبح و مساء طعنوں کے تیروں کی بارش برداشت کرنے کی ہم میں سکت نہیں۔ چنانچہ یہ لوگ صبح کی نماز سے پہلے اندھیرے منہ و راندس پر پہنچے۔ حضور نے پوچھا: **هَيْنَ الْقَوْمُ؟** آپ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بعد ندامت عرض کیا: **فَضْنُ الْفَرَّادُونَ** ہم وہی بھگوڑے ہیں، درحمت پر معذرت خواہی کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔

عفو و درگزر کے پیکر جمیل، اس دل نواز آقا نے فرمایا: **أَنْتُمْ الْعَكَارُونَ وَأَنَا فَخْتُكُمْ** (۱) ”نہیں، تم بھگوڑے نہیں ہو بلکہ تم دشمن پر پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو اور میں بھی تم میں سے ہوں۔“

یہ روح پرور ارشاد سن کر ان کی پریشانیوں کا فور ہو گئیں اور ان کے غمزدہ دلوں میں مسرت

کی لہر دوڑ گئی۔ اس ذرہ نوازی پر اظہار تشکر و فرحت کے لئے وہ آگے بڑھے اور اپنے رؤف و رحیم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک کو فرط عقیدت سے چوم لیا۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى نَبِيِّهِ الرَّؤُوفِ الرَّحِيْمِ وَعَلَى اٰلِهِ
اَصْحَابِهِ اِلَى يَوْمِ الدِّيْنِ لَا سَمْعًا عَلٰى الشَّهَادَةِ
الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

علماء سیرت اس جنگ کو جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنفس نفیس شرکت کی ہو غزوہ کہتے ہیں اور جس جنگ میں خود شرکت نہ کی ہو بلکہ اپنے کسی صحابی کو اس لشکر کا سالار مقرر کر کے بھیجا ہو، اسے سر یہ کہتے ہیں۔ یہ جنگ موت، اس اصطلاح کے مطابق غزوہ نہیں ہوگی بلکہ سر یہ شمار ہوگی۔ لیکن امام بخاری نے اسے غزوہ کہا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ صحابہ کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اس جنگ کے نتائج بہت دور رس تھے اس لئے اسے آپ نے غزوہ کہا ہے۔

سر یہ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سر یہ ذات السلاسل

مدینہ طیبہ سے دس رات کے فاصلہ پر وادی ذات القریٰ کی دوسری طرف ”ملی“ اور ”عذرہ“ قبیلوں کا علاقہ تھا۔ ملی، بہت بڑا قبیلہ تھا ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ ملی بن عمرو بن الحنف بن قضاہ اور عذرہ کا سلسلہ نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔ عذرہ بن سعد بن قضاہ۔

اس سے پتا چل گیا کہ یہ دونوں قبیلے قبیلہ قضاہ کی شاخیں ہیں۔ اس سر یہ کو سر یہ ذات السلاسل بھی کہا جاتا ہے کیونکہ مشرکین نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں سے جکڑ رکھا تھا تاکہ کوئی شخص میدان جنگ سے بھاگنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے۔ لیکن جب اللہ کے شیروں کا لشکر ان کے علاقہ میں پہنچا تو ان کی آمد کا سنتے ہی مشرکین پر ایسا رعب طاری ہوا کہ انہوں نے خود زنجیروں کو توڑا یا کھولا اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہاں ایک چشمہ تھا جس کا نام سلاسل تھا۔ اس کی وجہ سے یہ سر یہ اس نام سے مشہور ہوا۔ اس سر یہ کے بھیجنے کا سبب یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کو اطاع ملی کہ قضاہ قبیلہ نے کثیر تعداد میں اپنے نوجوانوں کو جمع کیا ہے اور وہ مدینہ طیبہ کے اطراف میں سوٹ مار کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ یہ اطلاع ملتے ہی حضور انور ﷺ نے

عمر بن العاص کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے پارچات اور ہتھیار لے کر فوراً حاضر ہوں۔ یہ حکم سنتے ہی آپ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں تین صد مجاہدین کے جتھہ کا امیر مقرر کیا۔ اس جتھہ میں مہاجرین و انصار کے چیدہ چیدہ افر و شامل تھے۔ ان کے ساتھ تیس گھڑ سوار تھے۔ حضرت عمرو بن العاص کو سرور عالم ﷺ نے ایک سفید علم ارزانی فرمایا اور یہ لشکر بنی قضاہ کی اس سازش کو ناکام بنانے کے لئے جمادی الثانی سنہ 8 ہجری میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوا۔

مجاہدین دن کو کہیں چھپ کر آرام کرتے اور رات کی تاریکی میں سفر کرتے۔ جب وہ قضاہ کی حدود کے قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ دشمن نے ان کے اندازے سے کہیں زیادہ جم غفیر جمع کر رکھا ہے۔ قائد شکر نے رفاعہ بن مکیث انجینی کو حضور کی خدمت میں بھیجی اور مزید کمک بھیجنے کی درخواست کی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے دو سو مجاہدین کا ایک در جتھہ ان کی مدد کے لئے روانہ کیا اور اس جتھہ کی قیادت حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو تفویض فرمائی۔ حضرت ابو عبیدہ ان دس خوش بخت صحابہ سے ہیں جن کو رحمتِ عالم ﷺ نے اس دنیا میں ہی جنتی ہونے کا مژدہ سنایا تھا۔ اس دستہ میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم جیسے جمیل القدر فرزند ان اسلام شامل تھے۔ حضور پر نور نے حضرت ابو عبیدہ کو رخصت کرتے ہوئے آخری نصیحت یہ فرمائی:

أَنْ تَكُونُوا جَمِيعًا وَلَا تَخْتَلِفًا

”تم دونوں متحد رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔“

جب یہ دستہ وہاں پہنچا تو نماز کا وقت ہو گیا۔ حضرت ابو عبیدہ امامت کرانے کے لئے آگے بڑھے تو حضرت عمرو بن العاص نے آپ کو روک دیا اور کہا لشکر کا میر میں ہوں، آپ کو میری مدد کے لئے بھیجا گیا ہے، آپ کو میری اطاعت کرنا ہوگی۔ حضرت ابو عبیدہ نے جواب دیا کہ آپ اپنے لشکر کے امیر ہیں، میں اپنے لشکر کا امیر ہوں۔ لیکن حضرت عمرو نے جب امامت کرانے پر اصرار کیا تو حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا:

يَا عَمْرُو إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

فِي لَا تَخْتَلِفُ وَإِنْ كُنْتَ إِنْ عَصَيْتَنِي أَطَعْتُكَ

”اے عمرو! مجھے میرے آقا نے اختلاف کرنے سے منع کیا تھا۔ اگر تو

میری نافرمانی کرتا ہے تو میں تیری اطاعت کے لئے تیار ہوں تاکہ میں حضور کے حکم کی تعمیل کر سکوں۔“

چنانچہ اس کے بعد حضرت عمرو بن امامت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ جب یہ لشکر ملی اور عذرہ قبیلہ کے مسکن تک پہنچا تو مجاہدین اسلام نے حمد کر دیا۔ وہ لوگ صرف ایک گھنٹہ تک جنگ جاری رکھ سکے پھر ان کے قدم اکھڑ گئے اور انہوں نے راہ فرار اختیار کر لی اور سارے علاقہ میں تتر بتر ہو گئے۔ مسلمانوں نے تین روز تک وہاں قیام کیا۔ ان دنوں میں سوار ادھر ادھر جاتے اور بکریاں اور بھیڑیں پکڑ کر لے آتے، انہیں ذبح کر کے ان کا گوشت پکاتے اور کام و دہن کی تواضع کا اہتمام کرتے۔ اس سر یہ میں کوئی ماں غنیمت ہاتھ نہیں آیا جو مجاہدین میں تقسیم کیا جاتا۔ (1)

لیکن علامہ بخاری، ”انساب الاشراف“ میں تحریر کرتے ہیں :

وَقَتَّلَ مِنْهُمْ مَقْتَدَةَ عَظِيمَةَ وَغَنِمَ
(2)
”عمرو بن العاص نے ان پر حمد کر کے ان کے بہت سے جوانوں کو قتل کیا اور انہیں بہت مال غنیمت ملا۔“

جاڑے کا موسم تھا اور کڑکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ مجاہدین نے سردی سے بچو کے لئے آگ جلا کر اسے تاپنا چاہا لیکن حضرت عمرو بن العاص نے لوگوں کو سگ جلانے سے روک دیا۔ مجاہدین نے حضرت صدیق اکبر سے رابطہ قائم کیا۔ انہیں عرض کی کہ سب بھلا کی سردی میں کھلے آسمان کے نیچے آگ جلا کر تاپنے کی اجازت نہ ملی تو وہ ٹھنڈے سرد توڑ دیں گے۔ حضرت صدیق نے امیر لشکر سے گزارش کی کہ مجاہدین کو آگ جلانے کی اجازت دیں۔ لیکن انہوں نے سختی سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ جس نے آگ جلائی میں اس کو اسی آگ میں جھونک دوں گا۔ حضرت فاروق اعظم، حضرت عمرو بن العاص کے اس رویہ سے بہت براہم ہوئے اور چاہا کہ امیر لشکر سے بات کریں لیکن حضرت صدیق اکبر نے آپ کو ایسا کرنے سے منع کر دیا اور فرمایا :

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَبْعَثْهُ عَلَيْنَا

يَا أَيُّهَا الْعَمَلُ بِالْحَوْبِ فَسَكَّتْ عَنْهُ۔

(1)

”رسول اللہ ﷺ نے انہیں صرف اس لئے ہمارا امیر بنایا ہے کہ وہ جنگی

امور کو خوب جانتے ہیں۔ حضرت عمرو خاموش ہو گئے۔“

آخر دشمن سے جنگ ہوئی۔ دشمن کو شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگنے کے علاوہ اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ جب دشمن بھاگ نکلا تو مجاہدین نے اس کا تعاقب کرنا چاہا تو حضرت عمرو نے نہیں تعاقب کرنے سے روک دیا۔ مجاہدین کو حضرت عمرو کی یہ قدغن بھی پسند نہ آئی۔ چنانچہ جب یہ لشکر بخیریت مدینہ واپس پہنچا تو مجاہدین نے حضور کی خدمت اقدس میں اپنے امیر کے خلاف شکایتیں کیں کہ انہوں نے ہمیں لگ جانے کی اجازت نہیں دی ہم سردی کے باعث ٹھنہرتے رہے۔ نیز ہم نے دشمن کو شکست فاش دی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا ہم نے اس کا تعاقب کرنا چاہا لیکن امیر شکر نے اس کی بھی ہمیں اجازت نہ دی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت عمرو کو برا کر وجہ چڑھی تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے نہیں لگ جانے کی اجازت اس کے نہیں دی کہ لگ کی روشنی میں دشمن کو معلوم ہو جاتا کہ ہماری تعداد بہت تھوڑی ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ دوبارہ پیٹ کر حملہ کرنے کی کوشش کرے۔ ورمجاہدین کو ان کے تعاقب سے اس کے منع کیا کہ میدان کی کمک کے لئے نوحی علاقہ کے مشرک قبل جائیں اور ہم کسی مشکل میں پھنس جائیں۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت عمرو بن اعص کے طرز عمل کو بہت سراہا۔ (2)

امام مسلم اور امام بخاری دونوں نے یہ روایت اپنی صحیحین میں نقل کی ہے جو آپ کے مطاعہ کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ اس حدیث نے راوی خود حضرت عمرو بن اعص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ انہوں نے کہا:

”جب ہم اس سر یہ سے واپس آنے تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھے اس لشکر کا قائد بنایا جس میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر جیسی ہستیوں تھیں۔ یقیناً حضور کے نزدیک میرا مرتبہ بہت بلند ہے۔ تبھی تو مجھے یہ شرف رزنی فرمایا۔ چنانچہ میں آیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت

اقدس میں آکر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنے اس خیال کی تصدیق حضور سے کرنا چاہی۔ میں نے عرض کی، يَا رَسُولَ اللَّهِ: أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ يَا رَسُولَ! سب لوگوں سے آپ کو محبوب کون ہے؟ قَالَ عَائِشَةُ فرمایا۔ عائشہ۔ میں نے عرض کی کہ میں ازواج مطہرات کے متعلق استفسار نہیں کر رہا بلکہ دوسرے مسلمانوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔ فرمایا، ان میں سب سے زیادہ محبوب عائشہ کے باپ ہیں۔ میں نے عرض کی، ان کے بعد۔ فرمایا عمر۔ میں یہ سوال بار بار دہراتا رہا۔ حضور دوسرے نیاز مندوں کے نام لیتے رہے لیکن میرے نام کی باری نہ آئی۔ حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں طے کر لیا کہ آئندہ اس موضوع کو ہر گز نہیں چھیروں گا۔ (1)

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی طے ہو گیا کہ افضل کی موجودگی میں مفعول کو قائم بنایا جاسکتا ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ مفعول میں اس خاص مہم کو انجام دینے کے لئے افضل سے زیادہ صلاحیت ہو۔

سریہ ابی عبیدہ بن جراح

جہینہ کا قبیلہ بحر حمر کے ساحل پر آباد تھا۔ حضور سرور عالم ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ اس قبیلہ کی ایک شاخ آمادہ شر و فساد ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ کو تقریباً تین صد تیرہ مجاہدین کا امیر بنا کر ان کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ ان مجاہدین میں حضرت عمر بن خطاب بھی شریک تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے مجاہدین کی خوراک کے لئے کھجوروں کا بھر اہوا ایک تھیلا مرحمت فرمایا کیونکہ اس سے زیادہ سامان رسد دینے کے لئے گنجائش ہی نہ تھی۔ (2)

امام بخاری، حضرت جابر کی روایت سے اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسليم نے ساحل سمندر کی طرف ایک دستہ بھیجا جس کی تعداد تین صد تھی۔ اس کا امیر

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ چنانچہ ہم روانہ ہوئے۔ ہم بھی راستہ میں ہی تھے کہ کھجوروں کا وہ تھیلا جو حضور نے مجاہدین کی خوراک کے لئے مرحمت فرمایا تھا، ختم ہو گیا۔ حضرت ابو عبیدہ نے تمام مجاہدین کو حکم دیا کہ جس کے پاس کھانے کو کوئی چیز ہو وہ یہاں لے آئے۔ چنانچہ سب نے جو کچھ کسی کے پاس تھا کر پیش کر دیا۔ ان کھجوروں سے وہ برتن بھر گیا جو کھجوریں ذخیرہ کرنے کے لئے ہمارے ہمراہ تھے۔ حضرت ابو عبیدہ ہر روز ہر مجاہد کو کھجوروں کی ایک مٹھی بھر کر دیتے۔ اس پر ہمیں آٹھ پہر گزارنے پڑتے۔ چند روز کے بعد جب یہ کھجوریں بھی ختم ہونے کے قریب پہنچ گئیں تو آپ نے کھجوروں کی ایک مٹھی دینے کی بجائے مجاہدین کو اب کھجور کا ایک ایک دانہ عطا کرنا شروع کیا۔ وہب بن کیسان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر سے پوچھا کہ ایک کھجور سے تمہارا کیسے گزارا ہوتا تھا، تم اس ایک دانہ کو کیا کرتے تھے؟ حضرت جابر نے کہا کہ ہم اسے چوتے رہتے جیسے شیر خوار بچہ مال کا دودھ چوستا ہے۔ وہ دانہ کھجور جب ختم ہو جاتا تو ہم اس کے بعد پانی پی لیتے اس طرح ہمارے آٹھ پہر گزر جاتے۔ اور ہمیں اس ایک کھجور کی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہوا کہ جب کھجوریں بالکل ختم ہو گئیں اور ہمیں ایک دانہ بھی نہ ملا۔ جب کھجوریں بالکل ختم ہو گئیں تو پھر اپنی کمانوں سے درختوں کے پتے جھاڑ کر جمع کرتے۔ پھر انہیں پانی میں بھگو دیتے۔ جب نرم ہو جاتے تو پھر ہم انہیں کھاتے۔ ان پتوں کو پیہم کھانے سے ہمارے ہونٹ زخمی ہو گئے اور سوج کر اونٹ کے ہونٹوں کے برابر ہو گئے۔ ہمیں تین ماہ تک وہاں رکن پڑا۔ اور یہی بھیگے ہوئے پتے ہماری خوراک تھی۔ (۱)

ان مجاہدین میں ہو خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ کے فرزند قیس بھی شامل تھے۔ ان سے اپنے ساتھیوں کی یہ خستہ حالی دیکھی نہ گئی۔ انہوں نے باآواز بند اعلان کیا کہ کوئی شخص مجھ سے اونٹوں کے بدلے کھجوریں خریدنے کے لئے تیار ہے۔ وہ اب اونٹ مجھے دے دے اور میں اسے یہ کھجوریں مدینہ طیبہ واپس جا کر دے دوں گا۔ جہینہ قبیلہ کا ایک آدمی قیس کو مل گیا۔ آپ نے اسے کہا کہ میرے ہاتھ اونٹ فروخت کر دو، میں اونٹ کی قیمت مدینہ طیبہ کی کھجوروں کی شکل میں ادا کروں گا۔ اس شخص نے کہا کہ میں آپ کو نہیں جانتا ذرا اپنا تعارف تو کرائیں۔ قیس نے کہا میں قیس بن سعد بن عبادہ بن دیم ہوں۔ اس

شخص نے کہا مجھے اب مزید تفصیل کی ضرورت نہیں، میرے لئے یثرب کے سردار سعد کا نام ہی کافی ہے۔ قیس نے اس سے پانچ اونٹ خریدے اور فی اونٹ ایک وسق کھجور اس کی قیمت طے ہوئی۔ (وسق، ایک پیانہ ہے جو ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے) اس اعرابی نے کہا کہ میں فلاں قسم کی کھجوریں لوں گا۔ قیس نے کہا میں تجھے اسی قسم کی کھجوریں دوں گا۔ چنانچہ چند مہاجر اور انصار اس سودے کے گواہ مقرر کئے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گواہ بننے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا یہ قرضہ سے رہا ہے حالانکہ اس کے پاس سچہ بھی نہیں۔ سارا مال تو اس کے باپ کا ہے۔ اس نے میں اس سودے کا گواہ نہیں جتا۔

جہنی نے کہا کہ قیس کا باپ اپنے اس خوبرو اور نیک خصال بچے کے اس وعدہ کو جھوٹا نہیں ہونے دے گا۔ قیس نے پانچ اونٹ لے لئے اور ہر روز ایک اونٹ ذبح کر کے مجاہد بھائیوں کو کھلاتے رہے۔ تین دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ چوتھے روز امیر لشکر نے قیس کو اونٹ ذبح کرنے سے روک دیا۔ کہا اے قیس! تیرے پاس مال تو ہے نہیں۔ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم اپنا معبدہ توڑنے پر مجبور ہو جاؤ اور معبدہ شکن کہاؤ؟ قیس نے جواب دیا۔ آپ میرے باپ کو جانتے ہیں وہ لوگوں کے قرضے ادا کرتا ہے۔ وہ دوسروں کا بوجھ خوشی سے اپنے سر اٹھا لیتا ہے اور زمانہ قحط میں بھی لوگوں کو کھانا کھاتا ہے۔ کیا وہ میرے ذمہ جو کھجوریں ہیں وہ انہیں ادا کرنے میں بخل سے کام لے گا؟ حالانکہ یہ بوجھ میں نے محض اپنے مجاہد بھائیوں کو فاقہ کشی سے نجات دمانے کے لئے ٹھہرایا ہے۔ قیس کے اس جواب سے حضرت ابو عبیدہ تو نرم پڑ گئے لیکن حضرت عمر فاروق نے انہیں کہا کہ وہ قیس کو سختی سے منع کریں۔ ان پانچ اونٹوں سے تین اونٹ ذبح کر دیئے گئے، باقی دو اونٹ بچ گئے۔ واپسی پر وہ مجاہدین کی سواری کے کام آئے۔ مجاہد باری باری ان پر سوار ہوتے رہے۔

حضرت سعد بن عبادہ کو جب مجاہدین کی فاقہ کشی کے بارے میں علم ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ اس فاقہ کشی کی حاست میں تم نے کیا کیا؟ قیس نے بتایا کہ میں نے ایک اونٹ ذبح کیا اور اپنے ساتھیوں کو کھلایا۔ پوچھا پھر؟ کہا دوسرے دن بھی اونٹ ذبح کر کے مجاہدین کی خدمت میں پیش کیا۔ پوچھا پھر؟ کہا تیسرے دن بھی اونٹ ذبح کیا۔ کہا پھر؟ کہا پھر مجھے ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا۔ پوچھا کس نے منع کیا؟ کہا امیر لشکر نے۔ پوچھا کیوں؟ کہا کہ انہوں نے خیال کیا تو نادار ہے۔ جو مال ہے وہ تیرے باپ کا ہے۔ یہ سن کر

حضرت سعد بولے کہ میں نے کھجوروں کے چار باغ تمہیں دے دیئے۔ ان میں سے جو گھٹیا باغ ہے، اس سے پچاس وسق کھجوریں تمہیں حاصل ہوں گی (۱) حضرت سعد نے یہ چاروں باغ لکھ کر اپنے بیٹے قیس کو دے دیئے۔ اور حضرت ابو عبیدہ اور دیگر صحابہ نے بطور گواہ دستخط کئے۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ وہاں سے ہم سائل سمندر پر آئے۔ سمندر کی ہروں نے ایک بہت بڑی مچھلی سائل پر اچھال دی۔ اس مچھلی کو عنبر کہتے ہیں۔ یہ سانچہ زربسی ہوتی ہے۔ ہم نے آج تک اتنی بڑی مچھلی نہیں دیکھی تھی۔ دور سے یہ بڑے نیلے کی مانند نظر آتی تھی۔ ہم اسے اٹھا کر لے آئے اور جتنا عرصہ (پندرہ یا اٹھارہ دن یا پورا مہینہ) ہم وہاں رہے اس مچھلی کا گوشت بھون بھون کر کھاتے رہے۔ ہماری تعداد تین صد تھی۔ اس کا گوشت کھانے سے ہماری صحت پر بڑا اچھا اثر پڑا۔ ہمارے چہرے سرخ اور بدن فرہ ہو گئے۔ ہم اس کا تیل اپنے بالوں کو لگاتے تھے اور جسم پر مالش کرتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ نے اس کی ایک پسلی کھڑی کرنے کا حکم دیا۔ پھر اپنے لشکر میں جو سب سے دراز قامت تھے، اس کو بلیا اور سب سے قد آور اونٹ منگو لیا اس پر اس مجاہد کو سو رکیا، وہ اس پسلی کے نیچے سے گزرا، اس کا سر اس پسلی کے ساتھ نہیں ٹکرایا۔ ہم نے اس کے گوشت کے ٹکڑے بطور زاد راہ اپنے ساتھ رکھ لئے۔ ابو حمزہ خولانی کہتے ہیں کہ ہر مجاہد نے اپنی خواہش کے مطابق گوشت رکھ لیا اور ٹینوں میں اس کی چربی ڈال لی اور ہمراہ لے آیا۔

حضرت جابر سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ طیبہ پہنچے دربار گاہ راستہ میں حاضر ہوئے تو ہم نے اسے مچھلی کا ذکر کیا۔ حضور نے فرمایا رَزَقَ أَخْرَجَهُ اللَّهُ لَكَ يَوْمَ رَزَقَ تَهْ جَوَّالِدُ تَعَالَى نے سمندر سے نکال کر تمہیں دیا۔“

پھر دریافت فرمایا، اس کا کچھ گوشت تمہارے پاس ہے؟ ہم نے پیش خدمت کیا۔ حضور نے تناول فرمایا۔

رحمت عالم ﷺ کو جب قیس کے ایثار و سخاوت کا واقعہ عرض کیا گیا تو فرمایا بِرَأْسِ الْجَوْوَدِ لَيْسَ شَيْمَةً أَهْلَ ذَلِكَ أَبْيَتِ سَخَاوَتِ تَوَّاسِ خَانِدَانِ کے افراد کی فطرت ہے۔“ (2)

1- ایضاً و عدمہ علی بن برہا الدیر عمی شافعی، "السیرۃ الخلیفہ"، مصر، مکتبہ معظی السی 1349ھ، جلد 2، صفحہ 315
2- ایضاً، صفحہ 278 و "السیرۃ الخلیفہ"، جلد 2، صفحہ 315

اس سر یہ کے بھیجنے کی وجہ

اس سر یہ کے بھیجنے کی کیا وجہ تھی؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:-

(1) بحر احمر کے ساحل کے قریب آباد جہینہ قبیلہ کی ایک شاخ نے فتنہ و فساد برپا کرنے کی تیاری کر لی تھی۔ سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی گوشاہی کے لئے حضرت ابو عبیدہ کی قیادت میں یہ سر یہ روانہ فرمایا جس میں تین صد مجاہدین شریک تھے۔

(2) اطلاع ملی کہ کفار مکہ کا ایک تجارتی کارواں واپس مکہ جا رہا ہے۔ اس پر حملہ کرنے کے لئے یہ سر یہ روانہ کیا گیا۔ جہاں تک اس سر یہ کو بھیجنے کی تاریخ کا تحقق ہے، اکثر حضرات کی یہ رائے ہے کہ ماہِ رجب سنہ 8 ہجری کو یہ سر یہ بھیجی گیا۔

لیکن اہل تحقیق نے ان دونوں قولوں پر عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر پہلے قول کو صحیح مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ نے اشہر حرم میں جہینہ کی سرکوبی کے لئے اپنا لشکر روانہ فرمایا، یہ درست نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مہینوں میں جنگ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

يَسْتَأْذِنُكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ
كَبِيرٌ

”پوچھتے ہیں آپ سے ماہِ حرام میں جنگ کرنے کا کیا حکم ہے آپ فرمائیے کہ لڑائی کرنا اس میں بڑا گنہ ہے۔“ (1)

رجب کا مہینہ بھی ان حرمت والے مہینوں سے ہے، اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس فرمانِ الہی کی موجودگی میں نبی اکرم ﷺ نے ماہِ رجب میں مجاہدین کو حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا ہو؟

اور اگر دوسرا قول صحیح تسلیم کیا جائے کہ مشرکین کے قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے یہ سر یہ روانہ کیا گیا تو پھر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے ہو چکا تھا۔ جس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ فریقین دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تسلیم سے عہد شکنی کا تصور تک نہیں کیا

جاسکتا۔ اہل مکہ نے عہد شکنی کی لیکن ماہِ رجب سے دو ماہ بعد رمضان شریف میں۔ علامہ ابن عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس عقدہ کو حل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لَكِنْ تَلَقَّى عِبْرَ الْقُرَآئِشِ مَا يَتَصَوَّرُ أَنْ يَكُونَ فِي الْوَقْتِ
الَّذِي ذَكَرَهُ ابْنُ سَعْدٍ فِي رَجَبِ سَنَةِ ثَمَانٍ - لِأَنَّهُمْ
كَانُوا حِينَئِذٍ فِي الْهُدْنَةِ - بَلْ مُقْتَضَى مَا فِي الصَّحِيحِ
أَنْ تَكُونَ هَذِهِ السَّرِيَّةُ فِي سَنَةِ سِتٍّ أَوْ قَبْلَهَا قَبْلَ
هُدْنَةِ الْحَدِيبَةِ نَعَمْ، يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ تَلَقُّيَهُمْ
لِلْعَبْرِ لَيْسَ لِمُعَارَبَتِهِمْ بَلْ لِحِفْظِهِمْ -

(1)

”یعنی اگر اس سریہ کی روانگی کی یہی تاریخ تسلیم کی جائے تو پھر ہم اس سریہ کے بھیجنے کا تصور ہی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے ہو چکا تھا۔ جس میں ایک دفعہ یہ تھی کہ فریقین دس سال تک ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریں گے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں عہد شکنی کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ اس سریہ کی یہ تاریخ درست نہیں۔ یہ سریہ صلح حدیبیہ طے کرنے کے بعد نہیں بلکہ اس سے پہلے سنہ ۶ ہجری میں روانہ کیا گیا۔“

علامہ ابن حجر نے اس کی ایک اور توجیہ بھی بیان کی ہے کہ اگر اس سریہ کے وقوع کی وہی تاریخ تسلیم کی جائے تو پھر اس سریہ کو بھیجنے کا مقصد اہل مکہ کے تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا نہ تھا بلکہ جہینہ کی اس شاخ کی شرانگیزی سے بچانا تھا اور اس کی حفاظت کرنے کے لئے یہ سریہ روانہ کیا گیا۔

علامہ ابن حجر کی اس توجیہ سے دونوں اعتراضات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ یعنی عہد شکنی مطلوب نہ تھی بلکہ اس معاہدہ کی ہر ممکن پاسداری مقصود تھی۔ کفار کے قافلہ پر خود حملہ کرنا تو درکنار، حضور کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ حضور کے زیر اثر علاقہ میں کوئی دوسرا قبیلہ کفار

کے اس قافلہ پر دست درازی کرے اور اگر کوئی ایسی صورت رونما ہو جائے تو مجاہدین اسلام آگے بڑھ کر اس قافلہ کی حفاظت کریں گے اور کسی کو اس پر زیادتی کی اجازت نہ دیں گے۔
اگر اس سر یہ کا مقصد قافلہ پر حملہ کرنا نہ ہو بلکہ اس کی حفاظت کرنا ہو تو پھر اشہر حرم کی بے حرمتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

علامہ ابن قیم "زاد المعاد" میں اس سر یہ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:
صحیحین کی روایت کے الفاظ اس توجیہ سے مطابقت نہیں رکھتے کیونکہ صحیحین کے الفاظ سے واضح طور پر پتا چلتا ہے کہ اس سر یہ کا مقصد کفار کے اس تجارتی کارواں پر قبضہ کرنا تھا۔

قَاتَ فِي الصَّحَابِيِّينَ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ قَالَ بَعَثَنَا
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَلَاثِ ثَمَانَةِ رَاكِبٍ
أَمِيرُنَا أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ نَرُصِدُ عِدَّةَ الْفَرَسِ (1)

"جابر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بھیجا۔ ہماری تعداد تین سو تھی اور امیر لشکر حضرت ابو عبیدہ بن جراح تھے۔ مقصد یہ تھا کہ اس تجارتی قافلہ کے انتظار میں کسی کمین گاہ میں بیٹھ کر انتظار کریں۔ تاکہ جب وہ ہماری زد میں آجائے تو ہم اس پر حملہ بولیں۔"

لفظ رصد کی تشریح کرتے ہوئے المنجد کے مصنف رقم طراز ہیں:

رَصَدَ : قَعَدَ لَهُ عَلَى انْظَرِيقِهِ لِيُوقِعَ بِهِ

"کسی کے راستہ میں بیٹھنا کہ جب وہ زد میں آجائے تو اس پر حملہ کر دیا

جائے۔"

اس لئے وہ روایت جو صحیحین میں بایں الفاظ مروی ہے۔ ہم اس میں رد و بدل کے مجاز نہیں۔ لیکن ماہ رجب سنہ 8 ہجری کی تاریخ جو علامہ ابن سید الناس اور دیگر علماء سیرت نے اپنی کتب میں تحریر کی ہے، وہ صحیح روایت میں مذکور نہیں۔ بلکہ یہ ان کی اپنی تحقیق اور رائے ہے۔ اور کیونکہ ان کی یہ رائے روایت صحیح سے متصادم ہے۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تاریخ محل نظر ہے۔ یہ سر یہ رجب سنہ 8 ہجری میں نہیں بلکہ صلیح حدیبیہ سے پچھلے سنہ 6

ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ اس سے جملہ اعتراضات کی تردید ہو جاتی ہے۔

اس بحث کے بعد علامہ ابن قیم اپنی تحقیق کا خلاصہ یوں تحریر کرتے ہیں:

قُلْتُ وَهَذَا السِّيَاقُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ هَذِهِ الْغَزْوَةَ كَانَتْ
قَبْلَ الْهُدْنَةِ وَقَبْلَ عُمَرَةَ الْحُدَيْبِيَّةِ -

(1)

”میں کہتا ہوں کہ یہ سیاق و سباق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ غزوہ

صغ حدیبیہ سے پہلے وقوع پذیر ہوا۔“ ☆

۱۔ ایضاً

جس کا دس غزوہ مبارکہ کے حالات لکھنے کی ابتدا 15 شوال 1412ھ مطابق 19 اپریل 1992ء بروز اتوار اس وقت کی
جب مجھے مدینہ طیبہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی وہیں سے پہلے محترم دوست حاجی محمد صدیق صاحب کے مکان
میں بیٹھ کر اس کا آغاز کیا۔ اس مکان کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ سامنے مسجد نبوی کے مینار اور گنبد خضراء نظر آ رہا تھا اور
جس میں سنہ یہ آخری جملہ نکھار تو اس وقت مسجد نبوی میں ہوا تھا۔ اور ساری شروعات شروع کی۔ الحمد للہ اہل صلوٰۃ و سلام
علی سیدنا محمد۔

غزوة تحمك

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فَقَدْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ
الظُّلُمُ إِنَّ الظُّلُمَ كَانَ عَمُومًا

اور آپ (اعلان) فرما دیجیے اکیس ہے حق
اور مٹ گیا ہے باطل بیشک باطل تھا ہی
مٹنے والا۔

یعنی اسرئیل آیت ۱

غزوہ فتح مکہ

وہ مقدس گھر جس کی تعمیر کا شرف امام الموحدين، جد الانبياء والمرسلين سيدنا ابراهيم علی نبينا وعلیه السلام کو مرحمت فرمایا گیا۔ اور جس کی تعمیر کا مقصد سيدنا خليل الله علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعد عجز و نیاز بارگاہ خداوندی میں بایں الفاظ میں عرض کیا تھا:

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ
بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ (1)

”اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے میرے رب! یہ اس لئے تاکہ وہ قائم کریں نماز۔“

صد حیف وہ گھر صد ہا سال سے صنم کدہ بنا ہوا تھا۔ وہاں اللہ وحدہ، شریک نہ، کی عبادت کے بجائے پتھر سے گھڑے ہوئے سینکڑوں اندھے، بہرے، گونگے و ربے جان بتوں کی پوجا پاٹ بڑی دھوم دھام سے ہو رہی تھی۔

اس مقدس گھر کو کفر و شرک کی آلودگیوں سے پاک کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول کو مبعوث فرمایا۔ اس نبی مکرم ﷺ نے صفحہ کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر جب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پہلا خطبہ ارشاد فرمایا تو اس محسن انسانیت کے خلاف یکایک نفرت و عداوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ وہ ہستی جو اپنی سیرت کے حسن اور کردار کی پاکیزگی کے باعث اپنی قوم کی آنکھوں کا تار بنی ہوئی تھی، فرط عقیدت سے جسے ہر شخص الامین اور الصادق کے معزز لقا ب سے مقب کیا کرتا تھا، وہ قوم اب ان کے خون کی پیاسی ہو گئی۔ دن بھر روماء مکہ کی بیگمات جنگل سے کانٹے چن کر راتیں، اور رات کے وقت اس راہ پر بکھیر دیتیں جس راہ پر سحری کے وقت حضور پر نور ﷺ چل کر اپنے جی و قوم خدا

کی بارگاہ عزت و جلال میں اپنی جبین نیاز جھکانے کے لئے جایا کرتے۔

روزِ بعثت سے لے کر سنہ 8 ہجری تک یہ اکیس سال عرصہ پیغمبر اسلام اور دین اسلام کے لئے بڑا صبر آزماء تھا۔ دعوتِ توحید کو ناکام بنانے کے لئے مخالفین کی مساعی میں جتنی شدت آتی جاتی داعیِ حق علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جذبہ جہد میں اضافہ ہوتا جاتا۔ نبی کریم ﷺ کے بے نظیر عزم و استقلال اور فرزندانِ اسلام کی سرفروشیوں نے قلیل عرصہ میں باطل کے قشونِ قاہرہ کو ہر میدان میں رسوا کن ہزیمتوں سے دوچار کر دیا۔

چند سال میں ایسا انقلاب برپا ہوا کہ جزیرہٴ عرب کے دور افتادہ خطے بھی نورِ اسلام سے جگمگا اٹھے۔ شرک و کفر کے ایوان کے بڑے بڑے ستون خود بخود گرنے لگے۔ خالد جیسی شخصیتیں جس نے صرف چند سائ پہلے احد میں اپنی عسکری عبقریت کے باعث شکرِ اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا تھا، دوڑ دوڑ کر شمعِ مصطفویٰ پر پروانہ دار بنار ہوئے لگے۔ نبی مکرم، رسولِ معظم ﷺ جن کو چند سال پہلے مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا، اب وقتِ سکینا کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ دس ہزار کے لشکرِ جرار کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہو اور اپنے جدا امجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے تعمیر کردہ کعبہ کو کفر و باطل کی ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک کرے اور اس میں قطر در قطر سجائے ہوئے بتوں کو یکساں حقارت و ہاں سے اکھیڑ کر باہر پھینک دے۔

چنانچہ ہجرت کا آٹھواں سال تھا۔ رمضان شریف کا برکتوں اور سعادتوں والا مہینہ تھا اور اس کی بیس تاریخ تھی۔ جب مکہ نے اپنے بند دروازے اللہ کے محبوب رسول ﷺ اور اس کے غلاموں کے استقبال کے لئے کھول دیئے۔ (1)

فتحِ مکہ کا دن تاریخِ انسانیت کا مبارک ترین دن ہے۔ اسی روز بادیہِ صلاست میں صدیوں سے بھٹکنے والے کاروانِ انسانیت کو صراطِ مستقیم تک رسائی نصیب ہوئی۔ اسی روز اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان ادبام و خرافات، تعصب و ہٹ دھرمی، جہالت و بربریت، نفس پرستی اور اندھی تقلید کے جتنے حجابات تھے سب تار تار کر دیئے گئے۔ انسان کو خود شناسی اور خدا شناسی کی نعمتِ عظمیٰ اور سعادتِ کبریٰ سے بہرہ ور کر دیا گیا۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا.

فرمان الہی کی صداقتوں کا لوگوں نے اپنی ظاہری آنکھوں سے بھی مشاہدہ کر لیا۔

صَدَقَ اللَّهُ الْعَظِيمُ وَصَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ
صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَفْضَلِ
الصَّلَواتِ وَأَجْمَلَ الشَّيْخَاتِ.

غزوہ فتح مکہ کے اسباب

گزشتہ سال حدیبیہ کے مقام پر فریقین کے درمیان جو صلح نامہ طے پایا تھا، اس میں دیگر شرائط کے علاوہ دو شرطیں یہ تھیں :

- 1- فریقین دس سال تک ایک دوسرے کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے۔
 - 2- عرب کے دیگر قبائل کو اجازت دے دی گئی کہ جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کرنا چاہے وہ کر سکے، اس پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔
- چنانچہ ہر قبیلہ نے اپنی آزاد مرضی سے جس فریق کے ساتھ اپنے مستقبل کو وابستہ کرنا مناسب سمجھا اس کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر لیا۔ بنو کنانہ نے قریش کے ساتھ اور بنو خزاعہ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دوستی کا معاہدہ طے کر لیا۔ بنو خزاعہ نے معاہدہ طے کرتے وقت وہ عہد نامہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا جو حضور پر نور ﷺ کے جدِ مجد حضرت عبدالمطلب نے خزاعہ کو لکھ کر دیا تھا۔ جب پہلے ان سے دوستی کا معاہدہ کیا گیا تھا۔ اس تحریر کا آخری جملہ غور طلب ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے آخر میں لکھا :

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ عَهْدُ اللَّهِ وَعُقُودُهُ مَا لَا يُنْسَى أَيْدًا،
أَلَيْدٌ وَاحِدٌ كَأَنَّ النَّصْرَ وَاحِدًا مَا أَشْرَفَ شُبَيْرٌ وَثَبَتَ
حِزَابُ وَمَا بَلَّ بَحْرٌ صَوْفًا.

(1)

”ہمارے درمیان اور تمہارے (بنو خزاعہ کے) درمیان ایسا عہد و پیمان ہے جس کا اللہ تعالیٰ ضامن ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ ہم اس وقت تک متحد رہیں گے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے

جب تک شمر کے پہاڑ پر سورج چمکتا رہے، کوہ حراء اپنی جگہ پر قائم رہے اور جب تک سمندر کا پانی اون کو بھگو تا رہے یعنی قیامت کے برپا ہونے تک۔“

حضرت عبدالمطلب کی یہ تحریر حضرت ابی بن کعب نے بارگاہ رسالت میں پڑھ کر سنائی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

”زمانہ جاہلیت میں دوستی کا جو معاہدہ طے پایا تھا۔ اسلام اس کو کالعدم قرار نہیں دیتا بلکہ اس کو پختہ سے پختہ تر کرتا ہے۔“

عہد شکنی

صلح حدیبیہ کے بائیس ماہ بعد شعبان کے مہینہ میں قریش اور ان کے حلیف بنو بکر نے ایک ایسی حرکت کی جس کے باعث حدیبیہ کا معاہدہ صلیح کالعدم ہو گیا۔ اہل مکہ کو اس معاہدہ صلیح کو توڑنے کی کیسے جرأت ہوئی؟

مؤرخین نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ غزوہ موتہ میں مسلمانوں کے تین عظیم جرنیل شہید کر دیئے گئے تھے۔ حضرت خالد بصد مشکل بچے کچھ مسلمانوں کو لاکھوں رومیوں کے نرغہ سے نکال کرے آئے تھے۔ اس سانحہ نے اہل مکہ کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ مسلمانوں کی قوت و طاقت کا اب جنازہ نکل گیا ہے۔ اب ان میں یہ دم خم باقی نہیں رہا کہ ہم سے برسرِ پیکار ہونے کی جسارت کر سکیں۔ اگر ہم اس معاہدہ کی خلاف ورزی بھی کریں گے تو مسلمانوں میں یہ جرأت نہ ہوگی کہ ہمیں دعوتِ مبارزت دے سکیں۔ لیکن یہ ان کی سر اسر غلط فہمی تھی اور ان کی یہ غلط فہمی بہت جلد دور ہو گئی جب رحمتِ دو عالم ﷺ نے ان کی سرکوبی کے سئے فوری قدم اٹھایا۔

سیرت نگاروں نے اس کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے، جس کا خلاصہ پیش خدمت

ہے:

بنو کنانہ اور بنو بکر کے سرداروں نے قریش کے رئیسوں سے التجا کی کہ وہ اپنے جنگجو افراد و راسخہ سے ان کی امداد کریں تاکہ وہ اپنے دشمن (بنو خزاعہ) سے اپنے مقتولوں کا انتقام لے سکیں۔ انہیں اپنی قرابت داری کا بھی واسطہ دیا اور ان

پر اپنا یہ احسان بھی جتلیا کہ انہوں نے پیغمبر اسلام سے دوستی کا معاہدہ کرنے کے بجائے ان سے معاہدہ کیا ہے۔ نیز اسلام کو مٹانے میں بھی وہ ان کے ساتھ ہیں۔

جب بنو کننہ نے قریش کو بڑے اشتعل انگیز لہجے سے دعوت دی تو سب نے ان کی مدد کرنے کی حامی بھری۔ ان میں ابوسفیان شریک نہیں تھا اور نہ اس سے اس بارے میں مشورہ کیا گیا۔ ایک قول کے مطابق ابوسفیان سے مشورہ کیا گیا۔ لیکن اس نے ان کی حمایت کرنے سے انکار کر دیا۔ بنو خزاعہ کے خلاف یہ سازش بڑی رازداری سے کی جا رہی تھی۔ بنو خزاعہ صبح حدیبیہ کے بعد بڑے اطمینان سے وقت گزار رہے تھے۔ انہیں یہ گمان بھی نہ تھا کہ یہ لوگ ان پر اچانک دھاوا بول دیں گے۔

قریش، بنو بکر اور بنو کننہ نے باہمی مشورہ سے طے کیا کہ مکہ کے نشیبی علاقہ میں ”وتیر“ نامی کنواں جو بنو خزاعہ کے علاقہ میں ہے، اس پر فلاں تارخ، فلاں وقت اور فلاں جگہ اکٹھے ہوں گے اور وہاں سے ان پر حملہ کر کے ان کا قتل عام کریں گے۔ جب مقررہ جگہ پر وہ لوگ پہنچ گئے تو ان پر دھاوا بونے والوں میں دیگر قبائل کے علاوہ قریش کے بڑے بڑے رؤساء بھی شریک تھے۔ جن میں سے چند کے نام یہ ہیں: صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، حویطب بن عبد العزی، شیبہ بن عثمان اور مکرز بن حفص (1) ان سب نے اپنے چہروں پر نقاب ڈالے ہوئے تھے اور عجیب قسم کا لباس پہنا ہوا تھا تاکہ انہیں کوئی پہچان نہ سکے۔ یہ لوگ اپنے غلاموں اور نوکروں کا ایک جم غفیر بھی اپنے ہمراہ لائے تھے۔

ادھر قریش اور ان کے صیغ زور و شور سے بنو خزاعہ پر حملہ کرنے کے لئے تیاریوں میں مصروف تھے ادھر بنی خزاعہ اپنے گھروں میں بے خوف و خطر خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ انہیں یہ سان گمان بھی نہ تھا کہ اس معاہدہ کے بعد ان پر بلا وجہ شب خون مارا جائے گا۔ ان میں اکثریت بچوں،

عورتوں اور کمزور بوڑھوں کی تھی۔ جب بنو بکر نے ان پر اچانک حملہ کیا تو وہ جانیں بچانے کے لئے بھاگ نکلے۔ یہاں تک کہ حدود حرم میں داخل ہو گئے۔ انہیں امید تھی کہ یہاں ان کو امان مل جائے گی لیکن ان حملہ آوروں نے حدود حرم کا بھی پاس نہ کیا اور ان کو بے دریغ قتل کرتے رہے۔

ان حملہ آوروں میں سے چند آدمیوں نے اپنے سر غنہ نوفل بن معاویہ کو دہائی دی، اے نوفل! اپنے خدا سے ڈرو۔ تم دیکھتے نہیں کہ تم حرم میں داخل ہو گئے ہو اور پھر بھی قتل کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اس وقت اس پیکر فخر و رعونت نے ایسا جملہ زبان سے نکالا کہ زمین بھی رزاشمی اس نے کہا:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَا بَنِي بَكْرٍ أَصِيبُوا ثَأْرَكُمْ فَلَعْنَتِي بِكُمْ
لَتَسْرِقُونَ فِي الْحَرَمِ أَفَلَا تُصِيبُونَ ثَأْرَكُمْ۔ (1)

”آج کوئی خدا نہیں۔ اے بنو بکر! تم حرم میں لوگوں کا مال چرایا کرتے ہو، اس وقت تمہیں حرم کا خیال نہیں آتا۔ آج دشمن سے انتقام لینے کا موقع ہے تو تمہیں حرم کا تقدس یاد آگیا۔ خبردار! آج کوئی شخص انتقام لینے میں سستی نہ کرے۔ دشمن جہاں ملے اسے وہیں تہ تیغ کر دو۔“

بنو خزاعہ کے بچے کچھ افراد بھاگ کر بدیل بن ورقاء اور رافع کے گھرنیک پہنچے اس وقت صبح کا اندھیرا اچھایا ہوا تھا۔ اس اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قریش کے رؤساء اپنے اپنے گھروں میں داخل ہو گئے۔ اپنے بارے میں انہیں یہ گمان تھا کہ انہیں کسی نے نہیں پہچانا۔ ان کے بارے میں سرور دو عالم ﷺ کو کوئی اطلاع نہیں ملے گی۔ صبح کا اچالا پھیلا تو لوگوں نے دیکھا کہ بدیل اور رافع کے مکانوں کے دروازوں پر بنو خزاعہ کے کشتوں کے پستے لگے ہوئے ہیں۔ (2)

قریش کے سردار جو اسلام کی عداوت میں اندھے ہو چکے تھے، یہ غلطی کر تو بیٹھے، اب وہ ہچھٹانے لگے۔ ان میں جو دور اندیش لوگ تھے انہوں نے ان کو لعنت ملامت کرنا شروع کر دی۔ حارث بن ہشام اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ دونوں صفوان اور عکرمہ وغیرہ کے پاس

آئے اور انہیں صاف صاف بتا دیا کہ یہ حرکت کر کے تم نے اس معاہدہ کو توڑ دیا ہے جو سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ طے پایا تھا۔ اس عہد شکنی کے نتائج بھگتنے کے لئے اب تیر ہو جاؤ۔ (1)

نبی الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس المناک حادثہ کی اطلاع پانا

وتیر کے کنوئیں پر رات کے وقت بنو خزاعہ پر جو قیامت گزر گئی تھی اس کے بارے میں سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صبح سویرے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کو بتایا کہ اے عائشہ! بنو خزاعہ پر آج بڑا ظلم و ستم کیا گیا ہے۔ ام المومنین نے عرض کی، یا رسول اللہ! کیا قریش میں یہ ہمت ہے کہ وہ اس معاہدہ صبح کی خلاف ورزی کر سکیں حالانکہ تلواروں نے ان کو پہلے ہی تباہ و برباد کر دیا ہے۔ فرمایا، انہوں نے وہ معاہدہ توڑ دیا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔ عرض کی، یا رسول اللہ! اس کا انجام تو بخیر ہو گا؟ فرمایا، ہر طرح خیر ہی خیر ہے۔ (2)

اسی سلسلہ کی دوسری روایت ہے جو امام طبرانی نے اپنی کبیر اور صغیر میں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ ام المومنین فرماتی ہیں:

”ایک رات حضور ﷺ نے میرے ہاں قیام فرمایا۔ سحری کے وقت تہجد ادا کرنے کے لئے حضور اٹھے اور طہارت خانہ (وضو کرنے کی جگہ) میں تشریف لے گئے۔ میں نے حضور کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں“ پھر فرمایا: نَصَرْتُ نَصْرَتِ نَصْرَتِ ”تمہاری مدد کی گئی، تمہاری مدد کی گئی، تمہاری مدد کی گئی“ حضور پر نور وضو خانہ سے باہر تشریف لے آئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے حضور کو تین مرتبہ یہ کہتے سنا لَبَّيْكَ (تین بار) نَصَرْتُ (تین بار) کیا اندر کوئی آدمی تھا جس سے حضور ہم کلام تھے۔ حضور نے فرمایا یہ بنی کعبہ کا رجز خواں تھا۔ جو مجھ سے فریاد کر رہا تھا کہ قریش نے بکر بن وائل کی مدد کی ہے اور ہم پر حملہ کر

دیا ہے۔ حضرت ام المومنین فرماتی ہیں کہ ہم تین دن تک کسی واقعہ کی اطلاع ملنے کا انتظار کرتے رہے۔ تین دن بعد جب سرکارِ دو عالم ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں ہی تشریف فرما تھے تو میں نے راجز کو اشعار کہتے ہوئے سنا۔

بارگاہ رسالت میں عمرو بن سالم خزاعی کی آمد

بنو خزاعہ کے قتل عام کے بعد سالم خزاعی اپنے قبیلہ کے چالیس افراد کی معیت میں مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوا تا کہ اس حادثہ فاجعہ کے بارے میں بارگاہ رسالت مآب میں روئیداد پیش کرے۔ نیز قریش نے اس المیہ میں جو کردار ادا کیا ہے اس سے آگاہ کرے۔ جب فریاد یوں کا یہ وفد مدینہ طیبہ پہنچا تو اس وقت سرکارِ دو عالم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور عقیدت مندوں کا ایک جم غفیر اپنے آقا کے ارد گرد حلقہ بنائے بیٹھا تھا۔ عمرو بن سالم جو اس وفد کا رئیس تھا اٹھا اور بارگاہ رسالت میں اس المناک حادثہ کی جملہ تفصیلات عرض کیں۔ قریش کے جن رؤساء نے اس حملہ میں شرکت کی تھی ان کے ناموں سے بھی حضور کو آگاہ کیا۔ جب یہ لوگ اپنی داستان ظلم و عدوان عرض کرنے سے فارغ ہوئے تو عمرو بن سالم نے اٹھ کر یہ اشعار پیش کئے جن میں انہوں نے اپنی قوم کی بردہادی اور مظلومیت کی داستان بڑے پر سوز انداز میں بیان کی۔ اس نے کہا:

يَا رَبِّ اِنِّي تَائِبٌ مُّحَمَّدًا حَلْفَ اَيْمَانَا وَاَيْهِمُ الْاَتْلَدَا
قَدْ كُنْتُمْ وُلَدًا وَاَكُنَّا وَاِلَدًا ثَمَّةً اَسْلَمْنَا فَلَمْ تَنْزَعِي دَا
اِنَّ قُرَيْشًا اَخْلَفُوْكَ مَوْعِدًا وَنَقَضُوا مِيثَاقَكَ الْمَوْكِدَا
وَزَعَمُوْا اَنْ لَّمْ تُدْعُوْا اَحَدًا فَهَمُّ اَذَلُّ وَاَقْلُّ عَدَدَا
هُمَّ بَيَّتُوْنَا يَا لَوَيْتِيْ هُجْدَا وَقَتَلُوْنَا مَرْكَعًا وَسُجْدَا
وَجَعَلُوْا لِيْ فِيْ كِدَا اِدْرُجْدَا فَاَنْصُرْ رَسُوْلَ اللّٰهِ نَصْرًا اِعْتَدَا
وَادْعُرْ عِبَادَ اللّٰهِ يَا لَوَيْتَا مَدَا فِيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَدْ تَجَرَّدَا
اِنَّ سَيِّمَ خُفَا وَجْهِيْ تَرِيْدَا فِيْ قَيْتِيْكَ كَالْبَحْرِ يَجْرِيْ مُزِيْدَا

(1)

”اے میرے پروردگار! محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دوستی کا وہ معاہدہ یاد

دلانے والا ہوں جو ہمارے باپوں اور ان کے باپ کے درمیان قدیم زمانے میں طے پایا تھا۔“

”اس وقت تم ہماری اولاد اور ہم تمہارے باپ تھے۔ وہاں ہم نے صدی پھر اس صلح سے ہاتھ نہ کھینچا (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا فرزند اس لئے کہا کہ حضور کے دو دادوں کا نکاح بنی خزاعہ کی دو خواتین سے ہوا تھا۔ ان کے شکم سے جو اولاد ہوئی بنو خزاعہ ان کے باپ تھے اور ان خواتین کے بچے ان کے فرزند تھے۔ قصی کی والدہ اور عبد مناف کی زوجہ دونوں بنو خزاعہ قبیلہ کی خواتین تھیں)۔“

”قریش نے آپ کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اس کی خدف ورزی کی اور وہ پختہ عہد جو انہوں نے آپ سے کیا تھا اس کو توڑ دیا۔“

”انہوں نے گمان کیا کہ میں اپنی مدد کے لئے کسی کو نہیں پکاروں گا۔ وہ ذلیل تھے اور تعداد کے لحاظ سے بہت کم تھے۔“

”و تیر نامی کنوئیں کے قریب جب ہم اپنے گھروں میں سو رہے تھے، انہوں نے ہم پر شب خون مارا اور ہمیں اس حال میں قتل کیا جب ہم رکوع و سجود کی حالت میں تھے۔“

”وہ کداء کی گھاٹی میں چھپ کر میری گھات لگائے بیٹھے تھے۔ یا رسول اللہ! ہماری ایسی مدد فرمائیے جو بہت قوت والی ہو۔“

”آپ اللہ کے بندوں کو بلائیے جو مدد کے لئے آجائیں۔ ان میں اللہ کے رسول بھی ہوں جو جنگ کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔“

”جب ان کی توہین کی جاتی ہے تو ان کا چہرہ فرط غضب سے سرخ ہو جاتا ہے۔ وہ ایسے لشکر جبار کے ساتھ حملہ کرتے ہیں جو سمندر کی طرح

ٹھٹھکیں مار رہا ہوتا ہے اور اس پر جھاگ تیر رہی ہوتی ہے۔“

جب عمروان اثر انگیز اشعار میں اپنی مظلومیت کی داستان سنا کر فارغ ہوا تو رحمت عالم

ﷺ نے فرمایا:

نَصْرَتِ يَا عَمْرُو بْنَ سَالِحٍ

”اے سالم کے بیٹے عمرو! ذرا غم نہ کرو ضرور تیری مدد کی جائے گی۔“

اسی اثناء میں بادل کا ایک ٹکڑا اس مجلس کے اوپر سے گزرا اور گر جا، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے فرمایا کہ بادل کا یہ ٹکڑا بنو کعب کو مدد کی خوشخبری سنا رہا ہے۔ (1)

عبدالرزاق، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور پر نور

ﷺ نے جب بنی کعب پر توڑے جانے والے ظلم و ستم کی داستان سنی تو مظلوموں کی داد

رہی کرنے والے نبی نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا مَنَعَ لَهُمْ مِمَّا أَمْنَعُ مِنْهُ نَفْسِي

وَأَهْلِيَّ وَبَيْتِي۔ (2)

”اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں ان

کا ہر دشمن سے دفاع کروں گا۔ جس دشمن سے میں اپنی ذات اپنی آل

اور اہل خانہ کا دفاع کرتا ہوں۔“

قریش کی ندامت اور باہمی مشورے

جب بنو خزاعہ کے وفد نے بارگاہ رسالت میں اپنی خونچکاں داستان بیان کی تو حضور نے

فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ یہ زیادتی کی ہے؟

انہوں نے کہا بنی بکر۔ پھر حضور نے فرمایا بنو بکر تو بہت بڑا قبیلہ ہے، ان میں سے کن

لوگوں نے تم پر یہ ظلم و ستم روا رکھا ہے؟ انہوں نے عرض کی، بنی نضال نے اور ان کی قیادت

نوفل بن معاویہ النضالی کر رہا تھا۔ حضور نے فرمایا، یہ بنی بکر کا ایک خاندان ہے۔ میں اہل مکہ

کی طرف دریافت احوال کے لئے اپنا قاصد روانہ کرتا ہوں جو ان کے سامنے تجویز پیش

کرے گا۔ ان میں سے جس تجویز کو وہ چاہیں پسند کر میں۔ سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

ضمیرہ نامی اپنے ایک صحابی کو اہل مکہ کی طرف روانہ کیا تاکہ صحیح مجرم کا پتا لگائیں اور ان کے

سامنے یہ تجویز پیش کریں:

1۔ بنو خزاعہ کے مقتولوں کی وصیت ادا کریں۔

2۔ بنو نفاثہ سے اپنی دوستی کا معاہدہ ختم کر دیں۔

3۔ صلح حدیبیہ کو علانیہ طور پر کالعدم قرار دے دیں۔

یہ ایسی تجاویز تھیں جن میں ان کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچنے بغیر امن و سلامتی کی ضمانت دی گئی تھی۔ یہ تجاویز اتنی منصفانہ اور کریمانہ تھیں کہ کوئی غیر جانبدار آدمی بھی ان کو سخت کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ان میں دھونس اور تشدد کا شائبہ تک بھی نہ تھا۔ یہ روایت قارئین کرام کے لئے خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ بات ان پر واضح ہو جائے گی کہ ان انتہائی اشتعال انگیز حالات میں کس طرح صلح حدیبیہ کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی۔ حضور ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ فریقین کے درمیان جنگ کے شعلے پھر بھڑکنے لگیں۔

ضمیرہ، مکہ پہنچا اور حرم شریف کے دروازہ پر اپنی اونٹنی کو بٹھایا۔ قریش صحن حرم میں اپنی اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے۔ انہیں جا کر بتایا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کا قاصد ہوں۔ اور تمہارے سامنے یہ تین تجاویز پیش کرتا ہوں۔ ان تجاویز کو سننے کے بعد قریش باہم مشورہ کرنے لگے۔ قرظہ بن عبد عمرو جو نابینا تھا اس نے کہا اگر ہم خزاعہ کے مقتولوں کی دیوت دیں گے تو ہمارے پاس پھوٹی کوڑی بھی باقی نہیں رہے گی۔ اس لئے پہلی تجویز ہمارے لئے قابل قبول نہیں۔ دوسری تجویز یہ ہے کہ ہم بنو نفاثہ سے اپنے دوستی کا معاہدہ توڑ دیں، یہ بھی ہمارے لئے قابل قبول نہیں کیونکہ نفاثہ عرب کے تمام قبیلوں سے زیادہ کعبہ شریف کی تعظیم کرتے ہیں۔ ہم ان سے اپنی دوستی کا معاہدہ کالعدم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں البتہ تیسری تجویز ہمیں منظور ہے۔ ہم علانیہ صلح حدیبیہ کو ختم کرتے ہیں۔ ان کا فیصلہ سن کر ضمیرہ مدینہ طیبہ واپس آگیا۔

ضمیرہ کے واپس آنے کے بعد اہل مکہ کی آنکھیں کھلیں اور اس کے خوفناک نتائج نے انہیں پریشان کر دیا۔

علامہ مقریزی لکھتے ہیں کہ :

حارث بن ہشام اور چند دوسرے لوگ صفوان بن امیہ اور اس کے ساتھیوں کے پاس آئے جنہوں نے بنو خزاعہ پر حمد کرنے میں بنو بکر سے تعاون کیا تھا اور انہیں آکر ملامت کی۔ انہوں نے ابوسفیان کو کہا کہ یہ بیامعاہدہ نہیں جسے

معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے بلکہ ہمیں ان بگڑتے ہوئے حالات کو سنبھال دینے کے لئے فوری توجہ دینا چاہئے۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ ابوسفیان خود مدینہ طیبہ میں حاضر ہو اور نبی کریم ﷺ سے اس معاہدہ کی تجدید اور اس کی مدت میں اضافہ کی درخواست کرے۔ اسی اثناء میں عمرو بن سالم خزاعی اپنے چالیس ساتھیوں کو لے کر مدینہ طیبہ پہنچا اور رحمت دو عالم ﷺ اس وقت اپنے صحابہ کی معیت میں مسجد میں تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے کھڑے ہو کر اشعار پیش کئے اور ان مظالم کی روئیداد بیان کی جو اہل مکہ نے ان پر کئے تھے اور امداد کی درخواست کی۔ حضور سرور عالم ﷺ غصہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے فرمایا:

لَا نُصْرُكَ إِنَّا لَمْ أَنْصُرْ بَنِي كَعْبٍ مَتَى أَنْصُرْ مِنْهُ نَفْسِي (1)

”اگر میں بنی کعب کی امداد نہ کروں تو اللہ تعالیٰ میری مدد نہ کرے۔ میں ان کا

ہر اس چیز سے دفاع کروں گا جس سے میں اپنی ذات کا دفاع کرتا ہوں۔“

نبی کریم ﷺ نے اس وقت فرمایا، مجھے یوں معلوم ہو رہا ہے کہ ابوسفیان تمہارے پاس

آئے گا اور معاہدہ کی تجدید اور مدت میں اضافہ کے لئے درخواست کرے گا۔ (2)

ابوسفیان کی مدینہ طیبہ میں آمد

ابوسفیان کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس کو یقین ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ اپنے مظلوم دوستوں کی امداد کے لئے فوری اقدام کریں گے۔ اس سے پیشتر کہ حضور ہم پر حملہ کریں بہتر ہے کہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کروں اور اس معاہدہ کی تجدید اور مدت میں اضافہ کے لئے التجا بھی کروں۔ ساری قوم نے ابوسفیان کی اس تجویز کو پسند کیا۔ چنانچہ ابوسفیان اپنے ایک غلام کے ہمراہ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے وہ بڑی تیزی سے مسافت طے کر رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس سے پیشتر کہ کوئی آدمی حضور کی خدمت میں اس المیہ کے بارے میں کچھ عرض کرے، وہ پہلے جا کر حضور سے تجدید عہد کا وعدہ لے

1- ”استماع الاسماع“، جلد 1، صفحہ 267

2- ”الاكتفاء“، جلد 2، صفحہ 288 و ابن کثیر، ”السیرۃ النبویہ“، جلد 3، صفحہ 529

لے۔ راستہ میں عسکان کے مقام پر اس کی ملاقات بدیل بن ورقاء سے ہوئی۔ ابوسفیان کو یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں بدیل نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض نہ کر دیا ہو۔ اس نے بدیل کے ساتھیوں سے پوچھا کہ یثرب کے بارے میں تمہیں اگر کوئی علم ہے تو ہمیں بتاؤ تم کب یثرب گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں تو عرصہ دراز ہوا یثرب گئے ہوئے، ہمیں تو وہاں کے حالات کا قطعاً کوئی علم نہیں لیکن ابوسفیان نے یہ اندازہ لگالیا کہ یہ لوگ حقیقت حال کو اس سے چھپا رہے ہیں۔ اس نے کہا اگر تمہارے پاس یثرب کی کھجوریں ہیں تو وہ ہمیں دو۔ واقعی جتنی یثرب کی کھجوریں لذیذ ہوتی ہیں کوئی دوسری کھجور اتنی لذیذ نہیں ہوتی۔ انہوں نے کہا کہ نہ ہم یثرب گئے ہیں اور نہ ہمارے پاس کھجوریں ہیں۔ ان کے اس انکار کے باوجود ابوسفیان کا یہ خیال تھا کہ یہ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ اس نے کھل کر بدیل سے پوچھا کیا، تم محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پاس گئے ہو؟ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ میں بنی کعب اور خزاعہ میں ایک جھگڑا تھا اس کی اصلاح کے لئے ان کے ساحلی علاقے میں گیا تھا۔ پھر ابوسفیان ان کی قیام گاہ پر گیا اور ان کے اونٹوں کی ایک میٹھی اٹھائی اور اسے پھوڑا تو اس میں کھجور کی تھیلیوں کے ٹکڑے برآمد ہوئے۔ ابوسفیان نے کہا، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ لوگ محمد (ﷺ) کے پاس سے ہو کر آرہے ہیں۔

ابوسفیان نے اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ وہ مدینہ طیبہ پہنچا۔ سب سے پہلے اپنی بیٹی ام المومنین ام حبیبہ کے گھر گیا۔ حضور کا بستر بچھا ہوا تھا۔ اس نے جب اس پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو ام المومنین نے فوراً وہ بستر لپیٹ کر الگ رکھ دیا۔ ابوسفیان نے کہا۔ اے میری بیٹی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ میں اس پر بیٹھوں، اس لئے تم نے اسے لپیٹ کر رکھ دیا ہے۔ حضرت ام حبیبہ نے کسی ادنیٰ جھجک کے بغیر اپنے باپ کو جواب دیا کہ :

یہ بستر اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا ہے اور تو مشرک ہے اور ناپاک ہے۔ اس لئے میں نہیں برداشت کر سکتی کہ تو اللہ کے رسول کے پاک بستر پر بیٹھے۔

ابوسفیان اپنی بیٹی کا جواب سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے کہا، اے بیٹی! جب سے تو مجھ سے جدا ہوئی ہے تم نے شرکار راستہ اختیار کر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا، مجھے شر نہیں پہنچتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی ہے۔ ابا جان! آپ تو قریش کے

سردار ہیں اور مکہ کے رئیس ہیں۔ میں حیران ہوں کہ اتنی دانش و فہم کا مالک ہونے کے باوجود آپ نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا اور آپ اللہ وحدہ لا شریک کے بجائے اندھے بہرے پتھروں کی پوجا کر رہے ہیں۔ ابوسفیان اپنی بیٹی کے اس رویہ سے مایوس ہو کر اٹھ کر چلا گیا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضور مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حاضر ہو کر اس نے عرض کی کہ ”جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے پایا تھا تو میں غیر حاضر تھا۔ اب میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ حضور اس معاہدہ کی تجدید فرمائیں اور معاہدہ کی مدت میں اضافہ کر دیں۔“ حضور نے پوچھا، ابوسفیان! تم محض اس لئے یہاں آئے ہو؟ اس نے کہا۔ جی ہاں۔ اللہ کے رسول نے فرمایا۔ کیا تم سے اس معاہدہ کی کوئی خلاف ورزی صادر ہوئی ہے؟ اس نے بات ٹالتے ہوئے کہا، پناہ بخدا! ہم تو صلح حدیبیہ پر قائم ہیں۔ نہ ہم اس میں کوئی تغیر چاہتے ہیں اور نہ کسی تبدیلی کے روادار ہیں۔ ابوسفیان نے دوبارہ اپنی پہلی درخواست کا اعادہ کیا لیکن سردار عالم ﷺ نے اس کا جواب نہ دیا۔ یہاں سے مایوس ہو کر وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی درخواست پیش کی۔ اور کہا یا تو آپ حضور کی بارگاہ میں ہماری سفارش کریں یا آپ اپنی طرف سے لوگوں کو پناہ دینے کا اعلان کر دیں۔ صدیق اکبر نے جواب دیا۔ میری پناہ اللہ کے رسول کی پناہ کے تابع ہے۔ میں امگ سے کوئی پناہ دینے کا مجوز نہیں ہوں۔ وہاں سے ناکام ہو کر حضرت فاروق اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسی طرح اپنی آمد کا مدعا آپ سے بھی عرض کیا۔ آپ نے غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابوسفیان کو دو ٹوک جواب دیا۔ فرمایا، تم مجھ سے توقع رکھتے ہو کہ میں بارگاہ رسالت میں تمہاری سفارش کروں گا؟ بخدا! اگر ایک چیونٹی کو بھی تم سے برسرِ پیکار پاؤں تو اس کی بھی مدد کرنے کے لئے تیار ہوں گا۔ جو نیا معاہدہ ہمارے اور تمہارے درمیان طے پائے اللہ تعالیٰ اس کو پرانا اور بوسیدہ کر دے اور جو پختہ معاہدہ طے پائے اس کو اللہ تعالیٰ ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ جو وعدہ ٹوٹ چکا ہے، اسے اللہ کبھی نہ جوڑے۔

حضرت فاروق اعظم کے یہ جملے سن کر ابوسفیان برا فروخت ہو گیا اور بولا:

جَوْنِيَّتٍ مِّنْ ذِي رَحْمَةٍ

”خدا اس قطع رحمی کی تمہیں سزا دے۔“

وہاں سے اٹھ کر ابوسفیان حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر

ہوا۔ اور یوں گویا ہوا ”رشتہ میں آپ میرے قریب ترین رشتہ دار ہیں، مہربانی کر کے کوشش کریں کہ معاہدہ کی تجدید بھی ہو جائے اور اس کی مدت میں بھی اضافہ ہو جائے۔ مجھے یقین ہے اگر آپ اپنے آقا کی خدمت میں ہماری سفارش کریں گے تو حضور بھی اسے مسترد نہیں کریں گے۔“

حضرت عثمان نے وہی الفاظ دہرا دیئے جو حضرت صدیق نے فرمائے:

جَوَارِي فِي جَوَارِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”میری پناہ اللہ کے رسول کی پناہ کے تابع ہے۔“

وہاں سے اٹھ کر سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور گزارش کی۔ ”اے علی! آپ سب سے زیادہ میرے قریبی رشتہ دار ہیں، میں ایک غرض کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ مجھے یقین ہے آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ ازراہ نوازش بارگاہ رسالت میں میری سفارش کریں۔“

آپ نے فرمایا: اے ابوسفیان! تیرا بھلا ہو۔ بخدا! جب اللہ کے رسول ﷺ کسی بات کا عزم فرمالیتے ہیں تو ہماری یہ مجال نہیں ہوتی کہ ہم اس میں مداخلت کریں۔

وہاں سے اٹھ کر ابوسفیان سعد بن عبادہ کے پاس آیا۔ اور کہا ”اے ابو ثابت! تم اس علاقہ کے سردار ہو۔ اٹھو اور لوگوں کے درمیان امن وامان قائم کرنے کا اعلان کرو اور معاہدہ کی مدت بھی بڑھادو“ اس مرد مومن نے وہی جواب دیا۔ فرمایا:

جَوَارِي فِي جَوَارِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يُجِيرُ أَحَدٌ

عَلَى رَسُولِ اللَّهِ

”میری پناہ تو اپنے آقا کی پناہ کے تابع ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ وہ

اللہ کے رسول ﷺ کے معاہدہ میں کسی کو پناہ دے سکے۔“

اس کے بعد قریش اور انصار کے دیگر رؤساء جو مدینہ طیبہ میں تھے، ان کے پاس گیا۔

سب نے وہی جواب دیا جو صدیق اکبر نے دیا تھا۔ سب سے مایوس ہونے کے بعد وہ سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت امام حسن بچے تھے اور اپنی والدہ ماجدہ کے سامنے گھٹنے گھسیٹ کر چل رہے تھے۔ ابوسفیان نے آپ کی رحم دلی کا سہارا لیتے ہوئے گزارش کی ”کہ اے محمد کی نخت جگر! کیا تم لوگوں کے درمیان امن و

امان کا اعلان کرنے کے لئے تیار ہو؟“ آپ نے فرمایا۔ میں تو پردہ نشین خاتون ہوں۔ امن و امان کا اعلان کرنا میرا کام نہیں۔ ابوسفیان نے کہا، آپ اپنے بیٹے حسن بن علی کو کہیں کہ وہ لوگوں کے درمیان امن و امان کا اعلان کر دے، اس طرح باقیام قیامت وہ سارے عرب کا سردار بن جائے گا۔ حضرت سیدہ نے فرمایا کہ میرا فرزند اس عمر کو نہیں پہنچا کہ لوگوں کے درمیان امن و امان کا اعلان کرے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی مجال نہیں کہ سردار انبیاء علیہ السلام کی اجازت کے بغیر کسی کو امان دیں۔ (1)

چاروں طرف سے جب اسے مایوسیوں کے اندھیروں نے اپنے حصار میں لے لیا تو سیدنا علی کو کہنے لگا اے ابوالحسن! حالات بڑے سنگین ہو گئے ہیں مجھے کوئی نصیحت کرو تاکہ ان پیچیدہ حالات سے مجھے رہنمائی نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا: میں تو تمہیں کوئی ایسی بات نہیں بتا سکتا جس سے اس مشکل سے تمہیں نجات نصیب ہو۔ لیکن تم خود بنی کننہ کے سردار ہو، خود کھڑے ہو کر لوگوں میں امن و امان کا اعلان کرو اور پھر فوراً اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ ابوسفیان نے پوچھا۔ اگر میں ایسا کروں تو اس سے مجھے کوئی فائدہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ بخدا! نہیں۔ چنانچہ ابوسفیان نے مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کیا:

اے لوگو! کان کھول کر سن لو۔ میں نے لوگوں میں امن و امان کا اعلان کر دیا ہے۔ مجھے توقع ہے کہ تم میری اس امان کی بے حرمتی نہیں کرو گے۔“

وہاں سے اٹھ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ یا محمد! (ﷺ) میں نے لوگوں کے درمیان امن کا اعلان کر دیا ہے۔ پھر اپنے اونٹ پر سوار ہوا۔ اور وہاں سے بھاگ نکلا (2)۔ اس وقت رحمت و عالم علیہ السلام نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ عرض کی:

اللَّهُمَّ خُذِ الْعِيُونَ وَالْأَخْبَارَ عَنْ قُرَيْشٍ حَتَّى تَبْعَثَهَا
فِي بِلَادِهَا۔ (3)

”اے اللہ! ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دے اور ہماری کوئی اطلاع قریش کو نہ ملے یہاں تک کہ ہم ان کے شہر پر چاک حملہ کر دیں۔“

1۔ البیہقی، ”در کل النسخۃ“، جلد 5، صفحہ 8-10۔ ابن کثیر، ”السیرۃ النبویہ“، جلد 3، صفحہ 530

2۔ ”سبل الہدی“، جلد 5، صفحہ 313-314

3۔ ابن کثیر، ”السیرۃ النبویہ“، جلد 3، صفحہ 535، ”مدرغ الخلیس“، جلد 2، صفحہ 78

اس جدوجہد میں ابوسفیان کو کافی دن مدینہ طیبہ میں رکنا پڑا۔ جب اسے واپسی میں توقع سے زیادہ دیر ہوئی تو قریش نے اس پر الزام لگانا شروع کر دیا کہ ابوسفیان مرتد ہو گیا ہے اور اس نے چھپ کر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بیعت کر لی ہے اور اس نے اپنے اسلام قبول کرنے کو صیغہ راز میں رکھا ہوا ہے۔

جب وہ واپس آیا اور رات کو اپنی بیوی ہند کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ تم نے اتنی دیر لگا دی کہ تیری قوم نے تم پر یہ تہمت لگا دی کہ تم مرتد ہو گئے ہو۔ اگر اتنا عرصہ وہاں رہنے سے تم نے کامیابی حاصل کی ہوتی تو پھر تم تو بڑے جواں مرد تھے۔ پھر اس نے وہاں کے حالات پوچھے تو اس نے تمام حالات بتائے۔ ہند نے کہا تم اپنی قوم کے بد بخت قاصد ہو، تم سے کبھی کوئی بھلائی کا کام نہیں ہوا۔ (1)

جب رات گزری اور صبح ہوئی تو وہ سیدھا اساف اور نائلہ بتوں کے پاس گیا۔ وہاں اپنا سر منڈایا اور ان کے لئے ایک جانور قربانی دیا اور اس کے خون سے ان بتوں کے سروں کو رنگین کیا اور اعلان کیا:

لَا أَفَارِقُ عِبَادَتَكُمْ حَتَّى أَمُوتَ عَلَى مَا مَاتَ عَلَيْهِ آبِي (2)

”اے اساف، نائلہ! میں تمہاری عبادت سے کبھی باز نہ آؤں گا۔ یہاں

تک کہ اس عقیدہ پر میری موت آجائے جو میرے باپ کا عقیدہ تھا۔“

یہ سارا ڈرامہ ابوسفیان نے اس لئے رچایا تاکہ وہ اس الزام سے اپنی برأت ثابت کرے جو قریش مکہ نے اس پر لگایا تھا کہ ابوسفیان مرتد ہو گیا ہے۔

مکہ والوں کو جب ابوسفیان کی واپسی کی خبر ہوئی تو اس کے پاس جمع ہوئے اور پوچھا تم کیا کر کے آئے ہو؟ کیا حضور نے کوئی تحریر تمہیں دی ہے یا معاہدہ کی مدت میں توسیع کا وعدہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ حضور ﷺ نے ان مطالبات کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ میں نے آپ سے بات کی لیکن آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ان کے جمیل القدر صحابہ میں سے ہر ایک کے پاس گیا۔ لیکن سب نے مجھے ایک ہی جواب دیا۔ کہ جَوَادِي فِي جَوَادِي وَسُوِي اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ”میری پناہ اللہ کے رسول کی پناہ کے تابع ہے۔“ میں نے آج

1۔ ”سبل الہدیٰ“، جلد 5، صفحہ 315 د، ”الکتب“، جلد 2، صفحہ 289-290 د، ”سبل النبوة“، جلد 5، صفحہ 10

2۔ ”امتاع الاسراع“، جلد 1، صفحہ 272

تک کسی کو اپنے بادشاہ کی ایسی اطاعت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جیسے حضور کے صحابہ آپ کی اطاعت کرتے ہیں۔

دشمنان اسلام جن نفوس قدسیہ کے جذبہ اطاعت و غدا کی اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے، ان صحابہ کرام پر اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے بے عمل لوگ زبان طعن دراز کرنے سے باز نہ آئیں تو ان کی حرمان نصیبی اور بد بختی پر جتنا اظہار افسوس کیا جائے کم ہے۔ حضرت علامہ اقبال نے حبیب رب العالمین ﷺ کے جاں نثار صحابہ کے بارے میں کتنا پیارا شعر کہا ہے۔

عاشقاں از خواہاں خوب تر خوشتر و زیبا تر و محبوب تر

مکہ پر حملہ کرنے کے بارے میں مشورہ

سید عالم ﷺ ایک روز اپنے ایک حجرہ شریف سے باہر نکلے اور اس کے دروازے کے پاس بیٹھ گئے۔ صحابہ کرام کا یہ معمول تھا کہ جب اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تنہا بیٹھے ہوئے دیکھتے تو دور ہی بیٹھ جاتے اور سرکارِ دو عالم ﷺ جب تک کسی کو خود طلب نہ فرماتے کوئی نزدیک جانے کی جرأت نہ کرتا۔ تھوڑی دیر بعد حضور نے حکم دیا کہ ابو بکر کو بڑا کر میرے پاس بھیجو۔ آپ حاضر ہوئے اور بڑے مؤدب ہو کر سامنے بیٹھ گئے۔ دونوں حضرات دیر تک سرگوشی کرتے رہے۔ پھر حضور نے حکم دیا کہ اے ابو بکر! میری دائیں جانب بیٹھ جاؤ۔ پھر حضرت عمر کو یاد فرمایا وہ حاضر ہوئے اور سر اپنا ادب بن کر سامنے بیٹھ گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے بھی دیر تک مشورہ کیا۔ پھر حضرت عمر نے با آواز بلند عرض کی۔ یا رسول اللہ! یہی لوگ (اہل مکہ) کفر کے سرغنہ ہیں، ان لوگوں نے ہی حضور کو ساحر، کافرا، کذاب اور مفتری کہا ہے۔ حضور نے حضرت عمر کو اپنی بائیں جانب بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر عام لوگوں کو حاضر ہونے کی اجازت مل گئی۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا، کیا میں تمہیں تمہارے ان دو صاحبوں کی مثال نہ بتاؤں؟ عرض کی، یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابو بکر صدیق کی طرف رخ انور پھیر کر فرمایا کہ ابراہیم، اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں تمھی سے بھی زیادہ نرم تھے۔ یہی حال ابو بکر کا ہے۔ پھر اپنا چہرہ مبارک حضرت فاروق اعظم کی طرف کر کے فرمایا نوح، اللہ تعالیٰ کے

معاملہ میں پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے۔ یہی حال عمر کا ہے۔ اب تم لوگ جنگ کے لئے پوری طرح تیار ہو جاؤ اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ مجلس برخواست ہو گئی۔ لوگ حضرت صدیق کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ ان سے پوچھا کیا باتیں ہوئیں؟ آپ نے بتایا کہ سرور انبیاء علیہ الخیرۃ والثناء نے ان سے پوچھا کہ مکہ پر حملہ کرنے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! وہ سب آپ کی قوم کے افراد ہیں۔ ان پر حملہ کرنا مناسب نہیں۔ پھر سرکار نے حضرت عمر کو بل کر اس کے بارے میں مشورہ پوچھا۔ حضرت عمر نے عرض کی کہ یہ لوگ بڑے نابکار ہیں، کون سا جھوٹا بہتان ہے جو ان نانبجوروں نے حضور پر نہ لگایا ہو؟ وہ سارے الزامات آپ نے ایک ایک کر کے گن دیئے۔ چنانچہ حضور نے ان پر چڑھائی کرنے کا حکم دے دیا۔ (1)

تیاری کا حکم

ابوسفیان کے مکہ واپس جانے کے بعد حضور پر نور ﷺ نے چند روز توقف فرمایا۔ پھر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ سہان جنگ تیار کرے اور اس کے بارے میں کسی کو خبر نہ ہونے دے۔ پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں التجا کی کہ

”اللہ! اہل مکہ کو ہمارے بارے میں بہرہ اور اندھا کر دے تاکہ وہ نہ ہماری

تیاریوں کو دیکھ سکیں اور نہ ہمارے بارے میں کچھ سن سکیں تاکہ جب ہم اچانک

ان پر حملہ بول دیں تب انہیں ہمارے پروگرام کے بارے میں کچھ پتا چلے۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ طیبہ کے تمام راستوں پر پہرہ دار مقرر کر دیئے۔

حضرت سیدنا عمران پہرہ داروں کی خبر گیری کے لئے خود تشریف لے جایا کرتے اور انہیں

تاکید فرماتے کہ کسی انجان آدمی کو دیکھیں تو اس سے پوری طرح پوچھ گچھ کریں۔ (2)

اہل مکہ کی طرف حاطب بن ابی بلتعہ کا خط

نبی مکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کی جب مکمل تیاری کر لی تو حاطب بن ابی

بلکہ نے اہل مکہ کو ایک خط لکھا۔ اور نبی کریم کے ارادہ سے انہیں آگاہ کیا اور ایک عورت کو دیا کہ وہ اسے بڑی احتیاط سے مکتوب الیہ تک پہنچا دے۔ اس خدمت کے عوض اس عورت کو حاطب نے دس اشرفیاں دیں۔ اس نے خط کو جیب وغیرہ میں رکھنے کے بجائے اپنی مینڈھیوں میں چھپالیا۔ راستوں میں متعین پہرہ داروں سے بچنے کے لئے وہ عام راستہ کو چھوڑ کر پکڑنڈیوں پر چل کر عقیق کی وادی تک پہنچ گئی جہاں سے عام شاہراہ آکر ملتی تھی۔ امام سیبکی نے اس خط کا متن یوں تحریر کیا ہے:

”إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَدْ تَوَجَّهَ
إِلَيْكُمْ بِحَبِيشِ كَاللَّيْلِ، يَسِيرُ كَالسَّيْلِ وَأَقِيمُوا لِلَّهِ تَوَكُّلاً
سَانِئاً لَكُمْ وَحَدَاةً لِنَصْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْكُمْ فَإِنَّهُ مُفْضٍ
لَهُ مَا وَعَدَهُ فِيكُمْ فَإِنَّ اللَّهَ نَاصِرٌ لَوَلِيَّتِهِ“ (1)

”اللہ کے رسول ﷺ تم پر حملہ کرنے کے لئے متوجہ ہوئے ہیں۔ آپ کے ساتھ لشکر رات کے مانند ہے اور وہ سیلاب کی طرح رواں دواں ہے۔ اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر حضور تنہا بھی تم پر چڑھائی کریں تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد فرماتا اور اپنے وعدہ کو پورا کرتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی اپنے نبی کا مددگار اور دوست ہے۔“

حاطب کی اس حرکت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو مطلع فرمادیا۔ حضور نے حضرت علی، زبیر بن عوام اور مقداد بن اسود کو طلب کیا اور حکم دیا کہ فوراً روانہ ہو جاؤ۔ جب تم روضہ خاخ (جگہ کا نام) پر پہنچو تو وہاں تمہیں ایک عورت اونٹ پر سوار ملے گی۔ اس کی تلاشی لینا۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے لے لینا۔

یہ حضرات بجلی کی سرعت سے اس عورت کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور ”بطن ایم“ کے مقام پر اس کو جالیا۔ وہ اونٹ پر سوار تھی، اسے اتار اور اس کے سامان کی تلاشی لی لیکن اس میں سے وہ خط نہ نکلا۔ سیدنا علی نے اس عورت کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

”خدا کی قسم! اللہ کے رسول نے ہر گز غلط بیانی نہیں کی، تمہارے پاس یقیناً وہ خط ہے۔ بہتر ہے کہ وہ خط تم ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ ہم تجھے ننگا کر کے وہ خط

برآمد کر لیں گے۔“

جب اس عورت کو یقین ہو گیا کہ معاملہ اب سنجیدہ ہو گیا ہے تو اس نے اپنی مینڈھیں کھولیں اور ان میں جو خط اس نے چھپا کر رکھا تھا نکالا اور آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

سیدنا علی نے وہ خط لے کر بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ حضور نے حاطب کو طلب فرمایا، وہ آئے ان سے پوچھا اے حاطب! یہ تم نے کیا کیا؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! بخدا اللہ اور اس کے رسول پر میرا پختہ ایمان ہے، میں ہر گز مرتد نہیں ہوا، میرا مکہ میں کوئی قریبی رشتہ دار نہ تھا جو ان حالات میں میرے اہل و عیال کی خبر گیری کرتا۔ میں نے یہ خط لکھ کر ان پر ایک احسان کیا ہے تاکہ وہ اس احسان کے بدلے میرے اہل و عیال کا خیال رکھیں۔

حضور پر نور نے حاطب کا یہ عذر سن کر فرمایا:

وَلَا تَنْتَهِ قَدْ صَدَّقَكَ

”حاطب نے تمہیں سچی بات بتادی ہے۔“

حضرت عمر نے جب حاطب کو دیکھا تو انہیں جھڑکتے ہوئے فرمایا:

اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے۔ حضور نے مدینہ کے راستوں پر پہرہ دار مقرر کر دیئے تھے تاکہ اہل مکہ کو ان تیاریوں کے بارے میں کوئی اطلاع نہ ملے اور تم انہیں خط لکھ کر اطلاع دے رہے ہو۔

پھر حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! حاطب بدری ہے۔ اور غزوہ بدر میں شرکت کرنے والے مجاہدین کے خلوص اور جذبہ جاں نثاری کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: **لَا يَغْنَبُ كَيْفَ عَفَرْتُ لَكُمْ** اب جو چاہو کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔“

یہ سن کر حضرت عمر کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور عرض کی **اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَغْلَبُوا** اسی وقت اللہ تعالیٰ نے سورہ المستحنہ کی پہلی تین آیتیں نازل فرمائیں۔

سید المرسل کی مکہ کی طرف روانگی

سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب مکہ پر حملہ کا ارادہ فرمایا تو ابو قتادہ ربیعہ کو بطن اضم

کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا تاکہ لوگ یہ گمان کریں کہ حضور کا ارادہ اس علاقہ پر چڑھائی کرنے کا ہے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام ان مسلمانوں کی طرف جو مدینہ طیبہ کے ارد گرد بستیوں میں آباد تھے یا صحراؤں میں اقامت پذیر تھے، آدمی بھیجے تاکہ وہ حضور کا یہ پیغام انہیں پہنچائیں:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحَضِرْ رَمَضَانَ
يَأْتِ بِطَبَعٍ يَنْتَعِلُ

”جو لوگ اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں وہ ماہ رمضان میں مدینہ طیبہ پہنچ جائیں۔“

اپنے آقا کا یہ پیغام جس نے بھی سنا وہ مدینہ طیبہ میں پہنچ گیا۔ روانگی سے پہلے حضور نے ابو رہم کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ رمضان المبارک کی 10 تاریخ سنہ 8 ہجری اور بدھ کا دن تھا جبکہ عیسوی سال کی یکم جنوری 630ء۔ نماز عصر ادا کرنے کے بعد نبی الانبیاء سید المرسلین ﷺ مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے۔ حضور کے اعلان کرنے والوں نے یہ اعلان کر دیا کہ جس کا جی چاہے روزہ رکھے جس کا جی چاہے افطار کر دے۔ راستہ میں کہیں توقف کئے بغیر مدینہ طیبہ سے سات میل کے فاصلہ پر صلصل کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ مہاجرین، انصار اور دیگر قبائل کے اہل ایمان اپنے گھوڑوں، اونٹوں پر سوار ہو کر اپنے آقا کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زبیر بن عوام کو دوسو مجاہدین کے ساتھ اپنے آگے چلنے کا حکم دیا۔

یہ لشکر جب مدینہ طیبہ سے تیس میل کے فاصلہ پر ”عرج“ کے مقام پر پہنچا تو اس وقت حضور روزہ سے تھے۔ شدت پیاس کی وجہ سے حضور سر مبارک پر اور چہرہ نور پر پانی چھڑکتے۔ عرج اور طلوع کے درمیان حضور نے ایک کتیا دیکھی جس نے ابھی چند بچے جنے تھے اور وہ اپنی ماں کا دودھ پی رہے تھے۔ اس خیال سے کہ فوج کا کوئی سپاہی انہیں اذیت نہ پہنچائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک صحابی جمیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ اس کتیا اور اس کے بچوں کی حفاظت کے لئے اس کے پاس کھڑا رہے تاکہ لشکر اسلام کا کوئی مجاہد اس کتیا اور اس کے بچوں کو اذیت نہ پہنچائے۔ (1)

یہاں پہنچ کر سرور عالم ﷺ نے سو سو مجاہدین کے دستے تیار کئے جو لشکر اسلام کے آگے آگے چلیں گے۔ عرج اور طلوع کے درمیان بنو ہوازن کا ایک جاسوس گرفتار کیا گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے اس سے وہاں کے حالات دریافت کئے اور اس نے بتایا کہ قبیلہ بنو ہوازن کے افراد آپ سے جنگ کرنے کے لئے تیار یاں کر رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا: **لَا تَنْتَهِیَ عَنْ الْقِتَالِ** اَللّٰهُ دَنِعْمَ الْوَكِيلُ اَوْ كُنَّا الْعُقَاةُ حضور نے حضرت خالد کو حکم دیا کہ اس جاسوس کی نگرانی کریں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ جا کر بنو ہوازن کو ہارے ہارے میں مطیع کر دے۔ یہ لشکر جب قدید کے مقام پر پہنچا تو حضور نے عام شرکت کرنے والے قبائل میں جھنڈے اور پرچم تقسیم فرمائے۔ مواہب لدنیہ کے شارح علامہ زرقانی نے ان کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

بنی سلیم کو ایک پرچم اور ایک جھنڈا، بنی غفار کو ایک جھنڈا، اسلم کو دو پرچم، بنی کعب کو ایک جھنڈا، مزینہ کو تین جھنڈے، جہینہ کو چار جھنڈے، بنو بکر کو ایک پرچم اور اشجع کو دو جھنڈے۔ (2)

اسی اثناء میں حضور انور ﷺ کے چچا حضرت عباس اسام قبول کر کے ہجرت کے ارادہ سے مع اپنے ساز و سامان مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ راستہ میں ان کی ملاقات نبی مکرم ﷺ سے جحفہ (☆) کے مقام پر ہو گئی۔ آپ نے اپنا ساز و سامان مدینہ طیبہ بھیج دیا اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شریک سفر ہو گئے۔ آپ نے اسلام بہت پہلے قبول کر لیا تھا اور کئی بار رحمت عالم ﷺ سے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آنے کی اجازت طلب کی لیکن حضور ﷺ ہر بار یہی ارشاد فرماتے:

يَا عَمْرُو أَقِمَّ مَكَانَكَ الْإِذْنِي أَنْتَ فِيهِ

”اے میرے چچا! آپ جہاں ہیں وہیں ٹھہرے رہیں کیونکہ آپ کی ہجرت کے ساتھ سلسلہ ہجرت اختتام پذیر ہو گا۔ جس طرح میری آمد نے نبوت کے سلسلہ کو ختم فرمایا۔“

بلاذری لکھتے ہیں کہ نبی اکرم نے جب انہیں دیکھا تو فرمایا:

۱۔ زرقانی ”شرح مواہب لدنیہ“، جلد 2، صفحہ 302 و ”السیرۃ الخلیفہ“، جلد 3، صفحہ 90

۲۔ جحفہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بہت بڑا قصبہ تھا۔ وہ مدینہ سے چار مراحل اور مکہ سے ساڑھے چار مراحل کے فاصلہ

پر تھا۔ ”وفاء الوفا“، جلد 4، صفحہ 1325

اے مہم محترم! حیرتی ہجرت آخری ہجرت ہے جس طرح میری نبوت سب سے آخری نبوت ہے۔

ان کے علاوہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب، اور عبد اللہ بن ابی اسیر بن مغیرہ بنق الحناب کے مقام پر شرف دید سے مشرف ہوئے۔ یہ دونوں بھی مکہ سے ہجرت کر کے عازم مدینہ ہو چکے تھے۔

روزہ افطار کرنے کا حکم

اس سفر کا آغاز ماہ رمضان میں ہوا تھا۔ حضور خود بھی روزہ سے تھے اور دیگر مجاہدین بھی روزہ دار تھے۔ جب یہ لشکر کدیہ یا کراخ الغنیم کے مقام پر پہنچا تو گرمی، روزہ اور پھر پیہم پیدل سفر نے انہیں نڈھال کر دیا تھا۔ اس کے بارے میں بارگاہ رسالت میں عرض کی گئی تو نماز عصر کے بعد جب حضور اپنے اونٹ پر سوار ہوئے تو حضور نے دودھ پیا پانی سے بھرا ہوا برتن منگولیا اور اس کو اپنے سامنے کجاوہ پر رکھا تا کہ سب لوگ دیکھ لیں۔ پھر اس سے پیا اور روزہ افطار کر دیا۔ پھر حضور کے پہلو میں جو شخص تھا اس کو عطا فرمایا، اس نے بھی پیا۔ اس کے بعد بھی چند لوگوں نے روزہ رکھنے پر اصرار کیا۔ ان کے بارے میں فرمایا ”أُولَٰئِكَ الْعَصَاةُ“۔ ”یہی لوگ نافرمان ہیں۔ (۱)“

انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے لئے اجازت طلب کی اور اس سلسلہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ نے بارگاہ رسالت میں سفارش کرتے ہوئے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ایک آپ کے چچا کا لڑکا ہے اور ایک پھوپھی کا لڑکا ہے۔ حضور نے فرمایا مجھے ان دونوں کی ضرورت نہیں۔ میرے چچا کے بیٹے ابوسفیان نے میری ہتک عزت کی ہے اور میرے پھوپھی کے لڑکے عبد اللہ نے میرے بارے میں ہذیان سرائی کی اور یہ کہا کہ میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا۔ یہاں تک کہ آپ آسمان کی طرف ایک سیڑھی لگائیں اور میرے سامنے اس پر چڑھیں۔ پھر آپ وہاں سے ایک تحریر لے آئیں اور آپ کی معیت میں چار فرشتے ہوں جو اس بات کی گواہی دیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ جب ان دونوں کو اس فیصلہ کا علم ہوا تو ابوسفیان نے (اس کے ساتھ اس کا چھوٹا فرزند بھی

تھا) عرض کی۔ اگر مجھے حاضر خدمت ہونے کی اجازت نہیں دیں گے تو میں اس بچے کو لے کر لقمہ و دق صحرا میں چلا جاؤں گا یہاں تک کہ ہم دونوں شدت پیاس اور فاقہ کشی کے باعث ہلاک ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کا دل پیسج گیا۔ حضور نے ان پر رحم فرماتے ہوئے ان کو حاضر ہونے کی اجازت دی۔ جب وہ حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوئے تو سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ابوسفیان کو یہ نصیحت کی کہ حضور کی خدمت میں سامنے کی جانب سے حاضر ہونا اور وہ بات کہنا جو یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف سے کی:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَقَدْ اِشْرَكَتُ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخٰطِئِينَ (1)
 ”کہ بخدا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور بے شک ہم ہی خطا کار ہیں۔“

اس کی وجہ سیدنا علی نے یہ بیان فرمائی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ عادت مبارک ہے کہ جب کوئی شخص کوئی درخواست پیش کرتا ہے تو حضور اس کا بہترین جواب دیتے ہیں۔

جب یہ دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے یہی آیت پڑھی۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَتْرِبَنَّ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَعْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ اَدْنٰمُ الرَّحْمٰنِ (2)
 ”نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن، معاف فرما دے اللہ تعالیٰ تمہارے (قصوروں کو) اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔“

دونوں نے اسلام قبول کیا۔ ابوسفیان بن حارث جب کبھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تو ہمیشہ۔۔ اپنا سر جھکائے رہتے اور شرم کی وجہ سے آنکھیں اوپر نہ اٹھا سکتے۔

اس وقت اس نے ایک قصیدہ عرض کیا جس کے پہلے دو شعر آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

لَعَمْرُكَ اِنِّيْ يَوْمًا جِئْتُ رَايَةً لِمَتَغْلِبَ خَيْلُ اللَّاتِ خَيْلَ مُحَمَّدٍ
 لَكَا الْمَدْلِجُ الْحَيَوَانِ اَظْمَ لَيْلَةً فَهَذَا اُوَانِيْ جِئْتُ اَهْدَا وَ اَهْدَى

”آپ کی زندگی کی قسم! جس روز میں اس لئے پرچم اٹھایا کرتا تھا کہ
 لات کے شہسوار، حضور کے شہسواروں پر غالب آجائیں۔“
 ”تو میں اس آدمی کی طرح تھا جو اندھیرے میں حیران و ششدر ہو کر
 چل رہا ہو اور اس کی رات تاریک ہو۔ پس یہ وہ سہانی گھڑی ہے جب
 مجھے ہدایت دی گئی اور میں نے ہدایت قبول کر لی۔“

مر الظہران میں پڑاؤ

سفر جاری رہا۔ عشاء کے وقت مر الظہران کی بستی کے پاس سے گزر ہوا۔ وہاں شب
 بسر کرنے کے لئے قیام کا حکم ملا۔ اس کے ساتھ ہی یہ فرمان جاری ہوا کہ ہر شخص اپنے
 اپنے پڑاؤ میں آگ جلے۔ فوراً تعمیل کی گئی اور دس ہزار چولہے روشن ہو گئے۔ ساری وادی
 جگمگ جگمگ کرنے لگی۔ رات کو لشکر اسلام کی نگہداشت کے لئے حضرت فاروق اعظم کو
 مقرر کیا گیا۔ مدینہ طیبہ سے لشکر اسلام کو عازم سفر ہوئے کئی دن گزر چکے تھے لیکن کفار مکہ
 کو اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہ ملی، وہ محض بے خبر تھے۔ انہیں یہ سان گمان بھی نہ ہوا
 کہ حضور نے مکہ کا قصد فرمایا ہے۔ کفار مکہ کو یہ کھٹکا تو ہر وقت لگا رہتا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
 والسلام ان پر حملہ آور ہوں گے۔ حالات کا جائزہ لینے کے لئے ابوسفیان کو مقرر کیا گیا۔
 جب ابوسفیان اس مشن پر روانہ ہونے لگا تو اہل مکہ نے اس کو کہا، اگر اس کی ملاقات حضور
 سے ہو جائے تو وہ حضور سے ان سب کے لئے امان کی درخواست کرے۔ چنانچہ ابوسفیان،
 حکیم بن حزام کو لے کر اپنے مشن پر روانہ ہوا، راستہ میں ان کی ملاقات، بدیل بن ورقاء
 سے ہو گئی۔ انہوں نے اسے بھی ساتھ چلنے کے لئے کہا تا کہ سب مل کر لشکر اسلام کے
 بارے میں معلومات حاصل کریں۔

جب یہ لوگ مر الظہران کے قریب ”اراک“ نامی بستی میں پہنچے تو وہ یہ دیکھ کر حیران
 رہ گئے کہ تاحد نظر خیمے نصب ہیں اور ہر خیمہ کے سامنے آگ جل رہی ہے۔ انہوں نے
 گھوڑوں کو ہنہاتے اور اونٹوں کو بلبلاتے سنا تو ان پر شدت خوف سے لرزہ طاری ہو گیا۔
 بدیل نے ان کی گھبراہٹ کو کم کرنے کے لئے کہا، یہ بنو خزاعہ کا قبیلہ معلوم ہوتا ہے۔
 جنہیں جنگ کی آگ نے جلا کر خاکستر کر دیا ہے۔ ابوسفیان بولا۔ بھدا بنو خزاعہ کے پاس اتنی

نفری کہاں سے آگئی؟

صدیق اکبر کا خواب

امام بیہقی نے ابن شہاب زہری سے روایت کیا ہے کہ ایک صبح حضرت صدیق اکبر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ عرض کی، میرے آقا! میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے کہ ہم حضور کی معیت میں مکہ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ مکہ سے ایک کتیا بھونکتی ہوئی نکلی۔ جب ہم اس کے قریب ہوئے تو وہ پیٹھ کے بل زمین پر بیٹ گئی اور اس سے دودھ بہنے لگا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر اہل مکہ کی قوت اب دم توڑ چکی ہے۔ وہ اب اپنا دودھ پیش کر رہے ہیں۔ وہ اپنی رشتہ داریوں کے دامن میں پندہ بینے پر مجبور ہوں گے۔ ان میں سے کئی لوگ اب تمہارے ساتھ ملاقات کرنے والے ہیں۔ اگر تمہاری ملاقات ابوسفیان سے ہو تو اسے قتل نہ کرنا۔

ابوسفیان کے بارے میں حضور کی اطلاع

امام طبرانی، ابو یعلیٰ سے روایت کرتے ہیں۔ ابو یعلیٰ نے کہا، کہ مرثد بن ابی ان کے قصبہ میں میں حضور کے ساتھ تھا۔ حضور نے فرمایا، ابوسفیان اراک کی بستی میں ہے۔ جاؤ اور اس کو گرفتار کرو۔ چنانچہ ہم اس بستی میں گئے اور ابوسفیان کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے آئے۔ ابن عقبہ مشہور سیرت نگار لکھتے ہیں کہ یہ تینوں ابوسفیان، حکیم بن حزم اور بدیل، اراک کی بستی میں موجود تھے۔ حضور کے فرستادہ مجاہد وہاں گئے اور چپکے سے ان کے اونٹوں کی ٹکیلیں پکڑ لیں۔ انہوں نے ہڑ بڑا کر پوچھا۔ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمہارے سامنے اللہ کے رسول اور اس کے سر فروش بھی بہ کرام خیمہ زن ہیں؟ ابوسفیان حیرت زدہ ہو کر کہنے لگا، کبھی ایسا بھی ہوا، اتنا لشکر جرار ہمارے گھر میں آدھکا ہے اور ہمیں خبر تک بھی نہیں ہوئی؟ (1)

ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں کہ جس رات اسلام کے انصاری رضاکاروں نے اراک

کے موضع سے ان تینوں قریشیوں کو گرفتار کیا تھا، اس رات لشکر اسلام پر پہرہ کی ڈیوٹی حضرت عمر کی تھی۔ اسلام کے مجاہد انہیں پکڑ کر حضرت عمر کے پاس لے آئے اور کہا کہ ہم مکہ کے چند افراد کو پکڑ کر لے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا صبح تک انہیں اپنی حراست میں رکھو۔ صبح سویرے جب یہ رضا کار ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو بارگاہ رسالت میں پیش کرنے کے لئے لے جا رہے تھے، ان کی ملاقات حضرت عباس سے ہو گئی۔ آپ نے ان تینوں کو اپنی پناہ میں لے لیا۔

یہی واقعہ اسحاق بن راہویہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے اس طرح نقل کیا ہے:

حضور سرور عالم ﷺ جب مر الظهران کی بستی میں رات بسر کرنے کے لئے اترے تو حضرت عباس کا دل اہل مکہ کے المنک انجام کا تصور کر کے تڑپ اٹھا۔ کہنے لگے، اگلی صبح کو قریش کی بربادی پر فریاد اگر نمی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کو بزور شمشیر فتح کر لیا تو قریش تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ کاش وہ کل صبح سے پہلے خدمت اقدس میں حاضر ہو جائیں اور امان طلب کر لیں۔

حضرت عباس فرماتے ہیں کہ میں اٹھا اور سرور عالم ﷺ کا نیلگوں خچر لیا اور اس پر سوار ہو کر کسی ایسے آدمی کی تلاش میں نکلا جو میرا پیغام قریش کو پہنچا دے۔ کوئی لکڑہار، کوئی گوالا یا کوئی صاحب ضرورت جو شخص مکہ جا رہا ہو، مجھے مل جائے تاکہ اس کے ذریعہ اہل مکہ کو میں اپنا پیغام پہنچا سکوں۔ جب میں اراک سے گزرا تو میرے کانوں میں ابوسفیان اور بدیل کی آواز آئی، وہ آپس میں ہم کلام تھے۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا کہ میں نے آج تک ایسی رات نہیں دیکھی جس میں یوں ہزاروں آگیاں روشن ہوں اور اتنا لشکر جرار خیمہ زن ہو۔ بدیل نے کہا۔ میرے خیال میں یہ بنو خزاعہ کا قبیلہ ہے جو یہاں خیمہ زن ہے۔ ابوسفیان نے کہا۔ بھولے نہ بنو۔ اتنے آدمی بنو خزاعہ کے پاس کہاں سے آئے کہ انہوں نے اتنی آگیاں روشن کر دی ہیں اور اتنی فوج جمع کر لی ہے۔

حضرت عباس کہتے ہیں۔ میں نے ابوسفیان کی آواز کو پہچان لیا۔ میں نے اسے آواز دی۔ ”يَا أَبَا حَظَلَّةَ“ (یہ ابوسفیان کی کنیت تھی) اس نے میری آواز پہچان لی فوراً بولا لَبَّيْكَ يَا أَبَا الْفَضْلِ میرے ماں باپ تم پر قربان جائیں۔ کیا بات ہے؟ میں نے کہا۔ تیرا بیڑا

غرق ہو۔ یہ اللہ کے رسول اپنے ہزاروں مجاہد صحابہ کے ساتھ پہنچ گئے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا۔ قریش تو اب تباہ ہو جائیں گے۔ میرے ماں باپ تجھ پر صدقے ہوں۔ اب کوئی تدبیر بتاؤ! ہم کیا کریں؟ میں نے کہا، میرے پیچھے خچر پر سوار ہو جاؤ، میں تمہیں بارگاہ رسالت میں لے جاتا ہوں اور تمہارے لئے پناہ کی درخواست کرتا ہوں۔ اگر تو حضور کی بارگاہ میں نہ ضرر نہ ہوا اور کسی مسمان نے تجھے دیکھ لیا تو وہ تمہیں موت کے گھاٹ اتار کر رہے گا۔ چنانچہ ابوسفیان آپ کے پیچھے سوار ہو گیا۔ ابوسفیان کے باقی دو ساتھی کدھر گئے۔ اس میں اختلاف ہے۔ ابن عقبہ کی رائے یہ ہے کہ سب کو حضرت عباس حضور کی خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوئے۔ اور سب کے لئے پناہ کی درخواست کی جو قبول ہوئی۔

حضرت عباس فرماتے ہیں کہ میں ابوسفیان کو ساتھ لے کر چلا۔ جب میرا گزر کسی آگ سے ہوتا تو وہ کہتے ”یہ خچر ہمارے آقا کا ہے اور اس پر حضور کے چچا عباس سوار ہیں۔“ چنانچہ ہم سے کوئی تعرض نہ کرتا۔ لیکن جب ہمارا گزر اس آگ پر ہوا جو حضرت فاروق اعظم کے خیمہ کے سامنے روشن تھی تو آپ مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور پوچھا، آپ کے پیچھے یہ کون ہے؟ انہوں نے غور سے دیکھا تو ابوسفیان کو میرے پیچھے بیٹھا ہوا پایا۔ بولے اے اللہ کے دشمن! اللہ کا شکر ہے کہ تو اس وقت میرے قابو آیا جب تجھے کسی کی پناہ میسر نہ تھی۔ پھر حضرت عمر دوڑے تاکہ بارگاہ رسالت میں پہنچ کر اس کو قتل کرنے کا اذن حاصل کریں۔ وہ پیدل تھے اور میں خچر پر سوار تھا۔ میں نے ایڑ لگائی اور دوڑا کر ان سے پہلے حضور کے پاس پہنچ گیا۔ حضور کے خیمہ کے دروازے پر ہم دونوں اکٹھے ہو گئے۔ میں خچر سے نیچے کود پڑا اور خیمہ میں داخل ہو گیا۔ حضرت عمر بھی میرے بعد جلدی خیمہ میں داخل ہوئے۔ حضرت عمر نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ ہے اللہ کا دشمن ابوسفیان، اس کو ابھی کسی کی پناہ حاصل نہیں۔ اجازت ہو تو اس کی گردن اڑا دوں۔ حضرت عباس کہتے ہیں میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں نے اس کو امان دے دی ہے۔ پھر میں حضور سے چٹ گیا اور حضور کے سر مبارک کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ جب حضرت عمر نے ابوسفیان کے بارے میں شدید اصرار کیا تو میں نے کہا۔ اے عمر! صبر کرو اگر یہ تمہارے خاندان بنی عدی کا فرد ہوتا تو اتنی سختی نہ کرتا، کیونکہ یہ بنو مناف کے خاندان کا فرد ہے، اس لئے تو اس کے قتل پر اصرار کر رہا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ اے عباس! اتنی زیادتی نہ کرو۔ اے ابوالفضل! جب آپ نے

اسلام قبول کیا تو مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر میرا باپ خطاب اسلام قبول کرتا تب بھی مجھے اتنی مسرت نہ ہوتی کیونکہ مجھے اس بات کا علم تھا کہ میرے باپ کے اسلام لانے سے آپ کا مشرف باسلام ہونا حضور ﷺ کے لئے زیادہ باعث مسرت ہے۔

حضرت عباس نے عرض کی، یا رسول اللہ! ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل کو میں نے پناہ دے دی ہے۔ اب وہ حاضر خدمت ہونے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ فرمایا، انہیں لے آؤ۔ ہم سب رات کا کافی حصہ خدمت اقدس میں حاضر رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے حالات دریافت فرماتے رہے۔ پھر ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا ”نَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں ”لیکن انہوں نے ”مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ“ نہ کہا۔ حضور مبارک نے فرمایا، جب تک میری رسالت پر ایمان نہیں لاؤ گے اس وقت تک مسلمان نہیں ہو گے۔ بدیل اور حکیم نے تو اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کہہ دیا لیکن ابوسفیان نے غور و فکر کرنے کے مہلت طلب کی۔ حضور نے حضرت عباس کو فرمایا، اسے اپنے خیمہ میں لے جاؤ۔ صبح اسے پھر لے آنا۔ (۱)

جب صبح ہوئی تو مؤذن نے اذان دینی شروع کی۔ لشکر اسلام کے تمام مجاہدان کلمات کو دہراتے جاتے تھے۔ ابوسفیان سن کر گھبرا گیا۔ اس نے حضرت عباس سے پوچھا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں! آپ نے بتایا یہ لوگ نماز پڑھنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس نے پوچھا، تم ہر روز کتنی نمازیں پڑھتے ہو؟ آپ نے بتایا ہم دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ پھر ابوسفیان نے ایک اور منظر دیکھا جس نے اس کو حیران و ششدر کر دیا۔ محبوب رب العالمین ﷺ وضو فرما رہے ہیں، سرے صحابہ حضور کے وضو کے پانی کے قطرے جو جسم اطہر کو چھو کر نیچے گر رہے ہیں۔ پک لپک کر اپنی ہتھیلیوں پر لے کر چہروں پر مل رہے ہیں۔ وہ کہنے لگا۔ میں نے آج تک کسی بادشاہ کے خادموں کو اس کے ساتھ اس محبت اور ادب کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، نہ کسی قیصر کو اور نہ کسی کسری کو۔ حضرت عباس فرماتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ جب نماز صبح سے فارغ ہوئے تو میں ابوسفیان کو لے کر بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ اداۓ نماز کا منظر بھی ابوسفیان کے لئے کم حیرت انگیز نہ تھا۔ امام الانبیاء

1- ”سبل الہدی“، جلد 5، صفحہ 327-328، ”امتاع الساع“، جلد 2، صفحہ 274-275، واسطی، ”دول کل النبوۃ“، جلد

علیہ النبیۃ والثناء نے جب تکبیر تحریمہ کہی تو سب صحابہ نے اللہ اکبر کہا۔ جب رکوع فرمایا تو سب رکوع میں چلے گئے، رکوع سے اٹھے تو سب اٹھ کھڑے ہوئے، پھر حضور سجدہ میں گئے تو سب سر بسجود ہو گئے۔ ابوسفیان کو یہ رائے سکوت نہ رہا۔ کہہ اٹھا کہ اطاعت و انقیاد کا ایسا حسین منظر میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اے ابوالفضل! بخدا! تیرے بھتیجے کی بادشاہی بہت بلند ہو گئی ہے۔ حضرت عباس نے فرمایا (نادان) یہ بادشاہی نہیں، یہ نبوت ہے۔

جب نبی مکرم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ابوسفیان کو فرمایا، اے ابوسفیان! کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم اس حقیقت کو تسلیم کر لو کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی خدا نہیں۔ اس نے کہا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ کتنے حلیم اور کریم ہیں، آپ کی شان عفو و درگزر کتنی عظیم ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اور خدا ہوتا تو اس نے ہمیں کچھ تو فائدہ پہنچایا ہوتا۔ مشکل حالات میں میں اپنے خداؤں سے مدد طلب کرتا رہا اور آپ اپنے خدا سے امداد مانگتے رہے، بخدا! جب بھی میں نے آپ سے مقابلہ کیا ہمیشہ فتح آپ کے حصہ میں آئی۔ گر میرا خدا سچا ہوتا تو میں آپ پر غلبہ پاتا۔ اس سے یہ حقیقت مجھ پر روز روشن کی طرح واضح ہو گئی ہے کہ وہ سچا خدا ہے جو آپ کا معبود ہے۔ (1) پھر حضور نے فرمایا کیا ابھی یہ حقیقت تم پر آشکارا نہیں ہوئی کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابوسفیان نے عرض کی، میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ کتنے حلیم اور کتنے کریم ہیں۔ آپ کی عفو و درگزر کی شان کتنی بلند ہے۔ اس بارے میں اب میرے دل میں کچھ شک ہے۔

حضرت عباس نے فرمایا۔ سخت (تیر، خانہ خراب) اسلام قبول کر ورنہ تیری گردن اڑ دی جائے گی۔ اس وقت اس نے پڑھا اَشْهَدُ اَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللَّهِ ابن عقبہ اور محمد بن عمرو نے دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ ابوسفیان نے پہلے ہی اعلان کر دیا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللَّهِ (2)

اسلام قبول کرنے کے بعد ابوسفیان اور حکیم بن حزام نے شکوہ کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کی، یا رسول اللہ! آپ ابوش قسم کے لوگوں کو ہمراہ لے کر آئے ہیں، ان میں سے بعض کو ہم جانتے ہیں اور بعض کو ہم جانتے بھی نہیں۔ تاکہ وہ آپ کے خاندان

والوں اور رشتہ داروں کو یہ تیج کریں۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا، قلم و فہر کی ابتداء تم نے کی ہے۔ حدیبیہ کا وعدہ تم نے توڑا ہے۔ بنی کعب پر تم نے زیادتی کی ہے، حرم کی حدود میں تم نے قتل و غارت کا بازار گرم کیا ہے۔ ان لوگوں نے میری تصدیق کی جب تم نے جھٹلایا (1) دونوں نے تسلیم کیا کہ حضور سچ فرما رہے ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ اگر یہی لشکر کشی آپ بنو ہوازن کے خلاف کرتے تو کیا یہ بہتر نہ ہوتا، وہ آپ کے جانی دشمن تھے اور رشتہ دار بھی نہ تھے۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں پر مجھے فتح عطا فرمائے گا۔ مکہ فتح ہو گا اور بنو ہوازن بھی سر تسلیم خم کر دیں گے۔

حضرت عباس نے عرض کی، یا رسول اللہ! حضور جانتے ہیں ابوسفیان نام و نمود اور شہرت کو بہت پسند کرتا ہے۔ آپ ایسی چیز ارشاد فرمائیے جس پر وہ فخر کر سکے۔ ابن ابی شیبہ نے کہا، یہ تجویز حضرت صدیق اکبر نے پیش کی۔ رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ دَخَلَ دَارَ ابْنِ سُفْيَانَ فَهُوَ امِنٌ

”جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کے لئے امان ہے۔“

ابوسفیان نے عرض کی کہ میرے گھر میں کتنے لوگ سما سکیں گے۔ حضور نے فرمایا جو حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو گا، اسے بھی امان ہے، ابوسفیان کا گھر مکہ کے اونچے علاقہ میں تھا اور حکیم کا گھر مکہ کے نشیب میں تھا۔ پھر حضور نے فرمایا جو مسجد میں داخل ہو جائے گا اس کو بھی امان ہے۔ ابوسفیان نے عرض کی، مسجد میں بھی چند لوگ سما سکیں گے۔ رحمت عالم ﷺ نے غنوعام کا دروازہ کھولتے ہوئے فرمایا۔ جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا اس کو بھی امان ہے۔ ابوسفیان نے کہا: هَذَا مِصْرٌ اس اعلان میں بڑی وسعت ہے۔ (2)

ابوسفیان اور حکیم کا مکہ واپس جانے کا ارادہ اور حضور کا ارشاد گرامی

ابوسفیان نے جب مکہ جانے کا ارادہ کیا تو سرور عالم ﷺ نے حضرت عباس کو ارشاد فرمایا، ابوسفیان جب وادی کی تنگ جگہ پر پہنچے تو وہاں اس کو روک لینا تاکہ وہ قوت اسلام کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکے۔ حضرت عباس فرمان نبوی کی تعمیل کے لئے تیزی سے

1- اسہبی، ”دار الملک الوفا“، جلد 5، صفحہ 39

2- ”سبل الہدی“، جلد 5، صفحہ 329-330

ابوسفیان کے تعاقب میں نکلے۔ اس نے دیکھا تو بول اٹھا۔ اے ہاشمیو! کیا وعدہ شکنی پر آمادہ ہو گئے ہو؟ آپ نے جواب دیا، خاندان نبوتِ ندر اور دھوکا نہیں کیا کرتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم یہاں ٹھہرو اور لشکرِ اسلام کا مشاہدہ کرو تاکہ ان کی قوت و شوکت کا تمہیں اندازہ ہو جائے۔

لشکرِ اسلام کی قوت اور جنگی ساز و سامان کی نمائش

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس رات کو حکم دیا کہ منادی کرنے والے لشکرِ سدِ ام کی اقامت گاہوں میں جا کر یہ اعلان عام کریں کہ

صبح سویرے ہر قبیلہ کے جوان اپنی سوار یوں پر زینیں اور کجاوے کس میں اور ہر قبیلہ اپنے قائد کے ساتھ اپنے جھنڈے کے پاس کھڑا ہو جائے اور اپنے اسلحہ اور سامانِ جنگ کی پوری طرح نمائش کرے۔

صبح ہوتے ہی سارے مجاہدین اپنے گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو گئے۔ جو مجاہد گھوڑوں پر سوار تھے انہیں لشکر کے آگے آگے چھپنے کا حکم ملا۔ ہر قبیلہ اپنے سامان کی قیادت میں اور سواروں کا دستہ اپنا اپنا پرچم لہراتے ہوئے مکہ کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔ حضور کے حکم کے مطابق لشکرِ اسلام کو یوں ترتیب دی گئی۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح مقدمۃ الخیش کے قائد مقرر ہوئے، حضرت خالد کو میمنہ پر متعین کیا گیا، حضرت زبیر بن عوام میسرہ کے قائد بنائے گئے اور قلب لشکر میں خود رحمتِ عالمیان ﷺ تشریف فرما ہوئے۔

حضرت خالد بن ولید، بنی سلیم کے سالار مقرر ہوئے تھے، بنی سلیم کی تعداد ایک ہزار تھی۔ ان کے پاس دو جھنڈے اور ایک پرچم تھا۔ ایک جھنڈا عباس بن مرداس اور دوسرا خفاف بن ندبہ کے پاس تھا۔ اس قبیلہ کا پرچم حجاج بن علاط نے تھاما ہوا تھا۔ حضرت خالد کا یہ چاق و چوبند دستہ ابوسفیان کے پاس سے گزرا تو انہوں نے قین بار بلند آواز سے نعرہ تکبیر لگایا اور آگے بڑھ گئے۔ ابوسفیان نے حضرت عباس سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے اسے بتایا کہ یہ خالد ہے۔ ابوسفیان نے ازراہ حیرت پوچھا۔ الغلام؟ یعنی وہ نوجوان خالد۔ فرمایا وہی نوجوان خالد۔ پھر اس نے پوچھا، اس کے ساتھ کون لوگ ہیں؟ بتایا، بنو سلیم۔ بولا، مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کے بعد حضرت زبیر بن عوام نمودار ہوئے۔ ان کے ساتھ پانچ صد مہاجرین تھے۔ ان کے پاس سیاہ رنگ کا پرچم تھا۔ جب یہ دستہ ابوسفیان کے پاس پہنچا

توانہوں نے بھی تین بار بلند آواز سے نعرہ تکبیر لگایا۔ ابوسفیان نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا کہ یہ زبیر بن عوام ہیں۔ اس نے پوچھا آپ کے والد کا بھانجا زبیر؟

ان کے بعد بنی غفار قبیلہ جن کی تعداد تین صد تھی جن کا جھنڈا حضرت ابوذر کے ہاتھ میں تھا، وہ گزرا۔ انہوں نے بھی ابوسفیان کے قریب پہنچ کر تین بار نعرہ تکبیر بلند کیا۔ جب ان کے بارے میں ابوسفیان نے دریافت کیا تو حضرت عباس نے بتایا۔ اس نے کہا **عَلَى قَوْلِي** میرا بنی غفار سے کوئی سروکار نہیں۔ "غرض یکے بعد دیگرے دوسرے قبیلے اپنے اپنے سالار کی قیادت میں اپنے اپنے پرچم ہراتے ہوئے گزرتے رہے۔ ان کے بارے میں ابوسفیان یہی کہتا رہا کہ مجھے ان لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔

لیکن جب بنو کعب بن عمرو جن کی تعداد پانچ صد تھی گزرے اور اسے بتایا گیا کہ یہ بنو کعب ہیں تو اس نے کہا، ہاں یہ حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حلیف ہیں۔

ان کے بعد بنو مزینہ اپنے تین پرچموں اور سو شہسواروں کے ساتھ گزرے تو ان کے بارے میں بھی ابوسفیان نے یہی کہا کہ مجھے ان لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔

پھر قبیلہ جہینہ کے آٹھ صد مجاہدین پر مشتمل دستہ گزرا۔ اس میں چار جھنڈے جھول رہے تھے۔ اسی طرح انہوں نے بھی تین بار نعرہ تکبیر بلند کیا۔ ان کے بارے میں بھی ابوسفیان کی بے رخی کا وہی عالم تھا۔ کچھ اور دستوں کے بعد قبیلہ اشجع کا تین صد مجاہدین پر مشتمل دستہ گزرا جن کے پاس دو جھنڈے تھے۔ انہوں نے بھی ابوسفیان کے پاس پہنچ کر تین بار نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پوچھنے پر اسے بتایا گیا کہ یہ بنو اشجع ہیں تو بڑی حسرت سے بولا، ایک وقت میں یہ لوگ قبائل عرب میں سب سے زیادہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے دشمن تھے۔ حضرت عباس نے فرمایا، بے شک ایک وقت ایسا تھا، لیکن اب تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو نور اسلام سے منور کر دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر خصوصی فضل و احسان ہے۔

ابوسفیان کافی اکتا گیا تھا۔ پوچھنے لگا، کیا ابھی محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بہت پیچھے ہیں؟ بتایا گیا ابھی حضور تشریف نہیں لائے۔ جس وقت حضور پر نور تشریف لائیں گے تو تمہارے ہوش اڑ جائیں گے۔ وہاں فولاد ہی فولاد نظر آئے گا۔ جزیرہ عرب کے اصل گھوڑے ہنہارے ہوں گے اور ایسے نوجوان اس میں شامل ہوں گے کہ تو انہیں دیکھتا ہی رہ جائے گا۔ کسی کی جہل نہیں ہوگی کہ ان سے ٹکر لے سکے۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے شکر

اسلام کے دستے گزرتے رہے۔ ابوسفیان بار بار بھی سواں کرتا کہ ابھی محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نہیں آئے۔ حضرت عباس اسے بتاتے کہ ابھی نہیں۔

یہاں تک کہ سنیہ خضراء (سبز پوش دستہ) دور سے نمودار ہوا جس میں اللہ تعالیٰ کے محبوب اور ساری کائنات کے ہادی محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لارہے تھے۔ اس دستہ میں صرف مہاجرین اولین اور انصاری قبائل کے رؤساء شریک تھے۔ اس میں بہت سے جھنڈے اور بہت سے پرچم لہرا رہے تھے۔ انصار کے ہر خاندان کو ایک جھنڈا اور ایک پرچم عطا کیا گیا تھا۔ ان کا سارا جسم فول دی زرہوں اور آہنی خودوں میں غرق تھا۔ صرف آنکھوں کے سامنے دو سوراخ تھے۔ اس دستہ میں وقفہ وقفہ کے بعد حضرت فاروق اعظم کی آواز گونجتی تھی۔ آپ فرماتے۔ بھائیو! آہستہ آہستہ چلو تاکہ پچھلے لوگ بھی آپ کے ساتھ مل جائیں۔ اس دستہ میں ایک ہزار زرہ پوش تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنا جھنڈا سعد بن عبادہ انصاری کو مرحمت فرمایا تھا اور وہ سب سے آگے آگے چل رہے تھے۔ جب حضرت سعد کا گزر ابوسفیان کے پاس سے ہوا تو آپ نے ابوسفیان کو لکارتے ہوئے کہا:

اَيُّوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ الْيَوْمُ تَسْتَحِلُّ الْحُرْمَةَ
اَلْيَوْمَ اَذَلَّ اللّٰهُ قُرَيْشًا

”آج کا دن قتل و غارت کا دن ہے۔ آج حرم میں خونریزی کی جائے گی۔ آج کے دن اللہ تعالیٰ قریش کو ذلیل کر دے گا۔“

ابوسفیان نے یہ لکارسنی تو سنائے میں آگیا اور حضرت عباس کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔ يَا عَبَّاسُ جَنَدَ الْيَوْمِ لَيْسَ مَعَهُ اس جملہ کے کئی مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن صحیح مفہوم وہ معلوم ہوتا ہے جو علامہ زر قانی نے ”شرح المواہب اللدنیہ“ میں تحریر فرمایا ہے:

مَعَنَا هَذَا يَوْمُ يَلْزَمُكَ فِيهِ جَفِظٌ وَحِمَايَتِي لِقُرْبِكَ
لِلْمُصْطَفَى وَحُبِّهِمْ لَكَ لِاقْبَالِهِ عَلَيْكَ

”یعنی یہ وہ دن ہے جب تم پر میری حفاظت ضروری ہے۔ کیونکہ آپ حضور نبی کریم ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ اور حضور آپ سے محبت کرتے ہیں اور آپ کی بات توجہ سے سنتے ہیں۔“

یہ دستہ گزرتا رہا یہاں تک کہ اس کے آخر میں سرور عالم ﷺ اپنی نازق صوواء پر سوار

ہو کر نمودار ہوئے۔ حضور کے دائیں جانب حضرت صدیق اکبر اور بائیں جانب اسید بن خضیر تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ ان کے ساتھ محو گفتگو تھے۔ اس وقت حضرت عباس نے اشارہ کرتے ہوئے ابوسفیان کو بتایا ہَذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اے ابوسفیان! ”یہ ہیں اللہ کے رسول ﷺ“ یہ سارا منظر دیکھ کر ابوسفیان دم بخود ہو گیا، نہ بے لگا اے عباس! تمہارے بھتیجے کی بادشاہی آج بہت عظیم بن گئی ہے۔ آپ نے اے کہا، اے ابوسفیان! یہ نبوت ہے، بادشاہی نہیں۔ ابوسفیان نے کہا، ہاں ایسا ہی ہوگا۔

جب رحمتِ عالم ﷺ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو وہ بولا، یا رسول اللہ۔ کیا آپ نے حکم دیا ہے کہ آپ کی قوم کو قتل کر دیا جائے؟ کیا آپ کو پتا نہیں چلا کہ سعد بن عبادہ نے کیا کہا ہے؟ حضور نے پوچھا۔ سعد نے کیا کہا؟ ابوسفیان نے کہا، سعد نے کہا ہے۔ اَلْيَوْمُ نِيَوْمُ الْمَلْحَمَةِ... الخ پھر کہنے لگا کہ میں آپ کی قوم کے بارے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیونکہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ نیکوکار ہیں، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، سب سے زیادہ رحیم و کریم ہیں۔ ابوسفیان کی یہ التجاسن کر حضور نے فرمایا:

كَذَبَ سَعْدُ يَا أَبَا سُفْيَانَ! الْيَوْمُ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ. الْيَوْمُ
يَوْمُ يُعْظِمُ اللَّهُ فِيهِ الْكُفْبَةَ الْيَوْمُ يَوْمُ تُنْكَسَى فِيهِ
الْكُفْبَةُ الْيَوْمُ يَوْمُ أَعَزَّ اللَّهُ فِيهِ مُرَيْشًا.

”اے ابوسفیان! سعد نے غلط کہا ہے:-

آج کا دن رحمت کا دن ہے۔ آج کا دن وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت کو ظاہر کرے گا۔ آج کا دن وہ ہے جس روز کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔ آج کا دن وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ قریش کی عزت کو چار چاند لگائے گا۔“ (1)

ضرار بن خطاب الغمری نے ایک قصیدہ لکھا جس میں قریش پر رحمت و شفقت کا بڑا تاثر کرنے کی التجا کی گئی تھی۔ اس نے یہ قصیدہ ایک عورت کو دیا تاکہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر پڑھ کر سنائے۔ اس قصیدہ کے پہلے دو شعر یہاں نقل کر رہا ہوں تاکہ قریش کی حالت زار کا آپ بھی کچھ نہ کچھ اندازہ لگا سکیں:

يَا أَيُّهَا الْهَدَىٰ إِلَيْكَ لَجْنَا حَتَّىٰ تَوْنِيصَ وَلَا تَجِيَنَ لَجْنَا
 جَعَلْنَا صَاقَتَ عَلَيْهِمْ سَعْدَ الْأَزْمَانِ وَعَادَا هُمُ إِلَهُ السَّمَاءِ
 ”اے رشد و ہدایت کے نبی! قریش کا قبیلہ آپ کے دامن میں پناہ لینے
 کی اس وقت التجا کر رہا ہے جب کہ اس کا وقت گزر چکا ہے۔“
 ”جبکہ زمین کی فراخی ان پر تنگ ہو چکی ہے اور آسمان کے خدا نے بھی
 ان سے عداوت کر لی ہے۔“

اس دور ان میری التجا کو سن کر رحمت عالم ﷺ نے فوراً سعد کو طلب کیا اور اس سے
 اسلام کا پرچم واپس لے لیا۔ پھر اس کے فرزند قیس کو مرحمت فرمادیا۔ اس طرح دونوں
 مقصد پورے ہو گئے۔ سعد کو ایسا اعلان کرنے پر سزا بھی دے دی گئی اور اس پرچم کو اس کے
 بیٹے کو تفویض فرمایا اور اس طرح سعد کی دل جوئی بھی ہو گئی۔ حضرت عباس کے مشورہ
 سے ابوسفیان مکہ چلا آیا تاکہ وہاں کے باشندوں کو اسلام قبول کرنے کی تلقین کرے ورنہ
 لشکر اسلام ان کو نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ چنانچہ وہ لشکر اسلام کو پیچھے چھوڑ کر مکہ چلا
 آیا اور ان میں آکر یہ اعلان کیا:

اے اہل مکہ! اسلام قبول کر لو، بچ جاؤ گے۔ یہ محمد (ﷺ) جو آگئے ہیں۔ ان کے ساتھ اتنا بڑا
 لشکر ہے جس کے مقابلہ کی تم تاب نہیں لا سکتے اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا کہ مَنْ هَاقَلَّ حَاذَ
 أَبْنِ سَعْدِيَانِ فَهُوَ أَمِينٌ ”لوگوں نے کہا؟ تیرے گھر میں کتنے لوگ سما سکتے ہیں؟ پھر اس نے
 حضور کا یہ فرمان دہرایا۔ جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اس کے لئے بھی امن ہے۔ جو
 مسجد حرام میں داخل ہو گیا اس کے لئے بھی امن ہے۔

اس وقت اس کی بیوی ہند بنت عتبہ وہاں کھڑی تھی۔ اس نے اس کی مونچھیں پکڑ لیں
 اور چیخ کر کہنے لگی۔ اس گھر کے منکے کو قتل کر دو، اس میں گھر بھرا ہے۔ اس میں کوئی بھدائی
 نہیں، یہ قوم کا بد بخت پیشرو ہے۔ جو قوم کے پاس خیر کی خبر لے کر کبھی نہیں آیا۔

ابوسفیان نے لوگوں کو کہا، اس عورت کی بات سے دھوکا نہ کھانا ورنہ تم تباہ و برباد ہو جاؤ
 گے۔ لشکر اسلام کا مقابلہ کرنے کی تم میں سکت نہیں ہے۔ (۱)

سرور عالم ﷺ کی قیادت میں سارا لشکر اسلام ذی طوی کے مقام پر اکٹھا ہوا۔ یہاں

سے نبی کریم ﷺ نے اس کو مختلف اطراف سے مختلف قائدین کی قیادت میں مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا۔

الشکر کے میسرہ کی قیادت حضرت زبیر بن عوام کو تفویض کی گئی اور انہیں حکم دیا کہ وہ جانب شمال سے مکہ میں داخل ہوں۔

میمہ کی قیادت حضرت خالد بن ولید کے سپرد کی گئی اور انہیں حکم ملا کہ وہ جانب جنوب سے مکہ میں داخل ہوں۔

قبائل انصار کی قیادت سعد بن ابی عبادہ کو سونپی گئی اور انہیں حکم ملا کہ وہ مغربی جہت سے مکہ میں داخل ہوں۔

مہاجرین کے لشکر کی قیادت میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو تفویض کی گئی۔ انہیں حکم ملا کہ وہ شمال مغرب کی جانب سے جبل ہند سے گزرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوں۔

تمام کو یہ حکم ہوا کہ فتح مکہ کے بعد تمام عساکر جبل ہند کے منطقہ میں اکٹھے ہو جائیں۔ لشکر کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے مختلف اطراف سے داخل کرنے کے احکام پر جب غور کیا جاتا ہے تو سرکارِ دو عالم ﷺ کی جنگی حکمت عملی کی شان آشکارا نظر آنے لگتی ہے۔ دس بارہ ہزار کے لشکر جبار کو اگر ایک سست سے داخل ہونے کا حکم دیا جاتا تو راستوں کی تنگی کی وجہ سے منزل مقصود تک پہنچنے میں بڑا وقت لگتا۔ ان کو چار حصوں میں تقسیم کر کے مختلف راستوں اور سمتوں سے اپنی منزل کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا تاکہ بغیر کسی دشواری کے قلیل وقت میں وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔ اس حکم میں دوسری حکمت یہ تھی کہ اگر سارا لشکر اسلام اکٹھا ہوتا تو کفار مکہ اپنی ساری طاقت کو ایک مقام پر مجتمع کر کے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا پروگرام بنا سکتے تھے۔ جب مختلف اطراف سے لشکر اسلام مکہ میں داخل ہوا تو ان کے پاس اتنی افرادی قوت نہ تھی کہ وہ لشکر اسلام کے ہر دستہ کا مقابلہ کرنے کی جرأت کر سکیں۔ کیونکہ ان کی محدود نفری چار حصوں میں بٹ جاتی۔ وہ پہلے ہی کمزور تھے، افرادی قوت بٹ جانے سے وہ مزید کمزور ہو جاتے۔

جب ہادی برحق ﷺ نے اپنے سب سالاروں کو مختلف اطراف سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تو ساتھ ہی یہ تاکید بھی فرمائی وہ اپنی تلواروں کو بے نیام نہ کریں۔ جب تک کفار ان پر حملہ کرنے میں پہل نہ کریں، یہ کسی پر حملہ نہ کریں۔ چنانچہ خالد بن ولید کے

علاوہ جتنے سپہ سالار مکہ میں اسلامی مجاہدوں کے ساتھ داخل ہوئے کسی نے ان پر حملہ کرنے کی جسارت نہ کی۔ البتہ حضرت خالد بن ولید جب مکہ کے جنوبی حصہ سے شہر میں داخل ہونے لگے تو وہاں چند قریشیوں نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی اور اپنی تلواریں بے نیام کر لیں۔ حضرت خالد نے بند آواز سے انہیں نصیحت کی۔ کہ بنا وجہ اپنے خون مت بہاؤ۔ تمہاری ان گیدڑ بھکیوں سے لشکر اسلام کی پیش قدمی نہیں رکے گی۔ ہمیں اللہ کے پیارے رسول نے حکم دیا ہے کہ ہم آج مکہ کو فتح کر کے یہاں اسلام کا پرچم لہرا دیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہم یقیناً آج اس شہر کو فتح کریں گے لیکن کفار قریش نے حضرت خالد کی اس نصیحت پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ حضرت خالد نے جوابی کارروائی کرنے کی اپنے مجاہدین کو اجازت دی۔ چشم زدن میں کفار کے پندرہ آدمیوں کی لاشیں خاک و خون میں لوٹنے لگیں۔ اس جھڑپ میں مسلمانوں کے صرف دو آدمی شہید ہوئے۔ (1)

سید عالم ﷺ کا مکہ مکرمہ میں ورود مسعود

ارشاد نبوی کے مطابق حضرت عباس نے ابوسفیان کو وادی کے کنارے پر کھڑا کیا ہوا تھا تاکہ وہ اللہ کے لشکر کے تمام دستوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے۔ جب لشکر اسلام اس کے سامنے سے گزر گیا۔ ابوسفیان اہل مکہ کو خبردار کرنے کے لئے مکہ چلا آیا۔ لشکر اسلام کا پہلا دستہ پیش قدمی کرتے ہوئے ذی طوی کے مقام پر پہنچا تو وہاں رک گیا۔ مقصد یہ تھا کہ سارا لشکر اسلام یہاں اکٹھا ہو جائے اور رحمت عالم ﷺ کا سبز پوش دستہ بھی وہاں لشکر میں شامل ہو جائے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اس وقت اپنی ناقہ قصواء پر سوار تھے۔ یمن کی بنی ہوئی ایک چادرِ سر مبارک پر بطور عمامہ بندھی ہوئی تھی۔ رحمتوں، سعادتوں اور برکتوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو اپنی جہو میں لئے حضور نے سر زمین مکہ میں نزولِ اجلال فرمایا۔ پہرہ نبوت کے بدرِ تمام کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے سارا مکہ اٹھ آیا تھا۔ شہر کی گلیں اور شاہراہیں، مکانوں کے دریچے اور چھتیں زیارت کے شائقین سے بھری ہوئی تھیں۔ سب لوگ سراپا شوق بنے ہوئے شرف دید حاصل کرنے کے لئے بے تاب تھے۔ اس وقت فتح و کامرانی کی بارات کے اس دولہا نے گردن جھکائی ہوئی تھی۔ پیکرِ معجز و نیاز بنے اپنے رب

کریم کی حمد و ثناء میں معروف تھے۔ جہین سعادت کجاوے کی سامنے والی لکڑی کو چھوری تھی۔ حضور کے دائیں طرف ابو بکر صدیق بائیں طرف اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما حضور نے اپنے پیچھے اپنے غلام زید بن حارثہ کے بیٹے اسامہ کو بٹھایا ہوا تھا۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ صفوان، عکرمہ اور سہیل جو بعد میں مشرف باسلام ہو گئے، انہوں نے ارد گرد کے قبائل کو مدد کے لئے پکارا اور سب نے مل کر قسم کھائی کہ وہ بزور شمشیر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ بنی ہذیل قبیلہ کا ایک شخص جس کا نام جماش بن قیس تھا، جب اسے پتا چلا کہ لشکر اسلام مکہ پر چڑھائی کرنے کیلئے بڑھ رہا ہے تو اس نے لشکر اسلام کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنے ہتھیار درست کرنے شروع کر دیئے۔ اس کی بیوی نے اس سے پوچھا کہ وہ کس سے جنگ کرنے کی تیاری کر رہا ہے؟ اس نے کہا محمد اور اس کے صحابہ سے۔ اس کی بیوی نے کہا، بخدا آج کسی کی طاقت نہیں کہ لشکر اسلام کا مقابلہ کر سکے۔ اس نے کہا تم غلط فہمی میں مبتلا ہو، ابھی دیکھنا کہ ہم ان کو شکست دیں گے اور ان کو جنگی قیدی بنالیں گے۔ ان میں سے ایک قیدی تمہاری خدمت کے لئے میں تمہیں دوں گا کیونکہ تجھے اس کی ضرورت ہے۔ اس نے کہا بیوقوف نہ بنو، یہ خیال دل سے نکال دو، جب تم لشکر اسلام کو دیکھو گے تمہارے ہوش اڑ جائیں گے۔ لیکن وہ باز نہ آیا، ہتھیار سجا کر وہ خندہ کے مقام پر قریش کے سرغنوں سے آملا۔ جب اللہ کی بے نیام نکواری، حضرت خالد اس مقام پر پہنچے جو ان کے لئے سرور انبیاء علیہ السلام نے مقرر فرمایا تھا تو دیکھا کہ وہاں قریش کا جم غفیر ان کا راستہ روکے کھڑا ہے اور انہوں نے اپنی نکواریں بے نیام کر لی ہیں، ان پر تیر برسانے شروع کر دیئے اور انہوں نے گرج کر کہا۔ اے خالد! تم زبردستی مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ حضرت خالد نے اسلام کے شیروں کو لکارا اور چشم زون میں قریش کے چوہیں اور ہذیل کے چار آدمی خاک و خون میں ترپتے لگے۔ حضرت خالد کے پہلے حمد کی ہی وہ تاب نہ لاسکے اور دم دبا کر بھاگے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر اپنی جان بچائی۔ (1)

یہ جماش بھی بھاگا ہوا اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا، رنگ اڑا ہوا تھا، سانس پھولی ہوئی تھی، پسینہ بہ رہا تھا اور تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، بیوی نے دروازہ کھولا،

اس نے بطور تسخیر چھاؤہ خادم کہاں ہے جس کا تم میرے ساتھ وعدہ کر کے گئے تھے؟ میں تو اس کے لئے سرپا انتظار ہوں۔ اس نے کہا، ان باتوں کو رہنے دو فوراً دروازہ بند کرو۔ پھر اس نے کہا:

إِنَّكَ لَوَشَهِدْتَ يَوْمَ الْخَنْدَمَةِ إِذْ فَتَرَصَّفُونَ وَفَرَعَكُمْ مَةً

(1) كَمْ سَنَطِقُ فِي اللَّوْمِ أَدْنَى كَلِمَةٍ

”اگر تم وہ منظر دیکھتیں جب خندمہ کے مقام پر ہماری مسلمانوں سے لڑ بھڑ ہوئی اور صفوں اور عکرمہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اگر یہ منظر تم نے دیکھا ہو تا تو مجھے ملامت کرنے کے لئے ایک لفظ بھی زبان پر نہ لاتی۔“

حضرت زبیر حسب ارشاد اپنے مجاہدین کے ساتھ جون کی وادی میں پہنچے۔ آپ کے دو ساتھی کرز بن جابر اور حیش راستہ بھول گئے تھے، وہ قتل ہوئے۔ باقی سب بخیریت اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ نبی رحمت ﷺ جب اذخر نامی چوٹی پر پہنچے تو تلواروں کو چپکتے ہوئے دیکھا تو پوچھا۔ یہ تلواروں کی چمک کیسی ہے؟ میں نے تو تمہیں جنگ کرنے سے منع فرمایا تھا۔ عرض کی گئی، یا رسول اللہ! یہ خالد کے دستہ کی تلواں ہیں۔ مشرکین نے پہلے ان پر حملہ کیا، انہوں نے جوابی کارروائی کی۔ حضرت خالد کی مجال نہ تھی کہ وہ حکم عدولی کریں۔ حضور نے فرمایا قَضَاءُ اللّٰهِ خَيْرٌ جو اللہ کا فیصلہ ہے وہی بہتر ہے۔ (2)

حضرت جابر سے مروی ہے کہ اس روز میں نبی کریم ﷺ سے ایک لمحہ بھی جدا نہیں ہوا۔ جب رسول اللہ ﷺ اذخر کی چوٹی پر پہنچے اور مکے کے گھر نظر آئے تو وہاں ٹھہر گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور اس جگہ کی طرف دیکھا جہاں حضور کے قیام کے لئے خیمہ نصب کیا گیا تھا تو فرمایا اے جابر! یہ ہماری قیام گاہ ہوگی۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں ایک دن مکہ والوں نے مل کر ہمارے خلاف قطع تعلقی کا فیصلہ کیا تھا اور اس پر بڑی قسمیں کھائی تھیں۔ حضور ﷺ اس جگہ تشریف لائے جہاں آپ کے لئے چڑے کا بنا ہوا خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ حضور کے ساتھ امہات المؤمنین میں سے حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ساتھ تھیں۔ امام بخاری اور امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رحمت

عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ ہمارے لئے مکہ فتح فرمائے گا تو ہماری قیام گاہ "خیف بنی کنانہ" میں ہوگی۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں قریش اور کنانہ نے قسمیں کھا کر یہ عہد کیا تھا کہ وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ ہر قسم کا قطع تعلق کر لیں گے۔ نہ ان کو رشتہ دیں گے، نہ رشتہ لیں گے، اور نہ ان سے کوئی چیز خریدیں گے نہ فروخت کریں گے۔ (الح 1)

حضرت ام ہانی حضرت علی مرتضیٰ کی ہمیشہ تھیں۔ آپ کہتی ہیں کہ میرے سرال کے دو آدمی میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھ سے پناہ مانگی، میں نے پناہ دی۔ اسی اثناء میں علی مرتضیٰ آئے۔ انہوں نے جب دیکھا تو کہا میں تو ان کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ام ہانی کہتی ہیں میں دوڑ کر حضور کی بارگاہ عالی میں پہنچی۔ حضور نے دیکھا تو مر حبا فرمایا۔ پوچھا اے ام ہانی! کیسے آئی ہو؟ میں نے ماجرا بیان کیا تو فرمایا قَدْ أَجَبْنَا عَنْ أَجَابَتِ اے ام ہانی! جس کو تو نے پناہ دی اس کو ہم نے پناہ دی۔ حضور ام ہانی کے گھر تشریف لائے۔ غسل فرمایا صوۃ النضحی (نماز چاشت) آٹھ رکعت ادا فرمائی۔ (2)

کفار کے کچھ لوگ بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لینے لگے۔ مسلمان ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر حکیم بن حزام اور ابو سفیان نے باواز بند قریش کو پکارا اور کہا کیوں اپنی جانیں ہلک کرتے ہو؟ حضور نے اعلان کر دیا ہے جو اپنے گھر میں داخل ہو گا اس کو بھی امان ہے، جو ہتھیار پھینک دے گا اس کو بھی امان ہے۔ یہ سنتے ہی وہ لوگ بھاگ کر اپنے اپنے گھروں میں گھس گئے اور اندر سے دروازے بند کر لئے اور اپنے اسلحہ کو باہر پھینک دیا مسلمانوں نے اٹھالیا۔

حرم کعبہ میں نزول اجلال

یہ مؤکب ہمایوں مکہ سے گزر رہا تھا۔ خوش نصیب اور بند اقبال قصواء اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندے کو اپنی پشت پر اٹھائے خراماں خراماں اس گھر کی قسمت کو جگانے کے لئے بڑھ رہی تھی جو قرونوں سے سونا پڑا تھا۔ رمضان شریف کا مبارک مہینہ ہے، اس ماہ کی بیس تاریخ ہے، سو موار کا یمن ویرکت وال دن ہے۔ (1) سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دس ہزار سر فروش

1۔ ایضاً، صفحہ 349

2۔ ایضاً، صفحہ 350

3۔ احمد بن زبئی دھلان، "السیرة النبویہ"، جلد 2، صفحہ 289

مجاہدین کے ساتھ کعبہ مشرفہ کے قریب پہنچتے ہیں اور اپنی چھڑی سے رکن یرمائی کا اسلام فرماتے ہیں۔ اس وقت حضور نے نعرہ تکبیر بلند فرمایا۔ فرزند ان اسلام نے اس کے جواب میں نعرہ تکبیر اس جوش و خروش سے بلند کیا کہ مکہ کے درودیوار، کوچہ و بازار اور چاروں طرف سر اٹھائے کو ہر لرز لرز گئے۔ صحابہ کرام دیر تک نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حبیب کبریاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاموش ہونے کا اشارہ فرمایا۔ اس وقت سنا چھا گیا، مشرکین پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ یہ ایمان پرور منظر دیکھ کر ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔ امام الانبیاء ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر کعبہ شریف کا طواف شروع کیا۔ حضور کے جاں نثار محمد بن مسلمہ نے اپنے آقا کی اونٹنی کی تکبیل پکڑی ہوئی تھی۔ جب نبی مکرم ﷺ حجر اسود کے پاس سے گزرتے تو اپنی چھڑی سے اسلام فرماتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

جب محبوب رب العالمین ﷺ فتح و ظفر کے پرچم لہراتے ہوئے بیت اللہ شریف کے قریب پہنچے تو اس وقت کعبہ شریف کے ارد گرد اور اوپر تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ انہیں قلعی کے ساتھ بڑی مضبوطی سے جکڑ دیا گیا تھا۔ ہادی برحق ﷺ کے دست مبارک میں چھڑی تھی، زبان حق ترجمان سے **جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (2)** ”حق آیا باطل مٹ گیا بیشک باطل تھا ہی مٹنے والا“ تلاوت فرما رہے تھے اور چھڑی سے ان بتوں کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔ جس بت کی طرف اشارہ ہوتا وہ منہ کے بل زمین پر اوندھا گر پڑتا۔ بیت اللہ شریف کے دروازہ کے پاس ان کا ایک بہت بڑا بت ہبل نصب تھا۔ جس کی یہ نادان پوجا کیا کرتے تھے۔ حضور جب طواف کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچے تو اپنی قوس سے اس کی آنکھوں کو کچوکا دیا اور زبان مبارک سے **جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّقَ الْبَاطِلُ** آیت کی تلاوت فرمائی۔ پھر حکم دیا کہ اس صنم اکبر کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس وقت ابوسفیان کو کہا، اے ابوسفیان! ذرا دیکھو اپنے اس جھوٹے خدا کا انجام۔ اہد کے روز تم اسی کی مدد پر نازل تھے اور اس کی بڑائی کے نعرے لگا رہے تھے۔ ابوسفیان بولا، آج ان باتوں کو رہنے دو میں نے دیکھ لیا۔ کہ اگر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے خدا کے بغیر کوئی اور خدا بھی ہوتا تو حالات وہ نہ ہوتے جو آج ہیں۔ (1)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس روز سرور انبیاء ﷺ نے فرمایا، یہ ہے وہ فتح مبین جس کا وعدہ میرے رب نے مجھ سے کیا تھا۔ پھر حضور نے سورہ النصر پڑھا اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کی تلاوت فرمائی۔ الخ (۱)

کعبہ مقدسہ میں داخلہ

بیت اللہ شریف کے طواف سے فراغت کے بعد جب حضور پر نور ﷺ اپنی ناقہ سے نیچے اترے تو لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ صحن میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ لوگوں نے ہاتھوں کی تکیاں پھیلائی اور ہتھیلیوں پر قدم مبارک رکھ کر نیچے اترے۔ پہلے مقام ابراہیم پر تشریف لے گئے اور طواف کی دو رکعتیں ادا فرمائیں۔ پھر چاہ زمزم پر تشریف لے گئے۔ حضرت عباس نے ڈول نکالا۔ حضور نے آب زمزم نوش بھی فرمایا اور وضو بھی کیا۔ جب محبوب رب العالمین ﷺ وضو کرنے لگے تو جسم اطہر کو جو قطرہ چھو کر نیچے ٹپکتا صحابہ کرام بے تابانہ آگے بڑھ کر اسے اپنی ہتھیلیوں پر لیتے اور فوراً اسے اپنے چہروں اور سینوں پر مل لیتے۔ کفار نے یہ روح پرور منظر کا بے کودیکھا ہوگا، ادب و محبت کا یہ انداز دیکھ کر بول اٹھے کہ کوئی سلطان زماں اس مقام پر نہیں پہنچ سکا۔ ایسا نظارہ نہ کبھی دیکھا نہ سنا۔

سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے بعد مسجد حرام میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ تلوار بے نیام کئے اپنے آقا کے سر کے قریب کھڑے ہوئے۔ پھر کعبہ کے کلید برادر عثمان بن طلحہ کو طلب کیا گیا۔ وہ حاضر ہوا تو اسے کعبہ مشرفہ کا دروازہ کھولنے کا فرمان ہوا۔ اس نے فوراً تعمیل ارشاد کی، دروازہ کھلا تو حضور پر نور اپنے پروردگار اور معبود برحق کے مقدس گھر میں تشریف لے گئے۔ رحمت عالم ﷺ نے جب قدم مبارک اندر رکھا تو دیکھا کہ حضرات ابراہیم، اسماعیل، اسحاق علیہم السلام کی تماثل رکھی ہیں اور حضرت ابراہیم کے ہاتھ میں جوئے کے تیر ہیں۔ سرور کائنات نے فرمایا، خدا انہیں غارت کرے، یہ جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم یہ فعل شنیع نہیں کیا کرتے تھے۔ اس وقت حضور کے ساتھ حضرت بلال، اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم تھے۔ بیت اللہ شریف میں چھ ستون تھے۔ دائیں طرف جو تین ستون تھے ان کے درمیان (دو ستون ایک طرف، تیسرا

ستون دوسری طرف) کھڑے ہو کر اپنے معبود برحق جل جلالہ و عز شانہ کی بارگاہ عظمت میں سجدہ شکر ادا کرنے کے لیے نماز کی نیت فرمائی۔ اس کے بعد حضور دروازہ شریف کے پاس تشریف لے آئے اور کوثر و تسنیم سے دھلے ہوئے ان پاکیزہ اور نورانی کلمات سے اپنے رب قدیر کی شان کبریائی کا اظہار فرمایا:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ صَدَقَ اللَّهُ وَعْدَهُ
وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ (1)

”اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خدا نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی، تنہا دشمن کے لشکروں کو شکست دی۔“

عقو عام کا اعلان

پھر دین و ایمان کے دشمنوں اور نخوت و رعوت کے پیکروں سے ایک سوال پوچھا جس نے ان پر لرزہ طاری کر دیا۔ فرمایا، اے گروہ قریش تمہارا کیا خیال ہے میں تم سے کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے تیم ورجاء میں ڈوبے ہوئے لہجہ میں عرض کی۔ تَنْظُنُّ خَيْرًا ہم حضور سے خیر کی امید رکھتے ہیں۔ یَنْتَعِ كَيْدُكُمْ كَيْدُ قَائِلٍ اِيْكُمْ كَيْدُكُمْ وَقَدْ قُذِّبَتْ اَبْ كَرِيْمٍ نَبِيٍّ كَرِيْمٍ النفس بھائی ہیں اور ہمارے کریم و شفیق بھائی کے فرزند ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آج آپ کو قدرت و اختیار بھی عطا فرمایا ہے۔

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقُولُ كَمَا قَالَ
أَخِي يُوسُفُ لَا تَتْرِبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَعْرِفُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ
أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ إِذْ هَبُوا وَأَنْتُمْ الطُّلَقَاءُ (2)

”رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں آج تمہیں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہی تھی کہ آج میری طرف سے تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے سارے

گناہوں کو معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

جاؤ، چلے جاؤ میری طرف سے تم آزاد ہو۔“

محترم شوقی خلیل، شام کے نامور فضلاء میں سے ہیں۔ انہوں نے بڑے نرالے انداز سے خاتم الانبیاء ﷺ کے اہم غزوات کے حالات قلمبند کئے ہیں اور ہر غزوہ کو الگ الگ کتابچوں کی صورت میں شائع کیا ہے۔

غزوہ فتح مکہ کے بارے میں جو انہوں نے رسالہ شائع کیا ہے، اس سے استفادہ کرتے ہوئے سطور ذیل پیش خدمت ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب فتح مکہ میں رؤف ورحیم نبی کریم کی شان عفو و درگزر کو بڑے فصیح و بلیغ انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کی یہ تحریر بڑی معنی خیز اور بصیرت افروز ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا اردو ترجمہ اپنے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کروں تاکہ بندہ مومن کے تمبرہ کی ایک جھلک دیکھ کر وہ بھی اپنے ایمان کو تازہ کر سکیں۔ وہ لکھتے ہیں:-

اس سوال کے جواب میں وہ رقمطراز ہیں کہ

یہ مژدہ ان بد زبان لوگوں کو سنایا گیا جنہوں نے سرور عالم ﷺ کو شاعر اور کذاب کہا تھا، جنہوں نے حضور کو ساحر اور مجنون کہا تھا۔

جن سنگدہوں نے شعب ابی طالب میں حضور کو تین سال تک محصور رکھا تھا۔

جنہوں نے مہاجرین حبشہ کو وہاں سے واپس مکہ لانے کی کوشش کی تھی تاکہ وہ ان پر ظلم و ستم کا سلسلہ جاری رکھ سکیں۔

جنہوں نے حضور کو جبرامکہ سے جلا وطن کیا تھا۔ اور ان کے پیچھے نظر حضور کو قتل کرنا تھا۔

جنہوں نے مسلمانوں کی متروکہ امداد اور جائیدادوں پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔

جن سفاکوں نے حضرت حمزہ کو شہید کیا۔ ان کے کان، ناک، کانٹے، ان کے سینہ کو چاک

کر کے آپ کے جسم مبارک کو بد نما بنانے کی ناپاک سعی کی تھی۔

جنہوں نے مدینہ کی ایک چھوٹی سی بستی پر دس ہزار کے لشکر جرار سے حملہ کیا تھا تاکہ وہ

صفیہ ہستی سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیں۔

یہ مژدہ ان لوگوں کو سنایا گیا تھا کہ حضور جب عمرہ کرنے کے لئے تشریف لائے، انہوں نے

حضور کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اور پھر اپنی من مانی شرائط پر صلح کا معاہدہ طے کر لیا۔

جنہوں نے بنی بکر قبیلہ کو حضور کے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ پر حملہ کرنے کے لئے بھڑکایا اور حدود حرم میں بھی ان کا قتل عام جاری رکھا۔

حضور نے ایسے ناہنجار لوگوں کو اس وقت یہ مژدہ سنایا تھا جب حضور کو مکمل فتح حاصل ہو چکی تھی اور مکہ کی فضاؤں میں اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔

پھر غزوہ ہوازن میں بے اندازہ اموال غنیمت حاصل ہوئے تھے وہ سب مکہ کے ان نومسلموں میں تقسیم فرمادیئے تاکہ ان کے دلوں میں بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں حسد و عناد کے جذبات کا خاتمہ کر دیا جائے اور ان کی روحیں اور ان کے دل اسلام اور پیغمبر اسلام کی محبت سے سرشار ہو جائیں۔

غفور و درگزر، جو دو کرم کا جو ہے مثال مظاہرہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس کی بلندی، اس کی پاکیزگی اور اس کی عظمت، عدیم المثال ہے۔ کسی بادشاہ نے، کسی سیاسی راہزنے، کسی فوجی جرنیل نے اس قسم کے کریمانہ اخلاق کا کبھی بھی مظاہرہ نہیں کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی کے بغیر اور کسی کے بس کا روگ نہیں کہ ان حالات میں ایسی عالی ظرفی کا مظاہرہ کر سکے۔ وہ نبی مرسل، جس کی رحمت اللہ کی رحمت، جس کی حکمت اللہ کی حکمت اور جس کا غفور و درگزر اللہ تعالیٰ کی شان غفور و درگزر کا آئینہ دار ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے رحمت و حکمت سے لبریز جن کلمات سے اپنے دشمنوں کو غفور و رحم کا مژدہ سنایا تھا، یہ مژدہ جانفزا سن کر ان پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ گویا انہیں قبروں سے زندہ کر کے اٹھایا گیا ہے۔ وہ اس شان رحمت للعالمیٰ کو دیکھ کر جوق در جوق آگے بڑھ کر حضور کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کرنے لگے۔ اس فاتح اعظم نے اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کے سامنے اس عظیم فتح کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں دنیا کے سب فاتحوں کیسے رشد و ہدایت کا وہ دلکش درس ہے جس سے ہر کوئی مستفید ہو سکتا ہے۔ اس خطبہ کے چند اہم جملوں کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔ پوری توجہ سے اس کا ایک ایک جملہ پڑھئے اور قلوب و اذہان کے فاتح اعظم پر صلوة و سلام کے رنگین اور مہکتے ہوئے پھول پھجھاور کرتے جائیے۔ اس کے مطالعہ سے آپ کو دین اسلام کی عظمت، اس کی عالمگیر تعلیمات اور اس دین کے لانے والے نبی معظم کی شان غفور و درگزر اور شان رحمت کا

اعتراف کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہے گا۔

لَا يَعْتَلُ الْمُسْلِمُ كَافِرًا وَلَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ
مُتَنَلِفَتَيْنِ لَا يَنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا عَلَى خَالَاتِهَا
الْبَيْتَةُ عَلَى الْمَدْعَى وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَدَّكَ
الْأَسَافِرُ الْمَرْأَةُ مَسِيرَةً ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِي
مَحْرَمٍ

لَا صَلَوةَ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الضُّبْحِ -

لَا يُصَامُ يَوْمُ الْأَضْحَى وَيَوْمُ الْفِطْرِ

کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

دو مختلف مذہبوں کے ماننے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ اگر کسی شخص کے نکاح میں پھوپھی ہے تو اس کی بھتیجی کے ساتھ نکاح جائز نہ ہو گا۔ اگر کسی کے نکاح میں خالہ ہے تو اس کی بھانجی سے نکاح جائز نہ ہو گا۔

دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے گواہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے اور اگر مدعی گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ سے حلف لی جائے گی۔ کوئی عورت تین دن سے زیادہ کا سفر محرم کے بغیر نہ کرے۔ عصر اور صبح کی نماز کے بعد کوئی نفلی نماز نہ پڑھی جائے۔ عید الاضحیٰ کے دن اور عید الفطر کے روز، روزہ نہ رکھا جائے۔

پھر قریش کو خصوصیت سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! إِنْ اللَّهَ أَذْهَبَ عَنْكُم مَّخَوَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ
وَلَعَلَّكُمْ يَأْتِي الْبَاءُ وَالنَّاسُ مِنْ أَدَمٍ وَأَدَمٌ مِنْ ثَوَابٍ
ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ - يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ
ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا - إِنْ
أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ فَتَكْرُمُوا فَاتَّكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (1)

”اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی رحمت اور اپنے آباء کے ساتھ تفاخر دور کر دیا ہے۔ سارے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور بتا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ علیم اور خبیر ہے۔“ ☆

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی نَبِيِّهِ الْكَرِيْمِ وَرَسُوْلِهِ التَّوْفِيْقِ
الرَّحِيْمِ الَّذِي اُرْسِلَ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ وَعَلٰى اِلٰهِ
الطَّيِّبِيْنَ الظَّاهِرِيْنَ وَعَلٰى اَصْحَابِهِ الْمُعْظَمِيْنَ
الْمُكْرَمِيْنَ وَمَنْ اَحْبَبَهُ وَاتَّبَعَهُ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

ان کلمات نے قریش کو نئی زندگی عطا فرمائی۔ وہی تلواریں جو اسلام اور مسلمانوں پر آگ برسایا کرتی تھیں اب وہ اسلام کے علم کو بلند کرنے اور مسلمانوں کی عظمت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجانے کیلئے چمکنے لگیں۔ اب وہی لوگ اسلام کا دفاع اپنے اموال اور اولاد کی قربانیاں دے کر کرنے لگے۔ اور اپنی جانیں اور روحوں اس پر نثار کرنے لگے۔

یا رسول اللہ! آپ نے ان سے عادلانہ قصاص بھی نہیں لیا بلکہ ان پر فضل و احسان فرمایا۔ ان میں ایسے علماء ربانین پیدا کئے جن کی روحوں اور دل صرف اللہ کی محبت سے معمور تھے۔ قریش میں ایسے دانشور پیدا کئے جن کے فکر اور عقل کی روشنی نے مطلع حیات کو منور کر دیا۔

اس مرشد انسانیت ﷺ نے ان کی عربی قومیت کو نور اسلام سے درخشاں کر دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ریگزار عرب کے بد و ناقابل تسخیر قوت، بے مثال عزت اور بے داغ بزرگی کے امین بن گئے۔ بہیم فتوحات ان کا مقدر بن گئیں۔ امام الانبیاء علیہ الخیرۃ والثناء کی تعلیمات نے انسانیت کو نئی آب و تاب ارزانی فرمائی۔ وہ گردہی اور قبائلی عصبیتوں کے چنگل سے رہائی پا کر عالمگیر حیثیت کے مالک بن گئے۔

نبی رحمت ﷺ نے ان کی عربی قومیت کو باقی رکھا لیکن اس کو ایک نیا مفہوم مرحمت فرمایا۔ وہ عربیت، محمد رسول اللہ ﷺ کی عربیت تھی، ابو جہل اور ابو لہب کی عربیت نہ تھی۔ وہ عربیت، عمرو علی کی عربیت تھی، مقیس اور عبد اللہ بن خطل کی عربیت نہ تھی۔ وہ ایسی قومی عربیت تھی جو صرف ایمان صادق، ہر میدان میں پیش قدمی، ہر حالت میں ہر ایک سے عدل و انصاف، ہر جگہ علم و معرفت کی شمعیں روشن کرنا اور ہر میدان میں فتح و کامیابی کے پرچم لہرانا جانتی تھی۔

اگر خدا نخواستہ ہجرت سے پہلے ابو لہب کے جو ارادے تھے، وہ پورے ہو جاتے تو انسانیت عوامی تہذیب و تمدن سے کبھی بہرہ ور نہ ہوتی۔

اگر معرکہ بدر میں ابو جہل اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو پھر یرموک اور قادسیہ کے معرکے ظہور پذیر نہ ہوتے (جن میں عرب کے بادیہ نشینوں نے دو عالمی طاقتوں ایران و روم کو فیصلہ کن شکستیں دی تھیں)، غزوہ خندق میں اگر ابوسفیان کا منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچ جاتا تو براعظم افریقہ اور براعظم یورپ میں عظیم اشان اسلامی مملکتیں معرض وجود میں نہ آتیں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ حضور کے نزدیک کسی خطا کار کی خطا، اس کے لئے ہلاکت کا باعث نہ تھی۔ حضور نے قریش کے اندیشوں کو امن و امان سے بدل دیا۔

وہ لوگ عمر بھر آپ کے ساتھ زیادتیاں کرتے رہے۔ لیکن حضور نے ہمیشہ ان پر

احسان فرمایا۔ وہ ہمیشہ فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے رہے لیکن حضور ہمیشہ حلم و بردباری سے

پیش آتے رہے۔ انہوں نے قطعی رحمی کو اپنا دھرم بنایا ہوا تھا لیکن صلہ رحمی حضور کا شعار

رہا۔ اس خلق عظیم کی برکت سے حضور ان کے دلوں کے مالک بن گئے۔ (1)

مکہ مشرفہ کی فتح کے بعد نبی کریم ﷺ کے خلق عظیم کی رعنائیوں

اور دلربائیوں کی حسین ادائیں

سلاطین کے لشکر جبار سے ٹکر لینے کی اہل مکہ میں تاب نہ تھی، وہ اپنی تمام ہٹ دھرمیوں کے باوجود فرزند ان توحید کے سامنے صف آراء نہ ہو سکے۔ انہوں نے جنگ کئے بغیر نبی کریم ﷺ

کے لئے مکہ کے دروازے کھول دیئے لیکن ان میں ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی اب بھی موجود تھی جو کسی قیمت پر اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ دل کی دنیا کو مسخر کرنے کے لیے فولاد کی شمشیریں ہمیشہ کند ثابت ہوئی ہیں۔ اس اقلیم میں اپنی فتح کا پرچم ہرانے میں حسن خلق کی تموار ہی کامیاب ہو ا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو ظہری اور باطنی جملہ محاسن سے بڑی فیاضی سے آراستہ کر کے گم کردہ راہ انہوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ ان تمام مہینوں میں حضور پر نور ﷺ کے خلق کی شان ہی زراں تھی جس کی گواہی اللہ تعالیٰ نے خود اس طرح دی۔ **وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (1)** اس خلقِ عظیم کی برکت سے ہی اہل مکہ بلا جبر واکراہ جوق در جوق اسلام قبول کرنے کے لیے بے چین ہو گئے۔

ان گنت واقعات میں سے چند واقعات قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں تاکہ سرورِ عالم ﷺ کے حسن خلق کی دلوں کو مسخر کر دینے والی قوت کا آپ اندازہ لگا سکیں۔

اہل مکہ کے یہ عفو عام کے اعلان سے پہلے سرکارِ دو عالم ﷺ نے پندرہ افراد کو مباح الدم قرار دیا تھا اور ان کے بارے میں یہ حکم صادر کیا تھا کہ وہ جہاں بھی پائے جائیں ان کو تہ تیغ کیا جائے۔ کیونکہ ان شقی القلب اور بد بخت لوگوں نے سرورِ دو عالم ﷺ کو اور اسلام قبول کرنے والوں کو اتنی اذیتیں پہنچائی تھیں جن کا تصور کر کے ہی دل کانپ جاتا ہے۔

ایسے لوگوں کے ساتھ رحمتِ دو عالم ﷺ نے جس حسن سلوک کا برتاؤ کیا، اسے پڑھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ ان لوگوں کے حالات پیش خدمت ہیں۔ ان کا مطالعہ فرمائیے اور نبی رؤف ورحیم کی شانِ رحمتِ لدنی کی وسعتوں اور دریوں کا اندازہ لگائیے :

- (1) عبد اللہ بن ابی سرح (2) عبد اللہ بن خطل (3-4) دو کنیزیں جو نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف ہجو یہ اشعار گایا کرتی تھیں۔ (5) عکرمہ بن ابی جہل (6) حویرث بن نقید (7) مقیس بن صبابہ (8) ہبار بن اسود (9) کعب بن زہیر (10) حارث بن ہشام (یہ ابو جہل کا بھائی تھا) (11) زہیر بن ابی امیہ (12) سارہ (یہ بنی مطلب کی کنیز تھی) (13) صفوان بن امیہ (14) ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان (15) وحشی (قاتل سیدنا امیر حمزہ)۔

ان سب کو اعلان کے مطابق موت کے گھاٹ نہیں اتارا گیا بلکہ ان میں سے اکثر نے معافی مانگ لی اور ان کے بارے میں معافی کا اعلان کر دیا گیا۔

1۔ عبد اللہ بن ابی سرح العاصری: اس نے اسلام قبول کیا، پھر یہ مرتد ہو گیا اور مدینہ سے چلا گیا۔ یہ مرتد ہونے کے بعد بارگاہ نبوی میں بڑی ہرزہ سرائی کیا کرتا تھا۔ اس لئے حضور نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیدیا تھا، جب اسے یہ پتا چلا تو حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہو کر امان کا طالب ہوا۔ یہ آپ کا رضائی بھائی تھا۔ آپ نے اس کو کسی جگہ چھپا دیا۔ جب حالات میں سکون رونما ہوا تو آپ اسے لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یا رسول اللہ! حضور بھی اس کو معاف فرمادیں۔ نبی کریم ﷺ نے کئی بار اس درخواست کو قبول کرنے سے انکار کیا لیکن آپ نے جب مزید اصرار کیا تو اسے معافی دیدی اور اس کو اپنی بیعت کے شرف سے نوازا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی شقاوت کو سعادت سے بدل دیا اور جہاد میں شریک ہو تارہا۔ حضرت عمرو بن العاص نے جب مصر پر حملہ کیا تو میمنہ کی کمان ان کے پاس تھی اور انہوں نے شجاعت و جان نثاری کے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ دیکھنے والے عیش عیش کرا گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہوں نے افریقہ کے بہت سے ممالک فتح کئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صید مصر کے علاقہ میں آپ کو گورنر مقرر کیا۔ حضرت عثمان نے مصر کا علاقہ بھی ان کی ولایت میں دیدیا۔ سنہ 57 یا 59 ہجری میں انہوں نے وفات پائی۔ ان کی وفات کا واقعہ بڑا ایمان افروز ہے:

ایک صبح آپ نے دعا مانگی۔ یا اللہ! میری زندگی کا آخری عمل صبح کی نماز کو بنا دے۔ چنانچہ آپ نے وضو کیا اور نماز صبح کی نیت باندھی۔ آپ نے دائیں طرف سلام پھیرا پھر جب بائیں طرف سلام پھیرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو قبض کر لیا۔ رضی اللہ عنہ وہ جزاء عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء (1)

2۔ عبد اللہ بن خطل: حضور نے اس کو بھی قتل کرنے کا حکم دیدیا تھا۔ یہ فتح مکہ سے پہلے مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا اور مشرف باسلام ہوا۔ اس کا نام عبدالعزازی تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو عبد اللہ کے مبارک نام سے موسوم فرمایا اور اسے صدقات وصول کرنے کے لئے قبائل پر متعین کیا۔ ایک انصاری کو اس کے ہمراہ بھیجا تاکہ اس کی خدمت کرے۔

ایک دفعہ وہ اپنے خادم کے ہمراہ ایک قبیلہ میں گیا اور اپنے خادم کو حکم دیا کہ وہ اس کے لئے کھانا تیار کرے اور خود سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو اسے پتا چلا کہ اس کا خادم سویا ہوا ہے اور اس نے کھانا تیار نہیں کیا۔ غصہ سے بے قابو ہو گیا اور اس کو سوتے میں ہی قتل کر دیا۔ پھر مرتد ہو کر مکہ واپس لوٹ آیا۔ یہ قادر الکلام شاعر تھا۔ واپس آکر اس نے حضور کی ہجو میں اشعار لکھنے شروع کئے۔ اس کی دو کنیزیں تھیں انہیں اپنے ہجو یہ اشعار یاد کرادیتا اور انہیں حکم دیتا کہ وہ یہ اشعار گایا کریں۔ جب فتح مکہ کا دن آیا تو اس نے زرہ پہنی، اپنے ہاتھوں میں نیزہ پکڑا، گھوڑے پر سوار ہوا اور قسم کھائی کہ میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو زبردستی مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہونے دوں گا۔ لیکن جب اس نے اللہ کے شہسواروں کو دیکھا تو یوں مرعوب ہوا کہ سیدھا کعبہ کی طرف گیا، گھوڑے سے اترا، اپنے ہتھیار پھینک دیئے۔ کعبہ شریف کے غلاف میں چھپ گیا۔ ایک آدمی نے اس کے ہتھیار لے لئے اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اس کے بارے میں بتایا۔ سرکار نے اس کو حکم دیا کہ وہ اسے جہاں پائے قتل کر دے۔ جب رحمت للعالمین نے کعبہ شریف کا طواف کیا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ! یہ ہے عبد اللہ بن خطل جو کعبہ کے غلاف سے چمنا ہوا ہے۔ حضور نے فرمایا اس کو قتل کر دو، کعبہ کسی بھرم بدکار کو پناہ نہیں دیتا۔ چنانچہ سعید بن حرب اور ابو ہریرہ الاسلمی نے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کی دو کنیزیں جو ہجو یہ اشعار گایا کرتی تھیں، ان کو قتل کرنے کا بھی حکم دیا۔ ایک تو ان میں سے قتل کر دی گئی، دوسری کیسے لہان طلب کی گئی جو حضور نے عطا فرمادی۔ چنانچہ وہ بچ گئی اور اس کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا۔

5۔ عکرمہ بن ابی جہل: اس کو قتل کرنے کا بھی سرور عالم ﷺ نے اذن عام عطا فرما دیا تھا۔ حضور کو بھی اور صحابہ کو بھی یہ از حد اذیتیں پہنچایا کرتا تھا۔ جب اس کو اطلاع ملی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو مباح الدم قرار دیدیا ہے تو مکہ سے اس ارادہ سے بھاگ نکلا کہ سمندر میں کود کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر دے گا۔ اس کی بیوی ام حکیم اس سے پہلے مسلمان ہو چکی تھی، وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور اپنے خاوند کے لئے غمخوار گزر کر التجا کی جو حضور نے قبول فرمائی۔

ابوداؤد اور نسائی میں مروی ہے کہ عکرمہ وہاں سے بھاگ کر کشتی میں سوار ہو کر روانہ

ہو گیا۔ راستہ میں طوفان نے آیا اور کشتی ہلکولے کھانے لگی تو عکرمہ نے لات و ہیل کو پکارتا شروع کر دیا۔ کشتی والوں نے اسے کہا، اللہ وحدہ لا شریک کو پکارو۔ تمہارے یہ جھوٹے خدا تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ عکرمہ نے یہ سن کر کہا، اگر سمندر میں ان بتوں کی پوجا نہیں ہی سکتی تو خشکی میں بھی ان کی شفاعت ہمارے کسی کام نہیں آسکتی، اگر سمندر کی موجوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے افرادِ نجات کا باعث بنتا ہے تو میں کیوں نہ خشکی میں اسی کو اخلاص سے پکاروں۔ پھر اس نے کہا:

اَللّٰهُمَّ بَلِّغْ عَهْدِيْ اَنْتَ عَاقِبَتِيْ مِمَّا اَنَا فِيْهِ اَنْ
اِنِّيْ مُحَمَّدٌ اَحَقُّ اَضْعَ يَدِيْ فِيْ يَدِهِ لَا جِدَّةَ عَقُوًّا
عَقُوْرًا اَكْرِئِيْمًا

”اے اللہ! میں تجھ سے پختہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تو مجھے اس مصیبت سے بچ لے گا تو میرے رسول محمد مصطفیٰ کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں میں معاف کرنے والا، بخشنے والا کریم پادشہ گا۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نجات دی۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف بہ سلام ہوا۔ نبیؐ میں مروی ہے کہ اس کی بیوی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! عکرمہ آپ سے ڈر کر یمن بھاگ گیا ہے۔ مہربانی فرما کر اسے امان دے دیں۔ حضورؐ نے فرمایا میں اس کو امان دیتا ہوں اس کی بیوی اس کی تلاش میں نکلی۔ جب سائل سمندر پر پہنچی تو اس نے دیکھا کہ وہ کشتی میں سوار ہے اور کشتی کا مالچ اسے کہہ رہا ہے اَخْلِيصْ اَخْلِيصْ خلوص کا اظہار کر۔ اس نے پوچھا میں کیا کہوں۔ اس نے کہا کہو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کے قفل کھول دیئے اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی اثناء میں اس کی بیوی ام حکیم پہنچ گئی اور اسے کہا، اے میرے بچے کے بیٹے! میں تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی بارگاہ سے آئی ہوں جو تمام لوگوں سے زیادہ نیک و کار ہے اور سر پر خیر ہے تو اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈال، میں اللہ کے رسول سے تمہارے لئے امان لے کر آئی ہوں۔ چنانچہ وہ اپنی زوجہ کے ساتھ واپس آیا، ابھی وہ حضورؐ کی خدمت میں پہنچا نہیں تھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کو فرمایا کہ عکرمہ تمہارے پاس آنے والا ہے، تم اس کے

باپ کو اس کے سامنے برا بھلا نہ کہنا کیونکہ مرے ہوئے کو اگر برا بھلا کہا جائے تو اس کے زندہ رشتہ داروں کو اذیت پہنچتی ہے۔

امام زہری اور ابن عقبہ روایت کرتے ہیں کہ رحمت عام عَلَيْهِ السَّلَام نے اپنی قوم کے فرعون ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کو جب دیکھا تو حضور فرط مسرت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی چادر اتار کر اس پر ڈال دی اور فرمایا:

مَوْحِبًا بِمَنْ جَاءَ مُؤْمِنًا مِّمَّا جِئُوا

”میں اس شخص کو خوش آمدید کہتا ہوں جو ایمان لایا اور ہجرت کر کے

میرے پاس آیا۔“

وہ حضور کی خدمت میں اپنی بیوی کی معیت میں دست بستہ کھڑ ہو گیا۔ اس کی بیوی نے نقاب اوڑھا ہوا تھا، اس نے عرض کی کہ اس عورت نے مجھے اطلاع دی ہے کہ حضور نے مجھے امان دے دی ہے۔ حضور نے فرمایا، اس نے سچ کہا ہے۔ تجھے امان ہے۔ اس نے پوچھا، آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ حضور نے فرمایا کہ میں اس امر کی دعوت دیتا ہوں کہ تم یہ گواہی دو اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ نَمُز قَائِمٌ كَرُوْا زَكُوْةَ اِدَا كَرُوْا وَغِيْرَه۔ وہ کہنے لگا آپ کی دعوت سراپا خیر ہے، اس سے زیادہ خوبصورت کیا بات ہو سکتی ہے؟ پھر اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ اعلان نبوت سے پہلے بھی اپنی قوم میں سب سے زیادہ سچ بولنے والے اور احسن کرنے والے تھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خدا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اس نے کہا، اس کے علاوہ اور کیا؟ فرمایا تم یہ کہو کہ تم اس بات پر اسلام لائے ہو کہ اسلام کے مجاہد ہو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والے ہو۔ ان امور پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناؤ اور تمام لوگ جو یہاں حاضر ہیں ان کو گواہ بناؤ۔ عکرمہ نے اسی طرح کیا۔ عکرمہ نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ یہ کہہ کر فرط حیا سے اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ کریم و رؤف نبی نے اسے فرمایا۔ اے عکرمہ! جو تم مجھ سے مانگو گے وہ میں تمہیں عطا کروں گا۔ اس نے کہا اِسْتَغْفِرُنِيْ كُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَيْتُكَهَا مِيْرے رسول! جو عداوتیں میں نے آپ سے کی ہیں، میری ہر عداوت کو معاف فرما دیجئے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کی:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعُكْرَمَةٍ كُلِّ عَدَاوَةٍ عَادَتْ بِهَا أَوْ مَنِيَةٍ
تَكَلَّمَ بِهَا -

”اے اللہ! عکرمہ نے جو میرے ساتھ دشمنیاں کی ہیں، ان سب کو اس کے لئے معاف فرما دے اور زبان سے جو اس نے اذیت پہنچائی ہے، اس کو بھی بخش دے۔“

سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کی بیوی ام حکیم کے ساتھ اس کا نکاح پر قرار رکھا۔ اسلام لانے کے بعد عکرمہ نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لئے جہاد کرتے گزار دی۔ حضرت صدیق اکبر جب مرتدین اور نبوت کے جھوٹے مدعیوں کی جنگ سے فارغ ہوئے تو آپ نے رومی لشکروں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لشکرِ اسلام کا سپہ سالار بنایا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت صدیق اکبر نے ان کے بجائے لشکرِ اسلام کی قیادت کا فریضہ حضرت خالد بن ولید کو تفویض فرمایا۔ رومیوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے جو صحابہ کرام حضرت خالد کی قیادت میں نکلے، ان میں عکرمہ، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو جہاد کے لئے وقف کر دیا اور وعدہ کیا کہ وہ میدانِ جہاد سے لوٹ کر واپس نہیں جائیں گے۔ شام میں جتنی فتوحات ہوئیں ان میں یہ حضرات شریک تھے۔ جب فاروق اعظم مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے پھر عساکرِ اسلامیہ کی کمان حضرت ابو عبیدہ کو سونپی اور حضرت خالد کو بھی ابو عبیدہ کی فوج کا ایک اعلیٰ افسر مقرر فرمایا۔ ان مجاہدین نے بعلبک اور دیگر بہت سے بڑے بڑے شہروں کو فتح کیا۔ پھر حمص پر اسلام کی فتح کا علم لہرانے کے لئے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ حمص کے دفاع کے لئے رومی کثیر التعداد فوج میدان میں لے آئے اور مسلمانوں سے شدید جنگ کی۔ اس روز عکرمہ نے جس جرأت، شجاعت اور جاں فروشی کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ جہاں دشمن کے نیزہ بردار سپاہی مسلمانوں پر حملہ کرتے تھے حضرت عکرمہ سینہ تانے ہوئے ان نیزوں کی چمکتی ہوتی انیوں پر دھاوا بول دیتے تھے کسی نے انہیں کہا عکرمہ! اپنی جان پر رحم کرو۔ آپ نے جواب دیا، اے قوم! جب میں بتوں کی خدائی کو بچانے کے لئے جنگ کرتا تھا تو میں نے اپنی کبھی پروا نہیں کی تھی۔ آج تو میں اس حقیقی بادشاہ کے نام کو بلند کرنے کے لئے مصروفِ جہاد ہوں، یہاں میں کیسے اپنے بچاؤ

کے بارے میں سوچ سکتا ہوں؟ مجھے آہو چشم حوریں نظر آرہی ہیں جو مجھ سے ملاقات کے شوق میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہیں۔ اللہ کے رسول نے جو وعدے ہم سے فرمائے تھے، وہ سچے وعدے تھے۔ پھر آپ نے اپنی تلوار بے نیام کی۔ رومی سپاہیوں کے ہجوم میں گھس گئے۔ ان کا ہر قدم آگے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ رومی ان کی شجاعت اور بہادری کو دیکھ کر عیش عیش کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں رومیوں کا ایک بہت بڑا طریق جس کا نام ہر بیس تھا اور جس کے ہاتھ میں بہت بڑا نیزہ تھا، جس کی اتنی چمک رہی تھی، اس نے اسے جنبش دی اور حضرت عکرمہ کے دل میں گھونپ دیا جو ان کی پشت کو چیرتا ہوا پار نکل گیا۔ آپ عیش کھا کر گر گئے اور اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دی۔ اسلام کا یہ کتنا بڑا معجزہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنی ساری زندگی اس چراغ ہدایت کو بجھانے کے لئے صرف کی تھیں، آخر کار وہی لوگ اس شمع ہدایت پر پروانہ وار قربان ہو کر دونوں جہاں کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوئے:۔

تیبہ یک دم و گردند زیب فتراش
خوشا نصیب غزالے کہ زخم او کاریست

حضرت خالد نے جب اسلام کے بہادر سپاہی اور اپنے چچا زاد بھائی عکرمہ کو خاک و خون میں یوں غلطاں و پچاں دیکھا تو تڑپ اٹھے۔ سعید بن زید رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے، انہوں نے بجلی کی سرعت سے حضرت عکرمہ کے قاتل بطریق پر حملہ کیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس دن اتنی شدید جنگ ہوئی تھی کہ کفار کے پانچ ہزار سپاہی قتل ہوئے اور مسلمانوں کے دو سو پینتیس جان ثاروں نے جام شہادت نوش کیا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ "احیاء العلوم" میں لکھتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد عکرمہ جب قرآن کریم کی تلاوت کے لئے مصحف کھول کر سامنے رکھتے تھے تو ان پر غشی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور آپ بے خودی کے عالم میں بار بار یہ حمد دہراتے ہوئے کہتے تھے: **هُوَ كَلَّمَ رَبِّي** یہ میرے رب کا کلام ہے، یہ میری پروردگار کا کلام ہے۔

آپ کی بیوہ ام حکیم کا عدت گزرنے کے بعد خالد بن سعید سے عقد ہوا۔ چند دن بعد وہ بھی رومیوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شرف شہادت سے مشرف ہوئے۔ ام حکیم نے جب اپنے خاوند کو خون میں تڑپتے ہوئے دیکھا تو خیمہ کی چوب نکال لی اور اس سے دشمن پر

حملہ کر دیا۔ اس بہادر خاتون نے سات رومیوں کو داصل جہنم کر دیا۔

ایک روز عکرمہ نے بارگاہ رسالت میں آکر شکایت کی کہ مسلمان مجھے عکرمہ بن ابی جہل کہہ کر جاتے ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا اور حکم دیا جو لوگ مر گئے ہیں ان پر طعن و تشنیع کر کے ان کے زندہ رشتہ داروں کو اذیت نہ پہنچاؤ۔ پھر فرمایا اَذْكُرُوا مَحْسِنًا مِّمَّنْ مَاتَ وَلَكُمْ مَسَاوِيْرُهُمْ "جو لوگ فوت ہو گئے ہوں ان کی خوبیاں بیان کیا کرو اور ان کی برائیوں سے اپنی زبان بند رکھا کرو۔" اس ارشاد رسالت میں ہم سب کے سئے کتنا بڑا درس ہے اور اگر ہم اس پر عمل کریں تو امت مسلمہ میں محبت اور اخوت کے رشتے کس قدر مستحکم ہو جائیں؟

ایک دفعہ اسلام قبول کرنے سے پہلے عکرمہ نے ایک مسلمان مجاہد کو دعوتِ مبارزت دی اور اسے قتل کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر سرورِ عالم ﷺ ہنس پڑے۔ اس مقتول انصاری کے رشتہ داروں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارا بھائی قتل کر دیا گیا ہے۔ حضور اس پر کیوں ہنس رہے ہیں؟ ارشاد فرمایا:

(1) أَفَضَلَكُنِي أَنَّهُمَا فِي دَرَجَةٍ وَاحِدَةٍ فِي الْجَنَّةِ

"میں اس لئے ہنس رہا ہوں کہ آج یہ دونوں آپس میں جنگ آزا ہیں لیکن جنت میں دونوں ایک ہی مقام پر فائز ہوں گے یعنی آج اس انصاری کو شہادت کا تاج پہنایا گیا ہے، کل قاتل عکرمہ کو بھی قبائے شہادت سے سرفراز فرمایا جائے گا۔"

چنانچہ اس روز جو حضور نے ارشاد فرمایا تھا، عہدِ فاروقِ اعظم میں شکرِ روم سے لڑتے ہوئے وہ پیش گوئی پوری ہوئی۔

6۔ حویرث بن نقید بن وہب: اس کے خون کو بھی سرکارِ دو عالم ﷺ نے مباح قرار دیا تھا کیونکہ وہ بارگاہ رسالت میں بڑی دل زار بھجوا کر تا تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھ نہیں رکھتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ فاطمہ اور حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو مکہ سے مدینہ لے جا رہے تھے کہ راستہ میں حویرث ملے۔ اس نے اونٹ کی بغل میں جس پر یہ دو شہزادیاں سوار تھیں۔ اپنے عصا سے

کچھ کے دیئے۔ اونٹ بد کا اور حضور کی دونوں صاحبزادیوں کو نیچے را دیا۔

7۔ ہبار بن اسود: اس نے بھی اسی قسم کی نازیبا حرکت کی۔ حضور کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ عزم سفر تھیں تو ہبار نے بھی آپ کے اونٹ کی بغلوں میں اپنے عصا سے کھجلیا جس سے آپ کا اونٹ بد کا اور آپ گر پڑیں۔ آپ کا حمل ضائع ہو گیا، آپ بیمار ہو گئیں اور اسی بیماری سے آپ کی وفات ہوئی۔

یہ اس قسم کے بد بخت لوگ تھے کہ انہیں خانوادہ نبوت کی ان معصوم شہزادیوں پر بھی رحم نہیں آتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو بھی مباح الدم قرار دیا۔ وہ اپنے بارے میں یہ فیصلہ سن کر وہاں سے بھاگ گیا۔ جب رحمت عالم ﷺ جعرانہ کے مقام پر تشریف فرما تھے۔ یہ ہبار حاضر ہوا۔ لوگوں نے اسے دیکھا تو عرض کی، یا رسول اللہ! یہ ہے ہبار بن اسود۔ حضور نے فرمایا، میں نے اسے دیکھ لیا ہے۔ کوئی صاحب اٹھے تاکہ اس کا کام تمام کر دے۔ حضور نے اسے اشارہ سے منع کیا۔ فرمایا بیٹھ جاؤ۔ ہبار بارگاہ رسالت میں دست بستہ کھڑا ہو کر عرض پیرا ہوا:

اَللّٰهُمَّ عَنِّيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
وَاَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

”میں یہاں سے بھاگ کر چلا گیا تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ عجمیوں کے ملک میں چلا جاؤں اور وہاں رہائش اختیار کر لوں۔ پھر مجھے حضور کی عنایات، صد رحمتی غفور و درگزر کی صفات جمید کا خیال آیا۔ اے اللہ کے رسول! حضور کی بعثت سے پہلے ہم لوگ مشرک تھے، آپ کے صدقے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی اور ہلاکت سے ہمیں نجات دی۔ مجھ سے جو غلطیاں ہوئیں ان سے درگزر فرمائیے، جو میری باتیں حضور کیسے اذیت کا باعث بنیں، انہیں معاف فرمائیے۔ میں اپنی غلطیوں اور بد کاریوں کا اقرار کرتا ہوں۔ اپنے گناہوں کا معترف ہوں۔ اس سرپارافت و رحمت نبی نے اس کی عرض داشت کو مسترد نہیں کیا، فرمایا:

قَدْ عَفَوْتُ عَنْكَ اے ہبار! میں نے تجھے معاف فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا کہ اس نے اسلام قبول کرنے کی تجھے ہدایت دی اور جب انسان اسلام قبول کرتا ہے تو اسلام اس کی سابقہ بد کرداریوں اور خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔

8۔ کعب بن زہیر المزنی: یہ بڑا قادر الکلام شاعر تھا۔ یہ اپنی شاعری کو پیکر حسن و جمال و کمال ﷺ کی بد گوئی اور ہجو میں استعمال کرتا تھا۔ اس کا بھائی جیسر مسلمان ہوا تو اس کو بھی

عار دلایا کرتا تھا۔ ایک روز بحیر نے اپنے بھائی کعب کو کہا کہ تم میری ان بکریوں کو سنبھالو میں ذرا اس شخص کی ملاقات کے لئے جاتا ہوں جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے۔ میں اس کی باتیں سنوں گا اور جو دین وہ لے آیا ہے اس کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔ کعب اپنے بھائی کے ریوڑ کو لے کر ابرق العزاف نامی چشمہ کے پاس ٹھہرا رہا۔ یہ چشمہ مدینہ طیبہ اور ربذہ کے درمیان بنی اسد کے علاقہ میں تھا۔ بحیر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ ارشادات طیبات کو سنا۔ اس کا دل نور ایمان سے چمک اٹھا۔ بحیر کے مدینہ جانے کی وجہ یہ تھی کہ اس کا باپ زہیر اہل کتاب کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا اور ان سے اس نے کئی بار سنا تھا کہ نبی آخر الزمان کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔ زہیر نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک رسی اس کی طرف لٹکائی گئی ہے۔ اس نے اس کو پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن اس کا ہاتھ اس رسی کو پکڑ نہ سکا۔ اس نے اپنے خواب کی یہ تعبیر کی کہ حضور کی تشریف آوری سے پہلے ہی میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا اور یہ سعادت میسر نہیں آئے گی۔ اس نے اپنے بیٹوں کو اپنا یہ خواب سنایا تھا اور اس نبی کے بارے میں اہل کتاب جو کہا کرتے تھے، ان اقوال سے بھی اپنے بچوں کو مطلع کیا۔ انہیں وصیت کی اگر انہیں اللہ کے اس پیارے رسول کا زمانہ نصیب ہوا تو ادنیٰ توقف کے بغیر اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا دین قبول کر لیں۔ جب بحیر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا تو اس نے اپنے بھائی کو لکھا کہ وہ نبی تشریف لے آیا ہے جس کے بارے میں اس کے باپ نے خواب دیکھا تھا۔ وقت ضائع مت کرو فوراً یہاں پہنچو اور اس دین حق کو قبول کر لو۔

جواباً اس نے اپنے بھائی بحیر کو چند اشعار لکھ کر بھیجے جس میں اپنے بھائی کو مطعون کیا کہ تم تا سمجھ ہو، تم نے اپنے باپ دادا کے دین کو سوچے سمجھے بغیر چھوڑ دیا ہے۔

جب کعب کے اشعار بحیر کو ملے تو اس نے یہ اشعار بارگاہ رسالت میں پیش کر دیئے۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا کہ کعب جس کو ملے وہ اس کو قتل کر دے۔ اس کے بھائی نے اس کو اطلاع دی کہ جو شعراء شان رسالت میں ہجو یہ شعر لکھا کرتے تھے ان کو حضور نے یہ تیغ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر تو زندہ رہنا چاہتا ہے تو حاضر خدمت ہو جاؤ اور معافی مانگ لو۔ جو تاب ہو کر حاضر خدمت ہوتا ہے، حضور اس کو معاف فرما دیتے ہیں۔ اگر تیرے مقدر میں ایمان نہیں تو پھر کہیں دور بھاگ جاؤ۔ کعب کو جب یہ علم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے اس

کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے تو دنیا اپنی وسعتوں کے باوجود اس پر تنگ ہو گئی۔ مدینہ طیبہ میں حمینہ قبیلہ کا ایک شخص اس کا دوست تھا۔ یہ چھپتے چھپتے اپنے دوست کے پاس پہنچا اور اپنا ماجرا بیان کیا۔ اس دوست نے اسے مشورہ دیا کہ نبی کریم ﷺ کے جملہ صحابہ کرام سے حضرت ابو بکر بڑے رحم دل اور کریم النفس ہیں وہ اگر تمہاری سفارش کریں تو حضور تجھے معاف فرمادیں گے۔ چنانچہ صبح سویرے وہ دوست کعب کو لے کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا۔ کعب نے اپنا تعارف کرایا اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ حضرت صدیق اکبر کعب کو لے کر بارگاہ رسالت میں گئے اور عرض کی، یا رسول اللہ! یہ شخص حضور کی بیعت کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہے۔ حضور نے ہاتھ بڑھایا اور اس کو اپنی بیعت سے مشرف فرمایا۔ اس کے بعد کعب نے اپنا مشہور قصیدہ پیش کیا جس کا پہلا مصرعہ ہے۔

بَانَتْ سَعَادُ فَقَلْبِي الْيَوْمَ مَتَبُّونُ

جب اس نے یہ شعر عرض کیا:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَنُوَدِّعُنَّكَ بِهٖم مَّهْمَنًا مِّنْ سَيِّوفٍ اللّٰهُمَّ صَلِّ (۱)

”یعنی رسول اکرم تو نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور یہ

اللہ کی تلواروں سے ایک بے نیام تلوار ہیں۔“

حضور نے اس شعر کو بہت پسند فرمایا اور اپنی چادر مبارک اتار کر اس کو بطور انعام عطا کر دی۔ انہوں نے ساری عمر یہ چادر بڑی حفاظت سے اپنے پاس رکھی۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خیفہ بنے، آپ نے اسے کہا کہ دس ہزار دینار لے لو اور مجھے یہ چادر دیدو۔ کعب نے کہا، اللہ کے رسول کا یہ تبرک میں کسی قیمت پر کسی کو دینے کیلئے تیار نہیں۔ جب کعب کی وفات ہو گئی تو امیر معاویہ نے ان کے وارثوں سے یہ چادر بیس ہزار درہم کے بدلے لے لی۔ یہ وہی مبارک چادر ہے کہ جب بھی کوئی سلطان تخت نشین ہوتا تو وہ چادر اس کو اوڑھائی جاتی اور خلفاء عیدوں کے مواقع پر بھی اس چادر کو زیب تن کرتے۔ کہا گیا ہے یہ چادر فتنہ تاتار میں گم ہو گئی۔

کعب بن زہیر خود بھی قادر الکلام اور نغز گو شاعر تھا، اس کے علاوہ اس کا باپ زہیر، اس کا بھائی جہیر اور اس کا بیٹا عقبہ اور اس کا پوتا عوام بن عقبہ رضی اللہ عنہم تمام کے تمام ملک

خُن کے بادشاہ تھے۔

9-10۔ حارث بن ہشام المخزومی اور زہیر بن ابی امیہ: نواں شخص جس کا خون مباح کیا گیا تھا وہ ابو جہل کا سگا بھائی حارث بن ہشام المخزومی تھا، اسی طرح حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھائی زہیر بن امیہ بھی اپنے دل میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں شدید قسم کا بغض رکھتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن ان دونوں کو قتل کرنے کی اجازت دی تھی۔ یہ دونوں حضرت ام ہانی بنت ابی طالب کے پاس حاضر ہوئے اور پناہ کی درخواست کی۔ آپ نے انہیں پناہ دیدی اور حضور نے ام ہانی کی پناہ کو قبول فرمایا۔ پھر آپ ان دونوں کو لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور پھر اس پر ثابت قدم رہے۔

11۔ سارہ: یہ بنی مطلب بن عبد مناف کی کنیز تھی۔ چونکہ یہ مکہ کی مغنیہ تھی اور ایسے اشعار گایا کرتی تھی جس میں حضور ﷺ کی ہجو کی گئی تھی اور یہی وہ عورت تھی جس کے ذریعہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے مکہ والوں کے پاس خط بھیجا تھا۔ یہ مدینہ طیبہ آئی اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اپنی تنگ دستی کا شکوہ کیا اور امداد کیلئے درخواست کی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس سے پوچھا تم مغنیہ ہو۔ جب تم گیت گاتی ہو تو لوگ تجھ پر انعام و اکرام کی بارش کر دیتے ہیں۔ کیا یہ داد و دہش تمہیں مستغنی کرنے کے لئے کافی نہیں کہ تو یہاں بھیک مانگنے کیلئے آئی ہے؟ اس نے عرض کی، جب سے بدر کی جنگ میں قریش کے رؤساء قتل کر دیئے گئے اس کے بعد سے انہوں نے گانا بجانا ترک کر دیا۔ اس لئے میری غربت کی یہ حالت ہے۔ حضور ﷺ نے اس کو بھی اپنے بحر سخاوت سے محروم نہیں رکھا بلکہ اسے سامانِ خوراک سے لدا ہوا ایک اونٹ مرحمت فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی اس کی مالی امداد فرمائی۔ جب یہ احسان فراموش مکہ واپس آئی تو اس نے ابن خطل کے جہویہ اشعار گا گا کر مشرکین کے دل بھرنے شروع کئے۔ فتح مکہ کے روز وہ چھپ گئی۔ اس کے لئے بارگاہ رسالت میں امان دینے کی درخواست کی گئی۔ حضور نے اس کو امان دیدی۔ وہ حاضر ہوئی اور اسلام قبول کیا اور تا دمِ واپسین اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدمی سے عمل پیرا رہی۔

12۔ ان پندرہ آدمیوں میں سے بارہ ہواں شخص صفوان بن امیہ تھا۔ اس کے دل میں اور اس کے باپ امیہ کے دل میں اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نفرت اور

عداوت کے آتش کدے روز اول سے بھڑک رہے تھے۔ رحمت عالم ﷺ کو اذیت اور دکھ پہنچانے میں وہ کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا تھا۔ سرور عالم ﷺ نے اس کو بھی مباح ادم قرار دیا۔ یہ چھپ گیا اور ارادہ کیا کہ رات کی تاریکی میں مکہ سے نکل جائے اور سمندر میں چھلانگ لگا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر دے۔

اس کے چچا کا بنہ عمیر بن وہب بارگاہ رحمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، اے اللہ کے پیارے نبی! صفوان اپنی قوم کا سردار ہے اور یہاں سے بھاگ گیا ہے تاکہ سمندر میں کود کر غرق ہو جائے۔ میری التجا ہے کہ حضور اس کو امان عطا فرمائیں۔ کیونکہ حضور نے ہر سرخ و سیاہ کو امان دیدی ہے۔ اس کریم و رحیم نبی نے اسلام کے بدترین دشمن کے بارے میں عمیر کی درخواست سن کر فرمایا، اے عمیر! جاؤ اور اپنے چچا کے لڑکے صفوان کو جا کر خوشخبری سنو کہ میں نے اس کو امان دے دی ہے۔ عمیر نے عرض کی میاں رسول اللہ! مجھے کوئی اپنی نشانی عطا فرمائیے، کیونکہ میں نے اس کو واپس آنے کیسے کہا تھا تو اس نے انکار کر دیا اور کہا جب تک تم میرے پاس حضور کی نشانی نہیں لاؤ گے جس کو میں پہچانتا ہوں اس وقت تک میں واپس نہیں آؤں گا۔ اس کریم و رحیم نبی نے اس بدکردار اور روسیہ کیسے اپنا نورانی عمامہ اتار کر عمیر کو دیا اور فرمایا، کہ یہ لے جاؤ میرا عمامہ اور جا کر صفوان کو بتلادو۔

جب عمیر اس کے پاس پہنچا تو وہ سمندر میں کودنے کی تیاری کر رہا تھا۔ صفوان نے عمیر کو دیکھ کر کہا میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔ عمیر نے کہا صفوان! میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں! میں ایک ایسی ہستی کے پاس سے آیا ہوں جو سارے لوگوں سے افضل، تمام لوگوں سے زیادہ احسان کرنے والی، تمام لوگوں سے زیادہ رحیم اور ہر خوبی میں سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اور وہ اجنبی نہیں بلکہ تیرے چچا کا بیٹا ہے۔ اس کی عزت تمہاری عزت، اس کا شرف تمہارا شرف، اس کی حکومت تمہاری حکومت ہے۔ اس لئے تم وقت ضائع کئے بغیر ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ صفوان کہنے لگا، مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ عمیر نے کہا ان سے مت ڈرو۔ وہ از حد بردبار اور کرم فرمانے والے ہیں۔ پھر عمیر نے رحمت عالم ﷺ کا نورانی عمامہ اس کو دکھایا۔ اب اسے تسلی ہوئی اور وہ عمیر کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ وہاں پہنچا تو کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا (عمیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اس شخص نے مجھے بتایا ہے کہ حضور نے مجھے امان دے دی ہے۔ حضور نے

فرمایا، اس نے تجھے سچ بتایا ہے اس نے عرض کی مجھے غور و فکر کرنے کیلئے دو ماہ کی مہلت دیجئے۔ حضور نے فرمایا دو ماہ نہیں تمہیں چار ماہ تک مہلت ہے۔ تم خوب سوچ بچار کر لو۔ فتح مکہ کے بعد جب حضور بنی ہوازن کی گوشمالی کیلئے روانہ ہوئے تو حضور نے اس سے چالیس ہزار درہم بطور قرضہ حسنہ لئے اور وہ زر ہیں جو اس کے پاس تھیں وہ بھی عاریتہ طلب کیں۔ وہ کہنے لگا کیا آپ یہ ساری چیزیں مجھ سے غصب کرنا چاہتے ہیں؟ سرکار نے فرمایا، ہر گز نہیں۔ میں تجھ سے عاریتہ لے رہا ہوں جو تمہیں واپس کر دی جائیں گی۔ اگر ان میں سے کوئی زرہ ضائع ہو گئی تو اس کی قیمت ادا کر دی جائے گی۔ پھر وہ ہوازن کی جنگ میں حضور کے ہمراہ روانہ ہوا ابھی تک حسب سابق اپنے شرک پر تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جب جنگ ہوازن میں حاصل ہونے والے اموال غنیمت تقسیم کئے تو اسے پہلی مرتبہ ایک سواونٹ، اس کے بعد سوا اور اونٹ، اور تیسری مرتبہ مزید سواونٹ عطا فرمائے۔ پھر حضور نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ اس وادی کو لپٹائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے جس میں بھیڑ بکریاں بھری ہوئی ہیں۔ حضور نے فرمایا، صفوان! یہ بھیڑ بکریاں تجھے اچھی لگ رہی ہیں، کہنے لگا بیشک۔ فرمایا یہ ساری وادی اور اس میں جتنی بھیڑ بکریاں ہیں، سب میں نے تجھ کو عطا کر دیں۔ جب یہ بے اندازہ مال غنیمت رحمت عالم ﷺ نے صفوان کو عطا فرمادیا تو کہنے لگا:

کوئی بادشاہ تو خوشی سے اتنے ان گنت اموال کسی کو نہیں دیتا۔ یہ تو کسی نبی کی فیاضی ہی عطا کر سکتی ہے اور وہ بیساختہ کہہ اٹھا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پھر اس نے سچے دل سے اسلام قبول کیا اور غور و خوض کے لئے اس نے چارہ ماہ کی مدت طلب کی تھی اس کے اختتام کا انتظار نہ کر سکا اور اسی وقت اس نے ہادی برحق ﷺ کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کر لی۔

وہ کہا کرتا تھا۔ سب مخلوق سے زیادہ میرے دل میں حضور کے بارے میں بغض و عداوت تھی۔ حضور مجھے دیتے گئے، اتنا دیا، اتنا دیا کہ ساری مخلوق سے زیادہ حضور میرے محبوب بن گئے۔

13۔ ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان: حضور نے ہند کی کارستانیوں کے باعث اس کو قتل کرنے کی بھی اجازت دی تھی۔ یہ وہی سنگدل ہند ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کے شیر حضرت حمزہ کی شہادت کے بعد آپ کا سینہ چاک کیا، آپ کا دل نکالا، منہ میں ڈال

کر چایا لیکن نکل نہ سکی اور باہر تھوک دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو فتح مبین عطا فرمائی اور مکہ کی فضاؤں میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو وہ ابوسفیان کے گھر میں چھپ گئی۔ پھر اسلام قبول کیا اور اہل وادی میں حضور کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ کہنے لگی:

اس اللہ تعالیٰ کی ساری تعریفیں ہیں جس نے اس دین کو غلبہ عطا فرمایا جس کو اس نے اپنی ذات کیلئے پسند فرمایا تاکہ اے اللہ کے محبوب! تیرے دریائے رحمت سے میری تشنگی کا بھی درماں ہو۔ میں وہ عورت ہوں جو اللہ پر سچے دل سے ایمان لائی ہوں اور اس کی تصدیق کرتی ہوں۔

یہ کہنے کے بعد عرض کرنے لگی:

یا رسول اللہ! میں ہند بنت عقبہ ہوں۔ اس کریم ذات نے فرمایا، مَوْحِبًا بِمَا آتٰ ہند خوش آمدید! ہند نے دو بھنے ہوئے کم عمر بکرے بھیجے۔ حضور نے دعائیں دیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ریوڑوں میں برکتیں عطا فرمائے۔ ہند کہتی ہے حضور کی دعا کی برکت سے ہمارے ریوڑ میں اتنی برکت ہوئی کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ہند جب مسلمان ہوئی تو اپنے اس بہت کے پاس گئی جسے اس نے بڑی عزت و احترام سے اپنے گھر میں سجا کر رکھا ہوا تھا۔ اس نے کلہاڑا اٹھایا اور اس کے پرزے پرزے کر دیئے اور ساتھ ہی یہ کہتی تھی **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ** اے بت! ہم تیری وجہ سے آج تک دھوکا میں رہے۔ اس کا خاوند ابوسفیان اس سے پہلے اسلام لے آیا۔ کیونکہ عدت کے ختم ہونے سے پہلے دونوں مسلمان ہو گئے تھے اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان کا پہلا نکاح برقرار رکھا۔ (۱) فتح مکہ کے دن پہلے سرور عالم ﷺ نے مردوں کو اپنی بیعت کا شرف بخشا۔ پھر عورتوں کو بیعت کرنے کی اجازت دی۔ انہیں بیعت کرنے وایوں میں ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عقبہ بھی تھی۔ اس نے خوف کے مارے اپنے چہرے پر نقاب ڈالا ہوا تھا۔ جب وہ مستورات حضور کے قریب پہنچیں تو فرمایا کہ ان امور پر میری بیعت کرو:

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی، چوری نہیں کرو گی، زنا نہیں کرو گی، اپنے بچوں کو قتل نہیں کرو گی، کسی پر بہتان نہیں لگاؤ گی اور میری نافرمانی

نہیں کرو گی۔

جب حضور یہ ارشاد فرما چکے تو ہند بولی، پہلے میں ابوسفیان کا تھوڑا تھوڑا مال چوری چھپے لے لیا کرتی تھی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ میرے لئے حلال ہے یا نہیں۔ ابوسفیان بھی وہاں موجود تھا وہ بولا آج تک جو تم نے میرا مال چر لیا ہے میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ حضور نبی کریم ﷺ یہ سن کر ہنس دیئے اور حضور نے پہچان لیا کہ یہ عورت ابوسفیان کی بیوی ہند ہے۔ فرمایا تو ہی عقبہ کی بیٹی ہند ہے؟ عرض کی میں ہی ہوں۔ اے اللہ کے نبی! آج تک جو ہم سے غلطیاں ہوئیں وہ معاف فرمادیں۔ جب حضور نے فرمایا کہ لَا تَزْنِیْجِیْ تم بدکاری نہیں کرو گی تو ہند حیران ہو کر کہنے لگی، کیا آزاد عورتیں بھی یہ جرم کیا کرتی ہیں؟ اور جب حضور نے فرمایا اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی۔ ہند بولی ہم نے اپنے بچوں کو جب وہ چھوٹے تھے پال کر بڑا کیا اور جب بڑے ہو گئے تو آپ نے ان کو قتل کر دیا۔ کیا آپ نے بدر کے میدان میں ہمارے کسی بچہ کو زندہ بھی چھوڑا ہے؟ اس کی یہ بات سن کر حضرت فاروق اعظم نے قبہ لگایا یہاں تک کہ زمین پر ٹوٹ پوٹ ہو گئے سرکارِ دو عالم ﷺ مسکرا دیئے۔

جب حضور نے فرمایا کہ بیعت کرو کہ کسی پر تہمت نہیں لگاؤ گی۔ ہند بولی واقعی کسی پر جھوٹا بہتان لگانا بڑی بری بات ہے؟ اور آپ تو ہمیں صرف ان باتوں کا حکم دیتے ہیں جو سراپا ہدایت اور مکارم اخلاق ہوتی ہیں۔

آخر میں حضور نے فرمایا کہ میری بیعت کرو کہ میری نافرمانی نہیں کرو گی۔ ہند نے عرض کی ہم آپ کی اطاعت گزار بن کر یہاں حاضر ہوئی ہیں۔ ہمارے ذہن میں آپ کی نافرمانی کا اب گمان بھی نہیں ہو سکتا۔

عہد فاروق اعظم میں جب شام کا مشہور شہر یرموک فتح کرنے کے لئے لشکر اسلام نے حملہ کیا تو ہند اپنے خوند ابوسفیان کے ساتھ اس معرکہ میں شریک ہوئی اور دوسری مسلمان خواتین کی طرح مسلمانوں کو راہ حق میں جہاد کرنے کیلئے شوق دلارہی تھی۔ ہند کا وصال عہد فاروقی میں ہوا۔ اسی روز حضرت صدیق اکبر کے والد ماجد حضرت ابو قحافہ نے بھی وصال فرمایا۔

18۔ وحشی بن حرب: یہ وہ شخص ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کے شیر، سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گئے چچا کو میدانِ احد میں چھپ کر حملہ کر کے شہید کیا تھا۔ نبی

کریم نے وحشی کا خون بھی مباح کر دیا۔ جس روز مکہ فتح ہوا تو یہ طائف بھاگ گیا۔ وہ کہتا ہے میں طائف میں تھا کہ لشکر اسلام نے طائف کا محاصرہ کر لیا اور اہل طائف کا وفد مسلمانوں کو اپنا شہر حوالہ کرنے کے لئے وہاں سے روانہ ہوا۔ وحشی کہتا ہے کہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں شام یا یمن چلا جاؤں یا کسی اور ملک میں پناہ لے لوں۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک آدمی نے مجھے کہا۔ اے وحشی! جو شخص حضور پر ایمان لاتا ہے اور اسلام قبول کر لیتا ہے وہ کتنی ہی مجرم ہو، حضور اس کو قتل نہیں کرتے۔ میرے دل میں بھی امید کی کرن چمکی۔ ہمت کر کے میں حضور کی خدمت میں اچانک حاضر ہوا۔ میں نے فوراً کھڑے ہو کر کلمہ شہادت پڑھا۔ حضور نے میری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو فرمایا تم وحشی ہو؟ عرض کی ہاں، یار سوں اللہ! فرمایا بیٹھ جاؤ اور مجھے وہ واقعہ سناؤ جب تم نے حمزہ کو قتل کیا تھا۔ میں نے تفصیل سے واقعہ بیان کیا۔ حضور نے مجھے حکم دیا اپنا چہرہ مجھ سے چھپاؤ۔ میرے سامنے نہ آیا کرنا۔

حضرت صدیق اکبر کے زمانہ میں جب منکرین ختم نبوت کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ وحشی بھی ان جنگوں میں شریک ہو گیا اور جب مسلمانوں کے ساتھ مسلمانوں کا معرکہ کارزار گرم ہوا تو اسی نیزہ سے وحشی نے مسلمانوں کا کام تمام کر دیا جس سے اس نے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ اب وہ کہتا تھا اللہ کے کرم سے کچھ بعید نہیں کہ میرے اس گناہ کی عطا فی مسلمانوں کو قتل کرنے سے ہو جائے۔

پسران ابولہب کا ایمان لانا

ان کے علاوہ ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور محب بھی چھپے پھرتے تھے۔ ان میں سامنے آنے کی جرأت نہیں تھی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چچا عباس سے پوچھا آپ کے بھائی کے دونوں بیٹے عتبہ اور محب کہاں ہیں، وہ مجھے نظر نہیں آ رہے؟ حضرت عباس نے عرض کی یا رسول اللہ جس طرح دوسرے مشرک چھپے پھرتے ہیں وہ بھی سامنے آنے کی جسارت نہیں کر رہے۔ حضور نے فرمایا جاؤ اور ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت عباس اپنے اونٹ پر سوار ہو کر ان کے پاس گئے اور انہیں لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، دونوں نے اسلام قبول کر لیا، ان کے مشرک باسماں ہونے سے حضور کو از بس مسرت ہوئی۔ حضور نے ان دونوں کو اپنی

دعائے خیر سے نوازا۔

حضور ﷺ پھر کھڑے ہوئے اور دونوں کا ہاتھ پکڑ کر ملتزم کی طرف تشریف لے گئے اور کچھ وقت تک دعا فرماتے رہے۔ جب دعا سے فارغ ہوئے تو حضور کا رخ اقدس فرط مسرت سے چمک رہا تھا۔ حضرت عباس نے عرض کی، یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ حضور کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے! آج حضور کے رخ انور پر مجھے مسرت کے آثار نظر آرہے ہیں۔ اس رحمت للعالمین نے فرمایا، میں نے اپنے چچا کے بیٹوں کو اپنے رب سے مانگا اور میرے رب نے مجھے یہ دونوں عطا فرمادیئے ہیں، اس لئے میرا دل آج بہت مسرور ہے۔ یہ دونوں حسین اور طاہر کے غزوات میں حضور کے ہمراہ رہے اور بڑی ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ حسین کی جنگ میں محب کی آنکھ ضائع ہو گئی لیکن یہ دونوں ایک لمحہ کے لئے بھی حضور سے الگ نہیں ہوئے۔

سہیل بن عمرو کا قبول اسلام

اس کا بیٹا عبد اللہ پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا لیکن فتح مکہ کے روز سہیل چھپ گیا تھا تاکہ کوئی مسلمان اس کو قتل نہ کر دے۔ اس کا بیٹا عبد اللہ حضور کی خدمت میں آیا تاکہ اپنے باپ کیلئے حضور سے امان طلب کرے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ کی امان سے وہ امن میں ہے۔ بیشک اسے کہو کہ چھپنے کی کوئی ضرورت نہیں، سامنے آؤ۔ پھر سرکار نے اپنے صحابہ کو فرمایا، تم میں سے جس کی ملاقات سہیل بن عمرو سے ہو وہ تیز نظروں سے اس کی طرف مت دیکھے۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم! سہیل بڑا دانشمند اور شریف النفس ہے اور سہیل جیسا آدمی زیادہ دیر تک اسلام کا انکار نہیں کر سکتا۔

اس کا بیٹا عبد اللہ، سہیل کے پاس گیا اور حضور سرورِ عالم ﷺ کے ارشاد سے اس کو آگاہ کیا۔ سہیل کہنے لگا۔ سَکَانَ وَاللّٰهُ بَرًّا صَغِيرًا بَرًّا كَبِيرًا بخدا حضور جب جھوٹے تھے تب بھی احسان و کرم فرمایا کرتے تھے اور جب بڑے ہوئے تب بھی احسان و کرم ان کا شیوہ ہے۔ پھر غزوہٴ حنین میں وہ شریک ہوا حالانکہ ابھی اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب سرکارِ دو عالم جبرائیل کے مقام پر تشریف فرما ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے نورِ اسلام سے اس کے سینے کو منور فرما دیا۔ پھر ان کا شمار ان بزرگ صحابہ کرام میں ہوتا تھا جنہوں نے بڑے مشکل

حالات میں اسلام کے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ مکہ مکرمہ میں جب رحمت عالم ﷺ کے انتقال پر ملال کی المناک اطلاع پہنچی تو کئی لوگوں کے قدم ڈمگانے لگے۔ حضرت سہیل نے اس وقت ایک ایسا ایمان افروز خطبہ دیا جس سے اہل مکہ کو اسلام پر استقامت نصیب ہوئی۔ آپ یرموک کی جنگ میں شریک ہوئے۔ اپنی بہادری کے جوہر دکھائے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے خلعت شہادت سے ان کو مشرف فرمایا۔ (1)

کلید کعبہ

عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ سے یہ واقعہ ان کی زبانی سنئے۔ وہ کہتے ہیں:

ہجرت مکہ سے پہلے ایک روز نبی کریم ﷺ سے میری ملاقات ہوئی۔ حضور نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ میں نے کہا یا محمد! آپ کیسی عجیب و غریب باتیں کر رہے ہیں؟ آپ مجھ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ میں آپ کا پیر و کار بن جاؤں حالانکہ آپ نے اپنی قوم کے دین کو ترک کر دیا ہے اور ایک نیا دین لے آئے ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ عہد جاہلیت میں ہمارا یہ دستور تھا کہ ہم زائرین کیلئے سو موار اور جمعرات کو کعبہ شریف کا دروازہ کھولا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور تشریف لائے تاکہ دوسرے لوگوں کی معیت میں کعبہ میں داخل ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ بڑی بد خلقی کا مظاہرہ کیا اور نہایت ناشائستہ انداز میں گفتگو کی۔ لیکن حضور نے کسی قسم کی برہمی اظہار نہ کیا بلکہ بڑے حلم اور بردباری سے میری بدکلامی کو برداشت کیا۔ البتہ بڑی نرمی سے مجھے فرمایا:

يَا عُمَانُ لَعَلَّكَ سَتَرَىٰ هَذَا الْيَوْمَ مَا بَدِيءِي أَصْنَعُ
حَيْثُ شِئْتُ۔

”اے عثمان! یاد رکھو ایک دن آنے والا ہے جب تو دیکھے گا کہ یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جس کو چاہوں گا عطا کروں گا۔“

میں یہ سکر بوکھلا گیا اور میں نے کہا، کیا اس روز قریش کی عزت و آبرو خاک میں مل چکی ہوگی تبھی تو یہ انقلاب رونما ہو سکتا ہے؟ حضور نے فرمایا، اے عثمان! جس دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اس روز قریش ذلیل و خوار نہیں ہوں گے بلکہ ان کی عزت و شوکت

کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہو گا۔ بَلَّ عِمْرَاتُ يَوْمَئِذٍ وَعَزَّتْ

عثمان کہتا ہے کہ حضور کا یہ ارشاد میری لوح قلب پر نقش ہو گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ایسا ہی ہو گا۔ ان کی زبان پاک سے جو بات نکلتی ہے وہ لامحالہ ہو کر رہتی ہے۔ میں نے سوچا کہ میں مسلمان ہو جاؤں لیکن میری قوم کو میرے اس ارادہ کی کہیں بھٹک پڑ گئی، انہوں نے مجھے سختی سے جھڑکا، اس لئے میں نے ایمان لانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

جس روز مکہ فتح ہوا تو حضور نے مجھے حکم دیا کہ کعبہ کی کلید پیش کرو۔ میری کیا مجال تھی کہ انکار کرتا۔ فوراً گھر سے چابی لے آیا اور بعد ادب بارگاہ رسالت میں پیش کر دی۔ حضور نے فرمایا، عثمان! تمہیں وہ دن یاد ہے جب میں نے تمہیں کہا تھا کہ ایک روز یہ کلید میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جس کو چاہوں گا عطا کر دوں گا۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! بیشک آپ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور اللہ کے رسول ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے وہ چابی مجھے عطا فرمائی۔ ساتھ ہی فرمایا خُذْ وَهَذَا خَلْدَةً تَالِدَةً لَا يَنْزَعُهَا مِنْكَ إِلَّا ظَالِمٌ۔ یعنی یہ چابی لے لو اور میں یہ تمہیں ابد تک کیلئے دے رہا ہوں اور جو تم سے یہ کلید چھینے گا وہ ظالم ہو گا۔

حضرت علی مرتضیٰ اور عبدالرزاق کی روایت کے مطابق حضور کے چچی حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کی، يَا رَسُولَ اللَّهِ اجْمَعْ لَنَا الْخِطَابَةَ وَالِتَّقَايَةَ اے اللہ کے رسول! کعبہ کے زائرین کو پانی پلانے کی خدمت کے ساتھ ساتھ ہمیں کعبہ کی کلید برداری کا شرف بھی مرحمت فرمائیے۔

لیکن رحمت عالم نے اپنے محترم چچی کی اس عرضداشت کو شرف قبول نہیں بخش بلکہ فرمایا آج کا دن انتقام لینے کا دن نہیں، آج کا دن میرے ابر کرم و وفا کے برسنے کا دن ہے۔ اس وقت چابی سیدنا علی مرتضیٰ کے ہاتھ میں تھی ان کے ہاتھ سے لے کر حضرت عثمان کو دیدی۔ اور فرمایا:

خُذْ وَهَذَا خَلْدَةً تَالِدَةً لَا يَنْزَعُهَا مِنْكَ إِلَّا ظَالِمٌ (1)

”اے عثمان! یہ کلید میں صرف تمہیں نہیں دے رہا بلکہ قیامت تک آنے والی تیری نسلوں کو بخش رہا ہوں۔ میری عطا کی ہوئی یہ کلید جو تم

سے چھینے گا وہ ظالم ہو گا۔“

چودہ صدیاں بیت چکی ہیں۔ ابھی تک وہ کلید جو مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے انہیں دی تھی انہیں کی نسل میں ہے اور یقیناً قیامت تک ان کی نسل میں ہی باقی رہے گی اور کعبہ مشرفہ کی کلید برداری کا شرف انہیں ہی حاصل رہے گا۔

شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کا اسلام قبول کرنا

شیبہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بڑے بڑے لے لے کر خود بیان کرتے تھے۔ آپ بھی ان کے الفاظ میں یہ واقعہ سماعت فرمائیں :

”لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لے آئے مگر میں اپنے کفر و شرک پر اڑا رہا۔ نبی مکرم ﷺ جب ہو ہوا زن کی سر کو بی کیلئے مکہ سے روانہ ہوئے تو میں بھی ساتھ ہو گیا۔ میری نیت یہ تھی کہ شاید اس سفر میں مجھے کوئی ایسا موقع مل جائے کہ میں حضور پر حملہ کر کے آپ کی شمع حیات کو گل کر دوں۔ مسلمانوں نے میدان احد میں میرے باپ، چچا اور چچا زاد بھائیوں کا قتل عام کیا تھا، شاید اس طرح میں اپنے عزیز مقتولوں کا انتقام لینے میں کامیاب ہو جاؤں۔ میں نے اپنے دل میں یہ طے کر رکھا تھا کہ اگر عرب اور عجم کا ہر شخص اسلام قبول کر لے، میں کسی بھی قیمت پر حضور کی اطاعت قبول نہیں کروں گا۔ اسلام ترقی کر رہا تھا۔ لوگ دھڑا دھڑا حلقہ غبوش اسلام ہو رہے تھے لیکن کفر پر ڈٹے رہنے کے میرے عزم میں مزید پختگی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ جب حنین کی جنگ میں دونوں فریق آپس میں گتھم گتھ ہوئے اور نبی کریم بھی اپنے خنجر سے نیچے اتر آئے تو میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اپنی تلوار بے نیام کر لی اور میں حضور کے نزدیک ہونے کیلئے آگے بڑھا۔ میں وار کرنے ہی واما تھا کہ آگ کا ایک شعلہ بجلی کی تیزی سے میری طرف لپکا اور میری آنکھیں اس کی چمک سے خیرہ ہو گئیں۔ میں خوف سے کانپنے لگا۔ اس کی تیز روشنی سے بچنے کیلئے میں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس وقت شفیع عاصیاں علیہ السلام نے میری طرف متوجہ ہو کر تبسم فرمایا۔ حضور نے میری نیت بد کو بھانپ لیا تھا اور میرا نام لے کر پکارا، یَا شَيْبَةُ اُذِنٌ مِّنِّي ”اے شیبہ! میرے نزدیک آ جاؤ۔“ جب میں قریب ہوا، رحمت عام علیہ السلام نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھ دیا اور بارگاہ الہی میں دعا کی :

ابوسفیان کے وساوس کا ازالہ

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے سے یہ روایت کیا ہے کہ :
فتح مکہ کے پیام میں ابوسفیان نے ایک روز دیکھا کہ رسول مکرم ﷺ ایک رات پر تشریف لے جا رہے ہیں اور اہل مکہ کا ایک جم غفیر حضور کے پیچھے پیچھے سر احاعت خم کئے جا رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر ابوسفیان اپنے دل ہی دل میں یہ کہنے لگا کہ کاش میں اپنے لوگوں کا لشکر اکٹھا کروں اور ان سے پھر جنگ و قتال کا آغاز کر دوں۔ مگر در عالم ﷺ اسی اثناء میں ابوسفیان کے پاس پہنچ گئے اور اس کے سینہ پر اپنے دست مبارک سے ضرب لگائی اور فرمایا اِنَّكَ لَمِنَ الْغَالِبِ اللہ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ پھر تمہیں ذلیل و رسوا کرے گا۔ ابوسفیان یہ ارشاد سن کر ششدر رہ گیا اور عرض کرنے لگا :

اَتُوبُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰی وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِمَّا نَعَوَّهْتُ بِہٖ
مَا اَيُّقِنْتُ اَنَّكَ نَبِیُّ حَقٍّ السَّاعَةِ اِنِّیْ كُنْتُ لَلْكَذِبِ
نَفْسِیْ بِذَ الْیَكْ -

(1)

”یا رسول اللہ! میں توبہ کرتا ہوں اور وہ بکواس جو میں نے اپنے دل ہی دل میں کیا ہے اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ یہ بات تو میں نے صرف اپنے دس میں کہی تھی یعنی اگر ایسی باتوں پر بھی آپ نگاہ ہو جاتے ہیں تو اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔“

عبداللہ بن الزبیری کا قبول اسلام

فتح مکہ کے بعد یہ بھاگ کر نجران چلا گیا۔ حضرت حسان نے اس کی طرف چند اشعار لکھ کر بھیجے جن میں اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ ان اشعار کو پڑھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام محفل میں تشریف فرما تھے۔ اسے یوں لگا جیسے نورانی ستاروں کے جھرمٹ میں چودھویں کا

چاند ضیا پاشی کر رہا ہے۔ سرور عالم ﷺ نے نگاہ اٹھا کر جب اس کی طرف دیکھا تو فرمایا، یہ ہے ابن الزہری۔ اس کے چہرہ پر آج اسلام کا نور چمک رہا ہے۔ سرکار کی اس دل موہ لینے والی گفتگو کو سن کر اسے یارائے تکلم ہوا۔ عرض کی اَلَسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اَشْهَدُ اَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّكَ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے مجھے آج اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ آج تک میں حضور سے عداوت کرتا رہا، آپ کے خلاف لشکر کشی کرتا رہا، گھوڑوں، اونٹوں پر سوار ہو کر آپ پر حملہ آور ہوتا رہا، اگر کبھی کوئی سواری میسر نہ آئی تو پیدل چل کر بھی آپ کے خلاف معرکہ آرائی سے باز نہ آیا، جب آپ نے مکہ پر علم اسلام لہرا دیا تو میں وہاں سے بھاگ کر نجران چلا گیا، میں نے دل میں یہ طے کیا ہوا تھا کہ میں کسی قیمت پر اسلام قبول نہیں کروں گا، لیکن میرے رب کریم نے مجھ پر رحم فرماتے ہوئے میرے دل میں اسلام کی اور حضور کی محبت کی شمع روشن کر دی۔ پھر جب اس گمراہی کے بارے میں غور کرتا ہوں جس میں مبتلا تھا تو شرم و ندامت سے میری گردن جھک جاتی ہے۔

اس کی باتیں سن کر نبی رحمت ﷺ نے اسے بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَاكَ لِلْاِسْلَامِ اِنَّ الْاِسْلَامَ مَعْبُودٌ
مَا كَانَ قَبْلَهُ۔ (1)

”سب تعریفیں اللہ کیلئے جس نے تجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق بخش اور سن لو کہ جو اسلام قبول کرتا ہے تو اس کے پہلے سارے گناہ ملیا میٹ کر دیئے جاتے ہیں۔“

فضالہ بن عمیر کا مشرف باسلام ہونا

فتح مکہ کے بعد فضالہ، حرم شریف میں آیا۔ دیکھنا نبی کریم ﷺ طواف میں مصروف ہیں۔ اس نے ارادہ کیا جب میں پاس سے گزروں گا تو خنجر سے حضور پر حملہ کر کے آپ کی زندگی کے چراغ کو بجھا دوں گا۔ جب وہ قریب پہنچا تو مرشد برحق نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اَفْضَالَةُ؟ کیا تم فضالہ ہو؟ عرض کی ہاں، میں فضالہ ہوں۔ پھر حضور نے فرمایا:

مَاذَا كُنْتَ تُحَدِّثُ بِهِ نَفْسَكَ؟
 ”تم اپنے جی میں کیا گفتگو کر رہے تھے؟“

اس نے جواب دیا۔ کچھ بھی نہیں، میں تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا تھا۔ حضور س کا یہ بہانہ سن کر ہنس دیئے اور فرمایا۔ اِسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، فَضْلُہ! اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔ پھر اپنا دست مبارک اس کے سینہ پر رکھا اور اس کے بے چین دل کو سکون نصیب ہو گیا۔ فضالہ خود کہتا تھا۔ بخدا! حضور نے میرے سینہ پر ہاتھ رکھ کر جب انھیں تو میرے دل کی دنیا بدل گئی اور حضور ﷺ دنیا جہان سے مجھے محبوب معصوم ہونے لگے۔ اسی وقت اس نے بلا تامل حضور کے دست ہدایت پرست پر اسلام کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ فضالہ کہتے ہیں کہ جب میں حرم شریف سے واپس گھر جا رہا تھا میرا گزر اس عورت کے پاس سے ہوا جس کے پاس بیٹھ کر میں خوش گپیاں کیا کرتا تھا۔ جب میں چپکے سے اس کے پاس سے گزر گیا تو اس نے مجھے آواز دی۔ فضالہ! آؤ باتیں کریں۔ فضالہ نے جواب دیا۔ نہیں ہر گز نہیں۔ اور اسی وقت فی البدیہہ ان کی زبان پر اشعار جاری ہو گئے:

قَالَتْ هَلْ لِي بِالْحَدِيثِ فَقُلْتُ لَا يَا بَنِي عَلَى اللَّهِ وَالْإِسْلَامُ
 لَوْ مَا دَأَيْتُ مُحَمَّدًا وَقَبِيلَهُ يَا فَسَّخُ يَوْمَ تَكْسَرُ الْأَكْنَامُ
 لَوَايِتِ دِينَ اللَّهِ أَضْحَى بَيْنَنَا وَالشِّرْكَ يَغْشَى وَجْهَهُ الْإِظْلَامُ (1)

”اس نے کہا فضالہ! آؤ بیٹھیں باتیں کریں۔ میں نے کہا ہر گز نہیں۔ اللہ

اور میرا دین اسلام مجھے اس بات سے منع کرتا ہے۔“

”فتح مکہ کے دن اگر تو اللہ کے حبیب محمد مصطفیٰ کو اور آپ کے صحابہ کو دیکھتی جس روز بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا گیا تھا۔“

”اس روز تو دیکھتی کہ اللہ کا دین واضح اور روشن ہو گیا ہے اور شرک کے منحوس چہرے کو ظلمتیں ڈھانپ رہی ہیں۔“

حضرت صدیق اکبر کے والد ابو قحافہ عثمان بن عامر کا مشرف باسلام ہونا

سرور انبیاء ﷺ جب مسجد حرام میں تشریف فرما ہوئے تو حضرت صدیق اکبر اپنے بوڑھے باپ کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے لے آئے۔ رسول اکرم ﷺ نے جب دیکھا تو فرمایا۔

”اے ابو بکر! تم اس شیخ کو گھر میں رہنے دیتے۔ تاکہ میں خود اس کے پاس چل کر جاتا“
 صدیق اکبر نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ میرے والد کا حق تھا کہ وہ چل کر حضور کی
 خدمت اقدس میں شرف باریابی حاصل کرتا بجائے اس کے کہ حضور اس کے پاس چل کر
 تشریف لے جاتے۔ نبی کریم ﷺ نے ابو قحافہ کو اپنے سامنے بٹھایا۔ پھر ان کے سینہ پر
 دست مبارک پھیرا، پھر فرمایا، اسلام لے آؤ۔ چنانچہ ابو قحافہ نے کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام
 قبول کیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کو ان کے والد کے اسلام قبول کرنے
 پر ہدیہ تبریک پیش کیا۔

نبی رحمت ﷺ کا حضرت صدیق اکبر کو یہ فرمانا کہ آپ نے شیخ کو گھر میں ہی رہنے دیا
 ہوتا تاکہ میں اس کے پاس چل کر جاتا، اس سے حضرت ابو بکر کی عزت افزائی مقصود تھی۔
 صحابہ کرام میں یہ شرف بھی حضرت صدیق اکبر کو نصیب ہوا کہ ان کی چار پشتیں مشرف
 باسلام ہوئیں اور ان کو صحابی بننے کا اعزاز نصیب ہوا۔ حضرت ابو قحافہ، آپ کے
 صاحبزادے ابو بکر صدیق، حضرت صدیق کے صاحبزادے عبدالرحمن، اور ان کے
 صاحبزادے محمد۔ یہ چاروں مشرف باسلام ہوئے اور نبی الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے صحابی
 بننے کا بھی انہیں شرف نصیب ہوا۔

دوسری طرف سے بھی آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ابو قحافہ، آپ کے صاحبزادے
 ابو بکر صدیق۔ ان کی صاحبزادی اسماء اور اسماء کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیر ان چاروں کو
 بھی صحابی بننے کا شرف حاصل ہوا۔ (1)

مکہ مکرمہ میں قیام

رحمتِ عالمیاں ﷺ نے مکہ فتح کرنے کے بعد پندرہ دن تک وہاں قیام فرمایا اور اس
 اثناء میں مکہ کے تقلم و نسق کا تسلی بخش اہتمام کرنے کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی۔ اس
 موقع پر حضور ﷺ نے مندرجہ ذیل اہم اقدامات کئے:

(1) پہلے روز نبی کریم ﷺ نے خانہ خدا کو بتوں کی نجاست سے پاک کیا۔ آپ پہلے پڑھ
 چکے ہیں کہ حضور جب بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تو حضور کے دست مبارک میں

1۔ امام ابو محمد عبد الملک ابن ہشام ابن ایوب الحمیری (213ھ)، ”سیرۃ امام ابن ہشام“، القاہرہ، المطبعہ الخیریہ،

ایک چھری تھی جس بت کی طرف اشارہ فرماتے وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑتا۔ کعبہ شریف کے باہر ان کا سب سے بڑا بت ہبل نصب تھا۔ اس کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے اس مقدس گھر کو ہر قسم کے بتوں کی آلائش سے پاک اور صاف کر دیا۔

اذان بلال

(2) پہلے دن ہی جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو نبی الانبیاء ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ جاؤ اور اذان دو۔ مکہ کی کفر آلود اور تاریک فضاؤں کو نور اسلام سے منور کرنے کیلئے جب حضرت بلال کی اذان گونجی تو اس وقت ابوسفیان، عتاب بن سید اور حارث بن ہشام حرم شریف کے صحن میں بیٹھے تھے۔ اذان سن کر غصہ سے بیچ و تاب کھاتے ہوئے عتاب بولا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے باپ اسید پر بڑا کرم فرمایا کہ اسے موت کی نیند سلا دیا۔ آج اگر وہ زندہ ہوتا اور اذان کے ان کلمات کو سنتا تو یقیناً اس کو بڑا غصہ آتا۔ پھر کہنے لگا، محمد (ﷺ) کو اس کالے کوئے کے بغیر اور کوئی مؤذن نہیں ملے۔ حارث بن ہشام کہنے لگا۔ اگر میں جانتا کہ وہ حق پر ہیں تو میں ضرور ان کی پیروی کرتا۔

ابوسفیان بولا۔ لَا أَقُولُ شَيْئًا لَّوْ تَكَلَّمْتُ لَأَخْبَرْتُ عَنِّي هَذَا الْخَصَىٰ یعنی میں تو کچھ نہیں کہتا اگر میں کوئی بات کروں گا تو یہ کنکریاں حضور کو بتا دیں گی۔

وہ یہی بات کر رہے تھے کہ اللہ کا پیارا رسول ان کے پاس تشریف لے آیا اور فرمایا جو باتیں تم نے کی ہیں ان کا مجھے علم ہے۔ ہر ایک کو الگ الگ مخاطب کر کے فرمایا، اے عتاب! تم نے یہ بات کی۔ اے حارث! تم نے یہ کہا۔ ابوسفیان بولا۔ یا رسول اللہ! میں نے تو کوئی بات نہیں کی۔ حضور اس بات پر ہنس پڑے۔ حارث اور عتاب نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ان باتوں کو کسی آدمی نے نہیں سنا۔ اگر کسی نے سنی ہو تو ہم یہ سمجھتے کہ اس نے آپ کو ان سے آگاہ کیا ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے چے رسول ہیں۔

سعید بن عاص کے بیٹوں سے ایک بیٹے نے جب حضرت بلال کو اذان دیتے ہوئے سنا تو کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے میرے باپ سعید پر بڑا احسان فرمایا کہ اس کالے کو کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوا دیکھنے سے پہلے وہ ملک عدم کو سدھار لے۔ حکم بن ابوالعاص بولا۔ یہ ایک عجیب و غریب

سانحہ ہے کہ بنی جمح کا غلام (بلال) ابو طلحہ کی تعمیر کردہ عمارت پر کھڑے ہو کر چیخ رہا ہے۔
 اس تمام شور و غل کے باوجود حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد نبوی کے مطابق کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر کھل اذان دی۔ اس ساعت ہمایوں سے لے کر آج تک یہ روح پرور کلمات اس فضا میں گونج رہے ہیں اور نور بر سار ہے ہیں۔ اور قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بت کدوں کو مسمار کرنے کا حکم

(3) حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ کے گرد و نواح میں جو بڑے بڑے صنم کدے تھے ان کو تباہ و برباد کرنے اور ان کے بتوں کو پارہ پارہ کرنے کے لئے مجاہدین کے مختلف دستے ان کی طرف روانہ کئے۔

(الف) حضرت خالد بن ولید کو ان کے صنم اکبر عزى کو ریزہ ریزہ کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ یہ بت غلہ کے مقام پر ایک مکان میں تھا جس پر تین کھجور کے درخت اگے ہوئے تھے۔ قریش، بنو کنانہ اور مضر کے قبائل اس کی پوجا کیا کرتے تھے اور اس کے استھان کا متولی بنی سیم قبیلہ کا ایک خاندان بنو شیبان تھا۔ جب عزى کے پہرہ داروں کو اطلاع ملی کہ خالد بن ولید اپنے مجاہدوں سمیت عزى کو نیست و نابود کرنے کے لئے بڑھتے چلے آ رہے ہیں تو اس نے اپنی تلوار عزى کی گردن میں آویزاں کر دی۔ پھر وہاں سے تیزی سے بھاگا تاکہ پہاڑ کی کسی غار میں پناہ لے سکے۔ وہ بھاگتا جا رہا تھا اور یہ اشعار گنگنا تا جا رہا تھا۔

أَيَا عَزُّ شَيْئِي شِدَّةً لَا شَوِي لَهَا
 عَلَى خَالِدٍ أَلْقَى الْقَتْلَ وَشَيْئِي

يَا عَزُّ إِنَّ لَمْ تَقْتُلِي الْمَوْتَ خَالِدًا
 وَبُنُوِي بِأَشْمِ عَاجِلِ أَوْ تَقْتُلِي (۱)

”اے عزى! اس تلوار سے خالد پر ایسا بھرپور وار کر جو خطانہ ہو۔ آج

اپنے چہرہ سے نقاب الٹ دے اور اپنی آستین چڑھا دے۔“

”اے عزى! اگر تم اس شخص خالد کو اس دفعہ قتل نہیں کر دگی تو سارے

گناہ کا بوجھ تمہاری گردن پر ہو گا۔“

جب خالد وہاں پہنچے تو اس مکان کو گرا دیا۔ اس کے بعد لوٹ کر بارگاہ رسالت میں حاضری دی۔ حضور نے پوچھا کیا کوئی چیز تم نے دیکھی؟ عرض کی، یا رسول اللہ! کوئی چیز نہیں دیکھی۔ حضور نے حضرت خالد کو فرمایا، تم نے کچھ نہیں کیا۔ پھر لوٹ کر وہاں جاؤ اور مقصد کی تکمیل کرو۔ جب آپ وہاں پہنچے تو اس کو ٹھسے سے ایک سیاہ فام عورت جس نے اپنے بال بکھیرے ہوئے تھے نکلی، وہ واویلا کر رہی تھی، حضرت خالد نے اس پر اپنی تلوار بلند کی اور یہ شعر کہتے ہوئے اس پر تلوار کا وار کیا اور اس کا کام تمام کر دیا۔

يَا عِزِّي كُفِّرَا نَلَيْكَ لَا سُبْحَانَكَ

يَا قِيَّ رَأَيْتُ اللَّهَ قَدْ أَهْمَانِي (1)

”اے عزیزی! میں تیرا انکار کرتا ہوں اور تیری پاکی بیان نہیں کرتا۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔“

پھر آپ نے اس مکان کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا اور اس میں جو قیمتی اموال تھے وہ لے لے کر اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کیا۔ فرمایا۔ يَذْلِكُ الْعِزِّي وَلَا تُعْبِدُ أَبَدًا ابی عزیزی تھی اب کبھی بھی اس کی پرستش نہیں کی جائے گی۔ (1) یہ واقعہ 25 رمضان المبارک کو پیش آیا۔

حضرت عمرو بن العاص کی سواع کی طرف روانگی

سواع، ہذیل قبیلہ کا بت تھا جس کی وہ پرستش کیا کرتے تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کو ریزہ ریزہ کرنے کیے حضرت عمرو بن العاص کو روانہ کیا۔ حضرت عمرو کہتے ہیں کہ جب میں اس سواع نامی بت کے پاس پہنچا تو اس وقت اس کے پاس ایک خادم بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تمہارا کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا مجھے اللہ کے رسول نے حکم دیا ہے کہ میں اس بت کو گرا کر پوند خاک کر دوں۔ اس نے کہا۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا کہ یہ بت اپنا دفاع خود کرے گا۔ میں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا نادان!

ابھی تک تم باطل پر اڑے ہوئے ہو۔ تیرا خانہ خراب۔ کیا یہ کچھ سنا اور دیکھتا ہے؟ پھر میں اس بت کے اور زیادہ قریب ہوا۔ میں نے اس پر وار کر کے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اپنے مجاہد ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس کے معبد کو گرا دیں اور جہاں یہ اپنے قیمتی اموال رکھتے ہیں وہ نکال لیں۔ لیکن وہ معبد بالکل خالی تھا۔ وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ میں نے سوانح کے خادم سے کہا، اب تم نے دیکھا تمہارے اس جھوٹے خدا کا کیا انجام ہوا؟ اور وہ فوراً بولا

اَسْلَمْتُ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ

منافہ: مثلث کے مقام پر ان کا ایک بہت بڑا بت تھا جس کا نام منات تھا۔ اوس، خزرج اور غسان کے قبائل اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے سعد بن زید الاشجلی کو بیس سواروں کے ساتھ روانہ فرمایا تاکہ منات کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ اس کے پاس بھی اس کا ایک خادم موجود تھا۔ اس نے حضرت سعد سے پوچھا آپ کیسے آئے ہیں؟ آپ نے فرمایا، میں تمہارے اس جھوٹے خدا کو گرانے کیلئے آیا ہوں۔ اس نے کہا تم جانو اور وہ جانے، میں کوئی مداخلت نہیں کروں گا۔ چنانچہ وہ ایک طرف ہو گیا۔ حضرت سعد چل کر منافہ کی طرف گئے۔ وہاں سے ایک عریاں عورت نکلی جو سیاہ فام تھی۔ اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ واہل کر رہی تھی اور سینہ کو پی کر رہی تھی۔ اس کے نوکر نے کہا، اے منافہ! یہ ہیں تیرے نافرمان! حضرت سعد نے اس عورت پر وار کیا اور اس کو قتل کر دیا۔ پھر اپنے مجاہدین کے ساتھ اس بت کے پاس آئے اور اس کو گرا کر پوند خاک کر دیا۔ اس کے مخزن سے بھی کوئی قیمتی چیز دستیاب نہیں ہوئی۔ فرمان رسالت کی تعمیل کرنے کے بعد حضرت سعد واپس آئے۔ اس دن رمضان المبارک کی چوبیس تاریخ تھی۔ (۱)

انصار علیہم الرضوان کے وسوسوں کا ازالہ

جب مکہ فتح ہو گیا۔ اسلام کی عظمت کا پرچم اس کی نورانی فضاؤں میں بہرانے لگا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کیلئے غنوعام کا اعلان فرما کر ان کے دلوں کو بھی فتح کر لیا۔ فتح مبین کے ان مسرت بخش اور فرحت آگیز لمحوں میں انصار کو ایک اندیشہ نے بے قرار کر دیا۔ وہ جانتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ کا مقدس گھر ہے۔

جس کے باعث اس خطہ کو بڑی عظمتیں اور عزتیں نصیب ہو گئی ہیں۔ یہی شہر رحمت عالم ﷺ کی جائے ولادت بھی ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے قبیلہ نے عداوت و عناد کی سابقہ روش ترک کر کے اطاعت و غلامی کا طوق اپنے گلو کی زینت بنالیا ہے۔ ان لمحات میں انصار کو یہ خیال بار بار ستانے لگا کہ کہیں ان کا محبوب رسول انہیں چھوڑ کر اپنے پرانے وطن میں اقامت پذیر نہ ہو جائے۔ اپنے محبوب سے جدائی کا صدمہ ان سے برداشت نہ ہو سکے گا۔ یہ درد فراق کے مارے قلبِ حزیں کی تسکین کیلئے کہاں جائیں گے؟ اپنے حبیبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جدائی کا تصور کر کے وہ لرز لرز جایا کرتے۔

ان کا ہادی و مرشد بھی ان کی ان بے چینیوں سے بے خبر نہ تھا۔ ایک روز سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے جاں نثار صحابہ سمیت صفا کی پہاڑی پر تشریف فرما تھے۔ نبی کریم ﷺ نے دعا کیلئے اپنے دست مبارک اٹھائے۔ اسلام کی سر بلندی اور اسلام کے مخلص مجاہدین کی فلاح دارین کیلئے بڑے عجز و نیاز سے التجائیں کیں۔ دعا کے بعد حضور پر نور اپنے انصار کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے دریافت کیا کہ تم آپس میں کیا گفتگو کر رہے تھے؟ انصار نے بات کو ٹالنا چاہا لیکن حضور نے بار بار اصرار فرمایا تو انہوں نے اپنے قلبِ حزیں کی داستانِ درد پیش کرنے کی جسارت کر لی۔

دلتوا ز آقائے ان کے دلوں کو پریشان کرنے والے وسوسوں کو ہمیشہ کیلئے یہ فرما کر ختم کر دیا:

مَعَاذَ اللَّهِ! أَلَمْحَيَّا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ

”یعنی میں اس خیال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں تمہیں چھوڑ کر یہاں آباد ہو جاؤں۔ میری زندگی اور میری موت تمہارے ساتھ ہوگی۔“

اس قسم کے تمام وسوسوں کو اپنے دل سے نکال دو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ میری مدد فرمائی ہے جبکہ مکہ والوں نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ یہ فتحِ مبین تمہاری مخلصانہ اور جانگسل مساعی کا نتیجہ ہے۔ میں تمہیں چھوڑ کر چلے آنے کا تصور تک بھی نہیں کر سکتا۔ پھر ایک مرتبہ فرمایا:

لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ لِمُؤْمِنٍ الْإِنصَادِ وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ

شُعَبًا وَسَلَكَ الْأَنْصَارُ شُعَبًا لَسَلَكْتُ شُعَبَ الْأَنْصَارِ (1)
 ”اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کے قبائل کا ایک فرد ہوتا۔ اگر انصار
 ایک وادی میں چلیں اور باقی لوگ دوسری وادی میں چلیں تو میں اپنے
 لئے اس وادی کو اختیار کروں گا جس میں انصار چل رہے ہوں گے۔“

حضور کے اس ارشاد کے بعد انصار کے بے قرار دلوں کو اطمینان ہو گیا اور سرکارِ دو عالم
 ﷺ نے جو فرمایا، اسے عملی جامہ پہنا کر سب کو مطمئن کر دیا۔

ابلیس لعین کی چیخ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس روز نبی رحمت ﷺ نے مکہ فتح کیا
 (اس روز شیطان جن وانس کے گھروں میں کہرام مچا گیا) فرط غم و اندوہ سے ابلیس نے ایسی
 زور سے چیخ ماری کہ اس کی اولاد جہاں کہیں تھی سب نے سنی۔ سب دوڑ کر اس کے پاس
 حاضر ہو گئے۔ ابلیس نے کہا:

إِنِّي سَأُؤَاتِي تَرَدُّدًا أُمَّةً مُّعْتَدٍ (صَلُّوْا، اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)
 يَا ابْنِ الشِّرْكِ بَعْدَ يَوْمِكُمْ هَذَا وَلَكِنْ أَفْتَشُوا فِيهَا - يَعْنِي
 مَكَّةَ النَّوْرَ وَالشَّعْرَ

”اے میرے بچو! اب اس بات سے تم مایوس ہو جاؤ کہ محمد مصطفیٰ
 (ﷺ) کی امت کو آج کے دن کے بعد تم شرک کی طرف لوٹا دو
 گے۔ البتہ ان میں نوحہ اور شعر گوئی کو عام کر دو۔“

آج کل بعض تشدد و حلقوں کی طرف سے امت محمدیہ کے سوا دُعا عظم پر مشرک ہونے
 کا فتویٰ لگایا جاتا ہے اور بڑے دھڑلے سے فرزندِ ان توحید کو مشرک کہا جاتا ہے۔ قارئین کی
 خدمت میں رحمتِ عالم ﷺ کے ایک خطبہ کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ یہ خطبہ حضور
 نے اپنی آخری علالت کے ایام میں مسجد نبوی شریف کے منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا تھا۔ اسے
 امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے جس کی صحت کے بارے میں کسی کو
 شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

ثُمَّ طَلَعَ عَلَى الْمَنْبَرِ فَقَالَ إِنِّي بَيْنَ أَيْدِيكُمْ قَرِطٌ وَأَنَا
عَلَيْكُمْ شَهِيدٌ وَإِنَّ مَوْعِدَكُمْ الْمَوْضِعَ الَّذِي لَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ
مِنْ مَقَامِي هَذَا الَّذِي قَدْ أُعْطِيتُ مَقَلَّتِيهِ خَزَائِنَ الْأَرْضِ
وَالَّذِي لَسْتُ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلَكِنْ أَخْشَى
عَلَيْكُمْ الدُّنْيَا أَنْ تُنَافِسُوا فِيهَا وَتَهْلِكُوا كَمَا هَدَتْ مَنْ كَانَ
قَبْلَكُمْ۔

(1)

”منبر پر تشریف فرما ہو کر نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: میں تمہارا پیشرو
ہوں۔ میں تم پر گواہی دوں گا اور بیشک حوض کوثر پر میری تم سے
ملاقات ہوگی اور میں یہاں بیٹھے ہوئے حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے
زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمادی گئی ہیں۔ مجھے قطعاً یہ اندیشہ نہیں
کہ تم میرے بعد شرک کرو گے۔ البتہ مجھے خدشہ ہے کہ تم دولت
اکٹھی کرنے کیلئے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرو
گے اور جس طرح پہلے لوگ ہلاک ہوئے تھے تم بھی ہلاک ہو گے۔“

مکہ سے روانگی سے پہلے، والی کا انتخاب

فتح مکہ کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ نے تمام اہم امور کو طے کرنے کیلئے پندرہ روز تک
وہاں قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں شاید ہی کوئی مرد یا عورت باقی رہ گئے ہوں جنہوں نے نبی
رحمت کے دستِ حق پرست پر اسلام کی بیعت نہ کی ہو۔ ان نو مسلموں میں سینکڑوں
حضرات ایسے تھے جو بڑی المیتوں اور صلہ جیتوں کے مالک تھے۔ ان تمام میں سے سرکارِ دو عالم
ﷺ نے مکہ کی امارت کے لئے عتاب بن اسید کو منتخب فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر صرف
اکیس سال تھی۔ انہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھایا کریں۔
حضور کریم نے انہیں فرمایا:

اے عتاب! کیا تم جانتے ہو کہ میں نے کن لوگوں پر تمہیں والی مقرر کیا ہے؟
پھر فرمایا۔ میں نے تمہیں اللہ عزوجل کے خاص بندوں پر والی مقرر کیا ہے اور

اگر میری نظر میں اس منصب کیلئے تم سے کوئی بہتر آدمی ہوتا تو یقیناً میں اس کو اس منصب پر فائز کرتا۔ اب جاؤ اپنے فرائض انجام دو۔ میں نے اللہ کے خاص بندوں پر تمہیں والی مقرر کیا ہے۔ (یہ کلمات حضور نے تین مرتبہ دہرائے) میں تمہیں ان کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔

حضرت عتاب رضی اللہ عنہ مومنین کیلئے بڑے نرم خوتھے اور کفار کے بڑے سخت تھے۔ ان کے علاوہ حضور نے حضرت معاذ بن جبل کو مکہ میں معلم کی حیثیت سے، متعین فرمایا تاکہ وہ مسلمانوں کو دین اسلام کے عقائد، عبادات اور دیگر احکام کے بارے میں انہیں تعلیم دیں۔

حضور سرور عالم ﷺ نے گورنر مکہ حضرت عتاب کیلئے ایک درہم یومیہ وظیفہ مقرر فرمایا۔ حضرت عتاب فرمایا کرتے ایک درہم سے جس شخص کا پیٹ نہیں بھرتا اللہ تعالیٰ اس کے پیٹ کو کبھی سیر نہ کرے۔ ایک دن آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، اے لوگو! جو آدمی ایک درہم یومیہ وظیفہ کے باوجود بھوکا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے کلیجہ کو ہمیشہ بھوکا رکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے ایک درہم روزانہ وظیفہ مقرر فرمایا۔ مجھے اب کسی چیز کی حاجت نہیں۔ آپ اس منصب پر حضرت صدیق اکبر کی خلافت کے اختتام تک فائز رہے۔ حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ انہوں نے بھی داعی اجل کو اس وقت لبیک کہا جس روز اللہ تعالیٰ کے محبوب کا یار غار صدیق اکبر راہی ملک بقا ہوا (1)۔ رضی اللہ عنہ وعن سائر الصحابۃ۔

رومانیہ کے وزیر خارجہ کے تاثرات

کونستنس جور جیو وزیر خارجہ رومانیہ نے فتح مکہ کے ذکر کا اختتام کرتے ہوئے چند امور کی طرف اشارہ کیا ہے جن کے مطالعہ سے قارئین کی معلومات میں اضافہ کی امید کی جاسکتی ہے۔ اس لئے یہاں ان امور کو نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ ہمارے قارئین بھی مستفید ہو سکیں:

فاتح قلوب و عقول ﷺ نے جس روز کعبہ مقدسہ کو اصنام و اوثان کی نجاستوں سے پاک کیا اور مکہ کی شرک آلود فضاؤں میں پرچم اسلام کو لہرایا، اس روز کعبہ کے محزن میں چار

سوہیں مشقال زر خالص موجود تھا۔ صادق و امین نبی نے اعلان فرمایا کہ اس زر خالص کو کوئی ہاتھ تک نہ لگائے۔ یہ بدستور کعبہ کے خزانہ میں محفوظ رہے گا اور اسے بیت اللہ شریف پر خرچ کیا جائے گا۔ (1)

فتح مکہ کے بعد دس روز کی مدت میں دو ہزار قریشیوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ جو قریشی اسلام قبول کرنا چاہتا وہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گزرتا۔ کلمہ شہادت پڑھتا اور یہ وعدہ بھی کرتا کہ وہ آئندہ کسی پاک دامن خاتون کے ساتھ بدکاری نہیں کرے گا۔ بدکاری سے اجتناب کا اعلان ہر مسلم کے لئے اس لئے ضروری قرار دیا گیا کہ مکہ میں زنا کاری کا رواج عام تھا۔ پیشہ ور عورتوں کے مکانوں پر جھنڈا لہرایا کرتا جو اس بات کا اعلان تھا کہ یہاں فساق و فجار مردوں کے استقبال کے لئے ان جیسی بازاری خواتین موجود ہیں۔ وہاں جا کر بدکاری کرنے سے کسی کو شرم مانے کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے ہر نو مسلم کیلئے جو پاکیزہ مسم معاشرہ کا فرد بننا چاہتا تھا، اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ شہادتین کے اعلان کے ساتھ یہ بھی اعلان کرے کہ وہ آئندہ اپنے دامن عفت کو ہر گز آلودہ نہیں ہونے دے گا۔ مکہ کا شہر جو اس زمانہ میں سیاسی کاروباری مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ مذہبی مرکز بھی تھا، وہاں فسق و فجور کا دور دورہ تھا۔ اسلام کے نور کے پھیلنے سے صرف بتوں کی خدائی کا ہی تختہ الٹ نہیں گیا تھا بلکہ فسق و فجور پر بھی پابندی لگادی گئی تھی۔ تقویٰ و پارسائی کے عہد کا بھی آغاز کر دیا گیا تھا۔ مکہ کے اہل ثروت کھسے بندوں سے خواری کا شوق پورا کیا کرتے اور قمار بازی سے اپنے دلوں کو لہیہ کرتے۔ مکہ کے افق پر اسلام کے آفتاب کے طلوع ہونے سے ان قباحتوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا گیا۔

فتح مکہ کے بعد سرور عالم ﷺ پندرہ روز تک یہاں تشریف فرما رہے۔ حضور کی طلعت زیبا کے نور کی کرنیں قلوب و اذہان کو مطلع انوار بناتی رہیں۔ اس عرصہ میں مکہ کے تقریباً تمام باشندوں نے اسلام قبول کر لیا **جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا** کادل افروز منظر مکہ کے گوشہ گوشہ میں دکھائی دینے لگا۔ (2)

نبی اکرم ﷺ کی بے مثال عسکری قیادت

فتح مکہ کے تاریخ ساز معرکہ کے تفصیلی حالات کا آپ نے مطالعہ فرمالیا۔ اگرچہ سرور عالم ﷺ کا ہر اقدام اپنے اندر معجزانہ شان رکھتا ہے۔ لیکن چند ایسے واقعات بھی ہیں جو قارئین کرام کیلئے خصوصاً حرب و ضرب کی تاریخ کے طالب علموں کے لئے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ اگر وہ ان کا بغور مطالعہ کریں گے تو خود ان کی جنگی صلاحیتوں کو نشوونما پانے کا زریں موقع ملے گا۔ اس میدان میں ہادی برحق کے نقوش پا کو اگر وہ اپنا خضر راہ بنائیں گے تو وہ اس کی برکت سے فن حرب کو ایسا مواد فراہم کریں گے کہ جنگیں جہاں و برہادی کا نقیب ہونے کے بجائے نوع انسانی کیلئے امن و عافیت کی روح پرور نوید ثابت ہوں گی۔

فرزند ان اسلام قبل ازیں بیشمار معرکوں میں کفار کے سر غرور کو خاک میں ملا چکے تھے اور ان کی شجاعت و بہادری کے کھوکھلے نعروں کی قلعی کھول چکے تھے۔ معرکہ بدر، غزوہ احزاب اور غزوہ خیبر وغیرہ میں انہوں نے اپنی قوت ایمانی سے دشمن کے مڈی دل لشکروں کو شرم ناک ہزیمتوں سے دو چار کیا تھا۔ ابوسفیان نے جزیرہ عرب کے تمام بت پرست قبائل کی اجتماعی قوت کے ساتھ مدینہ طیبہ پر دھاوا بولا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کا نام و نشان تک مٹا دیں گے اور دنیا کے نقشہ سے مدینہ کی بستی کو ملیا میٹ کر دیں گے۔ لیکن اسلام کے شیروں نے کفر و شرک کی لومڑیوں کو اس جنگ میں وہ شرم ناک شکست دی کہ ان کے غبارہ سے ہمیشہ کیسے ہوا نکل گئی۔ ہادی انس و جان ﷺ نے اس وقت برملا اعلان فرما دیا کہ آئندہ کفار کو ہم پر حملہ کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوگی، اب ہم ہی ان پر حملہ آور ہوا کریں گے۔

صلح حدیبیہ کے بعد فرزند ان اسلام کو جب مکہ میں آمدورفت کی آزادی حاصل ہو گئی اور دیگر مشرک قبائل میں بھی وہ آنے جانے لگے تو بہت سے دل جو کفر کی ظلمتوں میں ڈوبے ہوئے تھے، وہاں اسلام کا نور روشنی پھیلانے لگا۔ مکہ میں اب شاید ہی کوئی گھرانہ رہ گیا ہو جہاں گھر کے کسی نہ کسی فرد نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ رحمت عالمیاں اپنے جاں نثار غلاموں کے ساتھ جب صلح حدیبیہ کے دوسرے سال عمرہ کی فضا کیلئے تشریف لائے تو فرزند ان اسلام کی شان جلال و جمال سے اہل مکہ ایسے مرعوب ہوئے کہ ان میں یہ حوصلہ

ہی دم توڑ گیا کہ وہ پھر کبھی مسلمانوں کو دعوت مبارزت دے سکتے۔ جس کیجہتی اور اتحاد کا مظاہرہ جنگ بدر سے پہلے کیا تھا اور اپنے باطل معبودوں کی جھوٹی خدائی کو بچانے کے لئے جس جوش و خروش کے ساتھ انہوں نے جنگ احزاب میں مدینہ پر چڑھائی کی تھی، اب اس کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا تھا۔ مکہ کی نصف کے قریب آبادی حلقہ جوش اسلام ہو چکی تھی۔ نیز ابو جہل اور ابولہب کی ہلاکت کے بعد اہل مکہ جاندار قیادت سے بھی محروم ہو چکے تھے۔ اب ان کی قیادت کی باگ ڈور ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی جس کو اس کی بیوی مجمع عام میں گالیاں نکالتی تھی اور اس کی مونچھیں مروڑ کر لوگوں کو کہتی تھی کہ اس بد بخت تیل کے مکے کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔

جب اہل مکہ کے دلوں میں اپنے بتوں کی خدائی کے بچانے کے لئے وہ جوش و خروش دم توڑ چکا تھا۔ جب مکہ کی آبادی کا کافی حصہ حلقہ جوش اسلام ہو چکا تھا۔ جب ابو جہل جیسی دہنگ قیادت کے بجائے ابوسفیان کی کمزور اور بے جان قیادت نے جگہ لے لی تھی۔ اب مکہ پر چڑھائی کرنے میں مسلمانوں کو کسی خطرناک مقاومت کا اندیشہ نہ تھا۔ اگر اسلامی لشکر کی تعداد دو تین ہزار ہوتی تب بھی وہ بآسانی مکہ پر قبضہ کر سکتے تھے۔ لیکن سرور عالم ﷺ نے اس مہم کے لئے اس قدر تیاری فرمائی کہ آج تک کسی جنگ کیلئے نہیں فرمائی تھی۔ نہ صرف تمام مہاجرین اور انصار کو اسلامی لشکر میں شریک ہونے کا حکم دیا بلکہ بیرون مدینہ جو قبائل آباد تھے ان میں جن خوش نصیبوں نے اسلام قبول کیا تھا ان کو بھی تاکید کی کہ وہ سب اس ماہ رمضان میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہو جائیں۔ اس غیر معمولی تیاری کا مقصد یہ تھا کہ اس معرکہ میں ناکامی کا ایک فیصد احتمال بھی باقی نہ رہ جائے۔ قائد لشکر اسلام ﷺ کفر و شرک کے مرکز مکہ پر ہر صورت میں قبضہ کرنا چاہتے تھے تاکہ یہ جنگ کفار کے ساتھ آخری اور فیصلہ کن ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ کا وہ مقدس گھر جس کو حضرت خلیل نے محض اس لئے تعمیر کیا تھا کہ وہاں صرف اللہ وحدہ لا شریک نہ کی عبادت کی جائے، وہاں اب تین سو ساٹھ اندھے اور بہرے خداؤں کی دھوم دھام سے پوجا پاٹ ہو رہی تھی۔ اس مہم کا مقصد یہ تھا کہ اس مقدس گھر کو بتوں کی نجاست سے ہمیشہ کیلئے پاک کر دیا جائے تاکہ انسان صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بے ہمتا کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔

اس سلسلہ میں دوسرا اہم اقدام جو نبی رحمت نے فرمایا وہ یہ تھا کہ اس مہم کو مکمل طور پر

صیغہ راز میں رکھا گیا تاکہ دشمن قبل از وقت اس مہم پر مطلع ہو کر مقابلہ کیلئے تیاری شروع نہ کر دے اس مقصد کیلئے مدینہ طیبہ کے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی گئی اور ہر اہم جگہ پر پہرے دار مقرر کر دیئے تاکہ دشمن کا کوئی جاسوس نہ مدینہ طیبہ میں داخل ہو سکے اور نہ یہاں سے معلومات حاصل کر کے باہر نکل سکے۔ اس اہم کام کا انچارج اس مردم شناس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ ان سے زیادہ بیدار مغز اور نظم و نسق کے معاملہ میں ماہر اور کون ہو سکتا تھا۔ آپ جب بھی کسی اجنبی آدمی کو مدینہ طیبہ میں داخل ہو تیا نکلتا دیکھتے تو اس کو پکڑ لیتے۔ اس کے بارے میں پوری طرح چھان بین کرتے۔ تب اس کو رہا کرتے۔ اس رازداری کا مقصد یہ تھا کہ یہ حملہ دشمن پر اچانک کیا جائے۔ اس حملہ کے بارے میں اس کو پہلے سے کوئی معلومات میسر نہ ہوں تاکہ وہ تیاری کر کے اسلامی لشکر کا راستہ روکنے کی جرأت نہ کر سکے۔

ان ظاہری انتظامات کے باوجود حضور بڑے عجز و نیاز سے اپنے رب کریم کی بارگاہ میں یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے: الٰہی اہل مکہ کی آنکھوں کو اندھا اور ان کے کانوں کو بہرہ کر دے تاکہ ہماری ان تیاریوں سے وہ بے خبر رہیں۔ اسی دعا کی برکت تھی اور انہی دانشمندانہ کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اتنا بڑا لشکر مدینہ طیبہ سے روانہ ہو کر مرالطہ ان تک جو مکہ سے چند مراحل کے فاصلہ پر ہے، پہنچ گیا لیکن کفار کو اس کی کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ جب راہبر انسانیت اپنے جاں نثاروں کے اس لشکر جرار کے ساتھ مرالطہ ان تک پہنچ گئے تو اب اپنے لشکر کی پیش قدمی کو صیغہ راز میں رکھنے کی ضرورت نہ رہی۔ بلکہ جہ و جلال کے ساتھ اپنی پوری طاقت کے مظاہرہ کرنے کا وقت آگیا۔ چنانچہ مرالطہ ان کے مقام پر شب باشی کا پروگرام طے ہوا۔ سرکار نے مجاہدین اسلام کو حکم دیا کہ اس وسیع و عریض وادی میں اپنے خیمے نصب کریں اور ہر خیمہ کے سامنے آگ کا لاڈ روشن کر دیں یہاں تک کہ رات کی تاریکی میں آگ کی چمک آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی۔ میلوں میں پھیلے ہوئے لشکر اسلام کے اس کیمپ کو جب اہل مکہ نے دیکھا تو وہ ہوش و حواس گم کر بیٹھے۔ ابوسفیان اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ جب اسلامی کیمپ کے قریب پہنچا تو یہ پر جلال اور مرعوب کن منظر دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔

حضور انور نے اپنے چند مجاہدین کو حکم دیا کہ ابوسفیان مرالطہ ان میں آیا ہوا ہے، اسے

پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ مسلمانوں نے اس کو ڈھونڈ نکالا اور اسے پکڑ کر بارگاہ نبوت میں حاضر کر دیا۔ حضور نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو رات کو اپنے پاس رکھیں اور صبح میرے پاس لے آئیں۔ صبح جب اس نے واپس مکہ جانے کی اجازت طلب کی تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ وہ ابوسفیان کے ساتھ جائیں اور وادی کے کنارہ پر اسے کھڑا کریں تاکہ اسلام کے لشکرِ جرار کے دستے پوری طرح مسلح ہو کر اسلام کا پرچم لہراتے ہوئے نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے ہوئے اس کے پاس سے گزریں۔ وہ اپنی آنکھوں سے ان کے جاہ و جلال کا مشاہدہ کرے اور پھر مکہ میں جا کر وہاں کے باشندوں کو مجاہدین اسلام کی قوت و سطوت سے آگاہ کرے تاکہ ان کے ذہن میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا خیال تک بھی پیدا نہ ہو۔

کافی دیر تک فوجی نظم و ضبط کے ساتھ سرفروشان اسلام کے چاق و چوبند دستے اس کے سامنے سے گزرتے رہے اور وہ ان کا مشاہدہ کرتا رہا۔ لشکرِ اسلام کی نمائش کا مقصد یہ تھا کہ دشمن مرعوب ہو جائے اور جنگ کرنے کا خیال تک بھی اس کے دل سے نکل جائے۔ نہ جنگ کی نوبت آئے گی نہ قتل عام ہوگا، نہ خون کے دریا بہیں گے اور نہ خاندانِ جنگ میں اپنے سربراہوں کے لقمہ اجل بننے سے ویران و برباد ہوں گے۔

غزوة حنین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَيْسَ كَمِثْلِ اللَّهِ شَيْءٌ
وَيَوْمَ حُنَيْنٍ
إِذْ أَجَبْتُمْ لَكُمْ فَتًى تَعْنِيكُمْ
يُضَاهِيكُمْ فِي الْأَرْضِ يَا أَيُّهَا
الَّذِينَ آمَنُوا قُلُوبُكُمْ

بیشک مدد فرمائی تمہاری، اللہ تعالیٰ نے بہت سی جگہ میدانوں
میں اوحنین کے روز بھی جبکہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا، تمہیں تمہاری
کثرت نے پس منہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی اور تنگ
ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے اور تم مڑے پڑھے پھرتے
(التوبہ آیت ۲۵)

ہوئے۔

غزوہ حنین

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ
 أَعْجَبَتْكُمْ كُنُوتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ
 عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدَابِرِينَ
 ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ
 وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَابَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ
 ذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مَنِ بَعْدَ ذَلِكَ
 عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

(1)

”بیشک مدد فرمائی تمہاری اللہ تعالیٰ نے بہت سے جنگی میدانوں میں اور
 حنین کے روز بھی جبکہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے۔
 پس نہ فائدہ دیا تمہیں اس کثرت نے کچھ بھی اور تنگ ہو گئی تم پر زمین
 باوجود اپنی وسعت کے۔ پھر تم مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔ پھر نازل
 فرمائی اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص تسکین اپنے رسول پر اور اہل ایمان پر اور
 اتارے وہ لشکر جنہیں تم نہ دیکھ سکے۔ اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا
 ہے کافروں کی۔ پھر رحمت سے توجہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اس کے بعد
 جس پر چاہے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

مکہ مکرمہ سے جانب شمال مشرق چودہ پندرہ میل کی مسافت پر ایک وادی ہے جو حنین
 کے نام سے مشہور ہے۔ بعض جغرافیہ دانوں نے لکھا ہے کہ ایک چشمہ کا نام حنین تھا جس
 کی وجہ سے یہ ساری وادی حنین کہلائی۔ یہاں قبیلہ ہوازن سکونت پذیر تھا۔ اس قبیلہ کا نسب
 یوں بیان کیا گیا ہے۔

ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن الیاس بن مضر (۱)
 اس قبیلہ کو اپنی افرادی کثرت، اپنے نوجوانوں کی شجاعت و بسالت اور فنون سپہ گری
 خصوصاً تیر اندازی میں ان کی بے نظیر مہارت کے باعث تمام عرب قبائل میں ایک ممتاز
 مقام حاصل تھا۔ اس وادی میں ایک جگہ کا نام اوطاس ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں لشکر اسلام
 سے ان کی فیصلہ کن جنگ ہوئی تھی۔ کتب سیرت میں یہ غزوہ، غزوہ حنین اور غزوہ اوطاس
 کے نام سے معروف ہے۔

مکہ، جو صدیوں سے کفر و شرک کا گڑھ بنا ہوا تھا جب اس کی فضاؤں میں اسلام کا پرچم
 لہرانے لگا اور قبیلہ قریش جنہوں نے انیس بیس سال تک ہادی برحق مرشد اعظم ﷺ کا
 بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا تھا، آخر کار انہوں نے پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
 سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ ان کی غالب اکثریت نے اس دین کو دل و جان سے قبول کر لیا
 جس کو مٹانے کیسے انہوں نے ساہا سال تک اپنے بزرگوں اور جوانوں کی بے دریغ قربانیاں
 دی تھیں اور اسلام قبول کرنے والوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تھے۔ عرب کے بیشتر
 قبائل اسلام قبول کرنے کے بارے میں اس بات کے منتظر تھے کہ فرزند ان توحید اور مکہ
 کے قریش میں جو جنگ عرصہ دراز سے بڑی شدت سے جاری ہے، اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟
 انہوں نے اپنے دل میں یہ طے کیا ہوا تھا کہ اگر مسلمان مکہ کو فتح کر لیتے ہیں اور قریش کو
 آخری شکست سے دوچار کر دیتے ہیں تو یہ اسلام کے دین برحق ہونے کی قطعی دلیل
 ہوگی۔ اس وقت ہم اسلام کو بلا تامل قبول کر لیں گے۔ چنانچہ جب سرور عالم ﷺ نے مکہ کو
 فتح کر لیا اور قبائل قریش کی اکثریت نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا تو جزیرہ عرب کے
 بیشتر قبائل فوج در فوج بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے لیکن قبیلہ
 ہوازن اور ثقیف کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ قریش کے ساتھ عرصہ دراز سے ان کی
 جنگیں ہو رہی تھیں اور وہ ایک دوسرے کو نیچو دکھانے کیلئے حدود حرم اور اشہر حرم (محترم و
 پرامن مہینے) میں بھی جنگ کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ اس لئے وہ لڑائیاں جو ان دو قبیلوں
 کے درمیان بڑی گئی تھیں وہ ”حرب فجار“ کے نام سے مشہور ہیں۔
 جب قریش نے اپنی شکست تسلیم کر کے اسلام قبول کر لیا تو ان مشرکانہ عقائد کی حفاظت

کیلئے اور اس کے پرچم کو بلند کرنے کیلئے ہوازن میدان میں نکل آئے۔ انہیں اپنی قوت پر بڑا ناز تھا، اس لئے انہوں نے اپنے تمام حریف قبیلوں کو ساتھ لے کر سرور عالم ﷺ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ انہیں یقین تھا کہ وہ بڑی آسانی سے اسلام کے پرچم کو سرنگوں کر میں گے اور سارا عرب ان کی عظمت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گا کہ جو معرکہ قریش کے سرباز، ساہا سال کی جدوجہد کے باوجود سر نہ کر سکے ہوازن کے بہادروں نے ایک بلہ میں ہی مسلمانوں کا کچھ مر نکال دیا اور اسلام کی شمع کو گل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ قریش کے ساتھ اس مناسبت کے جذبہ نے انہیں لشکر اسلام پر حملہ کرنے کیلئے براہیختہ کر دیا۔

دوسری بات جس نے ان کو مسلمانوں پر حملہ کیلئے براہیختہ کیا، یہ تھی کہ مکہ کو فتح کرنے کے بعد اس کے اطراف و اکناف میں جتنے مشہور صنم کدے تھے ان کو منہدم کرنے کیلئے سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے فوجی دستے بھیجے اور ان کو تمہیں نہیں کر کے رکھ دیا۔ خصوصاً عزی کے استھان کو جب پیوند خاک کیا گیا تو ہوازن کے قبائل بھڑک اٹھے اور انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کرنے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ بیس ہزار کا لشکر اپنی بیگمات، بچوں اور مویشیوں سمیت مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے میدان میں نکل آیا۔ انہوں نے یہ قطعی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ فتح حاصل کریں گے یا اپنی جانیں دیدیں گے۔ (1)

ان امور کے علاوہ جب سرکارِ دو عالم ﷺ نے مکہ مکرمہ کو فتح کر لیا اور قریش نے اطاعت قبول کر لی تو ان حالات کو دیکھ کر قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ اب ان کی ہاری ہے، لشکر اسلام اب ان پر حملہ کرے گا۔ قبیلہ ہوازن کے رئیس، مک بن عوف النصری نے اور قبیلہ ثقیف کے امیر کنانہ بن عبدیلیل نے اس صورت حال سے بچنے کیلئے باہمی مشورے شروع کئے۔ مجلس مشاورت میں دونوں قبیلوں کے اہل ارائے کو بھی مدعو کیا گیا۔

سب نے اتفاق رائے سے یہ طے کیا کہ اگر ہم نے کوئی قدم اٹھانے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا تو مسلمان پہلی فرصت میں ہم پر دھاوا بول دیں گے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ وہ پہل کریں ہمیں فوری قدم اٹھانا چاہئے اور ادنی تاخیر کے بغیر ان پر ہد بول دینا چاہئے۔ چنانچہ قبیلہ ہوازن، اور قبیلہ ثقیف کے تمام لوگ اس مہم میں شرکت کیلئے آمادہ ہو گئے۔

ان کے علاوہ قبیلہ نصر، جشم، بنی ہلال اور حلیمہ سعدیہ کے قبیلہ بنو سعد بن کمر نے بھی مالک بن عوف کے پرچم تلے جمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے فیصلہ کی تائید کر دی۔

لیکن قبیلہ ہوازن کے دو خاندانوں کعب اور کلاب نے اس لشکر میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ ابن ابی براء نے جو ان کا ایک زیرک رئیس تھا، اس نے انہیں اس جنگ میں شامل ہونے سے روکا تھا اور انہیں کہا تھا کہ بخدا! تم کتنے دور بھاگ جاؤ، محمد ﷺ تم پر غالب آ جائیں گے۔ (1)

علامہ زینی وحات کی تحقیق کے مطابق لشکر کفار کی تعداد تیس ہزار تھی۔ سب نے اتفاق رائے سے مالک بن عوف انصری کو سپہ سالار اعلیٰ مقرر کیا۔ مالک بن عوف کی عمر اس وقت تیس سال تھی البتہ اس پر یہ شرط عائد کی گئی کہ وہ درید بن الصمہ کی رائے پر عمل پیرا ہوگا۔ اور اس کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائے گا۔ (2)

جب یہ لشکر جرار میدان جنگ کی طرف روانہ ہونے لگا تو ان کے کمانڈر انچیف مالک نے حکم دیا کہ سب لشکری اپنی بیویوں، بچوں اور مال مویشی کو ہمراہ لے کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جب ان کے اہل و عیال اور مال مویشی ان کے ہمراہ ہوں گے تو وہ کسی قیمت پر میدان جنگ سے فرار ہونا گوارا نہ کریں گے اور بڑی ثابت قدمی سے داد شجاعت دیں گے۔ جب یہ لشکر اوطاس کی وادی میں پہنچا تو وہاں اسے خیمہ زن ہونے کا حکم دیا گیا۔ پھر سب لوگ اپنے سپہ سالار اعلیٰ مالک بن عوف کے پاس جمع ہوئے۔ بنو جشم میں ایک پیر فروت تھا جس کی عمر ایک سو بیس سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ اس کی بیٹائی بھی جاتی رہی تھی۔ وہ خود تو جنگی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے قابل نہیں رہا تھا لیکن جنگی امور میں اس کی مہارت اور طویل تجربہ نے ان معاملات میں اس کی ذات کو بہت اہم بنا دیا تھا۔ اس بوڑھے کا نام درید بن الصمہ تھا۔ جسے ایک ہودج میں بٹھا کر یہاں لایا گیا تھا۔ جب وہ ہودج سے نیچے اترتا تو اس نے پوچھا یہ کون سی جگہ ہے؟ اسے بتایا گیا کہ وادی اوطاس ہے۔ درید نے کہا کہ یہ وادی گھوڑوں کیلئے بہترین جولا نگاہ ہے، نہ تو یہاں تیز نوک دار پتھر ہیں کہ گھوڑوں کے سموں کو زخمی کر کے ناکارہ کر دیں اور نہ یہ ریتلا میدان ہے کہ گھوڑوں کے پاؤں

1۔ "سبل الہدی"، جلد 5، صفحہ 459

2۔ احمد بن زینی وحات، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 307

اس میں دھنسن جائیں۔

پھر درید نے پوچھا کہ اونٹوں کے بلبلانے، گدھوں کے رینگنے، بچوں کے رونے اور بھیڑوں کے مہانے کی آوازیں کہاں سے سن رہا ہوں؟ اسے بتایا گیا کہ مالک کے حکم کے مطابق بوگ اپنے بچوں، عورتوں اور مال مویشی کو اپنے ہمراہ لے آئے ہیں، یہ ان کی آوازیں ہیں اس نے پوچھا مالک کہاں ہے؟ لوگوں نے مالک کو بلا کر اس کے سامنے پیش کر دیا۔ درید نے اسے کہا:

”اے مالک! تم اب اپنی قوم کے رئیس ہو اور آج کا دن بڑی اہمیت کا حامل ہے، جو کام آج کیا جائے گا، اس سے ہمارا مستقبل بھی متاثر ہوگا۔ مجھے اونٹوں کے بلبلانے، گدھوں کے رینگنے، بچوں کے رونے اور بھیڑوں کے مہانے کی آوازیں کیوں سنائی دے رہی ہیں؟ مالک نے کہا کہ میں نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال اور مال مویشی اپنے ہمراہ لے آئیں۔ درید نے پوچھا کہ تم نے لوگوں کو یہ حکم کیوں دیا ہے؟ مالک نے کہا تاکہ یہ لوگ جنگ میں سر دھڑکی بازی لگا دیں اور کوئی شخص بھی میدان جنگ سے فرار ہونے کا تصور نہ کرے۔ درید نے مالک کو جھڑکتے ہوئے بلند آواز سے کہا:

تم نرے بھیڑوں کے چرواہے ہو، جنگی امور سے تمہارا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کیا شکست کھا کر بھاگنے والے کو کوئی چیز روک سکتی ہے؟ اس روز جنگ میں تمہیں فتح نصیب ہوئی تو اس کا باعث وہ بہادر سپاہی ہوں گے جن کے ہاتھوں میں چمکدار تلواریں لہرا رہی ہوں گی اور جن کے کندھوں پر چمکدار ستارے والے نیزے ہوں گے۔ اور اگر اس معاملہ کے برعکس ہو اور شکست تمہارے مقدر میں ہوئی تو تم صرف جنگ ہی نہیں ہارو گے بلکہ اپنی عزت و ناموس کو بھی خاک میں ملا دو گے۔ تمہیں معلوم نہیں تمہارا مد مقابل کون ہے؟ تمہارا مد مقابل وہ کریم النفس شخص ہے جس نے سارے عرب کو روند ڈالا ہے۔ شاہان عجم اس کی اہمیت سے لرزاں و ترساں ہیں۔ جس نے یہودیوں کو ان کے مستحکم قلعوں سے نکال باہر کیا ہے۔“ (1)

درید نے پھر لوگوں سے پوچھا کعب اور کلاب نے کیا کیا ہے، کیا وہ تمہارے ساتھ اس جنگ میں شرکت کر رہے ہیں؟ مالک نے کہا، ان میں سے تو ایک فرد بھی ہمارے ساتھ نہیں۔ درید نے یہ سن کر کہا، پھر تو ہمارے ساتھ نہ تیز دھار ہتھیاروں والے ہیں اور نہ عزت و جاہ کے مالک ہیں۔ اگر ہماری فتح دکا مرانی کا دن ہو تا تو کعب اور کلاب کبھی یہاں سے غیر حاضر نہ ہوتے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم بھی ان کی پیروی کرو اور جنگ چھڑنے سے پہلے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔

مالک نے جب ماہر فنون حرب درید کی یہ بات سنی تو اس نے غضبناک ہو کر کہا، بخدا! میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ تم اب پیر فروت ہو۔ تم اور تمہاری عقل بوڑھی اور ناکارہ ہو گئی ہے۔ اے قبیلہ ہوازن! یا تو تم میرے حکم کی تعمیل کرو گے یا میں اپنا سینہ تلوار کی نوک پر رکھ کر دباؤں گا یہاں تک کہ تلوار میری پشت سے باہر نکل آئے۔

مالک ازراہ حسد یہ برداشت نہ کر سکا کہ اس معرکہ کے سر کرنے میں سوگ درید کا نام بھی لیں۔ یہ سراسر ف وہ اپنے لئے مخصوص کرنا چاہتا تھا۔ درید بن الصمم نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

اے قبیلہ ہوازن کے جوانو! یہ شخص (مالک) تمہیں ذلیل و رسوا کرنا چاہتا ہے۔ تمہاری عورتوں کی عصمت و آبرو کو خاک میں ملانا چاہتا ہے۔ تمہاری اولاد کو غلامی کی ذلت سے دوچار کرنا چاہتا ہے۔ جب گھمسان کارن پڑے گا تو یہ تمہیں دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود بھاگ جائے گا اور طائف کے قلعہ میں جا کر پناہ لے لے گا۔ اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ تم گھر لوٹ جاؤ اور سے تہ چھوڑ دو۔

لوگوں نے درید کے اس مشورہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب درید نے اپنی قوم کا یہ رویہ دیکھا تو بعد حسرت کہنے لگا۔ میری زندگی کا یہ وہ منحوس دن ہے کہ میں اس روز نہ حاضر ہوں نہ غائب۔ (1)

مالک نے درید سے کہا کہ ہم تمہارے اس مشورہ کو مسترد کرتے ہیں۔ ان حالات میں اگر تم ہمیں کوئی اور مشورہ دینا چاہتے ہو تو بتاؤ۔ درید نے کہا کہ ”مسلمانوں کے راستہ میں جو کمین گاہیں ہیں تم وہاں اپنے سپاہیوں کو بٹھا دینا وہ تیرے لئے بڑے معاون ثابت ہوں گے۔“

اگر مسلمانوں نے تم پر حملہ کرنے میں پہل کی تو ن کمین گاہوں میں چھپے ہوئے تہرے سپاہی ان کی پشت پر حملہ کر دیں گے اور تو سامنے سے ان پر پٹ کر حملہ کرے گا تو تم ان کا کچھ مر نکال دو گے، اور اگر حملہ کرنے میں پہل تم نے کی تو مسلمانوں کا کوئی فرد بچنے نہیں پائے گا۔

چنانچہ اس راہ میں جتنی کمین گاہیں تھیں وہاں اس نے اپنے تیر انداز سپاہی متعین کر دیئے اور انہیں حکم دیا کہ جب مسلمان یہاں سے گزریں تو ان پر دفعۃً ٹوٹ پڑنا۔ (1) لشکر کے کوچ کرنے سے پہلے مالک نے حکم دیا کہ سب سے آگے شتر سوار بہادروں کی صفیں ہوں، پیدل سپاہی ان کے پیچھے پیچھے اپنی صفیں درست کریں، پھر عورتیں اونٹوں پر سوار کر کے جنگجو بہادروں کے پیچھے صفوں میں کھڑی کی جائیں، عورتوں کے بعد اونٹ، گائے اور بکریاں کھڑی کی جائیں تاکہ کوئی بھی راہ فرار اختیار کرنے کا تصور تک نہ کر سکے اور اپنی عصمتوں، اپنے بچوں اور اپنے اموال کی حفاظت کیسے لوگ جائیں لڑا دیں۔ آخر میں مالک نے اپنے لشکریوں کو کہا

”اے لوگو! جب تم مجھے مسلمانوں پر حملہ کرتے ہوئے دیکھو تو تم سب یکجا ہو کر ان پر ٹوٹ پڑنا۔“

لشکر اسلام کی ہوازن پر حملہ کرنے کے لئے تیاریاں

لوگوں نے حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا کہ صفوان بن امیہ کے پاس زرہیں اور اسلحہ کثیر مقدار میں موجود ہیں۔ حضور نے اسے بل بھیجا۔ وہ آیا تو حضور نے فرمایا کہ ہم دشمن کے ساتھ جنگ کرنے کیسے جا رہے ہیں ہمیں اپنا اسلحہ عاریتہ دیدو۔ صفوان جو سرکارِ دو عالم ﷺ کا اداسناس نہ تھا کہنے لگا اَغْضَبَا يَا مُحَمَّدُ؟ ”یا محمد (ﷺ) آپ یہ اسلحہ مجھ سے زبردستی لینا چاہتے ہیں؟“

اس کریم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا بِلْ عَارِيَّةٍ مَضْمُونَةٍ حَتَّى نَرُدَّهَا عَلَيْكَ

”ہر گز نہیں، ہم اسے زبردستی تم سے نہیں چھین رہے بلکہ عاریتہ سے“

رہے ہیں، اگر ان میں سے کوئی چیز ضائع ہو گئی تو ہم اس کی قیمت ادا کریں گے“

اس نے کہا کہ اگر ایسی بات ہے تو آپ زرہیں اور اسلحہ لے سکتے ہیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اس نے حضور کو سوزرہیں مع ان کے متعلقہ سامان کے پیش کیں۔ حضور نے فرمایا کہ انہیں اپنے اسلحہ خانہ سے اٹھا کر میدان جنگ تک پہنچانا بھی تمہارے ذمہ ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے اونٹوں پر لاد کر یہ زرہیں اوطاس کے مقام پر پہنچا دیں۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صفوان سے چار سوزرہیں مع ضروری سامان کے عاریتہ لیں جن کو اس نے میدان جنگ تک اپنے اونٹوں کے ذریعہ پہنچانے کا انتظام کیا۔

سہیل کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ان زرہوں کے علاوہ نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے تین ہزار نیزے بھی عاریتہ لئے اور فرمایا:

كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى رِمَاحِكَ تَقْصِفُ ظَهْرَ الْمُشْرِكِينَ (1)

”گویا میں دیکھ رہا ہوں تیرے ان نیزوں کی طرف کہ وہ کافروں کی پشتیں توڑ رہے ہیں۔“

جنگی اخراجات کو پورا کرنے کیلئے حضور ﷺ نے تین قریشیوں سے قرضہ بھی لیا۔ صفوان بن امیہ سے پچاس ہزار درہم، عبد اللہ بن ربیعہ سے چالیس ہزار درہم اور حویطب بن عبد العزیٰ سے چالیس ہزار درہم۔ ان درہم کو ان مجاہدین میں تقسیم فرمادیا جو مفلس تھے تاکہ وہ اس رقم سے سامان جنگ بھی خریدیں اور اپنی ضروریات بھی پوری کریں۔

عبد اللہ بن ابی حذر در رضی اللہ عنہ

سرکارِ دو عالم ﷺ نے دشمن کے حالات سے پوری طرح باخبر ہونے کیلئے عبد اللہ بن ابی حذر در رضی اللہ عنہ کو لشکر ہوازن کی طرف بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ وہاں ایک دن رات یا دو دن قیام کریں اور ان کے حالات سے پوری طرح آگاہی حاصل کر کے ہمیں اطلاع دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ گئے اور لشکر کفار نے جہاں پڑاؤ ڈالا ہوا تھا اس میں داخل ہو گئے اور بڑے غور سے ان کی جنگی سرگرمیوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ حضرت عبد اللہ ایک دفعہ ان کے

کمانڈر انچیف مالک بن عوف کے خیمہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، دیکھا کہ قبیہ ہوازن کے رؤسا اس کے پاس جمع ہیں اور مالک انہیں کہہ رہا ہے کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے آج تک کسی بہادر قوم سے جنگ نہیں کی۔ وہ ہمیشہ نا تجربہ کار اور غیر معروف قبیوں سے جنگ آزار ہے ہیں جو فن حرب کے ابجد سے بھی واقف نہ تھے، اس لئے یہ ان پر فتح پاتے رہے۔ اے میری قوم! جب سحری کا وقت ہو جائے تو اپنی صفیں درست کر لو۔ سب سے آخر میں اپنے مویشیوں کو صفوں میں کھڑا کرو، ان سے آگے اپنی عورتوں کو، پھر اپنے جوانوں کی صفیں بناؤ اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے مستعد ہو جاؤ۔ حملہ کرنے سے پہلے اپنی تلواروں کی نیاموں کو توڑ دو۔ جب تمہاری بیس ہزار تلواریں جن کے نیام توڑ دیئے گئے ہوں گے ان پر برسیں گی اور تم ان پر یکجہاں ہو کر حملہ آور ہو گئے تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ اور خوب جان دو کہ جنگ میں فتح اس کو حاصل ہوتی ہے جو حملہ کرنے میں پہل کرتا ہے۔ (1)

عبداللہ بن ابی حدردیہ سب کچھ سننے اور دیکھنے کے بعد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور جو دیکھا یا سنتھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس سے آگاہ کر دیا۔ دشمن کی تیاریوں کے بارے میں قابل اعتماد ذریعہ سے مکمل معلومات حاصل کرنے کے بعد سرور کائنات ﷺ نے مکہ میں مزید قیام مناسب نہ سمجھا بلکہ سب صحابہ کو حکم دیا کہ وہ یہاں سے کوچ کیلئے فوراً تیار ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت عتب بن اسید کو مکہ مکرمہ کا حکم مقرر فرمایا اور حضور خود لشکر اسلام کے ہمراہ بتاریخ 6 شوال سنہ 8 ہجری مطابق 27 جنوری سنہ 630ء کو اس سمت روانہ ہوئے جہاں ہوازن اور ثقیف کے قبائل جمع ہو رہے تھے۔ اور بتاریخ 10 شوال سنہ 8 ہجری مطابق 31 جنوری سنہ 630ء کو منزل مقصود پر پہنچ گئے (2) اس جنگ میں امہات المؤمنین میں سے حضرت ام سلمیٰ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما اپنے آقا کے شریک سفر تھیں۔

لشکر اسلام کے عناصر ترکیبی

سرور کائنات علیہ وعلی آلہ اجمعین الصلوٰۃ والسلام جس لشکر کو ہمراہ لے کر

1- ایضاً احمد بن زبئی و طحاوی، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 310

2- بحوالہ کلام آزاد، "رسول رحمت" (مرتبہ مولانا غلام رسول مہر)، لاہور، شیخ غلام علی بیڑا سرسبز سن، صفحہ 455

واوی حنین کی طرف روانہ ہوئے، اس میں مندرجہ ذیل عناصر شریک تھے :

1۔ انصار و مہاجرین جو اپنے ہادی برحق ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے آئے تھے، جن کے قدوم میں سنت لزوم کی برکت سے مکہ کی فضاؤں میں اسلام کا پرچم لہرایا گیا تھا، یہ اسلام کے وہ جانباز مجاہد تھے جن کی وفا شعاری اور کلمہ حق کو بند کرنے کیلئے ان کا جذبہ سرفروشی ہر شک و شبہ سے بالاتر تھا۔ ان کی تعداد دس ہزار تھی جس کی تفصیل درج ذیل ہے :

انصار چار ہزار

مہاجرین ایک ہزار

قبیلہ جہینہ ایک ہزار

قبیلہ مزینہ ایک ہزار

قبیلہ اسلم ایک ہزار

قبیلہ غفار ایک ہزار

قبیلہ اشجج ایک ہزار

میزان: دس ہزار

2۔ دو ہزار وہ نو مسلم تھے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ جنہیں نبی کریم ﷺ نے اَنْتُمْ اَبْلَقَاءُ کا مژدہ سن کر آزاد کر دیا تھا۔ ان میں سے کئی ایسے لوگ تھے جنہوں نے زبان سے تو کلمہ شہادت پڑھ لیا تھا لیکن ابھی ان کے دلوں میں شیع توحید روشن نہیں ہوئی تھی اور فیضانِ صحبت نبوت سے ابھی انہیں پوری طرح فیض یاب ہونے کا موقع میسر نہیں آیا تھا۔

3۔ ان کے علاوہ جب یہ لشکر مکہ سے روانہ ہوا تو وہاں کے کثیر التعداد لوگ جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا، وہ ساتھ ہو لئے۔ ان میں سے کئی گھوڑوں، اونٹوں پر سوار تھے اور جنہیں سواری میسر نہ آئی وہ پیدل ہی چل پڑے۔ مردوں کے علاوہ مکہ کی بہت سی عورتیں بھی شریک سفر ہو گئیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں جذبہ جہاد نام کی تو کوئی چیز نہ تھی۔ انہیں یا تو یہ لالچ لے چلا تھا کہ مسلمانوں کو اگر فتح ہوئی تو ان اموال غنیمت سے انہیں بھی کچھ نہ کچھ مل جائے گا یا وہ محض تماشا بین کی حیثیت سے ہمراہ ہو لئے تھے۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ ہوازن و ثقیف کے تیس ہزار نوجوان ان مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیں گے۔ وہ

مسلمانوں کی شکست کے منظر کو دیکھ کر لطف اندوز ہونے کیلئے ساتھ ہوئے تھے۔

۴۔ اس لشکر میں ایسے ضعیف الاعتقاد لوگ بھی تھے کہ جب انہوں نے رستہ میں بیرہی کا ایک تناور اور سرسبز درخت دیکھا تو انہیں اس درخت کی یاد نے بے چین کر دیا جسے کفار ”ذات انواط“ کہا کرتے تھے۔ ذات انواط اس درخت کو کہا جاتا جو بڑا تنور و سرسبز درخت ہوتا۔ کفار و مشرکین اس کے پاس جمع ہوتے، اپنے ہتھیار حصوں پرست کیلئے اس کی ٹہنیوں کے ساتھ آویزاں کر دیتے، وہاں جانور ذبح کرتے اور رات دن وہاں قیام کرتے۔ جب بیرہی کے ایک قد آور اور شاداب درخت کے پاس سے اس لشکر کا گزر ہوا تو بعض لوگوں نے ہر گاہ رسالت میں یوں گزارش کی:

يَا جَعَلْ لَنَا ذَاتَ اَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ اَنْوَاطٍ

”یعنی جس طرح ان کفار و مشرکین کا ایک درخت ہوتا ہے جسے وہ ذات انواط کہتے ہیں اور رسوم عبادت اس کے پاس بجا لیتے ہیں، مہربانی کر کے ہمارے لئے بھی ایسا درخت بنادیتے۔“

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُ أَكْبَرُ

قُلْتُمْ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى

يَا جَعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ (1)

”اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ان کے اس لے یعنی مطالبہ کو سن کر ازراہ حیرت فرمایا اللہ اکبر! اللہ سب سے بڑا ہے۔ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ تم نے بھی وہی بات کہی جو قوم موسیٰ نے کہی تھی کہ جب انہوں نے بت پرستوں کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام سے کہا، جس طرح ان کے خدا ہیں اسی طرح ہمارے لئے بھی ایک خدا بنادیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جھڑکتے ہوئے فرمایا تم تو نرے جاہل اور احمق لوگ ہو۔“

5۔ اس لشکر میں شبیہ بن عثمان کی تلاش کے کئی افراد شریک تھے جو صرف اس لئے اس لشکر میں شامل ہوئے تھے کہ جنگ کی افراتفری کے عالم میں شاید انہیں ایسا موقع میسر آجائے

کہ وہ حضور پر نور کی شمع حیات کو گل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اس لشکر کے ان عناصر ترکیبی کو اگر آپ نگاہ میں رکھیں تو آپ کو اس معرکہ کے ابتدائی مرحلہ میں اس لشکر کی بزمیت و پہپائی کے اسباب تلاش کرنے کیسے زیادہ مغز ماری کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔

لشکر اسلام کی جنگی ترتیب

سرکارِ دو عالم ﷺ نے بھی سحری کے وقت اپنے صحابہ کو صفیں درست کرنے کا حکم دیا اور مختلف دستوں کے ساراروں کو جھنڈے اور پرچم تقسیم کئے۔ مہاجرین کا ایک جھنڈا حضرت فاروق اعظم کو، دوسرا علی ابن ابی طالب کو، تیسرا سعد بن ابی وقاص کو مرحمت فرمایا۔ قبیلہ اوس کا جھنڈا اسید بن حضیر کو اور خزرج کا جھنڈا خباب بن منذر کو عطا فرمایا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ دلدل نامی اپنے سفید خچر پر سوار ہوئے۔ حضور نے دو زریں زریب تن فرمائی ہوئی تھیں۔ سر مبارک پر خود سجایا اور وادی حنین کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر اسلام کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا۔

مقدمۃ الجیش۔ اس میں بنو سمیم قبیلہ کے علاوہ اہل مکہ بھی شامل تھے۔ میمنہ، میسرہ اور قلب۔ نبی مکرم ﷺ خود قلب لشکر میں تشریف فرما تھے۔ (1)

حضرت سہل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ جان غار مجاہدین اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی معیت میں قبیلہ ہوازن کی طرف پیش قدمی فرماتے رہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا۔ سب نے اہم الانبیاء علیہ التحدیۃ والثناء کی اقتداء میں نماز ظہر ادا کی۔ اس ثناء میں ایک سوار آیا اور اس نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! میں لشکر اسلام کے آگے آگے جا رہا تھا، جب میں فدا پہاڑ پر چڑھا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ سارا قبیلہ ہوازن اپنی عورتوں، بچوں، اونٹوں اور بکریوں سمیت سامنے والی وادی میں اکٹھا ہو چکا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے کسی خوف اور تشویش کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ حضور نے تبسم فرماتے ہوئے ان سے ارشاد فرمایا:

(2) يَذَلِكْ غَنِيْمَةٌ لِّلْمُسْلِمِيْنَ عَدَا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

”کل یہ تمام چیزیں مسلمانوں کو بطور غنیمت مل جائیں گی۔ انشاء اللہ“

چنانچہ دوسرے روز ایسا ہی ہوا جیسا حضور نے ارشاد فرمایا تھا۔ (1)

مشرکین کے جاسوسوں نے کیا دیکھا

ابو نعیم اور بیہقی نے ابن اسحاق کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ 10 شوال، منگل کی شام کو وادی حنین میں تشریف فرما ہوئے۔ اس وقت کفار کے سالار مالک بن عوف نے اپنے تین جاسوس بھیجے تاکہ لشکرِ اسلام کی سرگرمیوں کا جائزہ لیں اور ان کے حالات سے اسے آگاہ کریں۔ جب وہ واپس آئے تو تھر تھر کانپ رہے تھے۔ مالک نے کہا، تمہارا خانہ خراب ہو۔ تم کیوں کانپ رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ جب ہم مسلمانوں کے معسكر میں پہنچے تو وہاں ہم نے سفید رنگ کے آدمی، بقی گھوڑوں پر سوار دیکھے۔ ان کے دیکھنے سے ہم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ بخدا! ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہماری جنگ اہل زمین کے ساتھ نہیں ہے بلکہ آسمان کے مکینوں کے ساتھ ہے۔ اگر تم ہماری بات مانو تو اپنی قوم کو لے کر واپس چلے جاؤ کیونکہ اگر دوسرے لوگوں نے بھی وہ منظر دیکھ لیا جو ہم نے دیکھا ہے تو وہ بھی مارے خوف کے کانپنے لگیں گے۔ مالک نے کہا، افسوس ہے تم پر۔ تم سارے لشکر سے زیادہ بزدل ہو۔ اس نے حکم دیا کہ انہیں الگ کسی مکان میں بند کر دیا جائے تاکہ یہ لوگ سارے لشکر میں خوف و ہراس نہ پھیلا دیں۔

پھر مالک نے لوگوں سے دریافت کیا کہ تم میں سے سب سے زیادہ بہادر اور شجاع کون ہے؟ سب نے بال تفاق ایک آدمی کے بارے میں کہا کہ یہ ہم سب سے زیادہ بہادر آدمی ہے۔ مالک نے اس کو مجاہدین کے لشکر کی طرف ان کے حالات دریافت کرنے کیلئے بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کا رنگ بھی اڑا ہوا تھا، پسینہ بہ رہا تھا اور وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ مالک نے پوچھا تم نے کیا دیکھا؟ اس نے جواب دیا کہ سفید رنگت والے آدمی اہل بقی گھوڑوں پر سوار دیکھے ہیں۔ ان کے رعب کے باعث ان کو نظر بھر کر دیکھا نہیں جاسکتا۔ بخدا! میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بڑی کوشش کی لیکن میری حالت تم دیکھ رہے ہو۔ اس کے باوجود مالک نے لشکرِ اسلام سے جنگ ترک کرنے کا فیصلہ نہ کیا۔ (2)

جنگ کیلئے لشکر کفار کی صف بندی

وادئ حنین میں چھوٹے چھوٹے پہاڑوں کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ہر پہاڑ میں گہری وادیاں، جنگ درے اور محفوظ کمین گاہیں ہیں جہاں لشکر کے سپاہی چھپ کر گھات لگا کر بیٹھ سکتے ہیں اور جب دشمن کے سپاہی ان کے نرسے میں آ جاتے تو وہ ان پر اچانک جھپٹ کر حملہ کر سکتے تھے۔

مالک بن عوف جو قبیلہ ہوازن اور دیگر قبائل کا سپہ سالار اعلیٰ تھا، اس نے دریہ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کمین گاہوں میں اپنے آزمودہ کار تیر انداز بٹھادیئے تھے اور انہیں چوکس رہنے کا حکم دیا تاکہ جب مسلمانوں کا لشکر ان کی زد میں آ جائے تو اوئی تو قف کئے بغیر وہ ان پر تیروں کا مینہ برسادیں تاکہ وہ سر اسیمہ ہو کر اپنے آپ کو بچانے کیلئے ادھر ادھر منتشر ہونے پر مجبور ہو جائیں۔ چنانچہ لشکر اسلام کے وہاں پہنچنے سے پہلے انہوں نے اپنی کمین گاہوں میں اپنے اپنے مورچے سنبھال لئے اور اس انتظار میں گھات لگا کر بیٹھ گئے کہ مسلمان ان کے قابو میں آئیں تو وہ ان پر یک لخت تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دیں۔ ادھر مسلمانوں نے جب اپنے لشکر کی کثرت کا مشاہدہ کیا تو ازراہ غرور ان کے بعض سپاہیوں کی زبان سے اچانک یہ جملہ نکل گیا۔ لَمَّا نَغْلِبَ الْيَوْمَ مَن قُلْتُمْ آج ہم تعداد کی کمی کے باعث مغلوب نہیں ہوں گے۔ حضور نے یہ جملہ سنا تو حضور کو سخت ناگوار گزرا۔ نیز مجاہدین نے جب یہ دیکھا کہ آج پہلی دفعہ مکہ اور مدینہ کے بہادر باہم متحد ہو کر دشمن سے جنگ کرنے کیلئے جا رہے ہیں تو ان کے دلوں میں کبر و نخوت کے جذبات ابھرنے لگے کہنے لگے۔

اَلْاَن نُّقَاتِلُ حِيْنَ اجْتَمَعْنَا آج ہم جب اکٹھے ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں گے تب لڑنے کا مزہ آئے گا۔ حضور نے یہ فقرہ سنا تو حضور نے بہت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ کیونکہ کفار و مشرکین کے ساتھ جو جنگیں انہوں نے کی تھیں اور ہمیشہ کامیاب و کامران ہوئے تھے، ان کی وجہ ان کی عدوی کثرت نہ تھی، بلکہ محض نصرت و تائید خداوندی کے باعث انہیں کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں۔ آج مسلمانوں کی نظر نصرت خداوندی کے بجائے اپنی تعداد کی کثرت پر تھی۔ حضور سرور عالم ﷺ کو اس قسم کی باتیں سخت ناگوار گزریں۔

لشکر اسلام کا مقدمہ انجیش جب وادی حنین کی طرف پیش قدمی کرتا ہوا ان کو ہستانی

دروں اور ان کی بیچ در بیچ گھاٹیوں میں پہنچا تو کمین گاہوں میں چھپے ہوئے دشمن کے تیر اندازوں نے ان پر تیروں کی موسلا دھار بارش شروع کر دی۔ بنی سلیم کے نوجوانوں کو اس کا سان گمان بھی نہ تھا۔ یہ نو مسلم جو صبر اور استقامت کی اسلامی اصطلاحوں سے پوری طرح آشنا نہ تھے اور مقدمۃ الجیش میں ان کے علاوہ مکہ کے جو عوام شریک تھے، ان کے قدم بھی اکھڑ گئے۔ ان کے قدم کیا اکھڑے کہ پھر وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے اور جان بچانے کیلئے انہوں نے راہ فرار اختیار کر لی۔ جب لشکر کے ہر اول دستے بھاگنا شروع کر دیں تو بقیہ لشکر کا سنبھلنا کب ممکن رہتا ہے؟ بھاگنے میں اہل مکہ پیش پیش تھے۔

ان سنگین حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کا سچا نبی اور اس کا محبوب رسول کوہ استقامت بنا کھڑا رہا۔ رخ انور پر کسی قسم کی گھبراہٹ اور خوف کے آثار نہ تھے۔ تیروں کی اس برسات میں حضور نے اپنے سفید خچر کو دائیں طرف موڑا اور بلند آواز سے پکارا:

يَا أَنْصَارَ اللَّهِ وَأَنْصَارَ رَسُولِهِ أَنَا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ
إِلَى آيَتِهَا النَّاسُ۔

”اے اللہ اور اس کے رسول کے مددگارو! میں اللہ کا بندہ اور اس کا

رسول ہوں۔ بھاگ کر کدھر جا رہے ہو؟ میری طرف پٹو۔“

لیکن تیروں کی غیر متوقع بے پناہ بو چھاڑنے لشکر اسلام کے بہت سے مجاہدین کو حواس باختہ کر دیا۔ صرف دس آدمی حضور کے ساتھ رہ گئے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت ابو بکر، عمر، علی بن ابی طالب، عباس بن عبد المطلب، ابو سفیان بن حارث، ان کے بیٹے جعفر، فضل بن عباس یا قثم بن عباس، ربیعہ بن حارث، اسامہ بن زید اور ایمن بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (1)

حضرت ایمن، حضور کے سامنے شہید ہو گئے۔ بعض سیرت نگاروں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر اور عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے دو ناموں کا اضافہ کیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جنگ حنین کے دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ بہت سے لوگ بھاگ نکلے اور میں ان اسی مہاجرین و انصار سے ایک تھا جو حضور کے ساتھ ثابت قدم رہے اور ہم نے پیٹھ نہیں پھیری۔ یہی وہ

لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ (1)

حضرت عباس نے حضور کے فخر کی لگام پکڑی ہوئی تھی۔ ابوسفیان بن حارث جو نبی کریم ﷺ کا چچا زاد بھائی تھا، نے حضور کی رکاب تھام رکھی تھی، ان سے مروی ہے۔ جب ہم دشمن سے جنگ آزما تھے، میں نے اپنے گھوڑے سے چھلانگ لگادی۔ میرے ہاتھ میں نگلی تلوار تھی، خدا شاہد ہے کہ میں حضور کے قدموں میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کیلئے سخت بے چین تھا اور کفار سے مصروف پیکار تھا، حضور میری طرف دیکھ رہے تھے۔ اس ایمان افروز منظر کو دیکھ کر حضرت عباس نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ حضور کا بھائی اور حضور کے چچا حارث کا بیٹا ابوسفیان ہے، اب آپ اس پر راضی ہو جائیں۔ رحمت عالمیاں نے فرمایا:

غَفَرَ اللَّهُ لَهُ كُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَإِيْنَهَا

”جو مخالفتیں اور دشمنیاں اس نے میرے ساتھ روا رکھیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو معاف فرمادے۔“

ابوسفیان کہتے ہیں۔۔۔ پھر حضور نے میری طرف نگاہ التفات کرتے ہوئے فرمایا: يَا أَخِي (اے میرے بھائی) فَقَبَّلْتُ رَجُلَهُ فِي الرِّكَابِ (یا خاں کا کلمہ سن کر میری خوشی کی حد نہ رہی۔ ”میں نے فرط محبت سے حضور ﷺ کے قدم ناز کو رکاب میں چوم لیا“ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی محبت اور جذبہ جان نثاری کو دیکھ کر فرمایا:

أَبُو سُفْيَانَ بْنِ الْحَارِثِ مِنْ شَبَابٍ أَهْلُ الْجَنَّةِ (2)

”ابوسفیان بن حارث اہل جنت کے جوانوں میں سے ہے۔“

اس افراتفری کے عالم میں محبوب رب العالمین ﷺ فولادی چٹان بنے ہوئے اس طوفانِ بد کے سامنے کھڑے رہے۔ اپنی سواری کو ایڑ لگا کر دشمن کی طرف بڑھاتے رہے اور ساتھ یہ عداں فرماتے رہے: أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ”میں اللہ کا سچا نبی ہوں، اس میں ذر جھوٹ نہیں۔ میں فخر بنی ہاشم۔“

عبدالطلب کا فرزند ہوں۔“

پھر حضور نے اپنے چچ عباس کو فرمایا۔ جن کی آواز قدرتی طور پر بہت اونچی تھی، اے عم محترم! اپنی بلند آواز سے یہ اعلان کرو:

يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ يَا أَصْحَابَ الشَّجَرَةِ يَا لَلْمُهَاجِرِينَ
الَّذِينَ بَايَعُوا تَحْتَ الشَّجَرَةِ يَا لَلْأَنْصَارِ الَّذِينَ
أَوَّارَسُوا اللَّهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”اے گروہ انصار! اے پیری کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو!

اے مہاجرین! جنہوں نے درخت کے نیچے جان دینے کی بیعت کی

تھی، اے انصار! جنہوں نے اللہ کے رسول کو پناہ دی تھی۔“

حضرت عباس کے اعلان کے بعد حضور نے دائیں طرف متوجہ ہوتے ہوئے نعرہ لگایا

يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ ”اے گروہ انصار!“

سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَبَشِّرْ نَحْنُ مَعَكَ ”اے اللہ کے

پیارے رسول ہم حاضر ہیں، حضور خوش ہوں ہم حضور کے ساتھ ہیں۔“

پھر بائیں طرف توجہ فرماتے ہوئے نعرہ لگایا يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ

جتنے انصار اس جانب تھے، سب نے جواب دیا لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ نَحْنُ مَعَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

”ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں، اے اللہ کے رسول! ہم حضور کے ساتھ ہیں۔“

جس کے کانوں تک اپنے آقا کی آواز گونجی اس نے اپنے اونٹ کا رخ اللہ کے رسول کی

طرف موڑ لیا اور جس کے اونٹ نے منہ موڑنے میں دیر کی اور کسی سرکشی کا مظاہرہ کیا تو

اس نے اونٹ کی پشت سے چھلانگ لگا دی۔ اپنے اونٹ کو چھوڑ دیا، صرف تلواریں، دوڑ ڈھال

لے کر اس طرف دوڑتا ہوا گیا جہاں اللہ کا پیارا رسول ﷺ تشریف فرما تھا۔ جس طرح

اونٹنی اپنے بچے کی طرف بے تابانہ دوڑ کر جاتی ہے، اس روز اس بے تابی سے انصار اپنے

آقا کے قدموں میں حاضر ہونے کے لئے دوڑ لگانے لگے۔ (1)

تھوڑی دیر میں تمام بکھرے ہوئے مہاجر اور انصار اپنے دائیں ہاتھوں میں اپنی تلواریں

لہراتے ہوئے جو شہاب ثاقب کی طرح چمک رہی تھیں، حضور کے قدموں میں حاضر ہو گئے۔

حضور نے انہیں حکم دیا کہ سب سیسہ پلائی دیوار بن جاؤ اور کفار پر برق خالطف کی طرح حملہ کر دو۔ چنانچہ مجاہدین اسلام نے کفار پر ہلہ بول دیا۔ ان کی تلواریں دشمن کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کاٹ کر زمین پر پھینک رہی تھیں۔ وہ اپنے نیزوں کی چمکتی ہوئی سنانوں سے دشمن کے سینوں کو گھائل کر رہے تھے اور ان کے قلب و جگر کو پارہ پارہ کر رہے تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے جب اپنے جانباز مجاہدین کی یہ سرفروشی دیکھی تو فرمایا اَلَا نَحْيِي الْوَلَطِيْسُ "اب لڑائی کا تنور بھڑک اٹھا ہے۔" تھوڑی دیر بھی کفار اسلام کے شیروں کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ انہوں نے اپنی پیشیں پھیر لیں، منہ موڑ لئے اور راہ فرار اختیار کی۔ مسلمان ان کے پیچھے دوڑ کر، انہیں موت کے گھاٹ اتارتے رہے اور بعض کو جنگی قیدی بناتے رہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی بے نظیر شجاعت اور عظیم الشان ثابت قدمی نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ اسلام کے بکھرے ہوئے شیر پھر علم توحید کے نیچے اکٹھے ہو گئے اور گر جتے ہوئے کفار پر ٹوٹ پڑے اور ان کی فتح کو بڑی شرمناک شکست میں بدل دیا۔ اس روز حضور کا اپنی سواری کیلئے خچر کو منتخب کرنا بھی حضور کی شجاعت و بہادری کی روشن دلیل ہے۔ عام طور پر جنگوں میں شہسوار گھوڑے کو سواری کیلئے پسند کرتے ہیں جو کروفر یعنی آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے میں بڑی سرعت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ خچر میں یہ تیزی اور سبک خراہی کہاں۔ اس لئے شہسوار جنگ میں اپنی سواری کیلئے خچر کو پسند نہیں کرتے۔ حضور کا اس موقع پر خچر پر سوار ہو کر میدان جنگ میں قدم رنج فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو کوئی جلدی نہ تھی بلکہ بڑی ثابت قدمی کے ساتھ حضور دشمن کی بے پناہ بیخار کے سامنے ڈٹے رہے۔

جب مشرک شکست کھا کر بھاگے تو مسلمان ان کے تعاقب میں نکلے، بعض کو قتل کر دیا اور بعض کو قیدی بنا لیا۔ یہاں تک کہ بنی ہوازن میں سے ایک شخص نے مسلمان ہونے کے بعد اپنی مرغوبیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ "اس روز ہمیں ہر درخت اور ہر چٹان ایک شہسوار کی طرح نظر آتی تھی جو ہمارے تعاقب میں بھاگا چلا آ رہا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے اس روز پانچ ہزار فرشتے مجاہدین کی مدد کیلئے نازل فرمائے اور ان کے دلوں میں طمانیت و تسکین کا نور انڈیل دیا تاکہ وہ ثابت قدمی سے دشمن کے ساتھ جنگ لڑ سکیں۔ اس موقع پر نبی رحمت ﷺ نے دعا کیلئے اپنے دونوں مبارک ہاتھ اپنے رب العزت کی بارگاہ میں پھیلائے اور بایں کلمات التجاء کی:

اللَّهُمَّ أَشْهَدُكَ مَا وَعَدْتَنِي اللَّهُمَّ لَا يَتَّبِعُنِي أَنْ يَظْهَرُوا
عَلَيْنَا اللَّهُمَّ كُنْتَ وَتَكُونُ وَأَنْتَ حَيٌّ لَا تَمُوتُ تَمَامُ
الْعِيُونِ وَتَكْذِبُ النُّجُومُ وَأَنْتَ حَيٌّ قَيُّومٌ لَا تَأْخُذُهُ
سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ اللَّهُمَّ إِنْ تَشَاءُ أَنْ لَا
تُعْبَدَ بَعْدَ الْيَوْمِ اللَّهُمَّ ذِكَّ الْحَمْدُ وَالِإِلَٰهَ الْمُشْتَكِيُّ
وَأَنْتَ الْمُسْتَعَانُ -

(1)

”الہی! جس نصرت کا تو نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے، میں تجھے اس
وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ الہی یہ تیری شان کے شایاں نہیں کہ وہ
مشرک ہم پر غلب آجائیں۔ الہی تو ازل سے ہے ابد تک رہے گا۔ تو
زندہ جاوید ہے تجھے موت نہیں آسکتی۔ آنکھیں سو جاتی ہیں ستارے
اپنی چمک کھو بیٹھتے ہیں لیکن توحی و قیوم ہے، تجھے نہ اونگھ آتی ہے نہ فیند،
یا حی یا قیوم۔ الہی! کیا تیری یہ مرضی ہے کہ سچ کے بعد تیری عبادت
کرنے والا کوئی نہ رہے۔ سب تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ ہم تیری ہی
جناب میں اپنے درد و الم کا شکوہ کرتے ہیں اور تجھی سے مدد کی
درخواست کرتے ہیں۔“

جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی، یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آج وہ دعائیہ کلمات آپ
کو القاء فرمائے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو اس روز القاء فرمائے تھے جب ان کے سامنے
سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور ان کے عقب میں فرعون کا لشکر جبرار دوڑا چلا آ رہا تھا۔
جب گھمسان کا رن پڑ رہا تھا تو سرکار نے حضرت عباس کو فرمایا کہ مجھے ایک مٹھی
کنکریوں کی دو۔ یہ سنتے ہی اللہ کے حکم سے وہ خچر یہاں تک جھک گیا کہ اس کا شکم زمین کو
مس کرنے لگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کنکریوں کی مٹھی بھر لی اور اسے کفار کی جانب
پھینکا اور زبان پاک سے فرمایا شَهِتَ الْوُجُوهَ كَحَدِّ لَا يُنْصَرُونَ دُشْمَنُونَ کے چہرے بد نما ہو
جائیں حم ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ ”دُشْمَنُونَ کا کوئی سپاہی ایسا نہ رہا جس کی آنکھوں میں وہ
کنکریاں نہ پڑی ہوں اور دیکھنے سے معذور نہ ہو گیا ہو۔ دُشْمَنُونَ کے سپاہی دور و نزدیک، سامنے

اور پیچھے جہاں کہیں بھی کھڑے یا بیٹھے تھے، ان سب کی آنکھوں میں وہ کنکریاں پڑیں اور وہ دیکھنے سے معذور ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو جنگوں میں اپنی منگی میں کنکریاں لے کر دشمن کی طرف پھینکیں۔ جس کے باعث وہ جنگ کرنے کی قوت سے محروم ہو گئے۔ پہلے غزوہ بدر میں، دوسری بار غزوہ حنین میں۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَيْكَتَ اللَّهُ رَمِي (1) ”جب آپ نے کنکریاں پھینکیں وہ آپ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں۔“

حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے تنہا تیس مشرکوں کو واصل جہنم کیا اور ربیعہ بن رافع سلمی نے درید بن الصمہ کو پالیا اور اس کے اونٹ کی ٹیکل پکڑی۔ ربیعہ نے خیال کیا کہ کوئی عورت اونٹ پر سوار ہے لیکن جب اس نے غور سے دیکھا تو وہ ایک بوڑھا مرد تھا جس کی بیٹائی جاتی رہی تھی۔ ربیعہ، درید کو نہیں پہچانتا تھا۔ درید نے اس سے پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں ربیعہ اسلمی ہوں۔ اس پر ربیعہ نے تلوار کا وار کیا جو کارثر ثابت نہ ہوا۔ درید نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا : يَسْمَا سَلَحَتِكَ اَهْلَكَ ”میری ماں نے جس اسلحہ سے تمہیں مسلح کیا ہے وہ بالکل ردی ہے“ میری تلوار جو کچھ وہ کے پیچھے حصہ میں ڈیڑاں ہے وہ بے لوار، اس تلوار سے میرا کام تمام کر دو، لیکن جب تم اپنی ماں کے پاس واپس جاؤ تو سے بتانا کہ تو نے درید بن الصمہ کو قتل کیا ہے۔ چنانچہ اس نے درید کو قتل کر دیا۔ واپس آکر اس نے اپنی ماں کو بتایا کہ میں نے درید کو قتل کیا ہے۔ ماں نے کہا۔ تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس نے تیرے بزرگوں میں سے تین کو سزا دیا تھا۔ کاش! تم نے اپنے بزرگوں کے محسن کو قتل نہ کیا ہوتا۔ ربیعہ نے کہا۔ میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا پر سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہوں۔ (2)

حضرت ابو طلحہ انصاری کی زوجہ ام سلیم اپنے شوہر کے ہمراہ اس جنگ میں شریک تھیں۔ انہوں نے اپنی چادر سے اپنی کمر کس کر باندھی ہوئی تھی اور ایک خنجر اس کے پہلو کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ ابو طلحہ نے پوچھا، اے ام سلیم! یہ خنجر تم نے کس لئے اپنے پاس رکھا ہوا ہے؟ ام سلیم نے کہا تاکہ اگر کوئی کافر میرے نزدیک آنے کی جرأت کرے تو اسے اس

کے پیٹ میں گھونپ دوں۔ حضرت ابو طلحہ نے عرض کی یا رسول اللہ! حضور سن رہے ہیں جو ام سلیم کہہ رہی ہے۔ حضور نے شاید نہیں سنا تھا۔ ابو طلحہ نے پھر وہ سول دہرایا، ام سلیم نے وہی جواب دہرایا جسے سن کر حضور ہنس دیئے۔ ام سلیم عرض کرنے لگی، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں۔ جن لوگوں نے اس جنگ میں راہ فرار اختیار کی ہے ان کے سر قلم فرمادیتے کیونکہ وہ اسی لائق ہیں۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گناہ کو معاف کر دیا ہے اب کسی مزید سزا کی ضرورت نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَعَذَابَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَوْذِلَكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ نَذْرٌ
يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ
رَحِيمٌ

(1)

”اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے کافروں کی۔ پھر رحمت سے توجہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اس کے بعد جس پر چاہے گا اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔“

اس جنگ میں چار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا اور جنگ کے دور ان ستر مشرکین کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ لیکن جب وہ شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگے تو تین سو سے زائد کو مسلمانوں نے تعاقب کر کے واصل جہنم کر دیا۔ مسلمانوں کو اس جنگ میں کثیر مقدار میں جو اموال غنیمت ملے ان کی تفصیل درج ہے:

اسیران جنگ	چھ ہزار
اونٹ	چوبیس ہزار
بکریاں	چالیس ہزار
چاندی	چار ہزار اوقیہ

جب اللہ تعالیٰ نے ہوازن کو شکست دی تو مکہ کے بقیہ کافروں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

لشکر اسلام کی عارضی ہزیمت پر اہل مکہ کے جذبات مسرت

و قتی طور پر جب میدان جنگ میں مسلمانوں کے قدم اکٹھے تو اہل مکہ کے دلوں میں اسلام کی عداوت کے جو جذبات پنہاں تھے، وہ ان کو چھپ نہ سکے۔ ان کا حبش باطن ان کی زبان

سے ظاہر ہو کر رہا۔ ان میں سے چند لوگوں نے جو کلمات اپنی زبان سے نکالے تاریخ نے انہیں اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا۔ ان میں سے چند اقوال قارئین کی خدمت میں پیش خدمت ہیں:

۱۔ لشکر اسلام میں دس ہزار انصار و مہاجرین کے علاوہ جو لوگ تھے ان میں سے کچھ وہ نو مسلم تھے جنہوں نے زبان سے تو اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تھا لیکن ان کے دلوں میں ایمان کی شمع ابھی روشن نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کی اس عارضی پسپائی پر بڑی مسرت و شادمانی کا اظہار کیا۔ ابوسفیان جس نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا، جس کے دل میں حسد و عناد کی چنگاریاں ابھی تک دھب رہی تھیں وہ اپنے ان جذبات کو چھپانہ سکا۔ ابوسفیان نے برملا کہا: لَا تَنْتَهِي هَزِيمَتُهُمْ ذُوْنَ الْبَعْدِ ”لشکر ہوازن انہیں دھکیل کر سمندر تک پہنچا کر دم لے گا۔ سمندر سے پہلے مسلمانوں کے قدم اب جنے نہیں پائیں گے۔“ ایک روایت میں ابوسفیان سے یہ قول بھی مروی ہے کہ اس نے فرحت و شادمانی سے سرشار ہو کر یہ نعرہ لگایا:

عَلَيْتَ وَاللّٰهُ هَوَازِنٌ لَا يَرُدُّهُ شَيْءٌ إِلَّا الْبَعْدُ
”خدا کی قسم! ہوازن غالب آگئے اور مسلمانوں کو سمندر کے سوا کوئی چیز اب نہیں روک سکتی۔“

صفوان نے یہ سن کر کہا:

يَغِيْثُ الْكَفْكُثُ : (۱) اے سفیان! تیرے منہ میں پتھر اور خاک
کلدہ بن حنبل جو صفوان کا ماں کی طرف سے بھائی تھا، اس نے موقع پر جند آواز سے یہ نعرہ لگایا:

اَلَا بَطَلَ السِّحْرُ الْيَوْمَ ”سن ہو! اسام کا جادو آج ٹوٹ گیا“
صفوان، جس نے ابھی اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تھا لیکن اس کے دس میں قرشی حمیت زندہ تھی، کلدہ کا یہ اعلان سن کر وہ چپ نہ رہ سکا۔ اس نے فوراً کہا اُسْكُتْ فَصَّ اللهُ فَالَتْ ”خاموش! خدا تیرا منہ پھوڑے۔“ قریش کی سرپرستی میں زندگی بسر کرنے کو میں اس بات پر ترجیح دیتا ہوں کہ کوئی اعرابی بدو، میرا سر پرست بنے۔

ایک اور آدمی نے صفوان کو کہا "أَبَشْرُ فَإِنَّ مُحَمَّدًا وَأَصْحَابَهُ قَدْ انْهَزَمُوا" اے صفوان مبارک باد! محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کو شکست ہو گئی ہے۔ "صفوان نے اس کو بھی بڑے کرحشت لہجہ میں جواب دیا۔

اسْكَتَ فَضَّ اللَّهُ قَالَتْ (1) "چپ رہو۔ تیرے منہ کو خدا پھوڑے۔" اس فوج میں ایسے لوگ بھی تھے جو محض اس لئے مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے کہ جنگ کے ہنگامہ میں انہیں کوئی ایسا موقع ملے جب حضور تہا ہوں اور اس تہائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ حضور کی شمع حیات کو گل کر کے اپنی دیرینہ آتش انتقام کو ٹھنڈا کر سکیں۔ شبہ بن عثمان انہیں لوگوں میں سے ایک تھا۔ وہ خود اپنا ماجرا ایسے الفاظ بیان کرتا ہے کہ :

"جب فتح مکہ کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ نے قبیلہ ہوازن پر لشکر کشی کا عزم کیا تو میں بھی اس لشکر میں شامل ہو گیا تاکہ شاید مجھے کوئی ایسا موقع ملے کہ جب حضور بے خبر اور تہا ہوں، میں اس وقت حضور پر حملہ کر کے اپنے باپ اور چچا کا انتقام لے سکوں۔ اس طرح میں قریش کے تمام مقتویوں کا انتقام چکا سکوں گا۔ میں نے اپنے دل میں یہ طے کر رکھا تھا کہ اگر عرب و عجم کے تمام لوگ حضور کی پیروی اختیار کریں، میں تب بھی کسی قیمت پر آپ کا دین قبول نہیں کروں گا۔ چنانچہ اس سفر میں، میں اسی تاڑ میں رہا۔ جب سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے خمر سے نیچے اتر آئے اور صحابہ افراتفری کا شکار ہو کر پر اگندہ ہو گئے تو میں نے اس کو بہترین موقع پایا، اپنی تلوار بے نیام کی اور اپنے مذموم ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے حضور کے قریب ہوا۔ جب میں دائیں طرف سے نزدیک ہوا تو وہاں حضرت عباس سفید زرہ زیب تن کئے کھڑے تھے۔ میں نے سوچا عباس کسی قیمت پر حضور کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ پھر میں بائیں طرف گیا وہاں میں نے ابوسفیان بن حارث کو دیکھا جو حضور کا چچا زاد بھائی تھا۔ میں نے سوچا یہ بھی کسی قیمت پر حضور کو تنہا نہیں چھوڑے گا، اپنی جان دے دیگا لیکن حضور پر آنچ نہیں آنے دے گا پھر میں حضور ﷺ کی پشت کی طرف ہو گیا اور میں نے تلوار کا دار کرنا چاہا تو اچانک آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے میرے اور حضور ﷺ کے

درمیان حائل ہو گئے۔ ان کی برق آسا چمک سے میری آنکھیں چند ہیا نکلیں۔
 میں پیچھے ہٹا، اس وقت سرکار نے میری طرف نگاہ کرم فرمائی اور ارشاد فرمایا:
 يَا شَيْبُ اَدْنُ مِثْنِي "اے شیبہ دور کیوں ہٹتے ہو! میرے قریب ہو جاؤ۔"
 میں قریب ہو گیا تو رحمت عالم ﷺ نے اپنا دست رحمت میرے سینہ پر رکھ دیا
 اور دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُ الشَّيْطَانَ "اے اللہ شیطان کو اس
 سے دور بھگا دے۔" اب جب میں نے حضور کی طرف دیکھا تو مجھے سرکار دو عالم
 ﷺ اپنے کانوں، آنکھوں اور اپنے دل سے بھی زیادہ پیارے محسوس ہونے
 لگے۔ پھر حضور نے حکم دیا، اے شیبہ! کفار سے نبرد آزما ہو جاؤ۔ یہ ارشاد سنتے
 ہی میں بے اختیار کفار پر ٹوٹ پڑا۔ میری خواہش تھی کہ حضور کے دفاع میں،
 میں اپنی جان قربان کر دوں۔"

جب ہوازن کو شکست ہوئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ گئے تو حضور اپنی قیام گاہ کی
 طرف تشریف لائے۔ اس وقت میں حاضر خدمت ہوں۔ حضور نے مجھے دیکھ کر فرمایا:
 اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَرَادَ بِكَ خَيْرًا مِّمَّا اَرَدْتَ
 "سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں کہ اس نے تیرے بارے میں خیر کا
 ارادہ فرمایا، تم تو اپنی کشتی ڈبونے کا ارادہ کر ہی چکے تھے۔"

پھر حضور نے وہ تمام باتیں مجھے بتائیں جو اس وقت میرے نہیں خانہ دل میں حضور
 ﷺ کے بارے میں نمایاں ہوئی تھیں۔

لشکر ہوازن کی شرمناک ہزیمت اور انجام

جب اسلام کے شیروں نے اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں مجتمع ہونے
 کے بعد ہوازن پر حملہ کیا تو سب سے پہلے میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے والی وہی
 مالک بن عوف تھا جس کی جنگی تدابیر کے بارے میں آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔ وہ میدان
 کارزار سے یوں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا کہ طائف کے قلعہ سے پہلے اسے کہیں امن نہ ملی۔
 اس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ اس کو اپنے لشکریوں کا خیال تک نہ رہا جن کو مسلمان
 اپنی فولادی شمشیروں سے لخت لخت کر رہے تھے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو جنگی قید بنا

رہے تھے۔ وہ اپنے ساتھ اپنے بھگوزے لشکریوں کا ایک گروہ لے کر طائف پہنچا۔ لشکر کے ایک حصہ نے اوطاس میں جا کر دم لیا۔ ان کے لشکر کا تیسرا حصہ حنین سے بھاگا اور غدہ کے مقام پر جا کر رکا۔ میدان جنگ میں رحمت عالم ﷺ نے ایک عورت کی لاش پڑی ہوئی دیکھی تو برہمی کا اظہار فرمایا اور ایک آدمی کو دوڑایا کہ وہ خالد بن ولید کو حضور کا یہ پیغام پہنچائے کہ حالات کتنے ہی اشتعال انگیز ہوں لیکن بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ لشکر ہوازن کا ایک حصہ میدان جنگ میں شرمناک شکست سے دوچار ہونے کے بعد طائف جا پہنچا، وہاں انہوں نے اپنی بکھری ہوئی قوت کو یکجا کرنا شروع کر دیا تاکہ دوبارہ متحد و متفق ہو کر لشکر اسلام کا مقابلہ کریں۔

معرکہ اوطاس

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مشرکین کے لشکر کا ایک حصہ اوطاس جا پہنچا اور وہاں جا کر وہ خیمہ زن ہو گیا ان کے لشکر کا تیسرا حصہ غدہ کی طرف بھاگ گیا۔ مسلمان شہسواروں نے ان کے لشکر کے تینوں حصوں کا تعاقب کیا۔ جو لوگ اوطاس کی طرف بھاگ کر گئے تھے، ان کی سرکوبی کیلئے نبی مکرم ﷺ نے ابو عامر الاشعری کو چند سواروں سمیت روانہ کیا۔ ابو عامر الاشعری نے ان بھگوزوں کو جالیا۔ کفار سے ان کی جھڑپ ہوئی جس میں ابو عامر شہید ہوئے لیکن شہادت کا تاج سر پر سجانے سے پہلے انہوں نے اپنی شجاعت و بسالت کے خوب جوہر دکھائے۔ ان کو دعوت مبارزت دینے کیلئے یکے بعد دیگرے دس بھائی میدان میں اترے۔ آپ نے ان میں سے نو کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور دسویں بھائی نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا۔ (1)

اس کے بعد ابو عامر نے داد شجاعت دیتے ہوئے خود جام شہادت نوش کیا۔ ابو عامر کی شہادت کے بعد ان کے چچازاد بھائی ابو موسیٰ اشعری نے اسلام کا پرچم اٹھایا اور مشرکین ہوازن کے ساتھ جنگ کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمائی اور اعداء اسلام کو دوبارہ شکست کی ذلت سے دوچار ہونا پڑا۔ جنگ اوطاس میں بیش قیمت اموال غنیمت اور جنگی قیدی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ ان تمام اموال غنیمت کو سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جعرانہ کے

مقام پر بھیج دیا۔ یہ مقام مکہ سے پندرہ میل جانب شمال واقع ہے۔ منتظمین کو تاکید حکم دیا کہ اسیران جنگ کو لباس مہیا کرنے اور ان کو مناسب غذا دینے میں کسی کوتاہی کا مظاہرہ نہ کریں۔ (1)

رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جنگ کے اختتام کے بعد ان اموال غنیمت کو فوراً تقسیم نہیں کیا بلکہ دو ہفتہ تک حضور پاک اس انتظار میں رہے کہ شاید ہوازن اسلام قبول کر کے حاضر خدمت ہو جائیں اور ان کے جنگی قیدی، ان کے مویشی اور دیگر اموال غنیمت واپس کر دیئے جائیں۔ لیکن جب دو ہفتہ تک ہوازن کی طرف سے کوئی سلسلہ جنبانی نہ ہوئی تو پھر سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان اموال غنیمت کو تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس کی تفصیل آپ آئندہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

حصار طائف

معرکہ حنین کی ابتدائی چند ساعتیں مسلمانوں کیسے بڑی تکلیف دہ اور صبر آزمائشیں لیکن قائد لشکر اسلامیاں سیدنا محمد رسول اللہ فداہ روجی و قلبی کی بے نظیر شجاعت اور بے عدل استقامت نے جنگ کا پانسہ پیٹ کر رکھ دیا۔ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے۔ اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو سن کر مہاجرین و انصار آنا فانا اپنے ہادی و مرشد کے ارد گرد جمع ہو گئے اور حکم ملتے ہی انہوں نے ہوازن و ثقیف کے لشکر جرار پر یوں حملہ کیا جس طرح شیر ببر بھیڑوں کے گلے پر جھپٹتا ہے اور انہیں بھاگ جانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ لوگ اپنی چیمٹی بیگمات اور اپنے جان سے پیارے فرزندوں کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر محض اپنی جانیں بچانے کیلئے حواس باختگی کے عالم میں میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ ان کا ایک حصہ قتلہ کی طرف بھاگ گیا، دوسرے حصہ نے اوطاس کا رخ کیا، اس کی تفصیلات آپ ابھی پڑھ چکے ہیں۔ لیکن اس لشکر کی کثیر تعداد طائف کے مستحکم قلعوں میں مورچہ بند ہونے کیلئے طائف کی طرف دوڑی۔ ان کا سپہ سالار اعلیٰ مالک بن عوف اپنی فوج کے بھگڑوں کے آگے آگے بھاگتا رہا تھا۔ ماہ شوال سنہ ۵ ہجری میں سرکار دو عالم فداہ الی والی نے جب طائف کی طرف روانگی کا ارادہ فرمایا تو طفیل بن عمرو اندوسی کو حکم دیا کہ وہ ”ذوالکھفین“

کے منہم اور اس کے متعلقہ بت کدہ کو تباہ و برباد کرنے کے بعد طائف میں آکر حضور پاک کے لشکر کے ساتھ مل جائے۔ ذوالکفین لکڑی سے بنا ہوا بت تھا۔ اس کے بت کدہ کے پر و ہت کا نام عمرو بن حمہ تھا۔ طفیل بڑی سرعت سے اس پر حمہ آور ہوئے اور اسے آگ میں جھونک کر رکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ اس وقت اس نے یہ شعر پڑھے :

يَا ذَا الْكَفَيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَ
مِيْلًا دُنَا اَقْدَرُ مِنْ مِيْلَادِكَ

”اے ذوالکفین! میں تیرے بندوں سے نہیں ہوں۔ میری پیدائش تمہاری پیدائش سے بہت پہلے ہوئی تھی۔“

(1) اِنِّي خَشِيتُ التَّارِفَ فُؤَادِكَ
”میں نے تیرے دل میں آگ جھونک دی ہے۔“

اس فریضہ کی ادائیگی کے بعد اپنی قوم کے چار سو مجاہدوں کو ساتھ لے کر بڑی تیزی سے طائف کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ اپنے ساتھ منجنيق اور دبابہ لے کر گئے تھے۔ حضور کے طائف میں پہنچنے کے چار دن بعد طفیل اپنی منجنيق اور دبابہ کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ (2)

طائف کی دفاعی اہمیت

دفاعی نقطہ نظر سے طائف کا شہر بہت مستحکم تھا۔ اس کے ارد گرد دوہری فصیل تھی جو سنگ خارہ سے تیار کی گئی تھی۔ اس کے معماروں نے اس کی بنیادیں اس طرح اٹھائی تھیں اور اس کی دیواروں کی ایسی چٹائی کی تھی کہ اس کو ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔ طائف کے باشندوں نے جب دیکھا کہ اسلامی لشکر ان کے شہر کے قریب پہنچنے والا ہے تو انہوں نے اپنے شہر کی فصیل میں جتنے دروازے تھے انہیں مضبوطی سے بند کر دیا۔ انہوں نے عزم منہم کر لیا کہ وہ ہر قیمت پر اپنے شہر کا دفاع کریں گے اور مسلمانوں کیلئے اس شہر میں داخلہ کو ناممکن بنا دیں گے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کو جب طائف کے قبیلہ ثقیف کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو نبی کریم

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی سرکوبی کیلئے طائف کا رخ کیا۔ حضور پاک نے اپنے سے پہلے حضرت خالد بن ولید کو ایک ہزار مجاہدین کا کماندار بنا کر طائف کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ حضرت خالد نے طائف پہنچ کر قلعہ کے ایک کونہ میں اپنے خیمے نصب کر دیئے۔ قبیلہ ثقیف کے جوان مسلح ہو کر قلعہ کی دیوار پر پرہنا کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت خالد نے قلعہ کے ارد گرد چکر لگایا تاکہ اس کے اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ دریافت کر سکیں۔ جب کوئی راستہ نہ ملا تو آپ نے ایک طرف کھڑے ہو کر بند آواز سے قلعہ والوں کو پکارا۔ کہ تم میں سے بعض آدمی قلعہ سے اتر کر میرے پاس آئیں تاکہ ہم باہمی مذاکرات سے کسی نتیجہ پر پہنچیں۔ جب تک تمہارے آدمی ہمارے پاس رہیں گے ہم انکی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے اور اگر تمہیں ہمارے پاس آنے میں کوئی عذر ہے تو اسی شرط پر میں تمہارے پاس آنے کیلئے اور گفتگو کرنے کیلئے تیار ہوں۔ تمہیں میری حفاظت کا یقین دلانا ہوگا۔ انہوں نے کہا، نہ ہم میں سے کوئی آدمی آپ کے پاس بات چیت کرنے کیلئے آئے گا اور نہ ہم آپ کو اپنے پاس آنے کی اجازت دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا، اے خالد! آج تک تمہارے صاحب کو کسی ایسی قوم سے جنگ کرنے کا اتفاق نہیں ہوا جو جنگ کرنے میں مہارت رکھتی ہو۔ پہلی دفعہ انہیں ہم سے برسر پیکار ہونے کا موقع ملا ہے۔ ہم انہیں بتائیں گے کہ جنگجو کیسے ہوتے ہیں اور میدان کارزار میں وہ اپنے مد مقابل کو کس طرح شکست سے دوچار کرتے ہیں۔

حضرت خالد نے فرمایا کہ ان گیدڑ بھکیوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ میرے آقا فداہ روجی و قلبی نے اس سے پہلے خیبر میں یہود کے قلعوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ اہل فدک کی طرف حضور نے صرف ایک آدمی بھیجا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ میں تمہیں اس ہولناک انجام سے ڈراتا ہوں جو بنی قریظہ کا مقدر بنا۔ پھر حضور نے مکہ پر اپنی فتح کا پرچم نصب کیا۔ اس کے بعد قبیلہ بنی ہوازن کو دندان شکن شکست دی۔ تمہاری تو ان طاغوتی قوتوں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں۔ تم صرف ایک چھوٹے قلعہ میں سمٹ کر بیٹھے ہو۔ اگر سرکارِ دو عالم ﷺ تم پر حملہ نہ بھی کریں تو ارد گرد کے قبائل ہی تمہاری تھکے ہوئی کر دیں گے۔

حضرت خالد کو پہلے بھیجنے کے بعد حضور نبی پاک ﷺ بنفس نفیس طائف کی طرف روانہ ہوئے۔ حضور پاک سنہ 8 ہجری ماہ شوال میں طائف کی طرف متوجہ ہوئے۔ حنین سے جب روانہ ہوئے تو پہلے خلاء، یمانیہ، قرن اور ملیح کی بستیوں سے گذرتے ہوئے بحرہ

الرعاء تشریف لائے۔ وہاں ایک مسجد تعمیر کی اور اس میں نماز ادا کی۔ یہاں اثنائے قیام ایک قتل کا مجرم پیش ہوا جس کو بطور قصاص موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ یہ اسلام میں قصاص کا پہلا مقدمہ تھا جس کا فیصلہ فرمایا گیا۔ بنی لیث کے ایک آدمی نے ہذیل کے آدمی کو قتل کیا تھا۔ قاتل کو بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے بطور قصاص اسے قتل کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ لیہ کے علاقہ میں ہی مالک بن عوف کا ایک قلعہ تھا جس کو منہدم کرنے کا حکم دیا گیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ظہر کی نماز لیہ میں ادا کی۔ پھر ایک راستے پر حضور روانہ ہوئے۔ اس راستے کا نام پوچھا تو عرض کی گئی اس کا نام اَلْصَّيْفَةُ ہے۔ آپ نے فرمایا بَلْ هِيَ الْيَمْزَى ”یہ جنگ نہیں بلکہ آسان راستہ ہے۔“ پھر حضور پاک کا گزر تخب کی وادی سے ہوا۔ یہاں آکر حضور پاک نے ایک بیری کے درخت کے نیچے آرام فرمایا۔ اس درخت کو اِنْقَادِذَةُ کہا جاتا تھا۔ یہاں بنو ثقیف کے ایک آدمی کا مکان تھا جس میں وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ حضور نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ یا تو ہر نکل آؤ یا ہم اس مکان کو نذر آتش کر دیں گے۔ اس نے باہر نکلنے سے انکار کیا تو حضور نے اس کو جلا دینے کا حکم دیا۔ (1)

یہاں سے روانہ ہو کر طائف کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ بنو ثقیف کے جو لوگ قلعہ کی فسیل پر کھڑے ہوئے تھے، ان کی تعداد ایک سو تھی، انہوں نے لشکر اسلام پر تیر برسانے شروع کئے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ تیر نہیں بلکہ ٹڈی دل کا ایک لشکر ہے جو مسلمانوں کو تہس نہس کر کے دم لے گا۔ مسلمانوں کے بہت سے مجاہدین زخمی اور بارہ مجاہد شہید ہو گئے۔ سرکارِ دو عالم فدائے قلبی و روحی نے لشکر کو خیمے اکھیر لینے کا حکم دیا اور انہیں وہاں خیمے نصب کرنے کی ہدایت فرمائی جو تیروں کی رسائی سے باہر تھی۔ (یہی وہ جگہ ہے جہاں بعد میں مسجد تعمیر کی گئی۔ اس مسجد کو تعمیر کرنے والے خود قبیلہ ثقیف کے جوان تھے جنہوں نے صدق دل سے اسلام قبول کیا اور خداوند قدوس کی عبادت کیسے یہ مسجد تعمیر کر دی۔ اس مسجد کے بانی کا نام امیہ بن عامر بن وہب تھا۔ کہتے ہیں اس مسجد میں ایک ستون تھا کہ ہر صبح جب سورج طلوع ہوتا تو اس سے ایک خاص قسم کی آواز نکلتی۔ لوگ کہا کرتے کہ یہ اللہ کی تسبیح کر رہا ہے۔)

اس سفر میں دو اہم بات المومنین رضی اللہ عنہما۔ حضرت ام سلمہ اور سیدتنا زینب ہمراہ

تھیں۔ حضور پاک کیلئے دو خیمے نصب کئے گئے تھے اور ان خیموں کے درمیان حضور پاک کا مصلیٰ بچھایا جاتا۔

عمر بن امیہ ثقفی، جو اپنے زمانے میں بہت ہی چالاک و شاطر تسلیم کیا جاتا تھا، اس نے اپنے قبیلے والوں کو حکم دیا کہ اگر مسلمانوں کی طرف سے تمہیں قلعہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کی دعوت دی جائے تو تم اسے ہرگز قبول نہ کرنا۔ مسلمانوں کو یہاں ٹھہرے رہنے دو جتنا وہ ٹھہر سکتے ہیں۔ اسی اثناء میں حضرت خالد تشریف لے آئے اور آپ نے مَن یُبَادِرُ کا چیلنج دیا کہ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو میرے ساتھ آکر جنگ کرے؟ لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ اسی طرح آپ نے دوسری بار پھر تیسری بار چیلنج کیا لیکن کوئی مقابلہ کیلئے نہیں آیا۔ آخر کار ان کا ایک رئیس عبدیاللیل نے جواب دیا تم ایک بار نہیں، سو بار ہمیں پکارو ہم کھلے میدان میں تمہارے ساتھ بچہ آزمائی نہیں کریں گے۔ ہم نے اشیائے خوردنی اتنی وافر مقدار میں ذخیرہ کر لی ہیں کہ کئی سال بھی اگر تم ہمارا محاصرہ کئے رکھو تو ہمیں خوراک کی قلت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اور اگر تم اپنے محاصرے کو اتنے سال طول دو کہ ہماری رسد ختم ہو جائے تو ہم سب شمشیر بکف میدان میں نکل آئیں گے اور تمہارے ساتھ اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک ہمارا ایک آدمی بھی زندہ ہوگا۔

مسلمان باہر سے ان لوگوں پر تیرہ سائے اور وہ قلعہ کے اندر سے مسلمانوں پر تیرا فٹنی کرتے رہے یہاں تک کہ دونوں طرف سے کثیر تعداد میں لوگ زخمی ہو گئے اور مسلمان مجاہدین میں سے متعدد افراد نے رتبہ شہادت حاصل کیا۔

حضور کا ایک اہم اعلان

رحمت عالم ﷺ کی طرف سے ایک اعلان کیا گیا کہ جو غلام لشکر اسلام میں داخل ہو جائے گا وہ آزاد ہوگا۔ چودہ پندرہ ایسے غلام تھے جو یہ اعلان سن کر لشکر اسلام میں شامل ہو گئے اور سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا اور اس قسم کے ہر شخص کو ایک مسلمان کے حوالے کر دیا اور اس کو اس آزاد کردہ غلام کی خوراک، لباس اور بود و باش کا ذمہ دار قرار دے دیا۔

مجلس مشاورت

جب طائف کے محاصرہ نے طول کھینچی تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے مشورہ کیلئے اپنے صحابہ کرام کو طلب فرمایا۔ جب سب جمع ہو گئے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! میری رائے تو یہ ہے کہ حضور اس قلعہ کی دیواروں کو پاش پاش کرنے کیلئے منجنیقیں نصب کریں۔ ہم ایران میں قلعوں کی فصیلوں کو گرانے کیلئے منجنیقوں سے سنگباری کیا کرتے تھے اور اس طرح ان کی دیواروں میں شکاف کر کے اندر گھس جاتے اور ان پر قبضہ کر لیا کرتے تھے۔ حضور پاک نے آپ کو منجنیق تیار کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے ایک منجنیق بنائی اور اسی کے ذریعے سے طائف کے قلعہ پر سنگ باری کی گئی۔ یہ پہلی منجنیق تھی جو اسلام میں بنائی گئی اور استعمال کی گئی۔

دوسری روایت میں ہے کہ یزید بن زمعہ بن اسود، وہ شخص ہیں جو دودبا بے لے کر آئے تھے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ طفیل بن عمرو ادوسی ایک منجنیق اور ایک دبابہ اپنے ساتھ لیکر طائف میں حاضر ہوئے۔ بعض نے خالد بن سعید کا نام لیا ہے کہ وہ جرش کے مقام سے ایک منجنیق اور دودبا بے لے کر حاضر ہوئے تھے۔

منجنیق ایک آلہ ہے جس سے بھاری بھر کم پتھر پھینک کر دیوار کو گر لیا جاتا ہے۔ دبابہ ایک گاڑی نما آلہ ہے۔ اس کے اوپر ایک چمڑے کا بنا ہوا پختہ سائبان تان دیا جاتا ہے۔ اس کمرہ نما گاڑی میں دس سپاہی بیٹھ سکتے ہیں اور چمڑے کی تنی ہوئی چھت کے باعث قلعے والوں کے تیروں اور پتھروں سے اپنے آپ کو محفوظ کر کے قلعہ کی دیوار کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور دیوار میں نقب لگا کر اس میں شکاف ڈال لیتے ہیں۔ پھر اس دیوار کو منجنیقوں کے ذریعے سنگباری کر کے منہدم کر دیتے ہیں۔ ان آلاتِ حرب سے اہل عرب واقف نہ تھے اور نہ کبھی انہوں نے جنگوں میں اسے استعمال کیا تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، جنہوں نے جنگِ احزاب میں مدینہ طیبہ کے ارد گرد خندق کھودنے کا مشورہ دے کر مشرکین عرب کے لشکرِ جرار کو مبہوت کر کے رکھ دیا تھا، انہی کے مشورے سے مسلمانوں نے منجنیق کا استعمال شروع کیا۔

طائف کے محاصرہ میں مسلمانوں نے منجنیق کے ذریعے فصیل کی دیواروں پر سنگباری

کی لیکن وہ اس میں شکاف نہ ڈال سکے۔ پھر مسلمان دباہوں میں بیٹھ کر فہمیل کے قریب پہنچے تاکہ فہمیل میں نقب لگا کر مجاہدین کے اندر گھسنے کیلئے راستہ بنائیں۔ اہل طائف نے لوہے کی سلاخوں کو آگ میں سرخ کر کے ان دباہات پر پھینکا جن میں بیٹھ کر مسلمان نقب لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان سرخ سلاخوں کے گرنے سے دباہوں کی چھتیں جل گئیں اور مسلمانوں پر انہوں نے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ اس لئے مسلمانوں کو واپس جانا پڑا۔ چالیس روز تک لشکر اسلام نے طائف کا محاصرہ جاری رکھا لیکن طائف فتح نہ ہوا۔ اس عرصہ میں کافی مسلمان زخمی ہوئے اور بعض نے جام شہادت نوش کیا۔ (۱)

سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش تھی کہ کسی طرح ان کو ان کے قلعہ سے نکلنے پر مجبور کیا جائے تاکہ وہ کھلے میدان میں مجاہدین اسلام سے بچہ آزمائی کریں۔ جب منہیق اور دباہوں کے استعمال سے یہ مقصد پورا نہ ہوا تو نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے انگوروں کی بیہوں اور کھجور کے درختوں کو کاٹ کر رکھ دیں۔ اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میں جب مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش سے انگور کی بیہوں اور کھجوروں کے درختوں کو کاٹنا شروع کیا تو بنو ثقیف کے ہوش اڑ گئے۔ انہوں نے عرض کی، آپ ہمارے ان قیمتی باغات کو کیوں برباد کر رہے ہیں۔ اگر آپ نے ہم پر فتح حاصل کر لی، یہ باغات آپ کے کام آئیں گے اور اگر ہم غالب ہوئے تو یہ ہمارے پاس رہیں گے۔ ہم آپ کو اللہ اور اپنی قرابت کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ ان ہرے بھرے باغات کو اپنے حال پر رہنے دیں۔ رحمتِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا **فَإِنِّي أَدْعُهُمْ إِلَى اللَّهِ وَلِلرَّحْمَةِ** ”میں ان کو اللہ کیلئے اور قرابت کیلئے چھوڑ رہا ہوں۔“

علامہ زر قانی کی تحقیق کے مطابق سرورِ عالم ﷺ کے ساتھ ثقیف کا یہ رشتہ تھا: حضور کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام برہ بنت عبد العزیٰ بن قصی تھا اور اس برہ کی والدہ کا نام ام حبیب بنت اسد تھا۔ ام حبیب کی والدہ کا نام برہ بنت عوف تھا اور برہ کی والدہ کا نام قلابہ بنت حرث تھا اور قلابہ کی والدہ کا نام ہند بنت ربیع تھا جو قبیلہ ثقیف کی ایک خاتون تھی۔ چنانچہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ انگوروں کی بیہوں اور کھجور کے درختوں کو کاٹنا بند کر دیں۔

عینہ بن حصن

عینہ بن حصن بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی، اگر آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اہل طائف کے ساتھ مذاکرات کروں، تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے دے گا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اجازت دیدی۔ وہ ان کے پاس گیا اور انہیں کہا کہ تم اپنے موقف پر ڈٹے رہو، اگر تم نے ہار مان لی تو ہم غلاموں سے زیادہ ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔ ہرگز اپنے ہاتھوں سے کوئی چیز نہ دو اور اگر وہ تمہارے باغات کاٹ رہے ہیں تو اس سے دس گرفتہ ہونے کی ضرورت نہیں، تھوڑی سی کوشش سے اور باغات اگائے جاسکتے ہیں۔ یہ باتیں کرنے کے بعد وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا۔ آپ نے پوچھا، عینہ! تم نے ان کے ساتھ کیا باتیں کیں؟ اس نے کہا میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ میں نے ان کو آتش جہنم سے ڈرایا ہے اور جنت کی راہ انہیں دکھائی ہے۔ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا عینہ! تم جھوٹ بول رہے ہو بلکہ تم نے یہ یہ باتیں کیں۔ جو کچھ اس نے کہا تھا، حضور پاک نے کہہ سنایا۔ یہ سن کر اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور سب اختیار اس کے منہ سے نکلا **صَدَقْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتُوبُ إِلَى اللَّهِ وَالْإِيَّاتِ مِنْ ذَلِكَ** ”یارِ رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا۔ جو ہدیاں سرائی میں نے کی ہے اس پر اللہ کی جناب میں بھی توبہ کرتا ہوں اور حضور سے بھی معافی مانگتا ہوں۔“ (1)

حضر بن عیلہ الاحمسی

حضر بن عیلہ نے جب یہ سنا کہ رحمت عالم ﷺ نے بنو ثقیف پر حملہ کیا ہے تو وہ اپنے شہسواروں سمیت گھوڑوں پر سوار ہو کر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد کرنے کیلئے طائف آیا۔ جب وہ طائف پہنچا تو حضور پاک صرہ اٹھا کر واپس تشریف لے جا چکے تھے اور طائف فتح نہیں ہوا تھا۔ حضر نے اپنے ساتھ یہ عہد کیا کہ میں اس مقام کو اس وقت تک چھوڑ کر نہیں جاؤں گا جب تک بنو ثقیف اللہ کے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم، منے کیلئے تیار نہ ہو جائیں۔ چنانچہ وہ کافی عرصہ وہاں قیام پذیر رہا یہاں تک کہ بنو ثقیف نے حضور

پاک کے حکم کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کر دیا۔ صحر نے بارگاہ رسالت میں عریضہ تحریر کیا۔ یا رسول اللہ! ثقیف نے حضور پاک کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ میں انہیں اپنے ہمراہ لے کر حاضر ہو رہا ہوں، وہ میرے لشکر میں شامل ہو گئے ہیں۔ سرکارِ دو عالم نے جب یہ مژدہ سنا تو صحابہ کرام کو نماز کیلئے جمع ہونے کا حکم دیا اور ان الفاظ سے دس بار احمس کیلئے دعا فرمائی۔ اَللّٰهُمَّ يَا رُكْنَ يَلْحَقُصْنَ فِي خَيْلِنَا وَ رِجَالِنَا ”اے اللہ! احمس کے سواروں اور پیادوں میں برکت عطا فرما۔“

جب یہ لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! صحر نے میری پھوپھی کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کو طلب کیا اور اسے سمجھایا، اے صحر! جب کوئی قوم اسلام قبول کر لیتی ہے تو ان کے خون اور اموال محفوظ ہو جاتے ہیں۔ مغیرہ کی پھوپھی اس کو واپس کر دو۔ چنانچہ اس نے ارشاد نبوت کی تعمیل کی۔

اسی صحر نے بارگاہ رسالت پناہ میں عرض کی کہ بنو سلیم کا چشمہ مجھے عطا فرمایا جائے کیونکہ وہ اسلام سے دستبردار ہو کر یہاں سے بھاگ گئے ہیں اور اس چشمہ کو چھوڑ دیا ہے مجھے اور میری قوم کو وہاں اقامت گزیر ہونے کی اجازت فرمائی جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت دے دی۔ پھر بنی سلیم قبیلہ حضور پاک کے پاس حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ نیز عرض کی کہ صحر کو حکم دیں کہ وہ ہمارا چشمہ ہمیں واپس کر دے۔ حضور نے فرمایا، اے صحر! جب کوئی قوم اسلام قبول کر لیتی ہے تو ان کی جانیں اور اموال محفوظ ہو جاتے ہیں۔ تم اس چشمہ کو انہیں واپس کر دو۔ صحر نے تعمیل کرتے ہوئے چشمہ ان کے حوالے کر دیا۔ (1)

طائف کا محاصرہ اٹھانے کی وجوہات

”الرسول القائم“ کے مصنف نے ان اسباب پر روشنی ڈالی ہے جن کے باعث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طائف کا محاصرہ اٹھانے کا فیصلہ فرمایا:

1۔ طائف کے قلعے بہت مضبوط تھے، بنو ثقیف قبیلہ کے لڑاکے بڑے بہادر تھے اور تیر افکنی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ نیز انہوں نے سامانِ خور و نوش اتنی وافر مقدار میں

ذخیرہ کر لیا تھا کہ وہ باہر سے کسی رسد کے ملے بغیر عرصہ دراز تک مسلمانوں کے ساتھ جنگ کا سلسلہ جاری رکھ سکتے تھے۔

2۔ جنگی نقطہ نظر سے طائف کی بڑی اہمیت تھی۔ کسی وقت بھی اسلام دشمن قوتیں یہاں اکٹھی ہو کر مسلمانوں کیلئے خطرہ کا باعث بن سکتی تھیں لیکن جب قبیلہ ہوازن نے میدان جنگ میں شکست فاش کھائی اور مسلمانوں کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہو کر سارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا۔ نیز بنو ثقیف کے کثیر التعداد لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا حتیٰ کہ ان کے سپہ سالار اعلیٰ مالک بن عوف نے بھی شرک و کفر سے رشتہ توڑ کر حضور نبی کریم ﷺ کی غلامی کی سعادت حاصل کر لی اور سچے دل سے اسلام کی ترقی کیلئے اپنی مساعی کو وقف کر دیا تو اب طائف مسلمانوں کیلئے خطرہ کا مرکز نہ رہا۔ دفاعی نقطہ نظر سے اس کی سابقہ اہمیت باقی نہ رہی۔ ایک غیر اہم شہر پر بلا مقصد محاصرہ کو طول دینا قرین دانشمندی نہ تھا۔

3۔ ماہ شوال ختم ہونے والا تھا۔ اس کے بعد ماہ ذیقعد کا چاند طلوع ہو نیا تھا جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے جنگ و قتال کو مسلمانوں کیلئے ممنوع قرار دے دیا ہے۔ اس لئے اس ماہ کے بدل کے طلوع سے پہلے طائف کے حصار کو ختم کرنا ضروری سمجھا گیا۔

4۔ مسلمانوں کو مدینہ طیبہ سے نکلے ہوئے دو ماہ سے زیادہ عرصہ گزرنے والا تھا۔ اب مجاہدین یہ خواہش کرنے لگے کہ انہیں اپنے وطن واپس جانے کی اجازت دی جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے اس اقدام کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب طائف کے محاصرہ کو دو ہفتوں سے زیادہ گزر گئے تو حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نوفل بن معاویہ الدیلیسی سے مشورہ کیا اور فرمایا، اے نوفل! تمہاری کیا رائے ہے، کیا ہم ان کا محاصرہ جاری رکھیں؟

انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ایک لومڑی بھٹ میں گھسی ہوئی ہے۔ اگر آپ وہاں ٹھہرے رہیں گے تو ضرور اس کو پکڑ لیں گے اور اگر آپ اس کو نظر انداز کر دیں تو حضور پاک کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

ان حالات کے پیش نظر نبی رحمت ﷺ نے طائف کا محاصرہ اٹھانے کا فیصلہ فرمایا۔ اس وقت بعض صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! ثقیف کیلئے بددعا فرمائیے۔ سرکارِ دو عالم

نبی رحمت ﷺ نے بددعا کرنے کی بجائے انہیں اپنی دعائے خیر سے سرفراز فرمایا: اَللّٰهُمَّ
 لِهُدًى تَقِيْفًا وَاٰتٍ بِرَهْمَ "اے اللہ! ثقیف کو نور ہدایت بخش دے اور ان سب کو میرے
 پاس لے آ۔" (۱)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی التجاء کو شرف قبولیت بخشا اور بہت جلد یہ لوگ
 مدینہ طیبہ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے جس کا تذکرہ عام الوفود کے حالات میں کیا
 جائے گا۔

طائف سے واپسی

ایک دن حضرت خویلد نے حضرت فاروق اعظم کو بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے
 کہ اس سال مجھے طائف فتح کرنے کا اذن نہیں ملا۔ یہ سن کر حضرت فاروق اعظم بارگاہ
 رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یا رسول اللہ! خویلد نے مجھے حضور کی طرف سے یہ
 بات بتائی ہے، کیا حضور نے یہ فرمایا ہے؟ حضور نے فرمایا، ہاں! میں نے ایسا کہا ہے۔ کیا حضور
 کو اس سال طائف فتح کرنے کا اذن نہیں ملا؟ فرمایا نہیں۔ حضرت عمر نے عرض کی، کیا میں
 کوچ کا اعلان کر دوں؟ حضور نے فرمایا کر دو۔ چنانچہ حضرت عمر نے اعلان کر دیا کہ لشکر اسلام
 کل صبح واپس روانہ ہو جائے گا۔ لوگوں نے جب یہ اعلان سنا تو انہوں نے داوڑا شروع کر دیا
 کہ کیا طائف کو فتح کئے بغیر ہم واپس چلے جائیں گے؟ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا
 کہ اگر تمہیں طائف کو فتح کئے بغیر واپس جانا ناگوار ہے تو پھر صبح سویرے دشمن کے ساتھ
 جنگ شروع کر دو۔ چنانچہ مسلمان صبح سویرے میدان جنگ میں پہنچ گئے۔ اہل طائف نے
 ان پر زبردست تیر بر سائے جس سے مسلمان بڑی تعداد میں زخمی ہو گئے۔ اسی معرکہ میں
 ابوسفیان بن حرب کی ایک آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔ اور وہ اپنی آنکھ کے ڈھیلے کو ہاتھ میں لئے
 بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے فرمایا ابوسفیان! تمہیں کیا پسند ہے، کیا اس کے
 بدلے میں تم جنت میں آنکھ لینا چاہتے ہو یا اللہ سے دعا کروں اور تمہاری یہ آنکھ درست ہو
 جائے؟ حضرت ابوسفیان نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے جنت میں آنکھ عطا فرمائیں۔ انہوں نے
 آنکھ کا ڈھیلہ جو اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا زمین پر دے مارا۔ پھر عہد فاروقی میں ابوسفیان کو جنگ

برہمک میں شرکت کا موقع ملا۔ وہاں انہوں نے کفر سے جنگ کی۔ اس جنگ میں آپ کی دوسری آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔ پھر حضور نے فرمایا:

إِنَّا قَافِلُونَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ. وَسُرُّوا بِذَلِكَ وَأَذْعَنُوا وَ
جَعَلُوا يَرْحَلُونَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَضْحَكُ -

”ہم ان شاء اللہ اب لوٹ جائیں گے۔ یہ سن کر لوگوں کو بڑی خوشی ہوئی اور کوچ کی تیاریوں میں منہمک ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ یہ منظر دیکھ کر ہنسنے لگے۔“

اس جنگ میں بارہ صحابہ کرام شہید ہو گئے۔ جن میں سے سات قریش کے مختلف قبائل سے تھے، چار انصاری تھے اور ایک شخص بنو لیث قبیلہ کا فرد تھا۔
شہداء طائف کے اسماء گرامی

1۔ سعید بن سعید بن العاص بن امیہ

2۔ عرفتہ بن حباب

3۔ یزید بن زمعہ بن الاسود

4۔ عبد اللہ بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما

5۔ عبد اللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ الخزرجی

6۔ عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ

7۔ السائب بن الحارث بن قیس

8۔ عبد اللہ بن الحارث

9۔ جلیجہ

10۔ ثابت بن الجذع۔ ان کا نام ثعلبہ السلمی تھا

11۔ حارث بن سہل مصعبہ

12۔ منذر بن عبد اللہ بن نوفل رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ (1)

عروہ بن مسعود کی شہادت

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب طائف سے مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے تو عروہ بن مسعود طائف پہنچے۔ جب انہیں پتا چلا کہ رحمت عالمیاں واپس مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے ہیں تو حضور کے دیدار کا شوق انہیں کشاں کشاں حضور پاک کے پیچھے لے آیا اور راستے میں ہی ان کی ملاقات حضور پاک سے ہو گئی۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے اجازت ہو تو میں واپس طائف چلا جاؤں اور اپنی قوم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دوں۔ حضور پاک نے فرمایا تمہاری قوم تمہیں کہیں قتل نہ کر دے۔ عروہ کہنے لگا، یا رسول اللہ! وہ تو مجھ پر جان چھڑکتے ہیں اور اپنی کنواری بچیوں سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ بلاشبہ اپنی قوم میں وہ مخدوم اور مطاع تھا۔ وہ جب پہنچا، اسے امید تھی کہ جب یہ انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دے گا تو بد تامل وہ اسے قبول کر لیں گے۔ لیکن جب اس نے ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اپنی قوم کو اسلام قبول کرنے کی تلقین کی تو انہوں نے اسے اپنے تیروں کا نشانہ بنایا جن کے لگنے سے اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اپنی وفات سے پہلے انہوں نے ایک بڑا ایمان افروز جملہ کہا گرامۃً اَکْرَمَیْنِی اللّٰہُ تَعَالٰی بِہَا وَشَہَادَۃً سَادَہَا اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَیَّ یہ بڑی عزت افزائی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرف فرمایا ہے۔ یہ میری موت شہادت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے ارزنی فرمائی۔ ”میرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا جو میرے دوسرے شہید بھائیوں کے ساتھ کرو گے اور مجھے انہیں شہداء کے پہلو میں دفن کر دینا۔“ (۱)

عروہ جیسے محبوب اور ہر دل عزیز رئیس کو انہوں نے قتل تو کر دیا لیکن اس سانحہ نے ان کو ہل کر رکھ دیا۔ اب انہیں اپنی اس حماقت کا احساس ہونے لگا۔ انہوں نے اپنے چاروں طرف نظر دوڑائی تو ارد گرد آباد قبائل کی غالب اکثریت نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اب ان کی مثال ایک چھوٹے سے جزیرے کی تھی جس کو چاروں طرف سے سمندر نے گھیر رکھا ہو۔ انہوں نے سوچا کہ اگر اب بھی وہ کفر پر اڑے رہے تو وہ اسلامی لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور انہیں عبرت ناک شکست سے دوچار ہونا پڑے گا۔ انہوں نے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ وہ عبدیالیل کو حضور پاک کے پاس بھیجیں۔ عبدیالیل نے ان کی اس درخواست کو مسترد

کر دیا۔ انہوں نے کہا تم میرے ساتھ بھی وہی سلوک کرو گے جو تم نے عروہ کے ساتھ کیا ہے۔ عبد یلیل نے کہا کہ میرے ساتھ اپنا ایک وفد روانہ کرو۔ چنانچہ یہ وفد مدینہ طیبہ پہنچا (۱)۔ اس وفد کی ہار گاہ رسالت میں حاضری اور اس کے خوش آئند نتائج کا تذکرہ ہم عام الوفود کے ضمن میں کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی طائف سے جعرانہ واپسی

حضور نبی پاک ﷺ طائف سے روانہ ہو کر دھننا آئے، وہاں سے قرن المنازل پہنچے، وہاں سے خلد تشریف لائے۔ وہاں سے جعرانہ قدم رنجہ فرمایا، جو مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے جہاں اموال غنیمت کو اور جملہ قیدیوں کو جمع کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی رحمت ﷺ طائف سے جعرانہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو میری حضور پاک سے ملاقات ہو گئی۔ میں مجمع کو چیرتا ہوا حضور پاک کے پاس پہنچ گیا۔ لوگ گروہ درگروہ حضور کے آگے آگے جا رہے تھے۔ میں انصار کے سواروں کے دستہ میں کھڑا ہو گیا۔ وہ نیزوں سے مجھے کچوکے دینے لگے۔ مجھے کہتے سامنے سے ہٹ جاؤ، ہٹ جاؤ، تم کون ہو؟ انہوں نے مجھے پہچانا نہیں تھا۔ جب میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے قریب پہنچ گیا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ یہاں سے حضور میری آواز سن سکتے ہیں تو میں نے وہ گرامی نامہ جو سفر ہجرت میں صدیق اکبر نے مجھے لکھ کر دیا تھا، اپنی حبیب سے نکال اور اپنی دو انگلیوں میں پکڑا اور اپنے اس ہاتھ کو بلند کر کے آواز دی اِنَّا سَرَّاقَةُ بْنُ جُعْشَمٍ وَهَذَا اِيْتَانِي "یا رسول اللہ! میں جعشم کا بیٹا سراقہ ہوں اور یہ ہے حضور کا گرامی نامہ" (جس میں میرے لئے حضور نے امان لکھی ہے۔) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ یہ دن وعدہ کو پورا کرنے اور نیکی کرنے کا دن ہے۔ سراقہ کو میرے نزدیک کرو۔ چنانچہ صحابہ نے مجھے حضور کے نزدیک جانے دیا۔ مجھے حضور پاک کی پندلی مبارک نظر آنے لگی جو چمک رہی تھی۔ جب میں حضور کے قریب پہنچ گیا تو میں نے سلام عرض کیا۔ میں نے کوئی اور مطالبہ کرنے کے بجائے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! جس حوض کو میں نے اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کیلئے بھرا ہوا ہے، اگر کوئی بھاگا ہوا اونٹ اس حوض سے پانی پئے تو کیا مجھے اس کا

اجڑے گا؟ سرکار نے فرمایا:

نَعْمَ فِي كُلِّ ذَاتٍ كَبِيرٍ خَيْرٌ أَجْرٌ

”ہاں! ہر وہ جانور جس کا کلیجہ ہو اس کے پانی پینے سے تجھے ثواب ملے گا۔“

وقد ہوازن کی آمد

سرکارِ دو عالم ﷺ فداہ قلبی و روحی جب جعرانہ پہنچ گئے تو ہوازن کی طرف سے چودہ آدمیوں کا ایک وفد خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ ان کا رئیس زہیر بن صرد تھا۔ ان میں حضور پاک ﷺ کا رضاعی چچا ابو برقان بھی تھا۔ ان سب نے اسلام قبول کر لیا اور عرض کی، یا رسول اللہ! ہماری اصل ایک ہے۔ ہم ایک قبیلہ کے فرد ہیں۔ ہمیں ایسی معصیت پہنچی ہے جو حضور پر مخفی نہیں۔ حضور ہم پر احسان فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنے احسانات فرمائے، پھر ان کا خطیب اور رئیس زہیر بن صرد کھڑا ہوا اور عرض کی:

یا رسول اللہ! ان قیدیوں میں حضور کی پھوپھیاں، خالائیں اور دائیاں بھی ہیں جو حضور کی خدمت کیا کرتی تھیں اور اگر ہم مکہ کے رؤساء میں سے حارث بن ابی شمر، نعمان بن منذر کے پاس بطور اسیر ان جنگ پیش کئے جاتے تو وہ ضرور ہم پر مہربانی کرتے اور ہمیں معاف کر دیتے۔ یا رسول اللہ! آپ تو بہترین کفالت کرنے والے ہیں۔ پھر اس نے اپنا ایک قصیدہ پڑھ کر سنایا جس کے چند اشعار آپ بھی سماعت فرمائیے:

أَمِنُّ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ فِي كَرَمِهِ
فَإِنَّكَ الْمَرْءُ تَوَجُّوْكَ وَنَنْتَظِرُ

”اے اللہ کے رسول! ہم پر کرم فرماتے ہوئے احسان فرمائیے کیونکہ آپ کی وہ ذات ہے جس سے خیر کی امید کی جا سکتی ہے اور جس کے احسان کا انتظار کیا جاتا ہے۔“

أَمِنُّ عَلَى نِسْوَةٍ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعُهَا
يَا ذُفُوكَ مَمْلُوءَةً مِّنْ مَّحْضِهَا الدُّنْمُ

”ان عورتوں پر احسان فرمائیے جن کا آپ دودھ پیا کرتے تھے اور آپ

کادہن مبارک ان کے خالص دودھ سے بھر جاتا تھا۔“

إِنَّا نُوَمِّلُ عَفْوَاً مِنْكَ تَلِيْسَةً

هَآدِي الْبَرِيَّةِ اِنْ تَعْفُو وَتَنْتَصِرُ (1)

”ہم حضور سے عفو و درگزر کی توقع رکھتے ہیں۔ حضور ساری مخلوق کے راہبر ہیں۔ اگر حضور عفو و درگزر سے کام لیں اور ہماری مدد فرمائیں تو بعید از کرم نہ ہوگا۔“

اس قصیدہ کو سن کر حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، مجھے وہ بات محبوب ہے جو سچی ہو۔ ان دو چیزوں سے ایک چیز کو جن لو، یا اپنے جنگی قیدیوں کو یا اپنے مال مویشیوں کو۔ میں نے آج تک تمہارا انتظار کیا اور مال غنیمت تقسیم کرنے میں دانت تاخیر کی۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! حضور نے ہمیں اپنی عورتوں اور بچوں اور مال مویشی میں سے ایک چیز چننے کا اختیار دیا ہے۔ حضور ہماری عورتوں اور بچوں کو ہمیں واپس فرما دیجئے۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا، ان قیدیوں میں سے جو میرا حصہ ہے اور عبدالمطلب کے کسی فرزند کا حصہ ہے، وہ تو میں تمہیں واپس کرتا ہوں۔ بقیہ قیدیوں کے بارے میں تم ایسا کرنا کہ جب میں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ چکوں تو تم کھڑے ہو جانا اور یوں گویا ہونا کہ ”ہم مسلمانوں کے سامنے حضور کو بطور شفعہ پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بارگاہ رسالت میں اپنا شفعہ پیش کرتے ہیں اپنے بچوں اور عورتوں کی واپسی کے سلسلہ میں۔ تم جب اس طرح کہو گے تو میں اپنے حصہ کے جنگی قیدی تمہارے حوالے کر دوں گا۔ اور دوسرے مسلمانوں سے ان کے حصہ کے جنگی قیدیوں کے بارے میں واپسی کا مطالبہ کروں گا۔“ نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ظہر کی نماز سے فارغ ہو گئے تو وہ لوگ کھڑے ہو گئے، جس طرح سرکارِ دو عالم ﷺ نے انہیں سمجھایا تھا اسی طرح اپنی گزارش پیش کی۔ حضور مسلمانوں کے اجتماع میں کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی ثناء کی جس طرح اس کی ثناء کرنے کا حق ہے۔ پھر سب حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ”یہ تمہارے بھائی ہیں جو اب تائب ہو کر تمہاری خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ میں نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ ان کے قیدیوں کو واپس کر دوں۔ جو شخص اپنی مرضی سے ایسا کرنا چاہتا ہے وہ بے شک ان کے قیدیوں کو واپس کر

دے اور جو شخص اپنے حصہ کے اسیران جنگ سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں تو وہ اپنے حصہ کے قیدی اپنے پاس رکھے۔ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے جو اموال فنی ہمیں عطا فرمائے گا اس میں سے ہر مجاہد کو جو حصہ ملے گا اس سے چھ گنا قیدی ہم اس کو معاوضہ دیں گے۔“ یہ سن کر سارے مجاہد یک زبان ہو کر بولے:

وَمَا كَانَتْ لَنَا قَهْوِلُ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

”جو جنگی قیدی ہمارے ہیں وہ ہم اللہ کے رسول کی نذر کرتے ہیں۔“

اسی طرح سب انصار نے عرض کی وَمَا كَانَتْ لَنَا قَهْوِلُ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ”جو جنگی قیدی ہمارے حصہ میں آئے ہیں ہم وہ سارے کے سارے بارگاہ رسالت میں بطور نذرانہ پیش کرتے ہیں۔“

صحابہ کرام کے ایمان، تسلیم اور اپنے آقا کے ارشاد کی تعمیل کی یہ حالت تھی کہ جو ان کے ہادی برحق کی خواہش ہوتی، وہی ان کی خواہش ہوتی اور حضور ﷺ کی ہر پسند ان کیلئے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔

مجاہدین و انصار کے علاوہ جو قبائل حلقہ مجوش اسلام ہوئے تھے ان کے فکر کا انداز مختلف تھا۔ بنو تمیم کے سردار اقرع بن حابس نے کہا اَمَّا اَنَا وَبَنُو تَمِيمٍ فَلَا كَ میں اور بنو تمیم اپنے حصہ کے جنگی قیدیوں سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں۔“

بنو فزارہ، کارئیس عینہ بن حصن بولا اَمَّا اَنَا وَبَنُو فِزَارَةَ فَلَا ”کہ میں اور بنو فزارہ بھی اپنے جنگی قیدیوں کو واپس کرنے کے لئے تیار نہیں۔“

بنو سلیم کے رئیس عباس بن مرداس سلمی نے کہا اَمَّا اَنَا وَبَنُو سُلَيْمٍ فَلَا کہ میں اور بنو سلیم بھی اپنے حصہ کے جنگی قیدیوں کو واپس نہیں کریں گے۔“ (1)

لیکن بنو سلیم جو صادق الایمان مسلمان تھے اور اپنے ہادی برحق کے اشارہ امداد پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے بے تاب رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے رئیس کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا بلکہ عرض کیا اَمَّا اَنَا وَبَنُو سُلَيْمٍ فَلَا کہ میں اور بنو سلیم اللہ تعالیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یعنی ”جو جنگی قیدی ہم غلاموں کے حصہ میں آئے ہیں وہ سب اللہ کے رسول کی بارگاہ عالی

میں پیش کرتے ہیں۔ "عباس بن مرداس نے اپنی قوم کو کہا کہ تم نے مجھے رسوا کیا۔
 اقرع بن حابس، جس نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا وہ منوالہ استوب میں سے
 تھا۔ وہ فیضانِ صحبتِ مصطفوی سے ابھی کندن نہیں بنا تھا۔ اس میں ابھی کئی آئیے باقی
 تھیں وہ منوالہ القلوب کے مقام سے اوپر نہ بڑھ سکا۔

عیینہ بن حصین بھی اجڑ بدوؤں سے تھا۔ فتح مکہ کے بعد اس نے صرف زبان سے اسلام
 کا اقرار کیا تھا، وہ پھر مرتد ہو گیا اور طلحہ اسدی، جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا وہ اس کا حقد
 بگوش بن گیا۔ (1)

امیر ان جنگ کے تصفیہ کے بعد حضور اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے۔ لوگ حضور کے پیچھے
 پیچھے چل رہے تھے۔ بدو حضور کے ساتھ لٹکے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے "یا رسول اللہ!
 ہماری فنی کو ہم پر تقسیم فرمائیے۔" انہوں نے حضور کو ایک درخت کے نیچے جانے پر مجبور
 کیا اور چادر تک اتار لی۔ حضور نے فرمایا۔ میری چادر تو مجھے واپس کرو۔ مجھے اس ذات کی
 قسم! جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، اگر میرے پاس تمہارے حصے کے اتنے
 اونٹ ہوتے جتنے تمہارے درخت ہیں تو ان سب کو میں تم پر تقسیم کر دیتا اور اگر اتنے
 اونٹ ہوتے جتنے کانٹے ہیں تو میں ان کو بھی تقسیم کر دیتا۔ تم مجھے اسوال فنی کو تقسیم کرنے
 میں نہ بخیل پاتے، نہ غلط بیانی کرنے والے پاتے اور نہ بزدل پاتے۔

رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کی کوہان سے ایک بال لیا۔ اس بال کو اپنے دونوں انگلیوں
 کے درمیان رکھا، پھر بلند کیا اور کہا اے لوگو! تمہاری فنی میں سے اس بال کے برابر بھی میرا
 حصہ نہیں ہے۔ میرا حصہ صرف خمس میں ہے اور وہ خمس بھی میں تم میں تقسیم کر دیا کرتا
 ہوں۔ مالِ غنیمت سے اگر کسی نے کوئی دھاگیا سوئی بھی ناحق لی ہے تو وہ واپس کر دو کیونکہ
 مالِ غنیمت میں خیانت قیامت کے دن باعثِ ننگ و عار ہوگی۔ آتشِ جہنم کے عذاب کا
 سبب اور بہت بڑا عیب ہوگی۔ (2)

سرکارِ دو عالم ﷺ کا یہ زہد کوئی استثنائی صورت نہ تھا بلکہ حضور کی ساری زندگی اس زہد سے
 عبارت تھی۔ کئی کئی مہینے گزر جاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں آگ نہیں جلتی

تھی۔ حضرت عروہ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے پوچھا، خالہ جان! آپ کی گزران کیسی تھی؟ آپ نے فرمایا، صرف اسودان پر یعنی کھجور اور پانی پر گزر اوقات ہوتا تھا۔ ہمارے پڑوس میں انصار کے گھر تھے انہوں نے بکریاں پال رکھی تھیں۔ ہمیں وہ اپنی بکریوں کا دودھ بھجوا کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

دوسری حدیث میں ام المومنین عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ آل محمد کو تین دن لگا تار گندم کی روٹی میسر نہیں ہوتی تھی۔ حضور اگر چاہتے تو شاہانہ زندگی بسر کر سکتے تھے لیکن حضور نے شاہانہ زندگی پر فقیرانہ زندگی کو ترجیح دی وَلَیْكَ نَصْرُ اللَّهِ اِنَّ مَعَ الْعِزَّةِ لِلْفَقْرِ وَرَفَضَ اَنْ یَّکُوْنَ مَعَهُ نَبِیًّا۔ ”لیکن آپ ﷺ نے بندہ اور نبی ہونا پسند فرمایا اور بادشاہ اور نبی ہونے کو قبول نہ فرمایا۔“ جب مسلمانوں نے سرور دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد سنا کہ ”اگر کسی نے دھاگایا سوئی مال غنیمت سے ناحق لیا ہے تو واپس کر دے“ ایک انصاری آیا جس کے پاس باؤں سے بنا ہوا دھاگا تھا، اس نے عرض کی، یا رسول اللہ میں نے مال غنیمت سے دھاگا اٹھیا ہے تاکہ اپنے زخمی اونٹ کو ڈھانپنے کیسے ایک کپڑا بناؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس میں جنت میرا حق ہے وہ میں تجھے دیتا ہوں۔ اس آدمی نے وہ دھاگا واپس کر دیا۔

عدل و انصاف کا نادر نمونہ

حضرت عبداللہ بن ابی بکر سے مروی ہے کہ حنین کے ایک مجاہد نے بتایا کہ وہ حضور کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور میں اپنی اونٹنی پر سوار تھا۔ میرے پاؤں میں اس وقت موٹی جوتی تھی۔ میری اونٹنی حضور کی اونٹنی کے ساتھ آٹکرائی۔ اس طرح میری موٹی جوتی کا ایک کنارہ حضور کی پنڈلی مبارک کے ساتھ جا ٹکرایا جس سے حضور کو تکلیف ہوئی۔ حضور کے دست مبارک میں ایک چھری تھی۔ آپ نے اس سے میرے پاؤں پر مارا اور فرمایا۔ تو نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، مجھ سے پیچھے ہو کر چلو۔ میں ایک طرف ہو گیا۔ دوسرے روز حضور نے مجھے تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جب مجھے پتا چلا، میں نے یہ خیال کیا کہ کل میں نے حضور کو اذیت پہنچائی تھی اس کے بارے میں شاید حضور مجھے سرزنش فرمائیں گے۔ میں حاضر ہوا۔ مجھے تو یہ اندیشہ تھا کہ مجھے کل والی غفلت پر سرزنش کی جائے گی لیکن حضور نے میری توقعات کے بالکل برعکس فرمایا۔ کل تیرا پاؤں میری پنڈلی سے ٹکرایا تھا جس سے

مجھے اذیت پہنچی تھی اور میں نے چھڑی سے تمہارے پاؤں کو مارا تھا۔ اب میں نے تمہیں بدایا ہے تاکہ اس چھڑی مارنے کا تمہیں معاوضہ ادا کروں۔ پس حضور نے مجھے اسی بکریاں اس کے بدلے میں عطا فرمائیں۔ (1)

مؤلفۃ القلوب

جن لوگوں کے دلوں میں الفت پیدا کرنے کیلئے اموال غنیمت میں سے حَظّ وافر دیا گیا انکی تین قسمیں ہیں:

1۔ پہلی قسم ان لوگوں کی تھی جن کے دلوں میں اسلام کے بارے میں بغض و عناد کی آگ بھڑک رہی تھی۔ ان کو ان کی توقع سے زیادہ جب مال غنیمت دیا گیا تو ان کے دلوں سے اسلام کے خلاف بغض و عناد کے جذبات کا فور ہو گئے اور انہوں نے صدق دل سے اسلام کو قبول کر لیا اور ان کے مشرف باسلام ہونے سے اسلام اور اہل اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوئی جیسے صفوان بن امیہ۔

2۔ دوسری قسم ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے اسلام تو قبول کر لیا تھا لیکن ان اموال غنیمت کے ملنے سے ان کا عقیدہ مزید پختہ ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لَا تُعْطِ الْوَجَلَ وَغَيْرَهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةً أَنْ
يُكْتَبَ فِي الْغَايِبِ عَلَى وَجْهِهِ

”میں بسا اوقات ایک شخص کو اموال کثیرہ دیتا ہوں حالانکہ دوسرا شخص مجھے اس شخص سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ میں اس کو اس سے زیادہ دیتا ہوں تاکہ وہ پھر پھسل نہ جائے اور اسے دوزخ میں اوندھا کر کے نہ پھینک دیا جائے۔“

3۔ تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جن کے شر سے اہل اسلام کو بچانے کے لئے انہیں اموال کثیرہ دیئے گئے جس طرح عیینہ بن حصین، عباس بن مرداس اور اقرع بن حابس کو۔ ان لوگوں کو سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس لئے اموال غنیمت سے حَظّ وافر عطا فرمایا تاکہ یہ لوگ مسلمانوں کو اذیت دینے سے باز آجائیں۔ ان تینوں قسموں کی مجموعی تعداد تیس تھی اور ان کو

اموال غنیمت میں سے یہ انعام و اکرام نہیں دیا گیا بلکہ غصہ میں سے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ مجاہدین کی بھی گنتی کریں اور جو اموال غنیمت حاصل ہوئے ہیں ان کو بھی گنتیں اور پھر ان مجاہدین پر تقسیم کریں۔ انہوں نے حساب کیا تو ہر پیدل مجاہد کے حصہ میں چار اونٹ اور چالیس بھیڑیں آئیں اور سواروں کے حصہ میں اس سے تین گنا یعنی بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بھیڑیں آئیں۔ اگر کسی سوار کے پاس ایک گھوڑے کے بجائے دو گھوڑے ہوتے تو اسے بھی ایک گھوڑے کا حصہ ملتا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اموال غنیمت سے جو غصہ تھا، جو اللہ کے پیارے رسول کا حصہ تھا، اس میں سے ان لوگوں کو فیاضانہ انعامات سے مالا مال فرمایا۔ جن لوگوں کو زیادہ حصہ دیا گیا ان میں سے ایک ابوسفیان بن حرب تھے۔ ان کو چالیس اوقیہ چاندی اور سواونٹ دیئے گئے۔ ابوسفیان نے عرض کی، میرا بیٹا زید بھی لشکر اسلام میں شامل تھا، اس کا حصہ؟ حضور نے اسے بھی چالیس اوقیہ چاندی اور سواونٹ دیئے۔ ابوسفیان نے پھر عرض کی، میرا بیٹا محادیہ، وہ بھی لشکر اسلام میں شامل تھا اس کا حصہ؟ حضور نے اسے بھی چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سواونٹ عطا فرمائے۔ جو دو سخا کی یہ بارش دیکھ کر ابوسفیان عرض پر داز ہوئے:

إِنِّي أَنْتَ وَابْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ لَأَنْتَ كَرِيمٌ فِي الْحَرْبِ وَفِي
الْسَّلَامِ لَقَدْ حَارَبْتُكَ فَنِعِمَّ الْمَسَارِبُ كُنْتُ وَقَدْ سَأَلْتُكَ
فَنِعِمَّ الْمَسَالِمُ أَنْتَ هَذَا غَايَةُ الْكَرَمِ جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا (۱)

”اے اللہ کے پیارے رسول! میرے ماں باپ حضور پر قربان! بیشک حضور جنگ اور صلح دونوں حالتوں میں بڑے کریم ہیں۔ میں نے آپ کے ساتھ جنگ بھی کی تو آپ بہترین شخص تھے جن سے جنگ کی جانی ہے۔ پھر میں نے آپ کے ساتھ صلح کی تو آپ بہترین مصالحت کرنے والے تھے۔ جو دو کرم میں آپ کا مقام سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔“

دوسرا شخص جس کو بہت زیادہ حصہ ملا، وہ حکیم بن حزام تھے۔ پہلے نبی اکرم ﷺ نے انہیں ایک سواونٹ دیئے۔ انہوں نے عرض کی، ایک سواونٹ مزید دیجئے، حضور نے وہ

بھی عطا فرمائے۔ پھر انہوں نے عرض کی، ایک سواونٹ اور دیجئے۔ حضور نے تیسری بار بھی انہیں ایک سواونٹ عطا فرمائے۔ پھر انہیں نصیحت کی۔ فرمایا، اے حکیم! یہ مال بہت سبز اور میٹھا ہے۔ جو اس کو سخاوت نفس کے ساتھ حاصل کرتا ہے اس کے لئے اس میں برکت ڈال دی جاتی ہے اور جو حرص و لالچ کی وجہ سے لیتا ہے، اس کے لئے اس میں برکت نہیں ڈالی جاتی۔ وہ اس آدمی کی طرح بن جاتا ہے جو کھاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا۔ حکیم سنو! اوپر والا ہاتھ (دینے وال) نیچے والا ہاتھ (لینے وال) سے بہتر ہے۔

ان کلمات کا یہ اثر ہوا کہ حکیم نے ایک سواونٹ لے لئے اور باقی دو سواونٹیں کر دیئے اور عرض کی، یا رسول اللہ! مجھے اس خدا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں اس کے بعد حضور سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گا اور حضور کے بعد بھی کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا یہاں تک کہ میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ (1)

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب صحابہ میں عطیات تقسیم کرتے تو حکیم بن حزام کو بھی بلائے کہ اپنا حصہ لے جاؤ لیکن وہ ہمیشہ قبول کرنے سے معذرت کرتے۔ اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی اپنے عہد خلافت میں انکو بلائے رہے تاکہ مال فنی سے وہ اپنا حصہ لیں۔ پھر بھی آپ نے اپنا حصہ لینے سے انکار کیا۔ سیدنا عمر نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ إِنِّي أَعْرِضُ عَلَيْكُمْ حَقَّهُ الَّذِي
قَسَمَ اللَّهُ لَهُ مِنْ هَذَا النَّقْيِ وَيَأْتِي أَنْ يَأْخُذَكَ

”مال فنی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو جو حصہ دیا ہے، میں نے انہیں پیش کیا

ہے لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔“

حضرت حکیم نے کبھی کسی شخص سے کوئی چیز نہیں مانگی یہاں تک کہ وہ دنیائے فانی سے عالم آخرت کو تشریف لے گئے۔ جن لوگوں کو سو سواونٹ دیئے گئے انکے نام یہ ہیں۔

نصیر بن حارث بن کلدہ، علاء بن حارثہ اشقی، حارث بن ہشام، حویطب بن عبد العزیٰ بن ابی قیس، علقمہ بن علاشہ، جبیر بن مطعم، سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ۔ اس شخص پر حضور کا ابر جو دو کرم اس طرح برسا کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے

مَا زَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيَنِي مِنْ

عَنَّا يَوْمَ حُنَيْنٍ وَهُوَ الْغَيْصُ الْخَلْقِي إِلَىٰ حَتَّىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ
شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْهُ۔

”یعنی حضور حنین کے اموال غنیمت سے مجھ کو دیتے گئے، دیتے گئے
یہاں تک کہ ذات پاک مصطفیٰ جو میرے نزدیک اللہ کی ساری مخلوق
سے زیادہ مغفوض تھی وہ سب سے زیادہ محبوب ہو گئی۔“

اقرع بن حابس التميمي بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اصحاب المین کہا جاتا ہے یعنی
وہ لوگ جن کو سواونٹ عطا کئے گئے۔

نبی اکرم ﷺ نے عباس بن مرداس کو جو ایک گنوار اور اجڑہ بدو تھا، ایک سواونٹ سے
کم اونٹ عطا فرمائے تو اس نے ایسے اشعار نظم کئے جس میں کم اونٹ ملنے پر شکوہ و شکایت کا
طومار باندھا۔ اللہ کے کریم نبی ﷺ نے فرمایا۔ اس کی زبان کاٹ دو۔ حضور نے اس کو اتنا دیا
کہ وہ راضی ہو گیا اور آئندہ اس کے لئے ممکن نہ رہا کہ وہ شان رسالت میں کسی گستاخی کا
ارتکاب کرے۔

جن لوگوں کو سو سے کم اونٹ دیئے گئے ان کے نام یہ ہیں۔ ان سب کا تعلق قبیلہ
قریش سے ہے۔ مخزومہ بن نوفل بن اہیب الزہری، عمر بن وہب الجحفی، ہشام بن عمرو، اخو
بن عامر بن لوی، سعید بن ربیع بن عیشہ اور عدی بن قیس السبکی۔ (۱)

ایک دلچسپ واقعہ

ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کی، یا رسول اللہ! حضور نے عیینہ اور اقرع کو
سو سواونٹ دیئے ہیں اور جمیل بن سراقہ انصاری کو بالکل محروم رکھا ہے حالانکہ وہ اصحاب
صفہ میں سے ہے اور فقراء میں سے ہے اور قدیم الاسلام ہے۔ حضور نے فرمایا، اس ذات کی
قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میں نے عیینہ اور اقرع کو اس لئے سو
سواونٹ دیئے ہیں تاکہ ان کے دل میں اسلام کی الفت پیدا ہو جائے اور وہ اسلام کو مضبوط
ہاتھوں سے پکڑ لیں۔ ہم نے جمیل بن سراقہ کو اسلام کے حوالہ کر دیا ہے یعنی اس کے دل
میں جو اسلام کی سچی محبت ہے اس کے لئے وہی کافی ہے، وہ اس کے پاؤں کو راہ حق سے پھسلنے

نہیں دے گی۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ان اکابر مہاجر و انصار کو جنہوں نے ساری زندگیاں اور اپنے سارے مالی وسائل خدمت دین کیسے وقف کر رکھے تھے، کچھ نہیں دیا بلکہ ان کو ان کے ایمان کے حوالے کر دیا۔

مؤلفہ۔ القلوب کو اس لئے عطا فرمایا گیا تاکہ ان کے قدم کسی وجہ سے پھسنے نہ پائیں۔ ایمان کا جو درخت ان کے دل کی سر زمین میں لگایا گیا ہے وہ سو کھنے نہ پائے بندہ رہتا۔ شاداب رہے۔ ان لوگوں نے شرک اور عہد جاہلیت سے ابھی اپنا تعلق توڑ تھا۔ پھر کسی وجہ سے وہ حق سے پھر کرباط کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ ان خطرات سے بچانے کیلئے رحمت عالم ﷺ نے ان پر مال و دوست کی وہ بارش فرمائی کہ ان کے ایمان کی جڑیں گہری ہو گئیں۔ اس کے بعد کوئی طوفان برق و باد نہیں اپنی جگہ سے جنبش نہ دے سکا۔

انصار کی خلش کا ازالہ

جب سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان ضعیف ایمان و لوگوں پر اپنے جو دگر مئی بارش کی اور انہیں سینکڑوں اور ہزاروں بھیڑ بکریوں کا مالک بنادیا تو انصار میں سے بعض لوگوں کی رہن سے یہ نکلا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ يُعْطِیْ
قُرَیْشًا وَیَتْرُکُنَا وَسِیْوَانَا نَقْطُرُ مِنْ دِمَآءِہُمْ

”اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے درگزر فرمائے کہ حضور قریش کو تو فیاضی سے اموال دے رہے ہیں اور ہمیں محروم چھوڑ رہے ہیں، حالانکہ ہماری ملکواروں سے ابھی تک ان دشمنانِ اسلام کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔“

وہ اب مال غنیمت سے لدے پھندے واپس جا رہے ہیں۔ جب شدت و امتحان کا موقع آتا ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور مال غنیمت غیروں کو بخش جاتا ہے۔ انصار میں سے ایک آدمی نے اپنے دوستوں کو کہا، بخدا! میں تمہیں بتایا نہیں کرتا تھا کہ اگر حضور کے حالات درست ہو جائیں تو وہ اپنے قبیلہ کو تم پر ترجیح دیں گے۔ یہ بات سن کر انصار کے غصہ کی حد نہ رہی اور اسے بری طرح جھڑکا کہ اسی بات کرتے ہوئے تمہیں حیا نہیں آتی۔

ایک مرتبہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی، یا رسول اللہ! انصار کا یہ قبیلہ دل ہی دل میں بہت ناراض ہے۔ حضور نے پوچھا کس وجہ سے؟ حضرت سعد نے عرض کی، اس لئے کہ حضور نے سارے اموال غنیمت کو اپنی قوم میں اور دوسرے عربوں میں تقسیم کر دیا ہے اور انہیں کچھ نہیں دیا ہے۔ حضور نے فرمایا، سعد! تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے عرض کی، میں اپنی قوم کا ایک فرد ہو، جو ان کا خیال ہے وہ میرا خیال ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا سعد! جاؤ اور اپنی ساری قوم کو اس چھپر کے نیچے جمع کرو اور جب سارے جمع ہو جائیں تو مجھے بتاؤ۔ چنانچہ انصار اس چھپر کے نیچے جمع ہو گئے یہاں تک کہ وہ بھر گیا اور انہوں نے کسی غیر کو اپنے پاس نہ رہنے دیا۔ جب سارے جمع ہو گئے تو سعد نے عرض کی، یا رسول اللہ! سارے انصار حضور کے حکم کے مطابق اکٹھے ہو گئے ہیں۔ حضور ان کے پاس تشریف لے گئے۔

پہلے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جس طرح اس کی شان کے شایان ہے پھر ارشاد فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ مَا قَالَتْ بَلْعَثْنِي عَنْكُمْ وَجِدَ كَافِرٌ تَمُومًا
فِي أَنْفُسِكُمْ۔

”اے گروہ انصار! یہ کیا بات ہے جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہے۔ یہ کیا ناراضگی ہے جو تم اپنے دلوں میں محسوس کر رہے ہو؟“

پھر فرمایا:

اللَّهُ اِتَّكُمْ ضَلَالًا فَهَذَا اللَّهُ يُنِي

”کیا ایسا نہیں کہ میں جب تمہارے پاس آیا تھا تو تم گمراہ تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعہ ہدایت فرمائی۔“

وَعَالَةً وَأَهْنَاكُمْ اللَّهُ يُنِي

”جب میں آیا تو تم مفلس اور تنگ دست تھے، اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں غنی کر دیا۔“

وَأَعْدَاءُ فَأَلَفَ اللَّهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ

”تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پس اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت

پیدا کر دی۔“

سب نے عرض کی:

اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَمَنٌ وَّافِضٌ

”اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ احسان کرنے والے ہیں اور بزرگ

وہم تر ہیں۔“

پھر رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلَا تُجِيبُوْنِيْ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ؟

”اے گروہ انصار! میری ان باتوں کا تم جواب کیوں نہیں دیتے؟“

انہوں نے عرض کی:

قَالُوْا بَعْدَ اٰمِيْنُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَبِئْسَ وَلِيْرٌ لِّلْمَنِّ

وَالْفَضْلِ؟

”اے اللہ کے پیارے رسول! ہم حضور کے ارشادات کا کیا جواب دیں،

سارا احسان اور فضل و کرم تو اللہ کیسے اور اس کے رسول کیسے ہیں۔“

حضور نے فرمایا:

اَمَّا وَاللّٰهُ لَوْ شِئْتُمْ لَعَلَّمْتُ، فَلَصَدَقْتُمْ وَلَصَدَقْتُمْ

”بخدا! اگر تم چاہتے تو یہ جواب دیتے تو تمہارا یہ جواب سچ ہوتا اور سب

اس کی تصدیق کرتے۔“

اَتَيْنَا مُكَّةَ لَا فَصْدًا مِّنْكَ

”حضور جب ہمارے پاس تشریف لائے تو حضور کو جھنڈایا جاتا تھا۔ ہم

نے حضور کی تصدیق کی۔“

مَخْذُوْلًا فَنَصَرْنَاكَ

”آپ کا کوئی معاون نہ تھا، ہم نے آپ کی مدد کی۔“

وَطَرِيْدًا فَاَوْيَيْنَاكَ

”آپ کو اپنے شہر سے نکال دیا گیا تھا، ہم نے حضور کو پناہ دی۔“

وَعَائِلًا فَاَسْتَيْنَاكَ

”اس وقت حضور محمد ست تھے ہم نے آپ کی مالی امداد کی۔“

حضور نے فرمایا:

وَأَوْحَدْتُكُمْ عَلَىٰ يَأْمَعَشَرَ الْأَنْصَارِ فِي أَنْفُسِكُمْ فِي لُغَاةٍ
مِنَ الدُّنْيَا تَأَلَّفَتْ بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا وَوَكَلْتُكُمْ إِلَىٰ
إِسْلَامِكُمْ۔

”تم دنیا کی ایک معمولی چیز کیسے اپنے دلوں میں مجھ پر ناراض ہو گئے ہو۔
حال تکہ میں نے ان لوگوں کو اس انعام و اکرام سے اس لئے نوازا کہ ان
کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا ہو جائے اور وہ اسلام قبول کر لیں اور
میں نے تمہیں تمہارے اسلام کے سپرد کر دیا۔“

أَلَا تَرْضَوْنَ يَأْمَعَشَرَ الْأَنْصَارِ أَنَّ يَذْهَبَ النَّاسُ
بِالنَّشَاءِ وَالْبُعْثِ وَتَرْجِعُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَىٰ رِجَالِكُمْ۔

”اے گروہ انصار! تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ تو بکریاں اور
اونٹ لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم اللہ کے پیارے رسول کو اپنے
ساتھ اپنی اقامت گاہوں میں لے جاؤ۔“

قَوْلَ الَّذِي نَفْسٌ مُّحَمَّدٍ بِسَيْدِكُمْ لَهَا تَنْقَلِبُونَ بِهِ خَيْرٌ مِّمَّا
يَنْقَلِبُونَ بِهِ۔

”اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے جو نعمت
عظمتی لے کر تم لوٹ رہے ہو وہ بدرجہا بہتر ہے ان چیزوں سے جو وہ لے
کر جا رہے ہیں۔“

وَلَوْلَا الْهَجْرَةُ لَكُنْتُ إِمْرًا مِنَ الْأَنْصَارِ

”اگر ہجرت کا معاملہ نہ ہوتا تو میں قوم انصار کا ایک فرد ہوتا۔“

وَلَوْ سَلَكْتُ النَّاسَ شُعْبًا وَوَادِيًا وَسَلَكْتُ الْأَنْصَارَ
شُعْبًا وَوَادِيًا لَسَكَنْتُ شُعْبَ الْأَنْصَارِ وَوَادِيَهَا۔

”دوسرے لوگ اگر ایک گھاتی اور وادی میں چلتے اور انصار دوسری گھاتی

اور وادی میں چلتے تو میں اس وادی میں چلتا جس وادی اور گھٹی میں انصار
چلتے۔“

الْأَنْصَارُ رِشَاءُ النَّاسِ وَنَجَارُ

”تم انصار میری چادر کا اندروانا حصہ ہو اور دوسرے لوگ چادر کا باہر
والا حصہ ہیں۔“

آخر میں اپنے نیاز کی مشوں کے لئے دعا فرمائی۔ عرض کی:

اللَّهُمَّ ارْحِمِ الْأَنْصَارَ وَأَيُّهَا الْأَنْصَارُ وَأَيُّهَا أَبْنَاءُ الْأَنْصَارِ

”اے اللہ! انصار پر رحم فرما، انصار کے بیٹوں پر رحم فرما، انصار کے
پوتوں پر رحم فرما۔“

حضور کے دلوں میں اتر جانے والے ان کلمات طہیت نے انصار کی دنیا بدن کر رکھ
دی۔ وہ زار و قطار رونے لگے، آنسوؤں کا مینہ برسانے لگے یہاں تک کہ ان کی آنکھیں تر
ہو گئیں۔ اور سب نے یک زبان ہو کر عرض کی:

رَضِينَا بِاللَّهِ رَبًّا رَضِينَا بِرَسُولِ اللَّهِ كَسَمًا وَحَقًّا

”ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر راضی ہو گئے ہیں اور اللہ کے رسول نے
جو تقسیم فرمائی ہے اور حصہ ہمیں عطا فرمایا ہے، ہم اس پر راضی و
مطمئن ہیں۔“

پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے اور انصار اپنی اپنی قیام گاہوں میں
واپس چلے گئے۔ (1)

چند ایمان افروز واقعات

امام بخاری اپنی صحیح میں ابو موسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ میں جعرانہ کے
مقام پر حضور کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضرت بدل بھی وہاں موجود تھے۔ ایک اعرابی آیا
اور اس نے عرض کی اَلَا تُجِزُّنِي مَا وَعَدْتَنِي کہ ”تپ نے جو وعدہ میرے ساتھ کیا
ہے اس کو پورا نہیں کرتے؟“ حضور نے فرمایا ”تمہیں خوشخبری ہو۔“ وہ حقیقت ناشناس

کہنے لگا قَدْ أَكْثَرْتَ عَلَيَّ مِنْ آبِئِمْ حضور بار بار مجھے آبِئِمْ کا کلمہ فرماتے ہیں۔ "اس کی اس قدر ناشائسی سے حضور کے رخ انور پر ناگواری کے آثار رونما ہوئے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور جلال کو فرمایا، اس شخص نے میری بشارت کو مسترد کر دیا ہے، تم دونوں اس کو قبول کر لو۔ پھر حضور نے ایک پیالہ منگو لیا جس میں پانی تھا۔ حضور نے اسی سے دونوں مبارک ہاتھ اور رخ انور کو دھویا اور کلی کا پانی اس میں ڈال دیا۔ پھر ان دونوں کو فرمایا کہ تم اس سے پو اور اسی پانی کے چھیننے اپنے چہروں اور گردنوں پر ڈال لو اور تم مومنوں کو خوشخبری ہو۔ انہوں نے اس پیالہ کو لیا اور اپنے آقا کے ارشاد کی تعمیل کی۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ خیمہ میں تشریف فرما تھیں۔ انہوں نے جب یہ گفتگو سنی تو پس پردہ فرمایا اَفْضَلًا لِأَقْرَبِكُمْ "اپنی ماں کیلئے بھی کچھ بچانا۔" چنانچہ ان دونوں نے اسی پیالہ میں کچھ پانی رہنے دیا اور ام المومنین کی خدمت میں پیش کر دیا۔ (1)

علامہ ابن کثیر اسی مقام پر حضرت امام بخاری کی ایک اور روایت نقل کرتے ہیں جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے نجران کی بنی ہوئی ایک چادر جس کا کنارہ بہت کھر در اور موٹا تھا، اوڑھی ہوئی تھی۔ ایک بدو آیا اس نے بڑے زور سے اس چادر کو کھینچا یہاں تک کہ حضور علیہ السلام کی نازک گردن پر اس کے نشانات پڑ گئے۔ پھر اس بدو نے کہا مَرَدِفٌ مِنْ مَّاءٍ اَللّٰهُ الَّذِي عِنْدَكَ "اللہ تعالیٰ کا جو مال آپ کے پاس ہے حکم دیجئے کہ اس سے مجھے بھی حصہ دیا جائے۔" اس ناشائستہ حرکت پر سرکارِ دو عالم ﷺ نے قطعاً کسی برہمی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ اس کی طرف دیکھا اور ہنس دیئے اور اپنے کسی خادم کو حکم دیا کہ اس کو مال غنیمت سے کچھ عطیہ دیا جائے۔ (2)

مالک بن عوف نضری کی بارگاہ رسالت میں حاضری

قبیلہ ہوازن کا وفد جب رسالت مآب ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور نے ان سے مالک بن عوف کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہے "انہوں نے عرض کی، طائف میں قبیلہ

ثقیف کے ساتھ اقامت گزریں ہے۔ حضور نے انہیں فرمایا کہ میں کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچاؤ کہ اگر وہ میرے پاس اسلام قبول کر کے آجائے تو میں اس کے بل و عین و مال مویشی کو واپس کر دوں گا اور اس کے علاوہ اسے مزید ایک سو دنت عتہ مراں کا مالک ہو گا۔ جب یہ پیغام پہنچا تو وہ چپکے سے بنی ثقیف قبیلہ سے کھسک گیا اور کسی طرح جو نہ کے مقام پر بارگاہ رسالت کی حاضری سے شرف یاب ہو گیا۔ حضور کے دست مبارک پر اسے اسلام قبول کیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کے جتنی قیدی مراں کے مال مویشی واپس کر دیئے اور اس کے علاوہ مزید ایک سو دنت اسے مرحمت فرمائے۔

جب اس نے حبیب رب العالمین ﷺ کی جو دوستی و راز و معنی کا یہ منظر دیکھا تو بے خود ہو کر کہہ اٹھا:

مَا بَانَ دَأْيْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِعَثْلِهِ

فِي النَّاسِ كَذَلِكَ يَمُوتُ مُحَمَّدٌ

”تمام لوگوں میں محمد مصطفیٰ کا مثل نہ میں نے دیکھا ہے، نہ میں نے سنا ہے۔“

أَوْفَى وَأَعْطَى لِبِجْرِئِهِ إِذَا اجْتَدَى

وَمَتَى نَشْتُ يُعْطِرُكَ عَمَّا فِي عَدَبِ

”وہ اپنا وعدہ پورا فرمانے والے ہیں۔ جب کوئی شخص عیب مانگتا ہے تو اس کو عطا فرماتے ہیں اور جب تو چاہے وہ تجھے آنے والے کل میں دقون پذیر ہونے والے واقعات سے آگاہ کر دیتے ہیں۔“

وَإِذَا الْكَيْتَبَةُ عَرَوَتْ أُنْيَابَهَا

بِالنَّمْرِ هَرِي وَضَرْبِ كُلِّ مُهَمَّدٍ

”جب کوئی لشکر کا دستہ اپنے دانتوں کو طاقور نیزے سے در بندی تو ر کے ساتھ مضبوط کر لیتا ہے۔“

فَكَأَنَّهُ لَيْتًا عَلَى أَشْبَالِهِ

وَسَطَ الْهَبَابَةِ خَاوِدٌ فِي مَرَصَبِ

”تو حضور ﷺ اس شیر کی مانند ہوتے ہیں جو اپنے کچھر میں بیٹھا ہوا اور

غبار میں لپٹا ہوا اپنے بچوں کی حفاظت کر رہا ہوتا ہے۔“

رحمت دو عالم ﷺ نے مالک کو ان لوگوں کا امیر مقرر کر دیا جو اس کے قبائل شمال، سلم اور فہم میں مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ وہ ان نو مسلم مجاہدوں کو دیکھ کر ثقیف کے ساتھ نبرد آزما ہوا کرتا تھا۔ جب بھی ان کے مویشیوں کے گلے باہر نکلتے، یہ ان پر حملہ کر کے ان سے چھین لیا کرتا۔

یہ شخص جس نے چند روز قبل اپنے تئیں ہزار کے لشکر کو مسلمانوں کا نام و نشان منانے کیلئے حنین کے میدان میں صف بستہ کیا ہوا تھا، آج وہی مالک اپنے گلے میں حبیب رب العالمین ﷺ کی غلامی کا طوق سجائے ہوئے جان نثاری اور سرفروشی کے کارنامے انجام دے کر اپنے ہادی و مرشد کو خورسند کر رہا ہے۔ (۱)

رسالت مآب کی تقسیم پر ذوالخویرہ کا اعتراض

لشکر اسلام میں ایک طرف تو وہ جانباز اور مخلص الی ایمان تھے جو سرکار دو عالم ﷺ کی خواہش اور رغبت کو قانون کا درجہ دیتے تھے اور اس کے مطابق عمل کرنے کو اپنے لئے باعث ہزار سعادت تصور کرتے تھے۔ حضور کے ادنیٰ اشارے پر سب نے اپنے اپنے حصہ کے قیدیوں کو کوئی فدیہ لئے بغیر بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا اور حضور نے ان کو آزاد فرمایا۔

ان مخلصین کی جماعت میں معدودے چند ایسے بھی بد بخت لوگ تھے جن کی نگاہیں نور مصطفویٰ کو دیکھنے اور مقام رسالت کو پہچاننے سے اندھ سی تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام ذوالخویرہ تھا۔ یہ قبیلہ تمیم کا ایک غیر معروف شخص تھا۔ جب رحمت دو عالم ﷺ مال غنیمت کو تقسیم فرما رہے تھے تو یہ کھڑا ہو کر دیکھتا رہا۔ جب حضور پر نور تقسیم اموال غنیمت سے فارغ ہوئے تو وہ بولا یَا مُصَدِّقُ دَرَأِیْتُ مَا صَنَعْتَ فِیْ هَذَا الْیَوْمِؕ محمد امین نے دیکھا جو آج آپ نے کیا۔“ اس کا نام لے کر حضور کو پکارنا ہی اس کی منافقت کو ظاہر کر رہا تھا۔ صحابہ کرام کبھی حضور کو نام لے کر نہیں پکارتے تھے بلکہ یَا رَسُولَ اللّٰہِ، یَا نَبِیَّ اللّٰہِ کے معزز القاب سے خطاب کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ جس طرح ان کے پروردگار نے سارے قرآن میں جب بھی، جہاں کہیں بھی، اپنے حبیب کو خطاب فرمایا تو کبھی حضور کا نام نامی لے کر خطاب نہیں

کیا بلکہ ہمیشہ معزز القاب سے اپنے محبوب رسول اور برتر زیدہ بند کو اپنے خطاب سے نوازا۔ کبھی یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ فرمایا، کبھی یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ کبھی یَا أَيُّهَا الْمَدَنِيُّ، کبھی یَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ وغیرہ القاب سے شرف خطاب سے نوازا۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا، میرے اس طرز عمل کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟ قَالَ لَوْ أَدْرَكَ عَدْلَتُ اس نے کہا میری رائے تو یہ ہے کہ آپ نے اس تقسیم میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیا؟ یہ سن کر روف و رحیم نبی کو غصہ آگیا، فرمایا:

وَيَحْتَكَ إِذَا لَمْ يَكُنِ الْعَدْلُ عِنْدِي فَعِنْدَ مَنْ يَكُونُ

”تیرا خراب ہوا! اگر میرے پاس عدل نہیں ہے تو کس کے پاس تمہیں عدل ملے گا؟“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت تھے۔ آپ نے عرض کی، حضور جازت دیں تو میں اس منافق کا سر قلم کر دوں؟ حضور نے اجازت دینے سے انکار فرمایا۔ حکم دیا اس کو رہنے دو۔ اس کا بہت بڑا گروہ ہو گا اور یہ لوگ دین میں بڑی باریک بینی سے کام میں گئے یہاں تک کہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیرا اپنے نشانے سے پار نکل جاتا ہے اور ان پر ان کے دین کا کوئی اثر نہ ہو گا۔ (1)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے حنین کے اموال غنیمت کو تقسیم فرمایا تو قبیلہ انصار کے ایک شخص نے کہا، اس تقسیم میں آپ نے اللہ کی رضا کو پیش نظر نہیں رکھا۔ میں نے جب یہ بات سنی تو حضور کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ فلاں شخص یہ کہہ رہا تھا۔ یہ سن کر حضور کے رخ انور کی رنگت تبدیل ہو گئی پھر فرمایا:

رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى مُوسَى قَدْ أَؤْذَى بِأَكْثَرِ مَنْ هَذَا أَقْصَبَرُ

”اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ان کو اس سے بھی زیادہ اذیت پہنچائی گئی اور آپ نے صبر کیا۔“

امام بخاری سے ایک اور روایت مروی ہے کہ ایک شخص نے کہا، بخدا! اس تقسیم میں نہ عدل کیا گیا ہے اور نہ اس میں رضائے الہی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ میں نے سوچا کہ میں اس

بات کی اطلاع اللہ کے رسول ﷺ کو ضرور دوں گا۔ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر میں نے بات عرض کی تو حضور نے فرمایا:

مَنْ يَعْدِلْ إِذَا لَمْ يَعْدِلِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ، رَجِمَ اللَّهُ مُوسَى
قَدْ أُذِيَ بِكَ تَرَمِينَ ذَلِكَ قَصَبٌ-

”اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، آپ کو اس سے بھی زیادہ اذیت پہنچائی گئی اور آپ نے صبر کیا۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گزارش کی، یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس منافق کا سر قلم کر دوں؟ حضور نے فرمایا کہ میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ لوگ میرے بارے میں یہ بات کریں کہ میں اپنے صحابہ کو قتل کرتا ہوں۔ یہ شخص جس نے میرے بارے میں یہ گستاخی کی ہے، یہ شخص اور اس کے ساتھی قرآن کریم پڑھتے ہیں لیکن یہ قرآن ان کے گلے سے نیچے تجاوز نہیں کرتا۔ یہ قرآن سے اس طرح بھاگتے ہیں جس طرح تیر اپنے نشانہ سے پار نکل جاتا ہے۔ (1)

حضور کی رضاعی بہن شیماء کی آمد

ابن اسحاق سے مروی ہے کہ انہیں بنی سعد کے کسی شخص نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ ہوازن کے موقع پر کہا، اگر بنیاد تمہارے قابو میں آئے تو اسے بھاگ جانے کا موقع نہ دینا۔ یہ بنی سعد کا ایک شخص تھا جس نے کوئی نازیبا حرکت کی تھی۔ مسلمانوں نے اس کو پکڑ لیا، اس کو اور اس کے اہل و عیال کو لے چلے۔ اس کے ساتھ شیماء بنت حارث بھی تھی جو حضور کی رضاعی بہن تھی۔ مسلمان جب ان کو مار رہے تھے تو انہوں نے شیماء پر سختی کی تو اس نے کہا، تم جانتے نہیں ہو کہ بخدا! میں تمہارے صاحب کی رضاعی بہن ہوں؟ انہوں نے اس کی یہ بات تسلیم نہ کی یہاں تک کہ ان سب کو حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں حضور کی رضاعی بہن ہوں۔ حضور نے فرمایا کوئی نشانی پیش کرو۔ اس نے وہ کانٹے کا نشان دکھایا، حضور نے پہچان لیا۔ اس کے لئے اپنی

چادر بچائی، اس کو اوپر بٹھایا اور اس کو اختیار دیا کہ مرضی ہو تو ہمارے پاس ٹھہرو، ہم تمہیں بڑی محبت و عزت سے اپنے پاس رکھیں گے اور اگر تمہاری مرضی ہو تو تمہیں انعام و کرام سے مالا مال کر کے اپنی قوم کی طرف واپس بھیج دیں۔ اس نے عرض کی مہربانی فرما کر مجھ پر لطف و کرم فرمائیں اور مجھے اپنی قوم کے پاس بھیج دیجئے۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے اس کو انعام و کرام سے نوازا اور اسے اپنی قوم کی طرف واپس بھیج دیا۔

عمرۃ الجعرانہ (جعرانہ سے عمرہ کا احرام)

امام احمد فرماتے ہیں کہ قتادہ نے فرمایا، میں نے انس بن مالک سے پوچھا کہ اللہ کے رسول مکرم ﷺ نے کتنے حج کئے؟ آپ نے بتایا حج صرف ایک کیا اور چار عمرے کئے۔ ایک عمرہ حدیبیہ کے زمانہ میں، دوسرا عمرہ ماہ ذی قعدہ میں مدینہ طیبہ سے اور تیسرا عمرہ ماہ ذی قعدہ میں جعرانہ سے، جب حضور نے حنین کے بعد وہاں مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ چوتھا عمرہ جنتہ الوداع کے ساتھ۔

یہ روایت امام بخاری، مسلم اور ترمذی نے اپنی کتب حدیث میں نقل کی ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں کہا **حَسَنٌ صَحِيحٌ** (1)

کعب بن زہیر کا قبول اسلام

یہ عرب کے مشہور شاعر زہیر کا بیٹا ہے جس کا ایک قصیدہ خانہ کعبہ کے باہر لکھا گیا اور یہ قصیدہ تعلقات سب سے ایک ہے۔ ابن اسحاق سے مروی ہے کہ جب نبی مکرم ﷺ طائف سے واپس تشریف فرما ہوئے تو زہیر بن زہیر نے اپنے بھائی کو خط لکھا اور اس میں اسے اطلاع دی کہ رسول اللہ ﷺ نے کئی ایسے شعراء کو موت کے گھاٹ اتار دیا جو حضور ﷺ کی ہجو کرتے تھے اور اذیت پہنچاتے تھے اور قریش کے جوشعرا ابن الزبیری وغیرہ بچ گئے ہیں وہ بھاگ گئے ہیں۔ اگر تجھے اپنی زندگی کی ضرورت ہے تو اڑ کر سرور عالم ﷺ کی خدمت میں پہنچ جا، کیونکہ حضور کا یہ معمول ہے کہ جو شخص تائب ہو کر حاضر ہو جاتا ہے اس کو حضور قتل نہیں کرتے اور اگر تو اس پر آمادہ نہیں تو کسی ایسی جگہ چلے جا جہاں تجھے ہلاک نہ کرے۔

جبر مسلمان ہو چکا تھا اور مدینہ طیبہ میں اپنے حبیب کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر رہا کرتا تھا لیکن اس کا بھائی کعب ابھی تک اپنے آباؤ اجداد کے عقیدہ پر قائم تھا۔ اس نے اپنے بھائی جبر کو ایک خط لکھا اور اس میں اسے ترغیب دی کہ وہ اسلام کو ترک کر کے اپنے آبائی مذہب کی طرف لوٹ آئے۔ جبر نے اس کے جواب میں اس کو چند شعر لکھے۔ جس میں اسے بتایا کہ تمہارے زندہ رہنے کی بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ تو دین اسلام کو قبول کر لے۔ کعب نے اپنے بھائی کا جب یہ دھمکی آمیز خط پڑھا تو زمین اپنی وسعتوں کے باوجود اس پر تنگ ہو گئی اور اسے اپنے موت کے گھاٹ اتارے جانے کے خیال نے لرزہ بر اندام کر دیا۔ جب اسے اپنے بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس نے اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی شان میں ایک معرکہ الآراء قصیدہ لکھا جس کا پہلا مصرعہ ہے:

بَانَتْ سَعَادُ قَلْبِي الْيَوْمَ مَتَّبِعُونَ

اس میں اس نے حضور کی مدح کی، نیز اس بات کا ذکر کیا کہ کئی چغل خور غلط باتیں میرے بارے میں حضور کو بتا رہے ہیں جن کی وجہ سے میں بہت ہراساں ہوں۔ یہ لکھ کر مدینہ طیبہ آیا۔ جہینہ قبیلہ کے ایک شخص سے جو مدینہ طیبہ میں رہتا تھا، اس کی سابقہ جان پہچان تھی، اس نے رات اس کے پاس گزاری۔ وہ صبح سویرے اسے لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور نماز صبح حضور کے ساتھ ادا کی۔ اس کے دوست نے کعب کو اشارہ کر کے بتایا کہ یہ ہیں اللہ کے رسول۔ اٹھ خدمت اقدس میں حاضر ہو اور حضور سے امان طلب کر۔ وہ اٹھا اور حضور کے قدموں میں جا کر بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ حضور کے دست مقدس پر رکھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کو پہلے نہیں جانتے تھے۔ اس نے حضور کا دست مبارک پکڑا اور یوں گویا ہوا: یا رسول اللہ! کعب بن زہیر آیا ہے تاکہ حضور سے امان طلب کرے، اپنی گزشتہ غلطیوں پر توبہ کرے اور مسلمان ہو جائے۔ اگر میں اس کو حضور کی خدمت میں حاضر کروں تو کیا حضور اس کی توبہ قبول فرمائیں گے؟ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا، ہاں! میں اس کی توبہ قبول کروں گا۔ کعب نے عرض کی اَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَعْبُ بْنُ زُهَيْرٍ ”اے اللہ کے پیارے رسول! میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔“ ایک شخص قبیلہ انصار سے غصہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کی، یا رسول اللہ! مجھے اجازت فرمائیے تاکہ اللہ کے اس دشمن کا سر قلم کر دوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اس کو چھوڑ دے یہ تو تابع ہو کر آیا ہے اور اپنی گزشتہ زندگی سے دستبردار ہونے

کیلئے حاضر ہوا ہے۔ اس وقت کعب نے اپنا مشہور قصیدہ بانٹ سعد ان پڑھ کر سنایا۔
جب انہوں نے یہ دو شعر پڑھے:

إِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ مُّتَنَافٍ بِهِ مُهْتَدٍ مِّنْ سُبُوفِ اللَّهِ مَسْلُومٍ

”بیشک رسول اکرم ﷺ نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔

حضور اللہ کی تلواریں سے ایک بے نیام تلواریں۔“

نَبَّهْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ أَوْعَدَنِي وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ مَأْمُومٍ

”مجھے بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دھمکی دی ہے لیکن اللہ

کے رسول سے غفودر گزر کی امید کی جاسکتی ہے۔“

جب کعب نے یہ دو شعر پڑھے تو حضور نے حاضرین کی طرف اشارہ کیا کہ ان شعروں کو غور سے سنو۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اللہ کے پیارے رسول نے انہیں اپنی چادر مبارک اتار کر عطا فرمائی۔ یہ وہی چادر ہے جو تاج پوشی کے وقت خلفاء (بنی عباس) کو اوڑھائی جاتی ہے۔ (1)

قبیلہ ثقیف کا قبول اسلام

رحمت عالم ﷺ نے جب بعض مصلحتوں کے پیش نظر طائف کو فتح کرنے سے پہلے اپنا احصار اٹھالیا تو اس وقت بعض مسلمانوں نے عرض کی کہ ثقیف کیسے بدعا کیجئے تاکہ یہ تباہ و برباد ہو جائیں اور ان کا غرور خاک میں مل جائے۔ اللہ تعالیٰ کا محبوب جو سرِ پا رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا تھا، وہ اپنے رب سے اپنے مخالفین کی تباہی و بربادی کی بددعا نہیں کیا کرتا تھا بلکہ اپنی شانِ رافت و کرمی کے پیش نظر اپنے دشمنوں کیلئے دعا فرمایا کرتا تھا جس سے ان کا سویا ہوا بخت بیدار ہو جایا کرتا تھا اور ان کی شقاوت، سعادت سے بدل جاتی تھی۔ چنانچہ اس موقع پر بھی ان کے لئے بددعا کرنے کی بجائے نبی رحمت ﷺ نے اپنے رب کی بارگاہ میں بایں کلمات ان کیلئے التجاء کی:

اللَّهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا وَاشْتَبِ بِهِمْ

”اے میرے کریم رب! ثقیف کو ہدایت عطا فرما اور ان کو میرے پاس

لے آ۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کی اس پر خلوص التجاء کو شرف قبول بخشا اور ثقیف کے اس قبیلہ کی سوئی ہوئی قسمت کو جگا دیا جو بڑی بے دردی اور شدت سے اللہ کے حبیب اور جان نثار مجاہدین پر تیروں کی موسلا دھار بارش برسایا کرتے تھے۔

محاصرہ طائف کے دوران بہت سے صحابہ کرام شہید کر دیئے گئے۔ پھر رسالت مآب ﷺ وہاں سے روانہ ہو کر جعرانہ تشریف لائے اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ مکرمہ جا کر عمرہ ادا کیا۔ بیت اللہ شریف کے طواف اور زیارت کی سعادت سحری حاصل کرنے کے بعد اللہ کا محبوب اپنے جاں نثروں سمیت مدینہ طیبہ مراجعت فرما ہوا۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے اور ماہ رمضان میں واپس تشریف لے آئے اور اسی ماہ رمضان میں بارگاہ رسالت مآب میں قبیلہ ثقیف کا وفد حاضر ہوا اور سب نے کلمہ شہادت پڑھ کر اللہ کے محبوب کے دست ہدایت بخش پر اسلام قبول کر لیا۔ اس کی تفصیل ہدیہ ناظرین کر رہا ہوں:

نبی کریم ﷺ جب طائف سے واپسی کے سفر پر روانہ ہوئے تو عروہ بن مسعود طائف پہنچے اور جب انہیں حضور کی روانگی کا علم ہوا تو حضور کے پیچھے پیچھے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے اور حضور کے مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے انہیں حبیب رب العالمین کی زیارت کی سعادت نصیب ہو گئی۔ دیکھتے ہی عروہ نے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی اور عرض کیا کہ اس کو اپنی قوم کے پاس لوٹنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دے۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت عروہ کو کہا کہ کہیں تمہاری قوم تمہیں قتل نہ کر دے۔ حضور جانتے تھے کہ ان میں نخوت و غرور کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ عروہ کے اسلام قبول کرنے کو ہرگز برداشت نہیں کر سکیں گے۔ عروہ نے عرض کی، یا رسول اللہ۔ میری قوم تو میرے ساتھ اپنی کنواری بچیوں سے زیادہ محبت کرتی ہے اور واقعی وہ اپنی قوم کے محبوب اور مطاع تھے۔ آپ لوٹے تاکہ انہیں اسلام قبول کرنے کی تبلیغ کریں۔ انہیں یہ امید تھی کہ میری جو عزت و منزلت میری قوم کے دل میں ہے اس کے باعث کبھی وہ میری مخالفت نہیں کریں گے۔

جب وہ طائف پہنچے اور ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا

اعلان بھی کیا اور انہیں اسلام کو قبول کرنے کی بڑی زور و شور سے دعوت بھی دی طائف والوں نے ان پر چاروں طرف سے تیرہ ہر سانس شروع کر دیے۔ چنانچہ ایک تیر جان لیوا ثابت ہوا اور آپ نے اپنی جان اپنے جان آفریں کی بارگاہ میں پیش کر دی۔ ابھی آپ نیم جان تھے۔ کسی نے پوچھا، آپ کے خون کے بارے میں ہم کیا طرز عمل اختیار کریں، کیا ہم ان لوگوں سے آپ کے قصاص کا مطالبہ کریں یا ان سے جنگ کریں؟ تو اس کشتہ جذبہ الفت نے جواب دیا:

كُؤَامَةٌ اَكْرَمَیْنِ اللّٰهُ بِهَا وَشَہَادَةٌ سَاقَتْهَا اللّٰهُ تَعَالٰی لِيَّ (1)

”یہ وہ عزت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے معزز و مشرف فرمایا ہے اور

یہ شہادت اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجی ہے۔“

چنانچہ جو معاملہ دوسرے شہداء کے قاتلوں سے کیا جائے گا، وہی معاملہ میرے قاتلوں کے بارے میں بھی کرنا اور مجھے بھی ان شہداء کے ساتھ دفن کرنا جو اپنے آقا کے روبرو شہید کر دیئے گئے تھے۔ چنانچہ آپ کو انہیں کشتگان خنجر تسلیم کی معیت میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ حضور ﷺ نے جب ان کی شہادت کے بارے میں سنا تو فرمایا:

”یہ اپنی قوم کیلئے ایسے ہی تھے جس طرح صاحب یاسین اپنی قوم میں تھا۔“

حضرت عروہ کو شہید کرنے کے چند ماہ بعد بنو ثقیف نے باہمی مشورے شروع کر دیئے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کے قرب و جوار میں جتنے قبیلے آباد ہیں ان سب نے یکے بعد دیگرے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب ہم تنہا رہ گئے ہیں۔ یہ ہمارے بس میں نہیں کہ ہم اسلام کے علمبرداروں سے جنگ کر سکیں۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنا ایک آدمی حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں بھیجتے ہیں۔ انہوں نے عبدیاللیل بن عمرو سے اس کے بارے میں گفتگو کی۔ اس کی عمر بھی حضرت عروہ بن مسعود کے برابر تھی۔ انہوں نے اسے کہا کہ وہ ان کا نمائندہ بن کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو۔ لیکن عبدیاللیل نے اس خوف سے اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کیا کہ کہیں اس کی قوم اس کے ساتھ بھی وہی سلوک نہ کرے جو انہوں نے عروہ بن مسعود کے ساتھ کیا ہے۔ اس نے کہا میں تنہا جانے کیلئے تیار نہیں، میرے ساتھ چند اور اپنے نمائندے بھی بھیجو۔ چنانچہ انہوں نے اس کا مطالبہ منظور

کر لیا۔ دو آدمی اپنے حلیفوں سے اور تین آدمی قبیلہ بنی مالک کے منتخب کئے گئے، یہ چھ آدمی مدینہ طیبہ روانہ ہوئے۔ اس وفد کے ارکان کے نام درج ذیل ہیں:

- (1) الحکم بن عمرو بن وہب (2) شریحیل بن غیلان (3) عثمان بن ابی العاص (4) اوس بن عوف (5) نمیر بن خرشہ (مؤخر الذکر تینوں افراد قبیلہ بنی مالک سے تعلق رکھتے تھے) (6) عبد یلیل۔

چنانچہ عبد یلیل اس وفد کی معیت میں طائف سے روانہ ہوا یہاں تک کہ وہ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ گئے اور قناتہ کے مقام پر اترے۔ وہاں ان کی ملاقات مغیرہ بن شعبہ سے ہوئی۔ انہوں نے جب اس وفد کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ ان کے آقا کی دعا کی کندا نہیں کھینچ لائی ہے۔ وہاں سے دوڑے تاکہ اپنے حبیب مکرم ﷺ کو ان کے آنے کی خوشخبری سنائیں۔ راستہ میں ان کی ملاقات حضرت ابو بکر صدیق سے ہوئی۔ انہوں نے ان کی منت کی کہ خدارا! اپنے آقا کو یہ خوشخبری سنانے کا مجھے موقع دو۔ صدیق اکبر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور بنی ثقیف کے وفد کی آمد کی اطلاع دی۔ پھر حضرت مغیرہ بن ثقیف کے وفد کے پاس گئے اور ظہر کی نماز ان کے ساتھ ادا کی اور انہیں بارگاہ نبوت میں حاضری کے آداب سے آگاہ کیا۔ جب وہ حضور کی خدمت عالی میں حاضر ہوئے تو حضور نے مسجد کے ایک کونہ میں ان کیلئے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔ خالد بن سعید بن العاص باہم پیغام رسانی پر مقرر تھے، یہاں تک کہ ایک معاہدہ تحریر کیا گیا۔ خالد بن سعید نے ہی اپنے قلم سے اس کو تحریر کیا تھا۔ سرور عالم ﷺ اپنے پاس سے ان کیلئے جو کھانا رسال فرمایا کرتے وہ اس وقت تک اسے نہ کھاتے جب تک کہ خالد اس کو نہ کھاتا، اسلام قبول کرنے تک ان کا یہی معمول رہا۔ انہوں نے جو معروضات بارگاہ رسالت میں پیش کیں، ان میں سے چند ایک آپ بھی سماعت کیجئے:

انہوں نے پہلی درخواست یہ کی کہ ان کے معبود ”لات“ کو تین سال تک نہ گریا جائے۔ اللہ کے رسول نے ان کا یہ مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ اس پر اصرار کرتے رہے اور مدت میں تخفیف کرتے رہے۔ انہوں نے ایک ایک سال کم کرنے کا مطالبہ کیا لیکن حضور انکار کرتے رہے۔ پھر انہوں نے ایک ایک مہینہ کا مطالبہ کیا۔ حضور نے یہ مطالبہ بھی ٹھکرا دیا۔ وہ اس لئے اپنے اس مطالبہ پر مصر تھے تاکہ ان کے جاہل لوگ ان کی

عورتیں اور ان کی اولادیں ان کے خلاف نہ ہو جائیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک مہینہ مہلت دینے سے بھی انکار فرمادیا۔ حضور نے انہیں فرمایا کہ اس کو گرانے کیلئے تمہارے قریبی رشتہ داروں ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا جائے گا۔

ان کا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ انہیں نماز پڑھنے کے حکم سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور جو بت ان کے ہاتھوں میں ہیں انہیں توڑا نہ جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بت تمہارے ہاتھوں میں ہیں ان کو توڑنے سے تو ہم تم کو معافی دیدیں گے، رہی نماز تو اس کی معافی ممکن نہیں۔

أَمَّا الصَّلَاةُ فَلَا خَيْرَ فِي دِينٍ لَا صَلَواتَ فِيهِ (1)

”رہی نماز، تو سن لو کہ اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہیں۔“

جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو رسول اکرم ﷺ نے ان کیلئے ایک معاہدہ لکھا۔ نیز عثمان بن ابی العاص کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ اگرچہ وہ عمر میں سب سے کم سن تھے لیکن عم دین حاصل کرنے اور قرآن پڑھنے کا جو شوق اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا تھا، اس میں کوئی ان کا ہمسرتہ تھا۔ جب یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد اور معاہدہ تحریر کرانے کے بعد اپنے وطن واپس آئے تو سرورِ عالم ﷺ نے ان کے ساتھ ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا تاکہ وہ لات کے بت کو ریزہ ریزہ کر دیں۔ چنانچہ یہ دونوں صاحبان اس وفد کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب طائف پہنچے تو مغیرہ بن شعبہ نے ارادہ کیا کہ ابوسفیان کو وہ پہلے بھیجیں تاکہ لات کو وہ جا کر منہدم کریں لیکن ابوسفیان نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ جب مغیرہ بن شعبہ داخل ہوئے تو آپ نے کدال لے کر اس بت کو گراتا شروع کر دیا۔ محب کے بیٹے مغیرہ کے پاس کھڑے رہے اس اندیشہ سے کہ کہیں عروہ کی طرح ان پر تیروں کا مینہ برسا کر ختم نہ کر دیں۔ جب اس بت کو توڑا جا رہا تھا تو ثقیف کی عورتیں ننگے سر روتی ہوئی باہر نکل آئیں اور مغیرہ اپنے کلباڑے سے اس پر ضربیں لگا رہے تھے اور ابوسفیان پاس کھڑے ہوئے **وَاهَا قَاتِلُكَ كَبِه** رہے تھے۔ مغیرہ نے جب اس کو گرا دیا تو اس کے مخزن میں جو نقدی اور زیورات تھے وہ لے آئے اور انہیں ابوسفیان کے پاس بھیج دیا۔

عروہ کا بیٹا ابولیلح اور اسود کا بیٹا قارب وفد ثقیف کے پہنچنے سے پہلے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے اور وہ ثقیف سے قطع تعلقی کرنا چاہتے تھے اور کسی بات میں ان کے ساتھ شریک نہیں

ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس کو تم دونوں چاہو اس کو اپنا دالی بنا لو۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم تو اللہ اور اس کے رسول کو اپنا دالی بناتے ہیں۔ رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیا تمہیں اپنا ماموں ابوسفیان بن حرب پسند ہے؟ انہوں نے عرض کی ہمیں اپنا ماموں پسند ہے۔

ہجرت کے آٹھویں سال میں درج ذیل اہم نئے شرعی احکام نافذ ہوئے

1۔ چور کیلئے قطعید کی سزا

جزیرہ عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت قائم نہ تھی جو اپنی عسکری طاقت یا دیگر وسائل کی بناء پر لوگوں کی جان و مال و آبرو کے تحفظ کی ذمہ داری نبھ سکتی۔ اس لئے ہر شخص اور ہر قبیلہ اپنی طاقت کے مطابق اپنے سے کمزور افراد اور قبائل پر جس طرح چاہتا مشق ستم کرتا اور کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہ ہوتا۔ اس لئے راہزنی، قزاقی اور لوٹ مار وغیرہ کے مالی جرائم کا ارتکاب بکثرت ہوتا تھا۔ کوئی شخص صرف اپنے ذاتی اثر و رسوخ اور اپنے قبیلہ کی قوت و طاقت کے باعث اپنے مال و جان و آبرو کا تحفظ کر سکتا تھا۔ اب جب جزیرہ عرب کا اکثر علاقہ اسلامی مملکت کا حصہ بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان قوانین کا اجراء فرمایا جو ملک میں داخلی امن برقرار رکھ سکتے ہیں اور لوگوں کی جان، مال اور آبرو پر ڈاکہ ڈالنے والے سے باز پرس کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس سال چور کیلئے قطعید کا حکم نازل ہوا یعنی جو شخص کسی کے مال کو نفع لگا کر یا کسی دوسرے طریقہ سے لے اڑتا ہے، اس کے بارے میں ہاتھ کاٹنے کی سزا جاری کی گئی۔

اس میں عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کیسے غریب و امیر، شاہ و گدا اور اعلیٰ و ادنیٰ کے درمیان کوئی فرق روا نہ رکھا گیا یہاں تک کہ رحمت للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَوْ سَرَقَتْ فَاِطْمَئِنَّتُ مُعْتَمِدًا لَقَطَعْتُ يَدَهَا

”اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔“

ارشاد الہی:

السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا
نَكَالًا مِّنْ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

(1)

”چوری کرنے والے اور چوری کرنے والی (کی سزا یہ ہے کہ) کاٹوان کے ہاتھ بدلہ دینے کیلئے جو انہوں نے کیا اور عبرت ناک سزا اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔“

2۔ شراب کی حرمت کا قطعی حکم بھی اس سال نازل ہوا

اگرچہ تنبیہی احکام اس سے پہلے نازل ہو چکے تھے۔ اس سال یہ حکم نازل ہو گیا کہ شراب خوری اسلام میں حرام اور قطعاً ممنوع ہے۔

اہل عرب سے خواری کے ساتھ ساتھ قمار بازی سے بھی شوق کیا کرتے تھے۔ شراب پی کر مست ہونے کے بعد وہ جو اکھیٹے اور جوئے میں اپنی دولت کو اس طرح صرف کرتے کہ وہ اپنا سارا سرمایہ لٹا دیتے۔ اس پر انہیں کوئی ندامت اور افسوس نہ ہوتا بلکہ اس کو اپنی فیضی اور سخاوت کا ناقابل تردید ثبوت تصور کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ آیت نازل فرما کر سے خواری، قمار بازی اور دیگر قباحتوں کو قطعی طور پر ممنوع قرار دے دیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْمِرُ وَالْأَنصَابُ وَ
الْأَكْزَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ (1)

”اے ایمان والو! یہ شراب اور جو اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں، شیطان کی کارستانیوں ہیں، سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا سکو۔“

3۔ ازلام

اہل عرب میں یہ رواج بھی قبول عام حاصل کر چکا تھا کہ ان کے پاس پانسے ہوتے۔ ایک پر لکھا ہوتا کہ یہ کام کرو، دوسرے پر لکھا ہوتا یہ مت کرو۔ جب وہ کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرتے تو پانسہ پھینک کر پہلے دریافت کرتے کہ وہ یہ کام کریں یا نہ کریں۔ پھر جس طرح کا پانسہ نکلتا اس پر عمل پیرا ہوتے۔ بجائے اس کے کہ انسان عقل و فہم سے کام لے کر یہ فیصلہ کرے کہ یہ کام اسے کرنا چاہئے یا اس سے باز رہنا چاہئے، وہ اپنی تقدیر کو ان بے جان اور

بے شعور پانسوں کے حوالے کر دیتے۔ یہ انسانی عقل و دانش کی صریح توہین تھی۔ اسلام جو دین فطرت ہے، ان خدا داد صلاحیتوں کی تذلیل و توہین کو کیونکر گوارا کر سکتا تھا۔ چنانچہ اسی سال بطور قل پانسہ پھینکنے سے روک دیا گیا تاکہ غور و فکر کی خدا داد صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے وہ کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں فیصلہ کر سکیں۔

حضرت ماریہ کے بطن سے اسی سال حضور سرور عالم ﷺ کا ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام نبی مہتمم ﷺ نے اپنے جد کریم کے نام پر ابراہیم تجویز کیا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کو اس بچے سے نہایت محبت تھی۔ جب اس بچے کی عمر تقریباً ایک سال ہوئی تو اس کی شمع حیات گل ہو گئی، مشیت ایزدی کا یہی تقاضا تھا۔ جس دن حضرت ابراہیم نے وفات پائی سورج کو گرہن لگ گیا۔ لوگوں نے اپنے سابقہ عقیدہ کے مطابق یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت ابراہیم کی وفات کا صدمہ اتنا شدید ہے کہ آفتاب بھی اپنی روشنی کھو بیٹھا۔ اہل عرب کے نزدیک کسی شخص کی وفات کے موقع پر سورج گرہن لگنا اس کی بڑائی اور عظمت کی دلیل سمجھا جاتا تھا لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس مصنوعی بڑائی کو پسند نہ کیا بلکہ حضور نے سب لوگوں کو جمع کر کے یہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ ”سورج اور چاند خدا کی قدرت کی آیات و معجزات ہیں۔ کسی کے مرنے یا جینے سے ان میں گرہن نہیں لگا کرتا۔“ اس خطبہ کے بعد نماز کسوف باجماعت ادا فرمائی اور ساری امت کو یہ سبق دیا کہ جب کبھی ایسا حادثہ رونما ہو تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں سب جمع ہو کر سجدہ ریز ہو جایا کریں۔

سرورِ عالم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب نے بھی اسی سال وصال فرمایا۔

ہجرت کا سال، ہنم

ہجرت کانواں سال

اس سال مندرجہ ذیل اہم واقعات وقوع پذیر ہوئے:-

- 1- سریہ عینہ بن حصین فزاری، بنو حیمہ 13- حضرت عبداللہ ذوالنجادین کی وفات کی طرف
- 2- سریہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط، قبیلہ بنی 15- کعب بن مالک اور ان کے دو ساتھیوں مصطلق کی طرف
- 3- سریہ قطبہ بن عامر، قبیلہ نضیم کی طرف 16- قصۃ اللعان
- 4- سریہ ضحاک بن سفیان الکلابی، قبیلہ بنو 17- قبیلہ ثقیف کا مشرف باسلام ہونا کلاب کی طرف
- 5- سریہ علقمہ بن مجزر، حبشہ کی طرف 18- شاہان حمیر کی طرف سے بارگاہ رسالت میں خطوط
- 6- سریہ سیدنا علی، فلس کی طرف 19- سزائے رجم کا نفاذ
- 7- سریہ عکاشہ بن محسن، حباب کی طرف 20- نجاشی شاہ حبشہ کی وفات
- 8- کعب بن زہیر کا مشرف باسلام ہونا 21- حضرت ام کلثوم کی وفات
- 9- وفود کی آمد 22- رکیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی ہلاکت
- 10- غزوہ تبوک 23- حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی قیدت میں حجاج کی مکہ مکرمہ کی طرف روانگی
- 11- سریہ خالد بن ولید، تبوک سے اکیدر کی طرف 24- شہریار بادشاہ ایران کا قتل
- 12- سرور عالم ﷺ کا گرامی نامہ تبوک سے ہر قل کی طرف 25- کسریٰ کی بیٹی بوران کا بادشاہ مقرر ہونا

سمرایا

نبی رحمت ﷺ، ہوازن اور طائف کے معرکوں سے بخیر و عافیت مدینہ طیبہ میں مراجعت فرما ہوئے۔ حضور نے اس کے بعد جزیرہ عرب کے مختلف اطراف میں اپنے

مجاہدین کے دستے روانہ کئے۔ ان سر لیا کا اولین مقصد تو یہ تھا کہ جزیرہ عرب کے وہ دور دراز علاقے جہاں تک ابھی تبلیغ اسلام کے کام کا آغاز نہیں ہوا تھا، وہاں کے باشندوں میں اسلام کی تبلیغ کرنا تاکہ وہ کفر و شرک سے تائب ہو کر اپنی بندگی کا رشتہ اپنے خالق حقیقی سے قائم کریں۔ نیز ان علاقوں کے حالات سے آگاہی حاصل کرنا بھی ان سر لیا کے مقاصد میں سے ایک مقصد تھا یعنی جب ان علاقوں میں جائیں گے تو وہاں کے ندی، تالوں، پہاڑوں، ٹیوں، بستیوں اور آبادیوں کے حالات سے آگاہی حاصل کریں تاکہ اگر ان قبائل سے جنگ کی نوبت آئے تو مسلمان ان علاقوں کے جغرافیائی حالات سے بے خبر ہونے کی وجہ سے مات نہ کھا جائیں۔ ان سر لیا میں اکثر و بیشتر نو مسلموں کو شامل کیا گیا تھا، انصار و مہاجرین کا کوئی مجاہد ان میں شامل نہ تھا۔ ان سر لیا سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ان نو مسلموں کو راہ حق میں جہاد کرنے کا سلیقہ بھی سکھایا جائے اور ان کے دلوں میں جہاد اور شہادت کی چنگاری روشن کر دی جائے تاکہ جب کفار سے معرکہ برپا ہو تو اسباقون الاولون کی طرح یہ بھی داد شجاعت دے سکیں۔

سریہ عیینہ بن حصین

اس سال کے ماہ محرم میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے بشر بن سفیان الکعبی کو قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ بنو کعب کی طرف ان کے صدقات وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ بنو کعب اس وقت ایک چشمہ کے قریب رہائش پذیر تھے جس کا نام ”ذات الاشطاط“ تھا۔ بنو تمیم کا قبیلہ بھی اسی چشمہ کے پاس فروکش تھا۔ بنو کعب نے اپنے صدقات بشر بن سفیان کی خدمت میں بعد مسرت پیش کر دیئے۔ بنو تمیم نے جب یہ اموال صدقات دیکھے تو ان کے منہ میں پانی بھر آیا۔ یہ لوگ طبعاً بڑے خسیس اور کتھوس تھے۔ ان کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اتنے اونٹ اور بکریاں دیگر اموال سمیت مدینہ طیبہ بھیج دیئے جائیں۔ انہوں نے بنو کعب سے پوچھا کہ تم اس قدر اموال و مولیٰ مسلمانوں کے پاس کیوں بھیج رہے ہو؟ چنانچہ بنو تمیم نے انکواریں بے نیام کر لیں اور حضور کے محل کو وہ صدقات لے کر جانے سے روک دیا۔ بنو کعب نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور بتایا کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور ہمارے دین نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے مال سے زکوٰۃ نکالیں۔ اس لئے اس معاملہ میں مداخلت کا

تمہیں کوئی حق نہیں۔ بنو تمیم کو کیا خبر۔ کہ ایک مومن کیلئے اللہ کی راہ میں اپنا مال دے کر کتنی راحت اور فرحت ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو ایک اونٹ بھی لے جانے کی بشر کو اجازت نہیں دیں گے۔ چنانچہ حضرت بشر، سرور عالم علیہ السلام کو صورتِ حاس سے آگاہ کرنے کیلئے چپکے سے وہاں سے چپے آئے اور بارگاہِ رسالت میں تمام حالات عرض کر دیئے۔ بنو تمیم کی سرکوبی کیلئے عینہ بن حصین فزاری کو سرور عالم ﷺ نے روانہ فرمایا۔ پچاس عرب مجاہدین اس کی معیت میں روانہ فرمائے۔ ان سب کا تعلق عرب کے مختلف قبائل سے تھا۔ ان میں نہ کوئی مہاجر تھا اور نہ کوئی انصاری۔ حضرت عینہ اپنے مجاہدین کی معیت میں روانہ ہوئے۔ وہ رات کو سفر کرتے اور دن کو کسی محفوظ جگہ پر چھپ کر آرام کرتے یہاں تک کہ اسلام کا یہ چھوٹا سا لشکر اس صحراء تک پہنچ گیا جہاں بنو تمیم سکونت پذیر تھے اور اپنے مویشیوں کو چرا رہے تھے۔ (۱)

جب انہوں نے مجاہدین اسلام کو دیکھا تو ان کے اوسانِ خطہ ہو گئے اور اپنا مال و متاع چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں نے بنو تمیم کے گیارہ مرد، اکیس عورتیں اور تیس بچوں کو اپنا قیدی بنالیا اور انہیں مدینہ طیبہ لے آئے۔ یہاں ان قیدیوں کو رملہ بنت حارث کے مکان میں نظر بند کر دیا گیا۔ ان کے چند رئیس اپنے قیدیوں کی خبر گیری کیلئے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ ان میں قیس بن عامر، عطار بن حاجب، زبرقان بن بدر اور قرع بن حابس جیسے ان کے مشہور سردار بھی تھے۔ جب عورتوں اور بچوں نے اپنے سرداروں کو دیکھا تو آہ و فغاں شروع کر دی۔ یہ لوگ بڑی سرعت سے نبی مکرم ﷺ کے در اقدس پر حاضر ہوئے اور باہر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارنا شروع کر دیا:

يَا مَعْشَرَ الْخَوَاصِّ إِلَيْنَا نَعَاخُذُكَ وَنَشَاءُ عَذَابَكَ فَيَا
مَدَحَنَّا ذِينَ وَذَمَّنَا شَيْنٌ

”حضور کا نام لے کر کہنے لگے باہر آئیے ہم آپ کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا خطیب آپ کے خطیب کے ساتھ مفاخرت کرے گا۔ اور ہمارا شاعر آپ کے شاعر سے مقابلہ کرے گا۔ جس کی ہم مدح کرتے ہیں وہ مزین و آراستہ ہو جاتا ہے اور جس کی ہم بھجوتے ہیں اس

کو ذلیل اور رسوا کر دیتے ہیں۔“

ان کا یہ گستاخانہ مخاطب اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا اور ان کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں انہیں ان کے اس طرز عمل پر سرزنش فرمائی گئی:

إِنَّ الَّذِينَ يَنَادُونَكَ مِنَ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ. وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ.

(1)

”بیشک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے، ان میں سے اکثر نا سمجھ ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ تشریف لاتے ان کے پاس تو یہ ان کیلئے بہت بہتر ہوتا، اور اللہ غفور رحیم ہے۔“

رحمت عالم ﷺ ان کی تداس کر باہر تشریف لے آئے اور حضرت بلال نے اقامت شروع کر دی۔ وہ حضور کے ساتھ چمٹ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ حضور نے چندے توقف فرمایا پھر نماز ظہر ادا کرنے کیلئے مسجد میں تشریف لے گئے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد کے صحن میں تشریف فرما ہوئے ان رؤساء نے جو ڈینگ ماری تھی کہ ”ہماری مدح سے ہمارا ممدوح مزین و آراستہ ہو جاتا ہے اور جس کی ہم مذمت کرتے ہیں اس کی عزت خاک میں مل جاتی ہے۔“ اس کے جواب میں نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف اتنا فرمایا:

كَذَبْتُمْ بِلِ مَدْحِ اللَّهِ الرَّزِيقِ وَشَتَمْتُمُ الشَّيْءِ

”تم نے جھوٹ بولا ہے۔ صرف اللہ کی مدح کسی انسان کو معزز و محترم بناتی ہے اور اسی کی مذمت انسان کو ذلیل و خوار کرتی ہے۔“

انہوں نے کہا، ہمارے خطیب اور شاعر کو اجازت دیجئے اور ان کے مقابلہ میں اپنا خطیب اور شاعر پیش کیجئے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، مجھے شعر گوئی کیسے مبعوث نہیں فرمایا گیا اور نہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں کسی کے ساتھ فخر و مباہات میں حصہ لوں۔ لیکن اگر تمہارا اصرار ہے تو لاؤ اپنا خطیب، اس کے جواب میں میں اپنا خطیب پیش کروں گا۔ اقرع بن حابس نے عطار دین حاجب کو حکم دیا کہ اٹھو اور اپنے فضائل اور قوم کے فضائل پر

دو فصاحت دو۔ جب وہ اپنے خطاب کو ختم کر چکا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے ثابت بن قیس بن شماس کو اس کا جواب دینے کا حکم دیا۔ حضرت ثابت نے کھڑے ہو کر یہاں خطاب فرمایا کہ بنو حنیم کے سرداروں اور ان کے خطیبوں کے چٹکے چھوٹ گئے اور انہوں نے تسیم کر لیا کہ ہمارے خطیب سے آپ کا خطیب ارفع و اعلیٰ ہے۔ پھر ان کے ایک رئیس زبرقن نے اپنے ایک آدمی کو کہا کہ اٹھو اپنے فضائل اور اپنی قوم کے فضائل کے بارے میں قصیدہ سنو۔ وہ اٹھا اور اس نے ایک قصیدہ سنایا جس کے دو شعر بطور نمونہ پیش خدمت میں:

نَحْنُ الْكِرَامُ فَلَا سَاقِيَّ بَعْدَنَا نَحْنُ الْوُثُوسُ وَفِينَا يُقْسِمُ الرَّبُّ
إِذَا أَبَيْنَا فَلَا يَأْتِي كُنَا أَحَدٌ إِنَّا كَذَلِكْ عِنْدَ الْفَخْرِ نَرْفَعُ

”ہم وہ بزرگ و برتر ہیں کہ کوئی قبیلہ ہمارے ساتھ ہم سری نہیں کر سکتا۔ ہم سردار ہیں اور غنیمت کا چوتھائی حصہ ہم میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جب ہم کسی کام سے انکار کر دیتے ہیں تو کسی کو یہ ہمت نہیں ہوتی کہ ہمارے حکم کے سامنے انکار کر سکے۔ جب بزمِ مفاخرت برپا ہوتی ہے تو اسی طرح ہم سب سے عالی شان ہوتے ہیں۔“

سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت حسان کو حکم دیا کہ اٹھو اور اس کا جواب دو۔ آپ نے فی البدیہہ اشعار کہے۔ جن میں سے دو شعر پیش خدمت ہیں:

نَصَرْنَا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِينَ عَنَوْهُ عَلَى رَغِيصَاتٍ مِنْ بَعِيدٍ حَافِيُو

”ہم نے اللہ کے رسول کی اور دین اسلام کی بڑی قوت سے مدد کی ہے۔ اور جتنے دور و نزدیک سرکش تھے ان کی ناک کو خاک سے آلودہ کر دیا۔“

وَأَحْيَاؤُنَا مِنْ خَيْرِ مَنْ وَجَّاهُ وَأَمَوَاتُنَا مِنْ خَيْرِ أَهْلِ الْمَقَابِرِ

”ہم میں سے جو لوگ زندہ ہیں وہ ان تمام زندوں سے بہتر ہیں جو کنکریوں پر پاؤں رکھ کر چلتے ہیں اور ہمارے قوت ہونے والے ان تمام سے بہتر ہیں جو قبروں میں مدفون ہیں۔“

بارگاہ رسالت کے شاعر حضرت حسان کی فصاحت و بلاغت نے ان سب کو درط حیرت میں ڈال دیا۔ خصوصاً ان کا شاعرِ اقرب بن حابس جو شعر و سخن کی لطافتوں اور نزاکتوں سے دوسروں سے کہیں زیادہ آگاہ تھا وہ ایسا متاثر ہوا کہ اس نے ان کا کلام معجز نظام سن کر

اپنے آبائی دین کو بھی الوداع کہہ دیا اور اس سارے وفد میں سب سے پہلے کلمہ شہادت پڑھ کر رحمت عالم ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی۔

رحمت عالم نے قیس بن عامر کے بارے میں فرمایا: **هَذَا أَسَيْدُ أَهْلِ وَبَيْدٍ** "یہ خیموں میں زندگی بسر کرنے والے قبائل کا سردار ہے۔" (۶) سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان پر مزید کرم یہ فرمایا کہ ان کے سارے قیدیوں کو فدیہ لئے بغیر آزاد کر دیا اور اس وفد کے تمام افراد کو انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا اور انہیں اپنے وطن واپس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

سریہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط

اس سال سرورِ عالم ﷺ نے قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ بنو مصطلق کے صدقات وغیرہ وصول کرنے کیلئے ولید بن عقبہ کو ان کی طرف بھیجا۔ بنو مصطلق اس سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اور نماز ادا کرنے کیلئے انہوں نے کئی مساجد تعمیر کر رکھی تھیں۔

ولید بن عقبہ اور بنو مصطلق کے درمیان زمانہ جہالت سے دیرینہ عداوت چلی آتی تھی جب انہیں معلوم ہوا کہ ولید بن عقبہ ان کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے تو انہوں نے اپنے بیس آدمی صدقہ کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں دیکر ولید کی پیشوائی کیلئے بھیجے۔ ولید کے دل میں شیطان نے یہ وسوسہ ڈال دیا کہ یہ لوگ انہیں قتل کرنے کیلئے آرہے ہیں۔ وہ اس خوف سے کہ وہ انہیں قتل نہ کر دیں، ان سے ملاقات کئے بغیر مدینہ طیبہ واپس آ گیا اور اپنے گمان کے مطابق حضور کریم ﷺ کو آکر اطلاع دی۔ حضور نے تحقیق احوال کیلئے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اور انہیں ارشاد فرمایا کہ اس طرح جاؤ کہ ان کو تمہارے آنے کی اطلاع نہ ہو۔ ان کے حالات کا جائزہ لینا، اگر ان کے مسلمان ہونے کے شواہد آپ کو مل جائیں تو ان سے صدقہ و خیرات کے اونٹ وغیرہ وصول کر لینا اور اگر کوئی ایسی دلیل نہ ملے تو پھر ان کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو کفار و مشرکین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حضرت خالد خفیه طور پر وہاں پہنچے اور مغرب و عشاء کی نماز کی اذان سنی تو ان سے صدقات وصول کئے اور کسی قسم کی سرکشی کی کوئی علامت انہیں وہاں نظر نہ آئی۔ حضرت خالد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور وہاں کے حالات کے بارے میں مطلع کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (2)

۱۔ "تاریخ، غنیمت"، جلد 2، صفحہ 18، 19، 20، 21، 22، 23، 24، 25، 26، 27، 28، 29، 30، 31، 32، 33، 34، 35، 36، 37، 38، 39، 40، 41، 42، 43، 44، 45، 46، 47، 48، 49، 50، 51، 52، 53، 54، 55، 56، 57، 58، 59، 60، 61، 62، 63، 64، 65، 66، 67، 68، 69، 70، 71، 72، 73، 74، 75، 76، 77، 78، 79، 80، 81، 82، 83، 84، 85، 86، 87، 88، 89، 90، 91، 92، 93، 94، 95، 96، 97، 98، 99، 100، 101، 102، 103، 104، 105، 106، 107، 108، 109، 110، 111، 112، 113، 114، 115، 116، 117، 118، 119، 120، 121، 122، 123، 124، 125، 126، 127، 128، 129، 130، 131، 132، 133، 134، 135، 136، 137، 138، 139، 140، 141، 142، 143، 144، 145، 146، 147، 148، 149، 150، 151، 152، 153، 154، 155، 156، 157، 158، 159، 160، 161، 162، 163، 164، 165، 166، 167، 168، 169، 170، 171، 172، 173، 174، 175، 176، 177، 178، 179، 180، 181، 182، 183، 184، 185، 186، 187، 188، 189، 190، 191، 192، 193، 194، 195، 196، 197، 198، 199، 200، 201، 202، 203، 204، 205، 206، 207، 208، 209، 210، 211، 212، 213، 214، 215، 216، 217، 218، 219، 220، 221، 222، 223، 224، 225، 226، 227، 228، 229، 230، 231، 232، 233، 234، 235، 236، 237، 238، 239، 240، 241، 242، 243، 244، 245، 246، 247، 248، 249، 250، 251، 252، 253، 254، 255، 256، 257، 258، 259، 260، 261، 262، 263، 264، 265، 266، 267، 268، 269، 270، 271، 272، 273، 274، 275، 276، 277، 278، 279، 280، 281، 282، 283، 284، 285، 286، 287، 288، 289، 290، 291، 292، 293، 294، 295، 296، 297، 298، 299، 300، 301، 302، 303، 304، 305، 306، 307، 308، 309، 310، 311، 312، 313، 314، 315، 316، 317، 318، 319، 320، 321، 322، 323، 324، 325، 326، 327، 328، 329، 330، 331، 332، 333، 334، 335، 336، 337، 338، 339، 340، 341، 342، 343، 344، 345، 346، 347، 348، 349، 350، 351، 352، 353، 354، 355، 356، 357، 358، 359، 360، 361، 362، 363، 364، 365، 366، 367، 368، 369، 370، 371، 372، 373، 374، 375، 376، 377، 378، 379، 380، 381، 382، 383، 384، 385، 386، 387، 388، 389، 390، 391، 392، 393، 394، 395، 396، 397، 398، 399، 400، 401، 402، 403، 404، 405، 406، 407، 408، 409، 410، 411، 412، 413، 414، 415، 416، 417، 418، 419، 420، 421، 422، 423، 424، 425، 426، 427، 428، 429، 430، 431، 432، 433، 434، 435، 436، 437، 438، 439، 440، 441، 442، 443، 444، 445، 446، 447، 448، 449، 450، 451، 452، 453، 454، 455، 456، 457، 458، 459، 460، 461، 462، 463، 464، 465، 466، 467، 468، 469، 470، 471، 472، 473، 474، 475، 476، 477، 478، 479، 480، 481، 482، 483، 484، 485، 486، 487، 488، 489، 490، 491، 492، 493، 494، 495، 496، 497، 498، 499، 500، 501، 502، 503، 504، 505، 506، 507، 508، 509، 510، 511، 512، 513، 514، 515، 516، 517، 518، 519، 520، 521، 522، 523، 524، 525، 526، 527، 528، 529، 530، 531، 532، 533، 534، 535، 536، 537، 538، 539، 540، 541، 542، 543، 544، 545، 546، 547، 548، 549، 550، 551، 552، 553، 554، 555، 556، 557، 558، 559، 560، 561، 562، 563، 564، 565، 566، 567، 568، 569، 570، 571، 572، 573، 574، 575، 576، 577، 578، 579، 580، 581، 582، 583، 584، 585، 586، 587، 588، 589، 590، 591، 592، 593، 594، 595، 596، 597، 598، 599، 600، 601، 602، 603، 604، 605، 606، 607، 608، 609، 610، 611، 612، 613، 614، 615، 616، 617، 618، 619، 620، 621، 622، 623، 624، 625، 626، 627، 628، 629، 630، 631، 632، 633، 634، 635، 636، 637، 638، 639، 640، 641، 642، 643، 644، 645، 646، 647، 648، 649، 650، 651، 652، 653، 654، 655، 656، 657، 658، 659، 660، 661، 662، 663، 664، 665، 666، 667، 668، 669، 670، 671، 672، 673، 674، 675، 676، 677، 678، 679، 680، 681، 682، 683، 684، 685، 686، 687، 688، 689، 690، 691، 692، 693، 694، 695، 696، 697، 698، 699، 700، 701، 702، 703، 704، 705، 706، 707، 708، 709، 710، 711، 712، 713، 714، 715، 716، 717، 718، 719، 720، 721، 722، 723، 724، 725، 726، 727، 728، 729، 730، 731، 732، 733، 734، 735، 736، 737، 738، 739، 740، 741، 742، 743، 744، 745، 746، 747، 748، 749، 750، 751، 752، 753، 754، 755، 756، 757، 758، 759، 760، 761، 762، 763، 764، 765، 766، 767، 768، 769، 770، 771، 772، 773، 774، 775، 776، 777، 778، 779، 780، 781، 782، 783، 784، 785، 786، 787، 788، 789، 790، 791، 792، 793، 794، 795، 796، 797، 798، 799، 800، 801، 802، 803، 804، 805، 806، 807، 808، 809، 810، 811، 812، 813، 814، 815، 816، 817، 818، 819، 820، 821، 822، 823، 824، 825، 826، 827، 828، 829، 830، 831، 832، 833، 834، 835، 836، 837، 838، 839، 840، 841، 842، 843، 844، 845، 846، 847، 848، 849، 850، 851، 852، 853، 854، 855، 856، 857، 858، 859، 860، 861، 862، 863، 864، 865، 866، 867، 868، 869، 870، 871، 872، 873، 874، 875، 876، 877، 878، 879، 880، 881، 882، 883، 884، 885، 886، 887، 888، 889، 890، 891، 892، 893، 894، 895، 896، 897، 898، 899، 900، 901، 902، 903، 904، 905، 906، 907، 908، 909، 910، 911، 912، 913، 914، 915، 916، 917، 918، 919، 920، 921، 922، 923، 924، 925، 926، 927، 928، 929، 930، 931، 932، 933، 934، 935، 936، 937، 938، 939، 940، 941، 942، 943، 944، 945، 946، 947، 948، 949، 950، 951، 952، 953، 954، 955، 956، 957، 958، 959، 960، 961، 962، 963، 964، 965، 966، 967، 968، 969، 970، 971، 972، 973، 974، 975، 976، 977، 978، 979، 980، 981، 982، 983، 984، 985، 986، 987، 988، 989، 990، 991، 992، 993، 994، 995، 996، 997، 998، 999، 1000

2۔ "تاریخ، غنیمت"، جلد 2، صفحہ 119

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن
تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (1)
”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر
لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم ضرر پہنچو کسی قوم کو بے علمی میں، پھر تم اپنے
کئے پر پچھتانے لگو۔“

سریہ قطبہ بن عامر

سرکارِ دو عالم ﷺ نے قطبہ بن عامر کو بیس مجاہدین کا امیر بنا کر قبیلہ خثعم کی طرف
بھیجا۔ یہ قبیلہ مکہ کے گرد و نواح میں ”تبالہ“ کی سمت میں آباد تھا۔ ابن سعد نے ”تبالہ“ کی
 بجائے ”یشہ“ کے نواح میں بھیجنے کا ذکر کیا ہے۔ حضرت قطبہ کو حکم دیا گیا کہ وہ ان پر دھاوا
 بول دیں۔ ان میں مجاہدین کے پاس سواری کے دس اونٹ تھے جن پر وہ باری باری سوار
 ہوتے تھے رات کو انہوں نے آرام کیا اور صبح قبیلہ خثعم پر حملہ کر دیا۔ دونوں فریقوں میں
 گھمسان کارن پڑا اور دونوں اطراف سے کثیر تعداد میں لوگ زخمی ہوئے اور چند آدمی مقتول
 ہوئے جن میں حضرت قطبہ بھی تھے۔ فتح مجاہدین اسلام کو ہوئی۔ انہوں نے بہت سے
 اونٹ بھیڑ بکریاں غنیمت میں حاصل کیں اور ان کی عورتوں کو بر غمال بنا لیا اور مدینہ طیبہ
 لے آئے۔ وہ مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر مجاہد کے حصہ میں چار اونٹ آئے
 اور جس کو کم اونٹ ملے اس کو ہر اونٹ کے بدلے دس بکریاں دی گئیں۔ تقسیم غنیمت سے
 پہلے خمس نکالا گیا۔ (2)

سریہ ضحاک بن سفیان الکلابی رضی اللہ عنہ

سرکارِ دو عالم ﷺ نے ضحاک بن سفیان کی امارت میں قریظہ کی طرف ایک لشکر روانہ
 کیا ان کا آئنا سامنا ”زج“ کے مقام پر ہوا جو نجد کی ایک بستی ہے۔ ضحاک نے انہیں اسلام
 قبول کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فریقین میں جنگ
 ہوئی، مسلمانوں نے ان کو شکست فاش دی اور مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔

سریہ علقمہ بن مجزر

یہ سریہ ماہ ربیع الثانی سنہ 9 ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ حبشہ کے چند باشندے جدہ کے سامنے اکٹھے ہو گئے ہیں۔ یوں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اہل جدہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے علقمہ بن مجزر کی قیادت میں تین سو مجاہدین کا دستہ ان حبشیوں کی سرکوبی کیلئے روانہ فرمایا۔ حبشیوں نے مجاہدین کے خوف سے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں اور ایک جزیرہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئے۔ ان کے تعاقب میں علقمہ بھی اپنے دستے سمیت سمندر کو عبور کرتے ہوئے اس جزیرہ میں پہنچ گئے۔ انہوں نے جب لشکر اسلام کو اپنے قریب آتے دیکھا تو وہ وہاں سے بھی بھاگ گئے۔ حضرت علقمہ ان حبشیوں کو بھگانے کے بعد واپس آ گئے۔ راستہ میں چند مجاہدین نے اپنے سالار سے اجازت طلب کی کہ وہ جلدی میں ہیں اس لئے انہیں لشکر سے پہلے چلے جانے کی اجازت دی جائے۔ حضرت علقمہ نے اجازت دیدی اور پہلے جانے والے مجاہدین کا امیر حضرت عبداللہ بن حذافہ اسکھمی کو مقرر فرمایا۔ ان کی طبیعت میں بڑی ظرافت تھی۔ جب راستہ میں وہ ایک جگہ اترے تو مجاہدین نے تاپنے کیلئے آگ جلائی۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ کو ایک مزاح سوچا اور اپنے ساتھیوں کو کہا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اس آگ میں کود جاؤ۔ بعض مجاہد اپنے امیر کے حکم کی تعمیل کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے، جب امیر لشکر نے یہ محسوس کیا کہ یہ لوگ واقعی آگ میں کود جائیں گے تو آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ، میں تو تمہارے ساتھ دل لگی کر رہا تھا۔ جب یہ دستہ مدینہ طیبہ پہنچا تو اس واقعہ کا ذکر بارگاہ رسالت میں کیا گیا تو سر کا دو عالم ﷺ نے قیامت تک آنے والے اپنے امتیوں کیلئے ایک واضح ضابطہ کا اعلان فرمایا:

مَنْ أَمَرَكَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا تُطِيعُوهُ

”جو شخص تمہیں معصیت کے ارتکاب کا حکم دے تو ایسے امیر کی اطاعت

مت کرو۔“

علامہ ابن قیم اور امام ابو زہرہ نے یہاں صحیح بخاری کی ایک روایت نقل کی ہے جو اس

ارشاد نبوی کی مزید تائید کرتی ہے، وہ مدینہ ناظرین ہے:

سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کے پیارے رسول نے ایک سریہ بھیجا اور اس کا امیر ایک انصاری کو مقرر فرمایا اور تمام مجاہدین کو حکم دیا کہ وہ اپنے سالار کی بات سنیں بھی اور اس پر عمل بھی کریں۔ شکر روانہ ہوا۔ اثنائے سفر کسی وجہ سے وہ انصاری ان پر ناراض ہو گیا اور انہیں حکم دیا کہ ایندھن جمع کرو۔ انہوں نے ایندھن کے ڈھیر لگا دیئے۔ پھر حکم دیا کہ آگ جلاؤ، جب آگ خوب بھڑکنے لگی تو امیر دستہ نے مجاہدین کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کیا اللہ کے رسول ﷺ نے میری بات ماننے کا تمہیں حکم نہیں دیا تھا؟ سب نے کہا بیشک دیا تھا۔ اس انصاری امیر نے کہا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس بھڑکتی ہوئی آگ میں کود جاؤ۔ سارے مجاہدین حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ وہ بولے کہ ہم نے تو آگ کے عذاب سے بچنے کیسے حضور کا دامن پکڑا تھا۔ وہ اس حالت میں تھے کہ امیر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور آگ بجھا دی گئی۔

مجاہدین کا یہ دستہ جب لوٹ کر مدینہ طیبہ آیا تو اس واقعہ کا تذکرہ بارگاہ رسالت میں کیا گیا۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا جو لوگ امیر کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آگ میں داخل ہو جاتے وہ پھر کبھی اس سے باہر نہ نکل سکتے۔ پھر ارشاد فرمایا:

لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ (۱)

”اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں۔ اطاعت ہمیشہ نیک کاموں میں ہوتی ہے۔“

سریہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

رسول مکرم ﷺ نے ماہ ربیع الثانی سنہ ۹ ہجری میں سیدنا علی المرتضیٰ کو ڈیڑھ سو مجاہدین کے دستہ کا سالار بنا کر بھیجا تاکہ بنی طے قبیلہ کے بت کو جس کا نام فلس تھا، جا کر پاش پاش کر دیں اور اس کے استھان کو پیوند خاک کر دیں۔ ڈیڑھ سو مجاہدین کی سواری کیسے رحمت عالم ﷺ نے ایک سواونٹ اور پچاس گھوڑے مہیا فرمائے۔ بنی طے قبیلہ کا سردار حاتم عاتق کا بیٹا عدی تھا۔ لشکر اسلام کی آمد کی اطلاع ملتے ہی وہ شام کی طرف بھاگ گیا۔ اسلام کے مجاہدین نے قبیلہ کے افراد پر حملہ کیا، ان کے بت فلس کو پاش پاش کر دیا گیا اور اس کے استھان کو

جو نہ خاک کر دیا۔ بہت سے جنگی قیدی اور دیگر سامان قبضہ میں آیا۔ ان جنگی قیدیوں میں حاتم طائی کی لڑکی سفانہ جو عدی کی سگی بہن تھی، وہ بھی تھی۔ اس بت کے خزانے سے تین تلواریں دستیاب ہوئیں۔ ایک کا نام الرسوب، دوسری کا نام الحمد اور تیسری کا نام الیمانی تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے الرسوب نامی تلوار اپنے لئے جن لی اور الحمد نامی تلوار سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ بقیہ اموال غنیمت احکام الہی کے مطابق مجاہدین میں تقسیم کر دیئے گئے۔ (1)

قبیلہ عدی بن حاتم کا قبول اسلام

قبیلہ بنو طے، عرب کے مشہور قبائل میں سے ایک تھا۔ حاتم طائی اسی قبیلہ کا مایہ ناز فرد تھا۔ جس کی فیاضی اور سخاوت نے اس قبیلہ کے نام کو چار دانگ عالم میں روشن کر دیا تھا۔ حاتم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عدی، اپنی قوم کا سردار مقرر ہوا۔ وہ اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ اپنی زبان سے بیان کرتا ہے۔ میں اس واقعہ کو سیرت ابن ہشام سے استفادہ کرتے ہوئے ہدیہ ناظرین کر رہا ہوں:

عدی کہتا ہے کہ عرب کے دوسرے غیر مسلم بھی رسول اللہ ﷺ کو دل سے ناپسند کرتے تھے لیکن میری ناپسندیدگی سب سے زیادہ تھی۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ مجھے نہ ان کی اطاعت کی ضرورت ہے اور نہ ان کے دین کو قبول کرنے کی حاجت ہے۔ کیونکہ میں ایک تو اپنی قوم کا رئیس ہوں، میرا مذہب عیسائیت ہے، میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امتی ہوں، نیز میری قوم اپنی آمدنی کا چوتھا حصہ مجھے پیش کرتی ہے۔ جب میرا مذہب بھی سچا ہے اور قوم نے مجھے اپنا فرمانروا بھی تسلیم کر لیا ہے اور مجھے اپنی آمدنی کا گراں قدر حصہ بطور نذرانہ پیش کرتے ہیں تو مجھے کسی نئے نبی یا نئے دین کو قبول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

لیکن پیغمبر اسلام ﷺ کی فتوحات اور اسلام کی کامیابیوں کے چرچے میں بھی متاثر ہوتا تھا۔ اس لئے میرے دل میں یہ تشویش ضرور تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پیغمبر اسلام میرے علاقہ پر بھی حملہ کر دیں۔ میرا ایک عربی النسل نوکر تھا، جو میرے اونٹوں کو چرایا کرتا تھا۔ میں نے اسے حکم دیا کہ اصطبل میں ہر وقت چند ایسے اونٹ موجود رہنے چاہئیں جو سرکش نہ

ہوں اور موٹے تازے ہوں اور جب تو یہ سنے کہ مسلمانوں کے لشکر نے بنی طے کے علاقہ میں قدم رکھا ہے تو مجھے فوراً اطلاع دے دیتا۔ چنانچہ ایک روز وہ گھبرایا ہوا آیا اور اس نے آکر مجھے بتایا کہ محمد ﷺ کے شہسوار یہاں پہنچ گئے ہیں۔ میں نے ان کے جھنڈے بھی دیکھے ہیں۔ اس لئے آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ اب کر گزریں۔ میں نے اسے کہا کہ میرے اونٹوں پر پالان کسو اور انہیں میرے پاس لے آؤ۔ وہ لے آیا تو میں نے اپنی بیوی بچوں کو ان پر سوار کیا اور شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں میرے ہم مذہب عیسائیوں کی کافی تعداد موجود تھی۔ جلدی میں اپنی بہن اور حاتم کی بیٹی سفانہ کو وہیں چھوڑ گیا۔

میں شام پہنچا اور وہاں سکونت پذیر ہو گیا۔ میرے وطن سے چلے آنے کے بعد اسلام کے مجاہد میری قوم کے علاقہ میں پہنچے۔ انہوں نے بہت سے لوگوں کو جنگی قیدی بنالیا، ان میں حاتم کی بیٹی سفانہ بھی تھی۔ حضور ﷺ کو شام کی طرف میرے بھاگ جانے کی اطلاع مل گئی تھی۔ جب یہ جنگی قیدی مدینہ طیبہ پہنچے تو انہیں مسجد کے دروازے کے سامنے ایک چھپر میں ٹھہرایا گیا۔ وہاں ہی حاتم کی بیٹی کو بھی رکھا گیا۔ مقررہ کی روایت کے مطابق سفانہ کو رملہ بنت حارثہ کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔ (۱)

ایک روز رسول اللہ ﷺ سفانہ کے پاس سے گزرے، وہ اٹھ کر حضور کے پاس چلی آئی، وہ بڑی فصیح اللسان اور چرب زبان تھی۔ اس نے عرض کی، یا رسول اللہ! میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور میری پر سش احوال کیسے آنے والا شام بھاگ گیا ہے۔ مجھ پر احسان فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا۔ حضور نے پوچھا تیرا وفد کون ہے؟ عرض کی عدی بن حاتم۔ حضور نے فرمایا وہی عدی، جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگ گیا ہے۔ اتنی بات ہوئی اس کے بعد حضور مجھے یوں کھڑا چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ دوسرے روز پھر حضور میرے پاس سے گزرے۔ جو عرض میں نے کل کی تھی، وہی آج بھی پیش کی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کل والا ہی جواب مجھے دیا اور تشریف لے گئے۔ تیسرے روز بھی ایسا ہی ہوا اور میں مایوس ہو گئی۔ ایک نوجوان حضور علیہ السلام کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس نے مجھے اشارہ کیا کہ اٹھو اور حضور کی خدمت میں اپنی معروضات پیش کرو۔ اس کے کہنے سے میری حوصلہ افزائی ہوئی۔ میں اٹھی اور عرض کی، یا رسول اللہ! میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور میری خبر

گیری کے لئے آنے والا غائب ہو گیا ہے، مجھ پر احسان فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا۔ رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں آزاد کر دیا۔ لیکن یہاں سے جانے میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ تیری قوم کا کوئی قابل اعتبار شخص تمہیں مل جائے جو تمہیں حفاظت کے ساتھ تیرے وطن پہنچا دے، پھر مجھے اطلاع دینا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ جس شخص نے مجھے اشارہ کر کے پھر اپنی گزارش پیش کرنے کا حوصلہ دلایا ہے، وہ کون شخص ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ وہ نوجوان علی بن ابی طالب ہیں رضوان اللہ علیہ۔ میں وہاں ٹھہری یہاں تک کہ قبیلہ بلیہ اور قضاہ کے چند سوار آئے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں بھی تمہارے ساتھ اپنے بھائی کے پاس شام جانا چاہتی ہوں مجھے اپنے ہمراہ لے چلیں۔ چنانچہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ! میری قوم کے چند لوگ آئے ہیں جن میں قابل اعتماد اشخاص بھی ہیں۔ چنانچہ حضور نے مجھے نیا جوڑا پہنایا۔ سواری کیسے مجھے اونٹ بخشا اور راستہ کے اخراجات کیلئے نقدی بھی مرحمت فرمائی اس طرح میں ان لوگوں کی معیت میں شام پہنچی۔

عدی کہتے ہیں کہ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے ایک ہودج دیکھا جس کا رخ میری طرف تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ حاتم کی بیٹی ہے۔ جب وہ قریب آئی تو واقعی وہ حاتم کی بیٹی تھی۔ جب وہ میرے نزدیک آئی تو اس نے مجھے خوب سرزنش کی۔ مجھے قطع رحمی کرنے والا اور ظالم کہا۔ اس نے کہا کہ تم اپنے ہال بچوں کو تو اونٹوں پر سوار کر کے ہمراہ لے آئے ہو۔ لیکن تم نے اپنے باپ کی بقیہ نشانی اور اس کی عزت کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا کہ یہ سب دشتم کا موقع نہیں کوئی اچھی بات کہو۔ میں نے جو کیا ہے اس کے لئے میرے پاس کوئی وجہ جواز نہیں، میں شرمندہ ہوں اور معذرت خواہ ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے ہودج سے نیچے اتری اور میرے پاس رہائش پذیر ہو گئی۔ ترجمان حقیقت حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو اپنے مخصوص انداز میں یوں بیان کیا ہے:

در مصافحے پیش آں گردوں سریر دختر سردار طے آمد اسیر
ایک جنگ میں اس آقا کی خدمت میں جس کا تخت آسمان ہے سردار
طے کی بیٹی قیدی کی حیثیت سے پیش ہوئی۔

دخترک راجوں نبی بے پردہ دید چادر خود پیش روئے او کشید
اس بچی کو نبی رحمت نے جب ننگے سر دیکھا تو حضور نے اپنی چادر سے
اس کے چہرہ کو ڈھانپ دیا۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد بارگاہ رسالت میں اپنی قوم کی حالت زار پیش کرتے ہیں:
ما ازالا خاتون طے عریاں تریم پیش اقوام جہاں بے چادریم
ہم خاندان طے کی اس خاتون سے بھی زیادہ برہنہ ہیں۔ دنیا کی ساری
قوموں کے سامنے ہمارا سر بھی ننگا ہے۔

روز محشر اعتبار ما است او در جہاں ہم پردہ دار ماست او
حضور نبی کریم ﷺ قیامت کے روز بھی ہمارا بھروسہ ہیں اور اس دنیا
میں بھی حضور ہمارا پردہ رکھنے والے ہیں۔ (۱)

وہ بڑی زیرک اور دانا خاتون تھی، میں نے اس سے کہا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ اس شخص کے
بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا، بخدا وقت ضائع کئے بغیر اس کی
خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہے یا تو وہ نبی ہے یا
بادشاہ۔ اگر وہ نبی ہے تو تمہارا بھلا اس میں ہے کہ تم فوراً حاضر ہو کر ان پر ایمان لے لو تاکہ
تمہارا شمار السابقون الاولون میں ہو۔ اور اگر وہ بادشاہ ہے تو بادشاہوں کو دانشور اور دور
اندیش مصاحبوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تیری خداداد صلاحیتوں کو جب دیکھیں گے تو
تیری قدر افزائی کریں گے اور تمہیں کوئی باوقار منصب تفویض کریں گے۔ میں نے کہا
بہن! تمہاری رائے بڑی صائب ہے۔ چنانچہ میں شام سے روانہ ہو کر مدینہ طیبہ آیا اور بارگاہ
رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گیا۔ حضور اس وقت اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں
نے سلام عرض کیا۔ حضور نے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے عرض کی عدی بن حاتم۔ حضور
کھڑے ہو گئے اور مجھے لے کر اپنے کاشانہ اقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک
بوڑھی اور کمزور سی عورت نے حضور کو گزارش کی کہ حضور آپ ٹھہریں میری عرض
سماعت فرمائیں۔ نبی کریم ﷺ دیر تک کھڑے رہے اور وہ اپنی چٹانسی رہی۔ میں نے جب
یہ منظر دیکھا تو میرے دل نے بر ملا کہا کہ **وَاللّٰهُ مَا هَذَا بِمَلِیْثٍ** ”خدا کی قسم! یہ بادشاہ

نہیں ہے۔ ”کہاں بادشاہوں کی نخوت و غرور اور کہاں یہ عجز و انکسار۔

جب وہ فارغ ہوئی تو مجھے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر لے کر اپنے گھر کی طرف چلے جب اپنے حجرہ مبارکہ میں داخل ہوئے تو ایک نکلیہ جو چڑے کا تھا اور اس کو کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا تھا، حضور نے وہ میری طرف سرکایا اور فرمایا: **إِنِّي لَأَجِئُ عَلَى هَذِهِ**

عدی اس پر بیٹھ جاؤ۔ ”میں نے عرض کی، حضور آپ تشریف رکھئے۔ حضور نے فرمایا: **إِنِّي لَأَجِئُ** ”نہیں تم ہی بیٹھو گے۔“ میرے لئے اب تعمیل ارشاد کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ بادل نخواستہ میں اس کے اوپر بیٹھ گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے سامنے فرش زمین پر تشریف فرما ہو گئے۔ پھر میرے دل نے یہ آواز دی: **وَاللّٰهُ مَا هَذَا يَا مَوْلاَیَ خُدا** کی قسم! یہ کسی بادشاہ کا طرز عمل نہیں ہے۔ پھر حضور نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے حاتم کے بیٹے عدی! کیا تو عیسائیوں کے رکوسی فرقہ سے تعلق نہیں رکھتا! میں نے عرض کی، میرا اسی فرقہ سے تعلق ہے۔ پھر فرمایا۔ کیا اپنی قوم سے تو غنیمت کا چوتھا حصہ وصول نہیں کرتا؟ میں نے عرض کی، میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ جواباً حضور نے فرمایا۔ تیرے دین میں تو یہ حلال نہیں ہے۔ میں نے عرض کی، بخدا! ایسا ہی ہے۔ حضور کے اس ارشاد سے مجھے معلوم ہو گیا کہ حضور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ہر چیز جانتے ہیں، ان سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ پھر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا۔ اے عدی! شاید اس دین کو قبول کرنے کے راستہ میں یہ چیز حائل ہے کہ مسلمان غریب اور محتاج لوگ ہیں، اس لئے تم غریبوں کا دین قبول نہیں کرتے۔ بخدا! وہ وقت آنے والا ہے جبکہ ان میں مال و دولت کی اتنی فراوانی ہوگی کہ ان میں کوئی پینے والا نہیں ملے گا۔

پھر فرمایا۔ شاید تو اس لئے اس دین کو قبول کرنے سے گریز کر رہا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہے اور ان کے دشمنوں کی تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے۔ اے عدی! بخدا! عنقریب تو سنے گا کہ ایک عورت اپنے اونٹ پر سوار ہو کر قادیہ سے نکلے گی اور بیت اللہ شریف کی زیارت کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔

آخر میں فرمایا، اے عدی! شاید تو اس لئے اس دین کو قبول کرنے سے ہچکچا رہا ہے کہ تو دیکھتا ہے کہ حکومت و سلطنت غیروں کے قبضہ میں ہے۔ خدا کی قسم! عنقریب تو سنے گا کہ بابل کے قصر ابیض کو یہ فتح کریں گے اور اس میں داخل ہوں گے اور کسریٰ کی وسیع و

عریض مملکت پر ان کا پرچم لہرائے گا۔ حضور کے ان ارشادات کو سن کر میری آنکھوں سے
تعصب کے پردے اٹھ گئے۔ حق کا روئے زیبا مجھے صاف نظر آنے لگا اور میں نے بھد
مسرت اسلام قبول کر لیا۔

عدی کہا کرتے کہ حضور نے جو تین پیش گوئیاں فرمائی تھیں ان میں سے دو پوری ہو
چکی ہیں اور تیسری بھی ضرور پوری ہوگی۔ میں نے اس شکر میں شرکت کی جس نے پابل
کے قعر ابیض پر فتح کا پرچم لہرایا، میں نے اس عورت کو دیکھا جو اونٹ پر سوار ہو کر قادیسیہ
سے روانہ ہوئی اور بل خوف و خطر اس نے یہ طویل مسافت طے کی اور بیت اللہ کا حج کیا۔ خدا
کی قسم اتیسری بات بھی ضرور پوری ہوگی کہ اس امت میں ماں و دوست کی اتنی فراوانی ہوگی
کہ کوئی لینے والا نہیں ملے گا۔ (1)

غزوة بدر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَالْجَاوِلُ الْأَقْلَامُ
وَالْمُسْرِفُونَ سَبِيلُ اللَّهِ بَارِكُوا فِي حُرْمَةِ
الْأَنْبِيَاءِ تَعْلَوَاتِ

اجہاد کے لیے ہلکے اور بھاری ہونے اور جہاد کرو
اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں یہ بہتر ہے
تمہارے لیے اگر تم اپنا نفع نقصان جانتے ہو "التوہید"

غزوہ تبوک

تبوک، ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ طیبہ اور دمشق کے باہل، سوا میں واقع ہے۔ غزوہ تبوک نبی مکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا آخری غزوہ ہے جو ۶۲۹ء میں و قوت پذیر ہوا۔ اس غزوہ کے متعدد اسباب کتب سیرت میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مساعی جمید سے چند سالوں میں جزیرہ عرب کے بکھرے ہوئے صحارے قبائل کو ایک قوم و ایک ملت میں تبدیل کر دیا تھا۔ سر زمین عرب جو پیشہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ کر رہ گئی تھی، اب وہ ایک وسیع و عریض ریاست میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اسلام کا نور ایک طرف تو یمن اور بحرین کی سرحدوں تک روشنی پھیلا رہا تھا تو دوسری طرف بحر احمر کے مشرقی ساحل اور شمال میں اردن کی حدود کو تابندہ کر رہا تھا۔ عرب کے باشندے جو رحمت عالم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے سینکڑوں خداؤں کے پرستار ہونے کے باعث سینکڑوں بتوں میں بٹ کر رہ گئے تھے، اسلام کے رشتہ میں پروئے جانے کے بعد بنیان موصوف بن گئے تھے۔ حضور پر نور کی پیہم جدوجہد، قابل صدر رشک کامیابی سے ہمسفار ہو چکی تھی۔ مکہ کی فتح اور ہوازن کی شرمناک شکست کے بعد ملک عرب میں کوئی ایسی طاقت باقی نہیں رہی تھی جو اسلام اور اہل اسلام سے ٹکر لینے کی جرأت کر سکے۔

حضور کی شان رحمت ملالینی کا اب یہ تقاضا تھا کہ جزیرہ عرب کے ارد گرد جن ممالک میں ابھی گھپ اندھیرا تھا اور جہاں کے باشندے طرح طرح کی گمراہیوں میں پھنسے ہوئے تھے، ان ممالک کو نور توحید سے منور کرنے اور وہاں کی خفتہ بخت اقوام کو بیدار کرنے کی طرف توجہ مبذول فرمائیں۔ چنانچہ اللہ جل مجدہ نے اپنے رسول پر یہ آیت نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا زِينَتَكُمْ وَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا زِينَتَكُمْ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (1)

”جہاد (کیلئے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (اپنا) نفع، نقصان) جانتے ہو۔“

اب وقت آگیا تھا جب اسلام کے سر فروش مجاہد اپنے ہادی اعظم ﷺ کی قیادت میں عرب کی سرحدوں سے باہر دنیا کی طرف اپنی عنان توجہ مبذول کریں۔ چنانچہ مجاہدین اسلام پتھروں کے بنے ہوئے لات و ہبل کو پاش پاش کرنے کے بعد انسانی پیکر میں جو فرعون اور نمرود انسانیت کا خون چوس رہے تھے، ان کی عزتوں کو خاک میں ملا رہے تھے، ان کے وجودنا مسخود کے بوجھ سے نوع انسانی کو آزادی کا مژدہ سنائیں۔

خداوند ذوالجلال نے **لَا نِعْزَ وَ لَا خِفَافًا وَ ثِقَالًا وَ جَاهِدُوا**۔۔۔۔۔ کا حکم اس وقت دیا جب اس کے محبوب نے ایک ایسی امت تیار کر لی تھی جو اس ارشاد ربانی پر لبیک لبیک کہنے کی استعداد رکھتی تھی۔ ان میں اپنے اعلیٰ مقصد کی بقا اور نشوونما کیلئے اپنی جان عزیز کی بازی لگانے کا جذبہ صدقہ، عزم محکم اور ہمت بلند پیدا کر دی گئی تھی۔ ان کے نقد ایمان کو پرکھنے کیلئے قدرت الہی نے غزوہ تبوک کی راہ ہموار کر دی۔

تبوک کی جنگ عام قسم کی جنگ نہ تھی بلکہ ہر پہلو سے یہ بے مثال جنگ تھی۔ مدینہ طیبہ سے میدان جنگ دس بیس یا پچاس ساٹھ میل کی مسافت پر نہ تھا بلکہ سات سو کلومیٹر اور ایک روایت کے مطابق نو سو کلومیٹر پر تبوک کا شہر واقع تھا جہاں یہ جنگ لڑی جانے والی تھی اور یہ فاصلہ لائق و دق صحرائوں اور بے آب و گیاہ ریگزاروں سے ہو کر گزرنا تھا۔ مجاہدین اسلام کے پاس نہ خور و نوش کے اطمینان بخش ذخائر تھے اور نہ مجاہدین کی سواری کیلئے معقول انتظام تھا۔ تین مجاہدین کیلئے ایک اونٹ کا بندوبست ہو سکا تھا۔ ہر مجاہد اگر پانچ میل اونٹ وغیرہ پر سوار ہو کر طے کرتا تھا تو اسے دس میل پیدل چلنا پڑتا تھا۔ پانی جیسی اہم ترین چیز کی از حد قلت تھی۔ انہیں اپنی خشک زبانوں اور خشک حلق کو صرف تر کرنے کیلئے اپنے سواری کے اونٹ ذبح کرنا پڑتے تھے تاکہ ان کی آنٹوں اور معدوں سے جو مائع چیز دستیاب ہو، اس سے وہ اپنی زبان کو تر کر سکیں۔

وہ موسم جس میں یہ جنگ پیش آئی تھی سخت گرمیوں کا موسم تھا۔ گرم لو چلتی تھی تو جسم کی کھال کو جل کر رکھ دیتی تھی۔ صحرائے عرب کا سورج سارا دن ایسی آفتیں کر نہیں

برساتا رہتا تھا کہ زمین تاجے کی طرح تپ جایا کرتی تھی۔ لشکر اسلام کا مقابلہ کسی صحرائی قبیلہ سے نہ تھا جس کے جوانوں کی تعداد چند سو یا چند ہزار تھی۔ بلکہ یہاں مقابلہ سلطنت روم سے تھا جو اس وقت کی دو عالمی طاقتوں میں سے ایک طاقت تھی، جس نے ابھی ابھی اپنی حریف عالمی طاقت (سلطنت ساسان) کو زبردست شکست دی تھی۔ جس کے پاس جدید اسلحہ کے انبار تھے اور فوج کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔ کھانے پینے کی اشیاء کے ذخائر طویل مدت تک فوج کی ضروریات کیلئے کافی تھے۔ ان تاغوت بہ حالات میں مجاہدین اسلام نے جس جرأت اور پامردی کا مظاہرہ کیا، اقوام عام کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

غزوہ تبوک کے اسباب

غزوہ تبوک کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے ہم ان اسباب کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں جو اس تاریخ ساز غزوہ کے محرک بنے۔

استاد شوقی ابو ظلیل کی تصنیف ”تبوک الغزوة الحسری“ سے استفادہ کرتے ہوئے چند چیزیں پیش خدمت ہیں :

حنین کے میدان میں عرب کے مشہور قبیلہ ہوازن کو شکست فاش دینے اور طائف سے بعض مصلحتوں کے پیش نظر محاصرہ اٹھا دینے کے بعد نبی مکرم ﷺ مراجعت فرمائے مدینہ طیبہ ہوئے۔ اس وقت ذی الحجہ کا مہینہ تھا اور ہجرت کا آٹھواں سال تھا۔ سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ اطلاع ملی کہ رومیوں نے شام میں لشکر جرار کھینچ کر لیا ہے اور وہ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کیلئے زبردست تیاریوں میں مصروف ہیں اور ان کے متعدد فوجی دستے بلقاء کے شہر تک پہنچ گئے ہیں۔ وہاں انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا ہے۔ شام میں جن عربی قبائل نے نصرانیت اختیار کر لی تھی، وہ ہر وقت قیصر کو اس بات پر اکساتے رہتے تھے کہ وہ بلا تاخیر مسلمانوں پر حملہ کرے اور دین اسلام کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دے۔ اگر مسلمانوں کو مزید مہلت دی گئی تو عنقریب وہ اتنی قوت حاصل کر میں گے کہ پھر ہمارے لئے ان کا مقابلہ کرنا ممکن نہ رہے گا۔ انہوں نے قیصر کو برا بھلا کرنے کیلئے من گھڑت باتیں سے بتانی شروع کیں کہ آج کل عرب میں شدید قحط ہے اور بھوک سے مسلمانوں کا بہت برا حال ہے۔ ان کے سواری کے جانور بڑی کثرت سے مر رہے ہیں۔ ایسے حالات میں اگر مسلمانوں پر حملہ

کیا جائے تو کامیابی یقینی ہے۔ ہم بڑی آسانی سے ان کا قلع قمع کر دیں گے۔ اس طرح اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ادھر یہ منصوبہ بندی تھی۔ مگر ادھر نبی رحمت ﷺ عربوں کے کفر و شرک سے زنگ آلود دلوں کا تزکیہ کر کے انہیں نور اسلام سے منور فرما رہے تھے۔ انہیں توحید باری کی شراب طہور پلا کر اسلام کے پرچم کے نیچے متحد اور منظم فرما رہے تھے۔ سلطنت روم کا فرمانروا قیصر اس دین قیم کی مسلسل پیش رفت کو بڑی تشویش سے ملاحظہ کر رہا تھا۔

مسلمانوں کی پے در پے فتوحات کے باعث قیصر روم کو طرح طرح کے اندیشے پریشان رکھتے تھے:

(1) رومیوں کے تجارتی کارواں جو شمال سے جنوب کی طرف جاتے تھے، ان کے راستے جزیرہ عرب کے درمیان سے گزرتے تھے۔ اگر مسلمان سارے جزیرہ عرب پر قابض ہو جاتے ہیں تو ان کاروانوں کی آمد و رفت خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس طرح انہیں شدید مالی خسارہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(2) رومیوں کے وہ کارندے جو جزیرہ عرب کے شمال میں آباد تھے، جو اس کے ہر حکم کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا کرتے تھے، مسلمان ان کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس طرح اس کا سیاسی اقتدار کا قصر رقع زمین بوس ہو جائے گا۔

(3) ان کے مددگار جو جزیرہ عرب میں مختلف مقامات پر رہائش پذیر تھے، جو ان کے تجارتی قافلوں کے تحفظ کرتے تھے، ان کا وجود بھی خطرے میں پڑ جائے گا اور آئندہ وہ ان کے قافلوں کی حفاظت کا فریضہ ادا کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔

(4) عیسائیت، سلطنت روم کا رسمی اور سرکاری مذہب تھا۔ اگر اسلام کو غلبہ نصیب ہو گیا تو مسلمان صرف ان کی حکومت کا ہی خاتمہ نہیں کر دیں گے بلکہ ان ممالک میں ان کے مذہب کا بھی جنازہ نکل جائے گا۔

(5) رومیوں کی ایرانیوں سے ہمیشہ جنگ رہتی تھی۔ انہیں ہر وقت خطرہ رہتا تھا کہ ایرانی ان پر جنوب کی طرف سے حملہ نہ کر دیں۔ اس لئے وہ جزیرہ عرب پر اپنا تسلط قائم کر کے اپنے ملک کی جنوبی سرحدوں کو محفوظ کر لینا چاہتے تھے تاکہ ایران ان پر جنوب کی طرف سے حملہ کرنے کا خیال ہی دل سے نکال دے۔

جزیرہ عرب کے ارد گرد جتنے سلاطین اور حکمران تھے، ان میں سب سے پہلے قیصر نے

ان خطرات کا احساس کیا اور ان خطرات کا بروقت سدباب کرنے کیلئے اس نے دین اسلام کے مرکز مدینہ طیبہ پر لشکر کشی کا عزم مصمم کر لیا۔

اسی اثناء میں ملک شام سے تجارت کی ایک جماعت میدہ، تیل اور شام کی بہت سی مصنوعات لے کر مدینہ طیبہ آئی اور انہوں نے مسلمانوں کو بتایا کہ قیصر روم نے اپنی بے پناہ فوج مسلمانوں سے جنگ کرنے کیسے جمع کر لی ہے۔ اور ہر قتل نے اپنی فوج کے سپہیوں کو ایک سال کی پیشگی تنخواہ دے دی ہے۔ اور انہیں کثیر انعامات کا بھی دے کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کیلئے تیار کر دیا ہے۔ اپنی فوج کے علاوہ وہ عربی قبائل جو یہودی ہو چکے تھے خمر، عالمہ، جذام اور غسان قبائل کو اپنے ہمراہ لے گیا ہے اور ان کے کئی دستے بقاء کے مقام تک پہنچ گئے ہیں۔ (1)

رومی سلطنت کے فرمانروا، جزیرہ عرب میں دین اسلام کے زیر اثر جو تہذیبیں رونما ہو رہی تھیں، ان سے وہ اپنے آپ کو پوری طرح باخبر رکھتے تھے۔ ان کے جاسوس انہیں غلط فہمی کی معلومات فراہم کیا کرتے تھے یہاں تک کہ جب سرور عالم ﷺ اپنے ایک جانباز کعب بن مالک پر اس لئے ناراض ہوئے کہ وہ بلا وجہ غزوہ تبوک میں شامل نہیں تھے، اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے حضرت کعب کو بہکانے میں ذرا دیر نہیں کی، بلکہ انہیں خط لکھا اور اپنے مخصوص قاصد کے ہاتھ روانہ کیا جس میں تحریر تھی **فَالْحَيُّ بِئَاثِمٌ** ہم سے تم لو، ہم تمہاری دلجوئی کریں گے۔

مسجد ضرار

مسجد ضرار کا شاخسانہ بھی رومیوں کی سازش کا نتیجہ تھا، انہوں نے منافقین کی جماعت سے رابطہ قائم کر کے انہیں ایک مسجد تعمیر کرنے کی ترغیب دی تاکہ وہ سادہ لوح مسلمان جو نماز ادا کرنے کیسے وہاں آئیں، وہ انہیں درغلا کر مسلمانوں سے علیحدہ کر دیں۔ قیصر نے انہیں ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا تاکہ وہ مسجد کے نام پر مسلمانوں کے اتحاد میں نقب لگا سکیں اور ان کے شیرازہ کو بکھیرنے میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ اس ساری سازش کا سرغنہ ابو مرہب تھا جو اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھتا اور جل کر کباب ہو تا رہتا۔ آخر کار ابو

عامر مدینہ کو چھوڑ کر قیصر روم کے پاس چلا گیا اور اس سے اسلام کو مٹانے کیلئے مدد کا طلبگار ہوا۔ قیصر روم نے اس کے ساتھ پختہ وعدہ کیا کہ وہ اسلام کے خلاف اس کی ہر ممکن اندازہ کرے گا۔ اس نے ابو عامر کو اپنے پاس بڑی عزت و احترام سے ٹھہرایا۔ ابو عامر راہب نے قیصر کی یقین دہانی کے بعد مدینہ میں اپنے منافق دوستوں کی طرف لکھا کہ وہ بہت جلد قیصر کا لشکر جہاز لے کر مدینہ پر حملہ آور ہو گا اور مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دے گا۔ اس نے انہیں ہدایت کی کہ وہ وہاں ایک دینی مرکز قائم کریں تاکہ وہاں عبادت کے بہانے جمع ہو اکریں۔ اس طرح انہیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صلاح مشورے کرنے کا سنہری موقع مل جائے گا۔ چنانچہ قیصر کے ایماء پر ابو عامر نے یثرب کے منافقوں کو ایک مسجد تعمیر کرنے پر آمادہ کر لیا۔

پس پردہ بڑی رازداری سے یہ منصوبے بن رہے تھے کہ اسی اثناء میں فروہ بن عمرو بن النفرہ کے قتل کے واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

فروہ بن عمروہ قبیلہ جذام کی ایک شاخ بنو نفاثہ کا امیر تھا۔ عہد نبوت میں قیصر نے اس کو اپنی قوم بنو نافرہ کا حاکم اعلیٰ مقرر کر دیا۔ اس کی قوم بنو نافرہ خلیج عقبہ اور حجاج شہر کے درمیانی علاقہ میں رہائش پذیر تھی۔ جب حجاز کے دو بڑے شہروں مکہ، مدینہ شریفہما اللہ تعالیٰ، پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو اس نے بارگاہ رسالت میں ایک عریضہ تحریر کیا اور اس میں اپنے مشرف باسلام ہونے کا اعلان کیا اور ایک سفید رنگ کا نچر بطور نذرانہ عقیدت ارسال کیا۔ قیصر کی حکومت کو علم ہو گیا کہ اس کے مقرر کردہ گورنر نے اسلام قبول کر لیا ہے تو اس نے ابو شمر غسانی کو حکم دیا کہ وہ جائے اور فروہ کو غداری اور خیانت کے ارتکاب کے جرم میں گرفتار کر لے۔ ہر قتل نے بڑے جتن کئے کہ کسی طرح اس کو اسلام سے برگشتہ کر کے پھر عیسائی بنادے لیکن قیصر کی ان مساعی کے باوجود اس کے پائے ثبات میں ذرا الغرض نہ آئی اور وہ اسلام سے برگشتہ ہونے پر آمادہ نہ ہوا۔ چنانچہ قیصر کے حکم سے پہلے فروہ کا سرتن سے جدا کر دیا گیا۔ پھر اسے سولی پر لٹکا دیا گیا۔ (1)

فروہ کی شہادت کا حادثہ کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ اس حادثہ فاجعہ نے مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ایک مرد مومن کو قیصر نے اس لئے قتل کروادیا کہ اس بندہ خدا نے فرمانروائے

روم کے اس حکم کے سامنے مرجھکانے سے انکار کر دیا کہ وہ اپنے دس ہندوین کو چھوڑ کر پھر عیسائیت کو اختیار کر لے۔ عدل و مساوات کا علمبردار نبی اس متبدا کو یونکر نظر انداز کر سکتا تھا۔ (1)

انہیں حالات میں شام سے تجارت کا ایک قافلہ آیا جو میدہ، سفید آٹا، مصاصہ جات اور تیل وغیرہ سامان تجارت لے کر مدینہ طیبہ آیا۔ ان لوگوں نے اہل مدینہ کو بتایا کہ رومیوں نے دمشق میں بہت بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے اور ہر قل کے حکم سے ہر سال کی پیشگی تحفہ ادا کر دی گئی ہے اور انہیں مزید انعامات و آرامات سے نوازنے کے وعدے بھی کئے گئے ہیں۔ اس رومی لشکر کے ساتھ کئی عرب قبائل بھی شریک ہیں جنہوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی ہے تم، جذام، غسان و یرعہ۔ عرب قبائل بھی اس رومی لشکر کے ساتھ مل گئے ہیں۔ اس لشکر نے حمد کرنے کیے پیش قدمی شروع کر دی ہے۔ ان کے مقدمہ الحیش کے دستے بقاء تک پہنچ گئے ہیں اور نبیوں نے وہاں اپنے خیمے نصب کر دیئے ہیں۔ ہر قل بذات خود اس لشکر کے ساتھ نہیں آیا بلکہ وہ حمص چلا گیا ہے۔ (2)

بعض مورخین کی رائے ہے کہ ان کی اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ رومی حکومت کے ایماء پر ان تاجروں نے محض فوہ پھینے کیے یہ باتیں کی تھیں تاکہ مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا ہو جائے۔ (3)

مسلمانوں کیلئے چارہ کار

مسلمانوں کیلئے اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ یا تو وہ رومی عساکر کا انتظار کریں کہ وہ آگے بڑھتے چلے آئیں اور آخر کار ان کے مرکز مدینہ طیبہ پر بیخار کر کے مسلمانوں کو جنگ کی بھٹی کا ایندھن بنا کر انہیں خاکستر کر دیں۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ شیعہ اسلام کے پروانے، نبی مختار کے جانباز مجاہد آگے بڑھ کر دشمن کے میل رواں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جائیں اور اپنی قوت ایمان سے دشمن کے دانت کھٹے کر دیں اور انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیں۔

رحمت عالم ﷺ نے ان دو طریقوں میں سے دوسرا طریقہ اختیار فرمایا۔ کیونکہ بزدلوں کی طرح ہلوں میں گھس جانے سے دشمن کو میدان جنگ میں لکارنا ہی امت محمدیہ کے نمایان شان تھا۔ ان کی غیرت ایمانی اور حمیت دینی کا یہی تقاضا تھا۔

جنگ کا اعلان عام

رسول مکرم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ وہ جنگوں کے بارے میں رازداری سے کام لیتے۔ اس مقام کا نام صراحۃً ذکر نہ کرتے بلکہ کنایہ بتا دیا جاتا کہ کدھر کا قصد ہے، لیکن غزوہ تبوک کیلئے روانگی کے وقت صاف صاف اعلان فرمادیا کہ اس دفعہ لشکر اسلام کا ہدف تبوک ہے، جہاں اسلام کے مجاہد، رومیوں کے قشون قاہرہ سے نبرد آزما ہوں گے۔ اس کی کئی وجوہات تھیں:

- 1۔ مسافت بہت طویل تھی۔
- 2۔ شدید گرمی کا موسم تھا۔
- 3۔ جس دشمن سے نبرد آزما ہونے کا ارادہ تھا اس دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

اپنی منزل کا صراحۃً ذکر کرنے سے مدعا یہ تھا کہ کوئی مجاہد کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔ حقیقت حال سے انہیں پوری طرح آگاہ کر دیا گیا تاکہ وہ اس جنگ میں شرکت کرنے کیلئے اگر روانہ ہو رہے ہیں تو پوری طرح تیار ہو کر اپنے گھر سے قدم باہر رکھیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جن ایام میں ایک عالمی طاقت سے جہاد کرنے کا اعلان فرمایا گیا وہ ایام لوگوں کیلئے بڑی عسرت اور تنگ دستی کے تھے۔ شدید گرمی کا موسم تھا، عرصہ دراز سے ملک میں بارش نہیں ہوئی تھی، قحط سالی کا عالم تھا اور یہ وہ دن تھے جبکہ پیٹھے پھس کھانے، ٹھنڈا پانی پینے، درختوں کے گھنے سائے میں آرام کرنے کی خواہش ہر شخص کو تھی۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ سفر کی صعوبتوں اور موسم گرما کی تمازت سے اپنے آپ کو بچائے، ٹھنڈے سائے میں استراحت کرے، پیٹھے اور تازہ پھلوں سے اپنے کام و دھن کی تواضع کرے۔

تاہم اللہ کے سچے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لشکر کے تمام مجاہدین کو جنگ کیلئے تیار ہو جانے کا حکم دیدیا اور انہیں صاف صاف بتا دیا کہ اس دفعہ حکومت روم سے ٹکر لینے کا ارادہ ہے۔

جہاد کے لئے انفاق کی دعوت و ترغیب

مرشد کریم اور رحیم ﷺ نے اپنی امت کے اغنیاء اور اصحاب ثروت کو حکم دیا کہ وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کیلئے دل کھول کر مالی اعانت کریں تاکہ مجاہدین اسلام کے لئے

خورد و نوش اور سوار یوں کا بندوبست کیا جائے، اور نہیں ترغیب دی کہ وہ اپنی آخرت کو سنوارنے کیلئے دل کھول کر راہ خدا میں اپنے سیم و زر کو بعد مسرت پیش کریں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں اپنے انعامات سے سرفراز فرمائے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بے مثل ایثار

حضرت رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے سب سے پہلے جو صحابی اللہ کی راہ میں اپنی عمر بھر کا اندوختہ پیش کرنے کیلئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آپ کے گھر میں جو سرمایہ تھا وہ سب ایک گھڑی میں باندھا۔ اس میں چار ہزار درہم کے علاوہ اور بھی چیزیں تھیں جو سب کا سب اپنے آقا محمد عربی ﷺ کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیا۔ نبی رحمت ﷺ نے جب اپنے یار کے اس ایثار کو دیکھا تو دریافت کیا: **هَلْ أَبْقَيْتَ لِذَهَبِكَ شَيْئًا؟** ”یا تم اپنے بل و عیال کیلئے کوئی چیز چھوڑ آئے ہو؟“ حضرت صدیق نے بعد ادب و نیاز عرض کی: **أَبْقَيْتُ لَكَهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ** ”میں اپنے گھر میں ان کیلئے اللہ و اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔“ (1)

حضرت علامہ اقبال نے اس واقعہ کو بڑے ایمان افروز انداز میں بیان کیا ہے۔ اس عاشق رسول کے چند اشعار بھی سن دیجئے تاکہ آپ کو اس یارِ غار کے جذبہ ایثار کا جائزہ لینے میں آسانی ہو:

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آیا	جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد و فاسرشت	مر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
بولے حضور چاہئے فکر عیال بھی	کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
اے تجھ سے دیدہ و نامہ و انجم فروغ گیر	اے تیری ذات باعث نکوین روزگار
پروانے کو چراغ ہے بہل کو پھول بس	صدیق کیسے ہے خدا کا رسول بس (2)

حضرت صدیق اکبر کے بعد حضرت فاروق اعظم حاضر خدمت ہوئے، رضی اللہ عنہما۔ آپ کے گھر میں جو دولت تھی اس کو دو برابر حصوں میں بانٹ دیا۔ ایک نصف اٹھا کر اپنے

1۔ ”سبل الہدیٰ“، جلد 5، صفحہ 628

2۔ علامہ محمد قبال، ”بانگ درا“، حکایت اقبال (اردو)، بورشنگ خدیم علی ایڈیٹرز پبلشرز، 1979ء، صفحہ 4۔

صفحہ 224-225، ”صدیق“

آقا کی خدمت میں لے آئے۔ رحمت مجسم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: اَبَقِیْتَ لِاَهْلِكَ شَیْنًا؟ "اے عمر! کیا تم اپنے اہل و عیال کیلئے کچھ چھوڑ آئے ہو؟" آپ نے عرض کی، یا رسول اللہ! نصف مال حضور کی خدمت میں لایا ہوں اور نصف مال اہل و عیال کیلئے گھر رکھ آیا ہوں۔ اس روز حضرت عمر کو معلوم ہو گیا کہ وہ حضرت ابو بکر سے کسی میدان میں سبقت نہیں لے جاسکتے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ایثار

آپ نے دو سواقیہ چاندی حضور کی خدمت میں پیش کر دی اور بقیہ سارا مال نصف نصف بانٹ دیا اور ایک نصف جہاد کے اخراجات پورا کرنے کیلئے حاضر کر دیا۔ نبی رحمت ﷺ نے ان کی اس انداز ایثار کو اپنی دعاؤں سے نوازا اور بارگاہ الہی میں ان کیلئے یوں دعا کی:

بَارَكَ اللهُ لَكَ فِي مَا أَنْفَقْتَ وَفِي مَا أَبْقَيْتَ

"اے عبدالرحمن! اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے اس مال میں بھی جو تو نے خرچ کیا اور اس میں بھی جو تو نے باقی رکھا۔"

حضور کی اس دعا کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ کے مال میں اتنی برکت دی جس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ صرف اندازہ لگانے کیلئے آپ ملاحظہ فرمائیں کہ آپ نے چار ہزار درہم ایک مرجہ خرچ کئے۔ پھر ایک موقع پر چالیس ہزار دینار خرچ کئے۔ پھر ایک موقع پر پانچ صد گھوڑے راہ خدا میں پیش کئے۔ پھر ایک موقع پر پانچ سواونٹ اللہ کی راہ میں دیئے۔ آپ نے سنہ ۴۱ ہجری میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر پچھتر سال تھی۔ آپ نے وصیت کی تھی کہ ان کے مال سے پچاس ہزار دینار اللہ کی راہ میں خرچ کئے جائیں اور ہر بدری کو جو اس وقت زندہ تھا چار سو دینار دینے کی وصیت کی۔ زندہ بدریوں کی تعداد اس وقت ایک سو تھی۔ ایک ہزار گھوڑے مجاہدین کو مہیا کرنے کی وصیت کی۔ ان وصیتوں کو ادا کرنے کے بعد اتنا سونا ورثہ میں چھوڑا کہ کلہاڑوں سے کاٹا گیا۔ آپ نے چار بیوائیں چھوڑیں۔ آپ کی ایک بیوی نے میراث میں سے اپنے حصے کے بدلے میں اسی ہزار دینار وصول کئے۔" (1)

1. عزالدین ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم، ابن الاثیر (م 630ھ)، "اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ"، شہر، کتاب فروشی اسلامیہ، بابت، جلد 2، صفحہ 485

حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کا انفاق

آپ نے کھجوروں کے سترو سق پیش کئے و سق، اس وزن کو کہتے ہیں جو یک اونٹ پر لاداجاتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فیاضانہ انفاق

آپ نے لشکر اسلام کے تیسرے حصہ یعنی دس ہزار مجاہدین کیلئے سواری کے جانور، اسلحہ، زرہیں اور دیگر ضروریات جہاد مہیا کیں۔ کلمہ حق کو بند کرنے کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس فیاضی سے اپنی دولت خرچ کی، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت امام احمد بن حنبل اور امام بیہقی، حضرت حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ان کی آستین میں دس ہزار دینار تھے وہ آپ نے فخر و عالم ﷺ کی جھولی میں پٹ دیئے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حضور ان دیناروں کو الٹ پٹ رہے تھے اور ساتھ ہی دعا فرما رہے تھے :

اللَّهُمَّ اَرْضْ عَنْ عُثْمَانَ فَإِنِّي عَنْهُ رَاضٍ

”اے اللہ عثمان سے راضی ہو جا، میں اس سے راضی ہوں۔ پھر نہیں وعدی۔“

غَفَرَ اللَّهُ لَكَ يَا عُثْمَانُ مَا أَسْرَرْتَ وَمَا أَعْلَنْتَ وَمَا هُوَ كَاثِرٌ إِلَيَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا يَبْأُرِي مَا عَمِلَ بَعْدَهَا۔

”اے عثمان اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے اس دولت پر جو تم نے مخفی رکھی اور جس کا تو نے اعلان کیا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے، عثمان کو کوئی پروا نہیں کہ آج کے بعد وہ کوئی عمل کرے۔“

دوسرے مسلمان بھی اپنے قبیلہ کے تادار مجاہدوں کے سئے سواری کا انتظام بھی کرتے اور اسلحہ بھی مہیا کرتے۔ خواتین بھی اپنے مومن بھائیوں سے پیچھے نہ رہیں۔ ہر قسم کے زیور، سونے کے کڑے، گلو بند، پازیب، گوشوارے اور انگشتریاں۔ جو کچھ زیور کسی نے پہن رکھا تھا، اس نے اتار کر مجاہدین کی خدمت کیلئے بارگاہ نبوت میں پیش کر دیا۔

حضرت ابو عقیل انصاری رضی اللہ عنہ کا فقر و ایثار

ان اکابر صحابہ میں جنہوں نے اپنی دولت کے ذمیر حضور کے قدموں میں لگا دیئے، ان کے علاوہ فقراء صحابہ کا ایثار بھی بڑا ایمان افروز تھا۔ حضرت ابو عقیل انصاری نے جب اپنے آقا کو اللہ کے راستہ میں اپنا مال قربان کرنے کی تلقین کرتے ہوئے سنا تو انہوں نے اپنے گھر پر نظر ڈالی تو گھر میں کوئی چیز نہ تھی جو وہ پیش کر سکتے۔ وہ ایک یہودی کے پاس گئے اور اس کے ساتھ یہ طے کیا کہ وہ کنوئیں سے ڈول نکال نکال کر اس کے باغ کو سیراب کریں گے۔ اور وہ اسے دو صاع کھجور دے گا۔ ساری رات آپ ڈول نکالتے رہے، صبح کے وقت تک انہوں نے سارے باغ کو سیراب کر دیا۔ اس یہودی نے آپ کو دو صاع کھجور دی۔ آپ ایک صاع کھجوریں اپنے اہل و عیال کیلئے گھر چھوڑ آئے اور ایک صاع اپنے آقا کی خدمت میں نذر کر دیا۔ اس کریم آقا نے اس کی دل شکنی نہیں کی کہ ایک صاع کھجور لے کر آئے ہو، اس سے کتنے لشکر کی ضرورت پوری ہوگی بلکہ اس کی دلجوئی اور عزت افزائی کرتے ہوئے ایک صحابی کو حکم دیا کہ یہ کھجور جو ابو عقیل لے کر آیا ہے، اٹھا لو اور جتنے ذمیر سامان خور و نوش کے جمع ہو چکے ہیں دو دو کھجوریں ہر ایک ذمیر پر رکھتے جاؤ۔ اس شخص کے خلوص کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کے صدقات کو بھی قبول فرمائے گا۔ (1)

مخلص اہل ایمان نے جب اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس جہاد میں شمولیت کی دعوت سنی تو وہ بصد مسرت و خلوص بڑے جوش و خروش سے مجاہدین کے اس لشکر میں شریک ہو گئے اور اپنی حیثیت سے بھی بڑھ کر مالی ایثار کا مظاہرہ کیا لیکن یہاں بعض ایسے لوگ بھی تھے جو جاں نثاروں کے اس لشکر میں شریک نہیں ہوئے۔ یہ سب ایک قماش کے لوگ نہ تھے۔ بعض ان میں سے وہ تھے جنہوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ان کے دلوں میں نفاق کا روگ تھا۔ یہ لوگ خود بھی اس لشکر میں شریک نہ ہوئے اور دوسرے لوگوں کو بھی جہاد میں شرکت کرنے سے روکا کرتے۔ وہ مسلمان کو بھی کہتے لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَيَةِ "کہ سخت گرمی سے بچل رہی ہے، سورج آگ برسا رہا ہے، اتنی شدید گرمی میں مت نکلو، آرام سے گھروں میں بیٹھے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قوس کی تردید کرتے ہوئے یہ

آیت نازل فرمائی:

(1) قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ

”اے میرے حبیب! ان نادانوں کو بتاؤ کہ آتش جہنم اس گرمی سے بہت زیادہ گرم ہے۔ کاش یہ لوگ حقیقت کو سمجھ سکیں۔“

لشکر اسلام کی روانگی

جب لشکر اسلام کی روانگی کا وقت قریب آیا، وہ صبح پہ جن کے پاس سواری بیٹھے جانور نہ تھے، وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ انہیں سواری بیٹھے جانور مرحمت فرمائے جائیں تاکہ جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل کریں۔ یہ سب سچے مسلمان تھے لیکن مفلس و نادار تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس سواری کے جانور نہیں ہیں جن پر میں تمہیں سوار کروں۔ اس جواب سے انہیں بڑا دکھ ہوا۔ اور جب وہ حضور کی مجلس سے باہر نکلے تو ان کی آنکھیں ٹکڑیاں تھیں وہ رو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت کی یوں تصویر کشی کی ہے:

تَوَلَّوْا وَاعْيَبَهُمْ تَفْيِضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَنْ لَا

(2) يَجِدُوْا مَا يَنْفِقُوْنَ۔

”وہ واپس ہوئے اس حال میں کہ شدید غم و اندوہ کے باعث ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے اور وہ اس بات پر اذہرِ نچیدہ تھے کہ راہِ حق میں خرچ کرنے کیلئے ان کے پاس کوئی چیز نہیں۔“

یامین بن عمیر النضری کی ملاقات ابو بکر بن عبد الرحمن بن کعب اور عبد اللہ بن مظفل سے اس حالت میں ہوئی کہ وہ زار و قطار رو رہے تھے۔ اس نے ان دونوں سے رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے بتایا کہ ہم رسوں اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست لے کر حاضر ہوئے تھے کہ ہمیں سواری کے لئے اونٹ مہیا کئے جائیں تاکہ وہ اس جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل کر سکیں، لیکن حضور پر نور کے پاس اس وقت سواری کے جانور نہ تھے، اس

لئے ہم واپس جا رہے ہیں اور اس محرومی پر اشک فشاں ہیں۔ یحییٰ بن عمیر نے ان دونوں کو ایک اونٹ دیا اور زاد راہ کے طور پر کھجوریں بھی دیں۔ چنانچہ وہ اس جہاد میں حضور کے ہمراہ ہو کر شریک ہوئے۔ جو لوگ سواری نہ ملنے کی وجہ سے روئے لگ گئے تھے، ان کی تعداد سات ہے اور ان کے اسماء مبارکہ درج ذیل ہیں:

(1) سالم بن عمیر (2) علبہ بن زید (یہ قبیلہ بنی حارثہ سے تھے) (3) ابو جلی عبد الرحمن بن کعب (ان کا تعلق بنی نجار کے بنو مازن قبیلہ سے تھا) (4) عمرو بن حمام بن اجموح (یہ بنو سہیم کے ایک فرد تھے) (5) عبد اللہ بن مغفل المزنی (6) ہرمی بن عبد اللہ۔ (ان کا تعلق بنی واقف سے تھا)۔ (7) عرابض بن ساریہ فزاری۔ (1)

بعض اہل ایمان ایسے تھے جو واقعی معذور تھے۔ ان کو اتنا ہی اجر و ثواب ملے گا جو جہاد میں شرکت کرنے والے مجاہدین کو ملتا ہے کیونکہ وہ عذر کی وجہ سے اس شرف سے محروم رہے، کسی نفاق یا ایمان کی کمزوری کی وجہ سے وہ غیر حاضر نہیں تھے۔

بعض ایسے صحابہ تھے جو شرکت سے محروم رہے لیکن اس غیر حاضری کا ان کے پاس کوئی عذر نہ تھا۔ بلکہ محض غفلت اور سستی کے باعث وہ اس لشکر میں شریک نہ ہو سکے۔ یہ تین حضرات تھے۔۔ کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع۔

منافقین

مدینہ طیبہ میں ایک گروہ ایسے اعداء اسلام کا تھا جو بظاہر تو نماز بھی ادا کرتے، اپنے آپ کو اسلام کا شیدائی بھی کہلاتے لیکن اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں ان کے دل حسد و عناد سے لبریز تھے۔ ان کا سر غنہ رئیس المنفقین عبد اللہ بن ابی تھا۔ روز اول سے ہی ان کا مشغلہ ریشہ دوانیاں کر کے مسلمانوں کے شیرازہ کو بکھیرنا تھا۔ قرآنی احکام پر وہ طرح طرح کی حجت بازیاں کیا کرتے۔ صحابہ کرام پر زبان طعن دراز کرتے۔ اس نازک موقع پر بھی ان کے وہی اطوار رہے۔ جب غریب مسلمان خدمت دین کیلئے مقدور بھر مالی اعانت پیش کرتے تو کہتے کہ یہ صاحب جو پانچ دس درہم لے آئے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان کی کیا ضرورت۔ حضرت ابو عقیل انصاری نے رات بھر کنوئیں سے ڈول نکال نکال کر ایک یہودی کے باغ

کو سیراب کیا تو اس یہودی نے انہیں دو صاع کھجوریں دیں۔ آپ نے ایک صاع اپنے اہل خانہ کو دیا اور دوسرا صاع بارگاہ نبوت میں مجاہدین کی اعانت کیلئے پیش کیا تو یہ منافق کہنے لگے "إِنَّ اللَّهَ لَفَتَّحَ لَكَ تَرَهُ هَذَا" شخص نے جو کھجوریں دی ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی نعمت نہیں" اور جب حضرت عبدالرحمن بن عوف نے پناہ خفاہل پیش کیا تو کہنے لگے کہ یہ سب ہمارا نمو وکیلے دیا جا رہا ہے، ان میں اخلاص نام کی کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رافض کر تے ہوئے یہ آیت نازل کی:

الَّذِينَ يَمِزُّونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي صَدَقَاتِ
وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ
سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (1)

”جو لوگ ریاکاری کا زمام لگاتے ہیں خوشی خوشی خیرات کرنے والوں پر، مومنوں سے اور جو نہ در نہیں پاتے بجز اپنی محنت و مشقت کی مزدوری کے تو یہ ان کا بھی مذاق اڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مز دے گا انہیں اس مذاق کی اور ان کے سنے دردناک عذاب ہے۔“

شکر اسلام کی مدینہ طیبہ سے روانگی

نبی رحمت ﷺ نے مدینہ طیبہ سے روانگی کے وقت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا کیونکہ سفر بہت طویل تھا اور تبوک کا مقام مدینہ طیبہ سے بہت دور تھا۔ اس لئے امہات المؤمنین اور اہل بیت کرام کی مومنات طاہرات کی حفاظت کیلئے خصوصی انتظام فرمائے۔ کیونکہ مدینہ طیبہ میں منافقین کی کافی تعداد تھی، وہ کسی وقت بھی فتنہ برپا کر کے اہل بیت کرام اور ازواج مطہرات کیلئے پریشانی کا باعث بن سکتے تھے۔ اس لئے اس اہم کام کیلئے سیدنا علی مرتضیٰ کو ان کی حفاظت کیلئے مقرر فرمایا تاکہ کوئی بداندیش شیر خدا کی موجودگی میں کسی قسم کی شرارت کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس انتظام کے بعد نبی کریم ﷺ تشریف لے گئے۔ منافقین نے اودھم مچا دیا اور سیدنا شیر خدا کے بارے میں طرح طرح کی چہ میوئیاں شروع کر دیں۔ کوئی منافق کہتا کہ علی شکر اسلام کیلئے ایک بوجھ تھے اس لئے حضور

انہیں ساتھ نہیں لے گئے۔ کوئی کہتا ڈرپوک تھے اس لئے پیچھے چھوڑا۔ سیدنا علی ایسا بہادر اور شیر دل سپاہی اپنے بارے میں اس قسم کی باتیں کیونکر برداشت کر سکتا تھا۔ آپ نے اپنے جسم پر ہتھیار سجائے اور جرف کے مقام پر حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو گئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے بارے میں یہودیہر قسم کی ہرزہ سرائیاں کر رہے ہیں، اگر اہ کرم مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں حضور کے ساتھ میدان جہاد میں جا کر اپنی جانبازی کے جوہر دکھاؤں۔ سرور عالم ﷺ نے فرمایا منافق جھوٹے جکتے ہیں۔ میں نے تمہیں اس لئے وہاں چھوڑا کہ آپ خاندان نبوت کی حفاظت کریں اور جو ضعیف و کمزور مسلمان پیچھے رہ گئے ہیں، ان کی خبر گیری کریں۔

أَفَلَا تَرْضَىٰ يَا عَلِيُّ أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ
مِنْ مُوسَىٰ إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي .

”اے علی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے اس طرح ہو چاؤ جس طرح ہارون موسیٰ علیہ السلام کیلئے تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔“

یہ ارشاد گرامی سننے کے بعد آپ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے گئے۔

جنگ میں شرکت سے معذرت کرنے والے

بہت سے اعرابی آئے اور عرض کرنے لگے کہ وہ جنگ میں شرکت کرنے سے معذور ہیں اس لئے ان کو جنگ میں شرکت کرنے پر مجبور نہ کیا جائے بلکہ معذرت قبول کر لی جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی اس درخواست کو مسترد کر دیا اور جو عذر انہوں نے پیش کئے انہیں قبول نہیں کیا بلکہ ایسے لوگوں کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات نازل فرمائیں:

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ
يُجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَنْفُسُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ
إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَأَرَبَابَتَ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا يَدْعُونَ . (1)

”نہ اجازت مانگیں گے آپ سے جو ایمان لائے ہیں اللہ پر اور روز قیامت پر کہ نہ جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے پرہیزگاروں کو۔ صرف وہی اجازت مانگتے ہیں آپ سے جو نہیں ایمان رکھتے اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ورثہ میں مبتلا ہیں ان کے دل تو وہ شک میں ڈالواں ہوں ہیں۔“

دانستہ پیچھے رہ جانے والے

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب کوچ کا حکم دیا تو چند دن جو بچے اور بچے مسلمان تھے وہ بھی اس لشکر میں شرکت نہ کر سکے۔ حالانکہ ان کے پاس کوئی مذر نہ تھا۔ ان کے ہاں یہ تھیں:

(1) کعب بن مالک، جو قبیلہ بنی سمد کے ایک فرد تھے (2) حمال بن امیہ، بنو قطف کے ایک فرد تھے (3) مرارہ بن ربیع، خاندان عمرو بن عوف سے (4) ابو خثیمہ۔ ان حضرات کے مسلمان ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں تھا لیکن یہ سعادت ان کے نصیب میں نہ تھی۔ ان کے حالات ابھی آپ مطالعہ کریں گے۔

ہام الانبیاء علیہ السلام نے ماہ رجب سنہ 9 ہجری میں مدینہ طیبہ سے تبوک کیسے کوچ فرمایا۔ تیس ہزار مجاہد حضور کے ہمراہ تھے۔ اس لشکر میں مدینہ طیبہ کے انصار و مہاجرین کے علاوہ دیگر قبائل کو بھی شامل ہونے کی دعوت دی گئی تھی اور مکہ میں جو لوگ مشرف باسلام ہو چکے تھے انہیں بھی کہا گیا کہ وہ مجاہدین کے ساتھ شامل ہو کر اس سعادت جہاد سے بہرہ ور ہوں۔ مجاہدین کی سواری کیلئے اونٹوں کے علاوہ دس ہزار گھوڑے تھے۔ ہر تین آدمیوں کیلئے ایک سواری کا جانور مرحمت فرمایا گیا۔ یہ تینوں باری باری اس پر سوار ہوتے تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے لشکر کا سب سے بڑا پرچم حضرت صدیق اکبر کو مرحمت فرمایا اور بڑا جھنڈا حضرت زبیر بن عوام کو عطا کیا۔ قبیلہ اوس کا علمبردار حضرت اسید بن حضیر اور قبیلہ خزرج کا علمبردار حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہما کو مقرر فرمایا۔ انصار کے ہر خاندان اور عرب کے ہر قبیلہ کو ان کی حیثیت کے مطابق علم یا پرچم عطا فرمایا۔ یہ حضرات جن کو لشکر اسلام کا علمبردار بننے کا اعزاز حاصل ہوا، ان کا ماضی بڑا شاندار تھا۔ اشدت اسلام کے سلسلہ میں

ان کی خدمات قابل صد تحسین تھیں۔ ان انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد نبی کریم مع اپنے مجاہدین کے روانہ ہوئے اور مدینہ طیبہ کے باہر غنیۃ الوداع کے مقام پر سارے لشکر کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا۔ مدینہ طیبہ سے روانگی کے وقت عبداللہ بن ابی ریحس المنافقین اپنے حواریوں سمیت لشکر اسلام کے ہمراہ روانہ ہوا لیکن جب حضور اکرم نے غنیۃ الوداع کے مقام پر قیام فرمایا تو اس نے کوہ ذباب کے سامنے اپنا الگ ڈیرا جمایا۔ نبی کریم ﷺ تھوڑے توقف کے بعد جب اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے تو عبداللہ بن ابی ریحس اپنے دوستوں کے ساتھ چپکے سے کھسک گیا۔ ان کھسکے والوں میں عبداللہ بن بتل اور رفاعہ بن زید جماعت منافقین کے سرغنہ بھی تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

لَقَدْ ابْتَغُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ
جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَرِهُونَ

(1)

”اے حبیب۔ وہ کوشاں رہے فتنہ انگیزی میں پہلے بھی۔ اور الٹ پلٹ کرتے تھے آپ کے لئے تجویزیں یہاں تک کہ آگیا حق اور غالب ہوا اللہ کا حکم اور وہ ناخوش تھے۔“

ان پیچھے رہنے والوں میں چند مخلص مسلمان بھی تھے۔ ان میں ابو خثمہ اور مالک بن قیس کا نام بہت معروف ہے۔

ابو خثمہ کا جذبہ ایمان

ایک روز شدید گرمی تھی۔ ابو خثمہ اپنے اہل خانہ کے پاس آئے اور دیکھا کہ ان کے باغ میں ان کی دونوں بیویاں اپنے اپنے چھپر میں تھیں۔ ہر ایک نے اپنے چھپر پر چمڑ کا ڈکر کے اسے ٹھنڈا بنالیا تھا اور ہر ایک نے اپنے چھپر میں ٹھنڈے پانی سے بھرے ہوئے گھڑے سجا رکھے تھے نیز بڑا لذیذ کھانا بھی انہوں نے تیار کر رکھا تھا۔ جب ابو خثمہ اپنے باغ میں داخل ہوئے تو دونوں چھپروں کے دروازے تک آکر رک گئے۔ اپنی بیویوں کو دیکھا، انہوں نے ان کے آرام و آسائش کیلئے جو اہتمام کر رکھے تھے اسے بھی ملاحظہ فرمایا تو عاشق صادق کی زبان سے نکلا:

رَسُولُ اللَّهِ فِي الصَّبْرِ وَالرِّيحِ وَأَبُو خَيْثَمَةَ فِي ظِلِّ
بَارِدَةٍ وَمَاءٍ بَارِدٍ وَطَعَامٍ مُهَيَّئًا مَرَأَةً حَسَنَةً فِي
مَالٍ مُقَيَّمٍ مَا هَذَا بِالنَّصِيفِ

”اللہ کا پیارا رسول تو دھوپ اور لو میں اور ابو خيثمہ ٹھنڈے سائے میں،
جہاں ٹھنڈا پانی رکھا ہے لہذا یہ کھانا تیار ہے اور خور و بیوی موجود ہے۔ یہ
تو انصاف کا تقاضا نہیں۔“

پھر اپنی بیویوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

میں تم میں سے کسی ایک کے چہرے میں قدم بھی نہیں رکھوں گا بلکہ اپنے ہادی و مرشد
ﷺ کے ساتھ جا ملوں گا۔ میرے لئے زاور اور تیار کرو۔ چنانچہ ان نیک بخت بیویوں نے ان
کیلئے فوراً زاور اور تیار کر دیے۔ پھر آپ کی اونٹنی آپ کے سامنے پیش کی گئی اور اس پر سوار ہو کر
ابو خيثمہ حضور اکرم ﷺ کی جستجو میں نکلے۔ چنانچہ جس روز رسول اللہ ﷺ تبوک کے
مقام پر پہنچے تو یہ بھی وہاں شرف ہاری بی بی سے مشرف ہوئے۔ ان کے عداوہ عمیر بن وہب
انہی بھی پیچھے رہ گئے تھے، وہ بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے گھر سے روانہ
ہوئے۔ راستہ میں ان کی ملاقات ابو خيثمہ سے ہو گئی۔ دونوں ایک ساتھ جب تبوک کے
قریب پہنچے تو ابو خيثمہ نے عمیر بن وہب کو کہا کہ مجھ سے ایک بڑا گنہ سرزد ہوا ہے، اگر تم
مجھ سے کچھ پیچھے رہ جاؤ تو میں بارگاہ رسالت میں تم سے پہلے حاضر ہو جاؤں۔ لوگوں نے
جب ایک سوار کو اپنی طرف آتے دیکھا تو عرض کی یا رسول اللہ! کوئی شتر سوار ہماری طرف
آ رہا ہے حضور نے فرمایا كُنْ أَبَا خَيْثَمَةَ ”خدا کرے یہ ابو خيثمہ ہو۔“ (1)

کچھ دیر بعد صحابہ نے عرض کی، بخدا ایہ سوار ابو خيثمہ ہی ہے۔ وہاں پہنچ کر ابو خيثمہ نے
اپنے اونٹ کو بٹھایا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے بعد سلام عرض کیا۔ سرکارِ دو عالم
ﷺ نے ابو خيثمہ کو فرمایا۔ اَوْفَى لَكَ يَا أَبَا خَيْثَمَةَ لَخْبَرَةٌ خَيْرٌكَ ”اے ابو خيثمہ!
تمہیں مبارک ہو۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ابو خيثمہ پر جو ہتی تھی اس سے اسے سگاہ کیا۔“
حضور نے اس کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ (2)

بلاد شمود

اس سفر میں لشکر اسلام کا گزر حجر نامی گاؤں سے ہوا۔ یہ گاؤں وادی القریٰ میں ہے اور اسی وادی میں قوم شمود کے مکانات ہیں۔ حضور ﷺ وہاں اترے اور لوگوں نے اپنے مشکیزوں اور برتنوں میں وہاں کے کنوؤں کا پانی بھر لیا اور جب لشکر اسلام روانہ ہوا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس پانی سے تم نے پینا نہیں، نہ نماز کیلئے وضو کرنا ہے اور اس پانی سے جو آٹا گوندھا ہے وہ اونٹوں کو کھلا دو اور اپنی روٹی اس سے نہ پکاؤ۔ رات کے وقت اگر کسی شخص کو اپنے خیمہ سے باہر نکلنے کی ضرورت محسوس ہو تو اکیلا مت نکلے بلکہ اپنے کسی ساتھی کو ہمراہ لے جائے۔ لوگوں نے ارشاد رسالت مآب کی تعمیل کی لیکن بنو ساعدہ کے دو آدمی خیموں سے تنہا تنہا نکلے اور کسی دوسرے ساتھی کو اپنے ہمراہ نہ لے گئے۔ ایک شخص قضاۓ حاجت کیلئے اور دوسرا اپنے اونٹ کی تلاش کیلئے نکلا۔ پہلا شخص جب باہر نکلا تو کسی نے اس کا گلابا دیا اور جو اونٹ کی تلاش میں نکلا تھا، اسے تیز آندھی اڑا کر لے گئی اور بنی طے قبیلہ کے دو پہاڑوں کے درمیان پھینک دیا۔ بارگاہ رسالت میں اس کے بارے میں عرض کی گئی۔ حضور نے فرمایا، کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا کہ اکیلے باہر نہ نکلتا؟ حضور نے اس شخص کیلئے دعا فرمائی جس کو کسی نے گلے سے دبوچ کر حواس باختہ کر دیا تھا، وہ صحت یاب ہو گیا۔ اور جس کو تیز ہوانے اڑا کر بنی طے کے کوہستان میں جا پھینکا تھا جب وہاں کے لوگ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو اس شخص کو ہمراہ لیتے آئے۔

علامہ ابن ہشام لکھتے ہیں۔ حضور اکرم جب حجر کے پاس سے گزرے تو اپنے رخ انور پر کپڑا ڈال لیا اور اپنے اونٹ کو ایڑی لگائی تاکہ وہ جلدی جلدی یہاں سے گزر جائے۔ نیز فرمایا کہ ظالموں کے گھروں میں مت داخل ہو مگر یہ کہ تم اللہ سے ڈر کر دروہے ہو۔ کہ مبادا تم پر عذاب الہی نازل ہو جائے۔

وہاں سے اپنی منزل کی طرف کوچ کیا۔ اثنائے سفر ایک ایسے چشمہ کے پاس سے گزر ہوا جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ حضور نے اپنے امتیوں کو فرمایا معجزات کا مطالبہ نہ کیا کرو، تمہیں علم ہے کہ حضرت صالح کی قوم نے معجزہ کا مطالبہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پتھر کی چٹان سے ایک اونٹنی ظاہر کی لیکن ان کی قوم اس کی

قدرو منزلت کو نہ پہچان سکی اور نہ اس کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں انہوں نے کوئی توجہ کی۔ آخر کار انہوں نے جنگ آکر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اس کو ہلاک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس گستاخی کے بدلے میں ان پر ایک تند آندھی کی شکل میں ایسا عذاب بھیجا کہ جس نے ان کا نام و نشان تک مٹا کر رکھ دیا۔

بارش کا نزول

آپ پڑھ آئے ہیں کہ جب غزوہ تبوک کیلئے مجاہدین اسلام روانہ ہوئے تو شدید گرمی کا موسم تھا۔ اور ایک طویل و عریض صحرا سامنے تھا، جس کو عبور کرنا تھا۔ وہاں پانی کا ایک قطرہ بھی دستیاب نہ تھا۔ پیاس کی شدت کے باعث مسلمانوں کی حالت بڑی نازک تھی۔ اپنی جان کو بچانے کیلئے وہ اپنے اونٹوں کو، جس کی سواری ان کے سب سے شدید ضروری تھی، ذبح کرنے پر مجبور ہوئے۔ ان کے معدوں اور آنتوں سے چند گھونٹ پانی مل جاتا تو اس سے وہ اپنے اونٹوں اور حلق کو تر کر کے وقت گزارتے۔ جب پانی کی تالیابی اور پیاس کی شدت کے باعث مجاہدین کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تو حضرت صدیق نے عرض کی، یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کی دعاؤں کو ہمیشہ شرف قبول ارزانی فرمایا کرتا ہے۔ اگر حضور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں بارش کیلئے دست سوال دراز کریں تو اللہ تعالیٰ حضور کو مایوس نہیں کرے گا۔ حضور نے فرمایا، اے ابوبکر! کیا یہ بات تجھے پسند ہے کہ بارش کیلئے دعا کروں؟ آپ نے عرض کی بیشک۔ حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بند کئے۔ وہ ٹٹھے ہوئے ہاتھ ابھی واپس نہیں آئے تھے کہ کالے بادل سارے آسمان پر چھا گئے اور تھوڑی دیر کے بعد موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ مسلمانوں نے اپنے برتن اور اپنے مشکیزے بھر لئے۔ خوب سیر ہو کر خود بھی پیا اور اپنے مویشیوں کو بھی پانی پلایا۔ صحابہ کہتے ہیں، جب ہم اپنی چھاؤنی سے باہر پہنچے تو وہاں زمین خشک تھی جہاں پانی ایک قطرہ بھی نہ پکا تھا، بارش صرف اس علاقہ تک محدود رہی جہاں مجاہدین اسلام نے خیمے نصب کئے ہوئے تھے۔ (۱)

صحابہ کرام کے ہمراہ چند منافق بھی تھے۔ مسلمانوں نے، نہیں کہا کہ دیکھی تم نے ہمارے نبی کی شان! ہاتھ اٹھنے کی دیر تھی کہ ہر طرف گھٹنا گھٹنا میں اٹھ کر آگئیں اور اتنی

بارش برسی کہ ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ صحابہ کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ شخص جس کے دل میں نفاق کا روگ ہے وہ بارگاہ الہی میں حضور ﷺ کی شان و عظمت کا جائزہ لے، نفاق سے توبہ کرے اور صدق دل سے ایمان لے آئے لیکن جن کے دلوں پر مہر لگی ہوتی ہے، انہیں ان باتوں سے ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ ایک منافق نے کہا، فلاں ستارہ آسمان پر طلوع ہوا ہے اس کی وجہ سے بارش برسی ہے۔ دوسرے نے کہا، آپ کی دعا کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ عام قسم کا بادل ہے جو یہاں سے گزرا اور چند بوندیں پٹکا دیں۔ (1)

سچ ہے اللہ تعالیٰ جب تک خود ہدایت کا دروازہ نہ کھولے اس وقت تک کوئی روشنی شاہراہ حیات کو منور نہیں کر سکتی۔

ناقہ کی گمشدگی

لشکر مجاہدین اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ ایک جگہ رات بسر کی تو سر کا دو عالم ﷺ کی ناقہ قصواء گم ہو گئی۔ صحابہ کرام اس کو تلاش کرنے کیلئے بڑی دوزدھوپ کر رہے تھے۔ حضرت عمارہ بن حزم بارگاہ رسالت میں حاضر تھے لیکن ان کی اپنی فرودگاہ میں ایک اور شخص بھی ٹھہرا ہوا تھا جس کا نام زید بن حصیف تھا، جو منافق تھا۔ اس کا تعلق یہودی قبیلہ بنو قبیصاع سے تھا۔ اس نے حالات کی مجبوری کے پیش نظر اسلام قبول کر لیا لیکن اس کے دل میں نفاق کا مرض موجود تھا یہ ہر معاملہ میں منافقین کی پاسداری کیا کرتا تھا۔ زید کہنے لگا کہ دیکھو محمد ﷺ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نبی ہیں اور آسمان کی باتوں سے تمہیں آگاہ کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ رات سے اونٹنی گم ہے۔ ان کے ساتھی تلاش کرتے کرتے تھک کر چور ہو گئے ہیں اور ابھی تک انہیں خبر تک نہیں ہوئی کہ اونٹنی کہاں ہے؟ ادھر زید یہ بات کر رہا تھا اور ادھر محبوب رب العالمین ارشاد فرما رہے تھے جسے عمارہ بھی سن رہے تھے کہ ایک منافق نے میرے بارے میں ایسی ایسی بات کی ہے کہ دعویٰ تو ان کا یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور آسمان کی باتوں سے تمہیں آگاہ کرتے ہیں لیکن حالت یہ ہے کہ انہیں اپنی اونٹنی کے بارے میں بھی علم نہیں کہ وہ کہاں ہے؟ پھر فرمایا، بخدا میں صرف اس بات کو جانتا ہوں جو میرا رب مجھے سکھاتا ہے۔ میرے رب نے مجھے بتا دیا ہے کہ گمشدہ اونٹنی فلاں وادی کے

قلاں گوشہ میں ہے اور اس کی تکمیل ایک درخت کے ساتھ الجھ گئی ہے۔ چاہتم و نفعی پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ صحابہ کرام گئے اور اونٹنی کو لے آئے۔ حضرت عمرو حضور سے اجازت لے کر اپنے خیمہ میں آئے اور کہنے لگے میں بہت حیران ہوں کہ اس بات سے جو اللہ کے رسول نے فرمائی ہے۔ حضور نے ابھی ابھی اس بات سے مجھے سگاہ کیا ہے کہ فداں شخص نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں۔ عمارہ کا بھائی جو اپنے خیمہ میں تھوڑے جھٹ بول کہ یہ بات تو زید نے کہی ہے۔ حضرت عمارہ کو جب زید کے جھٹ باطن پر آگاہی ہوئی تو انہوں نے زید کو گردن سے دیوچ لیا اور غصہ سے فرمایا:

اُخْرِجْ يَا عَدُوَّ اللَّهِ مِنْ رَحِيٍّ فَلَا تَصْحَبَنِي

”اے اللہ کے دشمن! میری قیام گاہ سے فوراً نکل جاؤ، میں تمہیں اپنے ساتھ رہنے کی اجازت نہیں دوں گا۔“

اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو گئی کہ صرف منافق ہی اللہ کے رسول کے علم اور شان رفیع پر زبان طعن و راز کرتے ہیں، کوئی بندہ مومن اس قسم کی جسارت نہیں کر سکتا۔ (۱)

نماز صبح، حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اقتداء میں

اس سفر میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ مغیرہ بن شعبہ ہند صحیح روایت کرتے ہیں کہ جب ہم حجر اور تبوک کے درمیان سفر کر رہے تھے تو رحمت عام ﷺ قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے۔ حضور کا یہ معمول تھا کہ جب قضائے حاجت کیلئے تشریف لے جاتے تو بہت دور نکل جاتے۔ میں بھی پانی کا لوٹا لے کر حضور کے پیچھے چل پڑا۔ اسی اثناء میں صبح کا اجالا پھیل گیا یہاں تک کہ صحابہ کرام کو یہ فکر دامن گیر ہو گیا کہ کہیں سورج نہ طلوع ہو جائے اور نماز نہ قضا ہو جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے حضرت عبدالرحمن کو آگے بڑھایا اور انہوں نے نماز پڑھنا شروع کی۔ میں پانی کا بھرا ہوا ٹالے کر حضور کے ہمراہ تھا۔ حضور نے اس روز رومی جبہ زیب تن فرمایا ہوا تھا۔ جب حضور استنجی سے فارغ ہوئے میں وضو کرانے لگا۔ حضور نے اپنا رخ انور دھویا پھر بازو دھونے کا ارادہ فرمایا لیکن اس جبہ کی ”ستین بڑی تنگ تھی، کوشش کے باوجود اوپر نہ چڑھ سکی۔ حضور نے اپنا بازو نیچے سے نکال لیا پھر اپنے

دونوں بازو دھوئے۔ پھر جوتے اتارنے کیلئے میں جھکا تو حضور نے فرمایا مغیرہ! انہیں رہنے دو۔ میں نے انہیں پاک کر کے خفین پہنی ہیں۔ چنانچہ حضور نے خفین پر مسح کیا۔ پھر ہم واپس آئے۔ حضرت عبدالرحمن ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔ صحابہ کو جب حضور کی آمد کا احساس ہوا تو تسبیح کہی تاکہ حضرت عبدالرحمن کو حضور کی آمد کا پتا چل جائے۔ نمازیوں میں ہلچل پیدا ہو گئی۔ حضرت عبدالرحمن نے بھی پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے ایک رکعت حضرت عبدالرحمن کی اقتداء میں ادا فرمائی۔ جب انہوں نے سلام پھیرا تو حضور نے کھڑے ہو کر باقی ماندہ رکعت ادا کی۔ پھر مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اَحْسَنْتُمْ ”تم نے بہت اچھا کیا“ کہ اپنی اپنی نماز مکمل کر لی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے بروقت نماز ادا کی۔ پھر فرمایا کہ کوئی نبی دفات نہیں پاتا جب تک اس کی امت کا ایک صالح مرد اس کی امامت نہ کرائے۔ (1)

ایک عجیب فیصلہ

اثنا عشر سفر بارگاہ رسالت میں دو آدمی پیش کئے گئے۔ ایک تو حضرت یحییٰ بن امیہ کا ملازم تھا اور دوسرا لشکر اسلام کا ایک مجاہد۔ ان دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ مجاہد نے اس اجیر کا ہاتھ اپنے دانتوں سے چبا ڈالا۔ اجیر کو درد ہوا تو اس نے ہاتھ کھینچی، جس سے مجاہد کے اگلے دو دانت اکھڑ کر ہاتھ کے ساتھ باہر آ گئے۔ اس سپاہی نے بارگاہ رسالت میں دعویٰ دائر کیا کہ اس شخص نے میرے دو اگلے دانت اکھڑ دیئے ہیں، مجھے ان کا معاوضہ دلایا جائے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کو جھڑکتے ہوئے فرمایا۔ کیا تیری مرضی یہ تھی کہ وہ اپنا ہاتھ تیرے منہ سے نہ کھینچتا اور تو اسے چباتا رہتا جس طرح نراونٹ اپنے منہ میں آنے والے کسی ہاتھ کو چباتا ہے۔ چنانچہ حضور نے اس کو معاوضہ نہ دلویا۔ (رواہ البخاری)

نبی کریم ﷺ استراحت فرما ہوئے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا امام بیہقی عقبہ بن عامر سے روایت کرتے ہیں کہ میں غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا۔ رات کو کافی دیر تک سفر جاری رہا۔ آخر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام استراحت فرما ہوئے اور آنکھ اس وقت کھلی جب سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہو چکا تھا۔

حضور نے حضرت بلال کو فرمایا، اسے بدل! کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ وقت فجر کا خیال رکھنا؟ عرض کی، یا رسول اللہ! مجھے نیند نے بے بس کر دیا، میں سو گیا جس طرح حضور سو گئے۔ وہاں سے فوراً کوچ کا حکم ہوا۔ کچھ مسافت طے کرنے کے بعد حضور نے سب کو رکنے کا حکم دیا۔ پھر نماز فجر قضا پڑھی گئی۔ رات دن بڑی سرعت کے ساتھ یہ مسافت طے کی گئی۔ دوسرے روز حضور تبوک میں تشریف فرما ہوئے۔

نبی رحمت ﷺ کی تبوک تشریف آوری

حضرت حذیفہ، حضرت معاذ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے تبوک میں غزوہ تبوک کے سفر میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہمراہ تھا۔ ایک دن سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ کل تم تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے اور جو شخص وہاں پہلے پہنچ جائے وہ مجھ سے پہلے اس چشمہ کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔ نبی کریم صلیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا کہ وہاں پانی کی شدید قلت ہے۔ حضور نے حکم دیدیا کہ سارے لشکر میں منادی کر دی جائے کہ مجھ سے پہلے کوئی شخص چشمے پر مت جائے۔ جب ہم تبوک کے مقام پر پہنچے تو دو آدمی ایسے تھے جو حکم عدو کرتے ہوئے پہلے پہنچ گئے۔ چشمہ سے پانی بہت قلیل مقدار میں رس رہا تھا۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا کیا تم نے پانی کو ہاتھ لگایا ہے، انہوں نے کہا، قی ہاں۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو بہت جھڑکا۔ پھر اس چشمہ سے جو پانی رس رہا تھا، اس کو چوبھ کر ایک مشک میں جمع کیا گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس سے اپنے چہرہ مبارک اور دونوں ہاتھ، حوٹے اور کلیں۔ پھر کلی کا پانی اس چشمہ میں ڈال دیا گیا۔ جس کے ڈالتے ہی اچانک ایک بڑا چشمہ جاری ہو گیا جس سے کثیر مقدار میں پانی نکلنے لگا۔ پانی اس جوش سے نکل رہا تھا کہ وہ زمین کو پھاڑ کر نکل رہا ہے۔

وہ چشمہ اب تک جاری ہے اور وہ فوارہ تبوک کے نام سے معروف ہے۔ لوگوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے معاذ اگر تیری زندگی لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ یہاں ہر طرف بانغات ہی بانغات ہوں گے۔

تبوک میں پہلی نماز

رحمت عالم ﷺ مع اپنے مجاہدین کے جب تبوک پہنچ گئے تو قبلہ کی سمت میں ایک پتھر رکھا اور تمام مجاہدین کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی۔ پھر نمازیوں کی طرف متوجہ ہو کر

فرمایا، اس سبت میں شام ہے اور اس سبت میں یمن۔ اہل اسلام نے اس جگہ ایک مسجد تعمیر کی جس جگہ نبی کریم ﷺ نے اپنی نورانی پیشانی سے اپنے رب قدوس کو سجدہ کیا۔ پھر حضور کریم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

خطبہ تبوک

فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ
سب سے زیادہ سچی بات، کتاب خدا قرآن کریم ہے۔

وَأَوْثَقُ الْعُرَى كَلِمَةُ التَّقْوَى
اور سب سے مضبوط سہارا، تقویٰ کا کلمہ ہے۔
وَحَيْرُ الْمَلِ مِلَّةُ إِبْرَاهِيمَ
سب سے بہتر ملت، ملت ابراہیمی ہے۔
وَحَيْرُ السُّنَنِ سُنَّةُ مُحَمَّدٍ ﷺ
سب طریقوں سے بہترین طریقہ، خدا کے رسول حضرت محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔

وَأَشْرَفُ الْحَدِيثِ ذِكْرُ اللَّهِ
تمام باتوں میں بہتر بات، اللہ کا ذکر ہے۔
وَأَحْسَنُ الْقَصَصِ هَذَا الْقُرْآنُ
سب قصوں میں سے بہترین قرآن ہے۔
وَحَيْرُ الْأُمُورِ عَوَازُهَا
بہترین کام وہ ہیں جو انسان پوری زندگی سے
وَسَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا
اور عزم راسخ سے کرے اور بدترین کام وہ
وَأَحْسَنُ الْهُدَى هَدَى الْأَنْبِيَاءِ
ہیں جو (دین خدا میں) از خود وضع کر لئے
جائیں تمام راہوں میں سے سب سے عمدہ
راہ پیغمبروں کی راہ ہے۔

وَأَشْرَفُ الْمَوْتِ قَتْلُ الشُّهَدَاءِ
سب سے بہتر موت، جام شہادت پینا ہے۔
وَأَعْمَى الْعَمَى الضَّلَالَةُ بَعْدَ الْهُدَى
سب سے برانا بینا پن، ہدایت کے بعد گمراہی
ہے۔

وَحَيْرُ الْأَعْمَالِ مَا نَفَعُ
بہتر عمل وہ ہے جو نفع دے۔
وَحَيْرُ الْهُدَى مَا أَشْبَهَ
اور بہتر ہدایت وہ ہے جس پر عمل کیا جائے۔
وَسَرُّ الْعَمَى عَمَى الْقَلْبِ
بدترین اندھا پن، دل کا اندھا پن ہے۔
وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى
اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

جو چیز کم ہو مگر کافی ہو وہ اس سے بہتر ہے کہ
جو ہو تو زیادہ مگر غافل کرنے والی ہو۔

بدترین معذرت، موت کے وقت کی معذرت
ہے۔

بدترین ندامت، قیامت کے دن ہوگی۔
سنو! بعض ایسے لوگ ہیں جو بہت دیر کر کے
جمعہ میں آتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے
بھی ہیں جو خدا کا ذکر لائق سے کرتے ہیں۔

بڑے بڑے گناہوں میں سے ایک جھوٹی
زبان ہے۔

بہترین تو گمری، دل کی تو گمری ہے۔
اصلی کار آمد گوشہ، تقویٰ ہے۔

دلائلوں کا سر تاج، اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے۔
دلوں کی سب سے پسندیدہ چیز یقین ہے۔

شک، کفر کا ایک جزو ہے۔
میت پر چنچل ناجاہلیت کا عمل ہے۔

خیانت دوزخ کی آگ ہے۔
شراب کا پینا، دوزخ کی آگ سے دانے

جانے کے مترادف ہے۔
(برے) شعرا بلیس کی طرف سے ہیں۔

شراب تمام گناہوں کا منبع ہے۔
سب سے بری خوراک، یتیم کا مال ہے۔

سعادت مند انسان وہ ہے جو دوسروں سے
نصیحت حاصل کرے اور بد نصیب انسان وہ

ہے جو ان کے پیٹ میں ہی برا کھائے دیا گیا ہو۔

وَمَا قَلَّ وَكَفَى خَيْرٌ مَّا كَثُرَ وَاللّٰهُ

وَسَرُّ الْمَعْذِرَةِ حِينَ يَحْضُرُ الْمَوْتُ

وَسَرُّ النَّدَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ لَا يُؤْتِي الْجُمُعَةَ إِلَّا دُبْرًا

وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يَذْكُرُ اللَّهَ إِلَّا هَجْرًا

وَمِنَ أَكْثَرِ الْخَطَايَا اللِّسَانُ الْكَاذِبُ

وَحَيْرُ الْغَفَى غَفَى النَّفْسِ

وَحَيْرُ الزَّادِ السَّقَايُ

وَرَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللَّهِ

وَحَيْرٌ مَّا وَقَرَّ فِي الْقُلُوبِ الْيَقِينُ

وَالْإِحْرَاقُ يَأْتِي مِنَ الْكُفْرِ

وَالْبَيَاحَةُ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ

وَالْغُلُولُ مِنْ حَيْرِ جَهَنَّمَ

وَالسُّكْرُوكِيُّ مِنَ النَّارِ

وَالشُّعْرُ مِنْ إِبْلِيسَ

وَالْخَمْرُ جَمَاعَةُ الْإِثْمِ

وَسَرُّ الْمَأْكَلِ مَالُ الْيَتِيمِ

وَالسَّعِيدُ مَنْ دُعِظَ بِغَيْرِهِ

وَالشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ

وَلَا تَنَايَصِيرُ أَحَدُكُمْ إِلَى مَوْضِعٍ
أَرْبَعَةَ أَذْرُعٍ

تم میں سے ہر ایک کو چار ہاتھ کے گڑھے
میں جانا ہے۔

وَالْأَمْرُ إِلَى الْآخِرَةِ

اور معاملہ آخرت پر منحصر ہوگا۔

مَلَكَ الْعَمَلِ خَوَاتِمُهُ

عمل کا مدار انجام کار پر ہوگا۔

وَشَرُّ الرُّؤْيَا رُؤْيَا الْكَذِبِ

سب سے برا خواب جھوٹا خواب ہے۔

وَكُلُّ مَا هُوَ ابْتِغَاءٌ قَرِيبٌ

ہر آنے والی چیز قریب ہے۔

يَسَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوقٌ

مومن کو گالی دینا فسق ہے۔

وَقِتَالُهُ كُفْرٌ

اور اس سے لڑنا کفر ہے۔

وَأَكْلُ لَحْمِهِ مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ

اس کا گوشت کھانا (اس کی غیبت کرنا) خدا کی

نافرمانی ہے۔

وَحَرَمُهُ مَالِهِ كَحَرَمَةِ دَمِهِ

اس کے مال کی حرمت، اس کے خون کی

حرمت کی طرح ہے۔

وَمَنْ يَتَأَنَّى عَلَى اللَّهِ يَكْذِبُهُ

جو اللہ کے مقابلہ میں قسم کھائے گا (اللہ)

اس کو جھٹلا دے گا۔

وَمَنْ يَغْفِرُ يُغْفَرْ لَهُ

جو (دوسروں کی خطائیں) بخش دے گا، اسے

بخش دیا جائے گا۔

وَمَنْ يَعْفُ يُعْفَ اللَّهُ عَنْهُ

جو (دوسروں کو) معاف کر دے گا، اللہ اس

کے گناہ معاف کر دے گا۔

وَمَنْ يَكْظِمُ الْغَيْظَ يَأْخُذْهُ اللَّهُ

جو غصہ پی جائے گا، اللہ اسے اس کا اجر دے گا

وَمَنْ يَصِيرُ عَلَى الرِّزْيَةِ يُعَوضُهُ اللَّهُ

جو مصیبت پر صبر کرے گا، اللہ اسے اس کا

بدلہ دے گا۔

وَمَنْ يَتَّبِعِ السَّمْعَةَ يُسَمِعِ اللَّهُ بِهِ

جو سنی سنائی باتیں پھیلائے گا، اللہ اس کو رسوا

کرے گا۔

وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُضْعِفِ اللَّهُ لَهُ

جو شخص مصنوعی صبر ظاہر کرے گا، اللہ اس

کی تکلیف کو بڑھا دے گا۔

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ يُعَذِّبْهُ اللَّهُ
اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کرے گا، اللہ اس کو عذاب دے گا۔

أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ
اللہ سے مغفرت کا طلب گار ہوں۔ میں
اللہ سے مغفرت کا طلب گار ہوں۔ میں اللہ
سے مغفرت کا طلب گار ہوں۔ (1)

ایک معجزہ

محمد بن عمر ابوالاقدی نے اپنے شیوخ کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ بنی سعد بن ہذیل کے ایک آدمی نے بتایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب حضور تبوک میں تشریف فرما تھے، چند اور آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے، حضور نے بائیں کو خمدیا یا پیکلہ **أَطْعِمْنَا** "اے بادل ہمیں کھانا کھاؤ۔" حضرت بائیں نے چم سے کا دست خوان بچھ دیا۔ پھر وہ کھجوریں جو گھی میں گوندھی ہوئی تھیں، مٹھی بھر بھر کر آگے رکھنا شروع کر دیں۔ حضور نے سب کو فرمایا کھاؤ۔ ہم نے اتنی کھجوریں کھائیں کہ پیٹ بھر گیا۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! کہ یہ اتنی مقدار میں کھجوریں تھیں کہ میں اکیلا انہیں کھا جاتا لیکن اب ہم سب سیر ہو گئے ہیں۔ سرکارِ دو عالم نے فرمایا، کافر سات آنٹوں سے کھاتا ہے اور مومن صرف ایک آنت سے۔

دوسرے دن میں پھر اسی وقت حاضر ہو گیا تاکہ میرے ایمان میں مزید پختگی ہو۔ میں نے دیکھا کہ دس آدمی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارد گرد حلقہ باندھے بیٹھے ہیں۔ حضور نے فرمایا، اے بادل کھانا لاؤ اور ہمیں کھاؤ۔ حضرت بادل نے اس تھیلی سے مٹھی بھر بھر کر پھر کھجوریں نکالنی شروع کیں۔ وہ کھجوریں نکالتے جاتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے:

أَخْرِجْ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْدَالًا۔

"اے بادل! کھجوریں نکالتے جاؤ۔ عرش کے مالک سے یہ اندیشہ مت کرو کہ کھجوریں کم ہو جائیں گی۔"

آپ ایک اور بوری لے آئے اور اس کو اٹھیل دیا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ دوسرا تھیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنا دست مبارک کھجوروں پر رکھا اور فرمایا، اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرو۔ سب حاضرین نے میرے سمیت خوب سیر ہو کر کھایا۔ اس کے باوجود اس دسترخوان پر اتنی کھجوریں اب بھی موجود تھیں جتنی حضرت بلال نے بکھیری تھیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے ان کھجوروں سے ایک دانہ تک بھی نہیں کھایا۔

تیسرے دن پھر صبح سویرے پہنچ گیا اور وہ لوگ بھی آ موجود ہوئے جن کی تعداد دس تھی۔ سرکارِ دو عالم نے فرمایا **يَا بَلَالُ أَطْعَمْتَا** ”اے بلال! ہمیں کھانا کھلاؤ۔“ حضرت بلال اس تھیلی کی باقی ماندہ کھجوریں لے آئے اور ان کو دسترخوان پر بکھیر دیا۔ رحمتِ عالم ﷺ نے اپنا دست مبارک ان پر رکھا اور فرمایا اللہ کا نام لے کر کھاد۔ ہم نے انہیں کھانا شروع کر دیا یہاں تک کہ ہم خوب سیر ہو گئے اور باقی کھجوروں کو اسی تھیلی میں ڈال دیا گیا۔ الغرض تین دن تک اس تھیلے سے میں بھی اور ہمارے دوسرے ساتھی بھی سیر ہو کر کھاتے رہے۔ (۱)

آندھی

ایک رات تبوک میں تیز آندھی آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایک بہت بڑا منافق ہلاک ہو گیا ہے۔ اس کی ہلاکت کی وجہ سے ہی یہ آندھی آئی ہے۔ جب ہم مدینہ طیبہ پہنچے تو ہمیں معلوم ہوا کہ اس رات ایک نامی گرامی منافق ہلاک ہو گیا تھا۔

ایک اور معجزہ

قبیلہ سعد بن ہذیم کے چند آدمی حاضر ہوئے۔ عرض کی، یا رسول اللہ! ہم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور اپنے اہل و عیال کو ایک کنوئیں کے پاس چھوڑ کر آئے ہیں۔ اس کنوئیں میں پانی بہت قلیل ہے اور گرمی کی شدت آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ ہمیشہ اندیشہ ہے کہ اگر وہ کنواں سوکھ گیا تو ہمیں ادھر ادھر بکھرنا پڑے گا اور کافر قزاق ہمیں لوٹ لیں گے کیونکہ ہمارے علاقہ میں مسلمانوں کی تعداد برائے نام ہے۔ حضور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس پانی میں برکت ڈال دے۔ اگر ہم اپنے کنوئیں سے سیراب ہونے کے

قابل ہو گئے تو اس علاقہ میں کوئی قوم ہم سے زیادہ طاقتور نہیں ہوئی اور ہم کسی کافر کو یہاں سے گزرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس چند سنگریزے چن کر لے آؤ۔ چنانچہ تین کنگریاں چن کر بارگاہ رسالت میں پیش کر دیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اپنے ہاتھ میں لے کر کھڑے فرمایا کہ یہ کنگریاں لے جاؤ اور ایک ایک کر کے اس کنوئیں میں پھینک دو۔ ہر بار اللہ کا نام لیتے رہنا۔ وہ لوگ اپنے کنوئیں پر واپس آئے اور حسب ارشاد، اللہ کا نام لے لے کر وہ تینوں کنگریاں ایک ایک کر کے کنوئیں میں پھینکیں۔ پانی فوراً جوش مار کر اٹھنے لگا۔ اس طرح وہ پانی کے معاملہ میں مستغنی ہوئے۔ انہوں نے، جتنے مشرک وہاں آباد تھے، انہیں نکال دیا وہاں بسنے والے تمام کفار نے اسلام قبول کر لیا۔

پانچ خصوصی انعامات

نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ رات کو بیدار ہو کر نماز تہجد اور فرمایا کرتے اور جب نماز تہجد کیلئے وضو فرماتے تو مسواک ضرور کرتے۔ جو کہ میں بھی حضور کا یہی معمول رہا۔ یک رات حضور بیدار ہوئے، مسواک کی، وضو فرمایا اور نماز تہجد ادا کی۔ اس سے فراغت کے بعد حضور حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

آج رات مجھے ایسی پانچ چیزیں عطا فرمائی گئی ہیں جو آج تک کسی کو عطا نہیں فرمائی گئیں۔

1۔ مجھ سے پہلے تمام انبیاء ایک مخصوص قوم کی راہنمائی کیلئے مبعوث کئے جاتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام بنی نوع انسان کی راہنمائی کیلئے مبعوث فرمایا ہے۔

2۔ میرے لئے ساری زمین کو سجدہ گاہ بنایا گیا ہے۔ جب بھی نماز کا وقت آئے، جہاں بھی ہوں، قبلہ رو ہو کر اپنے رب کو سجدہ کر لیتا ہوں۔ مجھ سے پہلے ساری امتیں اپنی مخصوص عبادت گاہوں میں نماز ادا کر سکتی تھیں۔

3۔ اور پانی نہ منے کی صورت میں مٹی سے تیمم کر کے نماز ادا کر سکتا ہوں۔

4۔ اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو میرے لئے حلال کر دیا حالانکہ مجھ سے پہلے ماں غنیمت کا استعمال ممنوع تھا۔

5۔ تین مرتبہ فرمایا **ہیٰ مَآہِیٰ۔ ہِیٰ مَآہِیٰ۔ ہِیٰ مَآہِیٰ** صحابہ نے عرض

کی یا رسول اللہ! یہ کیا چیز ہے؟ حضور نے فرمایا مجھے کہا گیا ہے کہ میں سوال کروں
ہر ایک نبی نے اپنے رب سے سوال کیا ہے اور یہ سوال میں نے تمہارے لئے کیا
ہے اور ان لوگوں کیلئے جو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پر یقین رکھتے ہیں۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کا گرامی نام ہر قل کے نام

رسول اللہ ﷺ جب تبوک پہنچے تو ہر قل اس وقت حمص میں تھا۔ اس نے مسلمانوں پر
حمہ کرنے کا تصور تک بھی نہیں کیا تھا۔ ایک دن رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص
میرا مکتوب لے کر قیصر کے پاس جائے گا، اسے جنت ملے گی۔ ایک شخص نے عرض کی، اگر
قیصر نے اس گرامی نامہ کو قبول نہ کیا تو بھی اسے جنت ملے گی؟ فرمایا، یقیناً۔ چنانچہ وہ شخص
(حضرت دجیہ کلبی) گرامی نامہ لے کر ہر قل کے پاس پہنچا۔ ہر قل نے اسے کہا کہ تم اپنے
نبی کے پاس واپس جاؤ اور انہیں اطلاع دو کہ میں آپ کا پیروکار ہوں لیکن اپنا تخت و تاج
چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اس نے حضرت دجیہ کے ذریعہ کئی دینار بارگاہ رسالت میں بھیجے۔
حضرت دجیہ واپس آئے۔ تمام حالات گوش گزار کئے۔ حضور نے من کر فرمایا:

”بد بخت نے جھوٹ بولا ہے۔“ اور جو دینار اس نے بھیجے تھے ان کو آپ نے مجاہدین
میں تقسیم فرمادیا۔

حضرت امام احمد سے مروی ہے کہ سعید بن ابی راشد نے بتایا کہ میری ملاقات تنوخی
سے ہوئی جس کو ہر قل نے بارگاہ رسالت میں اپنا قاصد بنا کر بھیجا تھا جبکہ وہ حمص میں
فروش تھا۔ سعید بن ابی راشد کہتے ہیں کہ یہ شخص میرا پڑوسی تھا۔ اس کی عمر ایک سو سال
سے زیادہ تھی۔ میں نے کہا، کیا تم مجھے اس گرامی نامہ کے بارے میں بتاؤ گے جو رسول کریم
ﷺ نے ہر قل کی طرف بھیجا تھا اور اس خط کے بارے میں جو ہر قل نے حضور کی خدمت
میں تحریر کیا۔ اس نے کہا، بیشک۔ اللہ کے رسول ﷺ جب تبوک تشریف لائے تو حضور
نے دجیہ کلبی کو ہر قل کی طرف روانہ فرمایا۔ جب ہر قل کو سرکارِ دو عالم ﷺ کا گرامی نامہ
مل تو اس نے روم کے قسٹوں اور بطریقوں کو اپنے پاس بلایا۔ جب وہ آگئے تو اس نے محل
کے دروازے بند کر دیئے اور ان لوگوں سے یوں گویا ہوا: وہ شخص یعنی سرورِ عالم ﷺ وہاں
تک پہنچ گئے ہیں جہاں تم نے دیکھ لیا ہے۔ انہوں نے مجھے خط لکھا ہے اور مجھے تین باتوں میں

سے ایک بات قبول کرنے کی دعوت دی ہے: 1۔ میں ان کا دین قبول کر دوں۔ 2۔ ہماری زمینوں پر جو ہمارے باغات یا مکانات ہیں، وہ ہم ان کے حوالے کر دیں اور زمینیں ہمارے قبضہ میں رہیں۔ 3۔ یا جنگ کیسے تیار ہو جائیں۔ ہر قل نے کہا، حاضرین ائمہ نے اپنی باتوں میں پڑھا ہے اور تم اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہو کہ یہ نبی ہم سے ہماری زمینیں چھین لے گا۔ پس آؤ! اس کی اطاعت قبول کر لیں اور ہماری زمینوں پر جو ملک ہیں، وہ ان کے حوالے کر دیں۔ لوگوں نے شور مچانا شروع کیا اور بڑے غرور سے کہا۔ کیا تو ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم اپنے مذہب نصرانیت کو چھوڑ دیں اور ایک عربی جو حجہ ز سے آیا ہے، اس کے غلام بن جائیں؟ قیصر نے جب ان کا یہ رد عمل دیکھ تو اس نے سوچا، گریہ ہوگئی سی حالت میں یہاں سے چلے گئے تو لوگوں کو بھڑکا کر مجھ سے تاج و تخت چھین بیٹھے۔ لہذا قیصر نے انہیں رام کرنے کے لئے کہا، میں تو صرف تمہارے دین پر تمہاری پختگی اور صلہ بت کو آزمانا چاہتا ہوں۔ پھر اس نے ایک عربی کو بلایا جو نصرانی تھا۔ اسے کہا کہ میرے لئے ایک ایسا آدمی تلاش کرو جس کی زبان عربی ہو، اس کا حافظہ قوی ہو، جو بات سنے اس کو اچھی طرح یاد رکھے تاکہ میں اس کو اس شخص کی طرف بھیجوں جس نے مجھے خط لکھا ہے۔ چنانچہ ان صفات کا حامل آدمی تلاش کر کے قیصر کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ قیصر نے اسے کہا کہ میرا یہ خط لے جاؤ اور اس شخص کو پہنچا دو اور وہ جو باتیں کرے ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیتا۔ خصوصاً یہ دیکھنا کہ ان کی گفتگو میں ان چیزوں کا تذکرہ کہیں پایا جاتا ہے۔ کیا جو خط پہلے لکھا گیا تھا اس کا تذکرہ ان کی گفتگو میں ہے؟ اور اس بات کو ملاحظہ کرو کہ جب وہ میرے مکتوب کو پڑھ چکے، کیا اس نے اس کے بعد رات کا کہیں ذکر کیا ہے؟ نیز یہ کہ کیا اس کی پشت پر کوئی ایسی عجیب و غریب چیز ہے جو نگاہ کو اپنی طرف ملتفت کرتی ہے؟

وہ شخص کہتا ہے کہ میں قیصر کا پیغام لے کر ہوک آیا۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کی محفل میں تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ میں ان کی خدمت میں پہنچا اور ہر قل کا خط خدمت اقدس میں پیش کیا۔ حضور نے اسے لے لیا اور پوچھا تم کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں تنوخ کا بھائی ہوں۔ پھر حضور نے مجھ سے پوچھا کہ دین اسلام جو تم صلیبیہ کی طرف دعوت دینے کیسے آیا ہے، کیا تم اس کو قبول کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں اپنی قوم کا قاصد ہوں اور ابھی تک اپنی قوم کے دین پر قائم ہوں اور جب

تک اپنے وطن نہ لوٹ جاؤں، اسی دین پر قائم رہوں گا۔ حضور نے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ **يَا نَارُ كَلَامِي مَنْ أَحْبَبْتِ** پھر فرمایا، اے تنوخی بھئی! میں نے ایک خط کسری کو لکھا تھا۔ اس نے اسے پرزے پرزے کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ میں نے نجاشی کی طرف خط لکھا۔ پھر میں نے تیرے صاحب ہر قل کی طرف گرامی نامہ لکھا۔ اس نے اس کو پکڑ لیا، اس کی برکت سے لوگ اس کا احترام کرتے رہیں گے اور اس کی ہیبت ان پر چھائی رہے گی۔ جب میں نے سابقہ گرامی نامہ کا ذکر سن تو میں نے یاد کر لیا کہ ہر قل کی تین باتوں سے ایک بات پوری ہو گئی۔ پھر اس نے کہا کہ تمہارے صاحب کے خط میں ہے کہ **تَدْعُونِي إِلَى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ** جب آسمانوں اور زمینوں کے عرض میں جنت ہے تو دوزخ کہاں ہوگی، اس کے لئے جگہ تک نہ ہوگی؟ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ سبحان اللہ۔ ذرا یہ تو بہت دُک کہ جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟ ”میل“ کا لفظ سن کر پھر اس نے یاد کر لیا۔ جب وہ میرے مکتوب کے پڑھنے سے فارغ ہوئے تو حضور نے فرمایا، تیرا حق ہے کیونکہ تو قاصد ہے۔ اس وقت سفر میں ہے۔ ہماری مالی حالت ناگفتہ بہ ہے ورنہ میں تمہیں اعزازات و انعامات کے ساتھ واپس روانہ کرتا۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ جب وہ جانے لگا تو ایک آدمی نے اسے بلایا اور کہا میں اسے انعام دیتا ہوں۔ اس نے اپنا کجاوہ کھولا، وہاں سے صفور یہ کی ایک پوشاک نکالی اور میری گود میں رکھ دی۔ میں نے پوچھا کہ یہ تحفہ دینے والا کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ اس کا نام عثمان ہے۔ پھر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ اس مہمن کو اپنے گھر کون ٹھہرائے گا؟ ایک انصاری نے عرض کی؟ یا رسول اللہ! میں۔ انصاری اٹھ کھڑا ہوا۔ میں بھی اٹھا یہاں تک کہ جب میں اس ہجوم سے باہر نکلا تو مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور فرمایا **يَا اخَا تَيْمُوذٍ** اے تنوخی کے بھئی! ادھر آؤ۔ میں تیزی سے پک کر حضور کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ حضور نے اپنی چادر کا بند کھولا اور فرمایا، ادھر سے گزر دو جو تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ میں پشت کی طرف سے پن تو مجھے کندھے کے قریب مہر نبوت دکھائی دی۔ وہ شخص ہر قل کی طرف واپس آیا اور ساری روئیداد اس کو سنائی۔ اس نے ایک بار پھر قوم کے مذہبی راہنماؤں کو اپنے پاس طلب کیا۔ اور نہیں مشورہ دیا کہ تم سب نی پر ایمان لے آؤ اور ان کی

دعوت کو قبول کرلو۔ لیکن انہوں نے اس نصیحت پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔

سبکی کہتے ہیں کہ ہر قل نے ایک تختہ بارگاہ نبوت میں ارسال کیا جس کو حضور نے قبول فرمایا اور اسے مسلمانوں میں بانٹ دیا۔ ہر قل نے منادی کرنے والے کو حکم دیا کہ یہ اعلان کرے کہ ہر قل محمد رسول اللہ پر ایمان لے آیا ہے اور حضور کی طاعت اختیار کر لی ہے۔ یہ سنتے ہی اعلیٰ فوجی افسر بھر گئے اور شاہی محل میں زبردستی گھس آئے۔ وہ ہر قل کو قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ ہر قل نے جب بات بگڑتی دیکھی تو کہنے لگا، میں ہر گز اپنا آبائی مذہب چھوڑنے کیلئے تیار نہیں۔ میں تو ان باتوں سے تمہیں آزما چاہتا تھا۔ پھر اس نے ایک عریضہ بارگاہ رسالت میں لکھ اور وجہ کے حوالہ کیا اور زبانی یہ پیغام دیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن از بس مجبور ہوں، کچھ نہیں کر سکتا۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا:

كَذَبَ عَدُوُّ اللَّهِ وَلَيْسَ بِمُسْلِمٍ بَلْ هُوَ عَلَى نَصْرٍ اَنْتِيَّةٍ (1)

”اللہ تعالیٰ کے دشمن نے جھوٹ بولا، وہ مسلمان نہیں ہوا بلکہ اپنی

نصرانیت پر ہے۔“

ذوالجہادین اور حضور کی شان بندہ نوازی

امام ابن اسحاق اور ابن مندہ، حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ ذوالجہادین مزینہ قبیلہ کا فرد تھا۔ بچپن میں اس کا والد فوت ہو گیا اور اس نے کوئی ترکہ نہ چھوڑا۔ اس کے چچا نے اسے اپنی کفالت میں لے لیا۔ یہاں تک کہ وہ خوشحال ہو گیا۔ وہ اونٹوں، بکریوں اور غلاموں کا مالک بن گیا۔ رحمت عام ﷺ مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تو اس کے دل میں اسلام قبول کرنے کا شوق پیدا ہوا لیکن اپنے چچا کی وجہ سے وہ اپنے اس شوق کی تکمیل نہ کر سکا۔ اسی کشمکش میں کئی سال گزر گئے، بڑی بڑی جنگیں اپنے انجام کو پہنچیں۔ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے بعد جب واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ عبداللہ اپنے چچا کے پاس گئے اور کہا جی جان میں نے آپ کا بہت انتظار کیا کہ آپ کب اسلام قبول کرتے ہیں اور میں آپ کے ساتھ سلام قبول کروں؟ لیکن ایسا معصوم ہوتا ہے کہ آپ کا نبی کریم پر ایمان لانے کا کوئی راہ وہ نہیں، آپ مجھے اسلام قبول کرنے کی اجازت

دیدیں۔ چچا یہ سن کر غصہ سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے کہا کہ اگر تم نے یہ جرأت کی تو جتنی چیزیں میں نے آج تک دی ہیں، وہ سب چھین لوں گا۔ حتیٰ کہ وہ کپڑے جو تو نے پہنے ہوئے ہیں وہ بھی اتار لوں گا۔ یہ دھمکی سننے کے بعد عبد اللہ نے کہا میں تو ضرور محمد عربیؐ فدا ہا می والی کا اتباع کروں گا اور اسلام لے آؤں گا۔ زیادہ دیر تک میں لکڑی اور پتھر کے بتوں کی پوجا نہیں کر سکتا۔ آپ کی جو چیزیں میرے پاس ہیں وہ واپس کر تا ہوں، آپ انہیں سنبھالیں۔ اس نے ساری چیزیں واپس لے لیں یہاں تک کہ اس کا تہبند بھی اتر دیا۔ پھر وہ اپنی ماں کے پاس آیا۔ ماں نے اپنی ایک لکیر دار چادر کو پھاڑ کر دو چادریں بنادیں، ایک کا تہبند اور دوسری اس نے اوپر اوڑھ لی۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر مدینہ طیبہ آیا اور مسجد میں جا کر لیٹ گیا۔ صبح کی نماز رحمت عالم ﷺ کی اقتداء میں ادا کی۔ سرور عالم ﷺ کی یہ عادت مبارک تھی کہ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو نوگوں کو غور سے دیکھتے۔ اب اس کو دیکھا تو اسے اجنبی پایا۔ پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میرا نام عبد العزیٰ ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا اَنْتَ عَبْدُ اللّٰهِ ذُو الْجَادِیْنِ (آج کے بعد تم اب عزیٰ کے بندے نہیں ہو بلکہ) "اللہ کے بندے ہو اور تمہارا لقب ذوالجادیٰ ہے۔" پھر فرمایا کہ تم میرے نزدیک قیام کرو۔ وہ صفہ کے دریشوں کے ساتھ اقامت گزین ہو گئے اور سرکار دو عالم ﷺ کے مہمان اور شاگرد بنے۔ حضور پر نور انہیں قرآن کریم پڑھایا کرتے۔ قلیل مدت میں اس نے قرآن کریم کا بہت سا حصہ یاد کر لیا۔ ان کی آواز قدرتی طور پر بلند تھی۔ وہ مسجد میں ہی ٹھہرا کرتے تھے اور بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے۔ ایک دن حضرت فاروق اعظمؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ اعرابی بلند آواز سے قرآن کریم پڑھتا ہے یہاں تک کہ دوسرے لوگ قرأت نہیں کر سکتے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

دَعَا يٰ اَعْمَرُ قِيَا تَهُ قَدْ خَرَجَ مَعَهَا جَدِّي اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰی وَ
وَلِيَّ رَسُوْلِهِ۔

”اے عمر! اس کو کچھ نہ کہو، یہ اللہ اور اس کے رسول کیلئے ہجرت کر کے

آیا ہے۔“

رحمت عالم ﷺ جب تبوک کی طرف روانہ ہونے لگے تو یہ اپنے آقا کی خدمت میں

حاضر ہو کر یوں عرض پر واز ہوا:

يَا رَسُولَ اللَّهِ اُدْعُ اللَّهَ تَعَالَى لِي بِالشَّهَادَةِ

”یا رسول اللہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب کرے۔“

حضور نے فرمایا، وہ سامنے پیری کا درخت ہے اس کا چھلکا اتار کر لو۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔ حضور نے وہ چھلکا ان کے بازو پر باندھا اور دعا فرمائی **يَا لِي بِالشَّهَادَةِ** ”میں نے تمام کفار پر اس کا خون حرام کر دیا ہے۔“ یہ سن کر وہ تڑپ اٹھے۔ عرض کی، یا رسول اللہ! میں نے اس مقصد کیلئے تو دعا کی درخواست نہیں کی تھی۔ اس کریم نبی نے فرمایا، اے عبد اللہ! اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی نیت سے نکلو اور اٹائے سفر تمہیں بخیر آئے اور تم فوت ہو جاؤ تو پھر بھی تم شہید ہو گے۔

شہید محبت کی تدفین کا روح پرور منظر

مجاہدین اسلام کا یہ لشکر جب تیوک پہنچا۔ جب کئی دن گزر گئے تو نہیں بخیر آنے لگا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔ حضرت بلال بن رباحؓ ہر ذی فرائض میں ذوالجہادین کی تجہیز و تکفین کے وقت حاضر تھا۔ حضرت بلال (مؤذن) نے روشنی کیلئے ایک مشعل اٹھا رکھی تھی اور وہ کھڑے تھے۔ چنانچہ اس وقت رسول اللہ ﷺ خود ان کی قبر میں اترے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ان کی نعش کو حضور کی طرف بڑھا رہے ہیں اور حضور انہیں فرما رہے ہیں کہ اپنے بھائی کو میرے قریب کرو۔ چنانچہ سرور عالم ﷺ نے لحد میں ان کو داخل پہنچا دیا۔ پھر اپنے رب کریم سے التجاء کی:

اللَّهُمَّ إِنِّي قَدْ أَسَيْتُ عَنْهُ رَاضِيًا قَارِضًا عَنْهُ

”اے اللہ! میں آج کی شام تک اس تیرے بندے سے راضی تھا تو بھی

اس سے راضی ہو جا۔“

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ ایمان فروز منظر دیکھا تو کہہ اٹھے:

يَا لَيْتَنِي كُنْتُ صَاحِبَ النَّحْدِ ”اے کاش اس لحد میں میں دفن ہوتا۔“ (1)

شاہ ایلہ کی مصالحت

جب رحمت عالم ﷺ نے حضرت خالد کو دومۃ الجند کے والی کیدر کی طرف بھیجا تو

ایلیہ (☆) کے بادشاہ حنہ بن رؤبہ کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ حضور مجاہدین کا کوئی دستہ میری طرف نہ بھیج دیں۔ چنانچہ وہ خود ہی حاضر خدمت ہو گیا۔ اس کے ساتھ جرباء، اذرح اور مقنا کے باشندے بھی تھے۔ اس نے حضور کی بارگاہ میں سفید فخر بطور ہدیہ پیش کیا۔ حضور نے اسے اپنی چادر مبارک اوڑھائی اور اس کے لئے ایک امان نامہ لکھ دیا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں، جب حنہ بن رؤبہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس نے سونے کی صلیب گلے میں آویزاں کی ہوئی ہے۔ اس کی پیشانی پر گرہ دار بالوں کا چھچھا تھا۔ جب اس نے سر در دو عالم ﷺ کو دیکھا تو ادب کی وجہ سے اپنا سر جھکا لیا۔ حضور نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کیا کہ اپنا سر اٹھاؤ۔ اس دن اس کے ساتھ صلح نامہ تحریر ہوا۔ ان سے لئے جزیہ مقرر کیا گیا کہ ہر بالغ ایک دینار سالانہ ادا کرے گا۔ اس صلح نامہ میں لکھ گیا کہ اللہ اور اس کا رسول، ان کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اور جس نے کوئی قانون شکنی کی تو اس کو اس کا مال اس کی سزا سے بچانہ سکے گا، انہیں چشموں سے اور بری و عری راستے استعمال کرنے سے روکا نہیں جائے گا۔ اسی طرح اہل جرباء اور اذرح کیلئے بھی صلح نامہ لکھ گیا۔ (2)

اہل اذرح سے صلح

اذرح، شام کی سرحد پر ایک شہر کا نام ہے جو بقاء کے نزدیک ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کیلئے ایک صلح نامہ تحریر فرمایا جس میں انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے امان دی گئی اور ہر سال ماہ رجب میں ایک سو دینار بطور جزیہ کی ادائیگی ان پر لازم قرار دی گئی۔ اسی طرح اہل مقنا کے ساتھ مصالحت کی گئی۔ انہیں اپنے پھلوں کا چوتھ حصہ بیت امال میں جمع کرانے کا حکم دیا گیا۔

دمشق کی طرف پیش قدمی کے بارے میں مشورہ

نبی مکرم ﷺ نے طویل مدت تک تبوک میں قیام فرمایا لیکن قیصر روم کو یہ ہمت نہ

1۔ یعنی، صفحہ 662 و ابن کثیر، "اسیر السبویہ"، جلد 4، صفحہ 29

☆ "یلہ" بحر قلزم کے ساحل پر ایک شہر کا نام ہے۔ حجاز کی "خزری اور شام کی بندا کی سرحد پر واقع ہے۔ ابوریہ کہتے ہیں کہ یہ جھوٹا آباد شہر تھا۔ اس میں کھیتی باڑی ہو کرتی تھی۔ اس شہر میں وہ یہودی آباد تھے جن پر ہفتہ کے روز پھیل کا شکار حرام کر دیا گیا تھا لیکن انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا کر کے بندر اور خنزیر بنادیا۔ ("معجم المبلدان")

ہوئی کہ وہ محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درویشوں سے بچہ آزمائی کی جسارت کر سکے۔ سرور عالم ﷺ قیصر کی گیدڑ بھکیاں سن کر نو سو کلو میٹر کی کنٹین مسافت طے کر کے اس کے ملک میں پہنچ گئے لیکن وہ بھگی ملی بنا بیٹھا رہا اور باہر نکلنے کی جرأت نہ کر سکا۔ اس مہم کا اولین مقصد تو ہر قل کی دھمکیوں کا دندان شکن جواب دینا تھا اور اس پر اسلام کی قوت و شوکت کا اظہار کرنا تھا، وہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ ارد گرد جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں، ان کے ساتھ بھی صلح کے معاہدے طے پا گئے اور انہوں نے جزیہ ادا کرنا منظور کر لیا۔ اس نے یہاں مزید قیام بے مقصد تھا۔ چنانچہ نبی مکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کی ایک مجلس مشاورت منعقد کی اور اس کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کہ کیا ہمیں یہاں سے دمشق کی طرف پیش قدمی کرنی چاہئے یا واپس مدینہ طیبہ لوٹ جانا چاہئے؟ حضرت فاروق اعظم نے عرض کی، یا رسول اللہ! اگر حضور کو دمشق کی طرف پیش قدمی کا حکم ہوا ہے تو ضرور تشریف لے جائے۔ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا:

اگر مجھے اس بارے میں حکم ملتا تو میں تم سے قطعاً مشورہ نہ کرتا۔ حضرت عمر نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے گزارش کی، یا رسول اللہ! رومیوں کے پاس بے حد بے شمار فوجیں ہیں۔ شام کے ملک میں اسلام کو قبول کرنے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہم قیصر روم کی قیام گاہ کے بالکل قریب پہنچ گئے ہیں۔ ہمارا یہاں تک پیش قدمی کرتے ہوئے بڑھتے چلے آنا انتہائی پریشان کن ہے۔ اگر ہم اس سال واپس چلے جائیں تو پھر تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد کوئی فیصلہ کر سکیں گے، یا اللہ تعالیٰ کوئی نئی صورت حال پیدا فرمائے گا۔ اس اثناء میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مدینہ طیبہ واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ فرمایا:

فِيهَا هَيَّيْكَ وَفِيهَا تِلْكَ وَمِنْهَا تُبْعَثُ

”یعنی اس شہر میں آپ کی زندگی بسر ہوگی۔ اسی میں حضور وفات پائیں گے اور اسی شہر کی خاک سے حضور کو اٹھایا جائے گا۔“

اس ارشاد الہی کے بعد حضور نے مدینہ طیبہ لوٹنے کا فیصلہ فرمایا۔ اس وقت حضرت جبرئیل امین نے حاضر ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ! اپنے خداوند قدوس سے سوال کیجئے، کیونکہ ہر نبی کو ایک سوال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا، اے

جبرئیل! تم بتاؤ اپنے رب سے کیا مانگوں؟
انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ آپ یہ دعا مانگیں:

وَقَدْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ
صِدْقٍ وَّاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا۔ (1)

”اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے، سچائی کے ساتھ لے
جا، اور جہاں سے تو مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ، اور عطا فرما
مجھے اپنی جناب سے وہ قوت جو مدد کرنے والی ہو۔“

طاعون زدہ علاقہ میں جانے کی ممانعت

اس سفر تبوک میں ہی حضور نے اپنے امتیوں کو ایک نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَإِذَا وَقَعَ الطَّاعُونُ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ فِيْهَا فَلَا تَخْرُجُوا
مِنْهَا وَإِذَا كُنْتُمْ بِغَيْرِهَا فَلَا تَقْدُمُوا إِلَيْهَا (2)

”اگر کسی علاقہ میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑے اور تم اس علاقہ میں رہائش
پذیر ہو تو وہاں سے نکل کر باہر نہ جاؤ اور اگر تم اس علاقہ سے باہر ہو تو
پھر اس طاعون زدہ علاقہ میں مت داخل ہو۔“

تبوک سے مدینہ طیبہ کی طرف واپسی

جب رسول اللہ ﷺ نے تبوک سے واپسی کا ارادہ فرمایا تو اشیاء خور و دنی کی قلت کے
باعث مجاہدین فاقہ کشی میں مبتلا تھے اور ان کی صحت و بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجاہدین نے عرض کی، یا رسول اللہ! اگر
حضور اجازت فرمائیں تو ہم اپنی سواری کے اونٹوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت پکا کر کھائیں
اور ان کی چربی سے اپنے بالوں کی خشکی اور پر آگندگی کا ازالہ کریں۔ اجازت لینے کے بعد
لوگ جب واپس آ رہے تھے تو راستہ میں ان کی ملاقات حضرت فاروق اعظم سے ہو گئی۔

آپ نے انہیں اونٹ ذبح کرنے سے روکا۔ پھر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت نبی مکرم ﷺ خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے عرض کی، یا رسول اللہ! کیا حضور نے لوگوں کو اپنی سواری کے جانور ذبح کرنے کی اجازت دی ہے؟ حضور نے فرمایا، انہوں نے میرے سامنے فاقہ کشی کی شکایت کی تو میں نے انہیں اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دیدی۔ حضرت عمر نے عرض کی، یا رسول اللہ! حضور انہیں اجازت مرحمت نہ فرمائیں کیونکہ دوگوں کے پاس اگر ضرورت سے زائد سواری کے جانور ہوں تو اس میں سب کیسے بہتری ہے۔ ہمارے اونٹ بھوک کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ اگر راستہ میں چند اونٹوں کو کوئی حادثہ پیش آ جائے تو ان زائد سواریوں پر سوار ہو کر مجاہدین راحت و آرام سے مدینہ طیبہ پہنچ جائیں گے۔ دوبارہ حضرت عمر نے عرض کی، یا رسول اللہ! حضور مجاہدین کو حکم دیں کہ شیعہ خوردنی میں سے ان کے پاس تھوڑا بہت جتنا کچھ ہے وہ لے آئیں۔ حضور اس پر برکت کی دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ ان قلیل مقدار اشیاء خوردنی میں اتنی برکت ڈے گا کہ تمام لشکر کی ضروریات پوری ہو جائیں گی جس طرح حضور نے حدیبیہ سے واپسی کے موقع پر دعا مانگی تھی۔ حضور! آپ دعا نکلیں گے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرمائے گا۔

نبی رحمت ﷺ نے اپنے وزیر خوش تدبیر کی اس تجویز کے ساتھ اتفاق فرمایا۔ چنانچہ دسترخوان بچھادیا گیا اور سب مجاہدین کو حکم ملا کہ کھانے کی جو چیز ان کے پاس ہے وہ لے آئیں اور اس دسترخوان پر ڈھیر کر دیں۔ صحابہ کرام کے پاس جتنا کچھ بھی تھا وہ لے کر پیش کرنے لگے۔ جس کے پاس منھی بھر مکئی کا آٹا تھا، وہ لے آیا۔ جس کے پاس منھی بھر کھجوریں تھیں، وہ لے آیا۔ کوئی روٹی کا ٹکڑا لے آیا اور کوئی ستوے آیا۔ ان غرض یہ سارا سامان جمع ہوا۔ اس کا وزن ستائیس صاع بنا۔ پھر رحمت عام ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے، وضو فرمایا اور دو رکعت نفل ادا کئے۔ اس کے بعد دعا کیلئے ہاتھ پھیلا دیئے، عرض کی:

”یا اللہ اس طعام میں برکت عطا فرما“

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ حضور ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور سب کو اذن عام دیا کہ آؤ اور جتنا چاہے یہاں سے لے جاؤ، لیکن بوٹ کھسوٹ سے احتراز کرنا۔ چنانچہ مجاہدین بوریوں، تھیلے بلکہ اپنی قمیص کے منوں میں جو چیز ملتی تھی، بھر بھر کر لے جانے لگے۔ لشکر میں کوئی برتن ایسا نہ رہا جس کو انہوں نے اجناس خوردنی سے بھر نہ لیا ہو۔ سب نے خوب پیٹ بھر

کر کھایا اور کافی بچ بھی گیا۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں نے روٹی کا ایک ٹکڑا اس دسترخوان پر رکھا اور ایک منھی بھر کھجور۔ وہ سارا دسترخوان بھر گیا۔ پھر میں دو بوریاں لے آیا ایک کو ستو سے بھر لیا اور دوسری کو روٹیوں سے اور اپنی چادر میں آٹا باندھ لیا۔ اس طرح میں نے جو کچھ لیا مدینہ طیبہ واپس پہنچنے تک میں اسے کھاتا رہا اور وہ ختم نہیں ہوا۔ رحمت عالم ﷺ نے اپنے کریم پروردگار کی ان عنایات و برکات کا یہ عالم دیکھا تو فرمایا:

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔“

پھر فرمایا جو آدمی یہ کلمہ یقین کے ساتھ پڑھے گا، اس کو جنت سے نہیں روکا جائے گا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تبوک میں شب قیام فرمایا اور نماز قصر ادا فرماتے رہے۔ (1)

تبوک سے واپسی کے دوران معجزات کا ظہور

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم حضور کی معیت میں سفر کر رہے تھے کہ سب پر غنودگی طاری ہو گئی۔ حضور نے فرمایا، اے ابو قتادہ! ذرا سونہ جائیں؟ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! جیسے آپ کی مرضی۔ حضور کے حکم سے ہم سب اپنی سواریوں سے اتر کر زمین پر لیٹ گئے۔ میرے پاس ایک برتن تھا جس میں پانی تھا اور ایک پانی پینے کا پیوہ۔ لیٹتے ہی آنکھ مگ گئی اور اس وقت کھلی جب سورج کی حرارت نے ہمیں بیدار کر دیا۔ ہم نے بڑی حسرت سے کہا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ لَا نَقُوْلُ لَكَ رُحُوْتٌ۔ افسوس! ہماری صبح کی نماز فوت ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ہم شیطان کو اسی طرح ہر فرودختہ کریں گے جس طرح اس نے ہمیں غضبناک کیا ہے۔ حضور نے اس برتن میں جو پانی تھا اس سے خود وضو فرمایا، کچھ پانی بچ گیا۔ حضور نے ابو قتادہ کو فرمایا: احْتَفِظْ بِمَا فِي الْاَدْوَانِ وَالرُّقِيَّةِ فَإِنَّ لَهَا شَأْنًا اے ابو قتادہ! برتن اور پیالے میں جو پانی ہے اس کو سنبھال کر رکھنا ان دونوں برتنوں کی خاص شان ہے۔“ پھر سرور عالم ﷺ نے طوع آفتاب کے بعد ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور نماز میں سورۃ

المائدہ کی تلاوت کی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ اگر لوگ ابو بکر و عمر کی اطاعت کرتے تو ہدایت پاتے۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ جب لشکر نے آرام کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابو بکر اور عمر نے کہا کہ چشمہ کے قریب ہم اتر کر آرام کریں، لیکن دوسرے لوگوں نے وہاں اترنے سے انکار کر دیا اور کچھ مسافت طے کرنے کے بعد ایسے جنگل میں اترے جہاں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لشکر کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے اور زوالِ آفتاب تک ہم لشکر کے ساتھ مل گئے۔ اہل لشکر کی حالت بڑی خستہ تھی۔ پیاس کی شدت اور سفر کی تھکاوٹ کے باعث ان کی اور ان کے سواری کے جانوروں کی گردنیں جھک گئی تھیں۔ حضور نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو بوقعدہ کو فرمایا کہ وہ پانی والے برتن لے آؤ۔ اس برتن کا پانی پیارہ میں اندیل دیا گیا۔ حضور نے اپنی مبارک انگلیاں اس پیارے میں رکھ دیں ان انگلیوں سے پانی بنے گا۔ یوں معصوم ہوتا تھا گو پانی کے چشمے اہل رہے ہیں۔ لوگ جن کی شدتِ پیاس سے نازک حالت تھی، دوڑے آئے پانی پینے لگے یہاں تک کہ سب مجاہدین بھی سیراب ہو گئے اور ان کے علاوہ گھوڑے و نٹ بھی سیراب ہو گئے مگر پانی پھر بھی بچ گیا۔ شکرِ اسلام میں اس وقت بارہزار و نٹ تھے۔ بارہزار گھوڑے تھے اور مجاہدین کی تعداد تیس ہزار تھی۔ حضور نے کچھ وقت پہلے بوقعدہ کو فرمایا تھا کہ ان دونوں برتنوں کو سنبھال کر رکھنا۔ اس ارشاد میں اسی امر کی طرف اشارہ تھا۔

بعض لوگ جو سفر میں شریک نہ تھے لیکن ثواب میں شریک تھے

صحیح بخاری میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک سے واپسی کے موقع پر جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے گئے تو سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ میں ایسے دو گھر بھی ہیں جو اس سفر میں ہمارے ساتھ شریک نہ تھے لیکن وہ ثواب میں ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ عرض کی گئی، کیا وہ دو گھر مدینہ میں تھے؟ فرمایا کہ وہ دو گھر مدینہ میں تھے۔ انہوں نے جہاں پر جانے کی بڑی کوشش کی لیکن غربت و ناداری کے باعث وہ اس سفر پر روانہ نہ ہو سکے۔

بقرہ طابہ

حضرت امام احمد اور امام بخاری، حضرات جابر، انس و بوقعدہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ جب ہم غزوہ تبوک سے واپسی کے موقع پر مدینہ طیبہ کے قریب

بہنچ گئے۔ ہمیں اس کی عمارتیں نظر آنے لگیں تو حضور نے اس شہر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا **هَذِهِ طَابَةُ** یعنی یہ پاکیزہ شہر ہے، میرے رب نے مجھے یہاں بسایا ہے۔ یہ شہر اپنے باشندوں سے حبش کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح ہمارا کول لوہے کے زنگار کو دور کرتی ہے۔

حضور کی نظر جب کوہ احد پر پڑی تو فرمایا **هَذَا اَلْعَدُوُّ جِبِلُّنَا يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ** یہ احد ایک پہاڑ ہے وہ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

صحیح بخاری اور دیگر کتب صحیح میں حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے، آپ نے فرمایا مجھے یاد ہے جس روز رحمت عالم ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے تو میں بچوں کے ساتھ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشوائی کیلئے منیۃ الوداع تک آیا تھا۔ جب نبی اکرم ﷺ نے شہر مدینہ میں قدم رنجہ فرمایا تو مدینہ کی عورتیں، بچے اور چٹیاں یہ اشعار گاتے ہوئے حضور کا استقبال کرنے کیلئے نکل آئی تھیں اور دوسری پردہ دار خواتین اپنے مکانوں کی چھتوں پر اکٹھی ہو گئیں۔ وہ سب یہ اشعار گارہی تھیں:

طَلَعَتِ الْمَدِينَةُ عَلَيْنَا مِنْ بَيْنَاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَانَا
أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا حِثَّتْ بِأَلَمِ الْمَطَاعِ (1)

نبی رحمت ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے اپنے کاشانہ اقدس میں قدم رنجہ نہ فرماتے بلکہ اللہ کے گھر میں حاضر ہوتے اور دو نفل نماز ادا کرتے۔ اس دفعہ بھی حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کئی ماہ مدینہ طیبہ سے باہر گزارنے کے بعد تشریف لائے تھے۔ حضور حسب معمول پہلے اللہ جل مجدہ کے گھر میں حاضر ہوئے اور دو رکعت نفل ادا کئے۔ جب حضور نفل پڑھنے سے فارغ ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچ حضرت عباس حاضر ہوئے، عرض کی، یا رسول اللہ! میں نے حضور کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے اجازت ہو تو پیش کروں۔ حضور نے فرمایا **قُلْ لَا يَقْضِيَنَّ اللَّهُ قَائِكَ** ”سناؤ اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو سلامت رکھے۔“ آپ نے ایک عظیم الشان قصیدہ اس محفل میں پڑھ کر سنایا جس کی صدارت، صدر بزم کائنات محمد رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے، جس کے سامعین صحابہ کرام کی نوری جماعت تھی اور اس جلسہ کا انعقاد مسجد نبوی کے

پاکیزہ صحن میں ہول اس قصیدہ کے چند اشعار آپ بھی سماعت فرمائیں تاکہ آپ کو علم ہو جائے کہ شمع جمال مصطفوی کے پروانے کس پیار و محبت سے اپنے محبوب کی ثنا خوانی کیا کرتے تھے اور کس عزت و احترام کے ساتھ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کے میلاد پاک کا تذکرہ کیا کرتے تھے:

وَأَنْتَ لَمَّا وَلِدْتَ أَشْرَفْتَ الْأَرْضَ فَصَاعَتْ بِمُؤْرِكَ الْكَافُورِ
فَقَضَىٰ فِي ذَلِكَ الضياءِ فِي النُّورِ وَسُبُّ الرِّشَاءِ يُخْتَرِفُ
وَرَدَّتْ نَارُ الْفَيْسِلِ مُكْتَسِمًا فِي صُوبِ أَنْتَ كَيْفَ يَعْتَرِفُ (1)

”اے اللہ کے محبوب! جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو ساری زمین کا چپہ چپہ روشن ہو گیا اور آسمان کے کنارے بھی آپ کے نور سے جھمگانے لگے۔“

”اور ہم آپ کے اس ضیاء و نور میں ہدایت کے رستوں کو طے کر رہے ہیں۔“

”آپ ابراہیم خلیل اللہ کیلئے بھیڑ کاٹی ہوئی گھاس میں تشریف لے گئے۔ ان کی صلب میں آپ کا نور تھا۔ اُس کی کیا محج تھی کہ ان کو جلا سکے۔“

مسجد ضرار اور اس کا انہدام

مختلف طرق سے، متعدد جلیل القدر صحابہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ جب ہجرت کر کے قبا تشریف لائے تو بنو عمرو بن عوف کے محمد میں قیام فرمایا اور انہوں نے یہاں اپنے قطعہ زمین میں (قبا کی بستی میں) دو تاریخی مسجد تقیہ کی جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔

جب یہ مسجد تعمیر ہو گئی تو ان لوگوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ حضور تشریف لائیں اور ہماری مسجد کا افتتاح فرمائیں۔ چنانچہ حضور نے وہاں قدم رنجہ فرمایا اور نماز ادا کی۔ بنو عمرو بن عوف کے چچا کے لڑکے بنو عذیم بن عوف جو زمرہ منافقین میں سے تھے وہ جن کا تعلق ابوعمر فاروق سے تھا، انہوں نے بھی اس مسجد کے قریب ایک مسجد تقیہ کرنے

کا پروگرام بنایا۔ ابو عامر فاسق کا تذکرہ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔ یہ آخر دم تک کفار کے لشکر میں شامل ہو کر اسلام کے خلاف معرکہ آرا ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ہوازن کی جنگ میں کفار کی شکست نے اسے ہمیشہ کیلئے مایوس کر دیا۔ اس نے اپنے حواریوں، بنو عنم بن عوف کو یہ پیغام بھیجا کہ میں یہاں سے سیدھا قیصر روم کے پاس جا رہا ہوں، وہ مستقبل قریب میں اپنے لشکر جبار کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کرے گا اور مدینہ کی بستی کو تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔ ان کے نبی اور اس کے مشہور صحابہ کو جنگی قیدی بنا کر اور زنجیروں میں جکڑ کر اپنے ملک شام میں لے جائے گا اور اسلام کا یہ فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دم توڑ دے گا۔ اس اثناء میں اپنی کوششوں کو جاری رکھو، اپنی انگ ایک مسجد بناؤ جہاں تم آزادی کے ساتھ اپنے منصوبوں پر مشغول رہو۔ یہ بات سن کر تم سب نے اور قوت تیار کرو۔

یہ ساری باتیں مکرو فریب پر مبنی تھیں۔ حضور کو دعوت دینے کا مقصد یہ تھا کہ جب سرکارِ دو عالم ﷺ ان کی مسجد میں قدم رنجہ فرمائیں گے اور نماز ادا کریں گے تو سادہ لوح مسلمان کثرت سے ان کی مسجد کی طرف رجوع کریں گے اور ان کیلئے ان سادہ لوح لوگوں کو اپنے دام فریب میں پھنسا لینا آسان ہو جائے گا۔ ابو عامر کا رابطہ اپنے چیلوں کے ساتھ بدستور قائم رہا۔ اس کے خطوط بھی آتے رہتے تھے اور اس کے نمائندے بھی یہاں آکر اس کی ہدایات سے منافقین کو باخبر کیا کرتے تھے اور یہاں کے حالات اسے جا کر کر بتایا کرتے۔ یہ لوگ جب دعوت دینے کیلئے حاضر ہوئے تو اس وقت حضور غزوہ تبوک کی تیاری میں مصروف تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، ہم آبادہ سفر ہیں۔ بڑی مصروفیت ہے۔ اگر ہم واپس آئے تو ان شاء اللہ میں تمہارے پاس آؤں گا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو منافقوں کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز ادا کرنے سے بچا لیا۔

تبوک کی مہم سے فراغت کے بعد رحمتِ عالم ﷺ واپس تشریف فرما ہوئے تو مدینہ

طیبہ سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر ایک گاؤں ”نوی اوان“ میں نزول فرمایا۔ منفقین کو دسب پتا چلا تو وہ حاضر ہوئے اور دوبارہ عرض کی کہ آپ ان کی مسجد میں تشریف لے آئیں اور نماز پڑھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

لَا تَقْعُدُوا فِيهِ أَبَدًا السَّجْدَ أَيْسَ عَلَى الثَّقَلَيْنِ مِنْ
أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ۔ (1)

”آپ نہ کھڑے ہوں اس میں کبھی۔ ابنت وہ مسجد جس کی بنیاد ثقیں پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اس میں۔“

حضور سرور عالم ﷺ نے مالک بن وحشم، معن بن جدی، عامر بن اسلم اور وحشی قائل سیدنا حمزہؓ کو بلایا اور، نہیں حکم دیا کہ وہ اس مسجد ضرار کی طرف جائیں جس کے نمازیوں نے ظلم پر کمر باندھ ہی ہوئی ہے، اس کو جائز گراویں اور پھر اسے جو کچھ خستہ کر دیں۔

اپنے سقا کے حکم کی تعمیل کیسے یہ چاروں حضرات بڑی سرعت سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ سالم بن عوف کے محلہ میں پہنچ گئے۔ یہ وہ مالک بن وحشم کے قریبی رشتہ دار تھے۔ مالک نے اپنے ساتھیوں کو کہا میرا نظارہ کرو میں ابھی اپنے گھر سے سقا کی مشعل روشن کر کے لاتا ہوں۔ چنانچہ وہ مشعل روشن کر کے آئے۔ پھر وہاں سے دوڑ لگائی۔ مسجد ضرار میں داخل ہو گئے۔ پہلے اس کو نذر آتش کیا پھر اس کو آگ پر پوند زمین کر دیا۔ اس کے بنانے والے سب تتر بتر ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ اس جگہ پر کوڑا کر سٹ، مردار جانور اور بدبودار چیزیں پھینکی جائیں۔ (2)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر اس شخص کو جس نے مسجد ضرار کی تعمیر یا آبادی میں تھوڑا یا زیادہ حصہ لیا، اچھی نظروں سے نہیں دیکھا کرتے تھے۔ آپ نے ایک شخص سے پوچھا تم نے اس مسجد کے بنانے میں کیا حصہ لیا۔ اس نے کہا میں نے ایک ستون دیا ہے۔ حضرت فاروق نے فرمایا:

أَبْشِرْ بِهَا فِي عُنُقِكَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ

”تمہیں خوشخبری ہو کہ جب تم آتش دوزخ میں پھینکے جاؤ گے تو یہ ستون تمہاری گردن میں لٹکا دیا جائے گا۔“

مسجد قبا کے متولیوں نے حضرت فاروق اعظم سے اجازت طلب کی کہ وہ مجمع بن حارث کو مسجد قبا کا امام مقرر کریں۔ آپ نے فرمایا، کیا یہ شخص مسجد ضرار میں بطور امام نمازیں نہیں پڑھاتا رہا؟ مجمع بن حارث یہ بات سن رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی، اے امیر المؤمنین! مجھ پر قوی لگانے میں جلدی نہ فرمائیں، بخدا! میں نے اس مسجد میں نماز تو ادا کی لیکن ان منافقین کے دلوں میں جو بغض و عناد پنہاں تھا، اس کے بارے میں قطعاً مجھے علم نہ تھا۔ اگر مجھے علم ہوتا تو میں ہر گز ان کے ساتھ نماز ادا نہ کرتا۔ میں اس وقت نوجوان تھا اور قرآن کریم قرأت کے ساتھ تلاوت کیا کرتا تھا۔ دوسرے لوگ سارے بوڑھے تھے جن کی زبان پر قرآن کریم رواں ہی نہ تھا۔ اس لئے میں ان کے مذموم ارادوں سے بے علمی کے باعث وہاں امامت کرتا رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا یہ عذر قبول فرمایا اور مسجد قبا کا انہیں امام مقرر کر دیا۔ (1)

غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں سے ملاقات

ابن عقبہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب مدینہ طیبہ کے نزدیک پہنچے تو وہ لوگ جو اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے، وہ کثیر تعداد میں ملاقات کیلئے آنے لگے۔ سرور عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ ان میں سے کسی سے نہ گفتگو کریں اور نہ ان کے پاس بیٹھیں، جب تک میں اجازت نہ دوں۔ چنانچہ رحمت عالم ﷺ نے بھی ان سے رخ انور پھیر لیا اور موئنین نے بھی ان سے اپنے منہ پھیر لئے یہاں تک کہ اگر بیاباب کے پاس جاتا تو بیاباب اس کو منہ نہ لگاتا، اگر بھائی، بھائی کے پاس جاتا تو وہ اس کے سلام کا جواب تک نہ دیتا۔ اگر خوند اپنی بیوی کے پاس جاتا تو وہ اس سے منہ پھیر لیتی۔ کافی دن اسی طرح گزر گئے۔ ان لوگوں پر زمین اپنی فراخی کے باوجود تنگ ہو گئی اور بارگاہ رسالت میں اپنی بیماری، ناداری اور اپنی مصروفیتوں وغیرہ کا بہانہ پیش کر کے معافی کی التجاء کرتے رہے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی صداقت کا یقین دلاتے رہے۔ چنانچہ آخر کار رحمت للعالمین ﷺ نے ان پر رحم

فرمایا۔ ان کی نئے سرے سے بیعت لی اور بارگاہ الہی میں ان کی مغفرت کیلئے دعا مانگی۔

بغیر عذر کے جو لوگ غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوئے

دس آدمی وہ تھے جو غزوہ تبوک میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی ہم کابی کے شرف سے محروم رہے تھے، ایک کا نام ابو لہبہ تھا۔ حضرت قتادہ نے باقی دو گوں کے نام بھی ذکر کئے ہیں۔ ان میں سے جد بن قیس اور جذام بن اوس بھی تھے۔ جب سرکارِ دو عالم ﷺ غزوہ تبوک سے بخیریت واپس تشریف لائے تو ان دس میں سے سات نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ وہی جگہ رسول اللہ ﷺ کی گزرگاہ تھی۔ مسجد سے واپسی کے وقت حضور ان کے پاس سے گزرے۔ جب حضور نے انہیں دیکھا، پوچھا یہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ رکھا ہے؟ عرض کی گئی، یہ تو ابو لہابہ ہیں اور یہ دوسرے ان کے ساتھی ہیں جو غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ عہد کیا ہے کہ یہ اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے یہاں تک کہ حضور خود ان کو کھول کر آزاد فرمائیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ تم میں ان کو کھولوں گا اور نہ میں ان کا عذر قبول کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود انہیں آزاد کرنے کا حکم دے۔ ان لوگوں نے مجھ سے روگردانی کی ہے اور مسلمانوں کے ساتھ اس غزوہ میں شرکت سے باز رہے ہیں۔ حضور کا یہ ارشاد انہوں نے سنا تو کہنے لگے ہم خود اپنے آپ کو ہرگز نہیں کھولیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کھولے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَالْخَرُوفُونَ اعترفوا بذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا
وَالْخَرَسَاتِئًا سَأَلَ اللَّهُ أَنْ يُثَوِّبَ عَلَيْهِمْ اللَّهُ
غَفُورًا رَحِيمًا

(1)

”اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اعتراف کر لیا ہے اپنے گناہوں کا انہوں نے ملا جلا دیئے ہیں کچھ اچھے اور کچھ برے عمل۔ امید ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ان کی توبہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

جب یہ آیت نازل ہوئی تو سرور عالم ﷺ نے ایک آدمی کو بھیجا کہ ان کو کھول دے۔ جب یہ شخص ابو لہاب کے پاس گیا تاکہ انہیں کھول دے تو انہوں نے اسے کھولنے سے روک دیا اور کہا کہ مجھے صرف رسول اللہ ﷺ کھولیں گے، حضور کے سوا اور کسی کو کھولنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ چنانچہ رسول کریم خود تشریف لائے۔ اپنے دست مبارک سے اپنے اسیر گیسوئے عنبریں کو رہا فرمایا۔ یہ لوگ رہا ہونے کے بعد اپنے اپنے گھر گئے اور اپنے سارے اموال اٹھا کر لائے اور حضور کے قدموں میں ڈال دیئے۔ عرض کی یا رسول اللہ! یہ ہمارے اموال ہیں۔ حضور ہماری طرف سے انہیں صدقہ کر دیں اور ہمارے لئے مغفرت کی دعا مانگیں۔ حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، مجھے تمہارے اموال قبول کرنے کا حکم نہیں ہوا، چنانچہ پھر یہ آیت نازل ہوئی:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَ
صَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (1)

”(اے حبیب) وصول کیجئے ان کے مالوں سے صدقہ تاکہ آپ پاک کریں انہیں اور برکت فرمائیں انہیں اس ذریعہ سے۔ نیز دعا مانگیں ان کیلئے بیشک آپ کی دعا (ہزار) تسکین کا باعث ہے ان کے لئے۔“

ان دس میں سے تین ایسے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے نہ باندھا۔ ان کا معاملہ ایک سال تک متوی رہا، وہ نہیں سمجھتے تھے کہ ان کو کوئی سزا ملے گی یا ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ چنانچہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ
الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ
يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ
رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (2)

”یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے پیروی کی تھی نبی کی مشکل گھڑی میں اس کے بعد

کہ قریب تھا کہ ٹیڑھے ہو جائیں دل ایک گروہ کے ان میں سے، پھر رحمت سے توجہ فرمائی ان پر۔ بیشک وہ ن سے بہت شفقت کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔“

حضرت کعب بن مالک اور ان کے دو ساتھیوں رضی اللہ عنہم کی داستان صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دیگر بہت سے محدثین نے بھی اپنے اسفار حبیدہ میں اس واقعہ کا تذکرہ حضرت کعب بن مالک کے حوالہ سے کیا ہے، آپ نے کہا

”میں غزوہ تبوک کے سوا کسی دوسرے غزوہ سے غیر حاضر نہیں ہوا تھا، اپنی غزوہ بدر میں بھی میں شامل نہیں تھا لیکن اس غیر حاضری پر اللہ تعالیٰ نے کسی کو عتاب نہیں فرمایا۔ کیونکہ بدر کی طرف روانگی کے وقت جنگ کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ میں بیعت عقبہ میں بھی شریک ہو تھا جس رات ہم نے چچوں سے اسقام قبول کیا تھا۔ غزوہ تبوک سے میری غیر حاضری کی تفصیل یوں ہے:

اس وقت میں جسمانی لحاظ سے بھی صحت مند تھا ورنہ لحاظ سے بھی خوشحال تھا۔ اس طرح کی بدنی صحت اور توانگری مجھے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت میرے پاس سواری کیلئے ایک بچے دو اونٹ تھے۔ سرور عام ﷺ نے خلاف معمول اس غزوہ کے بارے میں تمام مجاہدین کو بتایا دیا تھا تاکہ مسلمان اس کٹھن اور طویل سفر و کثیر التعداد دشمن سے ٹکرینے کیلئے پوری طرح تیاری کر لیں۔ (مجاہدین اسلام کی تعداد امام مسلم کی روایت کے مطابق دس ہزار سے زائد تھی لیکن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا کہ ہم تیس ہزار سے زائد مجاہد اللہ کے محبوب رسول ﷺ کی معیت میں غزوہ تبوک کیلئے روانہ ہوئے۔) فخر دوعام ﷺ اس غزوہ کیلئے اس وقت روانہ ہوئے جب پھل پکے ہوئے تھے، شدید گرمی تھی، درختوں کے ٹھنڈے سائے کے نیچے آرام کرنے کے دن تھے اور لوگ اپنے ٹھکانوں میں ٹھنڈے سائے کے نیچے گرمیاں گزار رہے تھے۔ حضور سرور عالم ﷺ اور تمام مجاہدین نے تیاری کر لی۔ مجاہدین کا شکر جمعرات کے روز بدینہ حبیدہ سے حازم تبوک

ہوا۔ حضور نبی کریم ﷺ جہاد کیلئے یا کسی اور کام کیلئے سفر پر روانہ ہوتے تو اس سفر کا آغاز جمعرات کے دن کرتے۔

صحابہ کرام تیاری میں مصروف تھے، میں بھی صبح کے وقت اسی ارادہ سے گھر سے نکلا تاکہ سفر کیلئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، ان کو فراہم کروں۔ دو دن سارا گزر گیا میں دوسرے کاموں میں الجھا رہا، جنگ کیلئے تیاری کی فرصت نہ ملی۔ میں نے سوچا کوئی بات نہیں آج نہیں تو کل تیاری کر لوں گا، ہر چیز میرے پاس موجود ہے۔ چنانچہ دوسرا دن آیا اس روز بھی میں اس نیت سے باہر نکلا کہ جنگ کیلئے تیاری کروں لیکن یہ دن بھی گزر گیا، میں اس سلسلہ میں کچھ بھی نہ کر سکا یہاں تک کہ جمعرات کا دن آگیا اور رحمت عالم ﷺ اپنے تمیں ہزار جانباز مجاہدین کو ہمراہ لے کر تبوک کیلئے روانہ ہوئے۔ پھر بھی میں نے یہ کہہ کر اپنے دل کو بہلایا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، ایک دو دن میں تیاری مکمل کر لوں گا۔ میرے پاس تیز رفتار اونٹ ہیں، ان پر سوار ہو کر لشکر اسلام سے جا ملوں گا۔ لشکر کی روانگی کے بعد بھی کئی دن گزر گئے، میں دوسرے کاموں میں پھنسا رہا لیکن جہاد کیلئے اپنے آپ کو پوری طرح تیار نہ کر سکا۔

تب مجھے یہ خیال آیا کہ اب تو لشکر اسلام بہت دور نکل گیا ہے، اب ان کو جا لینا دشوار ہے۔ چنانچہ میں نے جہاد پر جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اب میں بازار میں نکلتا تو مجھے کوئی سپی مسلمان وہاں نظر نہ آتا یا وہ لوگ ہوتے جو منافقت سے متم ہیں یا اندھے، بہرے، لولے، لنگڑے لوگوں سے ملاقات ہوتی جن کو اللہ تعالیٰ نے خود معذور قرار دیا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر مجھ پر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، رحمت عالم ﷺ نے بھی اثنائے سفر مجھے یاد نہ فرمایا یہاں تک کہ تبوک پہنچ گئے، وہاں ایک روز جب حضور صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے تو حضور نے مجھے یاد کرتے ہوئے کہا **هَذَا فَعَلَكَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ** ”یعنی کعب بن مالک نے کیا کیا ہے؟“ ایک صاحب نے عرض کی یا رسول اللہ اس کو تو اس کی دو قیمتی شاہوں نے آنے نہیں دیا۔ ان کو اپنے دونوں کندھوں پر ڈال لیتا ہے اور ان کو اپنے کندھوں پر پھیلا ہوا دیکھتا ہے تو اس میں گمن رہتا ہے۔ اس چیز نے اسے

جہاد میں شرکت سے محروم رکھا۔

يَا رَسُولَ اللَّهِ حَبَسَهُ بَرْدًا وَنَظَرُهُ فِي عِطْفَيْهِ - (1)

”یا رسول اللہ! اس کو اپنی چادر نے جو اس نے اپنے کندھوں پر ڈال رکھی تھی اس کے دیکھنے سے روکا ہے۔“

حضرت معاذ بن جبل نے اس شخص کو کہا کہ تم نے بڑی غلط بات کی ہے۔ اے اللہ کے رسول! بخدا! میں تو اس کے متعلق خیر ہی جانتا ہوں۔ پھر حضور نے سکوت فرمایا۔

حضرت کعب کہتے ہیں کہ دن گزرتے گئے یہاں تک کہ مجھے اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ بخیر و عافیت فتح و کامرانی کے پرچم لہراتے ہوئے واپس تشریف لارہے ہیں تو غم و اندوہ نے مجھے نڈھال کر دیا۔ میں اب ایسا عذر تلاش کرنے لگا جو حضور کی آمد پر اپنے بارے میں خدمتِ اقدس میں پیش کر سکوں اور ایسے فقرے تیار کر رہا تھا جن کے ذریعہ سے میں معذرت خواہی کروں۔ میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ حضور کے غضب سے میں کس طرح اپنے آپ کو بچاؤں گا۔ اس سلسلہ میں میں نے ہر دانشور سے مشورہ کیا۔ جب مجھے یہ اطلاع ملی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ تو تشریف لاپچھے ہیں تو ہر غلط خیال میرے ذہن سے محو ہو گیا اور مجھ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ میں کذب بیانی سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔ میں نے طے کر لیا کہ میں اپنے آقا کی خدمت میں صرف سچی بات کہوں گا، مجھے یہ یقین ہو گیا کہ سچ بول کر ہی میں اس غلطی سے اپنے آپ کو نجات دلا سکتا ہوں۔ چنانچہ وہ دن بھی آیا جب حضور پر نور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں نزول اجداد فرمایا۔

یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ حضرت کعب کہتے ہیں کہ حضور کا یہ معمول تھا کہ سفر سے چاشت کے وقت واپس تشریف لاتے۔ پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نفل ادا فرماتے، پھر سب سے پہلے اپنی نورِ نظر حضرت خاتونِ جنت کے گھر قدم رنجہ فرماتے، پھر اپنی ازواجِ مطہرات کو اپنے دیدار کا شرف ارزانی فرماتے، پھر حضور عوام کی مدقات کیسے تشریف فرما ہوتے۔

پیچھے رہ جانے والے آئے، قسمیں کھا کھا کر عذر بہانے کرنے لگے۔ ان کی تعداد اتنی اور پچاسی کے قریب تھی، جو شخص اس قسم کا عذر پیش کرتا، حضور اس کے عذر کو قبول فرماتے اور پھر بیعت فرماتے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے۔ ان کی خفیہ نیوٹوں کو اللہ

کے سپرد کر دیتے۔ پھر میں حاضر خدمت ہوں۔ سلام عرض کیا۔ حضور نے تبسم فرمایا لیکن اس تبسم میں حضور کی ناراضگی جھلک رہی تھی۔ فرمایا، آگے آؤ۔ میں آگے بڑھا اور حضور کے قدمین شریفین کے سامنے بیٹھ گیا۔ حضور نے مجھ سے رخ انور موڑ لیا، میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! حضور نے اس غلام سے رخ انور کیوں پھیر لیا ہے؟ بخدا اللہ میں منافق ہوں اور نہ میرے دل میں کوئی شک پیدا ہوا اور نہ میں نے اپنا عقیدہ بدلا۔ حضور نے فرمایا، پھر تم جہاد سے کیوں پیچھے رہ گئے؟ کیا تمہارے پاس سواری کیلئے جانور نہیں تھا؟ میں نے بصد ادب عرض کی، بیشک میں نے سواری کا جانور خرید لیا تھا، اگر اس وقت میں کسی دنیا دار کے سامنے بیٹھا ہوتا تو آپ دیکھتے کس طرح میں حرب زبانی سے کام لیتا اور اس کا غصہ کافور ہو جاتا اور وہ مجھے ہر قسم کی غلطی سے بری قرار دیتا۔ کیونکہ مجھ میں منظرہ کا بڑا ملکہ ہے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ میں اللہ کے رسول کی بارگاہ میں پیش ہوں، اگر میں نے جھوٹ بولا بھی تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر آگاہ کر دے گا اور آپ مجھ پر اور زیادہ ناراض ہوں گے۔ اور اگر میں نے سچی سچی بات کہہ دی تو حضور مجھ پر ناراض تو ہوں گے لیکن مجھے امید ہے میرا رب مجھے معاف فرمادے گا۔ یہ سوچنے کے بعد میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! سچی بات تو یہ ہے کہ اس غیر حاضری کیلئے میرے پاس کوئی عذر نہیں۔ اس روز جس قدر میں صحت مند اور خوش حال تھا ایسا پہلے کبھی نہ تھا۔ جب حضرت کعب نے یہ گزارش کی تو آقائے دو جہان نے فرمایا اِنَّا هَذَا اَفْقَدْنَا صَدَقَ الْبَيِّنَاتُ اس شخص نے سچی بات کہی ہے۔ فرمایا، تم اب گھر چلے جاؤ یہاں تک کہ حیرے ہارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہو۔ چنانچہ میں کھڑا ہوا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ بنو مسلمہ کے چند آدمی بھی میرے پیچھے چل پڑے۔ انہوں نے مجھے کہا ہمیں علم ہے کہ اس سے پہلے کبھی ایسی غلطی تجھ سے صادر نہیں ہوئی، اگر تم بھی کوئی عذر پیش کر دیتے جس طرح دوسرے پیچھے رہنے والوں نے عذر پیش کئے ہیں تو تجھے بھی معافی مل جاتی اور حضور جب تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب فرماتے تو یہ سارے داغ بھی دھل جاتے۔ میرے قبیلے والے مجھے جھڑکتے رہے، سرزنش کرتے رہے یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں واپس لوٹ جاؤں اور حضور کی بارگاہ میں غیر حاضری کا کوئی عذر ننگ پیش کر دوں۔ پھر سوچا دو گنا ہوں کو ہر گز جمع نہیں کروں گا۔ جہاد میں شرکت سے محروم رہوں اور پھر حضور کی بارگاہ میں جھوٹ بولوں۔ ایسا کرنا میرے لئے ممکن

نہیں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کوئی اور شخص بھی ہے جس کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا ہو؟ انہوں نے کہا دو آدمی اور ہیں۔ انہوں نے بھی اس طرح عرض کیا جس طرح تو نے عرض کیا۔ ان کیسے بھی سرکار نے وہی ارشاد فرمایا جو تمہارے سنے ارشاد فرمایا۔ میں نے پوچھا وہ دو کون ہیں؟ مجھے بتایا گیا مر رہ بن ربیع العمری اور بدن بن امیہ الواقفی۔ دوسرے ساتھیوں کا حال یوں بیان کیا گیا ہے: حضرت مرارہ کا ایک ہاتھ اس کے پھل پکے ہوئے تھے اور خوب بہار دکھا رہے تھے۔ مرارہ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ پیسے میں تمام غزوات میں شریک ہوتا رہا ہوں، اگر اس ایک غزوہ میں شریک نہ ہوا تو کوئی حرج نہیں۔ پھر جب نفس نے ملامت کی کہ تم نے کتنی غصی کی ہے کہ بدلتوں کے محبوب کی ہر کاری سے محروم رہے ہو تو آپ کی زبان سے یہ جملہ نکلا: **اللَّهُمَّ إِنِّي أَشْهَدُكَ أَنِّي قَدْ نَصَدَقْتُ بِهِيَ فِي سَبِيلِكَ** خدا میں تجھے اس بات پر گواہ بناتا ہوں، جس بات کی وجہ سے میں تیرے محبوب کی ہر کاری سے محروم رہا، اس کو تیرے راستہ میں صدقہ کرتا ہوں۔

دوسرے صاحب۔ ہلال بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت غزوہ تبوک کیسے روانگی کا وقت آیا، میرے اہل وعیوں دھڑا دھڑا اٹھ اٹھے۔ جب وہ جمع ہو گئے تو میں نے سوچا، اگر اس سال ان کے پاس قیام کروں تو کوئی حرج نہیں لیکن پھر بارندہ مت نے مجھے اندھا کر دیا اور میری زبان سے یہ جملہ نکلا: **اللَّهُمَّ لَكَ عَلَيَّ أَنْ لَا أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي وَهَيْلِي** یا اللہ! میں تیرے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ جس اہل و مال کی وجہ سے میں اس سعادت سے محروم رہا، اب میں لوٹ کر ان کے پاس ہرگز نہیں جاؤں گا۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ جب مجھے یہ علم ہوا کہ میرے ساتھ دو ایسے آدمی بھی ہیں جو بڑے نیک بھی ہیں اور جنہوں نے غزوہ حد میں شرکت نہیں کی تھی تو میرے دل کو بوجھ اطمینان ہوا، میں ان کی ملاقات کیلئے گیا۔ نبی کریم ﷺ نے سب مسلمانوں کو ہمارے ساتھ گفتگو کرنے سے منع فرما دیا۔ یہ حکم ملتے ہی سب لوگ ہم سے کنارہ کش ہو گئے ان کے چہروں کی رنگت بد گئی۔ ہم جب بھی باہر نکلتے تو کوئی شخص نہ ہمارے ساتھ کلام کرتا اور نہ سلام کا جواب دیتا۔ وہ بالکل ہمارے لئے اجنبی ہو گئے۔ گویا نہ ہم ان کو پہچانتے ہیں ورنہ وہ ہمیں پہچانتے ہیں حتیٰ کہ اس شہر کے درو دیوار بھی ہمیں اجنبی محسوس ہونے لگے۔ ہمیں یوں خیال آتا تھا کہ یہ مکان، یہ دیواریں اور یہ راستے اس شہر کے نہیں جس میں ہم پیدا

ہوئے تھے اور آج تک زندگی گزارتے رہے ہیں۔ حضرت کعب کہتے ہیں کہ مجھے جو اندیشہ ہلکان کر رہا تھا، وہ یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس حالت میں میری موت واقع ہو جائے اور حضور پر نور میری نماز جنازہ پڑھانے سے بھی انکار کر دیں۔ اس بے کلی میں پچاس راتیں گزر گئیں۔ میرے دو ساتھی مرارہ اور ہلال تو اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور بغیر رونے کے ان کا کوئی شغل نہ تھا۔ میں چونکہ ان دونوں سے کم عمر اور طاقتور تھا، اس لئے نماز کے بعد میں حضور کی مجلس میں آکر بیٹھتا۔ جب میں آتا تو سلام عرض کرتا، میں تاڑتا رہتا کہ حضور کے لب لعلیں نے جنبش کی ہے یا نہیں۔ پھر میں حضور کے قریب ہی نماز پڑھتا اور چوری چوری حضور کی طرف نکتا رہتا۔ جب میں نماز میں معروف ہوتا تو حضور میری طرف متوجہ ہوتے۔ جب میں حضور کی طرف متوجہ ہوتا تو حضور اپنا رخ اقدس پھیر لیتے۔ لوگوں کی بے رخی جب کافی طویل ہو گئی تو میں اپنے چچا زاد بھائی ابو قتادہ کے گھر کی دیوار پھاند کر اس کے پاس چلا گیا۔ وہ میرا از حد محبوب بھائی تھا۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ بخدا! ابو قتادہ جیسے پیارے بھائی نے مجھے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے انہیں کہا، اے ابو قتادہ! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، کیا تم یہ جانتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں؟ ابو قتادہ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے دوبارہ یہ سوال دہرایا اور واسطہ دیا۔ پھر بھی وہ خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ پھر میں نے یہی سوال پوچھا۔ پھر بھی انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی۔ تیسری یا چوتھی بار صرف اتنا کہا اللہُ وَ رَسُوْلُهُ اَعْلَمُ ”اس بات کو اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔“ اس وقت میری آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، میں واپس آگیا۔ اسی حالت میں میں مدینہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ اچانک شام کے ایک غلطی جو شام سے اشیاء خوردنی لے کر انہیں بیچنے کیلئے مدینہ طیبہ آیا تھا، وہ کہہ رہا تھا۔ تم میں سے کون ہے جو مجھے کعب بن مالک کا پتا بتائے۔ اتنے میں میں وہاں پہنچ گیا۔ لوگ میری طرف اشارہ کر کے اس کو بتا رہے تھے کہ یہ وہ شخص ہے جس کو تم تلاش کر رہے ہو۔ وہ آدمی میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ ”مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تمہارے صاحب نے تم پر جفا کی ہے اور تمہیں اپنے پاس سے نکال دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شہر میں تجھے نہ رکھے جہاں تیرے جیسے شخص کی توہین کی جاتی ہے۔ اگر تو چاہتا ہے تو ہمارے پاس لوٹ آ۔ ہم تیری پوری طرح دلجوئی کریں گے۔“ میں یہ خط پڑھا کر بھونچکا سا رہ گیا۔

میں نے سوچا یہ پہلی مصیبت سے بھی بڑی مصیبت ہے کہ اہل کفر و شرک مجھ سے یہ توقع کرنے لگے ہیں کہ میں اتنی سی بات پر اپنے آقا کا دامن چھوڑ کر ان سے آکر مل جاؤں گا۔ میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ سامنے ایک تنور میں آگ جل رہی تھی۔ میں نے وہاں جا کر اس خط کو اس تنور میں پھینک دیا۔ میں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بد قسمتی کی شکایت کی کہ یا رسول اللہ! آپ نے مجھ سے رخ انور پھیر لیا ہے۔ اب میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ اہل شرک مجھے اپنے دام تزویر میں پھنسنے کی جرأت کرنے لگے ہیں۔

کعب فرماتے ہیں کہ پہلی پچاس راتوں کے بعد مزید چالیس راتیں گزر گئیں، کیا دیکھتا ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا قاصد میری طرف آرہا ہے۔ یہ قاصد خزیمہ بن ثابت تھے اور یہی حضور کا پیغام لے کر حضرت مرارہ اور ہلال کے پاس بھی گئے تھے۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ اس قاصد نے آکر مجھے پیغام دیا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے الگ رہو۔ میں نے پوچھا، کیا حضور نے اسے طلاق دینے کا حکم دیا ہے، اب میں کیا کروں؟ انہوں نے کہا، حضور نے طلاق کا حکم نہیں دیا، صرف ان سے کنارہ کش ہونے کا حکم دیا ہے اور اس کے قریب جانے سے منع فرمایا ہے۔ یہی پیغام حضور نے میرے ان دونوں ساتھیوں کی طرف بھیج دیا۔ میں نے اپنی بیوی کو بلایا اور اسے کہا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ اور وہیں ان کے پاس رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اس معاملہ میں کوئی فیصلہ فرمائے۔

حضرت کعب کہتے ہیں کہ ہلال بن امیہ کی زوجہ خولہ بنت عاصم بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی، یا رسول اللہ! میرا خاوند ہلال بن امیہ بہت بوڑھا ہے، اس کے پاس کوئی خادم بھی نہیں، اس کی چٹائی بھی کمزور ہو گئی ہے، کیا حضور اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ میں اس کی خدمت کروں؟ فرمایا، نہیں۔ اب اسے تمہارے نزدیک آنے کی اجازت نہیں۔ اس نے عرض کی **لَا تَلْعَلُ وَاللّٰهُ وَمَا يَهْدِيكَ رَبُّكَ** (یا رسول اللہ! خدا کی قسم! اس دن سے جب سے حضور نے اس سے نگاہ کرم پھیری ہے، اس نے رونا شروع کیا ہے اور آج تک زار و قطار رو رہا ہے۔) ”اے تو کسی اور چیز کا ہوش ہی نہیں۔“

کعب کہتے ہیں کہ میرے اہل خانہ میں سے کسی نے مجھے مشورہ دیا کہ تم بھی اپنی بیوی کے بارے میں سرکارِ دو عالم ﷺ سے اذن طلب کر لو۔ جس طرح حضور نے ہلال کی بیوی کو اپنے خاوند کی خدمت کی اجازت دیدی ہے۔ میں نے کہا، خدا کی قسم! اللہ کے پیارے

رسول سے میں تو ہر گز یہ اذن طلب نہیں کروں گا۔ میں جوان آدمی ہوں، اپنا کام کاج خود کر سکتا ہوں۔

اس کے بعد پھر مزید دس راتیں گزر گئیں اور پوری پچاس راتیں ہو گئیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رات کے تیسرے حصہ کے گزرنے کے بعد ہماری توبہ کی قبولیت کے بارے میں اپنے محبوب پر وہ آیات نازل کیں۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پتا چلا تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا میں کعب بن مالک کو یہ مژدہ نہ سناؤں؟ حضور نے فرمایا لوگ جب یہ سنیں گے تو جوق در جوق یہاں آنا شروع ہو جائیں گے اور ساری رات تمہیں سونے نہیں دیں گے۔

حضرت کعب کہتے ہیں کہ جب بچہ سویں رات کی صبح کی نماز میں نے ادا کی تو میں اپنے گھہ کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا۔ میری یہ کیفیت تھی کہ میں اپنی جان سے بھی بیزار تھا اور زمین پنی کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ ہو رہی تھی۔ میں نے سنا کہ جبل سمع کے اوپر کوئی شخص بلند آواز سے یہ منادی کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعب بن مالک کی توبہ قبول کر لی ہے۔ اے کعب تمہیں خوشخبری ہو۔

ابن عقبہ لکھتے ہیں کہ دو آدمی دوڑ کر آرہے تھے تاکہ حضرت کعب کو ان کی توبہ کی قبولیت کی خوشخبری سنائیں۔ ایک آگے نکل گیا تو پیچھے رہنے والے نے جبل سمع کی چوٹی پر چڑھ کر یہ اعلان کر دیا۔ آپ کہتے ہیں، میں اسی وقت سجدہ میں گر پڑا اور خوشی کے آنسوؤں کا سیلاب اٹھ کر آگیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے نماز فجر کے بعد اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی توبہ قبول فرمائی ہے۔ لوگ دھڑا دھڑا اپنے بھائیوں کو یہ خوشخبری سنانے کیلئے دوڑ دوڑ کر جا رہے تھے۔ حضرت کعب کہتے ہیں، جس کی آواز میں نے سب سے پہلے سنی تھی وہ حمزہ ال سلمیٰ تھے جنہوں نے مجھے بشارت دی تھی۔ میں نے اظہارِ مسرت کیلئے دونوں کپڑے اتارے اور دونوں کو پہنائے جو مجھے خوشخبری سنانے کیلئے آئے تھے۔ میرے پاس ان دو چادروں کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ میں نے دو چادریں حضرت ابو قتادہ سے عاریت میں انہیں پہنا۔ ہدل بن امیہ کو سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے بشارت دی۔ وہ حد درجہ کمزور ہو گئے تھے۔ کئی کئی روز تک کھانا نہ کھاتے اور صوم وصال رکھ کرتے ور رونے کے بغیر ان کا کوئی کام نہ تھا۔ جس نے مرادہ بن ربیع کو توبہ کی قبولیت کی خوشخبری دی، اس کا نام سلکان

بن سلامہ تھا۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ توبہ کی قبولیت کا مژدہ سننے کے بعد میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کیلئے چل پڑا۔ لوگ مجھے راستہ میں فوج در فوج ملتے اور ہدیہ تبریک پیش کرتے یہاں تک کہ میں مسجد شریف میں داخل ہوا۔ وہاں میرے آقا و مور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور لوگ حضور کے ارد گرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر طلحہ بن عبید اللہ ٹٹھے، دوڑ کر میری طرف آئے، میرے ساتھ مصافحہ کیا اور مجھے مبارکباد دی۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا، حضور نے فرمایا در آں حال کہ حضور کا چہرہ مبارک فرط سرور سے چمک رہا تھا، فرمایا اَبَشِّرْ بِخَيْرٍ يَوْمَ مَرَّ عَيْدُكَ مُنْذُ وَلَدْتَكَ اُمَّتُكَ "جب سے تیری ماں نے تجھے جنا ہے تیری زندگی میں اس سے بہتر کوئی دن نہیں گزرا، تمہیں اس کی مبارک ہو۔" میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ ارشاد حضور کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ فرمایا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ تم نے اللہ تعالیٰ کے سامنے سچ سچ کہہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق فرمادی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تو حضور کا رخ انور چاند کی طرح چمکنے لگتا۔ ہم اس نشانی کو دیکھ کر حضور کی قلبی کیفیت کا اندازہ لگایا کرتے تھے۔ جب میں خدمت اقدس میں مؤدب ہو کر بیٹھ گیا تو میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں اپنی ساری جائیداد اللہ اور اس کے رسول کیلئے صدقہ کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا، کچھ مال اپنے پاس رکھ لو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ انہوں نے عرض کی، نصف ہاں؟ فرمایا نہیں۔ عرض کی تیسرا حصہ؟ فرمایا، ہاں۔ عرض کی خیبر میں جو میرا حصہ ہے وہ اپنے لئے رکھ لیتا ہوں، باقی مال اللہ اور اس کے رسول کیلئے صدقہ کرتا ہوں۔

پھر میں نے گزارش کی کہ سچ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس آزمائش میں سرخرو کیا۔ اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہا، سچی بات کہوں گا۔ پھر حضرت کعب نے فرمایا کہ اس دن سے لے کر آج تک میں نے کبھی کذب بیانی نہیں کی اور میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آخر دم تک میری حفاظت فرمائے گا۔

اسی توبہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ
اتَّبَعُواكَ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ

قَدِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ذُنُوبَهُمْ دَعَوْا تَحِيَّةً (1)

”یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ نیز مہاجرین و انصار پر جنہوں نے پیروی کی تھی نبیؐ کی مشکل گھڑی میں اس کے بعد کہ قریب تھا کہ نیز سے ہو جائیں دل ایک گروہ کے ان میں سے۔ پھر رحمت سے توجہ فرمائی ان پر۔ بیشک وہ ان سے بہت شفقت کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔“

ان تین حضرات (حضرت کعب، ہلال بن امیہ، مرار بن ربیعہ) کیلئے یہ خصوصی آیت نازل ہوئی:

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ
الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا
أَنَّهُ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا
إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (2)

”اور ان تینوں پر بھی (نظر رحمت) فرمائی جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی ان پر زمین باوجود کشادگی کے اور بوجھ بن گئیں ان پر ان کی جانیں اور جان لیا انہوں نے کہ نہیں کوئی جائے پناہ اللہ تعالیٰ سے مگر اس کی ذات۔ تب اللہ تعالیٰ ان پر مائل بہ کرم ہوا تاکہ وہ بھی رجوع کریں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔“

حضرت کعب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی نعمت کے بعد سب سے عظیم نعمت جو مجھ پر کی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے اللہ کے رسولؐ کی جناب میں سچ بول۔ اگر میں نے جھوٹ بولا ہوتا تو میں بھی ان لوگوں کی طرح ہلاک ہو جاتا جنہوں نے جھوٹ بول تھا۔ کعب کہتے ہیں کہ میری توبہ کی قبولیت کی آیت نازل ہوئی تو میں نے فرط محبت و شوق سے اپنے آقاؐ کے ہاتھ مبارک چوم لئے۔ (3)

1- سورہ، التوبہ 117

2- یسٰ 118

3- "بل الہدیٰ" صفحہ 5، 685 و "تاریخ الخلفاء" جلد 2، صفحہ 131 و "الکتف" جلد 2، صفحہ 397 و "مکمل کتب سیرت

قبائل عرب کے وفود کی آمد

قبائل عرب کے وفود کی آمد

دعوتِ توحید کی دلنوا اور روح پرور صدا کہیں پانچ سال سے گونج رہی تھی۔ وہ وہاں جنہیں فطرتِ سلیمہ کی نعمت سے بہرہ ور کیا گیا تھا، وہ گمراہ شُرک کی رنجیدہ و کھوڑ کر ہادی برحق ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے اور توحید کی شرابِ طہور سے اپنی تشنگی کا درماں کرتے۔ لیکن اکثر قبائل اپنے گمراہ آباء و جدوں کی اندھی تقلید سے چمٹے ہوئے تھے۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں کہ قریش مکہ کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ قریش حضرت پریمبر خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعمیر کردہ عجب کے متون تھے۔ جزیرہ نما کے عرب کا ہر قبیلہ ان کی مذہبی سیادت اور قیادت کو تہ دل سے تسلیم کرتا تھا۔ نسوں نے اپنے ہاں میں یہ طے کیا ہوا تھا کہ اگر قبیلہ قریش نے اسلام کو قبول کر لیا تو وہ بھی س دین کو قبول کر لیں گے۔ سنہ 8 ہجری میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرّم ﷺ کو فتحِ مبین سے مدینہ فرمایا اور حضور فاتحانہ انداز سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ سب روز قریش مکہ کے کشتہ بردار افراد نے سرِ اطاعت خم کر دیا اور سرورِ نبیاء کے دستِ مبارک پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کاملہ اور سید الرسل کی رسالتِ عامہ پر بیعت کی۔ کعبہ مقدسہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کر دیا گیا۔ وہ فضا جہاں سات و پہل کی خدائی کے بھیجنے لگے جاتے تھے، وہاں اب اللہ کے رسیے اور بیٹھے نعموں سے سارا آمد گونجنے لگا تھا۔ قبائل عرب کے اسلام قبول کرنے کے راستہ میں جو آخری چٹانِ حائل تھی وہ بھی چور چور ہو گئی۔ اب اسلام کا آفتاب عتابِ بٹی سنہری کرنوں سے ہر تاریک دس کو منور کرنے لگا۔ عرب کے دور دراز خطوں سے قبائل کے وفود کا تاننا بندھ گیا۔ یہ قبائل اپنے معاشی، معاشرتی، خدائی و نصریاتی پس منظر کے باعث ایک دوسرے سے شدید خدشہ رکھتے تھے۔ ان میں کوئی ورشتہ داران تھا اور کوئی نرم خو۔ حاضری کے وقت بعض کے دل اسلام کی حدوت و عناد سے بے یز تھے اور بعض اپنے اندر قبولِ حق کا جذبہ لے کر حاضر ہونے تھے۔ کوئی معاش بن کر آیا تھا اور کوئی دعوتِ حق

کو سمجھنے کیلئے حاضر ہوا تھا۔ کوئی اپنی مادی زندگی کی مشکلات کا حل دریافت کرنے کے لئے آیا تھا تو کوئی اپنی روحانی ترقی کا آرزو مند تھا۔ الغرض یہ وفود باہم متصادم خواہشات اور متضاد مطالبات کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تھے لیکن اس ختم المرسلین ﷺ کی بارگاہ رحمت سے کوئی بھی تہی دامن واپس نہیں گیا۔

اس لئے ان وفود کی بارگاہ رسالت میں حاضری اور قبول اسلام سے شرف یابی کے تذکرے ہم سب کیلئے ایمان پرور اور بصیرت افروز ہیں۔ ان کا مطالعہ ہمارے رنگ آلود دلوں کو صیقل کرنے کا باعث بنتا ہے۔ ہمارے کمزور ایمانوں کو مزید تقویت نصیب ہوگی اور اس آیت کریمہ کا صحیح مفہوم ذہن نشین ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے:

الَّذِينَ كُتِبَ إِلَيْهِمُ الْكِتَابُ يُخَيِّرُ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ
إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ

(1)

”یہ عظیم الشان کتاب ہے ہم نے اتارا ہے اسے آپ کی طرف تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو (ہر قسم کی) تاریکیوں سے نور (ہدایت و عرفان) کی طرف ان کے رب کے اذن سے۔“

وفد نجران

ویسے تو نجران کے وفد سے پہلے بھی کئی وفود خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو چکے تھے لیکن ہجرت کے نویں سال جسے عام الوفود (وفدوں کے آنے کا سال) کہا جاتا ہے، اس میں سب سے پہلے حاضری کا شرف نجران کے وفد کو حاصل ہوا۔ اس لئے ان کے ذکر سے عام الوفود کا آغاز کیا جاتا ہے۔

بنو ہوازن کا وفد جعرانہ کے مقام پر حاضر خدمت ہوا تھا۔ بنو ثقیف کا سالار اعلیٰ مالک بن عوف النصری، ہجرت کے آٹھویں سال کے آخر میں حاضر ہوا تھا۔ بنو حنیم کا وفد اپنے رئیس عیینہ بن حصین کی قیادت میں حاضری سے مشرف ہوا تھا۔

نجران، ایک وسیع و عریض علاقہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے یمن کی سمت میں سات مراحل کے فاصلہ پر واقع ہے اور اس وقت اس میں تہتر گاؤں آباد تھے، اور اس میں ایک لکھ کے

قریب جنگجو جوان موجود تھے۔ (1) ان کا قافلہ سائید سواروں پر مشتمل تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کی طرف گرامی نامہ ارسال فرمایا جس میں ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ گرامی نامہ سننے کے بعد یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حضور سرورِ عالمیوں سے منظرہ کرنے کی غرض سے مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے۔ اس گرامی نامہ کا متن درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللَّهِ الْبَرِّ الْكَرِيمِ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ
رَسُولِ اللَّهِ إِلَى أَسْقَفِ نَجْرَانَ وَأَهْلِ نَجْرَانَ إِنَّا
أَسَلَمْتُ قِيَّامِي أَحْمَدُ إِلَيْكُمْ إِلَهُ الْبَرِّ الْكَرِيمِ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
يَعْقُوبَ - أَمَّا بَعْدُ قِيَّامِي أَدْعُوكُمْ إِلَى عِبَادَةِ اللَّهِ مِنْ
عِبَادَةِ الْعِبَادِ وَأَدْعُوكُمْ إِلَى وِلَايَةِ اللَّهِ مِنْ وِلَايَةِ
الْعِبَادِ فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَلِجَزَايَ فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَقَدْ أَذْنَكُمْ
بِحَرْبٍ - وَالسَّلَامُ

(2)

”ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کے پروردگار کے نام سے میں اس خط کا آغاز کر رہا ہوں۔ بعد ازاں میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ بندوں کی پرستش کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کیا کرو اور بندوں کی دوستی کو ترک کر کے اللہ کی دوستی کو اختیار کرو۔ اگر تم اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کرو تو پھر جزیہ ادا کیا کرو۔ اور اگر تم جزیہ ادا کرنے سے بھی انکار کرو تو پھر جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ والسلام“

جب یہ گرامی نامہ وہاں کے لارڈ پادری کو موصول ہوا اور اس نے اسے پڑھا تو اس پر شدید گھبراہٹ اور اضطراب کی کیفیت طاری ہوئی۔ اس نے اہل نجران میں سے شر حلیل بن وداعہ کو طلب کیا۔ یہ شخص قبیہ ہمدان کا فرد تھا اور جب کبھی کوئی مشکل مرحلہ پیش آتا تو سب سے پہلے مشورہ کیے اس کو طلب کیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلہ میں بنو نجران کے تین معروف دانشوروں الایہم السید، ابو حارثہ اور اعقاب کی بھی کوئی اہمیت نہ تھی۔ جب شر حلیل

حاضر ہوا تو لارڈ پادری نے اللہ کے رسول مکرّم ﷺ کا گرامی نامہ اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے اسے پڑھا۔ لارڈ پادری نے اسے کہا، اے ابو مریم! بتاؤ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ شر حویل نے جواب دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل کی اولاد سے نبی مبعوث کرنے کا وعدہ فرمایا تھا، ہو سکتا ہے یہ شخص ہی وہ نبی موعود ہو۔ میں دنیوی معاملات میں تو مشورہ دے سکتا ہوں لیکن نبوت کے باب میں کچھ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ لارڈ پادری نے اس کو بیٹھنے کا حکم دیا، وہ ہٹ کر ایک جگہ پر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد لارڈ پادری نے ایک دوسرے شخص کو بلایا جس کا نام عبد اللہ بن شر حویل تھا۔ اس نے نبی اکرم ﷺ کا گرامی نامہ پڑھا اور وہی رائے دی، جو شر حویل نے رائے دی تھی۔ لارڈ پادری نے اس کو بھی ایک طرف بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ پھر لارڈ پادری نے ایک اور شخص کو بلایا جس کا نام جبار بن فیض تھا۔ اس کو بھی گرامی نامہ پڑھایا گیا اور اس کی رائے پوچھی گئی۔ اس نے بھی وہی رائے دی جو اس سے پہلے شر حویل اور عبد اللہ دے چکے تھے۔ جب اپنی قوم کے ان تین دانشوروں کی متفقہ رائے پر آگاہ ہوا تو لارڈ پادری نے وادی میں ناقوس بجانے کا حکم دیا۔ وہ ہر مصیبت کے وقت اسی طرح کیا کرتے تھے۔ تمام اہل وادی ناقوس کی آواز سن کر جمع ہوئے۔ اس نے سب کو وہ گرامی نامہ پڑھ کر سنایا اور رائے طلب کی۔ سب نے یہ تجویز پیش کی کہ شر حویل بن وداعہ ہمدانی، عبد اللہ بن شر حویل، جبار بن فیض الحارثی کو مدینہ طیبہ بھیجا جائے۔ وہاں جا کر حضور سے ملاقات کریں اور پھر واپس آکر اپنی رپورٹ دیں۔

علامہ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ نجران کے عیسائیوں کا جو وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، وہ ساٹھ شہسواروں پر مشتمل تھا۔ ان میں چودہ ان کے رئیس تھے۔ ان میں سے تین وہ زیرک لوگ تھے جن کی طرف ہر مشکل معاملہ میں رجوع کیا جاتا تھا اور ان کا فیصلہ قطعی تصور کیا جاتا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام عبد المسیح تھا جو العقب کے لقب سے ملقب تھا۔ یہ ساری قوم کا امیر اور مشیر تھا۔ اس کی رائے کے بغیر وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ دوسرے کا نام الایکم تھا جو السید کے لقب سے ملقب تھا۔ قافلہ کی آمد و رفت اور قیام و کوچ کا سارا انتظام اس کے سپرد تھا۔ تیسرے کا نام ابو حارث بن علقمہ تھا جو بنی بکر بن وائل کا فرد تھا۔

یہی ابو حارثہ نجران کے تمام عیسائیوں کا لارڈ پادری تھا اور ان کا جید عالم اور پیشوا تھا۔ ان کی ساری مذہبی ور سگاہوں کا ناظم اعلیٰ تھا۔ شاہن روم نے اس کو بڑے اعزازت دیئے تھے اور اس پر انعام و اکرام کی بارش کر کے اسے رئیس اعظم بنادیا تھا۔ اس کے لئے انہوں نے جگہ جگہ گرجے تعمیر کر دیئے تھے۔ اس کے علم و فضل میں یگانہ ہونے کے باعث اس پر اپنے اکرام و انعام کی انتہا کر دی تھی۔ (۱)

جب یہ وفد مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو انہوں نے اپنے سفر کے لباس کو اتار اور شاندار لباس زیب تن کیا۔ انہوں نے حیرہ کی بنی ہوئی ریشمی خلعتیں پہنیں، سونے کی انگوٹھیاں اپنی انگلیوں میں سجائیں اور رسول کریم ﷺ کی مسجد شریف میں داخل ہوئے۔ اس وقت حضور کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ انہوں نے مسجد نبوی میں داخل ہو کر مشرق کی طرف منہ کیا اور نماز پڑھنی شروع کی۔ بعض صحابہ نے اس سے روکنا چاہا لیکن سرور عالم ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے اطمینان سے اپنے عقیدہ کے مطابق اپنے قبلہ کی طرف منہ کر کے اپنی نماز داکی۔ نماز سے فراغت کے بعد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے ورسلام عرض کیا لیکن حضور نے ان کے سلام کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر انہوں نے سلسلہ گفتگو کا آغاز کرنا چاہا لیکن نبی کریم نے ان سے کوئی بات نہ کی۔ حضور کے اس طرز عمل سے وہ حیرت زدہ ہو گئے۔ یہ لوگ حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف سے شناسا تھے کیونکہ ان کے درمیان باہمی تجارتی روابط قدیم زمانہ سے تھے۔ یہ لوگ ان دونوں حضرات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کے نبی نے ہمیں گرامی نامہ تحریر فرمایا۔ ہم اس والا نامہ کو پڑھ کر یہاں حاضر ہوئے لیکن حضور نے نہ ہمارے سلام کا جواب دیا اور نہ ہمارے ساتھ گفتگو کی۔ اب ہم آپ سے مشورہ طلب کرتے ہیں کہ ہم کیا کریں؟ ان دونوں حضرات نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا۔ رمز شناس نبوت نے فرمایا، انہیں کہو کہ یہ ریشمی اور زرنگار قبائیں تار دیں، سونے کی انگوٹھیاں انگلیوں سے نکال دیں اور اپنے سفر کا سادہ لباس پہن کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوں۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا علی مرتضیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے سادہ لباس پہنا اور حاضر خدمت ہو کر سلام عرض کیا تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے

سلام کا جواب دیا۔ اور ان سے گفتگو شروع کی۔ رسول کریم ﷺ نے آیات قرآنی تلاوت فرما کر انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگے کہ ہم تو آپ کی آمد سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ حضور نے فرمایا، تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تین چیزیں تمہیں اسلام قبول کرنے سے روک رہی ہیں۔ تم صلیب کی عبادت کرتے ہو، خنزیر کھاتے ہو اور یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا ایک بیٹا بھی ہے۔

امام ابو زہرہ فرماتے ہیں کہ ابو حارثہ حضور کریم کی جلوت و خلوت میں بڑی تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا۔ جب ابو حارثہ حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے روانہ ہوا تو خچر پر سوار تھا اور اس کے ساتھ اس کا بھائی جس کا نام کرز بن علقمہ تھا، وہ اپنے خچر پر سوار ہو کر جا رہا تھا۔ ابو حارثہ کا خچر ایک دفعہ پھسلا تو اس کے بھائی نے کہا تَعَسَّ الْاَبْعَدُ ”جو دور ہے وہ ہلاک ہو۔“ اس سے وہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ابو حارثہ یہ گستاخانہ جملہ سن کر ضبط نہ کر سکا۔ اس نے کہا تَعَسَّتْ اَنْتَ ”تو ہلاک و برباد ہو۔“ بخدا الیہ ہستی تو اللہ کا نبی ہے۔ جس کے لئے ہم صدیوں سے چشم براہ ہیں۔ اس کے بھائی نے یہ جملہ سنا تو ابو حارثہ کو کہا کہ بھئی! جب ان کے بارے میں تمہارا یہ عقیدہ ہے تو پھر ان کی اطاعت کیوں قبول نہیں کرتے۔ ابو حارثہ نے کہا، تم کو علم نہیں ہے کہ روم کے شہنشاہوں نے ہمیں کن اعزازات سے نوازا ہے اور کس طرح سونے چاندی کے ڈھیر ہمارے قدموں میں لگا دیئے ہیں اور ہمیں عزت و شرف کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز کیا، یہ شاہان روم اس نبی کو ماننے کیلئے تیار نہیں اور اگر ہم اس کی اطاعت قبول کر میں تو ہم سے یہ سارے اعزازات واپس لے لئے جائیں گے، ہمیں سونے اور چاندی کے ان انباروں سے محروم کر دیا جائے گا، اس کے لئے ہم تیار نہیں۔

کرز نے اپنے بھائی ابو حارثہ کی جب یہ بات سنی تو اس کے دل میں گھر کر گئی اور کچھ عرصہ بعد اس نے حضور نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کر لی۔ (1)

ایک روایت میں ہے کہ نجرانی وفد کے ایک رکن نے کہا اَنْتَ سَيِّئُ الْاَبْنِ الْاَشْوِ ”مسح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے“ کیونکہ ان کا کوئی باپ نہیں۔ دوسرے نے کہا کہ مسیح خدا ہے، کیونکہ اس نے

مردوں کو زندہ کیا، غیب کی خبریں بتائیں، لاعلاج بیماروں کو ان کی بیماریوں سے شفا یاب کیا اور مٹی کے کچڑ سے پرندہ بنا کر اسے زندہ کر کے محو پرواز کر دیا۔ کیا ان کمالات کے باوجود آپ انہیں عبد (بندہ) کہتے ہیں؟ پیغمبر اسلام ﷺ نے کسی جھجک کے بغیر یہ اعلان فرمایا
 هُوَ عَبْدُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ الْقَهَّارُ إِلَى مَرْيَمَ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں اور یہ اس کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے جو سارے نساؤں کے خالق نے حضرت مریم میں پھونکا تھا۔" یہ سنتے ہی وہ غصہ سے بھڑک اٹھے، کہنے لگے کہ ہم اس وقت تک راضی نہیں ہوا گے جب تک آپ انہیں خدا نہ کہیں۔ اگر سچے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام بندے ہیں تو ہمیں کوئی ایسا بندہ دکھائیے جس نے مردوں کو زندہ کیا ہو۔ مادرِ راوندھے یا کسی کوڑھی کو شفا یاب کیا ہو۔ یا کچڑ سے پرندہ بنا کر اسے زندہ کر کے اڑایا ہو۔ ان کی ان ہر وہ سرائیوں کے جواب میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے سکوت اختیار فرمایا۔ فوراً جبرئیل امین یہ آیت لے کر حاضر ہوئے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ
 وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنِيْ اِسْرَآئِيْلَ اَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ
 اِنَّهٗ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ
 وَمَا وَاوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنَ النَّصْرِ لَقَدْ كَفَرَ
 الَّذِيْنَ قَالُوا اِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا
 اِلٰهُ وَاحِدٌۢ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ
 الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

(1)

"بیشک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ مسیح بن مریم ہی تو ہے حالانکہ کہہ تھا خود مسیح نے اے بنی اسرائیل! عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ یقیناً جو بھی شریک بنائے گا اللہ کے ساتھ تو حرام کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور نہیں ظالموں کا کوئی مددگار۔

بیشک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تیسرا ہے تین (خداؤں)

سے اور نہیں ہے کوئی خدا مگر ایک اللہ۔۔۔ اور اگر ہاؤنڈ آئے تو اس
(قول باطل) سے جو وہ کہہ رہے ہیں تو ضرور پہنچے گا جنہوں نے کفر کیا
ان میں سے، دردناک عذاب۔“

پھر انہوں نے پوچھا کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں تاکہ ہم اپنی
قوم کے پاس واپس جا کر آپ کی رائے سے انہیں آگاہ کریں۔ حضور نے فرمایا کہ اس سوال
کے جواب کیلئے آج کا دن میرے پاس قیام کرو تاکہ میں تمہیں اس سوال کا جواب دوں۔
جب دوسرا دن ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ مَثَلَ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ
لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ
الْمُتَرَدِّينَ ۚ

(1)

”جیسا کہ مثال عیسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم علیہ السلام
کی مانند ہے، بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا، تو وہ ہو گیا۔ (اے
سننے والے) یہ حقیقت کہ عیسیٰ انسان ہیں تیرے رب کی طرف سے
بیان کی گئی ہے۔ پس تو نہ ہو جا شک کرنے والوں سے۔“

اس کے باوجود وہ اپنی ضد پر اڑے رہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ ان
عقل کے اندھوں کو مبالغہ کا چیلنج دیں۔ چنانچہ یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ
تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ
وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ فَدَلَّيْهُمْ فَنَجَعَلْ لَّعْنَتَ اللَّهِ
عَلَى الْكَذِبِيِّينَ ۚ

(2)

”پس جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے میں اس کے بعد کہ آگیا
آپ کے پاس (یقینی) علم تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بل لیں اپنے بیٹوں کو
بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو

بھی۔ اپنے آپ کو اور تم کو۔ پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجاء کریں۔ پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر۔“

اس آیت کے نزول کے بعد رحمت عالمیاں نے فرمایا، میرے خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر اتنی وضاحتوں کے باوجود تم پائل پر اڑے رہو تو آؤ میرے ساتھ مباہلہ کرو۔ دونوں فریق میدان میں نکل کر بڑی عاجزی سے بارگاہ الہی میں دعا نکلیں کہ جو جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو تباہ و برباد کر دے۔ یہ سن کر وہ بولے ہمیں اس معاملہ میں غور و فکر کرنے کی مہلت دیجئے۔ حضور نے مہلت عطا فرمائی۔ وہ غصوت میں مشورہ کرنے کیلئے جمع ہوئے۔ ان میں سے بعض نے مشورہ دیا کہ تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور جب کوئی قوم اللہ کے رسول سے مباہلہ کرتی ہے تو اس کو تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک فرد باقی نہیں رہتا۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ بے جا ضد ترک کر دو اور ان پر ایمان لے آؤ اور اگر تم اپنے مذہب کو کسی قیمت پر چھوڑنے کیلئے تیار نہیں تو پھر ان سے صلح کرو اور اپنے وطن واپس لوٹ جاؤ۔

دوسرے روز صبح سویرے خداوند ذوالجبراس کے نبی برحق محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ حضور کے ہمراہ حسنین کریمین، ان کی والدہ محترمہ حضرت خاتون جنت، اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم جیسی برگزیدہ ہستیاں تھیں۔ ان کے نورانی اور پر جلال چہروں کو دیکھ کر ان کا مار ڈپاوری چیخ اٹھا اور کہنے لگا کہ مجھے ایسے چہرے نظر آ رہے ہیں کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں کہ اس پہاڑ کو یہاں سے ہٹا دے تو اللہ تعالیٰ اس پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ ان سے مباہلہ نہ کر دو ورنہ بدک ہو جاؤ گے۔ چنانچہ انہوں نے مباہلہ کا چیلنج قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر وہ اس روز میرے ساتھ مباہلہ کرتے تو سی وقت ان کو بندر اور خنزیر بنادیا جاتا۔ نیز ان کی ساری وادی کو مع اس کے جملہ کینوں کے صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا۔

آخر کار انہوں نے مصالحت کی درخواست پیش کی جو سرد کائنات نے قبول فرمائی۔ اہل نجران نے بطور جزیہ ایک ہزار جوڑے پوشاک، ۱۰ صفر میں اور ایک ہزار جوڑے پوشاک ۱۰ رجب میں مع کچھ مقدس چاندی دکنے کا وعدہ کیا۔ یہ کارروائی ﷺ نے صلح نامہ کے

کر انہیں دیدیا۔ یہ معاہدہ اپنی مکمل شکل میں ”الوثائق السیاسیہ“ مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مطبوعہ دار الفرائس بیروت کے صفحات 175-179 پر موجود ہے۔

وفد ابو تمیم الداری

ابو تمیم الداری اور اس کا بھائی نعیم اپنے قبیلہ کے چار دیگر افراد کے ہمراہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا۔ اس سے پہلے وہ نصرانیت کے پیرو تھے۔ رخ انور کو دیکھ کر سب کے سب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں بھی یہ حاضری کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ لیکن ایمان لانے کی سعادت انہیں دوسری ملاقات کے بعد نصیب ہوئی۔ پہلی مرتبہ جب یہ مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کی کہ ملک شام سے انہیں ایک قطعہ زمین عطا فرمایا جائے۔ اس کریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **سَلُّوْا حَبِیْثُ شَشْثُ** ”جہاں سے تمہاری مرضی ہے زمین کا قطعہ مانگو۔“ تمہیں سطا کیا جائے گا۔ اس وفد کے ایک رکن ابو ہند نے بیان کیا کہ ہم مشورہ کرنے کیسے اٹھ آئے۔ ابو تمیم نے رائے دی کہ ہم حضور سے بیت المقدس اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ طلب کریں۔ ابو ہند نے اس رائے سے اختلاف کیا۔ اس نے کہا، یہ مرکزی مقام ہے، پہلے یہاں عجم کے بادشاہوں کا قبضہ تھا، اب یہاں عرب کے سلاطین اپنا مرکز بنائیں گے، وہاں ہمارا رہائش پذیر ہونا مشکل ہوگا۔ ابو تمیم نے یہ بات سن کر ایک دوسرے خطہ کا نام لیا۔ اس نے کہا ہم حضور سے اپنے لئے بیت جبرون کے گرد و نواح کے علاقہ کے بارے میں درخواست کریں گے۔ چنانچہ ہم سب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور اپنی گزارش پیش کی۔ حضور نے ازراہ شان کریمی ہماری یہ گزارش قبول فرمائی۔ چڑے کا ٹکڑا منگو لیا اور اسی پر ہمیں لکھ دیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی دست ویز گرامی کے الفاظ:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ هٰذَا كِتَابٌ ذِكْرِيْهِ مَا
وَهَبَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم
لِلدَّارِیْتَيْنِ اِذَا اَعْطَاهُ اللّٰهُ الْاَرْضَ وَهَبَ لَكُمَّ بَيْتَ
عَيْنُوْنَ وَجَبْرُوْنَ وَالْمَرْطُوْمَ وَبَيْتَ اَبْرَهِيْمَ اِلَى الْاَبْدِ
شَهْدَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّیْبِ وَخَزِيْمَةُ بْنُ قَيْسٍ وَ

شَرِّ حَبِيبٍ بَيْنَ حَسَنَةٍ۔

(1)

”یہ وہ تحریر ہے جس میں محمد رسول اللہ ﷺ نے دارمیں کو جو جاگیر عطا فرمائی ہے وہ ذکر کی گئی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو یہ سر زمین عطا فرمائے گا تو حضور دارمیں کو بیت عنون، جیرون، مرطوم اور بیت ابراہیم کے علاقے عطا فرمائیں گے اور یہ عطیہ تابید ہوگا۔ اس تحریر پر حضرت عباس بن عبدالمطلب، خزیمہ بن قیس، شریحیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بطور گواہ دستخط کئے۔“

حضور نے یہ دستاویز انہیں عطا فرمائی اور حکم دیا اب تم اپنے وطن واپس چلے جاؤ اور جب تم کو یہ پتا چلے کہ میں مکہ سے ہجرت کر کے چلا گیا ہوں تو تم میرے پاس آنا۔ چنانچہ حضور کی ہجرت کے بعد یہ لوگ پھر مدینہ طیبہ میں حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے اس دستاویز کی تجدید کیلئے گزارش کی۔ چنانچہ اسی مضمون کا ایک نیا عہد نامہ تحریر فرما کر انہیں عطا فرمایا۔ اور اس پر بطور گواہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان ذوالنورین، سیدنا علی بن ابی طالب اور حضرت امیر معاویہ نے اپنے دستخط ثبت کئے۔

وفد کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ

فتح مکہ کے ضمن میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

وفد ثقیف

حضور نبی رؤف رحیم ﷺ ماہ رمضان المبارک میں تبوک کے طویل اور کٹھن سفر سے مراجعت فرمائے مدینہ طیبہ ہوئے۔ اسی ماہ سعید میں بنو ثقیف کا وفد بھی حاضر خدمت اقدس ہوا۔

آپ ابھی پڑھ آئے ہیں کہ بعض مصلحتوں کے پیش نظر حضور سرور عالم ﷺ نے طائف کا محاصرہ اٹھالیا اور مدینہ طیبہ کو روانہ ہوئے۔ عروہ بن مسعود ثقفی، حضور کی زیارت سے مشرف ہونے کی نیت سے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی راستہ

میں ہی تھے کہ حضرت عروہ کو شرف نیاز حاصل ہوا اور ہادی برحق کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کی سعادت حاصل کی۔ ان کا اجازت لے کر طائف لوٹنا، اپنی قوم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا اور اپنی قوم کے حیروں سے گھٹل ہو کر مرتبہ شہادت پر فائز ہونا۔ ان کی تفصیلات آپ مطالعہ کر چکے ہیں۔

بنو ثقیف، حضرت عروہ کو شہید کرنے کے بعد کئی ماہ تک اپنے کفر سے چمٹے رہے لیکن دل ہی دل میں وہ یہ سوچ کر ہلکان ہوئے جاتے تھے کہ ان کے شہر کے گرد و نواح میں اسلام کا نور پھیل چکا تھا۔ وہاں کے مکینوں کی اکثریت صدق دل سے اسلام قبول کر چکی تھی۔ اب ان کے لئے کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ وہ دامن مصطفویٰ کو صدق لے سے تمام لیں۔ چنانچہ انہوں نے عبدیاللیل اور اس کے ہمراہ پانچ دیگر افراد کا ایک وفد مدینہ طیبہ روانہ کیا۔ بعض اصحاب سیر نے اس وفد میں شرکاء کی تعداد انہیں بتائی ہے جن میں بنو ثقیف کے بہت سے رؤساء بھی شامل تھے۔ عبدیاللیل، شریصل بن غیلان، کنانہ بن عبدیاللیل اور عثمان بن ابی العاص جیسی ہستیاں بھی شریک تھیں۔ جب یہ وفد مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا اور انہیں مغیرہ بن شعبہ ثقفی نے دیکھ لیا تو وہ تیز رفتاری سے روانہ ہوا تاکہ سب سے پہلے اپنے آقا علیہ السلام کو ثقیف کی آمد کا مژدہ جانفزا سنا لیں۔ راستہ میں ان کی ملاقات حضرت صدیق اکبر سے ہو گئی۔ آپ نے حضرت مغیرہ کو واسطہ دیا کہ وہ انہیں مژدہ جانفزا سرور عالم ﷺ کو سنانے کا موقع دیں۔ آپ مان گئے۔ صدیق اکبر نے آگے بڑھ کر اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ مژدہ جانفزا سنا دیا۔ آپ خود اندازہ لگائیے کہ حضور سرور عالم ﷺ کو ان کی آمد پر کتنی قلبی مسرت ہوئی ہوگی۔ وہ سرکش قبیلہ جسے دس بارہ ہزار کا اسلامی لشکر مسخر نہ کر سکا، اللہ تعالیٰ کے حبیب کی دعا کی مکند، انہیں کشاں کشاں بارگاہ رسالت میں لے آئی۔

حضرت مغیرہ، مدینہ طیبہ سے واپس بنو ثقیف کے پاس آئے تاکہ انہیں بارگاہ نبوت کی حاضری کے آداب سے آگاہ کریں اور انہیں سلام عرض کرنے کا سلیقہ سکھائیں۔

جب یہ وفد بارگاہ رسالت کی حاضری سے مشرف ہوا تو ان کی رہائش کیلئے مسجد نبوی شریف کے ایک کونے میں خیمہ نصب کر دیا گیا تاکہ وہ قرآن کریم سنیں اور مسلمانوں کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھیں۔ وہ ہر صبح بارگاہ اقدس میں حاضر ہوتے اور فیضان صحبت سے فیض یاب ہوتے۔ وہ اپنے سامان کی حفاظت کیلئے عثمان بن ابی العاص کو چھوڑ آتے۔ جب یہ

لوگ اپنی اقامت گاہ پر واپس آتے تو کس عثمان بن ابی العاص، بارگاہ اقدس میں حاضر ہو جاتا اور سرکارِ دوعلم ﷺ سے قرآن کریم پڑھتا۔ اس کمسنی کے عالم میں اس کے قرآن پڑھنے کے شوق کو حضور بہت پسند فرماتے اور خوش ہوتے۔ اگر کسی وقت نبی کریم ﷺ استراحت فرما ہوتے تو یہ شوقین طالب علم حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوتا اور علم سیکھتا۔ یہی عثمان بیان کرتے ہیں کہ اس مدت قیام میں، میں نے سورۃ البقرۃ یاد کر لی۔ ایک دن میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں قرآن کریم یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن بھول جاتا ہوں۔ قرآن میرے دل میں نہیں ٹھہرتا۔ میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا اور فرمایا **يَا شَيْطَانُ اُخْرِجْ مِنْ صَدْرِ عُمَانَ** ”اے شیطان! عثمان کے سینہ سے باہر نکل جا۔“ آپ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے کبھی نسیں نہیں ہوا۔ عثمان کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! اپنے اللہ سے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دین کا فہم عطا فرمائے اور علم کی دولت سے میرے سینے کو معمور کر دے۔ سرکار نے پوچھا، عثمان! تم نے کیا کہا؟ میں نے اپنی التجاء دہرائی تو حضور نے فرمایا تم نے مجھ سے ایسی چیز مانگی ہے جو تیرے ساتھیوں میں سے کسی نے نہیں مانگی۔ پھر فرمایا **يَا ذَهَبُ اَنْتَ اَمِيْرٌ عَلَيْهِمْ** ”جاؤ میں نے تمہیں ان کا امیر بنادیا ہے۔“

وفد کی واپسی

اہل وفد نے گزارش کی کہ ہمارے سائے کسی کو امیر مقرر فرمائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عثمان بن ابی العاص کو ان کا امیر مقرر فرمادیا۔ کیونکہ ان کا علم حاصل کرنے کا شوق نرانا تھا۔ انہیں امیر مقرر کرتے ہوئے خصوصی تاکید فرمائی کہ جب نماز میں اہمیت کراؤ تو بہت لمبی قرأت نہ کرنا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بنو ثقیف نے درخواست کی کہ ہمیں نماز پڑھنے سے مستثنیٰ کیا جائے۔ ہادی برحق ﷺ نے فرمایا **لَا حَیْرَ فِیْ دِیْنِ لَا صَلَوٰۃَ فِیْہِ** ”اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہ ہو۔“ بنو ثقیف نے ایک اور التجاء کی کہ انہیں زنا، ربا اور سے خواری سے منع نہ کیا جائے۔ سرورِ عالم ﷺ نے ان کی اس لغو درخواست کو بھی مسترد کر دیا۔

روانگی سے پہلے انہوں نے ایک اور بیہودہ مطالبہ کیا۔ ان کے آباء و اجداد صدیوں سے

”لات“ کے صنم کی پوجا کرتے چلے آئے تھے۔ اس کی الوہیت کا تقدس ان کے قلوب و اذہان پر چھایا ہوا تھا۔ انہیں یہ خدشہ تھا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہیں اس کو دُعا و پیرا کی طرح پاش پاش کرنے کا حکم صادر نہ فرمائیں۔ پیش بندی کرتے ہوئے دُعا و پیرا ہوئے کہ تین سال تک ان کے قدیم معبودات کو یوں ہی رہنے دیا جائے، اس کو گرا یا نہ جائے۔ لیکن توحید باری تعالیٰ کے سچے علمبردار نے ان کی اس درخواست کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے صاف صاف فرمادیا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس کو بھی دوسرے بتوں کی طرح ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ پھر انہوں نے اپنے تین سال کے مطالبہ میں خود تخفیف کرنا شروع کر دی کہ تین سال نہیں تو دو سال تک۔، کچھ نہ کہا جائے۔ حضور کے انکار پر ایک سال کی مدت طلب کی۔ پھر مہینوں تک اسے کچھ نہ کہنے کی التجاء کی۔ آخر ایک ماہ تک اسے اپنے حال پر رہنے کی التجاء کی۔ اس وفد کے سارے ارکان نے تو اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کا رشتہ عبودیت ہمیشہ کیلئے معبودان باطل سے کٹ کر اپنے معبود برحق کے ساتھ قائم ہو چکا تھا۔ یہ گزارشات وہ اپنے لئے نہیں کر رہے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ان کی قوم کے دیگر افراد آہستہ آہستہ اسلام کو قبول کر لیں۔ اگر اچانک انکے اس قدیم معبود کو ریزہ ریزہ کر دیا گیا تو ان کے دلوں پر سخت چوٹ پڑے گی۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اسلام سے ہمیشہ کیلئے برگشتہ ہو جائیں۔ اپنی قوم کے نادانوں، عورتوں اور کمسن بچوں کیلئے وہ یہ مراعات طلب کر رہے تھے۔ لیکن ان کا واسطہ کسی سیاسی سید یا فوجی جرنیل سے نہ تھا جو بعض مصلحتوں کے پیش نظر اپنے مقصد حیات سے دستبردار ہونا گوارا کر لے۔ ان کا واسطہ اللہ تعالیٰ کے ایک راست باز بندے اور اس کے سچے رسول سے تھا جو اپنے عظیم مقصد سے کسی قیمت پر اعراض نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ حبیب رب العالمین نے ان کے ان تمام بے ہودہ مطالبات کو مسترد کر دیا۔

بفرض محال اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی بڑی سے بڑی مصلحت کے پیش نظر اسلام کے بنیادی عقائد اور نظام عبادات میں ذرہ برابر رد و بدل قبول کر لیتے تو آج تک ہر عہد میں نمودار ہونے والے روح اسلام سے بے بہرہ مجتہدین کی تراش خراش سے اسلام کا حیہ تک بگڑ گیا ہوتا۔

مدینہ طیبہ سے روانہ ہونے سے پہلے بنو ثقیف کے دانشوروں نے طرح طرح کی مراعات

حاصل کرنے کی کوششیں کیں جو ناکامی کی نذر ہو گئیں۔ اب انہوں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ وہ اپنی قوم کے پاس کیا منہ لے کر جائیں گے۔ ان کے ایک رئیس کنناہ بن عبدیلیل نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ میں تم سب سے زیادہ اپنے قبیلہ ثقیف کی نفسیات سے باخبر ہوں۔ ان پر اپنے اسلام قبول کرنے کا راز افشاء نہ کرنا۔ جب تمہاری اپنے قبیلہ والوں سے ملاقات ہو تو انہیں بتائیں کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم سے بڑے مشکل اور دشوار امور کا مطالبہ کیا لیکن ہم نے ان کا کوئی مطالبہ تسلیم نہیں کیا۔ انہوں نے ہمیں کہا کہ ہم لات کا صنم منہدم کر دیں۔ نیز ہم سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ ہم زنا، شراب اور سود کو ترک کر دیں۔ ہم نے انہیں صاف صاف بتا دیا کہ ہم آپ کے ان احکام کی تعمیل کیسے ہرگز تیار نہیں۔ یہ طے کرنے کے بعد وہ اپنے وطن روانہ ہوئے۔

جب طائف پہنچے تو ان کی قوم ان کے ارد گرد جمع ہو گئی تاکہ جملہ حالات سے آگاہی حاصل کریں۔ اہل وفد نے انہیں بتایا کہ ہم مدینہ گئے تھے۔ وہاں جس شخص سے ہمارا واسطہ پڑا وہ بڑا خود سر اور درشت مزاج آدمی تھا۔ اس نے تلوار کے زور سے ہمارے علاقہ پر غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ سب لوگوں نے اب ان کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ اس نے بڑے مشکل امور کو تسلیم کرنے کا ہم سے مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تمہیں نماز پڑھنا ہوگی، تمہیں بدکاری اور سود خوری سے توبہ کرنا ہوگی۔ تمہیں شراب کو چھوڑنا پڑے گا اور اپنے معبود لات کو اپنے ہاتھوں سے ٹکڑے ٹکڑے کرنا پڑے گا وغیرہ وغیرہ۔ ہم ان کے ان مطالبات کو تسلیم کرنے کیلئے کسی قیمت پر تیار نہیں۔ ہمارے سنے اب جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا۔ اٹھو! اپنے ہتھیار سنبھالو اور جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔

فصیل کے قاتل مرمت جگہوں کی مرمت کا کام آج ہی شروع کر دو۔ چنانچہ سب لوگ آخر دم تک لڑنے کا عزم مصمم کر کے جنگ کیلئے تیاریاں کرنے کے ارادہ سے اپنے اپنے گھروں کو واپس گئے۔ دو تین روز تک تو لڑ مرنے، جان کی بازی لگانے کا جوش اپنے جوش پر رہا۔ جس کو دیکھو وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے نعرے لگا رہا ہے۔ کوئی اپنی زرہ مرمت کر کے اسے صاف کرنے میں مصروف ہے، کوئی اپنی تلوار کی دھار کو تیز کر رہا ہے، کوئی اپنی نیزوں کی سنانوں کو چمکا رہا ہے، کوئی اپنی کمانوں کے چلے اور تیروں کے پیکان درست کرنے میں مصروف ہے۔ لیکن چند روز بعد یہ مصنوعی جوش و خروش صابن کی جھلک کی طرح بج

گیا، تلخ حقیقتیں آہستہ آہستہ اپنے رخ سے نقاب سرکانے لگیں۔ مسلمانوں کی جس بے نظیر شجاعت و استقامت کا مشاہدہ چند روز پہلے انہوں نے حنین کے میدان جنگ میں کیا تھا، اس کا خیال کر کے ان پر کبھی طاری ہونے لگی۔ انہیں خوب یاد تھا کہ طائف کی جنگ میں مسلمانوں نے انہیں بار بار دعوت مبارزت دی تھی لیکن ان میں سے کوئی بھی تو اس دعوت کو قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ اگر طائف کی فسیل آڑے نہ آتی تو مجاہدین اسلام کا سیل رواں ان کو تنکوں کی طرح بہا کر لے جاتا۔

اب انہیں پھر اسلام کے ان بہادروں سے ٹکر لینا ہوگی جو موت سے نہیں ڈرتے بلکہ راہ حق میں جان دینے کی تمنا ان کی زندگی کی حسین ترین تمنا ہے۔ شمع جہل مصطفوی کے ان دل باختہ پروانوں سے ان کا مقابلہ ہو گا جو صرف آگے بڑھنا جانتے ہیں پیچھے ہٹنے کا تو ان کے ہاں کوئی تصور ہی نہیں۔ چند روز کی پس و پیش کے بعد وہ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئے کہ ہم غلامان مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جنگ آزما ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے اپنے وفد کے ارکان کو مجلس مشاورت میں شمولیت کی دعوت دی۔ جب قوم کے سارے رؤساء اور دانشور جمع ہو گئے تو لوگوں نے کہا کہ ہم مسلمانوں سے جنگ کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ تم واپس جاؤ اور جو حکم وہ دیں، اس کو فوراً قبول کر لو۔

اب وفد کے ترجمان نے حقیقت حال کا اظہار کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ جو احکام انہوں نے ہمیں دیئے تھے، وہ سب ہم نے تسلیم کر لئے، جو شرائط انہوں نے کہیں وہ بھی ہم نے مان لی ہیں۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ جب حقیقت یہ ہے تو تم نے ہم سے اسے پوشیدہ کیوں رکھا؟ انہوں نے کہا تاکہ تمہارے دماغوں میں جو ایسی نغوت و غرور ہے وہ نکل جائے اور تم سچے دس سے مدد کے سچے رسول پر ایمان لے سکو۔

چنانچہ قبیلہ بنو ثقیف کے جمد افرا، مردوزن، پیرو جواں اور امیر و فقیر سب نے صدق دل سے پڑھا:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ
وَرَسُولُهُ

چند روز بعد بارگاہ رسالت کے قائدین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ رات کے صبح کو گرنے کیسے حکیم و دان رسوں نے ان کے رشتہ داروں۔۔۔ ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن

شعبہ رضی اللہ عنہما کو روانہ فرمایا۔ ان دونوں نے اپنی ضربات قاہرہ سے طاغوت کے اس نشان کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نیست و نابود کر دیا۔ (1)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الَّذِیْ نَصَرَ عَبْدَہٗ وَاٰیَدَہٗ
جُنْدَہٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحَدَّثَنَا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی
عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ
وَسَلَّمَ عَلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

وفد بنی عامر بن صعصعہ

اس وفد میں قبیلہ کے دیگر افراد کے علاوہ ان کے تین سردار بھی تھے (1) عامر بن طفیل، جس کے دل میں سردور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ (2) اربد بن قیس اور (3) جبار بن سلمیٰ۔

عامر، اس قبیلہ کا رئیس اعظم تھا۔ جب عکاظ میں تجارتی میدان لگتا اور اطراف و اکناف سے بے شمار لوگ اکٹھے ہوتے تو اس کی طرف سے ایک منادی کرنے والوں مدد عام کیا کرتا: ”کسی پیدل کو سواری کی ضرورت ہو تو ہمارے پاس آئے ہم اس کو سواری کا جانور دیں گے۔ اگر کوئی فاقہ سے ہے تو ہمارے پاس آئے ہم اس کو کھانا کھلائیں گے۔ اگر کوئی اپنے دشمن سے خائف و ہراساں ہے تو وہ ہمارے پاس آئے ہم اسے پناہ دیں گے۔ اس کے علاوہ وہ غضب کا حسین تھا لیکن وہ ہر وقت حضور نبی کریم ﷺ کو دھوکا سے قتل کرنے کے منصوبہ بناتا رہتا تھا۔“

ایک روز اس نے اپنے ساتھی اربد کو کہا، جو عرب کے مشہور شاعر لبید کا بھائی تھا کہ جب ہم اس شخص (حضور پر نور) کے پاس پہنچیں تو میں ان کو باتوں میں مشغول کر کے اپنی طرف متوجہ کر لوں گا۔ تم اس وقت اپنی تلوار سے ان پر حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دینا۔ اس کے قبیہ کے دوسرے افراد اسلام قبول کرنے پر آمادہ تھے۔ انہوں نے اسے ارادہ خیر خواہی مشورہ دیا، اے عامر! سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے، تم نادان بنو۔ تم بھی اسلام قبول کر لو۔ اس نے کہا میں نے حلف اٹھائی ہوئی ہے کہ میں اسلام ہر گز قبول نہیں کروں

گا۔ جب یہ قافلہ بارگاہ رسالت میں پہنچا تو عامر بن طفیل نے حضور کے نزدیک ہو کر کہا:

”یا محمد (ﷺ) مجھے اپنا دوست اور صدیق بنا لیجئے۔ حضور نے فرمایا، جب تک تم اسلام قبول نہ کرو، میں تمہیں اپنا دوست نہیں بناؤں گا۔ اس نے پھر وہی جملہ دہرایا کہ مجھے اپنا دوست بنا لیجئے اور اس نے اپنی گفتگو کا سلسلہ دراز کیا تاکہ طے شدہ منصوبہ کے مطابق ”اربد“ حضور کو مصروف دیکھ کر اپنی تلوار کا وار کر دے۔ لیکن اربد تھا کہ بے جان مجسمہ بنا، بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ دراز صل اربد نے جب تلوار بے نیام کرنے کیلئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ کو شل کر دیا اور اس کو تلوار نیام سے نکالنے کی تاب ہی نہ رہی۔ ایک روایت میں ہے کہ جب عامر بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کے بیٹھنے کیلئے تکیہ بچھایا۔ پھر اسے فرمایا، اے عامر! اسلام قبول کر لو۔ عامر کہنے لگا، میں ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ میرے قریب ہو جاؤ اور جو بات کرنا چاہتے ہو تسلی سے کرو۔ وہ اتنا نزدیک ہو گیا کہ حضور پر جھک گیا اور یوں گویا ہوا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو آپ مجھے اپنا جانشین مقرر فرمانے کیلئے تیار ہیں۔ حضور نے فرمایا، اس میں تیرا اور تیری قوم کا کوئی دخل نہیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، وہ جس کو چاہے گا میرا جانشین بنا دے گا۔ اہل بیت میں تجھے گھڑ سوار دستے کا امیر بنادوں گا۔ وہ کہنے لگا کہ میں تو آج بھی نجد کے گھڑ سواروں کے دستوں کا امیر ہوں۔ مجھے اس عہدہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں آپ ایسا کر دیں کہ عرب کے صحرائے انشین قبائل کا مجھے امیر بنادیں اور بڑے شہروں اور قصبوں کی امارت اپنے پاس رکھیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کی اس تجویز کو ٹھکرادیا۔

پھر اس نے کہا اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا، فرمایا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مَا لَیْسَ بِمَسْئَلِیْمْ وَ عَلَیْکَ مَا عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ ”جو دوسرے مسلمانوں کے حقوق ہیں وہی تمہارے حقوق ہوں گے اور جو ان کے فرائض اور ذمہ داریاں ہوں گی وہی تمہاری ہوں گی۔“ وہ غصہ سے بھر گیا اور کہنے لگا ”میں آپ کے مقابلہ کے لئے اتنے شہسوار اور اتنے پیدل لڑاکے لے آؤں گا جو ان وادیوں کو بھر دیں گے“ حضور علیہ السلام نے اس کی متکبرانہ بات کا ایک ہی جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا کرنے کی ہمت نہیں دے گا۔ حضور علیہ السلام کئی روز تک یہ دعا مانگتے رہے۔ اَللّٰهُمَّ اَلْکِفِیْ عَامِدِیْنَ طُفَیْلِیْ بِمَا شِئْتُ ”اے الہی! عامر کے شر سے مجھے بچا جس طرح تیری مرضی ہو۔“ اس پر اللہ تعالیٰ نے ایسی بیماری مسلط کر دی جو اس کی ہلاکت کا باعث بنی۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ اس نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ میں تین تجویزیں پیش کرتا ہوں، ان میں سے کوئی ایک چن لیں:

(۱) اَنْ يَكُوْنَ لَكَ اَهْلٌ السَّهْلُ وَلِيَّ اَهْلُ الْوُبَرِ (۲) اَوْ
اَكُوْنَ خَبِيْقَتَكَ مِنْ بَعْدِكَ (۳) اَوْ اَعْزُو مِنْ غَطَفَانَ
بِالْفِ اَشَقَرَّ وَبِالْفِ شَقَرَاءَ

”صحرائی علاقہ آپ کے لئے اور شہری علاقہ میرے لئے۔ یا مجھے اپنے
بعد اپنا خلیفہ نامزد کریں۔ یا غطفان سے ہزار سرخ گھوڑے لا کر جنگ
کروں گا۔“

حضور کی بارگاہ سے باہر نکلے تو عامر نے اربد کو کہا کہ میں نے تجھے حمد کرنے کا کتنا
موقع دیا۔ جو بات میرے اور تیرے درمیان طے ہوئی تھی تو نے اس پر عمل نہ کیا۔ میں
تجھے سب سے زیادہ بہادر سمجھتا تھا لیکن تو پر لے درجے کا بزدل نکلا۔ اب مجھے تیری ذرا پروا
نہیں۔ اربد نے جھل کر جواب دیا۔ تیرا باپ مرے! میرے ہارے میں جلدی فیصلہ نہ کر۔
میں نے کئی بار تیری تجویز پر عمل کرنے کی کوشش کی لیکن ہر بار ایسی صورت پیدا ہوئی کہ
میں اس پر عمل نہ کر سکا۔ پہلی بار تو میرے درمیان اور ان کے درمیان لوہے کی ایک دیوار
کھڑی کر دی گئی، دوسری بار میں نے تلوار نیم سے نکالنی چاہی تو میرا ہاتھ سوکھ کر شل ہو گیا۔
پھر میں نے کوشش کی تو ایک مست اونٹ منہ کھولے مجھ پر حملہ کرنے کیسے دوڑا، اور ایک بار
جب میں نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو تو میرے سامنے آگیا۔ کیا میں تجھے قتل کر دیتا؟ (۱)

جب عامر، خائب و خاسر ہو کر اپنے قبیلہ کے ساتھ وطن روانہ ہوا تو راستہ میں اسے
طاغون نے آلیا۔ غرور سے اکڑی ہوئی گردن میں طاغون کی گٹھنی نکل آئی۔ لاچار ہو کر اس
نے بنو سلول کی ایک عورت کے گھر میں پناہ لی۔ بنو سلول کا قبیلہ پر لے درجے کا خسیس تھا۔
ان کی کمینگی کو شہرت عام حاصل تھی۔ ایک کمینہ خاندان کی ایک سفید صفت خاتون کے گھر
میں مرنے کا تصور کر کے وہ لرز لرز جاتا۔ اس نے اپنی قوم کو اپنے پاس بدیا اور کہا ایک بڑی
گٹھنی میری گردن میں پھوڑے کی مانند نکل آئی ہے۔ بنو سلول کی ایک بڑھیا کے گھر میں
موت کا انتظار کر رہا ہوں۔ لے آؤ میرا گھوڑا تاکہ اس پر سوار ہو کر راہ فرار اختیار کروں۔

اس کا گھوڑا لایا گیا اور اس پر سوار ہو کر وہ اپنا نیزہ ہاتھ میں لے کر لہرانے لگا۔ گھوڑا کودا اور وہ مغرور زمین پر آگرا۔ اسی وقت ہلاک ہو گیا۔ (1)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ عامر بن طفیل مسلمان ہو گیا اور کافی عرصہ تک زندہ رہا۔ لیکن یہ ان لوگوں کی غلط فہمی ہے۔ یہ عامر اسی وقت گھوڑے سے گرا اور طعون کی گھٹی کے درد سے کراہتا ہوا اصل جہنم ہو گیا۔ جو عامر، مسلمان تھے وہ عامر بن طفیل اسلمی تھے جو جلیل القدر صحابی تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ بارگاہ رسالت میں عرض کی: **يَا رَسُولَ اللَّهِ ذَرُونِي يَكْمَأَتِ أَعْيُنِي بِرَبِّكَ** یا رسول اللہ! مجھے ایسے کلمات سکھائیے جن کے مطابق میں اپنی زندگی بسر کرتا رہوں۔ "پیارے حبیب نے یہ پیارے پیارے جملے اپنے پیارے صحابی کو تلقین فرمائے۔ ان جملوں میں حضور سرور کون و مکاں کے ہر نیاز آئین خدام کیسے ہدایت کے بیش بہا خزانے پوشیدہ ہیں۔ اس لئے قرین کے افادہ کیلئے اس ارشاد کو پورا رکھ رہا ہوں۔ فرمایا اللہ کے حبیب اور محبوب نے

**يَا عَامِرُ أَفْرِشَ السَّلَامَةِ وَأَطْعِمِ الطَّعَامَ وَاسْتَجِبْ مِنَ اللَّهِ
كَمَا تَسْتَجِبُ مِنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِكَ - وَلَئِنْ أَسَأْتَ فَأَحِثَّ
وَلَانَ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبَنَّ السَّيِّئَاتِ**

(2)

"اے عامر! امن و سلامتی کو پھیلاد۔ فاقہ کشوں کو کھانا کھلاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیا کرو جس طرح تم اپنے اہل کے کسی مرد سے حیا کرتے ہو۔ اور اگر تم کوئی گناہ کر بیٹھو تو اس کے بعد نیک کام کرو کیونکہ نیکیوں پر انیوں کو نیست و نابود کر دیتی ہیں۔"

اربد اور جبار دونوں واپس آگئے۔ اربد سے لوگوں نے پوچھا کہ تم ان سے ملنے گئے تھے کیا ہوا؟ وہ بکنے لگا کہ کچھ بھی نہیں۔ اس نے ہمیں ایک بات پر ایمان مانے کی دعوت دی، اگر آج وہ میرے سامنے ہوتا تو میں اس کو اپنے تیر کا نشانہ بناتا اور اس کا کام تمام کر دیتا۔ اس گستاخانہ بات پر دور روز مشکل سے گزرے تھے کہ وہ اپنے اونٹ کو چرانے کیسے اس کے پیچھے جا رہا تھا۔ مطلع بالکل صاف تھا، ہدل کا نام و نشان تک نہ تھا، شدت کی گرمی پڑ رہی تھی،

1۔ ایضاً، صفحہ 21 و "سبل الہدی"، جلد 6، صفحہ 550-553 و "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1109-1110

2۔ احمد بن زبیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 21

اچانک بجلی کوندی، آگ کا ایک شعلہ اس پر اور اس کے اونٹ پر گر اور دونوں کو جلا کر سیاہ بنا دیا۔ البتہ ان کا تیسرا ساتھی جبار کچھ عرصہ زندہ رہا اور اپنی قوم کے ساتھ نعمت ایمان سے بہرہ ور ہوا۔ (1)

وفد ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہم

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ وفد 5 ہجری میں حاضر خدمت ہوا تھا لیکن صحیح قول وہ ہے جو امام ابن حجر سے مروی ہے کہ یہ وفد سنہ 9 ہجری میں ہی خدمت اقدس میں باریاب ہوا تھا۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم نے کسی سے یہ نہیں سنا کہ ضمام بن ثعلبہ کے وفد سے کوئی دوسرا وفد افضل اور بہتر ہے۔ نور مجسم علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک روز تکیہ لگا کر اپنے صحابہ کرام کے حلقہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک بدوائے اونٹ پر سوار ہو کر آیا۔ مسجد شریف کے دروازہ کے قریب اس نے اپنا اونٹ بٹھایا اور اس کا گھٹنا عقاب سے باندھ دیا۔ پھر لوگوں سے دریافت کیا **اَیُّکُم اَبْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ** ”تم میں سے عبدالمطلب کا فرزند ارجمند کون ہے؟“ لوگوں نے حضور انور کی طرف اشارہ کر کے کہا، وہ جو تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ اس نے عرض کی، یا حضرت! میں آپ سے سواں پوچھنا چاہتا ہوں، میرے سوال میں شدت ہوگی۔ پس آپ مجھ پر ناراض نہ ہوں۔ حضور نے فرمایا، تمہیں اجازت ہے **سَلِّ عَلَیْہِ اَکْبَرُ** ”جو چاہو پوچھو۔“ اس نے استفسار کیا کہ یا حضرت! آپ کا ایک قاصد ہمارے پاس آیا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ آپ کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسوں بنا کر بھیجا ہے۔ حضور نے فرمایا، اس نے سچ کہا ہے۔ پھر سائل نے پوچھا، میں آپ کو اس خدا کا واسطہ دیتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور جس نے یہ فلک بوس پہاڑ جگہ جگہ نصب کئے ہیں، مجھے بتائیے کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ان بتوں کی عبادت کا طوق گلے سے اتار کر پرے پھینک دیں جنہیں ہمارے آباء واجداد پوجا کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا، میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے۔ اس نے پھر پوچھا کہ اس بات کا حکم بھی آپ کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کہ ہم اغنیاء سے مال لے کر فقراء و مسکین میں تقسیم

کریں۔ حضور نے فرمایا بیشک میرے رب نے ہی مجھے یہ حکم دیا ہے۔ اس نے پھر استفسار کیا، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم ماہ رمضان کے روزے رکھیں؟ حضور نے فرمایا، یہ حکم بھی میرے رب نے مجھے دیا ہے۔ اس نے ایک اور سوال پوچھا، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم میں سے جو ذی استطاعت ہو وہ فریضہ حج ادا کرے؟ قَالَ اللَّهُ نَعَمْ ”ہاں میرے اللہ نے مجھے یہ حکم دیا ہے۔“ اپنے سوالات کے تسلی بخش جوابات سننے کے بعد اسے یارائے ضبط نہ رہا، وہ فوراً کہہ اٹھا اٰمَنْتُ وَصَدَّقْتُ اَنَا صَاحِبُ بَيْتِ ثَعْلَبَةَ ”میں سچے دس سے آپ پر ایمان لایا ہوں اور آپ کی تصدیق کرتا ہوں۔ میرا نام ضمام ہے میں ثعلبہ کا بیٹا ہوں۔“

دوست ایمان سے مالا مال ہونے کے بعد جب ضمام اپنے وطن پہنچے تو سب سے پہلے انہوں نے لات وعری کی بجو میں زبان کھولی۔ اس کی قوم نے اسے اس بات سے ٹوکا، اسے کہا اگر تم اس سے باز نہ آئے تو تمہیں کوہڑ کی بیماری لگ جائے گی، تم پاگل اور دیوانے ہو جاؤ گے۔ آپ نے بڑے پرازیقین لہجہ میں اپنے ناصحین کو جواب دیا وَیْلَکُمْ اَنْتُمْ لَا یَضُرُّ اَیْنَ وَلَا یَنْفَعَانِ ”تم پر افسوس ہے۔ یہ دونوں بات نہ کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔“ اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی کیلئے ایک رسول مبعوث فرمایا ہے اور اس پر مقدس کتاب نازل فرمائی ہے جس کے ذریعہ تمہیں گمراہی کے اندھیروں سے باہر نکالتا ہے۔ سن لو!

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ
اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔

میں اس نبی مکرم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کے بعد تمہارے پاس یہ پیغام اور یہ احکام لے کر آیا ہوں۔

ان کی تقریر دل پذیر کا وہ اثر ہوا کہ قبیلہ کے تمام مرد و زن نے کفر و شرک سے توبہ کی اور دین اسلام کو سچے دل سے قبول کر لیا۔

وفد عبد القیس

ان کی آبادیاں اور مساکن بحرین میں تھے۔ اس قبیلہ کا جو وفد بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوا، ان میں جارود نامی ایک شخص تھا جو نصرانی تھا۔ اس نے کتب آسمانی کا عمیق مطالعہ کیا ہوا تھا۔ اس نے حاضر خدمت ہو کر چند اشعار پڑھ کر سنائے جن میں حضور کو اس نے

مخاطب کیا ہوا تھا۔ جن میں یہ دو شعر بھی تھے :

يَا نَبِيَّ الْهَدَىٰ أَتَاكَ رَجَالٌ قَطَعْتَ قَدْفًا أَوْ الْأَفَّا
لَا تَسْقَىٰ وَقَعَ يَوْمٌ عَبُوسٌ أَوْجَدَ الْقَلْبَ ذِكْرُهُ ثُمَّ هَالَا

”اے ہدایت کے نبی! یہ لوگ وسیع و عریض جنگلات کو طے کرتے ہوئے اور سراپوں کو عبور کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔“

”وہ اس ترش دن کے وقوع پذیر ہونے سے نہیں ڈرتے جس کا ذکر دروں کو خوفزدہ اور ہراساں کر دیتا ہے۔“

اس وفد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ سنہ 10 ہجری میں حاضر خدمت ہوا۔ جارود نے اپنے اشعار سننے کے بعد عرض کی کہ اس سے پہلے میں نے نصرانیت اختیار کی ہوئی تھی لیکن اب میں اس کو چھوڑ کر آپ کا لایا ہوا دین قبول کرتا ہوں۔ میرے گناہوں کی بخشش کا حضور ذمہ اٹھائیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

نَعَمْ أَنَا صَاحِبُ أَنْ قَدْ هَدَاكَ إِلَى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ

”میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت دی ہے اور تو نے وہ دین قبول کیا ہے جو تیرے پہلے دین سے صد ہا مرتبہ بہتر ہے۔“ چنانچہ اس نے دین اسلام کو قبول کیا اور اس کی پیروی کرتے ہوئے وفد کے دیگر ارکان بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اس وفد کے مسلمان ہونے کے سلسلہ میں ایک اور روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ اس سفر میں جارود کے ہمراہ سلمہ بن عیاض اسدی بھی تھا۔ جارود نے ایک روز سلمہ سے کہا کہ ایک نیا شخص ظاہر ہوا ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ کیا تم اس کے پاس جانے کیلئے تیار ہو؟ اگر ہمیں اس میں کوئی صداقت معلوم ہوئی تو ہم اس کو قبول کر لیں گے۔ میرا یہ خیال ہے کہ یہ وہی نبی ہے جس کی آمد کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام نے دی تھی، لیکن ہم دونوں اس کو آزمانے کیلئے اپنے اپنے دل میں تین مسئلے مخفی رکھیں گے۔ اگر اس نے ہمارے نہاں خانہ دل میں مضمر مسائل کو جان لیا تو پھر وہ یقیناً نبی برحق ہو گا۔

یہ باتیں طے کرنے کے بعد وہ بارگاہ مصطفویٰ میں حاضر ہوئے۔ پہلے جارود نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ اس نے پوچھا: يٰمُحَمَّدُ رُبِّكَ يَا مُحَمَّدُ ”اے سرِ پا حسن و خوبی! آپ کے

رب نے آپ کو کیا دے کر مبعوث فرمایا؟“ حضور نے جواب ارشاد فرمایا:

بَشَاهِدَةٍ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ
وَالْبَرَاءَةُ مِنْ كُلِّ نِدٍّ يُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَيُقَامُ
الصَّلَاةُ يُؤْتِيهَا وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ بِحَقِّهَا وَصَوْمُ
رَمَضَانَ وَحُجُّ الْبَيْتِ بِغَيْرِ الْحَادِ مِنْ عَمَلٍ صَالِحًا
فَلْيَنْفِسِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ نیز مجھے حکم دیا ہے کہ میں معبودان باطل سے اپنا تعلق منقطع کر لوں۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بروقت ہر نماز کو ادا کروں، اپنے مال کی زکوٰۃ دوں اور حج کروں۔ نیز مجھے اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا ہے کہ جو شخص نیک اعمال کرتا ہے ان کا فائدہ اس کو ملتا ہے اور جو برے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے، ان کا بوجھ بھی اس (کی گردن) پر ہو گا اور آپ کا رب بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا۔“

پھر جارود نے کہا، اگر آپ نبی ہیں تو ہمیں بتائیں کہ ہم نے اپنے دلوں میں کیا چھپا رکھا ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے تھوڑی دیر توقف کیا جیسے اوگٹھ آئی ہو پھر سر مبارک کو اٹھایا۔ اس وقت پسینے کے قطرے ڈھلک رہے تھے۔ پھر فرمایا، اے جارود! تم نے یہ تین باتیں اپنے دل میں چھپائی ہوئی ہیں تاکہ ان کے بارے میں مجھ سے دریافت کرے (1) جو ہوگ زمانہ جاہلیت میں مقتول ہوئے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ (2) زمانہ جاہلیت میں جو معاہدے طے پائے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ (3) زمانہ جاہلیت میں جو عطیات دیئے گئے تھے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس داندہ مافی الصدور نے ان تینوں سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا، زمانہ جاہلیت کے مقتولوں کا خون ہدر ہے۔ ان کے قاتلوں سے کوئی قصاص نہیں لیا جائے گا۔ زمانہ جاہلیت کی قسمیں بھی مردود ہیں۔ بہترین صدقہ یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کو اپنے اونٹ پر سوار کر لو اور اپنی بکری کا دودھ اسے پیش کرو۔ پھر روئے خن اس کے دوسرے ساتھی کی طرف کرتے ہوئے فرمایا کہ

اے ستمہ! تم نے یہ تین سواں اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں:

(1) بتوں کی پرستش کا کیا حکم ہے؟ (2) یوم سباسب کی حقیقت کیا ہے؟

(3) عقل ہمیں کی حقیقت کیا ہے؟

لو اب اپنے ان سوالات کا جواب گوش ہوش سے سنو۔ بتوں کی پوجا قطعاً حرام ہے۔
ارشاد الہی ہے:

لَا تَكُونُوا مِمَّنْ يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبَ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ۔
(1)

”تم اور اللہ کے سوا جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو وہ جہنم کا ایندھن ہیں اور تم اس میں داخل ہو گے۔“

سباسب کے عوض اللہ تعالیٰ نے تمہیں سیلۃ القدر عطا فرمائی ہے، ارشاد الہی ہے
لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ سَنَةٍ (2) اس کو ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ ۳۔
اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کے خون کو برابر قرار دیا ہے، چھوٹے بڑے امیر و غریب کی کوئی
تفریق نہیں۔

ان کے دلوں میں مخفی سوالات سے پردہ اٹھانے کے بعد ان کے تسلی بخش جواب سے
جب آگاہ کیا گیا تو انہوں نے از خود رفته ہو کر ہوا و بند اعلان کر دیا لَشَّهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا
اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّكَ عَبْدُكَ وَرَسُولُهُ۔ (3)
وفد عبد بن قیس کی حاضری کے بارے میں ایک اور روایت یوں بیان کی گئی ہے۔

ایک روز رحمت عالم ﷺ اپنے صحابہ کی معیت میں تشریف فرما تھے اور ان سے محو
تکلم تھے تو مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اچانک فرمایا، ادھر سے ایک وفد آنے والا
ہے، مشرق کی طرف سے آنے والے تمام وفدوں سے یہ بہترین وفد ہے۔ کسی جبر و اکراہ کے
بغیر انہوں نے دور دراز کی مسافت طے کی ہے۔ ان کی سواریوں کے جانور سفر کی طوالت
کے باعث لاغر اور دبلے ہو گئے ہیں، زاوراہ ختم ہو گیا ہے۔ پھر دعا فرمائی:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ الْقَيْسِ ”اے اللہ! عبد قیس کے وفد کو بخش دے۔“

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ کر اس وفد کے استقبال کیلئے تشریف لے گئے اور راہ میں ہی ان سے ملاقات ہو گئی۔ ان کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، یہ تیرہ، بیس اور چالیس بیان کی گئی ہے۔ آپ نے ان سے پوچھا مَنِ الْقَوْمُ؟ آپ کا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟ انہوں نے جواب دیا مِنْ بَنِي عَبْدِ الْقَيْسِ "ہم عبد القیس کے قبیلہ کے افراد ہیں" حضرت عمر نے ان کلمات خیر سے انہیں شاد کام کیا جو رحمت عالم ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمائے تھے۔ سیدنا فاروق انہیں لے کر وہاں پہنچے جہاں نبیوں کا سردار جلوہ فرماتھا۔ انہیں بتایا کہ یہ ہے وہ ذات اقدس جس کی زیارت کیلئے تم طویل مسافتیں طے کر کے آئے ہو۔

فَرَمَى الْقَوْمُ بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ دَكَاثِهِمْ بِبَابِ الْمَسْجِدِ
وَتَبَادَرُوا يُقَاتِلُونَ يَدًا وَرِجْلًا - (1)

"(انہیں یارائے ضبط نہ رہا) اپنی سوار یوں سے چھلانگیں لگا لگا کر نیچے اتر رہے تھے اور دوڑ کر بارگاہ اقدس میں حاضر ہو رہے تھے اور جو بھی حاضر ہوتا وہ حضور کے دست مبارک کو بھی بوسہ دیتا اور قدم ناز کو بھی چوم لیتا۔"

یوں اپنے دل بے قرار کی حسرت کو پورا کر رہے تھے۔

اس دن لوہاز آقائے اپنے مشفقانہ جمال کو ان کلمات طیبات سے خوش آمدید کہا مَوْحِبًا بِأَلْقَوْمٍ غَيْرِ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى (2) "اے قوم! میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں تم کبھی رسوا نہ ہو اور کبھی نادام نہ ہو۔"

دست بوسی اور قدم بوسی سے اپنے قلب مضطر کو تسکین دینے کے بعد اپنی گزارشات یوں پیش کرنے لگے "یا رسول اللہ! ہم دور دراز کی مسافتیں طے کر کے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہماری راہ میں ایک کافر اور سرکش قبیلہ مضر کی آبادیاں ہیں، وہ پرلے درجے کے قزاق اور لٹیرے ہیں۔ ہم صرف اشہر حرم (حرمت والے مہینوں میں) ہی حاضر خدمت

1۔ محمد بن ربیع دحلان، "السيرة النبوية"، جلد 3، صفحہ 23 و "سبل الهدى"، جلد 6، صفحہ 560-561 و "السيرة الخلفية"،

جلد 2، صفحہ 344

2۔ احمد بن ربیع دحلان، "السيرة النبوية"، جلد 3، صفحہ 24 و "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1110

ہو سکتے ہیں۔ ازراہ کرم! ہمیں ایسے ارشادات سے نوازئیے جن پر ہم خود بھی عمل پیر ہوں اور اپنے قبیلہ کے ان افراد کو بھی جا کر بتائیں جو پیچھے رہ گئے ہیں تاکہ وہ بھی ان پر کاربند ہو کر اپنی دنیا و آخرت کو سنوار لیں اور سب جنت میں داخل ہو سکیں۔“ حضور نے فرمایا!

”میں تمہیں اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ ایمان کیا ہے۔“ اور خود ہی اس کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

الْإِيمَانُ بِاللّٰهِ شَهَادَةٌ أَنْ لَّا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ وَقَائِمُ
الْفَلَاةِ وَآيَاتُكَ الزَّكَاةُ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَأَنْ تُعْطُوا النَّفْسَ مَتَّ
الْمُتَّقِينَ

”یہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، ماہ رمضان کے روزے رکھو اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرو۔“

پھر فرمایا:

وَأَنَّهُمَا كَمَنْ أَرْبَعٍ عَنِ الدِّبَاةِ وَالْحَنَافِ وَالنَّقِيرِ وَ
الْمَرْفَتِ

تمہیں چار چیزوں سے منع کرتا ہوں۔ یہ چاروں مختلف قسم کے برتن تھے، جن میں وہ شراب بنایا کرتے تھے:

الدباء: کدو کا گودا نکال کر کے اس کی جلد کو خشک کر لیا گیا ہو۔
حتم: وہ گھڑا جس پر سبز رنگ کا لپ کر دیا گیا ہو تاکہ اس کے مسام بند ہو جائیں۔
نقیر: درخت کے تنے کو کھود کر گھڑا بنایا گیا ہو۔
مرفت: جس پر تار کول کا لپ کیا گیا ہو۔

کیونکہ ان برتنوں میں وہ شراب بنایا کرتے تھے، ابتداء میں جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو ان برتنوں کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا تاکہ انہیں دیکھ کر شراب پینے کا شوق ان کو پھر شراب پینے پر مجبور نہ کر دے۔ لیکن جب وہ احکام اسلامی کی بجا آوری میں پختہ ہو گئے تو پھر ان برتنوں کے استعمال کی حرمت باقی نہ رہی۔ (1)

وفد بنی حنیفہ

نجد، جزیرہ عرب کے صوبوں سے ایک صوبہ ہے جس کا رقبہ وسیع و عریض ہے، اس کا ایک حصہ یمامہ کے نام سے موسوم ہے، یہی یمامہ کا خطہ بنو حنیفہ کا مسکن تھا۔ اس میں سے ہی ایک شخص نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا، اپنے قبیلہ کی قبائلی عصیت کو بھڑکایا اور اپنے قبیلہ کے بشارتاً سمجھ جانوں کو اپنے جھنڈے کے نیچے اکٹھا کر لیا۔ ان کی فتنہ انگیزیوں کے احوال آپ اپنے مقام پر پڑھیں گے۔

سنہ 9 ہجری میں اسی قبیلہ بنو حنیفہ کا ایک سترہ کنی وفد مدینہ طیبہ آیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں مسیلہ کذاب بھی شریک تھا۔ جب یہ لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو مسیلہ بھی ان کے ہمراہ حاضر ہوا، اس کے تقدس کے باعث لوگوں نے اس کو ایک بڑی چادر میں چھپایا ہوا تھا۔ وہ اپنے رؤساء کے ساتھ اسی طرح برتاؤ کیا کرتے تھے۔ ان پر ایک بڑی چادر ڈال دیتے کہ عام لوگوں کی نگاہوں سے وہ مخفی رہیں اور ان کے دلوں پر اس کی ہیبت برقرار رہے۔ حضور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت اپنے صحابہ کرام کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ حضور کے دست مبارک میں کھجور کی ایک بوسیدہ شاخ کی چھڑی تھی۔ سیاسی زعماء کی طرح مسیلہ نے سودا بازی شروع کی، کہنے لگا۔ آپ مجھے اپنی نبوت میں شریک کر لیجئے میرا سرا قبیلہ آپ کے پرچم کے نیچے جمع ہو جائے گا، ان کی وجہ سے آپ کی قوت و طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو جائے گا اور آپ سارے جزیرہ عرب پر باستانی اپنا تسلط جمالیں گے۔ لیکن اللہ کے سچے نبی نے ہر قسم کے سیاسی مفادات کو یکسر پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے برملا فرمایا:

”مسیلہ! نبوت تو بہت بڑی چیز ہے، تم اگر مجھ سے یہ پرانی اور بوسیدہ چھڑی بھی مانگو تو میں تمہیں ہر گز نہیں دوں گا۔“

جب یہ وفد اپنے کذاب نبی مسیلہ سمیت خائب و خاسر ہو کر اپنے وطن پہنچا تو اس کذاب نے یہ مشہور کر دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اپنی نبوت میں شریک کر لیا ہے اور وفد کے دیگر افراد کو اس پر بطور گواہ پیش کیا۔

صحیحین میں مروی ہے کہ ایک بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ازراہ مہمان نوازی اس وفد

کی قیام گاہ پر تشریف لے آئے۔ اس وقت حضرت ثابت بن قیس بن شمس رضی اللہ عنہ اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھے۔ حضور کے دست مبارک میں کھجور کی ٹہنی کی چھوٹی سی چھڑی تھی جب مسیلہ کے پاس پہنچے تو وہ اپنے قبیلہ کے عقیدہ مندوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہوا تھا۔ حضور علیہ السلام کو یہ بتایا گیا کہ مسیلہ یہ کہتا ہے کہ اگر حضور مجھے اپنا جانشین مقرر کر دیں تو میں آپ کی اطاعت اختیار کروں گا۔ اس نے دوبارہ سودا بازی کرنے کی تپاک جسارت کی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ :

”تو میری جانشینی کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اگر تو مجھ سے یہ معمولی سی

چھڑی بھی مانگے تو میں تجھے یہ بھی دینے کیلئے تیار نہیں۔“

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے یہ حدیث مروی ہے :

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَنَا
تَائِدٌ وَأُتَيْتُ بِخَزَائِنِ الْكُرْمِ فَوَضَعَنِي لِقَفِي سَوَارِينَ
مِنْ ذَهَبٍ وَكَبْرًا عَلَيَّ وَأَدْحَى إِلَيَّ أَنْ أُلْفَحَهُمَا
فَنَفَحْتُهُمَا فَذَهَبَا فَأَوَلَّتَهُمَا الْكَذَّابِينَ الذَّيْتِ
أَنَا بَيْنَهُمَا صَاحِبٌ صَنْعَاءٌ وَصَاحِبٌ أَلِيَمَاءَمَةٌ - (1)

”حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس اثناء میں کہ میں سو رہا تھا۔ میرے پاس زمین کے خزانے لائے گئے اور میرے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنا دیئے گئے۔ یہ چیز مجھ پر بڑی گراں گزری تو میری طرف دجی کی گئی کہ ان دونوں کڑوں کو پھونک مار کر اڑا دو۔ میں نے دونوں کو پھونک ماری، دونوں غائب ہو گئے۔ میں نے اس خواب کی تعبیر یہ کی ہے کہ دو جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے اور میں ان دونوں کے درمیان ہوں گا۔ ان دونوں جھوٹے نبیوں سے مراد، ایک صنعاء کا باشندہ اسود عنسی ہے اور دوسرا ایمامہ کا باشندہ مسیلہ ہے۔“

ان دونوں جھوٹے مدعیان نبوت کو محمد عربی فداہی دابی کے غیور رب نے ہر میدان میں خائب و خاسر کیا۔ مسیلہ نے مدینہ طیبہ حاضر ہونے سے پہلے ایک خط ہار گاہ رسالت

میں اپنے ایک قاصد کے ہاتھ روانہ کیا، اس کا متن یہ ہے:

مِنْ مَّسِيْمَةِ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ -
أَمَّا بَعْدُ ! فَإِنِّي قَدْ أَشْرَكْتُ فِي الْأَمْرِ مَعَكَ وَإِنَّا لَنُكَا
نُصَفَ الْأَمْرِ وَكَيْسَ قُرَيْشٍ قَوْمًا يَعِدُونَ -

”یہ خط مسیلہ کی طرف سے ہے جو اللہ کا رسول ہے بنام محمد (ﷺ) جو
اللہ کے رسول ہیں۔ مجھے امر نبوت میں آپ کے ساتھ شریک کر دیا
گیا ہے۔ آدمی چیز ہارے لئے ہوگی۔ قریش ایسا قبیلہ ہے جو عدل و
انصاف نہیں کرتا۔“

رحمت عالم ﷺ نے اس کے جواب میں یہ گرامی نامہ تحریر فرمایا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ
إِلَى مَسِيْمَةَ الْكَذَّابِ - سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى
أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ
عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ -

”یہ گرامی نامہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مسیلہ کذاب کو لکھا جا
رہا ہے۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرنے والا ہے۔
ابا بعد از میں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے
اس کا وارث بنا دیتا ہے اور متقین کیلئے ہی بہترین انجام ہے۔“

سرکارِ دو عالم ﷺ نے مسیلہ کی طرف سے بھیجے ہوئے دو قاصدوں کو فرمایا کہ اگر
قاصد کو قتل کرنا روا ہو تا تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا، حضور کے اس ارشاد سے یہ
اصول طے پا گیا کہ قاصد کو کسی قیمت پر قتل نہیں کیا جائے گا۔

مسیلہ نے اپنی قوم کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنے کیلئے اور اپنی نبوت کا گرویدہ بنانے
کیلئے کئی پابندیوں سے آزاد کر دیا تاکہ وہ ان آسانوں کے باعث اسلام کو چھوڑ کر اس کے
پیروکار بن جائیں۔ اس نے نماز کی فرضیت ساقط کر دی۔ ان کیلئے شراب اور زنا کو حلال کر
دیا۔ سچے اور جھوٹے نبی میں جو تفاوت ہے وہ انہیں باتوں سے اجاگر ہو جاتا ہے۔ اس نے
سرورِ عالم ﷺ کے ساتھ سودا بازی کرنے کی کئی بار کوشش کی۔ یہ کہا کہ اگر آپ مجھے

منصب نبوت میں شریک بنالیں گے تو میرا سارا قبیلہ آپ کی اطاعت کرے گا اور آپ کے پرچم کے نیچے متحد ہو کر آپ کے دشمنوں سے نبرد آزما ہوگا۔ اور اگر آپ مجھے نبوت میں شریک نہیں کرتے تو مجھے اپنا جان نشین مقرر کر دیں، اس طرح میں بھی اپنے ماکھوں بہادر جوانوں کے ساتھ آپ کی اطاعت کروں گا۔ لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کی ان دونوں پیشکشوں کو مسترد کر دیا اور یہ واضح کر دیا کہ نبی سودا بازی نہیں کیا کرتا۔ اس کے پیش نظر تو اپنی دعوت رسالت کو ہر قیمت پر لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے، مسیہ کذاب نے اپنی قوم کو جو مراعات دیں یہ بھی اس کے کذاب ہونے کی واضح دلیلیں ہیں۔

نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ہر میدان میں خائب و خاسر کیا۔ مسیہ عہدِ صدیقی میں وحشی کے ہاتھوں قتل ہو کر جہنم رسید ہوا۔ اسود عنسی یمن کے مشہور شہر صنعاء میں ظاہر ہوا اور اپنے نبی ہونے کا اعلان کیا۔ اس سلسلہ میں ابو مسلم خولانی کا واقعہ اخبارِ مستقیمہ میں سے ہے جس کو اصحابِ سنن نے بہت سے صحابہ کے واسطے سے روایت کیا ہے۔ اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

اسود عنسی نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس نے ابو مسلم خولانی ایک صحابی کو اپنے پاس طلب کیا۔ اسے کہا، تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو آپ نے بات ٹالتے ہوئے فرمایا: **مَا أَسْمَعُ** میں کچھ نہیں سنتا۔ ”دوسرا سوال اس نے یہ پوچھا، کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو انہوں نے جھٹ کہا کہ ہاں میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں۔ اس نے یکے بعد دیگرے تین بار یہ دونوں سوال دہرائے۔ آپ نے ہر بار اس کو وہی پہلا جواب دیا۔ اس نے اپنے عقیدہ مندوں کو حکم دیا کہ ایندھن جمع کرو۔ انہوں نے ایندھن کے ڈھیر جمع کر دیئے اور اس میں آگ لگا دی۔ جب اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اور انگارے خوب دھکنے لگے تو اس نے حکم دیا کہ ابو مسلم خولانی کو رسی میں باندھ کر اس بھڑکتی آگ میں پھینک دیا جائے۔ اس کے حکم کی تعمیل کی گئی لیکن لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان لپکتے ہوئے شعلوں اور دھکنے ہوئے انگاروں نے ان کا باپ بھی بیکار نہ کیا جو باپ انہوں نے پہنا ہوا تھا وہ جوں کا توں سلامت رہا۔ اس کا رنگ بھی میدان نہ ہوا۔

اسود کے مشیروں نے اس کو مشورہ دیا کہ تم ابو مسلم خولانی کو یہاں سے خدا را نکال دو ورنہ وہ لوگوں کو تم سے برگشتہ کر دے گا۔ چنانچہ انہیں وہاں سے نکال دیا گیا۔ جب یہ واقعہ رو پڑا تو رحمت دو عالم ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ سے واصل ہو چکے تھے اور حضرت صدیق اکبر کو امت مسلمہ نے بالاتفاق اپنا خلیفہ منتخب کر لیا تھا۔

ابو مسلم خولانی نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا۔ وہاں پہنچے۔ مسجد نبوی کے دروازے پر اپنی سواری کا اونٹ بٹھایا، اندر داخل ہوئے اور مسجد کے ایک ستون سے کھڑے ہو کر نماز کی نیت باندھ لی۔ حضرت فاروق اعظم نے انہیں دیکھ لیا۔ جب سلام پھیر چکے تو آپ نے پوچھا **مَنْ الرَّجُلُ**؟ کون صاحب ہیں؟ انہوں نے بتایا، میں اہل یمن سے ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا، ہمارے اس بھائی کا کیا حال ہے جس کو اس جھوٹے نبی نے آگ کے الاؤ میں پھینکا تھا، انہوں نے بتایا **أَنَا هُوَ** ”میں وہی شخص ہوں۔“ آپ نے پھر کہا، بخدا کیا تم وہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا **أَلَمْ يَقُولُوا نَعَمْ** ”بخدا! میں وہی ہوں۔“ حضرت فاروق اعظم نے انہیں اپنے سینے سے لگا لیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انہیں اپنے ہمراہ لے کر حضرت صدیق اکبر کے پاس بٹھا دیا۔ پھر کہا الحمد للہ، جس نے مجھے مرنے سے پہلے اس شخص کی زیارت کا شرف بخشا ہے جس کو حضرت ابراہیم کی طرح آگ میں ڈال گیا لیکن آگ نے اس کا بال بھی بیکانہ کیا۔ (1)

اس روایت کے راوی مشہور ہیں اور یہ خبر مستفیض ہے۔

دوسرے کذاب مسلمانہ کو یمامہ کے میدان جنگ میں وحشی کے ہاتھوں جہنم رسید کیا۔ وحشی کہتے ہیں کہ میری یہ آرزو تھی کہ حضرت حمزہ کو شہید کرنے کا جو جرم مجھ سے سرزد ہوا تھا اس کا ازالہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ میں اسلام کے کسی گہر دشمن کو موت کے گھاٹ اتاروں۔ میں یمامہ کی جنگ میں شریک تھا، میں نے مسلمانہ کذاب کو ایک مست اونٹ کی طرح بال بکھیرے ہوئے کھڑا دیکھا۔ میں نے تاک کر اس کے سینے پر اپنا نیزہ پھینکا جو اس کے سینہ کو چیرتا ہوا اس کی پشت سے پار نکل گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے میری یہ دیرینہ حسرت پوری کر دی۔ پھر ایک انصاری بھائی نے اپنی تلوار کا وار کر کے اس کا سر قلم کر دیا۔

وفدِ طے

نبی ﷺ قبیلہ کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں قبیلہ بن اسود کے علاوہ ان کا سردار زید التحیل بھی تھا۔ اس کو زید التحیل اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کے پانچ بہترین گھوڑے تھے۔ اور یہ زید اپنی سخاوت، اخلاق حسنہ، فصاحت و بلاغت اور ظاہری حسن و جمال میں اپنے سارے قبیلہ میں کوئی ثانی نہیں رکھتا تھا۔ جب وہ اپنے سب سے قد آور گھوڑے پر سوار ہوتا تو اس کے طویل القامت ہونے کے باعث اس کے پاؤں زمین پر گھسٹتے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ اسے دیکھ کر رحمت عالمین ﷺ نے فرمایا کہ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کیسے ہیں جو تجھے دشوار گزار گھائیوں، ناہموار میدانوں سے گزار کر یہاں لے کر آیا اور ایمان قبول کرنے کیلئے تیرے دل کو ہموار کر دیا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑا اور پوچھا تم کون ہو؟ اس نے عرض کی، میں زید التحیل بن مہملہل ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا، تم زید التحیل نہیں بلکہ زید الخیر ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اور ان کے سارے ہمراہیوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ سب نے اس دعوت کو فوراً قبول کر لیا اور بلا توقف حضور کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی اور تادم واپس اسد پر ثابت قدم رہے اور بڑے حسن و خوبی کے ساتھ دینی فرائض کو انجام دیتے رہے۔

اس مردم شناس نبی نے حضرت زید کے حق میں یہ جملہ فرما کر انہیں زندہ جاوید کر دیا ”عرب کے رؤساء میں سے جس کسی کی میرے سامنے تعریف و توصیف کی گئی تو ملاقات میں میں نے اسے اس تعریف و توصیف سے کمتر پایا۔ مجز زید الخیر کے اس کی جو تعریفیں میں نے سنی تھیں، جب ان کو میں نے دیکھا تو انہیں ان تعریفوں سے بالاتر پایا۔“

جب یہ وفد واپس وطن جانے لگا تو حضور انور نے ان کے ساتھیوں کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی اور ان کے رئیس زید الخیر کو اس کریم و غنی آقا نے بارہ اوقیہ چاندی اور دو جاگیریں عنایت فرمائیں اور اس سلسلہ میں انہیں ایک سند تحریر فرمادی۔ (1)

وَحَمْدُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى مَزِيدِ الْخَيْرِ وَعَلَى سَائِرِ رَفَقَاتِهِ
وَأَنْصَارِهِ فِي الدَّارَيْنِ رَحْمَةً وَاسِعَةً وَرِضْوَانًا كَامِلًا

وفد عدی بن حاتم الطائی

عدی بن حاتم کے ایمان لانے کا واقعہ آپ تفصیل سے پڑھ آئے ہیں، اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

وفد عروہ المرادی

قبیلہ مراد کا ایک وفد اپنے رئیس عروہ کی سربراہی میں بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوا۔ عروہ اس سے پہلے کندہ کے شاہی دربار سے وابستہ تھا۔ اس نے اس رشتہ کو منقطع کر دیا اور سرور انبیاء کی غلامی کا طوق زیب گلو کرنے کیلئے مدینہ طیبہ آپہنچا۔ اسلام کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے اس کے قبیلہ مراد اور قبیلہ ہمدان میں سخت جنگ ہوئی تھی جس میں قبیلہ مراد کو سخت ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اس کے بہت سے آدمی لقمہ اجل بنے تھے۔ یہ دن عرب کی تاریخ میں ”یوم روم“ کے نام سے معروف ہے۔ جب یہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے دریافت کیا کہ روم کی جنگ میں تیرے قبیلہ کو جو زک پہنچی، کیا تیرے دل کو اس سے دکھ پہنچا؟ عرض کی، یا رسول اللہ! کون ایسا سنگدل ہے کہ اس کی قوم کو اتنی بڑی مصیبت پہنچے اور اس کا دل حزن و ملال سے بریز نہ ہو جائے۔ حضور علیہ السلام نے اسے دلاسا دیتے ہوئے فرمایا، فکر مت کرو۔ اس تکلیف کے باعث اسلام میں تمہارا درجہ بہت بلند ہوگا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے عروہ کو اپنی قوم کا والی مقرر فرمایا اور ان کے ساتھ حضرت خالد بن سعید بن العاص کو روانہ فرمایا تاکہ صدقات جمع کرنے میں اس کی اعانت کریں۔ سرورِ عالم ﷺ کے وصال پر ملال تک یہ دونوں اکٹھے رہے اور فرائض منصبی کی ادائیگی میں باہم اعانت کرتے رہے۔

وفد بنی زبید

بنو زبید کا ایک وفد مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا۔ ان میں مشہور شہسوار اور ان کا فقیہ المثنیٰ بن حنظلہ بن عمرو بن معدی کرب بھی شامل تھا۔ اپنی شجاعت و بہادری کے باعث اسے ”فارس

العرب“ کے لقب سے مقب کیا جاتا تھا۔ اس کا ایک بھتیجہ تھا جس کا نام قیس مرادی تھا۔ عمرو نے اسے ایک روز کہا کہ تم اپنی قوم کے سردار ہو، ہمیں اطلاع ملی ہے کہ مکہ مکرمہ میں قبیلہ قریش کا ایک شخص ظاہر ہوا ہے جس کا نام محمد ﷺ ہے۔ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ چوں اس سے ملاقات کریں اور اس کی باتیں سنیں۔ اگر وہ اچھی باتیں کرتا ہے اور خیر و فلاح کی طرف دعوت دیتا ہے تو اس کی دعوت کو قبول کر لیں ورنہ گھروٹ آئیں گے۔ بھتیجہ قیس نے اپنے چچا کی اس تجویز کو مسترد کر دیا اور اسے کہا کہ تم نرے احمق ہو۔ عمرو نے اپنے بھتیجے کی مخالفت کے باوجود اپنے گھوڑے پر زین کسی اور مدینہ طیبہ کا رخ کیا۔ اس کی قوم بھی اس سفر میں اس کے ہمراہ تھی۔

جب یہ سب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور کے رونے انور کو دیکھ کر آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھ گئے اور سب نے آپ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کا شرف حاصل کیا اور صحابہ کرام کے زمرہ مبارک میں شامل ہو گئے۔

قیس اس وقت تو نعمت ایمان سے محروم رہا لیکن حضور کے وصال کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا البتہ صحابیت کے شرف عظیم سے محروم رہا۔ بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ اس نے بھی حیات طیبہ میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا اور اسے بھی صحابیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ (۱)

وفد کندہ

کندہ، یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے جو اپنے دادا کندہ کی طرف منسوب ہے۔ ان کے دادا کا نام نور بن عفیر تھا اور کندہ اس کا لقب تھا۔ سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک داوی اس قبیلہ کی خاتون تھی جو حضور کے ایک دادا کلاب کی والدہ تھیں۔ اس وفد کی تعداد اسی تھی، بعض نے ساٹھ بتائی ہے اس وفد میں اشعث بن قیس نامی ایک شخص بھی تھا جو بڑا وجیہ اور خوبصورت تھا۔ اگرچہ وہ کسمن تھا لیکن سارا قبیلہ اس کی دل سے اطاعت کیا کرتا تھا۔ جب وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے لگے تو انہوں نے خوب تیاری کی۔ اپنے بالوں میں تیل لگایا، کنگھی کی، آنکھوں میں سرمہ ڈالا اور حیرہ کے بنے ہوئے جے زیب تن کئے جن کے کنارے ریشمی تھے۔ جب حاضر خدمت ہوئے تو وہ سلام عرض کیا جو اپنے موک و سلاطین کو پیش کیا

کرتے تھے۔ انہوں نے عرض کی اَیُّہَ اللّٰہُ (یہ ان کا جہانہ سلام تھا) حضور نے فرمایا کہ میں بادشاہ نہیں ہوں، محمد بن عبد اللہ ہوں۔ (فداہ ابی دہامی علیہ السلام) انہوں نے عرض کی، ہم آپ کو نام سے بلانے کی جسارت نہیں کر سکتے۔ اپنا کوئی لقب ارشاد فرمائیے جس سے ہم حضور کو مخاطب کر سکیں۔ ان کے اس سوال کے جواب میں حضور نے انہیں اپنی کنیت بتائی۔ فرمایا، میں ابو القاسم ہوں۔ اب وہ عرض پر داز ہوئے، اے ابو القاسم! ہم نے آپ کے لئے ایک چیز چھپ رکھی ہے، بتائیے وہ کیا ہے؟ فرمایا، سبحان اللہ! ایسی باتیں تو کاہنوں سے پوچھی جاتی ہیں۔ انہوں نے پھر عرض کی کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ حضور نے کنکریوں کی مٹھی بھری۔ فرمایا یہ بے جان کنکریاں گواہی دیں گی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس تمام کنکریوں نے دست مبارک میں تسبیح کہی اور گواہی دی کہ حضور اللہ کے رسول ہیں۔ کنکریوں کی یہ تسبیح سن کر انہوں نے فوراً کہا اِنَّا نَشْہَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔“ حضور نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مجھے دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور مجھ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں کسی جانب سے بھی باطل نہیں گھس سکتا۔ انہوں نے عرض کی، وہ کلام پاک ہمیں بھی سنائیے۔ چنانچہ رحمت عالم نے سورہ الصافات کی ابتداء سے رَبِّیُّ الْمَکَّیُّ وَالْمَنَاقِبِ تک تلاوت فرمائی۔ زبان اقدس تلاوت کر رہی تھی، چشم مازغ سے لوء لوء آبدار ٹپک رہے تھے، سبحان اللہ! کیا روح پرور منظر ہوگا! کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ رحمت کے ان انمول قطروں نے کتنے بنجر دلوں کو سیراب کر کے رشک فردوس بریں بنادیا ہوگا اور کتنی مردہ روحوں کو حیات جاوید سے ہمکنار کر دیا ہوگا۔

ہر کوئی فدا ہے بن دیکھے، دیدار کا عالم کیا ہوگا

پھر ان سے دریافت کیا، کیا تم اسلام قبول نہیں کرو گے؟ سب نے یک زبان ہو کر عرض کی، ہم سب دل و جان سے ایمان لانے کیلئے تیار ہیں۔ حضور نے فرمایا، پھر یہ ریشمی کناروں والے جے تم نے کیوں پہنے ہیں؟ اسی وقت سب نے ریشمی کنارے پھاڑ کر الگ پھینک دیئے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ ریشمی کنارے شرعی حد سے زیادہ تھے۔

سرور انبیاء علیہ السلام کا یہ معمول مبارک تھا کہ وفود کی ملاقات کے وقت خود بھی بہترین لباس زیب تن فرماتے اور اپنے صحابہ کو بھی حکم دیتے کہ وہ صاف ستھرا لباس پہن کر حاضر

ہوں۔ اس روز سرکارِ دو عالم ﷺ نے بھی یمن کا بنا ہوا لباس زیب تن فرمایا ہوا تھا۔ یہ ”حلہ ذی یزن“ کے نام سے مشہور تھا اور حضرت صدیق اور فاروق اعظم نے بھی اسی قسم کے جبے پہنے ہوئے تھے۔ سرورِ انبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ و اجمل الثناء کی دارِ بقا کی طرف رحلت کے بعد یہ اشعت مرتد ہو گیا لیکن عہدِ صدیقی میں توبہ کی اور از سر نو اسلام قبول کیا۔ عہدِ صدیقی میں اسے جنگی قیدی بنا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس نے عرض کی ”مجھے قتل نہ کیجئے، زندہ رہنے دیجئے، میں جنگوں میں آپ کے کام آؤں گا۔ چنانچہ اس نے یرموک اور قادسیہ کی جنگوں میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اور فتحِ عراق کے سلسلہ میں جو معرکے ہوئے ان میں بھی یہ شریک تھا۔ جنگِ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ کے لشکر میں شامل ہو کر جنگ کی اور جنگِ صفین کے چالیس روز بعد اس نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (1)

وفدِ ازد و شنوہ

قبیلہ ازد کا ایک وفد بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ ان میں سرورِ بن عبد اللہ ازدی بھی تھا جو ان میں سب سے افضل تھا۔ حضور نے قبیلہ ازد کے مومنین پر انہیں امیر مقرر کیا۔ اور انہیں حکم دیا کہ وہ اہل اسلام کو اپنے ساتھ لے کر ان مشرکین سے جنگ کریں جو اس کے قرب و جوار میں آباد ہیں۔ چنانچہ اہل ایمان کی ایک جماعت کو ہمراہ لے کر صرد نے جرش شہر کا محاصرہ کر لیا، یعنی قبائل آباد تھے۔ مسلمانوں نے ایک ماہ تک جرش کا محاصرہ کئے رکھا۔ ایک ماہ بعد مسلمانوں نے وہ محاصرہ اٹھا لیا اور اپنے وطن لوٹ گئے۔ جب وہ شکرنامی پہاڑ تک پہنچ گئے تو اہل جرش نے یہ خیال کہ مسلمان شکست کھا کر یہاں سے بھاگ گئے ہیں لہذا وہ مسلمانوں کے تعاقب میں نکلے۔ جب ان کا لشکر پہاڑ کے قریب پہنچا تو مسلمانوں نے پٹ کر ان پر حملہ کر دیا اور جن جن کو انہیں موت کے گھاٹ اتارنے لگے۔ ان لوگوں نے اپنے دو جاسوس مدینہ طیبہ بھیجے ہوئے تھے تاکہ وہاں کے حالات کا مشہدہ کریں اور انہیں آگاہ کریں۔ ایک روز وہ دونوں آدمی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بیٹھے تھے۔ حضور نے ان سے پوچھا، شکرنامی پہاڑ کس عقدہ میں ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ یہ پہاڑ ہمارے علاقہ میں ہے،

اس کا نام کثر ہے۔ پھر فرمایا، نہیں اس کا نام شکر ہے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! اس پہاڑ کا ذکر حضور کیوں فرما رہے ہیں؟ فرمایا! اس پہاڑ کے دامن میں اللہ کے اونٹ ذبح کئے جا رہے ہیں یعنی تمہاری قوم کے افراد کو قتل کیا جا رہا ہے۔

وہ دونوں وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت فاروق اعظم کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ نادانو! حضور تمہیں بتا رہے ہیں کہ تمہاری قوم کے مردوں کو ذبح کیا جا رہا ہے اور تم یوں ہی مہربلب بیٹھے ہو، اٹھو اور حضور کی خدمت میں اپنی قوم کی سلامتی کی دعا کیلئے عرض کرو۔ انہوں نے دعا کی درخواست کی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا مانگی۔

اللّٰهُمَّ اَدْفَعْ عَنْهُمْ اَلْبِيَّ اِهْمَارَ اَللّٰهِ وَطَنَ كَادِفَاعَ فَرَمَا۔

وہاں سے اجازت لے کر اپنے وطن لوٹے۔ وہاں پہنچے تو پتا چلا کہ اس روز اور اسی وقت جب حضور ارشاد فرما رہے تھے، ان کے کئی افراد کو قتل کر دیا گیا۔ پھر جرش کے لوگ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ حضور نے انہیں مرحبا کہتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَرْحَبًا بِكُمْ اَحْسَنُ النَّاسِ وَجُوهًا اَنْتُمْ مِثِّيْ وَ اَنَا مِثْكُمْ
 ”اے لوگوں سے زیادہ خوبصورت چہرے والو! مرحبا کہتا ہوں۔ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔“

حارث بن کلal اور اس کے دوستوں کی طرف سے بارگاہ رسالت میں قاصد کی روانگی۔

حارث بن کلal، نعمان، معافر اور ہمدان نے اپنا ایک قاصد حضور کی خدمت میں روانہ کیا۔ اسے ایک خط بھی دیا جس میں انہوں نے اپنے اسلام قبول کرنے کی حضور کو اطلاع تحریر کی تھی۔ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ان کے مکتوب گرامی کا جواب تحریر فرمایا جس میں انہیں ہدایت قبول کرنے اور شریعت کے احکام کی پابندی پر اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا تھا۔

فروہ بن عمرو الجذامی کا قاصد بارگاہ رسالت میں
 فروہ نے اپنا قاصد بارگاہ نبوت میں روانہ کیا تاکہ وہ اس کے مشرف باسلام ہونے کی اطلاع عرض کرے۔ اس نے مندرجہ ذیل اشیاء بطور ہدیہ ارسال کیں

ایک سفید فخر، جس کا نام فضہ تھا۔ ایک دراز گوش، جس کا نام یعفور تھا۔ ایک گھوڑا جس کا نام ظرب تھا۔ حضور کیلئے پوشاک اور ایک قباجو سونے کی تاروں سے مرصع تھی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے نیاز مند کے بھیجے ہوئے ان تحائف کو قبولیت کا شرف بخشا اور اس کے قاصد کو بارہ اوقیہ چاندی سے نوازا۔

یہ فردہ، قیصرِ روم کی طرف سے اس علاقہ کا گورنر تھا اور اس کی قیام گاہ ”معان“ کا شہر تھا۔ جب قیصر کو فردہ کے مسلمان ہونے کی اطلاع ملی تو اس نے اس کو قید کرنے اور نظر بند کرنے کا حکم دیا۔ قیصر نے اسے کہا کہ اب بھی اگر تم توبہ کر کے اپنے دین کی طرف لوٹ آؤ تو تمہیں معاف کر دیا جائے گا اور تمہاری گورنری کا عہدہ بحال کر دیا جائے گا۔ اس عاشقِ صادق نے قیصر کو جواب دیا کہ میں کسی قیمت پر اپنے محبوب کا دین نہیں چھوڑوں گا کیونکہ تمہیں بھی اچھی طرح علم ہے کہ یہ وہی نبی ہے جس کی آمد کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی صرف اپنا تخت بچانے کیلئے ایمان نہیں لارہے۔ قیصر نے فردہ کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا۔ اس وفائیکش نے اپنی جان دیدی، سر قلم کر لیا لیکن اپنے آقا کے دامنِ رحمت کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔

حضرت اقبال نے فردہ جیسے وفائیکشوں کو دیکھ کر یہ فرمایا تھا۔

بدر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسیم جاں ہے زندگی

وفد حارث بن کعب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے قبیلہ کی گوشاں کیلئے حضرت حامد بن ولید کو ان کی طرف بھیجا تھا۔ جب حضرت حامد واپس آئے تو ان کا وفد بھی ان کے ہمراہ آیا۔ جب یہ لوگ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور نے ان سے ایک سوال پوچھا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی قبیلہ سے تم جنگ کیا کرتے تھے تو کیونکر ان پر فتح حاصل کرتے تھے۔ انہوں نے جواباً عرض کیا کہ کُنَّا مَجْتَمِعًا وَلَا تَتَفَرَّقُ وَلَا نَبْدَأُ أَحَدًا بِطُلُوعِ شَمْسٍ مَتَّحِدًا وَتَمُتُ بُو کر دشمن سے معرکہ آرا ہوا کرتے تھے اور یہی اختلاف اور ناچاقی سے کلیتہً احتراز کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ہم کسی پر پہلے ظلم نہیں کرتے تھے۔ ان کا جواب سن کر حضور نے فرمایا،

تم نے سچ کہا۔ حضور نے زید بن حصین کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔

وفد رفاعہ بن زید اتر اعی کی حاضری اور قبول اسلام

رفاعہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ روئے انور کی زیارت اور اسلام قبول کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ انہوں نے ایک غلام بطور ہدیہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔ سرکار نے انہیں ایک مکتوب گرامی مرحمت فرمایا، اس میں تحریر تھا کہ یہ مکتوب محمد رسول اللہ نے رفاعہ کیلئے تحریر کیا ہے۔ میں اسے تمہارا امیر بنا کر بھیج رہا ہوں تاکہ تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے۔ جو ان کی دعوت قبول کرے گا تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے گروہ میں داخل ہو جائے گا اور جو انکار کرے گا اس کو غور و فکر کرنے کیلئے دو ماہ کی مہلت دی جائے گی۔

جب رفاعہ واپس اپنے قبیلہ میں پہنچے تو انہوں نے حسب ارشاد سب کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ سب نے صدق دل سے ان کی دعوت کو قبول کیا اور سب مشرف باسلام ہو گئے۔

وفد ہمدان

اس سال قبیلہ ہمدان کا ایک وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ان میں مالک بن نمط نامی ایک شخص بھی تھا جو بڑا قادر الکلام شاعر تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ جب تبوک سے بعافیت واپس تشریف لائے تو اسے حاضری اور ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان لوگوں نے اس وقت یمنی لکیر دار چادریں اپنے اوپر اوڑھی ہوئی تھیں اور عدنی عمامے باندھے ہوئے تھے۔ مالک بن نمط جب حاضر ہوا تو اس نے اپنے چند شعر سنائے۔

نبی کریم نے اس مالک کو اپنی قوم کے مسلمانوں کا امیر مقرر فرمایا۔ جب ان کے اسلام لانے کی اطلاع ملی تو حضور نے سجدہ شکر ادا کیا۔ پھر سر اٹھ کر فرمایا:

يَعْمَدُ الْحَيُّ الْمُهَمِّدَانُ وَمَا اسْتَوْعَمَهَا إِلَى النَّصْرِ

”قبیلوں میں سے ہمدان بہترین قبیلہ ہے۔ مدد کرنے کیلئے وہ کس تیز رفتاری سے آگے بڑھتے ہیں اور جہد و مشقت کے وقت وہ کس صبر کا

مظاہرہ کرتے ہیں۔“

اس میں اسلام کے ابدال اور اوتاد میں۔ (1)

وفد نجیب

نجیب، کندہ کے قبائل سے ایک قبائل کا نام ہے۔ اس قبیلہ کا ایک وفد جو تیرہ افراد پر مشتمل تھا، بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ یہ دو اپنے ہمراہ اموال کی زکوٰۃ و صدقات بھی لے آئے تھے۔ ان کی اس بات سے حضور انور کو بڑی مسرت ہوئی۔ سرکار نے فرمایا کہ یہ زکوٰۃ و صدقات کے اموال انہیں واپس کر دو تاکہ وہ ان اموال کو اپنے حلقہ کے فتناء و مساکین میں تقسیم کر دیں۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہم نے اپنے حلقہ کے فتناء میں پہلے اموال تقسیم کئے ہیں جو ان سے بچا ہے، وہ لے کر حاضر ہوئے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر بھی حاضر خدمت تھے۔ ان کی باتیں سن کر فرمایا، یا رسول اللہ! ہمارے پاس اہل عرب سے ان جیسا کوئی وفد نہیں آیا۔ ہادی برحق نے فرمایا، اسے ابو بکر! ہدایت اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ جس کے ساتھ وہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو ان کے دلوں کو اسدِ قبول کرنے کیلئے شادہ کر دیتا ہے۔ وہ بڑے ذوق شوق سے قرآن کریم اور سنتوں کے بارے میں دریافت کرتے رہے۔ ان کے اس ذوق کو دیکھ کر حضور نے ان کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی۔

انہوں نے واپسی کی اجازت طلب کی۔ حضور نے پوچھا، وہی میں اتنی جلدی کیا ہے؟ عرض کی، یا رسول اللہ! ہمیں جلدی یہ ہے کہ واپس جائیں اور جن دلوں کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں، ان کو حضور کے رخ انور کی زیارت اور ملاقات کے بارے میں بتائیں اور جو گزارشات ہم نے پیش کی ہیں اور حضور نے ازراہ کرم جو جوابات ارشاد فرمائے ہیں، ان سے انہیں سگاہ کریں۔

جب وہ الوداعی سلام عرض کر کے رخصت ہونے لگے تو حضور نے حضرت بلال کو ان کی طرف بھیجا کہ انہیں انعامات سے سرفراز کریں۔ نہیں تو نواز کہ کسی دوسرے وفد پر ایسی نوازشات نہیں فرمائی تھیں۔ پھر پوچھا، تم میں سے کوئی رہ تو نہیں گیا جس کو غیبت نہ ہو۔ عرض کی، ایک نوجوان کو ہم اپنے ساتھیوں کے پاس چھوڑ آئے تھے، اس کے ساتھ دوسب نے

عطیات سے دامن بھر لیا ہے۔ حضور نے اس کو بلانے کا حکم دیا۔ وہ نوجوان حاضر خدمت ہو کر عرض پر داذ ہوا کہ میں اس وفد کا ایک فرد ہوں جو ابھی ابھی حضور سے انعامات لے کر، جھولیاں بھر کر گیا ہے۔ میری بھی ایک حاجت ہے، اسے پورا فرمائیے۔ سرکار نے پوچھا تمہاری کیا حاجت ہے؟ عرض کی، یا رسول اللہ! میری حاجت میرے دوستوں کی حاجت سے مختلف ہے۔ میری عرض یہ ہے کہ میں نے اتنی طویل مسافت فقط اس لئے طے کی ہے کہ میں حضور سے دعا کی التجاء کروں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرمائے اور میرے دل کو غنی فرمائے۔ حضور نے اس کے لئے دعا مانگی:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَأَجْعَلْ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ

”اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اس پر رحمت نازل کر اور اس کے دل کو غنی کر دے۔“

پھر فرمایا، جس کے لئے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے اور جس کے لئے بھلائی کا ارادہ نہیں فرماتا تو فقر و مجتدستی کو اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے۔ وہ اسے دیکھتا اور پریشان رہتا ہے۔ پھر حضرت بلال کو حکم دیا کہ اس نوجوان کو اتنا دو جتنا تم نے دوسروں کو دیا ہے۔

کچھ عرصہ بعد اس وفد کے ارکان سے منی کے میدان میں حضور کی ملاقات ہوئی۔ لیکن وہ جوان ان میں موجود نہ تھا۔ حضور نے اس نوجوان کے بارے میں دریافت کیا کہ اس کا کیا حال ہے؟ سب نے اس کے استغناء اور قناعت کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ ہم نے ایسا نوجوان کبھی نہیں دیکھا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کے وصال کے بعد یمن میں ارتداد کی لہر چل گئی۔ لوگوں کے قدم پھسل گئے لیکن اس نوجوان کے قدموں میں ذرا الغرض نہ آئی۔ حضرت صدیق اکبر ہمیشہ اس کے بارے میں استفسار فرماتے رہے۔ حضر موت کے گورنر زیاد بن ولید کی طرف آپ نے لکھا کہ اس نوجوان کا خاص خیال رکھیں۔ (1)

1۔ احمد بن زبئی و حطان، ”السيرة النبوية“، جلد 3، صفحہ 35-36 و ”زاد العاد“، جلد 3، صفحہ 615 و ”خاتم النبین“، جلد 2،

وفد بنی ثعلبہ

سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام جعراندہ میں اموال غنیمت تقسیم کرنے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے۔ بنو ثعلبہ کے چار افراد نے شرفِ نیاز حاصل کیا اور اپنے اسلام قبول کرنے کا اقرار کیا۔ حضور اس وقت اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف فرما تھے۔ حضرت بلال نے اقامت شروع کر دی۔ ہم نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہم اپنی قوم کے فرستادہ ہیں۔ ہم اسلام قبول کرنے کا اقرار کرتے ہیں اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حضور کا یہ ارشاد ہے:

لَا اِسْلَامَ لِمَنْ لَا هِجْرَةَ لَهُ "جس نے ہجرت نہیں کی اس کا اسلام معتبر نہیں۔ اب ہمارے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ حضور نے فرمایا: حَيْثُ مَا كُنْتُمْ وَالْقَيْمُكُمْ اللهُ قَدْ يَضُرُّكُمْ "جہاں تم ہو اللہ تمہیں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔" حضور کی قداء میں ہم نے نماز ادا کی۔ پھر حضور گھر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر آئے اور ہمیں یاد فرمایا۔ ہم حاضر ہوئے تو پوچھا تمہارا عداقہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کی، نہایت زرخیز و سرسبز و شاداب ہے۔ فرمایا، الحمد للہ۔ ہم چند روز تک خدمت اقدس میں ٹھہر رہے اور حضور کی میزبانی سے طف انداز ہوتے رہے۔ جب اوراقِ سلام عرض کرنے کیلئے حاضر خدمت ہوئے تو حضرت بلال کو حکم دیا۔ آپ تمام سب کو پانچ پانچ وقیعہ چاندنی حطافہ فرمائی (ایک وقیعہ میں چالیس درہم ہوتے تھے)۔

وفد بنی سعد بن مذہم بن قضاہ

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ نے بتایا کہ میں اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس وقت ہمارا سارا عداقہ حضور ﷺ کے تسلط میں تھا۔ وہاں دو قسم کے لوگ سکونت پذیر تھے، ایک قسم ان کی تھی جنہوں نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جو ابھی کافر تھے، لیکن مسلمانوں سے ہراساں رہتے تھے۔ ہم نے مدینہ طیبہ کے ایک کونے میں اپنے خیمے نصب کر دیئے۔ وہاں اپنا سامان رکھنے کے بعد مسجد نبوی کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ایک مسلمان امتی کی نماز جنازہ پڑھا رہے تھے۔ ہم پیچھے کھڑے ہو گئے لیکن نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ جب نماز جنازہ سے فارغ ہوئے تو

ہماری طرف دیکھا۔ اپنے پاس بلایا، پوچھا، تم کون ہو؟ ہم نے عرض کی کہ ہم بنی قضاہ کی شاخ سعد بن ہذیم کے قبیلہ سے ہیں حضور نے پوچھا، کیا تم مسلمان ہو؟ ہم نے عرض کی، ہم مسلمان ہیں۔ پھر پوچھا کہ تم نے اپنے مسلمان بھائی کی نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی؟ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہمارا خیال تھا کہ جب تک ہم حضور کی بیعت کا شرف حاصل نہ کریں نماز جنازہ میں ہمارا شریک ہونا جائز نہیں۔ فرمایا، ایسا نہیں۔ جب اور جہاں تم نے کلمہ شہادت پڑھ لیا تم مسلمان ہو گئے۔

پھر ہم نے دست مبارک پر بیعت کر کے اسلام قبول کر لیا اور ہم اپنی قیام گاہ پر واپس آ گئے۔ ہم میں سے جو سب سے کم سن تھا اسے ہم اپنے سہان کے پاس چھوڑ گئے، اس لئے وہ شخص بیعت سے محروم رہا۔ کچھ دیر بعد حضور نے ہمیں بلانے کیلئے ایک آدمی بھیجا، ہم حاضر ہو گئے۔ اس وقت ہمارے کمسن یا سہان نے بیعت کی سعادت حاصل کی۔ ہم نے عرض کیا، اے ہمارے آقا! یہ ہم سب سے کم عمر ہے اور ہمارا خادم ہے فرمایا **أَصْغَرُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ** جو سب سے کم عمر ہوتا ہے وہ قوم کا خادم ہوتا ہے پھر اس کے لئے دعا فرمائی **بَارَكَ اللَّهُ فِيكَ** "اللہ تعالیٰ اسے اپنی برکتوں سے نوازے۔" نعمان فرماتے ہیں۔ حضور کی دعا کی برکت سے وہ علم و فضل میں ہم سب سے برتر ہو گیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کو ہمارا امام مقرر فرمایا۔ جب ہم نے واپسی کا ارادہ کیا تو نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ ہم میں سے ہر ایک کو چند اوقیہ چاندی بطور ہدیہ عطا کریں۔ ہم اپنی قوم کے پاس جب واپس آئے تو ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ سارے قبیلہ نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کر لیا۔

علامہ احمد بن زینی دحلان لکھتے ہیں کہ حضرت بلال نے اپنے آقا کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے اس وفد کے ہر فرد کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔ (1)

وفدِ سلامان

قبیلہ سلامان کا ایک وفد اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کرنے کیلئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے افراد کی تعداد سات تھی اور انہیں میں حضرت خضیب یا حبیب بن عمرو بھی شامل تھے۔ حضور سے ان کی ملاقات اس وقت ہوئی جب رحمتِ دو عالم ﷺ مدینہ طیبہ سے

باہر اپنے غلام کی نماز جنازہ پڑھنے کیلئے تشریف لے جا رہے تھے۔ حضور کو دیکھ تو عرض کی
 السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے
 فرمایا وَ عَلَيْكُمْ، مَنْ أَنْتُمْ؟ تم پر بھی سلامتی ہو، تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کی،
 ہم سلمان قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور حضور کی بیعت کرنے کے ارادہ سے ہم یہاں حاضر
 ہوئے ہیں۔ ہم اپنے پیچھے رہ جانے والے قبیلہ کے افراد کی طرف سے بھی بیعت کریں
 گے۔ نبی کریم ﷺ اپنے غلام ثوبان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، انہیں مہمان خانے
 میں اتارو جہاں وفود کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ نماز ظہر کے بعد نبی کریم ﷺ اپنے حجرہ شریف اور
 منبر مبارک کے درمیان تشریف فرما ہوئے۔ ہم نے بیعت کا شرف حاصل کیا اور دین کے
 کئی مسائل دریافت کئے۔ جب ہم رخصت ہونے لگے تو سرکار نے ہر شخص کو پانچ پانچ اوقیہ
 چاندی عطا فرمائی۔ انہوں نے ایک سوال یہ کیا کہ مَا أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ؟ سب سے افضل
 عمل کون سا ہے؟ ”ہادی برحق ﷺ نے فرمایا الصَّلَاةُ فِي وَقْتِهَا“ بروقت نماز کا ادا
 کرنا۔ ”ان لوگوں نے اپنے آقا کی اقتداء میں نماز ظہر اور عصر ادا کی۔ حضور سرور عالم ﷺ
 نے ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ اجنبیت کا احساس تک ان کے دلوں میں باقی نہ رہا۔
 چنانچہ یہ بڑی بے تکلفی سے اپنی معروضات پیش کرنے لگے۔ ایک گزارش یہ کی، یا رسول
 اللہ! ہمارا علاقہ قحط کی زد میں ہے، عرصہ دراز سے بارش نہیں ہوئی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے
 ان کے حق میں دعا کرتے ہوئے بارگاہ الہی میں عرض کی اَللّٰهُمَّ اسْقِهِمُ الْغَيْثَ فِي دَارِهِمْ
 الہی! ان کے علاقہ میں بارانِ رحمت فرما اور ان کو سیراب کر۔ ”ان میں سے ایک غلام نے
 عرض کی، یا رسول اللہ! اپنے دست مبارک بلند کر کے دعا فرمائیں کیونکہ اس میں بڑی
 برکت ہے۔ نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرا دیئے اور اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کو اتنا
 بلند کیا کہ حضور کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔

یہ لوگ تین دن تک نبی کریم ﷺ کی ضیافت سے مطف اندوز ہوتے رہے اور حسب
 معمول نبی کریم ﷺ نے انہیں انعامات سے نوازا اور ہر شخص کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی مرحمت
 فرمائی۔ حضرت بدل نے جب تعمیل ارشاد کرتے ہوئے انہیں یہ چاندی مرحمت کی تو ساتھ
 ہی معذرت بھی کی کہ آج ہمارے پاس زیادہ مال نہیں ہے، آپ اس قلیل مقدار کو ہی قبول کر
 لیں۔ انہوں نے کہا مَا أَكْثَرَ هَذَا وَ أَطْيَبَهُ ”یہ تو بہت ہی زیادہ اور بہت ہی پاکیزہ

انعام ہے۔ "جس سے اللہ کے محبوب نے ہم کو نوازا۔

جب یہ لوگ اپنے وطن واپس پہنچے تو وہاں بارش برسنے سے ہر طرف جل تھل کا عالم تھا۔ انہوں نے تحقیق کی کہ یہ بارش کب برسی؟ انہیں معلوم ہوا کہ یہ صحابہ کرم اسی روز برسا جب یہ لوگ حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر تھے اور حضور نے اپنا دست مبارک اٹھا کر ان کیلئے بارش کی دعا کی تھی۔ یہ وفد بعض علماء کے نزدیک ماہ صفر سنہ 10 ہجری میں اور بعض کے نزدیک ماہ شوال سنہ 10 ہجری میں حاضری کی سعادت سے بہرہ ور ہوا۔ (1)

وفد عامہ

سنہ 10 ہجری میں نبی عامہ کا وفد بھی بارگاہ رسالت میں باریابی سے بہرہ ور ہوا۔ جس کے شرکاء کی تعداد دس تھی۔ انہوں نے بقیع الغرقہ میں اپنے خیمے نصب کئے۔ وہاں اپنا سامان رکھا اور ان میں جو سب سے کمسن تھا، اس کو سامان کی حفاظت کیلئے وہاں چھوڑا اور خود بارگاہ رسالت میں حاضری کیلئے روانہ ہوئے۔ وہ حضور کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضور نے انہیں دین اسلام کے مختلف مسائل سے آگاہ کیا اور اس سلسلہ میں ایک تحریر لکھ کر دی۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں بتایا کہ تم اپنے سامان کی حفاظت کیلئے جس نوجوان کو چھوڑ کر آئے تھے وہ سو گیا اور ایک چور آیا جو کپڑوں کا تھیلا اڑا کر لے گیا۔ ان میں سے ایک آدمی نے عرض کیا، یا رسول اللہ! وہ چرایا جانے والا تھیلا میرا تھا کیونکہ میرے کسی ساتھی کے پاس کوئی تھیلا نہ تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا تھیلا مل گیا ہے اور تمہاری قیام گاہ پر پہنچ گیا ہے۔ وہ لوگ فوراً اپنی قیام گاہ پر آئے۔ انہوں نے اپنے اس نوجوان ساتھی سے استفسار کیا تو اس نے بتایا کہ مجھے نیند آگئی۔ میں سو گیا پھر اچانک میری آنکھ کھلی دیکھا کہ وہ تھیلا موجود نہیں، میں اس کو تلاش کرنے کیلئے باہر نکلا تو ایک آدمی جو پہلے بیٹھا تھا، مجھے دیکھ کر بھاگ نکلا۔ میں بھی اس کے پیچھے دوڑنے لگا یہاں تک کہ میں نے اس کو جالیا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے گڑھا کھود کر اس تھیلے کو وہاں رکھا ہے۔ چنانچہ میں نے اس گڑھے کو کھودا تو وہ تھیلا موجود تھا۔ میں اسے اٹھا کر واپس لے آیا ہوں۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے انہیں جو بات بتائی تھی وہ اسی طرح وقوع پذیر ہو چکی تھی۔ یہ دیکھ کر

وہ کہنے لگے **نَشْهَدُ اَنْهٗ دَسُوْلُ اللّٰہِ**۔ یہ حضرات پھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی، یا رسول اللہ! جس طرح حضور نے فرمایا تھا اسی طرح وقوع پذیر ہوا۔ اس دفعہ وہ اپنے خادم کو بھی ہمراہ لائے۔ اس نے شرف بیعت حاصل کیا۔ حضور نے اسے ابی بن کعب کے حوالے کیا کہ اسے قرآن کریم کی چند سورتیں پڑھا دیں۔ حسب معمول بارگاہ رسالت سے انہیں بھی انعامات سے نوازا گیا۔ (1)

وقد ازد

علامہ محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ، ”خاتم النبیین“ میں اس وفد کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

یہ وفد، بارگاہ رسالت پناہ ﷺ میں حاضر ہوا۔ حضور ان کی شکل و صورت اور صاف و پاکیزہ لباس کو دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے۔ پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کی، ہم ایماندار قوم ہیں۔ نبی کریم ﷺ ان کا یہ جواب سن کر مسکرائے اور ان سے دریافت کیا کہ ہر بات کی ایک حقیقت ہو ا کرتی ہے۔ تمہارے اس قول و ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ انہوں نے عرض کی، ہمارے ایمان اور قول کی حقیقت وہ پندرہ خصلتیں ہیں جن پر ہم عمل پیرا ہیں۔ ان پندرہ خصلتوں سے پانچ وہ ہیں جو حضور کے قاصدوں نے ہمیں سکھائی ہیں۔ پانچ وہ ہیں، جو حضور نے خود سکھائی ہیں اور پانچ وہ ہیں جن پر ہم زمانہ جاہلیت میں بھی عمل پیرا تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ پانچ خصلتیں کون سی ہیں جو میرے قاصدوں نے سکھائی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضور کے قاصدوں نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر، یوم قیامت پر اور قدر پر ایمان لے آئیں۔ پھر حضور نے دریافت فرمایا، وہ پانچ خصلتیں کون سی ہیں جو میں نے تم کو سکھائی ہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم اس بات کا اقرار کریں کہ لا الہ الا اللہ یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، ماہ رمضان کے روزے رکھیں اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کریں۔ پھر حضور نے استفسار کیا کہ وہ پانچ خصلتیں کون سی ہیں جن پر تم زمانہ جاہلیت سے عمل پیرا ہو۔ انہوں نے عرض کی، خوشحالی کے زمانہ میں اللہ

کا شکر ادا کریں، مصیبت کے ایام میں صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑیں، اللہ کے ہر فیصلہ پر راضی رہیں، دشمن سے مقابلہ کرتے وقت ثابت قدم رہیں اور دشمن کو اس کی مصیبت پر مطعون نہ کریں۔

حضور نے ارشاد فرمایا: **حُكْمَاءُ عُلَمَاءُ** ”یہ بڑے دانشمند عالم ہیں۔“ پھر فرمایا، میں پانچ خصلتوں کا مزید اضافہ کرتا ہوں تاکہ ان خصال کی تعداد میں ہو جائے:

فَلَا تَجْمَعُوا مَالًا تَأْكُلُونَهُ وَلَا تَبْنُوا مَالًا تَسْكُنُونَهُ
وَلَا تَتَنَاكَسُوا فِي شَيْءٍ وَأَنْتُمْ غَدَا عَنْهُ زَائِلُونَ
وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ وَعَلَيْهِ تُعْضَوْنَ
وَأَدْعَبُوا فِي مَا عَلَيْهِ تَقْدِمُونَ وَفِيهِ تُخْلَدُونَ (1)

(1) ”ان اشیاء خوردنی کے ڈھیر نہ لگاؤ جنہیں تم کھاؤ گے نہیں۔

(2) بغیر ضرورت کے مکانات تعمیر نہ کرو جن میں تم نے سکونت پذیر نہیں ہوتا ہے۔

(3) ایسی چیز کے حصول میں سبقت نہ لے جاؤ جن سے کل تمہیں دستبردار ہوتا ہے۔

(4) اس اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم نے لوٹ کر جانا ہے اور جس کے رو پر وہ تمہیں پیش کیا جاتا ہے۔

(5) اس چیز میں رغبت کرو جہاں تم نے جانا ہے اور وہاں ہمیشہ رہتا ہے۔“

یہ ارشادات نبوی سننے کے بعد وہ اپنے وطن واپس چلے گئے۔ انہوں نے ان زریں وصایا

کو یاد رکھا اور ان پر اللہ کی توفیق اور حضور کی برکت سے عمل پیرا رہے۔ (2)

وائل بن حجر کی آمد

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں، ان کے علاوہ دیگر محدثین، بزاز اور طبرانی نے یہ واقعہ وائل کی زبانی نقل کیا ہے:

1۔ احمد بن زبیلہ حبان، ”السیرۃ النبویہ“، جلد 3، صفحہ 53 و ”خاتم النبیین“، جلد 2، صفحہ 1152 و ”زوائد المعاد“، جلد 3،

وائل نے بتایا کہ جب اللہ کے رسول کی بعثت کی اطلاع ملی تو میں اس وقت ایک بڑی مملکت کا سربراہ تھا۔ ہر قسم کی آسائشیں اور راحتیں میسر تھیں۔ میں نے ان سب کو پس پشت ڈال دیا اور اللہ اور اس کے رسول کی رضا کیسے میں سب کچھ چھوڑ کر یہاں آیا۔ جب مدینہ طیبہ پہنچا تو صحابہ کرام نے مجھے بتایا کہ تمہارے یہاں پہنچنے سے تین دن پہلے اللہ کے رسول نے اپنے صحابہ کرام کو تمہاری آمد کا مشورہ سن لیا تھا۔ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، سلام پیش کیا، حضور نے اس سلام کا جواب دیا۔ پھر اپنی ردائے مبارک بچھائی اور مجھے پکڑ کر اس کے اوپر بٹھادیا۔ پھر نبی کریم ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور مجھے اپنے ساتھ منبر پر بٹھایا۔ اور دونوں مبارک ہاتھ اٹھائے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، اتنے میں سب لوگ جمع ہو گئے۔ حضور نے روئے سخن حاضرین کی طرف کرتے ہوئے فرمایا:

”اے لوگو! یہ وائل بن حجر ہے جو بڑے دور دراز حضور موت کے عداقتہ تمہارے پاس آیا ہے اور اپنی آزاد مرضی سے آیا ہے۔ کسی نے اس کو مجبور نہیں کیا۔ یہ اللہ کی رضا اور اس کے رسول کی رضا کا طلبگار بن کر آیا ہے، یہ بادشاہوں کی باقی ماندہ اولاد سے ہے۔“

وائل کہتا ہے کہ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! جو نبی مجھے حضور کی بعثت کا علم ہوا، میں اپنا ملک، شاندار محلات، آرام و آسائش کے جہد و سائل کو اوداع کہہ کر اللہ کا دین سیکھنے کیلئے حضور کے قدموں میں حاضر ہوا ہوں۔ حضور نے فرمایا صَدَقْتَ ”جو تو نے کہا ہے سچ کہا ہے۔“

حضور نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے حاضرین کو نصیحت کی۔ اس کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتا۔ یہ ابھی ابھی اپنا ملک چھوڑ کر یہاں آیا ہے۔

میں نے کہا، میرے خاندان والوں نے میری مملکت مجھ سے چھین لی ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا فکر مت کرو! میں تمہیں اس سے دگنی مملکت کا دان بنا دوں گا۔

طبرانی اور ابو نعیم سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس کو منبر پر اپنے ساتھ بٹھایا، اس کے لئے دعا فرمائی، اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بارگاہ الہی میں عرض کی اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِفِيْ وَابْنِ عَدَدٍ وَلِيْكَ اے بندہ وائل اور اس کی اولاد و اولاد کو اپنی برکتوں سے نواز دے۔ رحمت عالم ﷺ نے حضرت معاویہ بن ابوسفیان کو حکم دیا کہ ان کو حرہ کے علاقہ میں

ایک مکان میں ٹھہراؤ۔ حضرت معاویہ ان کے ساتھ چل پڑے۔ گرمی بڑی شدید تھی۔ دھوپ کی وجہ سے کنکریاں اور سنگریزے انگاروں کی طرح گرم تھے۔ حضرت امیر معاویہ نے اسے کہا **أَرَدَفْنِي خَلْفَكَ** ”مجھے اپنے پیچھے سوار کر لے۔“ وائل نے کہا **لَسْتُ مِنْ أَرْدَافِ الْمُلُوكِ** تم ان لوگوں سے نہیں ہو جو بادشاہوں کے پیچھے سوار ہوتے ہیں۔“ پھر آپ نے کہا، اپنے جوتے مجھے دیدو تاکہ پہن لوں۔ اس نے کہا کہ میں نے جوتے پہن لئے ہیں اب میں تمہیں نہیں دے سکتا۔ آپ نے کہا، ان سنگریزوں نے میرے پاؤں جلادینے ہیں۔ اس نے کہا کہ میری اونٹنی کے سائے میں چلو یہی تمہارے لئے بڑا شرف ہے۔ (1)

وفد النخع

قبائل عرب کے وفدوں میں یہ آخری وفد ہے جو بارگاہ رسالت میں ماہ محرم سنہ ۱۱ ہجری میں حاضر ہوا۔ یہ وفد دو سوا افراد پر مشتمل تھا۔ پہلے وہ رملہ بن حارث کے گھر جو دارالاضیاف کے طور پر استعمال ہوتا تھا، اس میں اقامت گزین ہوئے۔ پھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنے اسلام قبول کرنے کا اقرار کیا۔ انہوں نے حضرت معاذ بن جبل کے ہاتھ پر یمن میں ہی اسلام کی بیعت کی تھی۔

اس وفد میں ایک شخص زرارہ بن عمرو نامی تھا۔ وہ بھی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی، یا رسول اللہ! میں نے اپنے اس سفر میں ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے خوفزدہ کر دیا ہے۔ حضور نے پوچھا، تم نے کیا خواب دیکھا ہے؟ اس نے کہا، خواب میں اپنی ایک گدھی دیکھی ہے جس کو میں اپنے گھر چھوڑ آیا تھا۔ اس نے ایک بچہ جنا ہے جو سیاحی ماکل سرخ ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا، کیا تم اپنی کنیز پیچھے چھوڑ آئے ہو جو حاملہ تھی۔ اس نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں ایک کنیز چھوڑ آیا ہوں میرا گمان ہے وہ حاملہ تھی۔ حضور نے فرمایا، پھر اس نے بچہ جنا ہے جو تیرا بیٹا ہے۔ یا رسول اللہ! پھر وہ سرخ سیاحی ماکل کیوں ہے؟ حضور نے اسے فرمایا، میرے نزدیک آؤ۔ جب بالکل نزدیک ہو گیا، حضور نے پوچھا، کیا تیرے جسم پر برص کا نشان ہے جس کو تم ہمیشہ چھپائے رہتے ہو؟ اس نے کہا، اس ذات

1۔ ”قام المستعین“، جلد 2، صفحہ 1152 و ”سبل الہدی“، جلد 6، صفحہ 665 و الامام، لمبعلی، ”دلائل النبوة“، جلد 5، صفحہ

349 و ابن کثیر، ”السيرة النبوية“، جلد 4، صفحہ 154

کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے حضور کی ذات کے بغیر کسی کو بھی برص کے اس داغ کا کوئی علم نہیں۔ حضور نے فرمایا، اس کی یہ رنگت اس برص کے داغ کی وجہ سے ہے۔

اس نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں نے خواب میں نھان بن منذر کو دیکھا ہے، اس کے کانوں میں آویزے ہیں، اس کے ہاتھوں میں کڑے ہیں اور اس کا لباس بڑا خوبصورت اور شاندار ہے۔ حضور نے فرمایا، اس سے مراد ملک عرب ہے جو اپنی شان و شوکت سے ظہور پذیر ہو گا۔

پھر اس نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا جو زمین سے نکل رہی ہے۔ فرمایا یہ دنیا کی باقی ماندہ عمر ہے۔ پھر اس نے عرض کی، میں نے ایک آگ دیکھی جو زمین سے نکل رہی ہے اور میرے اور میرے بیٹے عمرو کے درمیان حائل ہے۔ حضور نے فرمایا، یہ وہ فتنہ ہے جو آخری زمانہ میں ظاہر ہو گا۔ اس نے عرض کی، یا رسول اللہ! کیسا فتنہ ہو گا؟ حضور نے ارشاد فرمایا، لوگ اپنے امام کو قتل کر دیں گے، پھر آپس میں دست بگریباں ہو جائیں گے۔ جو بدکار ہے وہ اپنے آپ کو صالح ترین سمجھنے لگے گا۔ مومن کا خون مومن کے نزدیک پانی سے بھی زیادہ ارزاں ہو جائے گا۔ اگر تیرا بیٹا مر گیا تو تو اس فتنہ کو پائے گا اور اگر تو مر گیا تو تیرا بیٹا اس فتنہ میں مبتلا ہو گا۔ اس نے عرض کی، یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعاں تھیں کہ میں اس فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ چنانچہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے دعا مانگی اَللّٰهُمَّ لَا يُدْرِكْهَا الْاَبْيَی اس فتنہ سے اس کو بچانا۔ ”چنانچہ وہ آدمی فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا فتنہ میں مبتلا ہوا اور وہ فتنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منصب خلافت سے معزول کرنے کا فتنہ تھا۔

وامثلہ بن اسقع کی آمد

وہ کہتے ہیں کہ میں اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے اپنے گھروالوں کو چھوڑ کر روانہ ہوا۔ مدینہ طیبہ پہنچا۔ اس وقت حضور نماز میں مصروف تھے۔ آخری صف میں مجھے جگہ ملی، میں نے وہاں نماز کی نیت باندھ لی۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب نماز سے فارغ ہوئے تو میرے پاس تشریف لائے، دریافت فرمایا، مَا تَحْتَاجُ لَهَا؟ ”تم یہاں کس مقصد کیسے

آئے ہو؟“ میں نے عرض کی۔ اسلام قبول کرنے کیلئے۔ فرمایا، تمہارے لئے بہتر ہے۔ پھر پوچھا، تم ہجرت کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی، بیشک۔ فرمایا، کون سی ہجرت؟ اسلام قبول کرنے کے بعد پھر اپنے اہل خانہ کے پاس واپس چلے جاؤ گے یا رہو گے؟ میں نے عرض کی، ان دونوں میں سے جو بہتر ہو۔ حضور نے فرمایا، ہمیشہ یہاں رہنے والی ہجرت بہتر ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اسے چند نصیحتیں کیں جو ہم سب کیلئے سرمایہ نجات و فلاح ہیں۔ آپ بھی انہیں سنئے، یاد رکھئے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کیجئے، سرکارِ دو عالم نے فرمایا:

عَلَيْكَ بِالنَّطَاعَةِ فِي عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ وَمَنْشَطِكَ وَ
مَكْرَهِكَ -

”یعنی تم ہر حالت میں اطاعت گزار رہو۔ اپنی تنگ دستی میں بھی اور خوشحالی میں بھی، خوشی کی حالت میں بھی اور ناپسندیدگی کی حالت میں بھی۔“

میں نے عرض کی، بیشک میں اسی طرح اطاعت گزار رہوں گا۔ پھر حضور نے اپنا دست مبارک میری طرف بڑھایا اور میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ حضور نے مجھے دیکھا کہ میں اپنے نفس کیلئے کوئی استعناء (رعایت) طلب نہیں کر رہا۔ حضور نے فرمایا، یہ بھی کہو رَفِئِمَا اسْتَطَعْتَ ”جہاں تک اطاعت میری طاقت میں ہوگی۔“

میں نے وہی الفاظ دہرا دیئے رَفِئِمَا اسْتَطَعْتَ
مرشد برحق نے یہ الفاظ کہلوا کر اپنا دست مبارک میرے ہاتھ پر رکھا۔ (1)

اشعریون اور اہل یمن کا وفد

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پاس ایک ایسی قوم آنے والی ہے جن کے دل تم سب سے زیادہ رقیق اور نرم ہیں۔ حضور کے ارشاد کے کچھ دیر بعد اشعریون کا وفد مدینہ طیبہ میں وارد ہوا۔ اس وقت وہ یہ رجز پڑھ رہا تھا۔

عَدَا نَلَقَى الْحَبَبَةَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَهُ

”کل ہم اپنے پیارے دوستوں سے ملاقات کریں گے جی محمد عربی سے اور آپ کے صحابہ سے۔“

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

جَاءَ أَهْلَ الْيَمَنِ هُمُ أَرْقُ أَقْبَدًا وَأَضْعَفُ قُلُوبًا
وَالْإِيمَانُ يَمَانٌ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَّةٌ وَالسَّيِّئَةُ فِي
أَهْلِ الْغَنَمِ وَالْفَخْرُ وَالْخِيَلُ فِي الْفُتَادِ الَّذِينَ مِنْ
أَهْلِ الْوَبْرِ قَبْلَ مَطْلَعِ الشَّمْسِ -

”اہل یمن آگئے ہیں، ان کے دل بڑے نرم در رقیق ہیں۔ یمن بھی یمنیوں کا ہے اور حکمت و دانائی بھی یمنیوں کا حصہ ہے۔ سبکین و طمانینت بکریاں پالنے والوں کا شیوہ ہے اور اونٹوں کے مالکان میں فخر اور غرور زیادہ ہوتا ہے اور ان کا مسکن مشرقی طرف ہے۔“

صحیح بخاری میں ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کے چند افراد ضر خدمت ہوئے۔ حضور انور علیہ السلام نے انہیں فرمایا، اے بنی تمیم! تمہیں بشارت ہو۔ انہوں نے کہا، آپ نے ہمیں بشارت دی ہے تو ہمیں مال و دوست سے بھی کچھ دیجئے۔ ان کی اس دیت گزیدہ ذہنیت کے باعث حضور کے رخ انور کی رنگت تبدیل ہو گئی۔ کچھ دیر بعد اہل یمن کا ایک وفد آیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بنو تمیم کو بشارت دی لیکن انہوں نے اس بشارت کو قبول نہیں کیا۔ میں اب تمہیں بشارت دیتا ہوں، تم اس کو قبول کرو۔ انہوں نے عرض کی، ہم بصد شوق حضور کی دی ہوئی بشارت کو قبول کرتے ہیں۔ پھر عرض کی، یا رسول اللہ! ہم دین کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہمیں بتائیے کہ اس کائنات کی تخلیق کی ابتدا کیسے ہوئی؟ فرمایا کہ پہلے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز موجود نہ تھی۔ اس کا عرش پانی کے اوپر تھا۔ اس نے ہر چیز کو موجد محفوظ میں تحریر کر دیا ہے۔

یہ شرف قبولیت انہیں کیوں ارزانی فرمایا گیا؟ اس کے بارے میں شیخ بوزبرہ لکھتے ہیں کہ:

”حضور کے اولین جان نثار مدینہ طیبہ کے دو قبیلے اوس و خزرج تھے۔ جن کا اصل

وطن یمن تھا۔ حضور کو ان کے اس اسلامی جذبہ کے باعث ان سے قلبی محبت تھی کیونکہ ان کا آبائی وطن یمن تھا۔ اس لئے حضور کے قلب مبارک میں یمن کے خطہ اور اس میں بسنے والے وہاں کے تمام باشندوں کیلئے بڑی محبت کے جذبات موجزن تھے۔“ (1)

وقد دوس

بنی دوس قبیلہ کے سردار طفیل بن عمرو اپنے ایمان لانے کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں:

”میں کسی کام کیلئے مکہ مکرمہ آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اللہ تعالیٰ کا حبیب وہاں تشریف فرما تھا۔ جب اہل مکہ کو پتہ چلا کہ قبیلہ دوس کا رئیس ان کے شہر میں آیا ہے تو انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ بھی حضور کی دلنشین باتیں سن کر اپنے آبائی دین کو ترک نہ کر دے اور اسلام کو قبول نہ کر لے۔ اس لئے انہوں نے میرا گھبراؤ کر لیا۔ ہر وقت میرے ساتھ رہتے اور مجھے حضور ﷺ سے دور رکھنے کیلئے ہر ممکن کوشش کیا کرتے۔ وہ مجھے کہتے کہ تم ہمارے شہر میں تشریف لائے ہو۔ آج کل اس شہر میں ایسا آدمی ظاہر ہوا ہے جس نے یہاں کا امن و سکون غارت کر دیا ہے۔ بھائی کو بھائی کا، بیٹے کو باپ کا اور بیوی کو خاوند کا باغی بنا دیا ہے۔ وہ بڑا ماہر جادوگر ہے، پھونک مارتا ہے اور دلوں میں ایک دوسرے کیلئے نفرت و حقارت کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں۔ ہمیں یہ خدشہ ہے کہ کہیں آپ بھی اس کے جال میں پھنس نہ جائیں اور آپ کا قبیلہ اس المیہ سے دوچار ہو جائے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ نہ آپ ان کی مجلس میں بیٹھیں، نہ ان سے گفتگو کریں اور نہ ان کی کوئی بات سنیں۔“

طفیل کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات اتنی بار مجھے کہی کہ میں نے عزم کر لیا کہ میں ایسے شخص سے کبھی ملاقات نہ کروں گا، نہ اس سے گفتگو کروں گا اور نہ اس کی مجلس میں بیٹھ کر اس کی باتیں سنوں گا۔ چنانچہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ غیر شعوری طور پر بھی ان کی آواز میرے کانوں تک نہ ٹکرائے۔ میں نے ان گلی کوچوں میں آمد و رفت بھی بند کر دی جہاں حضور کی آمد و رفت ہو کرتی تھی۔

ایک روز صبح سویرے میں مسجد حرام میں گیا اور اس وقت اللہ کا پیارا رسول ﷺ کعبہ مقدسہ کے سامنے نماز ادا کر رہا تھا۔ میں ان کے کچھ قریب کھڑا ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کی رسی آواز میرے کانوں میں پڑے اور میرے دل میں اتر جائے۔ چنانچہ میں نے حضور کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے سنا۔ قرآن کریم کے بیٹھے بول سن کر میں حیران و ششدر رہ گیا۔ میں نے اپنے آپ کو ملامت کرنا شروع کی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا

”اے طفیل! تیری ماں تجھے روئے۔“ بخدا! تو دانا ہے اور اپنے ملک کا نغز گوشہ عر ہے۔ تجھ پر کلام کا حسن اور اس کی قباحت ملتبس نہیں ہو سکتی۔ میں کیوں اپنے آپ کو اس ہستی کے کلام سننے سے باز رکھ رہا ہوں۔ مجھے ان کا کلام سننا چاہئے، اگر وہ کلام اچھا ہوا تو میں اس کو قبول کر لوں گا اور اگر قبیح ہوا تو اسے نظر انداز کر دوں گا۔ چنانچہ میں کچھ وقت حرم شریف میں ٹھہرا یہاں تک کہ سرور عالم ﷺ اپنے کاشانہ اقدس کی طرف تشریف لے گئے۔ میں حضور کے پیچھے پیچھے چلنے لگا یہاں تک کہ حضور اپنے کاشانہ اقدس میں داخل ہو گئے۔ میں نے دستک دی اور حضور کی خدمت میں عرض کی، یا محمد! آپ کی قوم نے مجھے آپ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں سنائی ہیں، وہ مجھے اس بات سے ڈراتے رہے کہ میں آپ کا کلام نہ سنوں ورنہ آپ کا جادو مجھ پر بھی ٹر کر جائے گا اور میں کسی کام کا نہیں رہوں گا۔ اس خوف سے کہ آپ کی آواز غیر شعوری طور پر میرے کانوں میں پڑے میں نے کانوں کے سوراخ روئی سے بند کر دیئے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ میں آپ کے کلام معجز نظام کے سننے سے محروم رہوں۔ اس لئے آج صبح جب آپ نماز میں کلام الہی کی تلاوت کر رہے تھے تو مجھے اس کلام کے سننے کا موقع نصیب ہوا۔ میں اب حاضر خدمت ہوا ہوں۔ مجھے اپنی دعوت کے بارے میں تفصیل سے بتائیے۔ نبی رحمت ﷺ نے مجھے اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ قرآن کریم کی آیات بینات کی تلاوت فرمائی۔ میں نے کہا، بخدا! میں نے آج تک اس سے بہتر اور اس سے دانشمین کلام کبھی نہیں سنا۔ میں اب اسلام قبول کرتا ہوں اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے اور آپ اس کے سچے رسول ہیں۔

پھر میں نے عرض کی، اے اللہ کے محبوب نبی! میں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ میں جو حکم دوں وہ اس کی تعمیل میں ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔ میں اب ان کی طرف واپس جا رہا ہوں۔ وہاں جا کر انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دوں گا۔ حضور میرے لئے دعا فرمائیں۔ مجھے

اللہ تعالیٰ کوئی ایسی نشانی عطا فرمائے جس کی وجہ سے وہ میری دعوت قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کی **اللَّهُمَّ اجْعَلْ لَهُ آيَةً** ”اے اللہ! اس کے لئے کوئی نشانی بنا دے۔“ چنانچہ میں حضور سے اجازت لے کر اپنی قوم کی طرف آیا۔ جب میں اس گھائی پر پہنچا جس کے دامن میں میری قوم اقامت گزیر تھی تو میری دونوں آنکھوں کے درمیان سے روشنی نکلنے لگی جیسے کوئی روشن چراغ ہو۔ میں نے عرض کی، اے اللہ! یہ نشانی میرے چہرے کے علاوہ کسی دوسری جگہ پر ظاہر ہو، ورنہ میری قوم مجھے کہے گی کہ تم نے ہمارے بتوں کو چھوڑا ہے اس نافرمانی کی نحوست کے باعث تمہارا چہرہ بگڑ گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وہی روشنی میرے عصا کے اوپر والے کنارے میں ظاہر کر دی اور دور سے دیکھنے والے کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ میں نے اپنے عصا کے ساتھ کوئی قدیل آویزاں کی ہوئی ہے۔

میں اپنے قبیلہ میں پہنچا، صبح سویرے میرے والد صاحب مجھے ملنے کیلئے آئے، وہ کافی بوڑھے تھے۔ جب وہ میرے نزدیک ہوئے تو میں نے کہا، ابا جان! مجھ سے دور رہئے۔ میرا اور آپ کا تعلق ختم ہو چکا ہے۔ میرے والد نے پوچھا، بیٹے یہ کیونکر؟ میں نے کہا کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور دین محمدی کا پیروکار بن گیا ہوں، اس لئے میرے اور آپ کے سارے رشتے ختم ہو گئے۔ پھر باپ نے کہا، بیٹے! یہ جو تیرا دین ہے وہی میرا دین ہے، میں بھی اس نبی کا پیروکار ہوں جس کی اطاعت تم نے اختیار کی ہے۔ طفیل نے باپ کو کہا، پھر آپ جا کر غسل کیجئے، پاکیزہ لباس پہن کر میرے پاس تشریف لائیے تاکہ جو علم سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھے سکھایا ہے وہ میں آپ کو سکھاؤں۔ چنانچہ طفیل کے والد گئے، غسل کیا، نئے پاک کپڑے پہنے، اپنے بیٹے کے پاس آئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ طفیل کہتے ہیں، پھر میری بیوی میرے پاس آئی۔ میں نے اسے کہا، مجھ سے دور ہو جاؤ، نہ میرا تمہارے ساتھ کوئی تعلق ہے اور نہ تمہارا میرے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ اس نے کہا کہ میرے ماں باپ تجھ پر قربان! یہ کیسے؟ میں نے اسے بتایا کہ اسلام نے میرے اور تمہارے درمیان جدائی کر دی ہے۔ میں اسلام لے آیا ہوں اور دین محمدی کو قبول کر لیا ہے۔ اس نے کہا کہ میرا دین بھی وہی ہے جو تیرا دین ہے۔ میں نے اسے کہا کہ جاؤ، غسل کرو۔ وہ گئی، غسل کیا،

پھر میرے پاس آئی، میں نے اس کے سامنے دین اسلام کے بنیادی عقائد بیان کئے، اس نے اسے قبول کیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

پھر میں نے اپنے قبیلہ کے دوسرے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے میری بات ماننے میں تامل سے کام لیا۔ میں رنجیدہ خاطر ہو کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور عرض کی، یا رسول اللہ! میری قوم نے میری دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ زنا کے بڑے شائق ہیں اور اسلام اس فعل شنیع سے سختی سے منع فرماتا ہے۔ آپ ان کے لئے بددعا فرمائیں۔ رحمت عام ﷺ نے اپنے رب کی جناب میں عرض کی:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسَنَا اِلَى الْاِسْلَامِ

”یا اللہ! قبیلہ دوس کو اسلام قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔“

پھر حضور نے فرمایا، جاؤ اور اپنی قوم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دو اور ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو۔ چنانچہ سفر سے وطن واپس آکر میں نے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر میں مدینہ طیبہ زیارت کیلئے حاضر ہوا۔ اس وقت اللہ کا برگزیدہ رسول خیبر میں تشریف فرما تھا۔ چنانچہ میں نے خیبر جا کر اپنے حبیب کے روئے نور کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اس سفر میں میرے ساتھ میرے قبیلہ کے ستر، اسی گھرانے تھے جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ حضور ﷺ نے مال غنیمت سے ہم تمام کو بھی حصہ عطا فرمایا۔

سرکار دو عالم ﷺ کے انتقال پر مدلل کے بعد ارتداد کی ہر چہ تودوس قبیلہ کا سردار طفیل لشکر اسلام کی معیت میں نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے خلاف جنگ میں مصروف رہا۔ پہلے طلحہ اسدی کو شکست فاش ہوئی۔ پھر یہی طفیل یمامہ کے میدان میں مسیلہ کذاب کے لشکر کے ساتھ معرکہ آرا ہوئے۔ ان کا بیٹا عمرو بھی اس سفر جہاد میں ان کے ہمراہ تھا۔ یمامہ کے میدان میں حضرت طفیل نعمت شہادت سے سرفراز کئے گئے اور ان کے بیٹے کو شدید زخم آئے۔ پھر یہ نوجوان عہد فاروقی میں جنگ یرموک میں شامل ہوا، اس میدان میں اس کو شہادت کا تاج پہنایا گیا۔ (1)

وفد مزینہ

اہل تحقیق کے نزدیک مزینہ قبیلہ کے دو وفد مختلف اوقات میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ پہلا وفد صرف دس افراد پر مشتمل تھا اور اس کا قائد خزاعی بن عبد کہم تھا۔ خزاعی نے خود بھی بیعت کی اور اپنی قوم کی طرف سے اسلام کی بیعت کی۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ جب وہ واپس جائے گا اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دے گا تو وہ تمام بعد شوق و مسرت اس دعوت کو قبول کر میں گے۔ لیکن جب یہ اپنی قوم کے پاس آیا اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے اس دعوت کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

خزاعی اور اس کے دس ساتھی اسلام کی تبلیغ میں سرگرم عمل رہے یہاں تک کہ اس قبیلہ کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کر لیا اور دوسری مرتبہ چار سو افراد پر مشتمل اس قبیلہ کا وفد مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا۔ اس دوسرے وفد کی آمد کی تاریخ صحیح حدیبیہ کے بعد یہ فہم کے بعد بیان کی گئی ہے۔ جب یہ چار صد افراد کا وفد واپس جانے لگا تو رحمت عالم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا **يَا عُمَرُ ذَوْدُ الْقَوْمِ** "اے عمر اس قوم کے زوارہ کا انتظام کرو۔" آپ نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس قلیل مقدار میں کھجوریں ہیں، یہ تنے لوگوں کیلئے زاد سفر کا کام دیں گی؟ حضور نے دوبارہ فرمایا **لَا تُطْلِقْ وَذَوْدُهُمْ** "جو دور ان مہمانوں کے زاد سفر کا انتظام کرو۔" حضرت فاروق یہ حکم سنتے ہی انہیں ہمارے کرپے گھر تشریف لائے۔ پھر اوپر والے چوبارے میں انہیں لے گئے۔ جب وہ اس کمرے میں داخل ہوئے تو کھجوروں کا بہت بڑا ڈھیر وہاں موجود پایا، گویا خاکستری رنگ کا کوئی مونا تازہ اونٹ بیٹھا ہوا ہے۔ ان لوگوں کو جتنی ضرورت تھی جھوپیاں بھر بھر کر کھجوریں وہاں سے لے لیں۔ حضرت نعمان کہتے ہیں کہ میں سب سے آخر میں اس کمرے سے نکلا، جب میں نے کھجوروں کے ڈھیر پر آخری نگاہ ڈالی تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس ڈھیر سے کسی نے کھجور کا دانہ بھی نہیں اٹھایا۔ (1)

وفد فزارہ

رسول اکرم ﷺ غزوہ تبوک سے جب واپس تشریف لائے تو بنو فزارہ کا وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے افراد کی تعداد دس پندرہ کے درمیان تھی اور ان میں عیینہ بن حصین کا بھتیجا حسن بن قیس بھی تھا جو وفد میں سب سے کمسن تھا۔ یہ ہارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنے سلام کا اقرار کیا۔ یہ لوگ اس وقت قحط سالی کے باعث بڑی مشکل میں مبتلا تھے۔ ان کی سواری کے اونٹ بڑیوں کے ڈھانچے بن چکے تھے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے ان کے وطن کے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! عرصہ دراز گزر گیا ہے بارش کی ایک بوند نہیں پئی، ہمارے جانور ہلاک ہو گئے ہیں، ہماری زمینیں خشک ہو گئی ہیں اور ہمارے بچے بھوکے مر رہے ہیں، خدا را! اللہ تعالیٰ کی جناب میں ہمارے لئے شفاعت فرمائیں تاکہ تھپاک ہم پر بر رحمت برسائے۔

ان کی اس خستہ حالی کے بارے میں سن کر حضور پر رقت طاری ہو گئی۔ حضور منبر پر تشریف لے گئے۔ اپنے ہاتھ بلند کئے اور بارش کیسے دعا کی۔ اس مبارک دعا کا متن ملاحظہ فرمائیں:

اے اللہ! اپنے شہروں اور موبیشیوں کو
سیراب فرما۔

اللَّهُمَّ اسْقِ بِلَادَكَ وَبِقَاعَكَ

اپنی رحمت کو اپنی مخلوق پر پھیلا دے۔
اور وہ بستیاں جو قحط سالی کی وجہ سے مر چکی ہیں ان کو دوبارہ زندہ فرما دے۔

وَأَنْشُرْ رَحْمَتَكَ
وَأَحْيِ بِلَادَكَ الْمَيِّتَةَ

اے اللہ! ہم پر بارش نازل فرما، جو فریاد
رسی کرنے والی ہو، آرام پہنچانے والی
ہو، سرسبز و شاداب کرنے والی ہو،
بڑے وسیع خطہ پر ہو،

اللَّهُمَّ اغْنِنَا مَغْنَنًا مَرْمَعًا مَرْمَعًا
وَأَسْعًا عَاجِلًا غَيْرَ آجِلٍ نَافِعًا
غَيْرَ ضَارٍ۔

جلدی ہو، تاخیر سے نہ ہو، نفع دینے

والی ہو، ضرر دینے والی نہ ہو۔

اے اللہ! یہ تیری رحمت کا باعث ہو،
عذاب کا باعث نہ ہو، اس سے مکان
نہ گریں، مویشی ڈوب نہ جائیں۔ کوئی
چیز جل نہ جائے۔

اللَّهُمَّ سُقْيَا رَحْمَةً لَا سُقْيَا عَذَابٍ
وَلَا هَدِيمٍ وَلَا غَرَقٍ وَلَا مَحْجِقٍ

اے اللہ! ہمیں بارش سے سیراب فرما
اور دشمنوں پر غلبہ عطا فرما۔

اللَّهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ
وَانْصُرْنَا عَلَى الْأَعْدَاءِ

یہ بابرکت دعا جب زبان مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے نکلی تو بارگاہ الہی میں اس
کو قبولیت نصیب ہوئی اور اتنی بارش ہوئی کہ بنو قریظہ کے علاقہ میں قحط سالی کا نام و نشان بھی
باقی نہ رہا۔ (1)

وفد بہرہاء

یمن کے علاقہ سے قبیلہ بہرہاء کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا۔ یہ وفد تیرہ افراد پر مشتمل
تھا۔ یہ اپنے سواری کے جانوروں کو ہانکتے ہوئے حضرت مقداد بن اسود کے گھر کے
دروازے پر پہنچے۔ انہوں نے اس روز اپنی اولاد کیلئے ایک حلوہ تیار کیا ہوا تھا۔ جو ایک بہت
بڑے لگن میں رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے نووارد مہمانوں کے سامنے پیش کر دیا۔ انہوں
نے خوب سیر ہو کر کھایا لیکن پھر بھی بچ رہا اور حضرت مقداد کی ساری اولاد نے بھی اس
سے پیٹ بھر کر کھایا۔ پھر بھی یوں پتا چلتا تھا کہ اس حلوہ میں سے کسی نے کچھ بھی نہیں لیا۔
پھر انہوں نے ایک پیالے میں یہی کھانا ڈال کر حضور کی بارگاہ رحمت میں بھیجی۔ ان کی خادمہ
سدرہ یہ لے کر حاضر ہوئی۔ اس روز سرکارِ دو عالم ﷺ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی
اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں تشریف فرما تھے۔ حضور کی خدمت میں سدرہ نے پیالہ پیش
کیا۔ حضور نے پوچھا کیا ضباۃ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کی، ہاں۔ یا رسول اللہ۔ حضور
نے فرمایا، رکھ دو۔ پھر فرمایا تمہارے مہمانوں کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی، ہمارے ہاں قیام
فرما ہیں۔ پھر حضور کے کاشانہ اقدس میں جتنے افراد تھے سب نے سیر ہو کر کھایا اور سدرہ کو بھی

کھلایا۔ جب سب سیر ہو گئے تو حضور نے فرمایا، سدوہ جو باقی بچ گیا ہے وہ مہمانوں کیسے لے جاؤ۔ سدوہ کہتی ہے کہ میں نے وہ پیالہ اپنی، لکھ کے سامنے پیش کر دیا جتنا عرصہ وہ مہمان مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر رہے یہی کھانا ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا رہا۔ مہمان بڑے حیران ہوئے اور ایک دن انہوں نے حضرت مقداد کو کہا کہ تم ہر روز دن میں کئی بار ہمیں مذید ترین کھانا کھلاتے ہو، ہمارے ہاں تو ایسا کھانا کبھی کبھار کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ ہمیں تو یہ بتایا گیا تھا کہ تمہارے ہاں خوراک کی بڑی قلت ہے لیکن ہم تو ہر دفعہ خوب پیٹ بھر کر کھاتے ہیں۔ حضرت مقداد نے انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب نے اپنی بابرکت انگلیاں اس کھانے کو لگائی ہیں یہ ہمارے آقا کی انہی انگلیوں کی برکت ہے کہ یہ کھانا ختم ہونے میں نہیں آتا۔

حضور کا یہ معجزہ دیکھ کر ان میں مزید تقویت پیدا ہوئی اور دو دو بار یہ کہتے تھے **هَذَا مِنْ رِزْقِ رَسُولِ اللَّهِ** ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور اکرم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔“

مدینہ منورہ میں اپنے قیام کے دوران انہوں نے دینِ اسلام کے فرائض سیکھے۔ قرآن کریم کی کئی سورتیں یاد کیں۔ پھر الوداعی سلام عرض کرنے کیسے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ ان کو بھی اس انعام و اکرام سے نوازیں جس سے دوسرے وفود کے ارکان کو نواز جاتا ہے۔ (1)

وفد بنی عذرہ

۹ صفر سنہ 9 ہجری میں بارہ افراد کا ایک وفد مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ جمرہ بن زعمان بھی اس وفد میں شامل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا **مِنَ الْقَوْمِ؟** آپ کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ ان کے ترجمان نے جواب دیا **مِنَ بَنِي عَدْرِہَ ذَوُوہِ فَصْلَہِ یُحِبُّونَ عَزْرَہُ** کی اولاد ہیں اور عذرہ قصی کا ماں کی طرف سے بھائی تھا۔“ ہم وہی گوب ہیں جسوں نے قصی کی امداد کی اور وادی مکہ سے خزاعہ اور بنی بکر کے تسلط کا خاتمہ کیا۔ ہماری بڑی قربتیں ہیں اور بڑی رشتہ داریاں ہیں۔ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا **مَنْ حَبَلَاکُمْ وَأَهْلًا** میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں، تم اپنے گھر والوں کے پاس آ گئے ہو۔“ چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ نبی محترم نے ان کو خوشخبری دی کہ ہم شام کو فتح کریں گے اور ہر قل یہاں سے راہ فرار اختیار کرے

گا۔ جو حضور نے فرمایا، وہ پورا ہوا۔ عہد فاروقی میں یہ سوک کی فتح کے بعد شام کا سارا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گیا اور ہر قل کو شام کو چھوڑنا پڑا۔ جب وہ شام کی سرحد کو عبور کر رہا تھا تو اس نے نگاہ واپس اس جنت نظیر علاقہ پر ڈالی تو بصد حسرت اس کی زبان سے نکلا:

سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا سُورِيَا سَلَامًا لِقَاءَ بَعْدًا

”اے سوریا الوداع! میں ایسے الوداع کہہ رہا ہوں جس کے بعد ملاقات نہیں ہوگی۔“

سرکارِ دو عالم ﷺ نے انہیں کانہوں کے پاس جانے سے منع فرمایا اور انہیں یہ بتایا کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے اور بعض دیگر توہمات جن میں وہ مبتلا تھے ان سے باز رہنے کی تلقین کی۔ (1)

وفد ثنی

ماہ ربیع الاول سنہ 9 ہجری میں قبیلہ کا ایک وفد مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا۔ ان کے ایک رشتہ دار روہف بن ثابت البلوئی مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر تھے۔ جب انہیں اپنے قبیلہ کے وفد کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے انہیں اپنے پاس ٹھہرایا اور انہیں ساتھ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ یہ میری قوم کے افراد ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا: **يَلْعَاقُ رِجْلَيْكَ** تمہیں اور میری قوم کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ چنانچہ وہ سب اسد سے ملے تو حضور نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَاكُمْ لِلْاِسْلَامِ

”میں اس اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہوں جس نے تمہیں اسلام قبول کرنے کی ہدایت بخشی۔“

جو شخص بھی دین اسلام کو قبول کئے بغیر مرے گادہ دوزخ کا بندھن بنے گا۔“

اس وفد کے ایک بزرگ نے جن کا نام ابو ضیب تھا، عرض کی، یا رسول اللہ! میں مہمانوں کی ضیافت کرنے کا بڑا شوق رکھتا ہوں، کیا مجھے اس ضیافت کے باعث اجر ملے گا؟ حضور نے فرمایا، بیشک ضرور ملے گا۔ ہر چھاکام جو تم کو دخواہ غریب کے ساتھ یا امیر کے

ساتھ، اس کا اجر تمہیں ملے گا۔ پھر اس نے پوچھا کہ ضیافت کی مدت کتنی ہے؟ فرمایا تین دن۔ اس کے بعد ضیافت نہیں ہوگی بلکہ صدقہ ہوگا۔ مہمان کیلئے ضروری ہے کہ تمہارے پاس تین دن سے زیادہ قیام نہ کرے تاکہ میزبان کو خرچ نہ ہو۔ پھر اس شخص نے گمشدہ مویشی کے بارے میں عرض کی، یا رسول اللہ! میں کوئی بھیڑ بکری جنگل میں گھومتی دیکھتا ہوں تو کیا کروں؟ فرمایا **هِيَ لَكَ وَلَا خِيَّتٌ أَوْلِيَتْكَ** ”اس سے تم فائدہ اٹھاؤ گے یا تمہارا بھائی ورنہ اسے بھیڑ یا چک لے گا۔“ پھر عرض کی، اگر گمشدہ اونٹ مل جائے تو پھر کیا حکم ہے؟ فرمایا **هَآلَتْ وَكُنْ** ”تیرا اس سے یہ واسطہ۔“ اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ اس کا مالک خود اس کو پالے۔ حاضری کا شرف حاصل کر۔ کے بعد یہ اپنے میزبان حضرت ربیع بن رافع کے پاس چلے گئے۔ رحمت عالمیہ علیہ السلام ان سے ملاقات کیے حضرت ربیع کے مکان پر تشریف لے جایا کرتے اور اپنے ساتھ کھجوریں لے جاتے۔ حضور حضرت ربیع کو حکم دیتے کہ اپنے مہمان کی میزبانی میں ان کھجوروں کو استعمال کیا کرو۔

اس وفد کے حالات میں دو امور ہماری توجہ کے مستحق ہیں (1) اسلام نے جن مکارم اخلاق کی تعلیم دی ہے اس میں مہمان نوازی کو اہم مقام حاصل ہے اور مہمان نوازی کی مختلف حالتیں ہیں۔ اگر کوئی نووارد ایسی جگہ میں ہو جہاں اسے اشیاء خور و نوش کا مہیا ہونا ممکن نہ ہو تو ایسے مسافر کی مہمان نوازی کرنا فرض اور واجب ہے۔ اگر کوئی شخص دانستہ یا بے احتیاطی برتے گا تو وہ شخص گنہگار ہوگا۔ مثلاً جنگل اور صحراء میں جہاں دور دور تک آبادی کا کوئی نام و نشان نہیں ہوتا، اس علاقہ میں اگر کسی نووارد کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے تو یہ انتہائی قبیح بات ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ لیکن اگر ایسے ماحول میں ہو جہاں خور و نوش اور رہائش کا انتظام ہو تو سکتا ہے لیکن بڑی مشکل کے ساتھ، ایسے حالات میں بھی اس کی مہمان نوازی کرنا واجب کے قریب ہوگا، اور اگر سرنی سے رہائش وغیرہ کا انتظام ہو سکتا ہے تو پھر یہ ایک نیکی ہوگی اور خوش خلقی ہوگی جس کی ہر مسلمان سے بجا طور پر توقع کی جاسکتی ہے۔ رحمت عالم علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَدْيَرُ ضَيْفَهُ

”جو شخص اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے ضروری

ہے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت و توقیر کرے۔“

میزبان کو تو یہ حکم دیا اور ساتھ ہی مہمان کو بھی ہدایت کر دی کہ وہ میزبان کی مہربانی سے غلط فائدہ نہ اٹھائے اور اس کے ہاں ڈیرے نہ ڈال دے یہاں تک کہ اس مہمان کا وجود اس کے لئے ناقابل برداشت ہو جھ بن جائے۔ اس لئے اسے حکم دے دیا کہ وہ تین دن تک کسی کے ہاں مہمان بن کر رہ سکتا ہے لیکن اس سے زیادہ اگر رہے گا وہ میزبانی نہیں ہوگی بلکہ صدقہ ہے اور اسلام کو یہ بات پسند نہیں کہ مہمان میزبان کی تکلیف کا احساس نہ کرے اور وہاں ڈیرہ جما کر بیٹھ جائے۔

دوسرا مسئلہ جو اس وفد کے حارات کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے وہ گمشدہ چیز کی بازیابی کا مسئلہ ہے۔ کسی نے عرض کی، یا رسول اللہ! اگر جنگل میں کوئی گمشدہ بکری مل جائے تو اس کے بارے میں کیا کیا جائے؟ فرمایا، اس کی تین صورتیں ہیں یا تم اس کو اپنی حفاظت میں لے لو۔ ذبح کر کے اس کا گوشت کھاؤ یا اس کا مالک آجائے تو وہ اپنی بکری لے جائے اور اگر مالک نے بھی اسے اپنے قبضہ میں نہیں لیا اور تم نے اس کو اپنے پاس نہیں رکھا تو پھر یقیناً کوئی بھینٹ لائے گا اور اسے چیر پھڑ کر رکھ دے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی چیز جس کو ڈھونڈنے والے اپنے پاس نہیں رکھتا، نہ مالک کو وہ چیز دستیاب ہوتی ہے تو پھر اس کے سوا کیا امکان ہے کہ کوئی بھینٹ لکھ جائے۔ اس سے بہتر ہے کہ جس کو وہ چیز ملی ہے وہ اس کو استعمال میں لائے اور اگر بعد میں اس کا مالک آجائے تو اس کو اس کی قیمت ادا کر دے۔

اگر گمشدہ اونٹ مل جائے تو اس کو اپنے قبضہ میں لینے کی اجازت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسے اعضاء سے مزین کیا ہے کہ مالک کے بغیر بھی وہ بھوکا پیاسا رہ سکتا ہے اور اگر پیاسے رہنے کی نوبت آ بھی جائے تو وہ ان مشقتوں کو برداشت کر سکتا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا، اس کو ہاتھ نہ لگاؤ یہاں تک کہ اس کا مالک اسے تلاش کر لے۔

وفد ذومرہ

جن ایام میں عرب کے وفد بارگاہ رسالت میں آکر حاضر ہوتے تھے۔ اس طرح حضور ان کے حالات سے آگاہی حاصل کرتے تھے، انہیں ایام میں ذومرہ کا ایک وفد جو تیرہ افراد پر مشتمل تھا، مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا۔ ان کے رئیس کا نام حارث بن عوف تھا۔ انہوں نے

ذکر کیا کہ ہمارا نسب رسالت مآب ﷺ کے نسب سے جاملتا ہے۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہم لوگ حضور کی قوم اور حضور کا خاندان ہیں۔ ہمارا جد اعلیٰ وی بن غالب تھا۔ یہ سن کر سرکارِ دو عالم ﷺ نے تبسم فرمایا اور ان کے علاقہ کے حالات کے بارے میں دریافت کیا۔ ان کے رئیسِ حارث نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہم قحط ساری کا شکار ہیں۔ ہر چیز کی شدید قلت ہے۔ موشیوں کیلئے چارہ بھی نہیں، ہمارے سنے دعا فرما میں اللہ تعالیٰ ہم پر بارش نازل فرمائے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے کریم مولا کے دربار میں دستِ مبارک سے دعا کی اور عرض کی:

اللَّهُمَّ اسْقِهِمُ الْغَيْثَ

”اے پروردگار! انہیں بارش سے سیراب فرما۔“

چند روز یہ دُکِ مدینہ طیبہ میں اقامت گزریں رہے پھر وہی کیلئے اجازت مانگی اور بارگاہِ رسالت میں وداعی سلام عرض کرنے کیلئے حاضر ہوئے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک کو دس دس وقیعہ چاندی بطور ہدیہ دی جائے اور ان کے سردار حارث کو بارہ اوقیعہ چاندی دی جائے۔

جب یہ لوگ وطن واپس آئے تو یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ یہاں موسمِ دھار ہارش ہوئی ہے، ہر طرف پانی کے تالاب بھرے پڑے ہیں اور موشیوں کیلئے چاروس زور سے اگا ہے کہ سارا علاقہ تختِ زمرہ نظر آتا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ بارش کس روز ہوئی ہے؟ لوگوں نے جو تاریخ بتائی بعینہ وہی تاریخ تھی جس روز محبوبِ رب العالمین ﷺ نے اپنے رب کی بارگاہ میں نزولِ بارش کیلئے التجا کی تھی۔ (۱)

وقد خولان

یہ وفد جو دس افراد پر مشتمل تھا، شعبان سنہ 10 ہجری میں بارگاہِ رسالت میں ماریا بہ ہوا۔ یہ دُکِ آنے سے قبل ہی مسلمان ہو چکے تھے۔

ان کے ترجمان نے عرض کی، یا رسول اللہ! اپنی قوم کے جو افراد ہم پیچھے چھوڑ گئے ہیں ہم ان کے بھی نمائندے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے چکے ہیں اور اس کے رسولِ مکرّم ﷺ کی

تصدیق کرتے ہیں۔ ہم بڑے دور دراز کی مسافتیں طے کر کے حاضر خدمت ہوئے ہیں۔ ہم اونٹوں پر سوار ہو کر دشوار گزار، کوہستانی اور ریگستانی علاقوں کو طے کرتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے ہیں۔ ہم پر یہ اللہ کا احسان ہے اور اس کے رسول کا احسان ہے کہ ہم حضوکی زیارت کیلئے حاضر ہوئے ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کی دلنوازی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو تم نے کہا ہے کہ ہم طویل مسافتیں طے کر کے یہاں پہنچے ہیں تو یقین رکھو، تمہارے اونٹوں نے جتنے قدم اس راستہ پر اٹھائے ہیں ہر قدم کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نیکی دے گا اور تم نے کہا کہ ہم زیارت کیلئے حاضر ہوئے تو سن لو! جو شخص میری زیارت کیلئے مدینہ طیبہ حاضر ہوتا ہے، قیامت کے دن وہ میرے پڑوس میں ہوگا۔

ان کا ایک بت تھا جس کا نام ”عم انس“ تھا۔ وہ اس کے دل سے گرویدہ تھے اور عجیب و غریب واقعات اس کی طرف منسوب کیا کرتے تھے اور جو انعامات اللہ تعالیٰ ان پر فرمایا کرتا تھا، ان انعامات کو بھی اس بت کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔ انہوں نے یہاں حاضر ہو کر اپنے ایمان کا اعلان کیا اور نبی رحمت ﷺ کو ان کے ایمان کی سچائی کا یقین ہو گیا تو حضور نے ان سے پوچھا، اپنے معبود بت کے ساتھ تم نے کیا سلوک کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی، حضور کو مژدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں وہ دین عطا فرمایا ہے جو حضور لے کر تشریف لائے ہیں۔ ہم میں سے چند بوڑھے مرد اور عورتیں رہ گئی ہیں جو اس کی اویہیت کا دم بھرا کرتی ہیں۔ جب ہم واپس جائیں گے تو سب سے پہلا کام یہ کریں گے کہ عم انس کو ریزہ ریزہ کر دیں۔ حضور ان سے ان کے حالات دریافت کرتے تاکہ ان کے جاہلانہ عقیدوں پر پوری طرح آگاہ ہوں تو حضور نے ان سے پوچھا کہ اب تم بت کا کوئی بڑا کمال بتاؤ جو تم نے دیکھا ہو؟ ان کے ترجمان نے کہا، ایک دفعہ ہم سخت قحط سالی میں مبتلا ہو گئے جو سرمایہ ہمارے پاس تھا وہ جمع کیا اور ہم نے ایک سو بیل عم انس کیلئے قربانی دینے کے لئے خریدے۔ اسی لمحہ بادل گھر کر آ گئے اور موسلا دھار بارش برسی۔ ہمارے لوگ کہتے ہیں کہ عم انس نے ہم پر بڑی مہربانی کی ہے۔ انہوں نے یہ اعتقاد کیا کہ بارش اس بت نے برسائی ہے حالانکہ یہ بے جان مجسمے نہ کوئی نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ان کے ترجمان نے ایک اور بات بھی بتائی کہ ہم اپنے مویشیوں سے کچھ مویشی اللہ کے نام اور کچھ اس بت کے نام نذر کر دیا کرتے تھے۔ اس طرح اپنے کھیتوں کا کچھ حصہ اللہ کے نام اور کچھ حصہ اپنے

بتوں کیلئے نذر کر دیا کرتے تھے۔ اگر بتوں کے نذر شدہ مویشیوں یا کھیت سے کوئی چیز ضائع ہو جاتی تو ہم اللہ تعالیٰ کے نام نذر کئے ہوئے مویشی کھیت بتوں کی طرف منتقل کر دیتے اور اگر اللہ کے نام کی کوئی چیز کم ہو جاتی تو بتوں کے حصہ کو ادھر منتقل نہ کرتے۔ ان کی اس احمقانہ حرکت کو اللہ نے اپنے کلام مقدس میں یوں بیان فرمایا:

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا
فَمَا لَوْ هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِهِمْ فَمَا كَانَ
لِشُرَكَائِهِمْ قَلِيلٌ يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ قَلِيلٌ
إِلَّا شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (1)

”اور انہوں نے ہمارا کھا ہے اللہ کیلئے اس سے جو پیدا فرماتا ہے فصلوں اور مویشیوں سے مقررہ حصہ۔ اور کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کیلئے ہے۔ تو وہ حصہ جو ہو ان کے شریکوں کیلئے تو وہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کو اور جو حصہ ہو اللہ تعالیٰ کیلئے تو وہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کو۔ کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔“

اس طرح کے غلط تخیلات ان کے اذہان پر مسلط تھے لیکن جب نبی کریم ﷺ نے میخانہ توحید سے جام ظہور پلایا تو ان عقائد باطلہ کی بجائے ہو گئی اور ہدایت، گمراہی سے الگ ہو گئی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کو بڑے دل آویز پند و نصائح سے محفوظ فرمایا۔ ان میں سے چند نصیحتیں یہ ہیں:

أَوْصَاهُمْ بِالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ وَأَذَاءِ الْأَمَانَةِ وَحُسْنِ
الْجَوَارِ لِمَنْ جَاوَزَهُ أَنْ لَا يَظْلِمُوا أَحَدًا۔

”حضور نے انہیں وصیت فرمائی کہ جو وعدہ کریں اسے پورا کریں، جو امانت ان کے پاس رکھی جائے وہ اس کے مالک کو جوں کی توں واپس کریں، اپنے پڑوسیوں کی ہمسائیگی کے حقوق کا پوری طرح خیال رکھیں، کسی پر ظلم نہ کریں۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا کہ جو ظلم وہ کسی پر کریں گے روزِ محشر تہ در تہ

اندھروں میں ظاہر ہوگا۔ پھر انہوں نے دین کے فرائض اور دیگر احکام کے بارے میں دریافت کیا۔ ہر چیز انہیں سکھادی گئی۔ چند روز وہاں قیام کے بعد وہ اپنے وطن لوٹ گئے۔ جب وہ رخصت ہونے لگے تو ان کو عطیات سے نوازا۔ جب وہ اپنے وطن پہنچے تو اپنے اونٹوں سے اترنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے صنم "عم انس" کو پارہ چارہ کر دیا۔ (1)

وفد محارب

ہجرت سے پہلے کی زندگی کے آخری دو سالوں میں حضور کا یہ معمول تھا کہ موسم حج میں جب جزیرہ عرب کے قبائل فریضہ حج ادا کرنے کیلئے مکہ آتے تو حضور ان کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو اسلام کی دعوت پیش کرتے۔ سب سے زیادہ جو قبیلہ قساوت قلبی کا ثبوت دیتا اور حضور کی اس پاکیزہ دعوت کو بڑی حقارت سے ٹھکراتا، وہ یہی قبیلہ محارب تھا۔ اسی لئے تمام قبائل میں سب سے آخر میں ایمان لانے کی انہیں توفیق نصیب ہوئی۔ ان کا یہ وفد سنہ 10 ہجری میں حاضر ہوا۔ یہ وہی سال ہے جس میں حضور نے حجۃ الوداع ادا کیا۔

اس وفد کے افراد کی تعداد دس تھی۔ ان کے قبیلہ کے لوگ جو پیچھے رہ گئے تھے، یہ لوگ ان کی طرف سے بھی نمائندگی کر رہے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے سرکاری مہمان خانوں میں انہیں ٹھہرایا۔ حضرت بلال ان کیلئے ہر روز دوپہر اور رات کا کھانا دے کر آتے یہاں تک کہ انہوں نے حضور کی ملاقات کا شرف حاصل کیا اور وہاں ہی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔

ایک روز نبی کریم ﷺ ظہر سے عصر تک ان کی معیت میں رہے۔ ان میں ایک ایسا آدمی تھا جس کی طرف حضور ﷺ کی باندھ کر دیکھتے رہے۔ اس محارب نے کہا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضور میرے بارے میں کسی تذبذب میں مبتلا ہیں۔ حضور نے فرمایا، بیشک میں نے کبھی تمہیں دیکھا ہے۔ وہ محارب بولا، بیشک حضور نے مجھے دیکھا تھا اور میرے ساتھ گفتگو کی تھی اور میں نے بڑی سختی اور درشتی سے حضور کی گفتگو کا جواب دیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضور عکاظ کے میلہ میں سب قبائل کی فرودگاہوں پر باری باری تشریف

لے جاتے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، بیشک میں نے اس وقت دیکھا تھا۔ پھر اس محاربی نے سرپا التجاء بن کر عرض کی، میرے سارے قبیلے میں مجھ سے زیادہ حضور کے بارے میں کوئی تند خونہ تھا اور نہ مجھ سے زیادہ اسلام سے دور۔ میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اتنی مہلت دی کہ آج میں حضور پر ایمان لایا اور حضور کی رسالت کی تصدیق کرتا ہوں۔ میرے دوسرے ساتھی جو اس وقت میرے ساتھ تھے، وہ اپنے جھوٹے عقیدہ پر ہی مر گئے۔ حضور کریم ﷺ نے فرمایا اِنَّ هٰذِیْہِ الْفُلُوْبُ یَمِیْنُ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ ”یہ دل اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں۔“ اس محاربی نے گزارش کی، یا رسول اللہ! اس وقت میں نے حضور سے جو بدکلامی کی تھی، اس کے بارے میں میرے لئے مغفرت طلب فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جب انسان کفر و شرک کو ترک کر کے سچے دل سے اسلام قبول کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ چھوٹے بڑے تمام گنہوں پر قلم غفو پھیر دیتا ہے۔“ پھر یہ لوگ اپنے اہل و عیال کی طرف واپس چلے گئے۔ اس وفد کے حالات پڑھنے سے دو چیزیں واضح ہو جاتی ہیں:

1۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو سخت دلوں کو نرم دل بنا دیتا ہے 2۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں نور حق پیدا کر دیتا ہے تو وہ فوراً صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جاتا ہے اور نعمت ایمان سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

ان حالات سے حضور کی بلند نگاہی، اولوالعزمی اور دنوازی کی شانیں نمایاں ہو رہی

ہیں۔ (1)

وفدِ صداء

قبیلہ صداء کے وفد۔

امام بغوی، بیہقی اور ابن عساکر وغیرہ نے یہ روایت حضرت زیاد بن حارث صدائی سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی۔ مجھے معلوم ہوا کہ حضور نے میری قوم کی تسخیر کیلئے ایک لشکر روانہ کیا ہے۔ ابن

سعد کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب سنہ 8 ہجری میں جعرانہ سے غنیمتیں تقسیم کرنے کے بعد روانہ ہوئے تو حضور نے قیس بن سعد بن عبادہ کی قیادت میں چار سو مجاہدین کا ایک لشکر یمن پر حملہ کرنے کیلئے روانہ فرمایا۔

زیاد بن حارث الصدائی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کا نمائندہ بن کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اپنا لشکر واپس بلا لیجئے، میں ضمانت دیتا ہوں کہ میری قوم اسلام قبول کر لے گی اور حضور کی اطاعت گزار بن جائے گی۔ حضور نے مجھے فرمایا جاؤ اور اس لشکر کو کہو کہ واپس آجائے۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میری سواری کا اونٹ سخت تھکا ہوا ہے۔ اس میں چلنے کی سکت نہیں۔ چنانچہ حضور نے ایک اور آدمی کو بھیجا جو انہیں قناتہ کے مقام سے واپس لے آیا۔

میں نے اپنی قوم کی طرف خط لکھا تو وہ تمام کی تمام مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہو گئی۔ اس کے بعد جب حضور مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو بنی صدداء کا ایک وفد جو پندرہ اشخاص پر مشتمل تھا، وہ حاضر خدمت ہوا۔ حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! انہیں اجازت دیجئے کہ میرے مہمان بن کر میرے ہاں ٹھہریں۔ چنانچہ وہ وفد حضرت سعد کے پاس جا کر رہائش پذیر ہوا۔ انہوں نے ان کو قیمتی انعامات سے نوازا، ان کو نئی پوشاکیں پہنائیں، ان کی عزت افزائی کی اور پھر ان کو ہمراہ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ چنانچہ سب نے اسلام قبول کیا اور اپنی طرف سے اور اپنے قبیلہ کے ان افراد کی طرف سے جو حاضر نہ ہو سکے، حضور کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

زیاد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: **يَا أَخَا صَدَّاءِ إِنَّكَ لَمُطَاعٌ فِي قَوْمِكَ** ”اے صدداء قبیلہ کے سردار! تیری قوم تیری اطاعت کرتی ہے۔“ میں نے عرض کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام قبول کرنے کی ہدایت دی ہے۔ حضور نے فرمایا، میں تمہیں تمہاری قوم کا امیر بنادوں؟ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! حضور کی مہربانی۔ چنانچہ میری امارت کیلئے ایک فرمان تحریر کیا گیا۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! مجھے ان کے صدقات وصول کرنے کا منصب بھی تفویض فرمائیں۔ حضور نے میری یہ عرضداشت منظور فرمائی اور اس کے لئے الگ حکم نامہ لکھ دیا۔

راستہ میں ایک قبیلہ نے اپنے عامل کا شکوہ کیا کہ وہ ہم پر بڑی زیادتی کرتا ہے، حضور ﷺ

اس کی تصدیق کرنے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا لَاخَيْرَ فِي الْاِمَارَةِ لِرَجُلٍ مُّؤْمِنٍ کہ ”مرد مومن کیلئے امارت میں کوئی بھدائی نہیں۔“
 زید کہتے ہیں کہ یہ بات میرے دل پر نقش ہو گئی۔

پھر ایک اور آدمی حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی، یا رسول اللہ! مجھے یہ منصب عطا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا جو غنی ہو اور پھر لوگوں سے سوال کرے، وہ اس کے سر میں درد اور شکم میں بیماری ہے۔

زید بن حارثہ صدائی کہتے ہیں کہ میں ساری رات حضور کی معیت میں سفر کرتا رہا۔ جب صبح ہونے کا وقت آیا تو حضور نے مجھے حکم دیا، میں نے اذان دی۔ پھر میں عرض کرتا رہا، یا رسول اللہ! کیا میں اقامت کہوں؟ حضور صبح صادق کی انتظار میں بار بار مشرق کی جانب دیکھتے اور فرماتے نہیں۔ جب صبح ہو گئی تو سرکارِ دو عالم ﷺ اپنی سواری سے اترے۔ قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے۔ پھر حضور میری طرف آئے۔ فرمایا، اے صداء کے بھائی! تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کی، بہت تھوڑی سی مقدار میں پانی ہے جو حضور کیسے کافی نہیں۔ حضور نے فرمایا، جتنا کچھ تیرے پاس ہے، کسی برتن میں ڈال کر میرے پاس لے آ۔ میں نے ایسا ہی کیا، حضور نے اپنی ہتھیلی مبارک اس برتن میں رکھ دی اور حضور کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے اچھلنے لگے۔ تمام لشکر نے اس پانی سے اپنی ضرورتیں پوری کیں۔

پھر نماز ادا کرنے کیلئے کھڑے ہوئے۔ حضرت بدس نے اقامت کہنے کا ارادہ فرمایا۔ حضور نے فرمایا اِنَّ اَخَا صَدَاءِ هَذَا اَذَنٌ وَمَنْ اَذَنَ فَهُوَ يَقِيْمُ ”جو اذان دے وہی اقامت کہے اور یہ اذان صداء قبیلہ کے بھائی نے دی ہے وہی اقامت کہے گا۔“

جب حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میں دونوں تحریریں لے کر حاضر ہوا۔ عرض کی، یا رسول اللہ! ان دو تحریروں میں جو منصب مجھے تفویض کئے گئے، میں ان سے معافی طلب کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا، تجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں نے سنا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ مرد مومن کیلئے امارت میں کوئی بھلائی نہیں اور میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکا ہوں، اس لئے امارت کو پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح حضور نے سائل کو فرمایا کہ بغیر ضرورت کے مانگنا یہ درد سر ہے ورنہ بیٹ کی بیماری ہے۔ حضور نے

فرمایا، جیسے تیری مرضی۔ چاہے تو ان عہدوں کو برقرار رکھ اور چاہے تو استعفاء دے دے۔ میں نے استعفاء دیدیا۔ حضور نے فرمایا کہ پھر مجھے کوئی ایسا آدمی بتاؤ جو اس ذمہ داری کو اٹھانے کے قابل ہو، تو میں نے ایک آدمی کے بارے میں عرض کی۔ پھر ہم نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہمارا ایک کنواں ہے۔ سردیوں میں اس کا پانی ہم سب کیلئے کافی ہوتا ہے لیکن گرمیوں میں اس کا پانی خشک ہو جاتا ہے اور ہمارے قبیلے کو مختلف کنوؤں پر جا کر سکونت اختیار کرنا پڑتی ہے جس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ کیونکہ ہمارے ارد گرد کے قبائل سے ہماری عداوت ہے اس لئے ان کا حملہ کا خطرہ لگا رہتا ہے۔

حضور نے سات کنکریاں طلب فرمائیں۔ اپنے دست مبارک میں ملا اور دعا فرمائی۔ پھر فرمایا، ان کنکریوں کو لے جاؤ جب تم اس کنوئیں پر پہنچو تو اللہ کا نام لے کر ایک ایک کنکر اس میں ڈالتے جاؤ۔ ہم نے اسی طرح کیا۔ اس کے بعد اس میں اتنا پانی ہو گیا کہ ہماری ساری ضرورتیں پوری ہو گئیں۔ جب یہ پندرہ آدمیوں کا وفد واپس گیا تو انہوں نے بڑی شد و مد سے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ یمن کے بیٹھار لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ سنہ 10 ہجری میں ایک سو افراد کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ یہ وہی سال ہے جس میں حضور نے حجۃ الوداع ادا کیا۔ (1)

طارق بن عبد اللہ کی اپنی قوم سمیت حاضری

مجھے یہ روایت ایک شخص نے کی جس کا نام طارق بن عبد اللہ تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک روز سوق حجاز میں کھڑا تھا (سوق حجاز، ایک بازار کا نام ہے جو زمانہ جاہلیت میں اہل عرب لگایا کرتے تھے) اچانک ایک آدمی ہمارے پاس آیا جس نے جب پہنا ہوا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا، اے لوگو! کہو لا الہ الا اللہ تم نجات پا جاؤ گے۔ ایک آدمی اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا اور اس پر پتھر برسار رہا تھا اور لوگوں کو کہہ رہا تھا، اے لوگو! اس کی بات مت ماننا یہ کذاب ہے۔ میں نے پوچھا، پہلا شخص کون ہے؟ لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ قبیلہ بنی ہاشم کا ایک نوجوان ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ میں نے پوچھا، دوسرا کون ہے جو اسے پتھر مار رہا تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ بن کاچچ ہے اس کا نام عبد العزیٰ (ابو لہب) ہے۔ یہی طارق کہتا ہے کہ

جب لوگوں کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا، ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے، ہم۔ بذہ سے نکلے تاکہ مدینہ جائیں اور وہاں سے کھجوریں خرید کر لے آئیں۔ جب ہم مدینہ کی دیواروں اور نخلستانوں کے قریب پہنچے تو ہم نے مناسب سمجھا کہ ہم یہاں اتریں اور لباس تبدیل کر لیں۔ ہم لباس تبدیل کر رہے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا جس نے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس نے ہمیں سلام کیا اور پوچھا کہ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ ہم نے بتایا کہ ہم ربذہ سے آئے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ ہر جا رہے ہیں؟ ہم نے بتایا کہ ہم اس شہر میں جا رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا، اس شہر میں کس کام کیلئے جا رہے ہیں؟ ہم نے بتایا کہ ہم یہاں کی کھجوریں خریدنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ سرخ رنگ کا اونٹ تھا۔ اس نے پوچھا، کیا یہ اونٹ تم بیچنا چاہتے ہو؟ ہم نے کہا کہ اتنے صاف کھجوروں کے بدلے ہم اس کو فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ جو قیمت ہم نے بتائی تھی اس نے اس میں ذرا کمی کی خوش نہ کی تھی۔ اس نے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور چل دیا۔ جب وہ دور نکل گیا اور مدینہ کی دیواروں اور گھنی کھجوروں میں غائب ہو گیا تو ہم خیال کرنے لگے، ہم نے یہ کیا حرکت کی ہے کہ ایسے آدمی کے ہاتھ اونٹ فروخت کر دیا ہے جس کو ہم جانتے ہی نہیں اور اس کی قیمت بھی وصول نہیں کی۔ ایک خاتون ہمارے ہم سفر تھی۔ جب اس نے ہماری پریشانی دیکھی تو بولی

وَاللّٰهُ بِقَدْرَ اَيْتٍ رَّجُلًا كَاَنَّ وَجْهَهُ شَقَّةُ الْقَمَرِ لَيْتَةَ
الْبَذْرِ اَنَا صَامِنَةٌ لِّثَمَنِ جَمِيْعِكُمْ

کہ ”میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح نورانی تھا، میں تمہارے اونٹ کی قیمت کی ضمانت ہوں“ تمہیں آپس میں لڑنے کی ضرورت نہیں، میں نے ایک ایسا چہرہ دیکھا ہے جو لوگوں سے دھوکا بازی نہیں کر سکتا۔

وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں اچانک ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا انا رسول، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”میں اللہ کے رسول کا قاصد ہوں“ حضور نے فرمایا یہ تمہاری کھجوریں ہیں، کھاؤ اور خوب میرا ہو کر کھاؤ۔ پھر اسے آپ کو واپس پوری کر دیا۔ ہم نے کھجوریں کھائیں جس سے ہمارے شکم پر ہو گئے۔ ہم نے ان کو مپا ورن کو پورا پایا۔ پھر ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہو گئے۔ سامنے حضور کی مسجد تھی، اس میں چلے گئے۔ ہم نے اس بستی کو منبر پر کھڑے دیکھا جو لوگوں کو خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ ہم نے بھی وہ خطبہ سنا۔ اس کے چند

جملے یاد رہ گئے۔ انہوں نے فرمایا:

تَصَدَّقُوا فَإِنَّ الصَّدَقَةَ خَيْرٌ لَّكُمْ
صدقہ دیا کرو، صدقہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى
اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

أُمُّكَ وَأَبَاكَ وَأَخُوكَ وَأَخَاكَ
وَأَدْنَاكَ
ابتدا اپنی ماں سے کرو، پھر باپ سے، پھر بہن سے، پھر بھائی سے، پھر دوسرے قریبی رشتہ دار ہیں درجہ بدرجہ۔

اچانک بنو ربیع کا ایک آدمی آگے آیا، اس نے عرض کی، یا رسول اللہ! إِنِّهَا قِي هُوَ لَكَ
دَمًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ "ان لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں ہمارے چند آدمیوں کو قتل کیا تھا۔" حضور نے فرمایا: لَا تَجْعَلْنِي أَمْرًا عَلَى وَلَدٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ (1) "کوئی ماں اپنی اولاد پر تین مرتبہ ظلم نہیں کرتی۔"

وفد بنی اسد

قبیلہ بنی اسد کا ایک وفد جو دس افراد پر مشتمل تھا، خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ان میں واپسہ بن معبد اور طلحہ بن خویمد بھی شامل تھے۔ اس وقت اللہ کا پیارا رسول ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ مسجد میں جلوہ فرما تھا۔ انہوں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

یا رسول اللہ! ہم نے گواہی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے اور آپ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یا رسول اللہ! ہم خود حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہیں۔ حضور نے ہمیں بلانے کیلئے اپنا کوئی نمائندہ نہیں بھیجا۔ ہم خود بھی ایمان لائے ہیں اور ہمارے قبیلہ کے جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں ان کے بھی ہم ذمہ دار ہیں۔

ان کی اس تعلیٰ میں یہ بات نمایاں تھی کہ گویا انہوں نے ایمان لا کر آپ پر بڑا احسان کیا ہے۔ خداوند ذوالجلال کی غیرت اس بات کو برداشت نہ کر سکی فوراً اپنے محبوب کریم ﷺ

پر یہ آیت نازل فرمائی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُلْ لَا تَمْنُوْا عَلٰى اِسْلَامِكُمْ
بِئِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هٰذَا كُمْ لِيٰدِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ۔

(1)

”وہ احسان جتلاتے ہیں کہ وہ اسلام میں آئے، فرمائیے مجھ پر مت احسان جتلاؤ اپنے اسلام کا بلکہ اللہ نے احسان فرمایا ہے تم پر کہ تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی اگر تم (اپنے ایمان کے دعویٰ) میں سچے ہو۔“

انہیں عیافہ، کہانت اور کنکریاں پھینکنے سے منع فرمایا۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ کام ہم زمانہ جہالت میں کیا کرتے تھے۔ کیا ان میں سے کوئی چیز مباح بھی ہے؟ حضور نے فرمایا رمل، کیونکہ اس کی تعلیم اللہ کے نبی کو دی گئی تھی۔ جس کے خطوط اس نبی سے مطابقت رکھتے ہوں وہ جائز ہے ورنہ نہیں۔

عیافہ: پرندوں کے ناموں، آوازوں اور گزرنے سے فال پکڑنا۔
کہانت: مستقبل کے حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرنا۔
خط: اس سے مراد خط رمل ہے۔

کیونکہ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے ہم ان خطوط کی اس نبی کے خطوط سے مطابقت ثابت کر سکیں، اس لئے یہ بھی مباح نہیں بلکہ ممنوع ہے۔ (2)

وقد غسان

ماہ رمضان سنہ 10 ہجری میں غسان کا ایک وفد جو تین افراد پر مشتمل تھا، حاضر خدمت اقدس ہوا اور اسلام قبول کیا۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہم اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہماری قوم اسلام قبول کرنے میں ہماری پیروی کرے گی یا نہیں۔ وہ اپنی حکومت کو برقرار رکھنا اور قیصر کا قرب بہت پسند کرتے ہیں۔ جب وہ لوگ اپنے وطن واپس جانے لگے تو حسب معمول رحمت دو عالم ﷺ نے انہیں انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا۔ وہ جب

اپنے وطن پہنچے تو انہوں نے اپنی قوم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے اس دعوت کو مسترد کر دیا۔ ان لوگوں نے اس راز کو افشا نہ کیا کہ وہ خود اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان تینوں میں سے دو آدمی کچھ عرصہ بعد انتقال کر گئے۔ تیسرے آدمی کو حضرت فاروق اعظم کی خلافت کا زمانہ نصیب ہوا اور جس ساں پر موک فتح ہوا، اس سال اس کو آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اس نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے بھی ملاقات کی اور اپنے اسلام لانے کے بارے میں ان کو آگاہ کیا۔ وہ ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ (1)

وفد بنی عبث

بنو عبث قبیلہ کا ایک وفد جو تین افراد پر مشتمل تھا، خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہمارے عالم ان کے پاس آئے ہیں اور انہوں نے انہیں بتلایا ہے کہ جب تک کوئی شخص ہجرت نہ کرے اس کا ایمان لانا مقبول نہیں ہوتا۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہم اپنے مال مویشی جن پر ہماری معیشت کا انحصار ہے، ان سب کو فروخت کر دیں گے اور ہجرت کر کے حضور کے قدموں میں حاضر ہو جائیں گے کیونکہ وہ ماں مویشی جو ہمیں نعمت ایمان سے محروم کر دیں ہمارے لئے ان میں کوئی خیر نہیں۔ رحمت عالم ﷺ نے ان کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے فرمایا:

يَا نَفُوءَ اللَّهِ حَيْثُ كُنْتُمْ فَلَنْ يَلِيَكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا

”جہاں کہیں بھی تم ہو اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ تمہارے اعمال میں ذرا کمی نہیں آئے گی۔“

سرکار دو عالم ﷺ نے ان سے خالد بن سنان کے بارے میں پوچھا، کیا اس کی اولاد ہے؟ عرض کی، یا رسول اللہ! اس کی ایک بچی تھی وہ فوت ہو گئی ہے، اس کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ (2)

جریر بن عبد اللہ اجملی کی آمد

طبرانی، بیہقی اور ابن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ نے جریر کی آمد کا واقعہ ان سے ہی روایت کرتے ہوئے یوں تحریر کیا ہے:

جریر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بدنے کیلئے ایک قاصد بھیجی میں حاضر خدمت ہو گیا۔ حضور نے پوچھا **مَا جَاءَكَ بِهَذَا؟** ”تم کس مقصد کیلئے آئے ہو؟“ میں نے عرض کی، اسلام قبول کرنے کی نیت سے خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہوں۔ حضور نے اپنی چادر مبارک میرے لئے بچھائی اور اپنی ساری امت کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”جب بھی کسی قوم کا کوئی معزز آدمی تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت کیا کرو۔“

رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا:

أَدْعُوكَ إِلَى شَهَادَةٍ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْتَ رَسُولُ
اللَّهِ - وَأَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ
وَشَرِّهِ - وَتُصَلِّيَ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ
الْمَقْرُوضَةَ وَتُصُومَ شَهْرَ مَعْنَانَ - وَتَنْصَحَ لِكُلِّ

مُسْلِمٍ وَتُطِيعَ الْوَالِيَّ فَإِنَّكَ كَأَنْتَ عَبْدٌ أَحَبُّ شَيْئًا - (1)

”میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ گواہی دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ پر، یوم آخرت اور تقدیر خیر و شر پر ایمان لے آؤ۔ فرض نماز ادا کرو۔ فرض زکوٰۃ ادا کرو اور ماہ رمضان کے روزے رکھو، ہر مسلم کیلئے خیر خواہی کرو اور ہر والی کی اطاعت کرو اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔“

امام احمد، بیہقی اور طبرانی ثقہ راویوں کے ذریعہ سے حضرت جریر کا یہ قول نقل کرتے ہیں: کہ جب میں مدینہ الرسول کے قریب پہنچ گیا تو میں نے اپنی اونٹنی بٹھائی، اپنا تھیلہ کھولا، اس میں سے پوشاک نکالی، اسے پہنا اور مسجد میں داخل ہوا۔ اس وقت نبی رحمت ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ میں نے بارگاہ رسالت میں سلام عرض کیا! لوگ مجھے آنکھوں سے اشارے کرنے لگے۔ میں نے اپنے ہم نشین کو کہا، اے اللہ کے بندے! کیا رسول اللہ ﷺ نے میرے بارے میں کوئی

تذکرہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا، ہاں! حضور نے تیرا ذکر خیر بڑے خوبصورت انداز سے کیا ہے۔

حضور نے فرمایا کہ اس دروازے سے یا اس سوراخ سے ایک ایسا آدمی عنقریب داخل ہوگا جو تمام اہل یمن سے بہتر ہے اور اس کے چہرے پر جہانبانی کے نشان ظاہر ہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی پر حمد کی۔

اچانک ایک ناقہ سوار آیا، اپنی اونٹنی سے اترا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا۔ اس نے رحمت عالم ﷺ کا دست مبارک پکڑا اور حضور کی بیعت کی۔ حضور نے پوچھا، تم کون ہو؟ میں نے عرض کی، میرا نام جریر بن عبد اللہ الکلی ہے۔ حضور نے مجھے اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور اپنا دست مبارک میرے سر، چہرہ اور سینے پر پھیرا اور ساتھ ہی میرے لئے اور میری اولاد کیلئے برکت کی دعا فرماتے رہے۔ پھر حضور نے اپنی چادر بچھائی اور فرمایا، اے جریر! اس کے اوپر بیٹھو۔ تھوڑی دیر حضور وہاں تشریف فرما رہے پھر اٹھے اور چلے گئے۔ طبرانی نے رجال صحیح کے واسطے سے حضرت جریر کا یہ قول نقل کیا ہے:

أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قُلْتُ يَا
رَسُولَ اللَّهِ! أَبَايَعُكَ عَلَى الْهِجْرَةِ قَبَايَعِي رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَاشْتَرَطَ عَلَيَّ وَالنَّصَحَ
لِكُلِّ مُسْلِمٍ - (1)

”میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوں عرض کی، یا رسول اللہ! میں حضور کی بیعت کرنے کیلئے حاضر ہوا ہوں اس شرط پر کہ میں ہجرت کروں گا۔ سرور عالم ﷺ نے مجھے بیعت کیا اور فرمایا کہ میں اس شرط پر تمہیں بیعت کر رہا ہوں کہ تم ہر مسلمان کی خیر خواہی کرو گے۔ چنانچہ اس شرط پر میں نے اللہ کے حبیب کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔“

بارگاہ رسالت میں رہا وہ یمن کی آمد

امام طبرانی ثقہ راویوں کے ذریعہ سے قدوة الہادی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی قوم کا امیر مقرر فرمایا اور میرے

لئے پرچم باندھا تو میں نے حضور کے دست مبارک کو پکڑ لیا اور الوداع کہا تو رحمت عالم ﷺ نے مجھے ان دعائیہ کلمات سے رخصت فرمایا:

جَعَلَ اللَّهُ التَّقْوَى زَادَكَ وَعَفَّرَ لَكَ ذَنْبَكَ وَوَجَّهَكَ
لِالْخَيْرِ حَيْثُ مَا تَكُونُ۔

(1)

”زندگی کے اس سفر میں اللہ تعالیٰ تقویٰ کو تیرا زاد راہ بنائے، تیرے گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے اور جہاں کہیں بھی تم ہو تمہارے رخ کو خیر کی طرف پھیر دے۔“

اس وفد میں رہاوی قبیلہ کے تیرہ افراد شامل تھے۔ یہ مذبح قبیلہ ایک شاخ ہے۔ یہ وفد سنہ 10 ہجری میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور مدد بنت حارث کے گھر میں جو سرکاری مہمان خانہ تھا، اس میں ٹھہرایا گیا۔ ایک دن سرکارِ دو عالم ﷺ ان کے پاس تشریف لے آئے اور دیر تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ انہوں نے بارگاہ اقدس میں چند تحائف پیش کئے۔ ان میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کا نام مرواح تھا۔ حضور کے فرمان کے مطابق اس کے سوار نے اس کارِ قص اور دیگر کرتب دکھائے۔ حضور نے اسے بہت پسند کیا۔ ان سب نے اسلام قبول کیا۔ قرآن کریم کی کئی سورتیں یاد کیں اور دین اسلام کی بنیادی تعلیمات حاصل کیں۔ وہ جب رخصت ہونے لگے تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے دیگر وفود کی طرح اس وفد کے ارکان کو بھی اپنے انعام و اکرام سے بہرہ ور فرمایا۔ زیادہ سے زیادہ بارہ اوقیہ چاندی اور کچھ اوپر اور کم سے کم پانچ اوقیہ چاندی ان میں تقسیم کی گئی۔ کچھ عرصہ بعد اس وفد کے چند افراد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور حضور کی معیت میں فریضہ حج ادا کیا۔ پھر وہیں سکونت پذیر رہے یہاں تک کہ آفتاب نبوت غروب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے ان کیلئے خیبر کے اموال غنیمت سے ایک سو و سق کی وصیت کی اور اس کے لئے ان کو ایک سند لکھ کر دی۔ انہوں نے امیر معاویہ کے زمانہ میں اپنا حصہ فروخت کر دیا۔ (2)

رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کی ہلاکت

سنہ 9 ہجری ماہ شوال کے آخری دنوں میں عبد اللہ بن ابی کو مرض موت نے آلیا۔ بیس روز تک بیمار رہنے کے بعد ماہ ذی قعدہ میں واصل جہنم ہوا۔
اس واقعہ کی تفصیل کیلئے ضیاء القرآن کا ایک اقتباس ہدیہ ناظرین ہے:

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی مرض موت میں مبتلا ہوا تو حضور اس کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ اس نے التماس کی کہ جب وہ مر جائے تو حضور اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور اس کی قبر پر بھی تشریف فرما ہوں اور اس نے ایک آدمی بھیج کر عرض کی کہ کفن کیلئے اسے قمیص مرحمت فرمائی جائے۔ حضور نے اوپر والی قمیص بھیجی۔ اس نے پھر گزارش کی کہ مجھے وہ قمیص چاہئے جو آپ کے جسد اطہر کو چھو رہی ہے۔ حضرت عمر پاس بیٹھے تھے۔ عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ! آپ اس ناپاک اور گندے کو اپنی پاک قمیص کیوں مرحمت فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ نے حقیقت سے نقاب اٹھایا اور فرمایا:

إِنَّ قَمِيصِي لَا يَغْنِي عَنْهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا فَلَعَلَّ اللَّهَ

أَنْ يُدْخِلَ بِهِ الْفَأْفِ فِي السَّلَامِ۔ (1)

”اے عمر! اس کافر و منافق کو میری قمیص کچھ نفع نہیں پہنچائے گی۔ اس کے دینے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ہزاروں آدمیوں کو مشرف باسلام کرے گا۔“

منافقوں کا ایک انبوه کثیر ہر وقت عبد اللہ کے پاس رہتا تھا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ یہ نابکار ساری عمر مخالفت کرنے کے باوجود اپنی بخشش و نجات کیلئے آپ کی قمیص کا سہارا لے رہا ہے تو ان کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھ گئے اور یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ اس رحمت عالمیان کی بارگاہ بے کس پناہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں منظوری ناممکن ہے تو بجائے اس کے کہ حالت یاس میں اس کا دامن پکڑنے کی ناکام کوشش کریں ہم اب ہی کیوں نہ اس پر ایمان لے آئیں اور سچے دلی سے اپنی گزشتہ خطاؤں کی معافی مانگ لیں اور اس کی شفاعت کے مستحق ہو جائیں۔ چنانچہ اس دن ایک ہزار منافق اس قمیص کی برکت اور قمیص والے کے

حسن خلق سے مشرف باسلام ہو گئے اَسْلَمُوْهُمْ يَوْمَئِذٍ الْكَفَّ (1)
صحیح بخاری کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ حضور کی شانِ رحمت للعالمین کی وسعتوں کا
آپ کو کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جائے گا:

قَالَ عُمَرُ، وَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ تُصَلِّيَ عَلَيْكَ وَقَدْ قَالَ
فِي يَوْمٍ كَذَا وَكَذَا وَقَالَ فِي يَوْمٍ كَذَا وَكَذَا
وَكَذَا۔

”یا رسول اللہ! آپ اس بد بخت کی نماز جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں جس نے
فلاں دن ایسے ایسے ہڈیاں سرائی کی تھیں، فلاں روز ایسی ایسی گستاخیاں کی
تھیں۔“

حضور نے فرمایا:

دَعَوْنِي يَا عُمَرُ۔ فَإِنِّي بَيْنَ حَيَرَتَيْنِ۔ وَلَوْ أَعْلَمُ أَفْتُ
إِنْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِينَ غُفْرَةً لَّ لَزِدْتُ

”عمر! ان باتوں کو رہنے دو۔ اندھنوں نے مجھے اختیار دیا ہے، چاہے تو ان
کے لئے مغفرت طلب کروں یا چاہے تو مغفرت طلب نہ کروں۔ مگر
میں یہ جانتا کہ میں ستر بار سے زیادہ گرس کے لئے مغفرت طلب
کروں گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا تو میں ستر بار سے زیادہ اس کے
لئے مغفرت طلب کرتا۔“

اس کے فوراً بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى
قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَا تَوَادَّوْهُمْ
فَلْيَسُقُوا

”نہ پڑھے نماز جنازہ کسی پر ان میں سے جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑے
ہوں اس کی قبر پر۔ بیشک انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے
رسول کے ساتھ اور وہ مرے اس حالت میں کہ وہ نافرمان تھے۔“

اس کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ نے کبھی کسی منافق کیلئے نہ مغفرت کی دعا کی اور نہ اس کی قبر پر تشریف لے گئے۔ (۱)

سنہ 9 ہجری میں حج کی ادائیگی (حضرت صدیق اکبر بطور امیر الحج)

سرکارِ دو عالم ﷺ غزوہ تبوک سے ماہ رمضان المبارک میں مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ ماہ رمضان کے بقیہ دن، شوال اور ذی قعدہ کے مہینے حضور نے مدینہ طیبہ میں بسر کئے۔ ماہ ذی الحجہ میں حجاج کا ایک قافلہ روانہ ہوا جو تین سو افراد پر مشتمل تھا اور اس کا امیر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے قربانی کیلئے بیس اونٹ عطا فرمائے اور ان کے گلے میں جو قلدے ڈالے گئے تھے، وہ حضور نے خود تیار کرائے اور اپنے دست مبارک سے ان اونٹوں کے گلے میں ڈالے۔

جب حجاج کا یہ کارواں حضرت صدیق اکبر کی قیادت میں مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہوا تو اس کے بعد سورہ براقہ نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد حرام میں داخل ہونے کی ممانعت فرمائی اور ان کے ساتھ جو معاہدے تھے ان کو کالعدم قرار دیدیا۔ جو معاہدے ایک متعین مدت کیلئے تھے ان کیلئے حکم دیا کہ جب وہ مدت ختم ہو جائے گی معاہدہ خود بخود کالعدم ہو جائے گا اور جن کیلئے مدت متعین نہ تھی، ان کے لئے چار ماہ کی ميعاد مقرر کی گئی تاکہ اس اثناء میں لوگ اپنے گھروں کو بخیریت لوٹ جائیں۔ جب یہ چار ماہ پورے ہو جائیں گے تو معاہدہ ختم تصور کیا جائے گا۔ اس سورت میں کئی دیگر احکام بھی تھے۔

جب یہ سورت نازل ہوئی سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدنا علی مرتضیٰ کو یاد فرمایا۔ انہیں حکم دیا کہ وہ حج کیسے جائیں اور جب میدانِ عرفات میں تمام لوگ جمع ہو جائیں اس وقت یہ سورت سب کو پڑھ کر سنا دیں۔

سیدنا علی کی سواری کیلئے حضور نے اپنی ذاتی ناقہ آپ کو مرحمت فرمائی۔ آپ کی ملاقات سیدنا ابو بکر صدیق سے عرج کے مقام پر اور بقول دیگر دجنان کے مقام پر ہوئی۔ حضرت صدیق اکبر صبح کی نماز پڑھانے کیلئے مصلیٰ پر کھڑے تھے۔ ابھی تکبیر تحریمہ نہیں کہی تھی کہ اونٹنی کے بلبلانے کی آواز سنی، آپ فوراً رک گئے۔ فرمایا، یہ محبوب رب العالمین ﷺ کی

ناقہ کی آواز ہے۔ ہو سکتا ہے سرکارِ دو عالم ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا ہو اور خود تشریف لائے ہوں، اس لئے ٹھہر جاؤ۔ اگر حضور تشریف لائے تو حضور کی اقتداء میں نماز ادا کریں گے۔ جب اونٹنی قریب آئی تو دیکھا کہ علی مرتضیٰ اس پر سوار ہیں۔ آپ نے فوراً دریافت کیا کہ اَمِيْرٌ اَوْ صَاحِبٌ اَوْ قَافِلٌ آپ قافلہ کے امیر بنا کر بھیجے گئے ہیں یا قافلہ کے دیگر افراد کی طرح مامور بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ "سیدنا علی مرتضیٰ نے جواب دیا میں مَأمُوْرٌ امیر آپ ہی ہیں، میں تو مامور بنا کر بھیجا گیا ہوں۔" پھر دونوں حضرات اپنے ہمراہیوں سمیت مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ سیدنا علی نے اپنی آمد کی وجہ بتائی کہ آپ کے روانہ ہونے کے بعد اللہ کے محبوب پر ایک سورت نازل ہوئی جس میں کفار سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کیا گیا اور دوسرے مسائل جو حج سے متعلق ہیں وہ بتائے گئے ہیں۔ حضور نے مجھے بھیجا ہے کہ عرفات کے میدان میں جب سارے حاجی جمع ہو جائیں تو سب کو یہ سورت پڑھ کر سنوں تاکہ سب ان احکام سے آگاہ ہو جائیں جو اس سورت میں نازل کئے گئے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر ایام حج میں ہر روز ہر مقام پر خطبہ ارشاد فرماتے تو اس میں سامعین کو ان مسائل سے آگاہ کرتے جن کی اس روز اور اسی مقام پر ادائیگی ضروری تھی۔ اور سیدنا علی آپ کے خطبہ کے بعد سب کے سامنے سورۃ برأت کی تلاوت فرماتے۔

حضرت امام احمد اپنی مسند میں علی مرتضیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے جب مجھے حضرت ابو بکر صدیق کی معیت میں حج ادا کرنے کے لئے بھیجا تو چار باتوں کے اعلان کرنے کا حکم دیا (1) پہلی بات تو یہ تھی کہ مومن کے بغیر کوئی آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا (2) کوئی مرد یا عورت برہنہ طواف نہیں کرے گی (3) جس کے ساتھ حضور کا کوئی عہد ہے جب اس کی مدت پوری ہوگی وہ عہد خود بخود کالعدم ہو جائے گا (4) اس سال کے بعد کسی مشرک کو حج ادا کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جو مشرک اس سال حج کو آئے ہوئے تھے ان کی دو قسمیں تھیں۔ پہلی قسم ان مشرکین کی تھی جن کے ساتھ ایک مقررہ میعاد تک معاہدہ کیا گیا تھا۔ اور دوسری ان لوگوں کی تھی جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ پہلی قسم کا معاہدہ اس وقت ختم تصور کیا جائے گا جب وہ مدت پوری ہوگی اور جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ان کو چارہ ماہ کی مہلت دی گئی تاکہ اپنی کاروباری ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے بعد وہ ترام سے

اپنے اپنے وطن پہنچ جائیں۔

یہاں شیعہ صاحبان یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق کو قافلہ حجاج کا پہلے امیر مقرر کیا۔ اور چند روز بعد ان کو معزول کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس قافلہ کی امارت تفویض کی۔ جب حضرت ابو بکر ایک مختصر سے قافلہ کی امارت کے لئے بھی موزوں نہ تھے تو وہ ساری امت کی امارت کے منصب کیسے کب اہل ہو سکتے ہیں۔

کاش یہ حضرات اس روایت کو غور سے پڑھتے تو کبھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتے۔ آپ نے پڑھا ہے کہ جب سیدنا صدیق اکبر نے اونٹنی کے بلبلانے کی آواز سنی تو فوراً پہچان گئے کہ یہ میرے آقا کی اونٹنی بلبلارہی ہے۔ لیکن جب وہ اونٹنی قریب ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس اونٹنی پر علی مرتضیٰ سوار ہیں۔ آپ نے فوراً دریافت کیا اُمَیْرًا وَاَوْعَاثًا مَوْزُوْا کہ آپ قافلہ کے امیر بنا کر بھیجے گئے ہیں تو آئے منصب امارت کی زمام اپنے دست مبارک میں تھام بیجئے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ میں مامور بن کر آیا ہوں امیر آپ ہی ہیں۔ آپ کی امارت میں میں فریضہ حج ادا کروں گا، آپ کی امارت میں ہی میں دیگر فرائض کو انجام دوں گا، اور آپ کی اقتداء میں ہی نمازیں ادا کروں گا۔ جب علی مرتضیٰ نے اس سارے عرصہ میں حضرت صدیق اکبر کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں تو پھر اب کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر کے منصب امارت پر زبان طعن دراز کرے؟

وَقَدْ كَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُصَلِّي خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ إِلَى أَنْ رَجَعَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ

نجران کی طرف حضرت خالد بن ولید کا سریہ

ماہ ربیع الاول سنہ 10 ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو چار سو مجاہدین کا سالار بنا کر نجران کی طرف بھیجا تاکہ بنو الحارث بن کعب کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضور انور ﷺ نے حضرت خالد کو حکم دیا، جب وہاں پہنچیں تو فوراً ان پر حملہ نہ کر دیں بلکہ انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ تین مرتبہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام کو قبول کر لیں تو ان کو امن دے دیں اور وہاں سکونت

پذیر ہوں اور اس اثناء میں قرآن کریم اور سنت نبوی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلام کے بنیادی عقائد اور فرائض کے بارے میں ان کو تلقین کریں۔ لیکن اگر وہ تین بار سلام قبول کرنے کی دعوت کے بعد بھی اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیں تو پھر ان کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت ہے۔ اہل نجران، نصرانی تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا تھے۔ حضرت خالد مدینہ طیبہ سے روانہ ہو کر نجران کے علاقہ میں پہنچے اور اپنے سواروں کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر اس علاقہ کے مختلف اطراف و اکناف میں بھیجے تاکہ انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ جب ان حضرات نے مختلف آبادیوں میں پہنچ کر اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت خالد کچھ عرصہ وہاں سکونت پذیر رہے اور حسب ارشاد رسالت مآب ان کو قرآن کریم کی سورتیں یاد کراتے رہے۔ حضور کی سنت مطہرہ پر ان کو آگاہ کرتے رہے اور دین اسلام کے بنیادی عقائد اور احکام پر عمل کرنے کی ان کو دعوت دیتے رہے۔

حضرت خالد نے کامیابی کے ساتھ اس علاقہ کو نور اسلام سے منور کرنے کے بعد بارگاہ رسالت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس میں اپنی ساری سرگرمیوں کے بارے میں اطلاع درج کی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس مکتوب کا جواب تحریر فرمایا اور ان لوگوں کے اسلام قبول کرنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، پھر فرمایا: ان کو اللہ کی رحمت کی بشارت سنائیں۔ اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیں۔ جب بھی مدینہ واپس آؤ تو ان کا ایک وفد اپنے ہمراہ لاؤ۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

حضرت خالد جب مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو ان کا ایک وفد اپنے ہمراہ لائے جو ان کے رؤساء پر مشتمل تھا۔ حضور نے ان سے چند استفسارات فرمائے۔ ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ زمانہ جہالت میں جب تم کسی کے ساتھ جنگ کیا کرتے تھے تو کس طرح ان پر غالب آتے تھے؟ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہم متحد و متفق ہو کر دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہوا کرتے اور کسی پر پہلے قلم نہیں کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔

پھر حضور نے اس قبیلہ پر قیس بن حسین کو امیر مقرر کیا۔ بنو الحارث بن کعب کا وفد جب اپنے علاقہ میں واپس آگیا تو مشکل سے چار ماہ گزرے ہوں گے کہ عالم انسانیت کے مرشد کامل محمد رسول اللہ ﷺ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ (1)

سرور عالم ﷺ کے لخت جگر حضرت ابراہیم کی وفات

ماہ ربیع الاول سنہ 10 ہجری میں حضرت ابراہیم نے وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر سولہ ماہ تھی۔ حضرت ابراہیم، جب آخری سانس لے رہے تھے تو سرکارِ دو عالم ﷺ حضرت عبدالرحمن بن عوف پر ٹیک لگائے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ جب حضرت ابراہیم وفات پا چکے تو حضور کی مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی ٹپکنے لگے۔ حضرت عبدالرحمن نے عرض کی، یا رسول اللہ! لوگوں کو تو حضور ایسے موقع پر رونے سے منع فرمایا کرتے تھے، جب لوگ حضور کو اشکبار دیکھیں گے تو وہ بھی رونا شروع کر دیں گے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا یہ آنسو رحمت کی نشانی ہیں اور جو کسی پر رحمت نہیں کرتا اس پر بھی رحمت نہیں کی جاتی۔ میں لوگوں کو بین کرنے سے منع کرتا ہوں یا متوفی کی ایسی خوبیاں بیان کرنے سے روکتا ہوں جو اس میں نہیں ہوتیں۔ پھر فرمایا:

وَلَا تَقُولُ مَا يَسْحَبُ الرِّبَّ
وَلَنَا عَلَيْهِ لَمَعُودُونَ تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ

”ہم ابراہیم کی وفات پر غمگین ہیں۔ آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ دل مغموم ہے۔ اس کے باوجود ہم اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکالتے جو ہمارے رب کی ناراضگی کا باعث ہو۔“

ابراہیم اپنی شیر خوارگی کے بقیہ ایام جنت میں گزارے گا۔

رحمت عالم ﷺ نے حضرت ابراہیم کو بقیع شریف میں دفن کرنے کا حکم دیا۔ ان پر خود نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں پڑھیں۔ اور جب ان کو دفن کر دیا گیا تو پھر ایک مشک پانی کی اس پر چھڑکی۔ یہ پہلی قبر ہے جس پر پانی چھڑکا گیا۔

حضور نے دیکھا کہ قبر کے ایک حصہ پر مٹی جمع ہے۔ حضور نے اپنی انگشت ہائے مبارک سے مٹی کے اس ڈھیر کو ہموار کر دیا اور فرمایا: اَحَدُكُمْ عَمَلًا فَلْيَتَّقِئْهُ
”تم میں سے جب کوئی آدمی کام کرے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کام کو بڑی عمدگی سے کرے۔“

حضرت ابراہیم کی وفات کے روز سورج کو گرہن لگ گیا۔ لوگوں نے یہ بات مشہور کر دی کہ حضرت ابراہیم کی موت پر رنج و غم کی وجہ سے سورج کو گرہن لگ گیا۔ رحمت عالم ﷺ

نے یہ بات سنی تو ارشاد فرمایا:

إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَاتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَا يَنْكَسِفَانِ
لِمَوْتِ أَحَدٍ -

(1)

”کہ سورج اور چاند اللہ کی قدرت کی دو بڑی نشانیاں ہیں، کسی کی موت کی وجہ سے انہیں گرہن نہیں لگتا۔“

اگر حضور ﷺ اللہ کے سچے رسول نہ ہوتے تو اس بات کی تصدیق کرتے اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہو جاتی کہ سورج کو اس لئے گرہن لگا ہے۔ لیکن اللہ کے سچے نبی نے فریب و دغا سے کام نہیں لیا بلکہ حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان کیا اور لوگوں کی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا۔ مسٹر برمنگھم اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ۔ ”حضور کے اس ارشاد نے ان خرافات کا خاتمہ کر دیا اور کوئی مکار آدمی ایسی بات نہیں کر سکتا۔ حضور اللہ کے سچے نبی تھے۔ حضور کو اللہ کی دی ہوئی عظمت اور بڑی کافی تھی۔ حضور ایسی باتوں سے لوگوں کے دلوں پر اپنی عظمت کے نشان ثبت کرنا پسند نہیں فرمایا کرتے تھے۔“ (2)

حضرت ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کی یمن روانگی

ابو موسیٰ اشعری کا نام عبد اللہ بن قیس تھا۔ یہ ان لوگوں سے تھے جو بہت پہلے ایمان لائے تھے۔ حضور نے ان کو زبید اور عدن کا ولی بنا کر بھیجا۔ معاذ بن جبل، ان سر خوش بخت انصار میں سے تھے جنہوں نے عقبہ میں بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ بدر، احد اور دیگر تمام غزوات میں شریک رہے، آپ انصار کے قبیلہ خزرج کے ایک فرد تھے۔ جس وقت آپ ایمان لائے اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے، چار آدمیوں سے قرآن سیکھو۔ ابن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ۔

حضرت معاذ عہد رسالت میں بھی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ آپ صورت و سیرت کے لحاظ سے حسن و جمال کے پیکر تھے۔ ان کی سخاوت و فیاضی کی یہ حالت تھی کہ ہمیشہ مقروض رہتے تھے۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رحمت عام ﷺ نے

حضرت معاذ کو فرمایا کہ عنقریب تمہاری ملاقات اہل کتاب سے ہوگی اور جب تم ان کے پاس جاؤ تو انہیں دعوت دو کہ وہ اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دیں۔ اگر وہ آپ کی یہ دعوت قبول کر لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیاء سے لی جائے گی اور فقراء میں بانٹ دی جائے گی۔ اگر وہ آپ کی یہ بات مان لیں تو جب تم ان کے مالوں سے زکوٰۃ لینے لگو تو ان کا بہترین جانور مت لینا اور مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

جب یہ یمن روانہ ہوئے تو سرکارِ دو عالم ﷺ ان کو الوداع کہنے کیلئے ان کے ساتھ گئے۔ اس وقت معاذ سوار تھے اور حضور پیدل چل رہے تھے اور انہیں اپنے چند مواعظ سے خورسند فرما رہے تھے۔ جب پند و نصائح کا سلسلہ اختتام پذیر ہوا تو حضور نے فرمایا، اے معاذ! شاید اس سال کے بعد تو مجھ سے ملاقات نہ کر سکے اور تمہارا گزر میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے ہو۔ یہ المناک اطلاع پا کر حضرت معاذ پر گریہ طاری ہو گیا۔ تعمیل ارشاد ضروری تھی، وہ یمن روانہ ہوئے اور اس وقت مدینہ طیبہ آئے جب مسند خلافت پر حضرت ابو بکر صدیق تشریف فرما تھے۔ چند روز یہاں قیام کیا، پھر واپس شام چلے گئے اور وہاں اہل بیک اجل کو یک کہا۔

علامہ ابن کثیر مسند امام احمد سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ کو یمن روانہ کیا تو پوچھا، اگر تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے عرض کی، کتاب الہی کے مطابق۔ پھر پوچھا، اگر اللہ کی کتاب میں اس کے بارے میں کچھ نہ ملے تو پھر؟ عرض کی اللہ کے رسول کی سنت کے مطابق۔ پھر فرمایا، اگر سنت میں بھی اس کا جواب نہ ملے تو؟ عرض کی، میں اس کا جواب تلاش کرنے میں پوری کوشش کروں گا اور کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کروں گا۔ آپ کے ان جوابات کو سن کر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَہٗ رَسُوْلَ اللّٰہِ بِمَا یَرْضٰی
رَسُوْلُ اللّٰہِ -

(1)

اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی ہے

جس سے اس کا رسول خوش ہوتا ہے۔

حضرت ابو ذرؓ بارگاہ رسالت ﷺ میں

ایک روز ہادی برحق رحمت عالم ﷺ مسجد میں تنہا تشریف فرما تھے۔ سی اثناء میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور پاس آ بیٹھے۔ رحمت عالم ﷺ نے رشتہ فرمایا کہ اے ابو ذر! مسجد میں حاضری کے آداب ہیں۔ نبیوں نے عرض کی وہ کیا ہیں؟ حضور نے فرمایا، دُعَاتِیْن۔ جب مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت نماز ادا کرو۔ چنانچہ حضرت ابو ذر اٹھے اور دو رکعت نفل تحیۃ المسجد ادا کئے۔

ان تنہائی کے لمحوں کو غنیمت سمجھتے ہوئے حضرت ابو ذر نے چند سوالات کئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے جوابات دیئے۔ درحقیقت یہ جوابات حکمت نبوت کے بحر موع کے درہائے شہوار ہیں۔ جو بھی ان سے استفادہ کرے گا دونوں جہانوں کی فلاح و کامرانی کا تاج اس کے سر پر سجایا جائے گا:-

آپ نے عرض کی یہ رسول اللہ: اَتَى الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ؟ اللہ کے نزدیک کون سے اعمال زیادہ پسندیدہ ہیں؟

حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَجِهًا دُفِيَ مَبِيَّتِيْہِ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے راستہ میں جہاد۔

ابو ذر: قَاتَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَكْمَلُهُمْ لِيْمَانًا؟ ”کس مومن کا ایمان زیادہ مکمل ہے؟“

فرمایا: اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا ”جو اخلاق حسنہ سے مزین ہو وہ زیادہ کامل ہے۔“

ابو ذر: قَاتَى الْمُسْلِمِيْنَ اَفْضَلُ؟ ”مسلمانوں میں افضل کون ہے؟“

فرمایا: مَنْ سِيَمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَبَيَدِهِ ”جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں

ابو ذر: اَتَى الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ؟ ”کون سی ہجرت افضل ہے؟“

فرمایا: مَنْ هَجَرَ الشَّرَّ ”جس نے بدی کو ترک کر دیا۔“

ابو ذر: اَتَى آيَةٍ مِّمَّا اَنْزَلَهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ اَفْضَلُ؟ ”جو کتاب اللہ تعالیٰ نے آپ پر

نازل فرمائی، اس میں سب سے افضل آیت کون سی ہے؟“

فرمایا: ”آیہ انکری۔“

ابو ذر: "یا رسول اللہ انبیاء کی تعداد کتنی تھی؟"

فرمایا: "ایک لاکھ چوبیس ہزار۔"

ابو ذر: "ان میں سے رسولوں کی تعداد کتنی تھی؟"

فرمایا: "تین سو تیرہ۔"

آخر میں حضرت ابو ذر نے عرض کی، یا رسول اللہ: اَفْرِصْنِي "اے اللہ کے پیارے رسول! مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔"

فرمایا: اَوْصِيكَ بِتَقْوَى اللَّهِ فَإِنَّهُ زَيْنٌ لِمَعْرُوكٍ "میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ تقویٰ تمہارے حالات کو مزین و آراستہ کر دے گا۔"

عرض کی: زِدْنِي "یا رسول اللہ! اور وصیت فرمائیں۔"

فرمایا: عَلَيْكَ بِطُولِ الصَّمَتِ "خاموشی اختیار کرو۔"

وَاِيَّاكَ وَالصَّحْثَ فَإِنَّهُ يُبَيِّتُ الْقُلُوبَ وَيَذْهَبُ نُورًا لَوْجَةٍ "زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو، یہ دلوں کو مردہ کر دیتا ہے اور چہرے کی نورانیت کو ختم کر دیتا ہے۔"

پھر عرض کی: زِدْنِي "یا رسول اللہ! اور وصیت فرمائیں۔"

فرمایا: أَحَبُّ الْمَسْكِينِ وَفُجَاءَتِهِمْ "مسکینوں سے محبت اور ان کے پاس بیٹھنے کو محبوب جانو۔"

عرض کی: اور یا رسول اللہ!

فرمایا: قُلِ الْحَقَّ وَلَوْ كَانَ مُرًّا "سچ کہا کرو خواہ وہ کڑوا ہو۔"

عرض کی: زِدْنِي "یا رسول اللہ! اور وصیت فرمائیں۔"

فرمایا: لَا تَخَفْ فِي اللَّهِ كَوْمَةً لَا رَيْحَ "اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کرو۔" (1)

حدیث جبریل علیہ السلام

ایک روز رحمت عالم ہادی برحق ﷺ اپنے صحابہ کی معیت میں تشریف فرما تھے۔ اچانک ایک آدمی داخل ہوا۔ اس کا لباس بہت ہی اجل تھا۔ اس کے بال سخت سیاہ تھے۔ لیکن

اس پر سفر کے کوئی نشانات نہ تھے اور ہم میں سے کوئی بھی اسے نہیں پہچانتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے پیارے نبی ﷺ کے قریب بیٹھ گیا اور اپنا ٹھکانا حضور کے کھننے کے ساتھ بنا دیا۔ اور اپنے ہاتھ بطور ادب اپنی رانوں پر رکھ دیئے۔ پھر وہ عرض پیرا ہوا یا محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ "اے اللہ کے رسول! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے۔" حضور نے فرمایا:

أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ
وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَ
تَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا۔

"اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ تو گواہی دے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں، تو نماز ادا کرے، زکوٰۃ دے رمضان کے روزے رکھے اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔"

اس اجنبی نے کہا صدقُتُ "آپ نے سچ فرمایا۔" مسلمان اس کی یہ بات سن کر بڑے متعجب ہوئے کہ سوال بھی کرتا ہے اور پھر اس کی تصدیق بھی کرتا ہے۔
اس نے دوسرا سوال یہ کیا اَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ "مجھے ایمان کی حقیقت پر سناؤ، فرمائیں رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ۔

"کہ تو اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، اس کی نازل کی ہوئی کتابوں پر، اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر، یوم قیامت پر اور اس کی تقدیر جیسی بھی ہو خیر ہو یا شر، اس پر ایمان لاؤ۔"

یہ سن کر اس اجنبی نے پھر کہا صدقُتُ "آپ نے سچ فرمایا۔"
تیسرا سوال اس نے یہ پوچھا اَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ کہ "احسان کی حقیقت سے مجھے مطلع فرمائیں۔"
حضور اکرم نے فرمایا:

أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرُوكَ

”احسان اس کیفیت کا نام ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو یوں سمجھو گویا تم اللہ تعالیٰ کا دیدار کر رہے ہو اور اگر اس کیفیت پر تم فائز نہ ہو تو کم از کم تمہارا یہ یقین پختہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“

چوتھا سوال اس نے یہ کیا **وَآخِرُ بِنِي عَيْنِ السَّاعَةِ** ”قیامت کے بارے میں مجھے بتائیے کہ وہ کب قائم ہوگی؟“

مرشد برحق حضور ﷺ نے فرمایا **الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ** اس کے بارے میں جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔“

آخری استفسار اس نے یہ کیا کہ ”پھر قیامت کے نشانیوں کے بارے میں مجھے بتائیے۔“

وَآخِرُ بِنِي عَنْ أَمَّا ذَارِعًا

تو نبی برحق نے فرمایا **أَنْ تِلِدَ الْأُمَمَةُ رَبَّتَهَا** ”ایک نشانی یہ ہے کہ کنیز اپنی مالکہ کو جنے گی“

وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ يَتَطَاوُلُونَ فِي الْبُنْيَانِ

”اور تو ان لوگوں کو دیکھے گا جن کے پاؤں میں جوتا نہیں، جن کے جسم

پر لباس نہیں، وہ جو غار میں تعمیر کریں گے، ایک دوسرے سے اونچی

تعمیر کرنے کی کوشش کریں گے۔ پھر سورہ لقمان کی یہ آیت پڑھی

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَكُمْ عَلِيمٌ السَّاعَةِ ”ان استفسارات کے بعد وہ شخص چلا گیا۔“

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبریل تھا جو تمہارا دین تمہیں سکھانے کیلئے یہاں

حاضر ہوا تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ کی یمن کی طرف روانگی

نبی رحمت ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ماہِ رمضان 10 ہجری میں یمن کی

طرف روانہ فرمایا۔ حضرت علی، تین سو سواروں کو اپنے ہمراہ لے کر عازمِ یمن ہوئے۔

جب یمن کی حدود میں پہنچے تو اپنے شہسواروں کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں منقسم کر دیا۔ ان

ٹولیوں نے ان علاقوں میں جو لوگ آباد تھے ان پر ہل بول دیا اور ہر قسم کا مال غنیمت ان کے

قبضہ میں آیا۔ ماں غنیمت میں اونٹ اور بکریاں تھیں۔ پھر ان لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ ان

کے سامنے اسلام کی تعلیمات کو پیش کیا اور اسے قبول کرنے کی انہیں دعوت دی لیکن

انہوں نے اس دعوت کو مسترد کر دیا اور مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش برسا دی۔ ان میں سے بنی مذحج قبیلہ کا ایک آدمی میدان میں نکلا اور مسلمانوں کو دعوت مہارزت دی۔ اس کے مقابلہ کیلئے اسود بن خزاعی نکلے اور اسے لٹکا کر اسود نے اس مذحجی کو قتل کر دیا اور اس کا اسلحہ اور لباس اپنے قبضہ میں لے لیا۔ سیدنا علی مرتضیٰ نے اپنے شہسواروں کو صف باندھنے کا حکم دیا اور لشکر کا پرچم مسعود بن سنان کے حوالے کیا۔ انہوں نے مذحج قبیلہ کے بیس جوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد انہیں مقابلہ کی ہمت نہ رہی، چنانچہ وہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ کر فرار ہو گئے۔ حضرت علی نے ان کے تعاقب و ترک کر دیا۔ پھر ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، انہوں نے بڑی سرعت کے ساتھ اس دعوت کو قبول کیا اور سب مسلمان ہو گئے۔ اس قبیلہ کے کئی رؤساء نے سیدنا علی مرتضیٰ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی۔ علی مرتضیٰ نے اموال غنیمت جمع کئے۔ ان کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ پانچواں حصہ حضور کی بارگاہ میں بھیجنے کیلئے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے۔ اس معرکہ سے فراغت کے بعد علی مرتضیٰ مکہ واپس تشریف لائے۔ اس وقت رحمت دو عالم ﷺ حج ادا کرنے کیلئے مکہ میں تشریف فرما ہو چکے تھے۔

اس سے قبل رسول کریم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد علی مرتضیٰ کو سنہ 8 ہجری میں یمن کی طرف روانہ کیا۔ یہ یمن کی طرف مسلمانوں کا پس مندر تھا وہ وفد تھا۔ نیز آپ کو قبیلہ ہمدان کو اسلام کی طرف دعوت دینے کیلئے بھی روانہ فرمایا۔ ہمدان کا سارا قبیلہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ سیدنا علی المرتضیٰ نے یہ خوشخبری اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لکھ کر روانہ کی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جب وہ گرامی نامہ پڑھا تو سجدہ میں گر گئے اور اتنی کثیر تعداد کے مشرف باسلام ہونے پر دل کی گرائیوں سے ہدیہ تشکر پیش کیا اور اللہ کی حمد و ثناء کی۔ پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور فرمایا: "السلام علی ہمدان" قبیلہ ہمدان کے تمام خاندان پر سلامتی ہو۔ "دوسری مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ کو ہمدان مضاف 10 ہجری میں یمن کی طرف روانہ کیا۔ (1)

حجّة الوداع

حَرَمْتُ عَلَيْكُمُ النِّيشَةَ وَالْدَّمَ وَحُلَّ الْحَزَنِينَ
 وَافْهَلِ الْغَيْرِ الَّذِيْنَ وَالْمُنْخَفِقَةِ وَالنُّوْقُورَةِ
 وَالْمُتَرِزِيَّةِ وَالنَّطِيخَةِ وَفَاكِهِ السَّبِيحِ إِلَّا مَا
 رَكِبْتُمْ وَمَا رَجَحَ عَلَى النَّصَائِكِ تَشْتَقِيهِمْ
 يَا الْأَكْثَرُ لَا تَكْفُرُوا الْيَوْمَ مِنْ بَيْنِ الَّذِينَ كَفَرُوا
 مِنْ دِينِكُمْ وَلَا اخْشَوْهُمْ فِي اخْشَائِكُمُ الْيَوْمَ لَمْ يَكُنْ
 لَكُمْ دِينُكُمْ وَأَمْنِيَّتُكُمْ عَلَيْكُمْ عَمَتِي وَرَضِيَّتُكُمْ
 الْأَسْلَافُ دِينًا فَمِنْ اضْطَرَّ فِي مَخْصَرَةٍ غَيْرِ مَخْصَرَةٍ
 لَا إِشْرَاقَ لَنَا اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

حجۃ الوداع

اس حج کو مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے: حجۃ الوداع، حجۃ التمام، حجۃ البلاغ اور حجۃ الاسلام۔ چونکہ ان ناموں کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے لہذا محتاج بیان نہیں۔ ان ایام میں مختلف مقامات پر حضور نے جو خطابات فرمائے ان میں صریحاً بتا دیا کہ اس مقام پر میری عمر سے یہ آخری ملاقات ہے۔ اس کے بعد یہ موقع تمہیں نصیب نہیں ہوگا۔ ان خطبوں میں اپنی امت کو الوداع کہا ہے، اس لئے اس حج کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ چونکہ انہی ایام حج میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا
(سورہ بقرہ)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات و احسانات کی حد کر دی۔ اس لئے اس حج کو حجۃ التمام کہا جاتا ہے۔ اپنے تاریخی خطاب میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے تمام حاضرین سے یہ گواہی لے لی کہ میں نے احکام الہی کی تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے تو سب نے اس کی تصدیق کی۔ اس لئے اس کو حجۃ البلاغ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان ایام میں مختلف مقامات پر اپنے خطبات میں رحمتِ دو عالم ﷺ نے دین کا خلاصہ اور نچوڑ اپنی امت کے سامنے پیش فرما دیا۔ اس لئے اس کو حجۃ الاسلام کہا جاتا ہے۔

حجۃ الوداع کے تذکرے سے پہلے یہ منسب سمجھتا ہوں کہ قارئین کو یہ بتایا جائے کہ حضور نے اپنی حیات طیبہ میں کتنے حج کئے اور کتنے عمرے ادا کئے۔ اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں لیکن میں اس قول کے ذکر پر کفایت کروں گا جو میرے نزدیک راجح اور قوی ہے۔ امام احمد، امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ رسولِ مکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں چار عمرے ادا کئے۔ ان میں سے تین ماؤزی قعدہ میں اور ایک حجۃ الوداع کے ساتھ ماؤزی الحجۃ میں ادا فرمایا۔

پہلا عمرہ۔۔ حدیبیہ میں حضور جب پہنچے تو کافروں نے رکاوٹ ڈال دی۔ اس لئے یہ عمرہ مکمل نہ ہو سکا۔ آئندہ سال عمرۃ القضاء، یہ بھی ذی القعدہ میں اور جحرانہ کے مقام پر اموال غنیمت تقسیم کرنے کے بعد جو عمرہ حضور نے کیا وہ بھی ذی قعدہ میں تھا۔ البتہ جو عمرہ حضور نے حجۃ الوداع کے ساتھ کیا وہ ماہ ذی الحجہ میں تھا۔

حضور کے حجوں کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ امام ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ حضور نے دو حج ہجرت سے پہلے اور ایک حج ہجرت کے بعد ادا فرمایا۔

سفین ثوری سے منقول ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے ہجرت سے پہلے بست حج ادا کئے اور ہجرت کے بعد ایک حج فرمایا۔ ہجرت سے پہلے جو حج حضور نے فرمائے ان کی تعداد نہیں بتائی جاسکتی۔ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے سرور عالم ﷺ ہر سال حج ادا کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اہل عرب اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی ہر سال فریضہ حج ادا کرتے تھے تو یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ کفار و مشرکین تو حج ادا کر رہے ہوں اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ﷺ حج اولئہ کر رہا ہو؟

ہجرت کے بعد رحمت عالم ﷺ نو سال تک مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر رہے لیکن اس عرصہ میں حضور انور نے کوئی حج ادا نہیں کیا۔ جب ہجرت کا دسواں سال آیا تو اسلام کی عظمت و سطوت کا پرچم جزیرہ عرب کے گوشہ گوشہ میں لہرانے لگا۔ نعمت ایمان سے مالا مال ہونے کے بعد بتوں کے پجاریوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے ان جھوٹے معبودوں کو ریزہ ریزہ کر دیا **أَعْلَى الثُّغُلِ** (ہبل زندہ باد) کے نعرے اب ہمیشہ کیلئے ابدی غیند سوچکے تھے۔ گزشتہ سال حج کرام کا ایک قافلہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اور سیدنا علی امر تقی کرم اللہ وجہہ کی معیت میں کیا۔ اس قافلہ میں کفر و شرک کے باقی ماندہ اور تمام لغو اور باطل شعار کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا۔ مرد و زن کا برہنہ ہو کر طواف کعبہ کی شرم ناک رسم اور اسی قسم کی دیگر فبیح عادات کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا گیا۔ اب وقت آگیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ اور اس کی ساری مخلوق کا ہادی و مرشد فریضہ حج کو سب کے سامنے صحیح طریقہ سے خود ادا کرے تاکہ سنت ابراہیمی کو زندہ کر کے اسے بقائے دوام سے بہرہ مند کرے تاکہ آئندہ قیامت تک حرم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام میں فریضہ حج ادا کرنے

کیلئے جو آئے وہ ان روحانی سعادتوں اور برکتوں سے مالا مال ہو کر واپس جائے جو اس فریضہ کے لوگ کرنے کا اہم ترین مقصد ہے۔

چنانچہ تمام اسلامی آبادیوں میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ اس سال حج آرام کا جو قافلہ خداوند ذوالجلال کے مقدس گھر کی زیارت اور طواف کیسے نیز فریضہ حج کی اورنگی کیسے جائے گا اس قافلہ عشاق کے سالار رحمت للعالمین، محبوب رب العالمین ﷺ خود ہوں گے۔

یہ مژدہ جانفزا جس نے بھی سنا اس پر بے خودی کا عالم طاری ہو گیا۔ مکہ مکرمہ کا سفر اور وہ بھی حبیب رب العالمین کی قیادت میں، کعبہ مشرق کی زیارت اور وہ بھی اپنے تاقیہ السلام کی مبارک معیت میں، مناسک حج کی اورنگی اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے برزیدہ رسول کی براہ راست راہنمائی میں۔ زبے سعادت از بے قسمت ہر شخص اپنی خوش بختی پر تازہ کرنے لگا اور اس سفر سعادت اثر میں شریک ہونے کی تیاری کرنے لگا۔

نبی کریم ﷺ کے سفر حج پر تشریف لے جانے کی خبر کی تشریح کے بعد اہم دینی مقاصد تھے۔

(1) ایک مقصد تو یہ تھا کہ مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد اللہ کے حبیب رسول کو حج کرتے ہوئے دیکھے تاکہ ان کو حج ادا کرنے کے صحیح طریقہ کا علم ہو جائے۔

(2) یہ حج، حجتہ الوداع تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے ارشادات طیبہ کے ذریعہ کئی بار اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا کہ اس مقام پر یہ میری تم سے تخری ماقات ہے۔ اپنی امت کو الوداع کہنے سے پہلے حضور چند اہم پند و نصائح سے انہیں مشرف کرنا چاہتے تھے۔ اس کے تمام اہل اسلام کو اس ارادہ سفر سے مطلع کر دیا گیا کہ ہر شخص اپنے رؤف رحیم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان پند و نصائح کو اپنے کانوں سے سنے اور تادم واپس لے کر عمل پیرا رہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ نے دعوت اسلام کو عرب کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے کیلئے بیس سال تک جو جہیم اور جانگس جدوجہد کی تھی، اس کے خوش کن نتائج کا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو مشاہدہ کرانا تھا تاکہ حضور اللہ تعالیٰ کے اس بے مثال نعام کا شکریہ ادا کریں کہ جس اہم فریضہ کی اورنگی اللہ تعالیٰ نے آپ کے سپرد کی تھی وہ اس کی توفیق اور نصرت سے بحسن و خوبی انجام پذیر ہو۔ نیز اس سفر حج کی تشریح کے باعث جزیرہ عرب کے اطراف و اکناف سے جو بے شمار مؤمنان عذات میں جمع ہوئے، ان سب نے باہر زبند

ایک زبان ہو کر یہ شہادت دی کہ اے اللہ کے محبوب رسول! بیشک آپ نے اپنے فرائض نبوت کو انتہائی حسن و خوبی سے انجام دیا ہے۔

اس قافلہ میں جو لوگ مدینہ طیبہ سے شریک ہوئے تھے ان کو مناسک حج ادا کرنے کی پوری طرح تعلیم دی اور جو وفد آکر راستہ میں اس قافلہ میں شریک ہوتے تھے، ہر وفد کے ہر رکن کو مناسک حج کی تعلیم دی جاتی تھی اور زمانہ جاہلیت میں حج کی ادائیگی میں جو خرابیاں رونما ہو چکی تھیں، ان سے بچنے کی ان کو تاکید کی جاتی تھی۔

جوں جوں حج کا مہینہ قریب آتا جا رہا تھا محبت و شوق کے جذبات میں بے قراریاں اور بے چینیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ قافلوں کے قافلے مدینہ طیبہ پہنچنے لگے۔ مدینہ طیبہ کے ارد گرد جو کھلے میدان تھے وہ اللہ کے سمناؤں کے خیموں سے بھر گئے۔ گلیوں میں اتنی بھیڑ ہو گئی کہ کھوے سے کھوا چھلنے لگا۔ ذی قعدہ کی پچیس تاریخ تھی، ہفتہ کا دن تھا۔ نماز ظہر مسجد نبوی کے بقعہ نور میں سید الانبیاء والرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء میں سب نے ادا کی، کیا لطف ہو گا اس قیام میں؟ کیا کیف و سرور ہو گا ان سجدوں میں جو اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء میں ان بندگان خدا نے ادا کئے ہوں گے؟ حضور سرور عالم ﷺ نے حضرت ابو دجانہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا، تمام ازواج مطہرات کو اس سفر میں ہر کالی کا شرف بخشا اور ہر ایک کیلئے علیحدہ علیحدہ ہودج کا اہتمام فرمایا۔

اس سفر پر روانہ ہونے سے پہلے حضور نے غسل فرمایا۔ جب یہ قافلہ ذوالحلیفہ پہنچا تو سب کو رک جانے کا حکم ملا۔ سب وہاں ٹھہر گئے کیونکہ سفر کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس لئے عصر کی نماز قصر ادا کی گئی۔ یہ رات یہاں بسر ہوئی۔ مغرب، عشاء اور دوسرے روز صبح کی نمازیں اسی مقام پر ادا کی گئیں۔ سیدنا ابو بکر صدیق کے فرزند حضرت محمد بن ابی بکر کی یہاں ہی ولادت ہوئی۔

ذوالحلیفہ، ایک چشمہ کا نام ہے جو مدینہ طیبہ سے پانچ چھ میل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ چشمہ قبیلہ بنو جشم کی ملکیت تھا۔ اہل مدینہ کیلئے یہی مقام میقات ہے۔ یعنی جو شخص یہاں سے حج یا عمرہ کیلئے مکہ مکرمہ کا قصد کرے اس پر لازم ہے کہ جب اس مقام پر پہنچے تو احرام باندھ کر آگے بڑھے۔ ظہر کی نماز سے پہلے حضور نے احرام کیسے غسل فرمایا، سر مبارک میں تیل لگایا اور موئے مبارک میں کنگھی کی، خوشبو لگائی، پھر دو چادریں احرام کی باندھیں،

پھر دو رکعت ظہر کی نماز پڑھی، اس کے بعد حج و عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا، پھر تلبیہ کہا۔ حضور کے تلبیہ کے کلمات طہیات درج ذیل ہیں :

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ
لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ
إِنِّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ
وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ

حاضر ہوں میں اے اللہ۔ میں حاضر ہوں۔
حاضر ہوں میں، تیرا کوئی شریک نہیں۔
میں تیرے دربار میں حاضر ہوں۔ ساری
تعریفیں تیرے لئے اور ساری نعمتیں
تو نے عطا فرمائی ہیں۔ سارے ملکوں کا تو
بادشاہ ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔

رحمت عالم ﷺ اپنے لُحْنِ مَبَارَک سے تلبیہ کے یہ روح پرور الفاظ بلند آواز سے ادا کرتے تھے۔ حضور کے چاروں طرف حدنگاہ تک پھیلا ہوا انسانوں کا یہ سمندر ان کلمات کو دہراتا تھا۔ ان کی گونج سے سارے دشت و جبل اور صحراء گونجنے لگتے تھے۔

احرام باندھنے کے بعد حضور اپنی ناقہ قصونی پر سوار ہوئے اور پھر یہی تلبیہ کے ایمان پر درجیلے دہرائے۔ جب حضور کی ناقہ کھلے میدان میں پہنچی تو حضور نے بلند آواز سے پھر تلبیہ فرمایا۔ بار بار تلبیہ کے ان کلمات کو دہرانے کا مقصد یہ تھا کہ اس قافلہ میں جتنے لوگ ہیں وہ سب اپنے کانوں سے اپنے ہادی برحق کا یہ تلبیہ سن میں اور انہیں پاکیزہ کلمات سے وہ خود بھی تلبیہ کہیں۔

یہاں سے عشاق کا یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اپنے آقا علیہ اسلام کی قیادت میں نہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔ نماز کے وقت سب اپنی سواریوں سے اتر کر اپنے معبود حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتے راستہ میں اگر کوئی ٹیلہ یا پہاڑی آتی تو جب اس پر چڑھتے یا سی نشیب میں اترتے تو بلند آواز سے تین تین بار تکبیریں کہتے۔ حضور نے اپنے صحابہ کرام کی معیت میں اپنا یہ سفر جاری رکھا اور عرج، ابواء، وادی عسقلان اور سرف وغیرہ مقامات سے گزرتے ہوئے سات آٹھ دن بعد یہ قافلہ اس وقت مکہ مکرمہ کے قرب و جوار میں پہنچا جب سورج غروب ہو رہا تھا۔ یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس کا نام ذوطوی تھا، سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہاں رات بسر کرنے کا فیصلہ فرمایا تاکہ رات بھر آرام کرنے سے سفر کی تھکاوٹ دور ہو جائے اور جب اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کیلئے مکہ میں داخل ہوں تو وہ تازہ دم ہو کر

آگے بڑھیں اور ذوق و شوق سے سرشار ہو کر اپنے رب کریم کے گھر کی زیارت سے مشرف ہوں اور اس کا طواف کریں۔ فجر کی نماز و طوی میں ادا کی، پھر غسل فرمایا، پھر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔

یہ اتوار کا دن تھا، ذوالحجہ کی چار تاریخ تھی اور ہجرت کا دسواں سال تھا۔ اس سفر کو طے کرنے کیلئے مسلمانوں کو آٹھ راتیں راستہ میں گزارنا پڑیں۔ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ سمیت سب سے پہلے مسجد حرام میں تشریف لے آئے۔ جب کعبہ مقدسہ پر نظر پڑی تو بایں الفاظ بارگاہ رب العزت میں التجاء کی:

اللَّهُمَّ زِدْ بَيْتَكَ هَذَا تَشْرِيفًا وَتَعْظِيمًا وَمَهَابَةً

”اے اللہ! اپنے گھر کے شرف کو، اس کی عظمت کو، اس کی ہیبت کو اور زیادہ بڑھا۔“

ایک روایت میں یوں مروی ہے کہ حضور جب کعبہ شریفہ کی زیارت کرتے تو بایں الفاظ التجاء کرتے:

اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ حَتَّىٰ رَتَبْنَا بِالسَّلَامِ
اللَّهُمَّ زِدْ هَذَا الْبَيْتَ تَشْرِيفًا وَتَعْظِيمًا وَتَكْرِيمًا وَمَهَابَةً (1)

”اے اللہ! تو ہی سلام ہے۔ تجھی میں سلامتی ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں سلامتی سے زندہ رکھ۔ اے اللہ! اس گھر کے شرف اور عزت اور تکریم اور رعب میں اضافہ فرما۔“

طواف

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طواف شروع کیا، پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ طواف کے وقت کعبہ شریفہ حضور کی بائیں جانب تھا۔ جب طواف سے فراغت ہوئی تو حضور مقام ابراہیم پر تشریف لائے، طواف کی دو رکعت نفل ادا کیں اور یہ آیت تلاوت کی:

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى (2)

”مقام ابراہیم کو اپنا مصلیٰ بناؤ۔“

سرکارِ دو عالم ﷺ اس طرح کھڑے ہو کر یہ دور کعتیں ادا فرماتے کہ حضور کے درمیان اور کعبہ شریف کے درمیان مقام ابراہیم ہوتا۔ جب اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو حضور پھر حجرِ اسود کی طرف تشریف لے گئے اور اسے بوسہ دیا۔ طواف سے فراغت کے بعد صفا کا رخ فرمایا۔ جب وہاں پہنچے تو یہ آیت مبارکہ تلاوت کی۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ
أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ
خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ۔

(1)

”یشک صفا و مردہ اللہ کی نشانیوں سے ہیں۔ پس جو حج کرے اس گھر کا
عمرہ کرے تو کچھ حرج نہیں اسے کہ چکر لگائے ان دونوں کے درمیان
اور جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان اور خوب جاننے
وال ہے۔“

سات چکر پورے کرنے کے بعد حضور نے احرام نہیں کھوڑا۔ کیونکہ حضور اپنے ہمراہ
قربانی کے جانور لائے تھے۔ اس لئے جب تک حج ادا کر کے قربانی کے جانوروں کو ذبح نہ کر
لیا جائے اس وقت تک احرام برقرار رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان علماء کا یہ قول
زیادہ قوی ہے کہ حضور نے قرآن کیا تھا اور حضور قارن تھے، لیکن جو صحابہ اپنے ہمراہ قربانی
کے جانور نہیں لائے تھے حضور کے حکم سے ان سب نے اپنے احرام کھول دیئے اور پھر
آٹھویں ذی الحجہ کو ان حضرات نے از سر نو حج کا احرام باندھا۔ اور اس وقت تک یہ احرام
برقرار رکھا جب تک یومِ نحر، انہوں نے قربانی کے جانور ذبح نہ کر لئے۔

آٹھ ذی الحجہ (یومِ الترویہ) تک سرکارِ دو عالم ﷺ مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر رہے۔
آٹھ تاریخ کو مکہ سے چل کر منی تشریف لے آئے۔ حضور کے صحابہ بھی حضور کے
ہمراہ تھے۔ اس اثناء میں بعض حضرات لبیک اللہم لبیک کا ورد کرتے اور بعض تکبیر کہتے
تھے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی پر اعتراض نہیں کیا۔

رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمازِ ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء منیٰ میں پڑھیں۔

وہاں ہی رات بسر کی اور صبح تک قیام فرمایا۔ اتنی دیر یہاں توقف فرمایا کہ سورج طلوع ہو گیا۔ وہاں سے عرفات تشریف لے گئے۔ مسجد نمروہ کے پاس حضور کیلئے ایک خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ یہ جگہ میدان عرفات کے مشرقی جانب ہے۔ وہاں قیام فرمایا، جب سورج ڈھل گیا تو اپنی ناقہ قصویٰ طلب فرمائی، اس پر کچھ کسایا، اس پر سوار ہو کر حضور یطن وادی میں تشریف لے آئے۔ وہاں پہنچ کر حضور نے وہ تاریخ ساز عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اسلام کی ساری تعلیمات کو بڑے دانشین انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ زمانہ جاہلیت کے تمام رسم و رواج کو نیست و نابود کر دیا اور ان عزت و حرمت والے امور کو برقرار رکھا جو تمام مذاہب میں اور تمام زمانوں میں عزت و حرمت کے حامل تھے۔ یعنی انسانی جان، انسانی آبرو، اس کے اموال۔ اور وہ قواعد و ضوابط جو انسانی زندگی کے معاشرتی یا معاشی پسوؤں کو بری طرح متاثر کرتے تھے، ان کو کالعدم قرار دیدیا۔ ان دور رس اصلاحات کا آغاز اپنے خاندان سے کیا۔

زمانہ جاہلیت میں حضور کے چچا حارث کا بیٹا ربیعہ جو قبیلہ بنی سعد بن بکر میں اپنی شیر خوارگی کا زمانہ گزار رہا تھا، اس کو قبیلہ ہذیل کے ایک آدمی نے قتل کر دیا۔ حضور نے اپنے چچا کے بیٹے کے خون کو معاف کر دیا۔ اسی طرح جب سود کو حرام قرار دیا تو فرمایا سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس کا سود جو لوگوں کے ذمہ ہے اس کو کالعدم قرار دیتا ہوں اور اس کو اپنے پوتوں کے نیچے روندتا ہوں۔

اس زمانہ میں ہر ملک میں طبقہ نسواں کی حالت بڑی ناگفتہ بہ تھی۔ حضور نے عورتوں کے ساتھ بہترین سلوک کرنے کی وصیت فرمائی۔ بتایا کہ کچھ حقوق شوہر کے اس کی بیوی پر ہیں، اسی طرح کچھ حقوق بیوی کے اس کے شوہر پر ہیں۔ دونوں پر لازم ہے کہ اپنے اپنے فرائض کو خوش دلی سے انجام دیں۔

اپنی امت کو وصیت فرمائی کہ وہ اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں۔ انہیں بتایا کہ اگر اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوں گے۔

اس خطبہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کا مکمل متن یہاں تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں تاکہ ہمارے نوجوان اپنے سقا کے ان ارشادات کا بغور مطالعہ کریں جس میں نوع انسانی کے جملہ حقوق کی نشاندہی کی گئی ہے اور نوع انسانی کے مختلف اصناف کے حقوق و فرائض کا جو تذکرہ کیا گیا ہے، اس کا بنظر غائر مطالعہ کریں۔

خطبہ حجتہ الوداع - عرفات کے میدان میں

بَعْدَ الْحَمْدِ لِلَّهِ وَالشَّاءِ عَلَيْهِ
أَيُّهَا النَّاسُ: إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَ
أَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ لِي أَنْ
تَلْقُوا رَبَّكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ
هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِ
بَلَدِكُمْ هَذَا -

وَلَكُمْ سَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ
عَنْ أَعْمَالِكُمْ وَقَدْ بَلَغْتُ وَ
مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَانَةٌ
فَلْيُرِدَّهَا لِمَنْ أَتَمَّتْ عَلَيْهَا
وَإِنْ كُلَّ رِبَا مَوْضُوعٍ وَلَكِنْ
لَكُمْ دُؤُسُ أَمْوَالِكُمْ وَلَا تَظْلِمُونَ
وَلَا تُظْلَمُونَ -

”اے لوگو! تمہاری جانیں اور تمہارے
اموال تم پر عزت و حرمت والے ہیں
یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات
کرو۔ یہ اس طرح ہے جس طرح تمہارا
آج کا دن حرمت والا ہے، جس طرح
تمہارا یہ مہینہ حرمت والا ہے۔ اور جس
طرح تمہارا یہ شہر حرمت والا ہے۔ بیشک
تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے وہ تم سے
تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔
سنو! اللہ کا پیغام میں نے پہنچا دیا اور جس
شخص کے پاس کسی نے امانت رکھی ہو اس
پر لازم ہے کہ وہ اس امانت کو اس کے مالک
تک پہنچا دے۔ سراسر معاف ہے لیکن
تمہارے لئے اصل زر ہے، نہ تم کسی پر ظلم
کرو نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ کوئی سود
نہیں۔ سب سے پہلے جس ربا کو میں
کا لعدم کرتا ہوں وہ عباس بن عبد المطلب
کا سود ہے۔ یہ سب کا سب معاف ہے۔
زمانہ جاہلیت کی ہر چیز کو میں کا لعدم قرار دیتا
ہوں اور تمام خونوں میں سے جو خون میں
معاف کر رہا ہوں وہ حضرت عبد المطلب کے
بیٹے حارث کے بیٹے ربیعہ کا خون ہے جو اس

قَضَى اللَّهُ أَنَّهُ لَا رِبَا -

وَإِنَّ أَوَّلَ رِبَا أَضَعُ رِبَا عَبَّاسِ
بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ
كُلُّهُ إِلَّا إِنْ كَانَ كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ
الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَلَئِنْ
أَوَّلَ دِمَةٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا
دِمَ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ
عَبْدِ الْمُطَّلِبِ كَانَ مُسْتَرْضِعًا

فِي بَنِي سَعْدِ بْنِ بَكْرِ وَقَتَهُ
هَذَيْنِ -

أَيُّهَا النَّاسُ! الشَّيْطَانُ قَدْ
يَسَّ أَنْ يُعْبَدَ بِأَرْضِكُمْ هَذِهِ
أَبَدًا وَلَكِنَّهُ إِنْ يُطْعَمَ فِيمَا
رَسُولِي ذَلِكُ فَقَدْ رَضِيَ بِمَا
تَحْقِرُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ -
فَأَحْذَرُوا عَلَى دِينِكُمْ -

وقت بنو سعد کے ہاں شیر خوار بچہ تھا اور
ہذیل قبیلہ نے اس کو قتل کر دیا۔

اے لوگو! شیطان اس بات سے مایوس
ہو گیا ہے کہ اس زمین میں کبھی اس کی
عبادت کی جائے گی۔ لیکن اسے یہ توقع
ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے گناہ کرانے میں
کامیاب ہو جائے گا۔ اس لئے تم ان
چھوٹے چھوٹے اعمال سے ہوشیار رہنا۔

پھر فرمایا کہ جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم
کیا ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) ان مہینوں
میں جنگ و جدال جائز نہیں۔

کفار اپنے اغراض کے پیش نظر ان مہینوں میں رد و بدل کر لیا کرتے تھے۔

أَيُّهَا النَّاسُ! اتَّقُوا اللَّهَ وَ
اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا
فَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَاظٌ لَا
يَمْلِكُنَّ لِأَنْفُسِهِنَّ شَيْئًا -
وَلَكُمْ مِنْكُمْ مِمَّا أَخَذْتُمُوهُنَّ
بِأَمَانَةٍ إِلَى اللَّهِ وَاسْتَحْلِلْتُمْ
فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَ
لَكُمْ عَلَيْهِنَّ حَقٌّ - وَلَهُنَّ
عَلَيْكُمْ حَقٌّ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ
أَنْ لَا يُؤْطِئَنَّ فُرُوسَهُمْ أَحَدًا
تَكْرَهُونَهُ وَعَلَيْهِنَّ أَنْ
لَا يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ -
وَإِنْ قَعَلْنَ فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ

اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، میں
تمہیں عورتوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت
کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ تمہارے زیر دست
ہیں، وہ اپنے بارے میں کسی اختیار کی مالک
نہیں۔ اور یہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی
طرف سے امانت ہیں۔

اور اللہ کے نام کے ساتھ وہ تم پر حلال
ہوئی ہیں تمہارے ان کے ذمہ حقوق ہیں
اور ان کے تم پر بھی حقوق ہیں۔

تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر
کی حرمت کو برقرار رکھیں۔

اور ان پر یہ لازم ہے کہ وہ کھلی بے حیائی کا
ارتکاب نہ کریں۔

أَذِنَ لَكُمْ أَنْ تَهَاجِرُوا مِنْ
فِي الْمَضَاجِعِ وَتَصْرِبُوهُنَّ
صَرْبًا غَيْرَ مُبْرِجٍ فَإِنْ أَنْهَيْتُمْ
فَدِهْنٌ عَلَيْكُمْ بِشَقِيهَتٍ وَ
كَسَوْتُمْهُمْ بِالْمَعْرُوفِ فَأَعْقِلُوا

اور اگر ان سے بے حیائی کی کوئی حرکت
سرزد ہو پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اجازت
دی ہے کہ تم ان کو اپنی خواہگا ہوں سے دور
کر دو۔

اور انہیں بطور سزا تم مار سکتے ہو۔ لیکن جو
ضرب شدید نہ ہو۔

اور اگر وہ باز آجائیں تو پھر تم پر لازم ہے
کہ تم ان کے خورد و نوش اور لباس کا عہدگی
سے انتظام کرو۔

اے لوگو! میری بات کو اچھی طرح سمجھنے
کی کوشش کرو۔

پیشک میں نے اللہ کا پیغام تم کو پہنچا دیا ہے۔
اور میں تم میں ایسی دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا
ہوں کہ اگر تم ان کو مضبوطی سے پکڑے
رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن کریم) اور اس
کے نبی کی سنت ﷺ۔

اے لوگو! میری بات غور سے سنو اور اس
کو سمجھو تمہیں یہ چیز معلوم ہونی چاہئے کہ
ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

کسی آدمی کیسے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے
مال سے اس کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز
لے پس تم اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا۔

جان لو کہ دین تینوں باتوں پر حسد و عناد

أَيُّهَا النَّاسُ قَوْلِي قَاتِي قَدْ
بَلَغْتُ۔

وَقَدْ تَزَكَّيْتُ فِيكُمْ مَا لَسْتُ
تَضِلُّوا بَعْدِي أَبَدًا إِنِّي
أَعْتَصَمْتُ بِهِ۔ أَمْرِي
كِتَابُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَسُنَّةُ
نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَيُّهَا النَّاسُ! سَمِعُوا قَوْلِي
وَأَعْقِلُوا تَعْلَمُونَ أَنَّ كُلَّ
مُسْلِمٍ أَخٌ لِمُسْلِمٍ وَأَنَّ
الْمُسْلِمِينَ إِخْوَةٌ۔

فَلَا يَحِلُّ لِأَمْرِي مِنْ أُخِيَرٍ
إِلَّا مَا أُعْطَاهُ عَنْ طَيْبِ
نَفْسٍ وَلَا تَظْلِمُنَّ أَنْفُسَكُمْ۔
وَأَعْلَمُوا أَنَّ الْقُلُوبَ لَا تَغْلُ

عَلَى ثَلَاثٍ -

إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلَّهِ عَزَّوَجَلَّ
مُتَابَعَةُ أَوْلَى الْأُمُورِ عَلَى
لُزُومِ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ -

فَإِنْ دَعَوْتَهُمْ يُحِيطُ مِنْ
دَرَأٍ وَهُمْ وَمَنْ تَكُنِ الدُّنْيَا
رَبِّتُهُ يَجْعَلِ اللَّهُ فَرَكًا بَيْنَ
عَيْنَيْهِ وَيُشَيِّتْ عَلَيْهِ ضِعْعَةً
وَلَا يَأْتِيهِ مِنْهَا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ

وَمَنْ تَكُنِ الْآخِرَةُ رَبِّتُهُ
يَجْعَلِ اللَّهُ غَنَاءَهُ فِي قَلْبِهِ
وَيُكْفِيهِ ضِعْعَتَهُ وَتَأْتِيهِ
الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ -

فَرَحِمَ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مَقَالَتِي
حَتَّى يَبْلُغَهُ غَيْرُكَ -

قَرِيبَ حَامِلٍ فَقِيهِ وَلَيْسَ
بِفَقِيهِ وَرُبَّ حَامِلٍ فَقِيٍّ
إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ -

أَرَفَ نَفْسُكُمْ أَرَفَ نَفْسُكُمْ أَطْعَمُوهُمْ

نہیں کرتے نہ

کسی عمل کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے
کرنا۔

حاکم وقت کو ازراہ خیر خواہی نصیحت کرنا۔

مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ شامل رہنا۔

اور بیشک ان کی دعوت ان لوگوں کو بھی
گھیرے ہوئے ہے جو ان کے علاوہ ہیں۔

جس کی نیت طلب دنیا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس
کے فقر و افلاس کو اس کی آنکھوں کے
سامنے عیاں کر دیتا ہے اور اس کے پیش کی
آمدن منتشر ہو جاتی ہے۔

اور نہیں حاصل ہوتا اس کو اس سے مگر اتنا
جو اس کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے اور جس
کی نیت آخرت میں کامیابی حاصل کرنا ہے
تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے،
اور اس کا پیشہ اس کے لئے کافی ہو جاتا
ہے۔ اور دنیا اس کے پاس جتنی ہے اس حال
میں وہ اپنا ناک گھسیٹ کر آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے
میری بات کو سنا اور دوسروں تک پہنچایا۔

بسا اوقات وہ آدمی جو فقہ کے کسی مسئلے کا
جاننے والا ہے وہ خود فقیہ نہیں ہوتا اور بسا
اوقات حامل فقہ کسی ایسے شخص کو بات
پہنچاتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔

تمہارے غلام، تمہارے غلام جو تم خود

وَمَا تَأْكُلُونَ وَالسُّوءُ مَا

تَلْبَسُونَ فَإِنْ جَاءَ بِذَنْبٍ
لَا يُرِيدُونَ أَنْ تَغْفِرَ لَهُمْ،
فَبِعَمَلِهِمْ سَاءَ مَا لَهُمْ
نَدَاءً يَوْهَتْهُمْ۔ اذْهَبْكُمْ إِلَىٰ الْآثَارِ
حَتَّىٰ أَكْثَرَ فَعَلْنَا إِنَّهُ سَيُورِيهِ

أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللَّهَ قَدْ
أَذَىٰ لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ
وَلَهُ لَا يَجُوزُ وَصِيَّةٌ لِوَارِثٍ
وَالْوَلَدُ لِلْأَبِ وَالْأُمُّ لِلْأُمِّ
وَالْحَجَرُ۔ وَمَنْ أَدْعَىٰ إِلَىٰ
غَيْرِ أَبِيهِ أَوْ تَوَلَّىٰ غَيْرَ مَوْلَاهُ
فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْخَالِفِ
وَالنَّاسُ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ
اللَّهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا۔
الْعَارِيَةُ مَوَدَّةٌ وَالْبَحْلَةُ
مَرَدُّ دَاكٍ وَالذِّينُ مَقْضَىٰ
وَالزَّعِيمُ غَائِرٌ۔

وَأَنْتُمْ تَسْأَلُونَ عَنِّي وَمَا

کھاتے ہو ان سے ان کو کھاؤ۔

جو تم خود پہنتے ہو ان سے ان کو پہناؤ، اگر ان
سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے جس کو تم
معاف کرنا پسند نہیں کرتے تو ان کو
فروخت کر دو۔

اے اللہ کے بندو! ان کو سزا نہ دو۔ میں
پڑوسی کے بارے میں تمہیں نصیحت کرتا
ہوں۔ (یہ جملہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے
اتنی بار دہرایا کہ ہمیں یہ اندیشہ لاحق ہو گیا
کہ حضور پڑوسی کو وارث نہ بنادیں)

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا
حق دے دیا ہے، اس لئے کسی شخص کے
لئے جائز نہیں کہ اپنے کسی وارث کیلئے
وصیت کرے۔ بیٹا، بستر والے کا ہوتا ہے
یعنی خاوند کا اور بدکار کیسے پتھر۔ جو شخص
اپنے آپ کو اپنے باپ کے بغیر کسی طرف
منسوب کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں
اور سارے لوگوں کی لعنت ہو۔

نہ قبول کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے کوئی
بد۔ اور کوئی مال۔

جو چیز کسی سے مانگ کر لو لے واپس کرو۔
عطیہ ضروری واپس ہونا چاہئے اور قرضہ
رہی طور پر لے ادا کرنا چاہئے اور جو ضامن
ہو اس پر اس کی ضمانت ضروری ہے۔

تم سے میرے بارے میں دریافت کیا

أَنْتُمْ قَائِلُونَ قَالُوا نَشْهَدُ
أَنَّكَ بَلَغْتَ وَادَّيْتُ وَصَحَّتْ

جائے گا، تم کیا جواب دو گے؟ انہوں نے
کہا، ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا
پیغام پہنچایا، اس کو ادا کیا اور خصوص کی حد کر
دی۔“ (1)

حضور ﷺ نے اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا، پھر لوگوں کی طرف موڑا اور
فرمایا، اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا۔ اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا۔ اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا۔ عرفات
میں یہ جلیل الشان خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد حضرت بدال کو حکم دیا، انہوں نے اذان کہی،
پھر اقامت کہی۔ امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظہر کی دو رکعت پڑھیں۔ اس میں
قرأت آہستہ دل میں پڑھی، پھر انہوں نے اقامت کہی اور عصر کی دو رکعتیں پڑھیں اس
روز یوم الجمعہ تھا۔

جب نماز سے فارغ ہوئے تو اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر موقف پر تشریف لائے اور
غروب آفتاب تک یہ سرِ اوقت بڑے عجز و نیاز سے بارگاہ الہی میں مصروف دعا رہے۔ ان
دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی :

اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِي نَقُولُ وَخَيْرًا مِمَّا نَقُولُ -
اللَّهُمَّ لَكَ صَلَواتِي وَنُكَيِّ وَفَحْيَايَ وَمَمَارِي وَبِالْيَكَّةِ
مَا بِي وَكَانَ تُرَائِي
اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَسُوسَةِ
الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْأُمْرِ -
اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا يَجِيءُ بِهِ الرِّيحُ وَمِنْ شَرِّ
مَا يَدْبُرُ فِي اللَّيْلِ وَشَرِّ مَا يَلْبِغُ فِي النَّهَارِ وَشَرِّ بَوَائِقِ
الدَّهْرِ -

(2)

”اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے لئے ہیں اس طرح جس طرح ہم
تیری حمد کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی بہتر۔“

اے اللہ! میری نمازیں، میری قربانیاں، میری زندگیاں اور میری موت صرف تیرے لئے ہے۔ میراوشابھی تیری جناب میں ہے اور میری میراث تیرے حوالے ہے۔

اے اللہ! میں عذاب قبر سے، سینہ میں پیدا ہونے والے دوسووں اور کسی مقصد کے منتشر ہونے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اے اللہ! میں ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جس کا سبب ہوا ہو اور اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو رات میں داخل ہو اور ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو دن میں داخل ہو۔ نیز زمانہ کی تباہ کاریوں کے شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔

اسی مقدم پر دوسری دعا جو حضور نے، لگی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق اس کی یہ عبارت ہے :

اللَّهُمَّ أَنْتَ تَسْمَعُ كَلَامِي وَتَرَى مَكَانِي، وَتَعْلَمُ بَيْتِي
وَعَلَائِيَّتِي، لَا يَخْفَى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِي أَنَا الْبَائِسُ
الْفَقِيرُ الْمُسْتَغِيثُ الْمُسْتَعِيرُ الْوَجِلُ الْمُسْتَفِيقُ، الْمُقَرَّرُ
الْمُعْتَرِفُ بِذُنُوبِهِ، أَسْأَلُكَ مَسْنَدَ الْمُسْكِينِ، وَأَبْتِهَالُ
إِلَيْكَ بِبَيْتِهَالِ الْمَذْنِبِ الْذَلِيلِ وَأَدْعُوكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيرِ
مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهُ وَفَاضَتْ لَكَ عِبْرَتُهُ وَذَلَّ
جَسَدُهُ وَرَغِمَ أَنْفُهُ لَكَ، اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْنِي بِدُعَائِكَ
رَيْبَ شَقِيئًا وَكُنْ لِي رَعُوفًا رَحِيمًا يَا خَيْرَ الْمُسْتَوَلِينَ
وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِينَ -

(1)

”اے اللہ تو میری گفتگو کو سنتا ہے۔ میری قیام گاہ کو دیکھ رہا ہے۔ میرے باطن اور ظاہر کو جانتا ہے، میرے حالات میں سے کوئی چیز تجھ پر مخفی نہیں، میں غمزدہ اور فقیر ہوں۔ میں تیری جناب میں فریاد کرنے والا ہوں، پناہ مانگنے والا ہوں، ڈرنے والا، خوفزدہ، اپنے گنہوں کا اقرار

واعتراف کرنے والا، میں تجھ سے ایک مسکین کی طرح سوال کرتا ہوں
 اور ایک گنہ گار، ضعیف اور کمزور کی عاجزی کی طرح عاجزی کرتا ہوں
 اور تیری جناب میں اس طرح دعا کرتا ہوں جس طرح ایک ڈرنے والا
 ناپیادہ مانگتا ہے، جس کی گردن تیرے لئے جھک گئی ہے، جس کے
 آنسو تیرے ڈر سے بہ رہے ہیں، جس کا جسم عاجزی کر رہا ہے، جس کی
 ناک تیری بارگاہ میں خاک آلود ہے۔ اے میرے اللہ! مجھے شقی نہ بنانا
 اور میری دعا قبول کرنا اور میرے ساتھ مہربانی اور رحم کا سلوک کرنا۔
 اے ان سب سے بہتر جن سے مانگا جاتا ہے اور ان سب سے بہتر جو عطا
 کرتے ہیں۔“

اس روز کی دعاؤں میں سے ایک دعا جو سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے، یہ
 ہے :

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَ
 لَهُ الْحَمْدُ، سَيِّدِ الْخَيْرِ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
 اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا، وَفِي صَدْرِي نُورًا، وَفِي
 سَمْعِي نُورًا، وَفِي بَصَرِي نُورًا. اللَّهُمَّ اشْرِحْ لِي صَدْرِي،
 وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ وَسْوَاسِ الصُّدُورِ، وَ
 شَتَايَ الْأُمُورِ، وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ
 شَرِّ مَا يَلْبِغُ فِي اللَّيْلِ وَشَرِّ مَا يَلْبِغُ فِي النَّهَارِ، وَشَرِّ مَا
 تَهْبُطُ بِهِ الرِّيَّاحُ، وَمِنْ شَرِّ بَوَائِقِ الدَّهْرِ. (1)

”کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے، وہ یکتا ہے اس کا کوئی
 شریک نہیں۔ سارے ملک، ساری تعریفیں اسی کیسے ہیں۔ ساری
 بھلائیاں اس کے دست قدرت میں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے
 اللہ! میرے دل میں نور کر دے، میرے سینے میں نور کر دے میرے
 کانوں میں نور کر دے، میری آنکھوں میں نور کر دے، اے اللہ! میرے

مینے کو اپنے لئے کھول دے، میرے ہر حصہ کو اپنے لئے آسان فرما۔
 میں سینہ کے دوسو سوں سے، حالات کے پر اُندہ ہونے سے، قبر کے شر
 سے تھری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! جو فتنہ رات میں داخل ہوتا ہے اور
 دن میں داخل ہوتا ہے، اس کے شر سے تھری پناہ مانگتا ہوں اور اس کے
 شر سے جس کے ساتھ ہوائیں چلتی ہیں اور زمانہ کی ہلاکت انگیزیوں
 سے تھری پناہ چاہتا ہوں۔“

اسی مقام پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی جس میں دین کے مکمل ہونے اور نعمتوں کے اتمام
 پذیر ہونے کا مشرودہ جانفزا سنایا گیا:

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ
 رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔

(1)

مقبولیت کے ان زیریں لمحات میں حضور نے اپنی امت کو فروعی امور میں یہ بکھنکھش
 و مغفرت کیلئے بھی اپنے کریم اور جیم رب کی جناب میں کہاں عجز و نیاز سے دعائیں مانگیں۔
 امام ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”خاتم الغنی“ میں دو حدیث نقل کی ہے جس میں
 سرور عالم نے اپنی امت کے گن گاروں کیلئے بارگاہ رب العزت میں بڑے عجز و نیاز سے
 دعائیں مانگیں۔ یہ روایت بغور پڑھئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے بارے میں جو فرمایا
 ہے۔ **خَوَّلَ عَلَيْكَ الْتَّوَكُّلَ وَ وَفَّىٰ نَعِيمًا** اس آیت کی تشریح آپ کو اس روایت میں
 ملے گی۔

”حضرت عباس فرماتے ہیں کہ عرفہ کی
 رات کو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا
 کہ حضور نے امت کی مغفرت اور اس پر
 رحمت کیلئے دعا مانگی اور دیر تک بعد عجز و
 نیاز اپنے رب کے سامنے دامن پھیلائے
 ہوئے یہ تجوہ کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے
 اپنے حبیب پر یہ وحی نازل کی کہ میں نے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَأَيْتُ
 أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ دَعَا عِشْيَةَ عَرَفَةَ لِأُمِّيَّةٍ
 بِالْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ فَالْتَزَمَتْ
 الدُّعَاءَ فَأَوْحَى إِلَيْهِ أَنِّي قَدْ
 صَعِدْتُ إِلَّا ظَلَمَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا
 وَأَمَّا ذُنُوبُهُمْ فِيمَا بَيْنِي وَ

بَيْنَهُمْ فَقَدْ عَفَرْتُ -

فَقَالَ يَا رَبِّ إِنَّكَ قَادِرٌ عَلَى
أَنْ تُثَيِّبَ هَذَا الْمَظْلُومَ
بِالْجَنَّةِ خَيْرًا مِنْ مَظْلَمَتِهِ
وَتَعْفِرَ لَهُ هَذَا الظَّالِمَ قَلَمُ
يُجِبُ تِلْكَ الْعِشْيَةَ -

تیری دعا کو قبول کر لیا جن کیلئے آپ نے
مغفرت کی دعا مانگی ان کو بخش دیا۔ سوائے
ان لوگوں کے جنہوں نے ایک دوسرے پر
ظلم کئے۔ میں مظلوم کا حق ظالم سے ضرور
لوں گا۔

وہ گناہ جو میرے درمیان اور میرے
بندوں کے درمیان تھے، وہ میں نے معاف
کر دیئے۔ نبی کریم ﷺ نے عرض کی،
اے میرے پروردگار! تو اس بات پر قادر
ہے کہ مظلوم کو اس کے حق کے بدلے
میں جنت میں سے کوئی قطعہ دے دے اور
اس ظالم کو بخش دے لیکن اس رات کو یہ
دعا قبول نہ ہوئی۔“

جب صبح مزدلفہ پہنچے اور وہاں پھر اپنے گناہ گار تہیوں کیلئے مغفرت کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے
اپنے حبیب کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا۔

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت فاروق اعظم نے جب اپنے محبوب کو ہنستے دیکھا تو عرض کی :

يَا بَنِي آدَمَ وَأُمَّهَاتِهِ إِنَّ هَذِهِ لَسَاعَةٌ مَا كُنْتَ تَصْحَحُكَ
فِيهَا وَمَا الَّذِي أَصْحَحَكَ - أَصْحَحَكَ اللَّهُ وَسِتَّكَ -

”ہمارے ماں باپ حضور پر قربان ہوں، ایسے اوقات میں تو حضور ہنسا
نہیں کرتے تھے، آج حضور کیوں ہنس رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضور کو
ہمیشہ ہنستا رکھے۔“

ارشاد فرمایا :

کہ اللہ کے دشمن ابلیس نے جب یہ جانا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی ہے اور میری
امت کو بخش دیا ہے تو وہ مٹی کی مٹھیں بھر بھر کر اپنے سر پر ڈالے گا وَيَدْعُو بِالْوَيْلِ وَالْجُبُونِ
اور ”میں تباہ ہو گیا، برباد ہو گیا“ کا دواہیل کرنے لگا۔

اس کی اس حالت زار کو دیکھ کر مجھے ہنسی آگئی۔ (1)

ابن موفی بیان کرتے ہیں کہ ایک سال انہیں حج ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ عرفہ کی رات میں، منیٰ میں سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے نازل ہوئے، ایک نے دوسرے سے کہا، یا عبد اللہ! دوسرے نے جواب دیا بیک یا عبد اللہ! پہلے فرشتے نے پوچھا، تم جانتے ہو کہ ہمارے رب کے گھر کا اس سال کتنے لوگوں نے طواف کیا؟ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ پس نے کہا، چھ لاکھ لوگوں نے اس سال حج کیا ہے۔ پھر اس نے پوچھا، تجھے معلوم ہے کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا؟ میں نے کہا، میں نہیں جانتا۔ پس فرشتے نے کہا، ان چھ لاکھ سے صرف چھ کا حج قبول ہوا۔ اس گفتگو کے بعد وہ دونوں فرشتے آسمان کی طرف لوٹ گئے۔ میری آنکھ کھل گئی، میں بہت غمزہ اور پریشان تھا۔ میں نے سوچا، چھ لاکھ سے صرف چھ کا حج قبول ہوا ہے۔ میں تو ان چھ میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔

میں جب عرفات سے چل کر مشعر الحرام پہنچا تو میں نے لوگوں کا انبوہ کثیر دیکھا اور پھر جب یہ خیال کرنا کہ اتنے لاتعداد لوگوں سے صرف چھ کا حج قبول ہوا ہے تو میں گھبرا جاتا، مجھے پھر نیند نے آلی۔ میں نے خواب میں دیکھا، وہی دو فرشتے آسمان سے اترے اور وہی گفتگو انہوں نے آپس میں کی۔ پھر ایک نے پوچھا، تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے رب نے اس رات میں کیا فیصلہ کیا ہے؟ دوسرے نے کہا، مجھے علم نہیں۔ پہلے فرشتے نے جواب دیا کہ ان چھ میں سے ہر ایک کو ایک لاکھ حاجی عطا کر دیئے گئے اور اس ایک کے صدقے اس کے حصہ کے ایک لاکھ کا حج بھی قبول فرمایا۔

میں جاگا اور خوشی سے پھولے نہیں سارہا تھا۔ (2)

رحمت عالم ﷺ نوزی الحجہ کو زوال آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک اپنی امت کیلئے اور نوع انسانی کیلئے اپنے رحیم و کریم رب کی بارگاہ میں انتہائی عجز و نیاز سے مصروف دعا رہے یہاں تک کہ جب سورج غروب ہو گیا، تاریکی پھیل گئی تو حضور مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت اسامہ بن زید کو اپنی ناقہ پر اپنے پیچھے سوار کیا۔ حضرت اسامہ لوگوں کو بار بار تنبیہ کر رہے تھے۔ اِنَّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالتَّيَكُّبِ "اے لوگو! دھکم چیل نہ کرو بلکہ سکون و

1۔ "تاریخ الخلیس"، جلد 2، صفحہ 151۔ اس ماجہ اور بہق نے اپنی سنن کی باب "مکتب البعث والشمس" میں یہ حدیث

بیان کی ہے۔

2۔ "تاریخ الخلیس"، جلد 2، صفحہ 151

اطمینان سے چلو" حضور اس سفر میں جب کسی اونچے ٹیلے پر چڑھتے یا کسی نشیب میں اترتے تو حضور اس وقت بھی تلبیہ کے ایمان پر درگھات دہراتے۔ حضور اکرم ﷺ نے مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز کو اکٹھے پڑھا۔ دونوں نمازوں کیلئے مؤذن نے ایک بار اذان دی اور دوبار اقامت کی۔ کچھ دیر وہاں آرام فرمایا۔ جب صبح صادق طلوع ہوئی تو حضور نے اول وقت میں نماز صبح ادا کی اور اعلان فرمایا کہ سورج طلوع ہونے کے بعد کنکریاں ماریں۔ پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر حرام تشریف لے آئے۔ وہاں قبلہ رو ہو کر کھڑے ہو گئے، پھر اللہ کی تکبیر و تحلیل اور ذکر کرتے رہے اور بڑے عجز و نیاز سے دعائیں مانگتے رہے یہاں تک کہ کافی سفیدی پھیل گئی۔ پھر مزدلفہ سے روانہ ہوئے اور حضرت فضل بن عباس کو اپنے پیچھے اونٹنی پر سوار کیا۔ حضرت ابن عباس حضور کیلئے وہاں سے کنکریاں چنتے رہے۔ جب حضور بطن محسر (یہ وہ وادی ہے جہاں ابرہہ کے ہاتھیوں کے لشکر پر مولا کریم نے اپنا تل کا لشکر بھیج کر تباہ و برباد کیا تھا) پہنچے تو حضور نے اپنی اونٹنی کی رفتار تیز کر دی۔ حضور کا یہ معمول تھا جب کبھی ایسی جگہ سے گزر ہوتا جہاں کسی قوم پر عذاب الہی نازل ہوا ہو تا تو حضور وہاں سے جلدی سے گزرتے۔ پھر حضور منیٰ پہنچے۔ سب سے پہلے جمرہ عقبہ تشریف لے گئے۔ حضور نے اونٹنی پر سواری کی حالت میں کنکریاں ماریں۔ سورج کے طلوع ہونے کے بعد، جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے بعد تلبیہ ختم کر دیا گیا۔

پھر وہاں سے منیٰ تشریف لائے اور وہاں تمام حاضرین کو اپنے دوسرے خطبہ سے مشرف فرمایا۔ امام احمد سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں سب حاضرین کو خطاب فرمایا تو ہر طبقہ کو اپنی اپنی جگہ بیٹھنے کا حکم دیا۔ قبلہ کی دائیں جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ سارے مہاجرین یہاں بیٹھیں۔ پھر قبلہ کی بائیں طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ سارے انصار اس طرف بیٹھیں۔ ان کے علاوہ جو حاضرین وہاں تھے انہیں حکم دیا کہ ان کے ارد گرد بیٹھ جائیں۔ پھر حضور نے حج کے مناسک سے حاضرین کو آگاہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی آواز میں وہ قوت پیدا کر دی کہ لوگ منیٰ کے وسیع و عریض میدان میں جہاں کہیں بھی تھے حتیٰ کے جو لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے تھے، وہ بھی اللہ کے محبوب کی آواز سن رہے تھے۔

عمر و بن خارجه رضی اللہ عنہ حضور کی اونٹنی کی گردن کے نیچے کھڑے تھے جو لعاب

اونٹنی کے منہ سے ٹپک رہا تھا وہ حضرت عمرو بن لُحجہ کے دونوں کندھوں کے درمیان پہ رہا تھا۔ حضور اس وقت اپنی اونٹنی جس کا نام عصماء تھا، پر سوار تھے۔ سرور عالم ﷺ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور اس کے بعد یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

أَلَا إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ وَالسَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ
ثَلَاثٌ مُمَوَّلِيَّاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمَحَرَّمُ وَرَجَبٌ
مُضَرٌّ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ أَتَذَرُونَ أَيُّ يَوْمٍ
هَذَا؟ قُلْنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ وَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا
أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ فَقَالَ أَلَيْسَ هَذَا يَوْمَ الْنَحْرِ؟
قُلْنَا بَلَى قَالَ أَيُّ شَهْرٍ هَذَا؟ قُلْنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ -
فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ
أَلَيْسَ ذُو الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلَى - قَالَ فَأَيُّ بَلَدٍ هَذَا؟ قُلْنَا
اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ
بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ الْبَلَدُ؟ قُلْنَا بَلَى، قَالَ فَوَيْلٌ لِمَنْ هَذَا
وَأَمْوَالُكُمْ وَأَعْرَاضُكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا
فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا وَتَسْتَفِقُونَ رَبَّكُمْ وَ
يَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ أَلَا لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كَقَوْمِ
يَصْرِبُ يَعْصُكُمْ رِقَابَ بَعْضِ الْأَلْيَسِلَةِ الشَّاهِدُ الْغَائِبُ
فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ يُبَيِّعُهُ أَنْ يَكُونَ أَوْعَى لَهُ مِنْ بَعْضِ
مَنْ سَمِعَهُ ثُمَّ قَالَ أَلَا هَلْ يَلْفُتُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اللَّهُمَّ
فَاشْهَدْ (1)

”حاضرین میری بات توجہ سے سنو! زمانہ گردش کرتے ہوئے اس
حالت پر پہنچ گیا جب اس کا آغاز ہوا، جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا
کیا گیا۔ سال کے بارہ مہینے ہیں ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں

تین لگاتار ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور رجب جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو آج کون سا دن ہے؟ ہم نے عرض کی، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور کچھ دیر کیلئے خاموش ہو گئے۔ ہم نے گمان کیا کہ شاید اس مہینہ کا نام بدلنا چاہتے ہیں۔ حضور نے پوچھا کہ یہ یوم النحر نہیں؟ ہم نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! پھر فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے عرض کی، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور کچھ دیر کیلئے خاموش ہوئے؟ ہم نے خیال کیا کہ شاید حضور اس کا نام بدلنا چاہتے ہیں۔ فرمایا کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں؟ ہم نے عرض کی، ہاں یا رسول اللہ! پھر دریافت فرمایا، یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے عرض کی، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور خاموش ہو گئے۔ ہم نے گمان کیا کہ شاید حضور اس کا نام بدلنا چاہتے ہیں۔ حضور نے فرمایا، کیا یہ شہر مکہ نہیں؟ ہم نے عرض کی، بیشک یہ وہی شہر ہے۔ پھر فرمایا تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر حرام ہیں جس طرح یہ حرمت والادن، اس حرمت والے شہر میں، اس حرمت والے مہینہ میں، عزت و شرف کا مالک ہے۔ اور عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے، وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ کان کھول کر سن لو! میرے بعد کافرنہ بن جانا۔ کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگ جاؤ! غور سے سنو! جو یہاں موجود ہیں میرا یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔ شاید جس کو تم میرا یہ پیغام پہنچاؤ وہ میرے اس پیغام کو تم سے زیادہ سمجھنے اور یاد رکھنے والا ہو۔ پھر فرمایا بتاؤ کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟ ہم نے عرض کی، یا رسول اللہ! بیشک۔ پھر حضور نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی، اے میرے اللہ گواہ ہنا۔“

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضور منی کے اس مقام پر پہنچے جہاں جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔ حضور قربانی کیلئے سواونٹ اپنے ہمراہ لائے تھے۔ ان میں سے تریسٹھ اونٹ سرکار

دو عالم عِلّیّ نے اپنے دست مبارک سے ذبح کئے۔ اس وقت حضور کی عمر مبارک تریسٹھ سال تھی۔ ہر سال کے بدلے ایک اونٹ ذبح کیا۔ بقیہ سینتیس اونٹ سیدنا علی مرتضیٰ نے حضور کے حکم کی تعمیل میں ذبح کئے۔ آپ نے حکم دیا کہ ان اونٹوں کا گوشت، چمڑے اور سامان غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے اور حکم دیا کہ قربانی کے جانور کے گوشت سے ذبح کرنے والے کو بطور اجرت کچھ نہ دیا جائے۔

جب حضور قربانی کے جانور ذبح کرنے لگے تو پانچ پانچ اونٹوں کو اکٹھے پیش کیا جاتا اور ہر اونٹ دوڑ کر حضور کے پاس آتا اور اپنی گردن رکھ دیتا تاکہ اللہ کا محبوب اپنے دست مبارک سے اسے راہِ خدا میں ذبح کرے۔

فَطُفِقْنَ يَزْدَلِيْعْنَ إِلَيْهِ بِأَيِّتِهِنَّ نَبْدًا

امیر خسرو نے کیا خوب کہا ہے ۔

ہم آہوان صحرا سر خود نہدہ بر کف

بامید آل کہ روزے بشارِ خواہی آمد

سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔ (1)

جب رحمت عالم ﷺ قربانی سے فارغ ہوئے تو حجوم کو یاد فرمایا جس کا نام معمر بن عبد اللہ بن نضله تھا۔ سارے اہل ایمان گنگھٹا بنا کر اس امید میں کھڑے ہو گئے کہ حضور کے موبائے مبارک سے ہمیں بھی کچھ تبرک میسر آجائے گا۔ حضور نے حجام کے چہرہ کی طرف دیکھا اور فرمایا، اے معمر! تجھے اللہ کے رسول نے اجازت دی ہے کہ تو استراہ تھ میں لے کر حضور کے سر مبارک کے پاس کھڑا ہے۔ معمر نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بڑا انعام و اکرام ہے کہ اس نے مجھے یہ سعادت ارزانی فرمائی۔

پھر حجام کو اپنے سر کے دائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، یہاں سے حلق شروع کرو۔ جب وہ دائیں جانب حلق کر چکا تو حضور کے موبائے مبارک ان لوگوں میں تقسیم کر دیئے جو اس انتظار میں کھڑے تھے۔ پھر رحمت عالم ﷺ نے سر کے بائیں جانب اشارہ کیا اور فرمایا هَٰؤُلَاءِ أَبَوُكُمْ ”اے ابو طلحہ! اب ادھر سے أَقْسَمُهُ بَيْنَ النَّاسِ ”ان موبائے مبارک کو لوگوں میں تقسیم کر دے۔“

ایک روایت میں ہے کہ بائیں جانب سے موہائے مبارک ام سلیم کو عطا کئے گئے لیکن ان روایتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ ام سلیم ابو طلحہ کی زوجہ تھیں۔

حضرت ابو طلحہ نے دائیں طرف سے جو موہائے مبارک لئے تھے وہ لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ کسی کو ایک اور کسی کو دو موہائے مبارک ملے۔ حضرت خالد بن ولید نے حجام کو کہا کہ مجھے پیشانی مبارک کے بالوں میں سے کچھ بل دے۔ حجام نے ان کی خواہش کے مطابق پیشانی مبارک کے موئے مبارک دیئے جنہیں وہ ہمیشہ اپنی ٹوپی میں رکھا کرتے تھے اور اس ٹوپی کو پہن کر جس میدان جنگ میں آپ تشریف لے جاتے اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی عطا فرماتا۔ جنگ یرموک میں ایک روز آپ کی یہ ٹوپی گم ہو گئی۔ آپ نے سب کو حکم دیا کہ اس کو تلاش کرو لیکن وہ نہ ملی۔ پھر فرمایا، اسے تلاش کرو۔ اب کے وہ مل گئی۔ وہ ایک پرانی ٹوپی تھی۔ حضرت خالد نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول نے حلق کر لیا تو میں نے حضور کی پیشانی مبارک کے بال لے لئے اور اس ٹوپی میں میں نے حفاظت سے رکھ دیئے

فَلَمَّا أَشْهَدَ قِتَالَ وَهِيَ مَعِيَ إِلَّا دُرَيْقَتُ النَّصَرِ (1) ”جب کبھی کسی جنگ میں میں یہ ٹوپی پہن کر شریک ہوا اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ فتح عطا فرمائی۔ اکثر صحابہ نے حلق کر لیا اور بعض نے اپنے بال ترشوائے۔

رحمت عالم ﷺ نے یہ دیکھ کر تین مرتبہ فرمایا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ اے اللہ! حلق کرانے والوں کو بخش دے۔ ”لوگوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! بال ترشوانے والوں کیلئے بھی دعا فرمائیں تو حضور نے ایک مرتبہ فرمایا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُقَصِّرِينَ ”اے اللہ! بال ترشوانے والوں کو بھی بخش دے۔“

حلق کے بعد حضور نے خوشبو لگائی، قمیص پہنی اور سارے لوگ احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو گئے۔ رحمت عالم ﷺ نے عبد اللہ بن حذافہ اسلمی کو بھیجا اور فرمایا کہ منیٰ میں جا کر میری طرف سے اعلان کر دے اِنَّهَا اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ ”یہ کھانے، پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔“

پھر ظہر سے پہلے سرکارِ دو عالم ﷺ مکہ مکرمہ کی طرف اپنی ناقہ پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ حضور نے اپنے پیچھے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کو بٹھایا ہوا تھا اور جا کر طواف افاضہ کیا۔ اسی کو

طواف صدر اور طواف زیارت بھی کہتے ہیں۔ پھر زمزم کا پانی پیا۔

طواف سے فارغ ہونے کے بعد حضور منیٰ تشریف لے آئے اور وہاں پہنچ کر ظہر کی نماز ادا کی۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں ادا کی اور اس کے بعد حضور منیٰ تشریف لے گئے۔

ابن حزم نے دوسرے قول کو ترجیح دی کہ حضور نے ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں ادا کی لیکن ابن قیم نے پہلے قول کو ترجیح دی۔ واللہ اعلم۔ حضور زوال آفتاب سے بعد اور نماز ظہر سے پہلے رمی جمار فرمایا کرتے تھے۔ حضور جمرہ اولیٰ کے پاس کافی دیر رکتے۔ پھر جمرہ ثانیہ کے پاس رکتے لیکن زیادہ دیر نہیں، پھر جمرہ ثالثہ کے پاس رمی کرتے اور تشریف لے جاتے۔

گیارہویں الحجہ، اس تاریخ میں سورہ ”التصر“ نازل ہوئی۔ حضور کو پتا چل گیا کہ عام فانی سے میرے رحلت کرنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ اس لئے حکم دیا کہ اونٹنی پر بجاؤہ سہا جائے۔ پھر حضور اس پر سوار ہو کر عقبہ کے مقام پر تشریف لے گئے اور سب لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ اس وقت رحمتِ عالم ﷺ نے ایک فصیح و بلیغ اور جمیل اثنِ خطبہ ارشاد فرمایا۔

پسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائی اور اس کے بعد یوں گویا ہوئے :

”اے لوگو! کان کھول کر سن لو۔ تمہارا پروردگار ایک ہے۔ کان کھول کر سن لو۔ تمہارا باپ ایک ہے۔ کان کھول کر سن لو۔ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو فضیلت ہے عربی پر۔ نہ کالے رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر اور نہ سرخ رنگت والے کو کالی رنگت والے پر۔ بجز تقویٰ کے“

أَمَّا بَعْدُ أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا دَعَا
إِن رَّبِّكُمْ وَاحِدٌ. أَلَا وَإِن
أَبَاكُمْ وَاحِدٌ. أَلَا لَا فَضْلَ
لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَبِيٍّ وَلَا لِعَجَبِيٍّ
عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِسَوْدٍ عَلَى
أَحْمَرَ. وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ
إِلَّا بِالتَّقْوَى.

اللہ کی جناب میں تم میں سے وہی زیادہ معزز اور محترم ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔ کان کھول کر سن لو! کیا میں نے اللہ کے پیغمبات تم تک پہنچا دیے؟

وَإِن أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَرُّوهُ
أَلَا هَلْ بَلَغْتُ. قَالُوا بَلَّغَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ فَلْيَسْبِغُوا الشَّاهِدُ

الْغَائِبِ قُرْبَ مَبْلَغِ أَوْعَى
مِنَ السَّامِعِ۔

ثُمَّ قَالَ أَيُّ شَهْرٍ هَذَا؟ وَ
سَكَنُوا فَقَالَ هَذَا شَهْرُ حَرَامٍ
أَيُّ بَلَدٍ هَذَا؟ وَسَكَنُوا وَقَالَ
بَلَدُ حَرَامٍ۔ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟
وَسَكَنُوا۔ قَالَ يَوْمٌ حَرَامٌ
ثُمَّ قَالَ إِنْ اللَّهُ تَعَالَى قَدْ
حَرَّمَ مَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ
وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَمَةَ شَهْرِكُمْ
هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا۔ فِي
يَوْمِكُمْ هَذَا إِلَى أَنْ تَلْقَوْا
رَبَّكُمْ۔ أَلَا هَلْ بَلَغْتُ؟
قَالُوا نَعَمْ۔

قَالَ اللَّهُمَّ اشْهَدْ۔

ثُمَّ قَالَ إِنْكُمْ سَتَلْقَوْنَ
رَبَّكُمْ وَيَسْئَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ
أَلَا هَلْ بَلَغْتُ؟

قَالَ النَّاسُ نَعَمْ۔

قَالَ اللَّهُمَّ اشْهَدْ

أَلَا وَرَأَيْتَ مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ
أَمَانَةٌ فَلْيُؤْذِهِمَا إِلَى مَنْ
اسْتَمَنَّهُ عَلَيْهِمَا۔

أَلَا وَرَأَيْتَ كُلَّ رَجُلٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ

مَوْضُوعٌ وَرَأَيْتَ كُلَّ دِمْرٍ فِي

الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ۔ وَرَأَيْتَ

أَوَّلَ دِمَاءٍ كُفٍّ أُضْعِفَ دُمُيَّائِينَ

سب نے کہا، اللہ کے رسول نے اپنے رب
کے سارے پیغامات پہنچا دیئے ہیں۔ حضور
نے فرمایا جو یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں ان
لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں
ہیں۔ بسا اوقات جس کو بعد میں یہ پیغام
پہنچایا جائے گا وہ آج سننے والوں سے زیادہ
عقل مند ہوگا۔

پھر فرمایا، یہ کون سا مہینہ ہے؟ صحابہ خاموش
رہے۔ حضور نے فرمایا، یہ شہر حرام ہے۔ یہ
کون سا شہر ہے؟ سب چپ رہے۔ فرمایا یہ
حرمت والا شہر ہے۔ پھر فرمایا، یہ کون سا دن
ہے؟ لوگ خاموش رہے۔ خود ہی فرمایا۔ یہ
حرمت والا دن ہے۔

ان ارشادات کے بعد پھر فرمایا: بیشک اللہ
تعالیٰ نے تمہارے خونوں کو، تمہارے
اموال کو، تمہاری آبروؤں کو، ایک دوسرے
پر حرام کر دیا ہے جس طرح یہ مہینہ اس
تمہارے شہر میں اور اس مبارک دن میں
بڑی عزت و حرمت والا ہے، اور یہ حرمت
اس روز تک برقرار رہے گی جب قیامت
کے روز تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے۔
لوگو! بتاؤ، کیا میں نے اللہ کے احکام تمہیں
پہنچلا دیئے ہیں؟

سب نے کہا، بیشک۔

حضور کی زبان سے نکلا، اے اللہ! تو بھی گواہ

بَيْنَ رِبْعَةٍ بَيْنَ حَارِثٍ كَانَ
مُسْتَرْضِعًا فِي بَيْتِ سَعْدِ
بْنِ لَيْثٍ وَقَتْلَهُ هَذَا
أَلَا هَلْ بَلَغْتُ؟
قَالُوا نَعَمْ۔

قَالَ اللَّهُمَّ اشْهَدْ
فَلْيَسِّرْ الشَّاهِدَ الْغَائِبَ
أَلَا إِنَّ كُلَّ مُسْلِمٍ مُحَرَّمٌ
عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ۔ ثُمَّ قَالَ
اسْمَعُوا مِنِّي تَعِيشُوا أَلَا
لَا تَظْلِمُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا،
أَلَا لَا تَظْلِمُوا۔

إِنَّهُ لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ
مُسْلِمٍ إِلَّا بِطِبِّ نَفْسٍ مِّنْهُ
ثُمَّ قَالَ۔ أَيُّهَا النَّاسُ!
إِنَّمَا النَّسَبُ زِيَادَةٌ فِي
الْكَفْرِ يُضِلُّ بِهِ الذِّبْتَ
كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًّا وَ
يَحَرِّمُونَهُ عَامًّا لِيُؤْطُوا
عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ۔ أَلَا إِنَّ
الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ
يَوْمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ۔

رہنا پھر فرمایا، اے لوگو! تم اپنے پروردگار سے
ملاقات کرو گے وہ تم سے تمہارے اعمال
کے بارے میں پوچھے گا۔

خبردار! کیا میں نے تم کو اللہ کے پیغام پہنچا
دیئے ہیں؟

سب لوگوں نے کہا، بیشک۔

حضور نے فرمایا، اے اللہ گواہ رہنا۔

خبردار! جس شخص کے پاس کسی کی کوئی
امانت ہے وہ اس مانت کو امانت رکھنے
والے کو پہنچا دے۔

کان کھول کر سن لو! تم سود کا عدم کر رہا
ہوں تمام قتل معاف کئے جا رہے ہیں۔

سب سے پہلے قتل جو میں معاف کرتا ہوں
وہ میرے چچا حارث کے بیٹے ربیعہ کا خون
ہے، وہ بنی سعد میں شیر خوار بچہ تھا،
ہذیل نے اس کو قتل کر دیا تھا۔

خبردار! کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے؟
سب نے کہا، بیشک۔

حضور نے فرمایا، اے اللہ گواہ رہنا۔

پس جو حاضر ہیں ان پر واجب ہے کہ جو
یہاں موجود نہیں ان تک میرے یہ
پیغامات پہنچا دیں کان کھول کر سن لو! ہر
مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

پھر فرمایا، میری یہ بات ابھی طرف سن دو۔
ایک دوسرے پر کلمہ نہ سرتا۔ ایک دوسرے

پر ظلم نہ کرنا۔ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔
کسی مسلمان کا مال دوسرے مسلمان پر حلال
نہیں جب تک وہ خوشی سے نہ دے۔

پھر فرمایا۔ اے لوگو! (حرمت والے
مہینوں کو) ہٹا دینا اور اضافہ کرنا ہے کفر
میں۔ گمراہ کئے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ
جو کافر ہیں۔ حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو
ایک سال۔ اور حرام کر دیتے ہیں اسی کو
دوسرے سال تاکہ پوری کریں گنتی ان
مہینوں کی جنہیں حرام کیا ہے اللہ نے۔
کان کھول کر سن لو! کہ زمانہ لوٹ کر اس
دن پر آگیا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں
اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔

پھر یہ آیت پڑھی۔

کہ مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک اللہ کی
کتاب میں بارہ ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے
آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان میں سے یہ
چار حرام ہیں۔ یہی درست دین ہے۔ پس
نہ ظلم کرو تم ان میں اپنے نفسوں پر۔ یہ
تین مہینے مسلسل ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ،
محرم اور چوتھا جب ہے جس کو مشہور معمر
کہا جاتا ہے۔ جو جمادی الثانی اور شعبان کے
درمیان ہے۔ اور مہینے کے کبھی انتیس دن
ہوتے ہیں اور کبھی تیس دن۔

خبردار! کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے؟

ثُمَّ قَرَأَ أَنْ عِدَّةَ الشُّهُودِ
عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي
كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ
ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا
تُظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ
ثَلَاثٌ مُمَوَّلِيَّاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ
ذُو الْحِجَّةِ، مُحَرَّمٌ، وَرَجَبُ
الَّذِي يُدْعَى شَهْرَ مُصَرَّ
الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشُعْبَانَ
وَالشُّهُرُ سَعَةٌ وَعِشْرُونَ
وَتِلْكَ أُولَئِكَ

الْأَهْلَ بَلَغْتُ؟

قَالَ النَّاسُ نَعَمْ.

قَالَ اللَّهُمَّ فَاشْهَدْ

ثُمَّ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي

لِلنِّسَاءِ عَلَيْكُمْ حَقًّا فَإِنَّ لَكُمْ

عَلَيْهِنَّ حَقًّا - فَعَلَيْهِنَّ إِلَّا

يُوطِئَنَّ فُرْشَكُمْ أَحَدًا وَلَا

يُدْخِلَنَّ بُيُوتَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ

إِلَّا بِإِذْنِكُمْ فَإِنْ فَعَلْنَ فَإِنَّ

اللَّهَ تَعَالَى قَدْ أَذِنَ لَكُمْ أَنْ

تَهْجُرُوهُنَّ بِالْمَضَاجِعِ وَ

أَنْ تَضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ

مُبْرَحٍ - فَإِنْ انْتَهَيْنَ وَ

أَطْعَمْتُمْ فَهِنَّ رِزْقَهُنَّ

وَكَسَوْتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ -

وَلَمَّا النِّسَاءُ عِنْدَكُمْ

عَوَايِنَ - لَا يَمْلِكُنَّ لِأَنْفُسِهِنَّ

شَيْئًا - وَلَمَّا أَخَذْتُمُوهُنَّ

بِأَمَانَةٍ إِلَى اللَّهِ وَاسْتَحْلَلْتُمُ

فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ -

فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ وَ

اسْتَوْصُوا بِهِنَّ خَيْرًا -

الْأَهْلَ بَلَغْتُ؟

قَالَ النَّاسُ نَعَمْ.

سب لوگوں نے کہا، بیشک۔

حضور نے فرمایا، اے اللہ! تو بھی گواہ بن۔

پھر فرمایا، اے لوگو! عورتوں کے تم پر

حقوق ہیں اور تمہارے حقوق ان پر۔

تمہارے حقوق ان پر یہ ہیں کہ وہ تمہارے

بستر کو روندنے کی کسی کو اجازت نہ دیں اور

جن کو تم ناپسند کرتے ہو انہیں تمہارے

گھروں میں داخل نہ ہونے دیں۔ بجز

تمہاری اجازت کے۔ اور اگر ایسا کریں تو

پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات کا ذمہ دیا

ہے کہ تم ان کے بستروں کو اپنے سے الگ

کر دو اور یہ کہ انہیں زد و کوب کرو جو زیادہ

شدید نہ ہو۔ پس اگر وہ باز آجائیں اور

تمہاری فرمانبرداری بن جائیں تو ان کے

خور و نوش اور لباس معروف طریقہ سے

پیش کرنا تم پر لازم ہے۔ بیشک عورتیں

تمہارے زیر دست ہیں، وہ اپنے لئے کسی

چیز کی مالک نہیں۔ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ

سے بطور امانت لیا ہے اور اللہ کے کلام سے

تم نے ان کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ پس

عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے

رہو اور ان کے بارے میں ایک دوسرے

کو بھلائی کی وصیت کرو۔

خبردار! کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے؟

سب نے کہا، بیشک۔

قَالَ اللَّهُمَّ أَشْهَدُ -

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الشَّيْطَانَ
قَدْ يَتَّبِعُ أَنْ يُعْبِدَ بِأَرْضِكُمْ
لِكِنَّهُ قَدْ رَفِئَ أَنْ يُطَاعَ
فَيَتَأَسَّوِي ذَلِكَ مِمَّا تَحْقِرُونَهُ
وَقَدْ رَضِيَ بِهِ إِنَّ الْمُسْلِمَ
أَخُو الْمُسْلِمِ إِنَّمَا اسْمُكُمْ
إِخْوَةٌ وَلَا يَحِلُّ لِأَمْرٍ مِنْكُمْ
دَمٌ آخِيَةٍ وَلَا مَالٌ إِلَّا بِطَلَبِ
نَفْسٍ مِنْهُ -

إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ
حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
وَإِذَا قَالُواهَا عَصَوْنِي
وَمَاءَهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا
بِحَقِّهَا وَجَسَّابُهُمْ عَلَى
اللَّهِ لَا تَطِيبُوا أَنْفُسَكُمْ
لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا وَ
يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ
إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنِ اخْتَلَفْتُمْ
بِهِ لَنْ تَضِلُّوا كِتَابَ اللَّهِ
تَعَالَى - أَلَا هَلْ بَلَغْتُ؟
قَالَ النَّاسُ نَعَمْ -
قَالَ اللَّهُمَّ أَشْهَدُ -

حضور نے فرمایا، اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا۔
اے لوگو! شیطان اس بات سے مایوس
ہو گیا ہے کہ تمہاری اس زمین میں اس کی
پوجا کی جائے گی لیکن وہ اس بات پر راضی
ہو گیا ہے کہ تم چھوٹے چھوٹے گناہوں کا
ارتکاب کرو۔ بیشک مسلمان دوسرے
مسلمان کا بھائی ہے۔ بیشک سارے مسلمان
آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کسی مسلمان
کیلئے اپنے بھائی کا خون اور مال حلال نہیں
جب تک وہ خوشی سے نہ دے۔

مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے
جنگ کروں یہاں تک کہ وہ کہیں لا الہ الا
اللہ۔ جب وہ یہ کہیں گے تو اپنے خون اور
اموال کو ہم سے محفوظ کر لیں گے۔ بجز ان
کے حق کے۔ اور ان کے اعمال کا حسب
اللہ کے ذمہ ہے۔

تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ میرے بعد پھر
کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں
کاٹتے رہو۔

میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں
کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو
گے تو راہِ راست سے نہیں ہٹکو گے۔

وہ ہے اللہ کی کتاب۔

اے لوگو! میں نے اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا؟
سب نے کہا، بیشک۔ حضور نے عرض کی،

اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا۔

یہ ایک ایسا جامع اور جلیل القدر خطبہ ہے کہ طالبان حق قیامت تک اس سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ اس میں امت کے ہر طبقہ کیلئے رشد و ہدایت کے وہ قواعد و ضوابط بیان کر دیئے گئے ہیں کہ اگر امت ان پر کاربند رہے گی تو دونوں جہانوں میں فوز و فلاح کا تاج اس کے سر پر چمکنا ہے گا۔

ہمت سے پیچیدہ مسائل جس کو حل کرنے کیلئے کسی قوم کے دانشور بڑی ضخیم کتابیں لکھتے ہیں پھر بھی تشنگی دور نہیں ہوتی، حضور کے اس خطبہ کے ایک ایک جملہ میں علم و حکمت کے سمندر موجزن ہیں۔

اس خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد رحمت عالم ﷺ اپنی قیام گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ ظہر اور عصر کی نماز اہل بیت میں ادا کی۔ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور نے وادی محصب میں نزول فرمایا۔ سرور عالم ﷺ نے ایام تشریق کے تینوں دنوں میں رمی جہار کی اور منگل کے دن ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہاں سے محصب روانہ ہوئے، اسے ہی اہل بیت خیف بنی کنانہ کہا جاتا ہے۔

حضور کی وہاں آمد سے پہلے حضرت ابو رافع نے اپنے آقا کی استراحت کیلئے ایک خیمہ نصب کر رکھا تھا۔ حضور نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں وہاں ادا فرمائیں۔ کچھ دیر آرام فرمانے کے بعد حضور بیدار ہوئے اور مکہ مکرمہ جا کر سحری کے وقت طواف الوداع کیا۔ اس طواف میں رمل نہیں تھا۔

حضور کے ہمراہ جتنے صحابہ تھے ان سب نے نماز صبح سے پہلے طواف الوداع کیا۔

واپسی کے وقت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت کیلئے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ حج سے فراغت کے بعد انہیں درد کی تکلیف ہو گئی تھی۔ حضور جب ان کی بالین پر پہنچے تو انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میری درد کی تکلیف حضور ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ میں کافی دولت مند ہوں۔ میری وارث صرف میری بیٹی ہے۔ کیا میں دو تمائیاں اپنے مال سے صدقہ نہ کر دوں؟ حضور نے فرمایا نہیں۔ عرض کی نصف مال صدقہ کرنے کی اجازت ہے؟ فرمایا نہیں۔ فرمایا تیسرا حصہ۔ اور تیسرا حصہ بہت کافی ہے۔ اس کے بعد اپنے حکیمانہ کلمات سے حضرت سعد کو اور ان کے ذریعہ سے قیامت تک آنے والے اپنے امتیوں کو ایک

حقیقت سے روشناس کرایا۔ فرمایا :

إِنَّكَ إِن تَذَرَكَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَا خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدْرِكَهُمْ
عَالَةً يَسْتَكْفُونَ النَّاسَ بِأَنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي
بِهَا وَجْهَ اللَّهِ تَعَالَى إِلَّا أَنْ أُحْيِرْتَ بِهَا حَتَّى مَا يَجْمَعُونَ
فِي فِي أَمْرٍ بِكَ -

”اگر تم اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو تم اس
حالت میں چھوڑ دو کہ وہ محتاج و تنگ دست ہوں، لوگوں کے سامنے
ہتھیالیاں پھیلاتے رہیں۔ جو خرچ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے دو گے اس کا
تمہیں اجر دیا جائے گا۔ وہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو اس کا
بھی تمہیں ثواب ملے گا۔“

حضرت سعد نے دریائے رحمت کو جوش پر دیکھا تو ایک آرزو پیش خدمت کر دی۔
عرض کی، یا رسول اللہ! اپنے دوستوں کے بعد پیچھے چھوڑ دیا جاؤں گا؟ حضور نے فرمایا تمہیں
ہر گز پیچھے نہیں چھوڑا جائے گا (تمہاری موت کا وقت ابھی نہیں آیا) تم زندہ رہو گے، کئی
نیک کام کرو گے جس سے تمہارا درجہ اعلیٰ و ارفع ہو گا۔ تیری وجہ سے کئی قوموں کو نفع پہنچے
گا اور کئی کو نقصان۔

پھر بارگاہ رب العزت میں التجاء کی :

اللَّهُمَّ امْضِ لِصَحَابِي هِجْرَتَهُمْ وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ
”اے اللہ! میرے صحابہ کی ہجرت کو جاری رکھ۔ وہ اپنی ایزبوں کے بل
نہ لوٹا دیئے جائیں۔“

اپنے بیمار صحابی کو حوصلہ افزائی اور اس کو شوق کام کرنے کے بعد حضور مدینہ طیبہ کی
طرف روانہ ہوئے۔ جب حضور روجاء کے مقام پر پہنچے تو ایک قافلہ آیا، حضور نے انہیں
سلام کہا اور پوچھا۔ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کی، ہم مسلمان ہیں۔ پھر انہوں نے
حضور سے پوچھا، آپ کون ہیں؟ حضور نے فرمایا، میں اللہ کا رسول ہوں۔ ایک عورت نے
ایک چھوٹے بچے کو بند کیا، عرض کی، یا رسول اللہ! کیا یہ بچہ حج کر سکتا ہے؟ فرمایا۔ ہاں۔
لیکن حج کا ثواب نہیں ملے گا۔

پھر حضور ذوالخلیفہ پیچھے اور رات وہاں بسر کی جب صبح ہوئی تو وادی کے نشیب میں نماز صبح ادا کی۔ نماز کے بعد پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مدینہ طیبہ نظر آیا تو تین بار سر کا ردو عالم ﷺ نے تکبیر کہی اور فرمایا :

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ
الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَيُّوْنَ، تَارِيُّوْنَ،
عَائِدُوْنَ، سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَمِيدُوْنَ صَادِقُوْ وَعْدُهُ
وَنَصْرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ -

”کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بجز اللہ کے جو یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ساری بادشاہی اس کی ہے، سب تعریفیں اس کیسے ہیں اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ہم مڑ کر آنے والے ہیں، ہم لوٹ کر آنے والے ہیں، ہم عبادت کرنے والے ہیں، ہم سجدے کرنے والے ہیں، ہم اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور کفار کے لشکروں کو اکیلے شکست دی۔“

رحمت دو عالم ﷺ جب حج، عمرہ یا کسی غزوہ کے سفر سے واپس تشریف لاتے اور شہید الوداع یا فدہ کے مقام پر پہنچتے تو ان کلمات طیبات سے تین بار تکبیر فرماتے :

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ
الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ لَا يَمُوتُ سَيِّدُ الْخَيْرِ وَهُوَ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَيُّوْنَ، تَارِيُّوْنَ، عَائِدُوْنَ،
سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَمِيدُوْنَ صَادِقُوْ اللَّهِ وَعْدُهُ وَ
نَصْرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ -

”کوئی عبادت کے لائق نہیں سوئے اللہ کے، اس کا کوئی شریک نہیں، ساری بادشاہی اسی کی ہے، سب تعریفیں اس کے لئے ہیں۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور خود اسے موت نہیں آتی، ساری خیر اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم یث کر آنے والے ہیں،

ہم لوٹ کر آنے والے ہیں، ہم عبادت کرنے والے ہیں ہم سجدے کرنے والے ہیں، ہم اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور کفار کے لشکروں کو اکیلے شکست دی۔“

جب حضور اس میدان میں پہنچے جہاں قافلے آرام کرتے ہیں تو وہاں قیام کیسے ٹھہرے اور سب کو منع کیا کہ آدھی رات کو گھر نہ جا دھمکیں۔ پھر صبح کی نماز ادا کی اور مدینہ طیبہ میں نزول اجلال فرمایا۔

یمن کی طرف سیدنا علی مرتضیٰ کی روانگی

فتح مکہ کے بعد رحمت عالم ﷺ نے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو یمن کی طرف تبلیغ اسلام کیسے روانہ فرمایا۔ سیدنا علی مرتضیٰ جب وہاں پہنچے تو ہمدان قبیلہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ آپ کی زبان مبارک سے جو کلمات نکلے، اللہ تعالیٰ نے ہمدان کے بوگوں کے دلوں کے قفل ان کی برکت سے کھول دیئے اور سارا قبیلہ مشرف باسلام ہو گیا۔ سیدنا علی مرتضیٰ نے بارگاہ رسالت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس میں ہمدان کے قبول اسلام کی خوشخبری تحریر کی۔ سر کا دو عالم ﷺ نے جب قبیلہ ہمدان کے مشرف باسلام ہونے کی خوشخبری سنی تو حضور فرط مسرت سے سر بسجود ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی نوازش پر صدق دل سے اس کا شکریہ ادا کیا اور قبیلہ ہمدان کو اس دعا سے نوازا :

اَلسَّلَامُ عَلٰی هَمْدَانَ

”قبیلہ ہمدان پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی سلامتی نازل ہو۔“

یمن کی طرف حضرت علی مرتضیٰ کا دوسرا سفر

اس کے بعد سنہ 10 ہجری میں ماہ رمضان (دسمبر 631 م) میں رحمت عالمیان ﷺ نے سیدنا علی مرتضیٰ کو تین سو شہسواروں کا امیر بنا کر دوسری بار یمن کی طرف روانہ کیا۔ حضور نے اپنے دست مبارک سے پرچم باندھا اور علی مرتضیٰ کے حوالے کیا۔ پھر اپنے دست مبارک سے ان کے سر اقدس پر دستار باندھ دی اور انہیں روانہ کرنے سے پہلے درج ذیل

و میت فرمائی۔

حضور کی وصیت

اے علی! اب آپ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں۔ دائیں بائیں کسی چیز کی طرف التفات نہ کریں۔ آپ نے عرض کی، یا رسول اللہ! اس سفر میں میرا طرز عمل کیسا ہو؟ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب آپ اس قوم کے علاقہ میں پہنچیں تو جب تک وہ آپ کے ساتھ جنگ شروع نہ کریں، آپ ان پر حملہ میں پہل نہ کریں۔ اگر وہ آپ پر حملہ کریں تو آپ اس وقت تک کوئی جوابی کارروائی نہ کریں جب تک آپ کے لشکر کا کوئی مجاہد شہید نہ ہو جائے۔ اگر وہ آپ کے کسی مجاہد کو شہید کر دیں تو پھر بھی صبر و تحمل سے کام لیں اور یہ اعلان کریں اے قوم! کیا تم۔ ان لا اللہ کئے کیسے تیار ہو؟ اگر وہ ثابت میں جواب دیں تو پھر ان سے دریافت کریں، کیا تم نماز پڑھنے بیٹھے تادم ہو؟ اگر وہ اس کا جواب بھی اثبات میں دیں تو پھر ان سے پوچھو کیا تم اپنے امول سے صدقہ و زکوٰۃ دینے کیسے تیار ہو تا کہ تمہارے صدقات و خیرات کو تمہارے فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے۔ اگر وہ یہ بھی تسلیم کر لیں تو پھر ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں اور نہ ان سے مزید کسی چیز کا مطالبہ کریں۔ خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ پر یک آدمی کو بھی ہدایت عطا فرما دے تو یہ سعادت تمام ان چیزوں سے بہتر اور افضل ہے جن پر سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ (۱)

اموال غنیمت کی تقسیم

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تین سو شہسواروں کو ہمراہ لے کر سرزمین مدح کی طرف روانہ ہوئے، وہاں پہنچ کر اپنے سواروں کو ادھر ادھر بھیج دیا۔ وہ واپس آئے تو ان کے ہمراہ اموال غنیمت میں عورتیں، بچے، اونٹ، بکریاں اور دیگر اشیاء تھیں۔ یہ پسند فوجی دستہ تھا جو اس علاقہ میں وارد ہوا۔ سیدنا علی نے حضرت بریدہ بن حصیب کو ان اموال غنیمت پر ناظم مقرر کیا۔ پھر آپ کی بلقاات اس علاقہ کے یک گروہ سے ہوئی۔ آپ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وراسلامی

لشکر پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ آپ نے اپنے مجاہدین کو صف بندی کا حکم دیا اور لشکر کا پرچم مسعود بن سنان اسلمی کے حوالے کیا اور اپنے شہسواروں سمیت ان پر ہلہ بول دیا۔ چشم زدن میں ان کے بیس آدمی لقمہ اجل بن گئے۔ بقیہ لوگوں نے راہ فرار اختیار کی لیکن آپ نے ان کا تعاقب نہیں کیا بلکہ انہیں اسلام قبول کرنے کی دوبارہ دعوت دی۔ اب انہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور ان کے بہت سے رؤساء نے آپ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی۔ ان بیعت کرنے والے سرداروں نے کہا کہ ہمارے جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں ان کی طرف سے بھی ہم اسلام کی بیعت کرتے ہیں۔ ہمارے سارے اموال آپ کے سامنے ہیں، ان میں سے اللہ تعالیٰ کا جو حصہ ہے وہ آپ لے لیجئے۔ (۱)

سیدنا علی مرتضیٰ نے تمام اموال غنیمت کو ایک جگہ جمع کیا۔ پھر ان کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا اور قرعہ اندازی کی۔ جس حصہ پر قرعہ نکلا اسے خمس قرار دیا اور اس خمس میں سے کسی مجاہد کو کوئی حصہ نہیں دیا گیا۔ لوگوں نے علی مرتضیٰ سے اس خمس سے اپنے حصہ کا مطالبہ کیا لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ یہ خمس میں بارگاہ رسالت میں پیش کروں گا اور حضور پر نور کی جیسے منشا مبارک ہوگی اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ حج ادا کرنے کیلئے مکہ میں تشریف لانے والے ہیں، وہاں حاضر ہو کر شرف زیارت سے بھی بہرہ ور ہوں اور یہ خمس بھی حضور کی بارگاہ میں پیش کریں گے۔ رحمت عالم ﷺ اپنی مرضی کے مطابق اسے تقسیم فرمائیں گے۔

خمس اور دیگر اموال غنیمت آپ کے ہمراہ تھے۔ اس خمس میں یمنی کپڑوں کی کئی گانٹھیں بھی تھیں۔ مال غنیمت کے اونٹ بھی تھے اور ان کے اموال سے بطور صدقہ اور زکوٰۃ کے جو اونٹ یادگیر اموال وصول کئے گئے تھے وہ بھی ہمراہ تھے۔ علی مرتضیٰ بڑی تیزی سے اپنے ساتھیوں سے پہلے سرکارِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ حضرت ابو رافع کو اپنے لشکر اور اموال خمس کی نگرانی کی ذمہ داری تفویض کی۔ سیدنا علی مرتضیٰ اپنے ساتھیوں کو صدقہ کے اونٹوں پر سواری کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے۔ آپ کے مکہ روانہ ہونے کے بعد ان لوگوں نے حضرت ابو رافع سے مطالبہ کیا کہ انہیں احرام باندھنے کیلئے دو دو چادریں دی جائیں چنانچہ آپ نے سب کو احرام باندھنے کیلئے دو دو چادریں

دیدیں۔ یہ لوگ جب حدود مکہ کے اندر داخل ہوئے تو سیدنا علی مرتضیٰ ان کی پیشانی کیسے تشریف لائے۔ جب دیکھا کہ ان سب نے خنس کے پارچہ سے دو دو چادریں لے کر ان سے احرام باندھا ہوا ہے تو آپ نے حضرت ابو رافع سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ کے تشریف لانے کے بعد انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا۔ اس لئے میں نے ان کو یہ احرام کیسے دو دو چادریں دے دیں۔ آپ نے حضرت ابو رافع کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا، جب تم نے دیکھا تھا کہ میں نے ان کے س مطالبہ کو مسترد کر دیا ہے تو آپ نے میری مشاء کے خلاف ان کو یہ چادریں کیوں دی ہیں؟ چنانچہ آپ نے کئی دعووں سے احرام کی چادریں واپس لے لیں۔ جب وہ رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف شکایات کے دفتر کھول دیئے۔ نبی کریم ﷺ نے آپ کو یاد فرمایا اور ان شکایات کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں نے قطعاً کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے ان کو شکایت ہو گئی ہو اور اس غنیمت سے جو ان کا حصہ تھا میں نے ان میں تقسیم کر دیا لیکن خنس کو محفوظ رکھا تاکہ اسے حضور کی خدمت عالی میں پیش کروں اور حضور جس طرح مناسب خیر فرمائیں اس کے بارے میں فیصلہ فرمائیں۔ (1)

غدير خم

ارکان حج ادا کرنے کے بعد رہبر نوع انسان ﷺ اپنے جملہ جاں نثاروں کے ہمراہ مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ جب یہ کاروان عشق و مستی غدير خم کے مقام پر پہنچا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کو یہاں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ علامہ یاقوت حموی معجم البلدان میں رقمطراز ہیں:

غَدِيرُ خُمٍّ بَيْنَ مَكَّةَ وَمَدِيْنَةِ بَيْتِنَا وَبَيْنَ الْجُحْفَةِ
مِيْلًا (2)

”کہ غدير خم ایک موضع کا نام ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان میں واقع ہے اور جحفہ کے گاؤں سے اس کی مسافت صرف دو میل ہے۔“

حجۃ الوداع میں اپنے محبوب کریم کی معیت میں حج ادا کرنے کی سعادت سے بہرہ اندوز ہونے کیلئے جزیرہ عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ یہاں کھینچے چلے آئے تھے۔ حج سے فراغت کے بعد ہر ایک نے اپنے اپنے علاقہ کی طرف واپس جانا تھا۔ غدیر خم وہ مرکزی مقام تھا جہاں سے جزیرہ عرب کے تمام اطراف و اکناف کی طرف راستے جاتے تھے۔ رحمت عالم ﷺ نے مناسب سمجھا کہ اس سے پیشتر کہ تمام قبائل یہاں سے منتشر ہو کر اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں، ان لوگوں کے دلوں میں حضرت سیدنا علی کی بے داغ سیرت و کردار کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں، ان کا قطعی طور پر ازالہ کر دیا جائے تاکہ آج کے بعد کسی کلمہ گو کے دل میں علی مرتضیٰ کی ذات والا صفات کے بارے میں کسی قسم کی کوئی غلط فہمی باقی نہ رہے۔

سرور عالم ﷺ جب بھی کوئی اہم خطاب فرمانا چاہتے تھے تو مؤذن **اَلصَّلٰوۃُ جَامِعۃُ اَعْلٰن** کرتا تھا اور یہ آواز سن کر جہاں کہیں بھی کوئی کلمہ گو ہوتا تو وہ بھاگا چلا آتا تھا۔ چنانچہ اس روز بھی مؤذن نے **اَلصَّلٰوۃُ جَامِعۃُ** کے مانوس کلمات سے اعلان کیا۔ تمام قبائل جہاں تھے، وہاں رک گئے تاکہ اپنے آقا سے رخصت ہونے سے پہلے اپنے ہادی و مرشد کے ان سخری کلمات کو سن بھی لیں اور انہیں حرز جان بھی بنالیں۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ”السیرۃ النبویہ“ میں اس کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں :

ذی الحجہ کا مہینہ تھا، اس ماہ کی اٹھارہ تاریخ تھی، اتوار کا دن تھا، نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر ایک عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جس میں سیدنا علی مرتضیٰ کے فضل و کمال، امانت و دیانت، عدل و انصاف کے بارے میں اپنی زبان حقیقت بیان سے شہادت دی۔ اس شہادت کے بعد اگر کسی غلط فہمی کے باعث کسی کے دل میں سیدنا علی مرتضیٰ کے بارے میں کوئی دوسرہ تھا تو وہ ہمیشہ کیسے محو ہو گیا۔ حضرت بریدہ بن حصیب کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں سے تھا جن کے دلوں میں سیدنا علی کی ذات والا صفات کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کے اس ارشاد پاک کو سن کر میرے دل میں

سیدنا علی مرتضیٰ کی اتنی محبت پیدا ہو گئی کہ آپ میرے سب سے زیادہ
محبوب بن گئے۔ (1)

علامہ مذکور کی تصنیف لطیف سے استفادہ کرتے ہوئے حضور پر نور کے وہ ارشادات
طیبات قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جن کی سند کی صحت کے بارے علامہ بن
کثیر نے تصدیق کی ہے :

قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ
عَزَّوْتُ مَعَ عَلِيٍّ إِلَى يَمَنٍ فَرَأَيْتُ مِنْهُ جَفْوَةً لَمَّا قَرَّبْتُ
عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذُكِرْتُ عَلَيْهِ
فَتَنَقَّصْتُهُ فَرَأَيْتُ وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَتَغَيَّرُ قَالَ يَا بُرَيْدَةُ أَلَسْتُ أَوَّلِي بِالْمُؤْمِنِينَ
مَنْ أَنْفُسِهِمْ قُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَنْ كُنْتُ
مَوْلَاكَ فَعَلَى مَوْلَاكَ وَكَذَلِكَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ أَبِي
دَاوُدَ عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ فَضْلُ بْنُ دَكَيْنٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ
بْنِ أَبِي عُثَيْبَةَ بِإِسْنَادٍ نَحْوِهِ وَهَذَا إِسْنَادٌ جَيِّدٌ قَوِيٌّ
رَجَّاهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ -

(2)

”امام احمد فرماتے ہیں کہ فضل بن دکین نے مجھے یہ حدیث سنائی کہ ابن ابی
نعمان نے انہی حکم سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے حضرت
ابن عباس سے اور انہوں نے بریدہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں
سیدنا علی مرتضیٰ کی معیت میں جہاد کرنے کیلئے یمن گیا۔ میں نے آپ سے
خفیہ طور پر دوستی کا مشہدہ کیا۔ جب میں بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا تو
میں نے حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں شکایت کی جسے سن کر حضور
کے رخ انور کی رنگت متغیر ہو گئی اور حضور نے فرمایا، اے بریدہ! کیا میں تم
اہل ایمان سے ان کے نفوس سے بھی زیادہ قریب نہیں ہوں؟ میں نے

عرض کی، بیشک یا رسول اللہ! آپ تمام مسلمانوں سے ان کی جانوں سے
 بھی زیادہ قریب ہیں۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا۔ **مَنْ كُنْتُ مَوْلَاَهُ**
فَعَلَيْهِ مَوْلَاةٌ "میں جس کا دوست اور محبوب ہوں، علی بھی اس کا
 دوست اور محبوب ہے۔"

اس روایت کی سند کے بارے میں علامہ ابن کثیر کی بے لاگ رائے ملاحظہ ہو، وہ لکھتے
 ہیں: کہ یہ سند جید اور قوی ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اصحاب سنن نے جو شرائط
 کسی حدیث کی صحت کیلئے رقم کی ہیں، وہ ساری شرائط اس روایت میں پائی جاتی ہیں۔ امام
 ترمذی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ایک
 جگہ اترے۔ یہ وادی خم کے نام سے موسوم تھی۔ پس **الْضُّلُوكَ جَامِعَةً** کا اعلان کیا گیا۔
 لوگ جمع ہو گئے حضور نے پہلے نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ زید بن ارقم کہتے ہیں کہ پھر حضور
 نے ہمیں خطاب فرمایا۔ میں اپنی چادر کے ذریعہ اس درخت پر سایہ کئے ہوئے تھا جس کے نیچے
 حضور تشریف فرما تھے تاکہ سرد عالم ﷺ پر دھوپ کا تارا بھی نہ پڑے۔ حضور نے فرمایا:

أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ؟ أَوَلَسْتُمْ تَشْهَدُونَ؟ أَلَيْسَ أَوَّلِي بِكُلِّ
مُؤْمِنٍ مِّنْ نَّفْسِهِ قَالُوا بَلَىٰ قَالَ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاَهُ
فَإِنَّ عَلِيًّا مَوْلَاةُ اللَّهِ وَاللَّهُ وَالِ مِنْ دَالَاةٍ وَعَادٍ مِّنْ
عَادَاةٍ هَذَا إِسْنَادٌ جَيِّدٌ رِّجَالُهُ ثِقَاتٌ عَلَى شَرْطِ

التَّنَزُّهِ وَقَدْ صَحَّحَ التِّرْمِذِيُّ بِهَذَا السَّنَدِ - (1)

"کیا تم اس بات کو نہیں جانتے؟ کیا تم اس بات کی شہادت نہیں دیتے؟
 کہ میں ہر مومن سے اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ سب نے
 عرض کی، حضور نے بجا فرمایا۔ اور جب سب نے ارشاد نبوت کی تائید
 کر دی تو رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاَهُ فَإِنَّ عَلِيًّا مَوْلَاةُ اللَّهِ وَاللَّهُ وَالِ مِنْ دَالَاةٍ
وَالَاةُ وَعَادٍ مِّنْ عَادَاةٍ -

کہ ”جس کا میں مددگار اور دوست ہوں علی مرتضیٰ بھی اس کے مددگار اور دوست ہیں۔ اے اللہ! جو ان کو دوست بناتا ہے اس کو تو بھی اپنا دوست بنانا اور جو ان سے عداوت کرتا ہے ان سے تو بھی عداوت کر۔“

علامہ ابن کثیر اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں :

”مگر یہ سند جید ہے۔ اس کے سارے راوی ثقہ ہیں اور کتب سنن کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ امام ترمذی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

یہ دو ایسی روایتیں ہیں جن کی صحت کے بارے میں علماء حدیث میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگرچہ امام ابن کثیر نے چند اور احادیث بھی یہاں رقم کی ہیں لیکن ہم صرف ان دو روایت پر اکتفاء کرتے ہیں جن کے سارے راوی ثقہ ہیں اور جن کی سند ہر شک و شبہ سے پاک ہے۔

اس حدیث سے شیعہ نے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ حضور نے یہ ارشاد فرمایا: ”سیدنا علی مرتضیٰ کی خلافت کے بارے میں اعلان کیا۔“

لیکن یہ استدلال اہل حق کے نزدیک قطعاً قابل غناء نہیں اور اس کی متعدد وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ لفظ مولیٰ مشترک ہے، یہ اکیس معانی پر دلالت کرتا ہے۔ اور لفظ مشترک اپنے تمام معانی پر یک وقت دلالت نہیں کرتا، اس کے لئے کسی ایک معنی کا تعین ضروری ہے اور اس کے لئے قرینہ اور دلیل کی ضرورت ہے، جس کی بناء پر دیگر معانی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور یک معنی پر وہ دلالت کرتا ہے۔

یہاں کوئی ایسا قرینہ نہیں جس کے پیش نظر اس لفظ کے باقی معانی کو نظر انداز کر کے ”خیفہ“ کے معنی کیلئے اس کو متعین کر دیں کیونکہ سیاق و سباق اس کی تائید نہیں کرتا۔ اس موقع پر کسی نے بھی سیدنا علی مرتضیٰ کی خلافت کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ صراحۃً نہ سنائیہ اور نہ ضمنیاً جب یہاں خلافت کا کسی طرح بھی ذکر نہیں ہے تو یہاں اس حدیث سے سیدنا علی کی خلافت کو ثابت کرنا قطعاً روا نہیں۔

یہاں اگر کوئی مسئلہ زیر بحث تھا تو وہ سیدنا علی کی ذات کے بارے میں وہ شکایات تھیں جو بعض لوگوں نے بارگاہ رسالت میں پیش کیں کہ انہوں نے مجاہدین کے ساتھ بڑا ورشتہ سلوک روار کھا۔ بیت المال میں نئے کپڑوں کے کٹی تھان موجود تھے۔ مجاہدین کا لباس طویل سفر کے باعث بوسیدہ اور میسا ہو چکا تھا۔ انہوں نے درخواست کی کہ انہیں ان

گانتھوں سے دو چادروں کا کپڑا دیا جائے تاکہ وہ احرام باندھ سکیں لیکن آپ نے ان کی اس درخواست کو مسترد کر دیا۔ اس قسم کی چند دیگر شکایات تھیں جو بارگاہ رسالت میں شیر خدا کے بارے میں عرض کی گئیں۔ حضور سرور عالم ﷺ نے انہی شکایات کا ازالہ کرنے کیلئے اور علی مرتضیٰ کی لمانت و دیانت کو ہر شک و شبہ سے بالاتر ثابت کرنے کیلئے یہ ارشاد فرمایا تاکہ اب جبکہ لوگ یہاں سے اپنے اپنے علاقوں کو جا رہے ہیں، کسی کے دل میں اللہ اور اس کے دین کے شیر کے بارے میں کسی قسم کی غلط فہمی باقی نہ رہے۔ ان ارشادات سے جملہ حاضرین کو خطاب فرمایا۔ یہاں خلافت کے موضوع پر نہ کوئی گفتگو ہوئی، نہ اس موضوع کے بارے میں کسی نے اختلاف کیا اور نہ سرور عالم ﷺ نے خلافت کے موضوع کو زیر بحث لا کر یہ ارشاد فرمایا۔

صاحب تاج العروس نے لفظ ”مولیٰ“ کے متعدد معانی لکھے ہیں جو پیش خدمت ہیں :

الْمَوْلَى: الْمَالِكُ - الْعَبْدُ - الْمُعْتَقُ - الْمُعْتَقُ -
الْمُصَاحِبُ - الْقَرِيبُ - الْحَبَارُ - الْمُخْلِفُ - ابْنُ الْعَقِ
الْزَوِيلُ - الشَّرِيكُ - ابْنُ الْأُخْتِ - الْوَلِيُّ - الْوَلِيُّ
الْمُنْعَمُ - الْمُتَمَنِّعُ - الْمُجِبُّ - التَّابِعُ - الْيَتِيمُ (1)

اس سیاق و سباق میں غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں مولیٰ کے معنی محبت۔ محبت کریموالہ، صدیق، سچا، دوست اور نصیر۔ مدد کرنے والے کے ہیں اور ان معانی سے خلافت پر استدلال کرنا بے محل ہے۔ نیز شیعہ نے اپنی کتب اصول میں امر کی بار بار تصریح کی ہے کہ خلافت کو ثابت کرنے کیلئے دلیل کا قطعی اور حدیث کا متواتر ہونا ضروری ہے جو دلیل قطعی نہ ہو اور جو حدیث متواتر نہ ہو، ان سے خلافت ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ امر شیعہ کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہے اور چونکہ یہ حدیث خبر متواتر نہیں اس لئے سیدنا علی مرتضیٰ کی خلافت پر اس سے استدلال کرنا ان کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہے، اس لئے قائل تسلیم نہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں :

تعیین معانی مشترک بے دلیل اعتبار ندارد و با ایشاں معتقدیم بر صحت ارادت محبوب و ناصر۔ و علی رضی اللہ عنہ و کرم اللہ وجہہ سیدنا و ناصرنا و

حبيب ماسب و سياق حديث نيز دريس معنى ناظر است (1)
 "لفظ مشترك کے متعدد معانی سے کسی ایک معنى کی تخصیص یا تعیین
 کیلئے دلیل درکار ہے اور بغیر دلیل کے اس کے متعدد معانی سے ایک
 معنى کی تعیین درست نہیں۔ ہم اہل سنت اور وہ اہل شیعہ اس بات پر
 متفق ہیں کہ سیدنا علی ہمارے محبوب، ہمارے مددگار، اور ہمارے سرور
 ہیں اور حدیث کا سیاق بھی انہیں معانی کی تائید کرتا ہے کہ ان لوگوں نے
 سیدنا علی کرم اللہ وجہہ پر جو اعتراض کئے ہیں، وہ بے معنى اور بغویہ۔ بلکہ
 آپ تو تمام مسلمانوں کے محبوب، مددگار اور سرور ہیں۔"

نیز حدیث میں لفظ مولانا کو رہے اور مولا کا غلط امام کے معنى میں نہ ازروئے نعت اور نہ
 ازروئے شریعت مستعمل ہوتا ہے۔ جب نعت اور شریعت دونوں مولیٰ کو امام کے معنى میں
 استعمال نہیں کرتیں تو اس سے پتا چلتا ہے کہ اس ارشاد گرامی کا مقصد یہ تھا کہ اگر کسی کے
 دل میں شیر خدا کے بارے میں بغض اور ناراضگی کا کوئی شائبہ تک بھی ہو تو وہ اس سے
 اجتناب کرے اور دستبرداری کا اعلان کر دے۔ عداوت ابن حجر کہتے ہیں کہ ہم ایک محدث
 اگر تسلیم کر لیں کہ یہاں مولا، مولیٰ کے معنى میں ہے، لیکن یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ مولیٰ
 سے امامت مراد ہے بلکہ اولویت ازروئے تقرب اتباع ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

إِنَّ أَوَّلَى الْبَنَاتِ بِآبَائِهِمْ لِلَّذِينَ اتَّبَعُوكَ وَهَذَا
 الشَّيْءُ وَالَّذِينَ آمَنُوا۔ (2)

"بیشک نزدیک تر لوگ ابراہیم علیہ السلام سے وہ تھے جنہوں نے ان کی
 پیروی کی، نیز یہ نبی کریم اور جو اس نبی پر ایمان لائے تھے خدا کا پیروکار
 ہے مومنوں کا۔"

نیز تمام دلائل سے اقویٰ دلیل یہ ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ نے کسی وقت بھی اپنی
 خلافت کو ثابت کرنے کیلئے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔ اگر اس حدیث کا وہی مفہوم
 ہوتا جو شیعہ کہتے ہیں تو حضرت علی اس ارشاد نبوی سے ضرور استدلال کرتے۔ صحابہ کرام

جب اپنے آقا کا یہ فرمان واجب الاذعان سنتے کہ حضرت علی حضور کے خلیفہ ہیں تو صحابہ کرام کسی اور شخص کو خلیفہ ہرگز نہ بناتے۔ آپ کا اپنی خلافت کو ثابت کرنے کیلئے کسی وقت بھی اس روایت سے استدلال نہ کرنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہاں مولا کے معنی خلیفہ نہیں بلکہ ناصر، محب اور سردار ہے۔

نیز رحمت عالم ﷺ جب اپنی ظاہری حیات طیبہ کے آخری ایام گزار رہے تھے تو ایک روز حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور کی خدمت سے باہر آئے۔ حضرت عباس نے حضرت علی کو مشورہ دیا کہ آپ اس وقت خلافت کے بارے میں بارگاہ رسالت میں عرض کریں تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ حضور کے بعد منصب خلافت پر کون متمکن ہوگا۔ حضرت علی مرتضیٰ نے جواب دیا کہ میں ہرگز حضور سے اس کے بارے میں استفسار نہیں کروں گا کیونکہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں خلافت کا مطالبہ کروں اور حضور مجھے اپنا خلیفہ مقرر نہ فرمائیں تو پھر ہمیشہ کیلئے ہم اس منصب سے محروم کر دیئے جائیں گے۔

اگر اس حدیث سے حضور کا مقصد علی مرتضیٰ کی خلافت کا اعلان تھا تو پھر حضرت عباس کا یہ مشورہ دینا بے معنی تھا اور سیدنا علی کا انہیں یہ جواب دینا بھی قابل قبول نہیں۔ اگر رحمت عالم ﷺ نے صرف چند روز قبل خیم غدیر کے موقع پر اپنے اس ارشاد گرامی سے علی مرتضیٰ کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا ہوتا تو پھر اس احتمال کی گنجائش نہ تھی جس کے باعث حضرت علی نے حضرت عباس کے مشورہ کو مسترد کر دیا۔

شیعہ کا یہ کہنا کہ صحابہ کو اس نص کا علم تھا لیکن انہوں نے دانستہ اس کی پیروی سے انکار کر دیا۔ نیز شیعہ کا یہ کہنا کہ حضرت علی نے اس وقت بطور تقیہ خاموشی اختیار کی۔ العیاذ باللہ، صحابہ کا آپ کو اتنا خوف تھا کہ آپ نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اس واضح ارشاد کے بیان کرنے سے بھی دانستہ اعراض کیا۔ سیدنا علی مرتضیٰ کی شخصیت کا دامن اس قسم کے الزامات اور اتہامات سے مبرا اور منزہ ہے۔ کوئی شخص جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہے، سید السادات اور تمام بہادروں کے سردار علی مرتضیٰ کے بارے میں اس بزدلی اور تقیہ کا وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا۔ یہ سراسر کذب و افتراء ہے۔ علی مرتضیٰ کی بے عدیل شجاعت اور بے مثال قوت اور اعوان و انصار کی کثرت اس بات کی متحمل نہیں کہ آپ نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ایک سچے اعلان کو کسی کی

مخالفت کے خوف سے چھپایا ہو۔

ناظرین کو علم ہے کہ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے مسئلہ پر مہاجرین و انصار میں اختلاف بڑی سنگین صورت اختیار کر گیا کہ خلیفہ کون ہوگا تو اس خطرناک صورت حال کے باوجود سیدنا ابو بکر صدیق نے پورے جوش و عزم کے ساتھ اپنے آقا کے اس ارشاد کا مجمع عام میں اعلان کر دیا کہ حضور نے فرمایا ہے **اَلَا يَتَّبِعُهُ مِنِّي فَزَيْتُ** کہ خلیفہ صرف قریش سے ہوگا۔ "تو اس وقت تمام انصار و مہاجرین نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ارشاد کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور کسی نے اف تک نہ کی۔ اور اگر اس ارشاد نبوی کا یہی مفہوم ہوتا جو شیعہ صاحبان کہتے ہیں تو علی مرتضیٰ اس دلیل سے اس حدیث کا اعلان کر کے اپنی خلافت پر استدلال کرتے اور صحابہ کرام میں سے کوئی بھی آپ کے بغیر کسی کو خلیفہ تسلیم نہ کرتا۔ ایسے اہم اور نازک موقع پر سیدنا علی مرتضیٰ کا جان بوجھ کر خاموش رہنا اور اپنی خلافت کی اس اہل دلیل کو بیان نہ کرنا خود اس حقیقت کی ناقابل تردید دلیل ہے کہ حضور نے اپنے اس ارشاد گرامی سے کسی کی خلافت کا اعلان نہیں کیا تھا بلکہ مقصد صرف علی مرتضیٰ کے دامن پاک پر ان غلط الزامات کی گرد و غبار کو دور کرنا تھا۔

آخر میں ہم خاندان نبوت کی جلیل القدر اور عظیم الشان شخصیات حضرت امام حسن کے صاحبزادے حضرت حسن المثنیٰ کا فیصلہ کن ارشاد گرامی ناظرین کی توجہ کیلئے پیش کرتے ہیں :-
حضرت حسن مثنیٰ سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ ارشاد نبوی **مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْهِ مَوْلَاةُ** سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی امامت و خلافت کیسے نص ہے۔ آپ نے فرمایا، اگر یہ نص ہوتی اور اس سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی امامت و خلافت کو ثابت کرنا مقصود ہوتا تو حضور وضاحت و فصاحت سے یوں فرماتے :

**يَا أَيُّهَا النَّاسُ هَذَا أَوَّلُ بَعْدِي وَالْقَائِمُ عَلَيْكُمْ بَعْدِي
فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا.**

”اے لوگو! میرے بعد یہ (علی مرتضیٰ) تمہارے والی ہوں گے اور
میرے بعد یہ تمہارے امور کے ناظم ہوں گے۔ ان کا حکم سنو اور ان
کی اطاعت بجالانا۔“

بجز اگر رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنا خلیفہ بتایا ہوتا تو آپ نے اس کا مطالبہ کرنے

سے اجتناب کیا ہوتا تو یہ حضرت علی کی سب سے بڑی غلطی ہوتی۔ (1)

حجۃ الوداع سے مدینہ طیبہ واپسی

حضور کریم ﷺ جب حجۃ الوداع سے مراجعت فرمائے مدینہ طیبہ ہوئے، اس روز ذی الحجہ کی پچیس تاریخ تھی اور سنہ 10 ہجری تھا۔ اسی اثناء میں حضرت اسامہ بن زید کو حکم دیا کہ وہ اکابر صحابہ کا لشکر جرار لے کر مملکت روم کے اس حصہ کو تاخت و تاراج کرے جہاں بلقاء اور ابنی کے شر آباد ہیں اور جہاں ان کے والد حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ نے شرف شہادت حاصل کیا تھا۔

ماہ محرم اور ماہ صفر حضور نے مدینہ طیبہ میں بسر کئے۔ ایک روز رحمت دو عالم ﷺ اپنے عاشقان و لفکار کی ملاقات اور ان کے استغفار کیلئے احد کے مقام پر تشریف لے گئے۔ وہاں کافی دیر تک اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان شہدائے اسلام کی مغفرت کیلئے التجائیں کرتے رہے۔ واپسی کے وقت گنج شہیداں کے پاس انہیں اس مژدہ سے خورسند فرمایا اَنْتُمْ السَّابِقُونَ وَنَحْنُ بِكُمْ اَنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا يَحْضُرُونَ۔ یعنی ”تم ہم سے آگے جانے والے ہو اور ہم جلدی تم سے ملنے والے ہیں۔“ حضور وہاں سے واپس تشریف لے آئے، مسجد نبوی میں گئے اور منبر پر تشریف فرما ہو کر ایک عظیم خطبہ ارشاد فرمایا۔

اِنِّیْ بَیْنَ اَیْدِیْکُمْ قَرِیْظٌ وَاَنَا عَلَیْکُمْ شَهِیدٌ وَلَآ اَمَوْعِدْکُمْ
اَلْخَوْصُ وَوَیْیَ لَا اَنْظُرُ اِلَیْہِ مِنْ مَّعَارِمِیْ هَذَا وَاَوَّلِیْ قَدْ
اُعْطِیْتُ مَغَارِیْہُمْ خَزَائِنَ الْاَرْضِ مِنْ وَیْیَ لَسْتُ اَخْشٰی
عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلَکِنْ اَخْشٰی عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا
اَنْ تُنَافِسُوْا فِیْہَا وَتَہْلِکُوْا کَمَا هَلَكَتْ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ۔

(2)

”میں تمہارا پیشرو ہوں یعنی تم سے آگے جانے والا ہوں اور میں تم پر گواہی دوں گا۔ تمہاری اور میری ملاقات حوض کوثر پر ہوگی اور میں یہاں بیٹھا ہوا

حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمادی گئی ہیں اور مجھے تمہارے بارے یہ اندیشہ نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن مجھے یہ خوف ضرور ہے کہ تم دنیا حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہو گے اور ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئی تھیں۔“

امام ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ ابو موسیٰ بہہ جو رسول کریم ﷺ کے غلام تھے، ایک بار سرکارِ دو عالم ﷺ نے انہیں آدھی رات کے وقت یاد فرمایا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں حاضر ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے ابو موسیٰ بہہ! مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جنت البقیع میں جو لوگ مدفون ہیں میں ان کیسے طلبِ مغفرت کروں، تم میرے ساتھ چلو۔ حضور رونہ ہوئے۔ میں بھی حضور کے ساتھ تھا۔ جب جنت البقیع پہنچے تو قبروں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

اَللّٰمُ عَلَیْكَ يَا اَهْلَ الْمَقَابِرِ لَیْسَ لَكُمْ مَا اَصْبَحْتُمْ
فِیْهِ۔ مِمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ فِیْهِ۔ اَقْبَبَتِ الْفِتْنُ کَقِطْعِ
الْثِّلِ الْمَطْلُوبِ یَتَّبِعُ الْاِخْرَہَا اَوْ لَهَا وَالْاِخْرَہُ شَرٌّ
مِّنَ الْاَوَّلِ۔

(1)

”اے قبروں کے مینو! تم پر سلامتی ہو۔ جس حالت میں تم ہو وہ تمہیں مبارک ہو۔ کیونکہ تمہاری حالت اس حالت سے بہتر ہے جس میں آج کل لوگ مبتلا ہیں۔ تاریک رات کی طرح فتنوں کی تاریکی چھا رہی ہے۔ اگلے فتنے کے پیچھے دوسرا فتنہ ہے اور دوسرے کے پیچھے تیسرا اور بعد والا فتنہ پیسے سے زیادہ سخت اور شدید ہے۔“

پھر حضور میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

اے موسیٰ بہہ! میرے سامنے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئی ہیں، پھر طویل زندگی اور پھر جنت۔ میں نے ان طویل آسائشوں اور اختیارات کو مسترد کر دیا ہے اور اللہ کی ملاقات اور جنت کی ابدی بسر میں اپنے لئے پسند کر لیا ہے۔

میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں۔ حضور انبیاء کے خزانوں کی کنجیاں اور طویل زندگی کے بعد جنت قبول فرماتے۔ حضور نے فرمایا:

لَا وَاللّٰهِ يَا اَبَا مُوَيْهَبَةَ: لَقَدْ اخْتَرْتُ لِقَاءَ رَبِّي وَ
الْجَنَّةَ۔

(1)

”اے ابو موہبہ! بخدا ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں نے اپنے لئے اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو چن لیا ہے۔“

مرض کا آغاز

یہ سنہ 11 ہجری، ماہ صفر کی انتیس تاریخ اور دو شنبہ کا دن تھا کہ ایک صحابی کا انتقال ہوا۔ ان کی نماز جنازہ پڑھنے کیلئے رحمت عالم ﷺ بقیع الغرقہ میں تشریف لے گئے۔ اپنے جاں نثار کی تجیز و تکفین کے بعد حضور جب واپس تشریف لا رہے تھے تو راستے میں ہی سر درد شروع ہو گیا۔ درد کی شدت کے باعث بخار چڑھ گیا اور بخار اتنا تیز تھا کہ جس پٹکے سے رحمت عالم ﷺ نے اپنا سر مبارک باندھا ہوا تھا اس کے اوپر بھی اگر ہاتھ رکھا جاتا تو بخار کی حرارت محسوس ہو جاتی۔ یہی بیماری آخر کار اللہ کے محبوب بندے کی اپنے رب کریم سے ملاقات کا ذریعہ بن گئی۔ اس بیماری کا عرصہ مختلف روایات میں تیرہ، چودہ اور پندرہ دن تک بتایا گیا ہے۔ اس علالت کے دوران گیارہ دن تک امام الانبیاء ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لاتے اور ہر نماز کی امامت کراتے رہے۔ اور سب جاں نثار صحابہ اپنے آقا کی اقتداء میں فریضہ نماز ادا کرتے رہے۔ حضرت عائشہ (ام المومنین) فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنت البقیع سے واپس تشریف لائے تو میرے سر میں اس وقت شدید درد تھا میں کہہ رہی تھی: **وَاَدَاَسَاةٌ** ہائے میرا سر، ہائے میرا سر۔“ حضور نے فرمایا: **بَلْ اَنَا وَاللّٰهِ يَا عَائِشَةُ** **وَاَدَاَسَاةٌ** ”اے عائشہ میرے سر میں بھی بڑی شدت سے درد ہے۔“

درد کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس روز نبی مکرم ﷺ ام المومنین حضرت میمونہ کے حجرہ میں تشریف فرما تھے کیونکہ آج ان کی باری کا دن تھا۔ بیماری کی اس شدت کے باوجود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ازواج مطہرات کی باریوں کا لحاظ رکھا۔ لیکن جب ہر روز مکان

بدلنے میں دقت محسوس ہوئی تو ان کو طلب کیا اور ان سے بیماری کے دن ام المومنین حضرت عائشہ کے حجرہ میں گزارنے کیلئے اذن طلب کیا۔ جب انہوں نے خوشی سے اجازت دے دی تو اللہ کا نبی حضرت میمونہ کے حجرہ سے حضرت ام المومنین عائشہ کے حجرہ میں تشریف لے آیا۔ علالت کی وجہ سے شدید کمزوری تھی اس لئے حضرت فضل بن عباس اور علی بن ابی طالب کے کندھوں کا سہارا لے کر حضور تشریف لے آئے۔ قدم مبارک نقاہت کی وجہ سے زمین کے ساتھ گھسٹ رہے تھے۔

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ بیماری کے ایام میں حضور یہ فرمایا کرتے تھے:

اے عائشہ! میں اس کھانے کا درد آج محسوس کر رہا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اس زہر کی وجہ سے میری رگ دل کٹ رہی ہے۔

اسی اثناء میں ایک روز رحمت عالم ﷺ نے مسلمانوں کو اپنے پاس جمع کیا۔ پہلے ان کو اپنی دعاؤں سے نوازا۔ پھر ان کو ہند و موعظت فرمائی اور فرمایا:

اے مسلمانو! مرحبا۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت میں رکھے، تمہاری شکستہ دلی کو دور فرمائے، تم کو رزق دے، تمہاری مدد کرے، تم کو رفیع مراتب پر فائز کرے اور تم کو امن و امان میں رکھے۔ اے بندگان خدا! میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ ہی کو تمہارا خلیفہ بناتا ہوں اور تم کو اس سے ڈراتا ہوں کیونکہ میں نذیر ہوں۔ دیکھنا اللہ کی بستیوں میں اور اس کے بندوں کے ساتھ غرور و نخوت کو اختیار نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور تمہیں حکم دیا ہے کہ

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا

فِي الْأَرْضِ وَلَا خِشَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ۔ (1)

”یہ آخرت کا گھر ہم مخصوص کر دیں گے اس کی نعمتوں کو ان لوگوں کیلئے جو خواہش نہیں رکھتے زمین میں بڑا بننے کی اور نہ فساد برپا کرنے کی اور اچھا انجام پر ہیز گاروں کیسے ہے۔“

اسامہ بن زید کی مہم

سرور دو عالم ﷺ حجۃ الوداع کے طویل اور کٹھن سفر سے ماہ ذی الحجہ کے آخر میں مدینہ طیبہ پہنچے۔ اس ماہ کے بقیہ دن، ماہ محرم اور ماہ صفر یہاں گزارا۔ اسی مدت میں حضرت اسامہ بن زید کو ایک مہم پر روانہ کرنے کیلئے تیاری شروع کر دی۔ آپ کو علم ہے کہ غزوہ موتہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب، عبداللہ بن رواحہ کے علاوہ تیسرے قائد لشکر اسلامیوں جو شہید ہوئے تھے، وہ حضرت اسامہ کے والد زید بن حارثہ تھے۔ اگرچہ حضرت خالد بن ولید لشکر اسلام کو رومیوں کے لشکر جرار کے زنگے سے سلامت نکال لائے تھے لیکن ان کو شکست فاش دینے کی حسرت پوری نہیں ہوئی تھی۔ جبکہ رومی حکام کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ وہ مسلمانوں کو شکست دے سکتے ہیں۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے اور وہاں کے عرب باشندوں کے دلوں میں اسلامی لشکر کی قوت پر اعتماد بحال کرنے کیلئے سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت اسامہ کو اس لشکر کا سردار بنا کر روانہ کیا۔

اس واقعہ کو علامہ شیخ حسین بن محمد بن حسن الدیار بکری نے اپنی کتاب ”تاریخ النہیس“ میں بڑی وضاحت سے لکھا ہے۔ اس سے استفادہ کرتے ہوئے اس مہم کی تفصیلات پیش خدمت ہیں۔ علامہ موصوف رقمطراز ہیں :

سنہ 11 ہجری میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو سارا لشکر بنا کر اہل انبی کی طرف بھیجا گیا۔ یہ ایک شرک کا نام ہے جو بقاء کے قرب میں ہے۔ یہ آخری فوجی مہم تھی جو نبی کریم ﷺ نے اس جگہ بھیجی جہاں حضرت اسامہ کے والد حضرت زید شہید کئے گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ کو یاد فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ اس جگہ جاؤ جہاں رومیوں نے تیرے باپ کو شہید کیا تھا اور اس لشکر کے گھوڑوں سے اس جگہ کو روند ڈالو۔ مزید فرمایا کہ

صبح سویرے اہل انبی پر حملہ کرنا، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ فتح و ظفر عطا فرمائے تو وہاں زیادہ دیر نہ ٹھہرنا۔ اپنے جاسوس اپنے آگے آگے روانہ کرنا اور اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو لے جانا جو راستوں کے پیچ و خم کو جانتے ہوں۔

جب بدھ کا دن ہوا تو سرکار دو عالم ﷺ کو تکلیف شروع ہو گئی۔ شدید بخار اور سخت درد تھا۔ جمعرات کے روز حضور نے اسامہ کو دیئے جانے والا جھنڈا اپنے دست مبارک سے

باندہ حاور فرمایا :

أَعَزُّبِسْمِ اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَعَاتِلَ مَنْ كَفَرَ يَٰلَهُ

”اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کیلئے نکلو اور جو بندہ کے ساتھ

کفر کرتے ہیں ان سے جنگ کرو۔“

حضرت اسامہ رولہ ہو کر مع لشکر جرف کے مقام پر سکر ٹھہرے جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ اکابر مہاجرین اور اکابر انصار میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کو اس لشکر میں شریک نہ کیا گیا ہو۔ حضرات صدیق اکبر، فاروق اعظم، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، ابو عبیدہ، قنودہ بن نعمان۔ یہ سارے بزرگ صی بہ اس لشکر میں شریک تھے۔ بعد میں لوگوں نے یہ چہ میگوئیاں شروع کیں کہ اتنے اکابر صی بہ اس لشکر میں شامل ہیں ورنہ ان کا سالار ایک مہینہ نوجوان کو مقرر کیا گیا ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ بات سنی تو حضور کو سخت غصہ آیا۔ حضور نے اپنا سر ایک پٹکے سے باندھ لیا، ایک چادر اوڑھ لی اور منبر پر تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا :

”اے لوگو! یہ کیا بات میرے کانوں تک پہنچی ہے کہ تم اسامہ کے امیر بنانے پر اعتراض کر رہے ہو؟ اگر تم اسامہ کو امیر بنانے پر معترض ہو تو تم نے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا جب میں نے اس کو لشکرِ اسلام کا سالار بنایا تھا۔ بخدا! زید بھی اس منصب کا مستحق تھا اور اس کا بیٹا اسامہ بھی اس منصب کا اہل ہے۔“

پھر منبر سے نیچے تشریف لائے اور گھر تشریف لے گئے۔

یہ ہفتہ کا دن تھا اور ربیع الاول کی دس تاریخ تھی۔ وہ مسلمان جو حضرت اسامہ کے ساتھ اس مہم پر جا رہے تھے وہ الوداعی سلام عرض کرنے کیلئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ سلام عرض کرنے کے بعد وہ لشکر میں واپس چلے گئے۔ اتوار کے روز حضور کی بیماری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ درد نے شدت اختیار کر لی۔ حضرت اسامہ سلام عرض کرنے کیلئے حاضر ہوئے تو اس وقت نبی کریم ﷺ پر غشی طاری تھی۔ حضرت اسامہ نے جبکہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے سر مبارک کو بوسہ دیا۔ حضور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے پھر اسامہ کے اوپر رکھ دیتے گویا یہ اسامہ کیلئے دعا فرما رہے تھے۔ اسامہ اپنے قاقی دعائیں

لینے کے بعد اپنی چھاؤنی میں آگئے اور لوگوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔

وہ اپنی سواری پر ابھی سوار ہونے والے تھے کہ ان کی والدہ ام ایمن کا قاصدان کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے آکر بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری وقت ہے۔ چنانچہ اسامہ، سیدنا عمر اور سیدنا ابو عبیدہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ سو سوار کے دن جب سورج ڈھل گیا تو رحمت عالم ﷺ نے رفیق اعلیٰ کی طرف سفر فرمایا **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ رَجِعْ** جب حضور کے وصال پر ملال کی اطلاع لشکر کو ملی تو سارے مسلمان مدینہ طیبہ واپس آگئے۔ حضرت اسامہ کا جھنڈا حضرت بریدہ بن حصیب نے اٹھایا ہوا تھا۔ انہوں نے یہ جھنڈا رسول کریم ﷺ کے دروازے کے سامنے آکر گاڑ دیا۔ جب مسلمانوں نے بالاتفاق حضرت صدیق اکبر کی بیعت کر لی تو آپ نے حکم دیا کہ یہ جھنڈا حضرت اسامہ کو دیا جائے تاکہ وہ اپنے لشکر سمیت اس مہم پر روانہ ہوں جس پر جانے کا نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا۔ (1)

فتنہ ارتداد

سرکارِ دو عالم ﷺ کی رحلت کے بعد فتنہ ارتداد نے زور پکڑ لیا۔ اس وقت حضرت اسامہ کا لشکر خندق کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت صدیق اکبر کے پاس بھیجا تاکہ انہیں عرض کریں کہ ارتداد کا فتنہ روز بروز زور پکڑتا جا رہا ہے اس لئے بہتر ہے کہ اسامہ کے لشکر کی روانگی کو کچھ عرصہ کیلئے ملتوی کیا جائے۔ جب حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو پھر یہ لشکر روانہ ہو جائے گا۔ حضرت اسامہ نے یہ بھی کسلا بھیجا کہ ہمیں خدشہ ہے کہ مرتدین اور مشرکین مدینہ طیبہ کو خالی سمجھ کر اس پر حملہ نہ کر دیں۔ انصار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہا، اگر صدیق اکبر اس لشکر کو واپس کرنے سے انکار کر دیں تو پھر ہم سب کی طرف سے عرض کیجئے کہ اس کمسن نا تجربہ کار اسامہ کے بجائے کسی تجربہ کار شخص کو اس لشکر کا امیر مقرر کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پہلے حضرت اسامہ کا پیغام گزارش گزارا کہ تو اس عاشق صادق صدیق اکبر نے جواب دیا:

وَاللّٰهُ لَوْ تَخَطَّفَنِي الدِّيَّانُ وَالْكِلَابُ لَمْ أَرُدَّ قَضَاءً قَضَىٰ

بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”بخدا! اگر مجھے بھیڑیے اور کتے اچک کر لے جائیں تو بیشک لے جائیں
مگر جو فیصلہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے کیا ہے، میں اس کو منسوخ
نہیں کر سکتا۔“

اس کے بعد حضرت عمر نے انصار کا پیغام پہنچایا کہ ان سب کی خواہش ہے کہ ہم سامہ
کے بجائے کسی معمر اور تجربہ کار شخص کو لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمائیں۔ یہ سن کر حضرت عمر
کو یارائے صبر نہ رہا اور اٹھ کھڑے ہوئے، حضرت عمر کی داڑھی پکڑ لی اور غصہ سے فرمایا:

ثَبَّتَكَ أَمْلَكَ وَعَدَمَتَكَ يَا بَنَ الْخَطَّابِ اسْتَعْمَلَهُ رَسُولُ

اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَأْمُرُنِي أَنْ أُنْزِعَهُ (۱)

”اے عمر! تیری ماں تجھے روئے اور تجھے گم کرے۔ اللہ کے رسول ﷺ
نے اسامہ کو سالار مقرر فرمایا ہے تو مجھے یہ کہتا ہے کہ میں اس کو معزوں
کر دوں۔ یہ ناممکن ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔“

چنانچہ حضرت اسامہ ارشاد نبوی کے مطابق اس مہم پر روانہ ہوئے۔ انہوں نے پہلے
قضاء پر حملہ کیا، پھر موتہ کے مقام پر پہنچے اور بیس رات تک سفر کرنے کے بعد اپنی کے
مقام پر حملہ آور ہوئے جس پر حملہ کرنے کیلئے حضور نے اسامہ کو روانہ کیا تھا۔ ان کے
بڑے بڑے سردار قتل کر دیئے گئے اور ان کے ہمت سے آدمیوں کو جنگی قیدی بنالیا گیا اور
جس شخص نے اسامہ کے والد حضرت زید کو شہید کیا تھا وہ حضرت اسامہ کے ہاتھ سے
موت کے گھاٹ اتر گیا۔ چنانچہ فتح و کامرانی کے پرچم لہراتے ہوئے یہ مجاہدین مدینہ طیبہ کی
طرف روانہ ہوئے۔ جب یہ لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو حضرت صدیق اکبر صلی اللہ علیہ وسلم
انصار کو ہمراہ لے کر اس لشکر کے استقبال کیلئے پہنچے۔ اس مہم میں چالیس دن صرف ہوئے
اور صدیق اکبر کی قوت ایمانی کے باعث اس لشکر کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔ مسلمانوں
کی اس کامیابی کی اطلاع جب دشمنان اسلام اور مرتدین کو پہنچی تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور
مسلمانوں کی عسکری قوت کا رعب ان پر اس طرح چھا گیا کہ ان میں سر اٹھانے کی ہمت نہ رہی۔

وفات سے پانچ دن پہلے

چہار شنبہ کا دن تھا۔ بخار میں بڑی شدت آگئی جس کی وجہ سے غشی طاری ہو گئی۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ مختلف کنوؤں سے پانی کے سات مشکیزے بھر کر لاؤ اور انہیں مجھ پر انڈیل دو تاکہ مجھے سکون ہو اور میں لوگوں کے پاس جا کر انہیں وصیت کر سکوں۔ چنانچہ سات مختلف کنوؤں سے پانی کے سات مشکیزے بھر کر لائے گئے۔ حضور پر نور ﷺ کو ایک لگن میں بٹھ دیا گیا اور حضور پر وہ پانی انڈیلا جانے لگا یہاں تک کہ رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔۔۔ بس بس۔ اس طرح بخار کی حدت میں کمی ہو گئی اور حضور کو آرام محسوس ہونے لگا۔ رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں تشریف لائے، سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور منبر پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ صحابہ کرام نے ارد گرد حلقہ بنالیا اور سٹ کر بیٹھ گئے تاکہ اپنے ہادی و مرشد کے ان ارشادات طیبات کو پوری دلجمعی سے سن سکیں۔ اس خصوصی محفل میں حضور انور نے فرمایا :

لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ لِيَتَّخِذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ
مَسَاجِدَ۔

”اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر اپنی لعنت بھیجے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔“

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

کہ مراد از اتخاذ قبور مساجد سجدہ کردن بجانب قبور است و ایں ہر دو طریق متصور است یکے سجدہ بقبور بر بند و مقصود عبادت اکل دارند چنانکہ بت پرستان می پرستند۔ دوم آنکہ مقصود منظور عبادت وے تعالیٰ دارند و لیکن اعتقاد کنند کہ توجہ بقبور ایشان در نماز و عبادت حق موجب قرب و رضائے تعالیٰ و موقع عظیم است نزد حق تعالیٰ از جہت اشتغال وے عبادت۔ و مبالغہ در تعظیم انبیاء و ایں ہر دو طریق نامرغی و نامشروع است۔ اول خود شرک جلی و کفر صریح است و ثانی نیز حرام و ممنوع از جہت اشتغال بر شرک خفی و ہر طرف تقدیر طعن متوجہ است و نماز کردن بجانب قبر

نبی و مرد صالح بعد ہر نماز کو تسبیح و تحمید کرنا حرام است و بیچ کس راز علماء در اس خلاف نیست (۱)
 ”شیخ فرماتے ہیں کہ قبروں کو مساجد بنانے سے مراد یہ ہے کہ قبروں کی طرف
 سجدہ کرتے ہیں اور اس کے دو طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ قبروں کو
 صاحب قبر کی عبادت کی نیت سے سجدہ کریں جس طرح بت پرست اپنے
 بتوں کو سجدہ کیا کرتے تھے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس سجدہ سے مقصود تو
 اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو لیکن سجدہ کرنے والے کا اعتقاد یہ ہو کہ نماز اور عبادت
 میں ان قبروں کی طرف متوجہ ہونا اللہ تعالیٰ کے قرب اور رضا کا سبب ہے۔ یہ
 دونوں طریقے ناپسندیدہ اور ناجائز ہیں پہلا طریقہ اس لئے کہ وہ شرک جلی اور
 کفر صریح ہے اور دوسرا طریقہ اس لئے کہ اس میں شرک خفی پایا جاتا ہے۔ اس
 لئے کسی نبی یا ولی کی قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا یا سجدہ کرنا حرام ہے اور
 تمام علماء اس بات پر متفق ہیں۔

البتہ کسی نبی یا ولی کی قبر کے قرب میں مسجد تعمیر کرنا اور اس میں اس نیت سے نماز پڑھنا
 کہ صاحب قبر کی نورانیت و روحانیت کی برکت سے ان کی اس عبادت کو درجہ قبول نصیب
 ہوگا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس حدیث کی جو تشریح حضرت شیخ عبدالحق محدث دہوی نے فرمائی ہے، علامہ ابن
 حجر نے فتح الباری میں بعینہ یہی تشریح نقل کی ہے۔

قَالَ الْبَيْهَقِيُّ لَمَّا كَانَتْ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى يَسْجُدُونَ
 يَقْبُورَ الْأَنْبِيَاءِ تَعْظِيمًا لِّأَنفُسِهِمْ وَيَجْعَلُونَهَا قِبَلَةً يَتُوجَّهُونَ
 فِي الصَّلَاةِ نَحْوَهَا. وَاتَّخَذُواهَا أَوْثَانًا لِّعَنَتِهِمْ. وَمَنْعَمَ
 الْمُسْلِمِينَ عَنْ مِثْلِ ذَلِكَ فَأَمَّا مَنِ اتَّخَذَ مَسْجِدًا فِي
 جَوَارِ صَالِحٍ وَقَصَدَ التَّبَرُّكَ بِالْقُرْبِ مِنْهُ لَا التَّعْظِيمَ
 لَهُ وَلَا التَّوَجُّهَ نَحْوَهُ فَلَا يَدْخُلُ فِي ذَلِكَ الْوَعِيدِ (۱)

”امام بیہاوی فرماتے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ کیا
 کرتے تھے اور ان کو نماز میں اپنا قبلہ بتایا کرتے تھے اور ان کو بت تصور

کرتے تھے۔ اس لئے ہادی برحق ﷺ نے اپنے اہل بیت کو اس سے منع کیا لیکن کسی مرد پاکباز کے پڑوس مسجد تعمیر کرنا اور بطور تبرک اس کے قرب میں نماز ادا کرنا، اس وعید میں داخل نہیں۔ کیونکہ اس وقت نہ ان کو قبلہ بنا کر نماز ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ ان کی تعظیم مقصود ہوتی ہے۔"

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعینہ اسی عبارت سے اس حدیث کی وضاحت کی ہے۔ (1)

علماء کبار کی ان تشریحات سے واضح ہو گیا کہ اس حدیث میں کسی نبی یا ولی کی قبر کو سجدہ کرنا یا اس کو اپنا قبلہ بنانا یا بتوں کی طرح ان کی پوجا کرنا ممنوع اور حرام ہے۔ لیکن انبیاء و اولیاء کے مزارات پر حاضری دینا اور ان کے ایصال ثواب کیلئے وہاں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت کرنا ممنوع نہیں ہے۔

اقلیم عدل و انصاف کا شہنشاہ

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت فضل بن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ علالت کے دنوں میں بخار کی حالت میں میرے پاس تشریف لائے۔ حضور نے اپنا سر مبارک باندھا ہوا تھا۔ بخار بہت شدید تھا۔ مجھے حکم دیا، اے فضل! میرا ہاتھ پکڑو۔ میں نے دست مبارک پکڑ لیا۔ حضور منبر پر جا کر تشریف فرما ہوئے اور مجھے فرمایا کہ لوگوں میں منادی کر دو کہ سب جمع ہو جائیں۔ میں نے بلند آواز سے کہا۔ الصلوٰۃ جامعۃ۔ لوگ یہ سنتے ہی جوق در جوق مسجد نبوی میں پہنچنا شروع ہو گئے۔ جب سب آگئے اور اطمینان سے بیٹھ گئے تو اس مرشد برحق نے شدید علالت کے باوجود اپنے صحابہ کرام کو یوں خطاب فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ! مَنْ كُنْتُ جَلَدْتُ ظَهْرًا فَهَذَا ظَهْرِي
فَلَيْسَتْ قَدَمِي مِنْهُ وَمَنْ كُنْتُ شَقَمْتُ لَهُ عِزًّا مِنْهَا فَهَذَا
عِزِّي فَلَيْسَتْ قَدَمِي مِنْهُ وَمَنْ أَخَذْتُ لَهُ مَالًا فَهَذَا
مَالِي فَلْيَأْخُذْ مِنْهُ وَلَا يَخْشَى الشَّهْنَاءَ فَإِنَّهُ لَيْسَتْ

وَمِنْ شَأْنِي۔

(1)

”اے لوگو! اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کبھی کوئی درہ مارا ہے تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے، وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کو برا بھلا کہا ہے تو میری آبرو حاضر ہے، وہ اس سے انتقام لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کا مال چھینا ہے تو میرا مال حاضر ہے، وہ اس سے اپنا حق لے سکتا ہے۔ تم میں سے کوئی یہ اندیشہ نہ کرے کہ اگر کسی نے مجھ سے انتقام لیا تو میں اس سے ناراض ہو جاؤں گا یہ میری شان نہیں۔“

مجھے یہ امر بہت پسند ہے کہ اگر کسی کا حق میرے ذمہ ہے تو وہ مجھ سے وصول کرے۔ مجھے معاف کر دے تاکہ میں اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کروں کہ کسی کا حق میرے ذمہ واجب الادا نہ ہو۔ ایک آدمی کھڑا ہوا۔ اس نے کہا، یا رسول اللہ! میرے تین درہم حضور کے ذمہ ہیں۔ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا، میں کسی دعویٰ کرنے والے کو نہیں جھڑاؤں گا اور نہ اس سے حلف بول گا، تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تم سے میں نے یہ تین درہم کسی مقصد کیلئے لئے تھے۔ اس نے عرض کی، یا رسول اللہ! ایک سائل حضور کے پاس سے گزرا تھا۔ حضور نے مجھے حکم دیا تھا کہ اس کو تین درہم دے دو، میں نے وہ تین درہم اسے دے دیئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت فضل بن عباس کو حکم دیا کہ اس کے تین درہم اس کو ادا کر دیں۔ حضور کی جملہ بار بار دہراتے رہے۔

پھر فرمایا، اگر کسی نے مال غنیمت سے کچھ ناجائز لیا ہے تو وہ بیت المال میں لوٹا دے۔ ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کی، یا رسول اللہ! مال غنیمت کے تین درہم میرے ذمہ واجب الاداء ہیں۔ حضور نے فرمایا تم نے یہ درہم کیوں لئے تھے؟ عرض کی، اس وقت میں مفلس اور تنگ دست تھا۔ حضور نے حضرت فضل کو حکم دیا کہ اس سے تین درہم لے کر بیت المال میں جمع کر لوں۔ (2)

انصار کیلئے وصیت

میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ میرے قلب و جگر ہیں۔ انہوں

نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے مگر ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں۔ لہذا ان کے نیکو کاروں سے ان کی نیکیاں قبول کرنا اور ان کے خطاکاروں سے درگزر کرنا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار سمجھتے جائیں گے یہاں تک کہ کھانے میں نمک کی طرح ہوں گے۔ لہذا تمہارا جو آدمی نفع یا نقصان پہنچانے کے کام کا والی ہو تو وہ ان کے نیکو کاروں سے ان کی نیکیاں قبول کرے اور ان کے خطاکاروں سے درگزر کرے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کی امامت کا حکم وفات سے چار دن پہلے

امام الانبیاء علیہ السلام وفات حسرت آیات سے چار دن پہلے تک علالت و نقاہت کے باوجود تمام نمازیں خود ہی پڑھاتے رہے۔ اس روز بھی مغرب کی نماز حضور نے خود پڑھائی اور اس میں سورۃ وَالْمُرْسَلَاتِ عَزَّوَجَلَّ تلاوت فرمائی۔ عشاء کے وقت تکلیف بڑھ گئی اور حضور مسجد میں تشریف نہ لے سکے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے دریافت فرمایا، کیا لوگوں نے نماز عشاء پڑھ لی ہے؟ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! وہ سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا، میرے لئے لگن میں پانی رکھو۔ ہم نے حکم کی تعمیل کی۔ حضور نے غسل فرمایا، اس کے بعد ارادہ کیا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا کریں لیکن حضور پر غشی طاری ہو گئی۔ جب اذقہ ہوا تو حضور نے دریافت کیا، کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ عرض کی، نہیں یا رسول اللہ! وہ سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ غسل فرماتے مسجد جانے کا ارادہ کرتے پھر غشی طاری ہو جاتی، بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم بھیجا **مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ** ”ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ ایک روز حضرت بلال در اقدس پر حاضر ہوئے اور حسب معمول اطلاع دی اور عرض کی **اَللّٰهُمَّ عَلَيكَ بِأَسْمَؤَ اللَّهِ الصَّلَاةُ بِرَحْمَتِكَ اللَّهُمَّ** اے اللہ کے رسول۔ آپ پر سلامتیاں ہوں نماز کا وقت ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ حضور پر رحم فرمائے۔“

سرکار دو عالم علیہ السلام نقاہت کے باعث خود تشریف نہ لے سکے۔ حضرت بلال کو حکم دیا **مُرَا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ** ”ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ جب حضرت بلال

نے اپنے آقا کی کمزوری اور نقاہت کی یہ حالت دیکھی تو ان پر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھا اور بلند آواز سے ندا دینے لگے :

وَاعْوِظْكَ بِمَا كَانَ نِقَاطُ الرِّجَاءِ - وَابْكِ سَارِطَهَرَاه - لَمَيِّنِي
لَمْ يَلِدْنِي اُمِّي وَادَا وَلَدْتَنِي لَمْ اَشْهَدْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ
هَذَا -

(1)

”ہائے میں کس کے سامنے فریاد کروں۔ ہائے میری امیدوں کا رشتہ
ٹوٹ گیا ہائے میری پشت دوہری ہو گئی۔ اے کاش! میری ماں نے مجھے
نہ جتنا ہوتا۔“

پھر اگر جتنا تھا تو آج سے پہلے مر جاتا۔ اور اپنے آقا علیہ السلام کی بیماری اور نقاہت کا یہ
دلخراش منظر نہ دیکھتا۔“ غم و اندوہ سے چور چور ہو کر حضرت بدل مسجد تک پہنچے، سامنے
صدیق اکبر کھڑے تھے، انہیں پیغام دیا۔

يَا اَبَا بَكْرٍ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيكَ
أَنْ تَقْدَرَهُ -

(2)

”اے ابو بکر! حضور ﷺ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آگے کھڑے ہو کر
جماعت کرائیں۔“

حضرت صدیق اکبر نے جب امامت کے مصلیٰ کو اندھ کے پیارے رسول سے خالی پایا تو
غش کھا کر گر پڑے۔ فرط غم سے مسلمانوں کی چیخیں نکل گئیں۔ رحمت عام ﷺ نے جب
یہ آواز سنی تو اپنی لخت جگر خاتون جنت سے پوچھا۔ اے فاطمہ! یہ کیسا شور ہے؟ انہوں نے
عرض کی؟ یا رسول اللہ! مسلمانوں نے حضور کو نہ پایا تو ان کی چیخیں نکل گئیں۔ سرور عالم نے
سیدنا علی مرتضیٰ اور حضرت ابن عباس کو یہ فرمایا۔ ان پر ٹیک لگائی اور مسجد کی طرف
تشریف لے گئے اور نماز ادا کی، پھر فرمایا :

”اے گروہ مسلمانان! میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تم پر میرے
قائم مقام ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا۔ اس کی اطاعت کرنا۔ میں تو

اب اس دنیا کو چھوڑنے والا ہوں۔“ (1)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں :

جن دنوں حضور پر نور کے مرض نے شدت اختیار کر لی تو ایک روز حضرت بلال حاضر ہوئے اور نماز کے بارے میں اطلاع دی۔ فرمایا مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ ”ابو بکر کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ حضرت عائشہ کہتی ہیں، میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ابو بکر بڑے رفیق القلب ہیں۔ جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو وہ ادنیٰ آواز سے قرأت نہیں کر سکیں گے۔ اگر آپ حضرت عمر کو جماعت کرانے کا حکم دیں تو بہتر ہوگا۔ حضور نے فرمایا مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ ”ابو بکر کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ حضرت عائشہ فرماتی ہیں، میں نے محسوس کیا کہ میری اس گزارش کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو میں نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنا مہمان بنایا۔ چنانچہ انہوں نے میری تائید کرتے ہوئے گزارش کی۔

حضور نے غصہ کی حالت میں فرمایا لَمْ تَكُنْ صَوَابَ يُوْسُفَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ

بِالنَّاسِ ”تم تو زمان یوسف ہو۔ ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز

پڑھائیں۔“ چنانچہ صدیق اکبر نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے نماز پڑھائی۔

سید شریف جرجانی نے ”شرح مواقف“ میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت

ابو بکر کے سوا کسی امتی کی اقتداء میں نماز ادا نہیں کی سوائے ایک دفعہ کے سفر کی حالت میں

حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اقتداء میں ایک رکعت ادا فرمائی تھی۔ (2)

وہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بیماری کے ایام میں نماز پڑھانے کیلئے حضرت ابو بکر کو

اپنا خلیفہ بنایا، خود ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں اور ان کو کسی وقت معزول نہیں کیا۔

حضرت علی کی حسن تائید

اسی لئے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ حضرت ابو بکر صدیق کو یوں فرمایا کرتے تھے :

قَدْ مَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَمْرٍ
وَدِينِنَا أَفَلَا نُقَدِّمُكَ فِي أَمْرٍ دُنْيَانَا۔ (1)

”اے صدیق! اللہ کے رسول نے ہمارے دین کے معاملہ میں آپ کو ”

کیا ہے ہم اپنی دنیا کے معاملات میں آپ کو آگے کیوں نہ کریں۔“

علامہ ابن اثیر الجزری نے اپنی معروف کتاب ”اسد الغابۃ“ میں حضرت حسن بصری

کے واسطہ سے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا یہ قول نقل کیا ہے :

قَالَ قَدْ مَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا بَكْرٍ
فَصَلَّى بِالنَّاسِ وَلَوْ لَمْ يَشَاهِدْ غَيْرَ عَائِشٍ وَلَوْ لَمْ يَصْحَبْ
غَيْرَ مَرْثُيٍّ لَوْ شَاءَ أَنْ يُقَدِّمَنِي لَقَدْ مَنَنِي وَرَضِينَا
لِدُنْيَانَا مَنْ رَضِيَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ لِدُنْيَانَا۔ (2)

”حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کو ”گے کھڑا کیا اور سب

لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ اس وقت میں وہاں حضرت ع

عائشہ نہیں تھیں، میں صحت مند تھا بیمار نہیں تھا، اگر مجھے حضور آگے

کھڑا کرنا چاہتے تو حضور مجھے آگے کھڑا کر دیتے، لیکن ایسا نہیں کیا۔

اس لئے جس ہستی کو اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے دین کیلئے پسند

فرمایا ہم اس کو اپنی دنیا کیلئے بھی پسند کرتے ہیں۔“

حضرت صدیق اکبر کے خلیفہ برحق ہونے کیلئے ان روشن دل نکل کے بعد کسی اور دلیل

کی ضرورت نہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک بار نہیں بار بار حکم دیا کہ ”مُرُوا أَبَا بَكْرٍ

فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ“ ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ ازواجِ مطہرات نے جب

اس حکم میں آڑے آنے کی کوشش کی تو حضور نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ سب سے

بڑی بات یہ ہے کہ خود علی مرتضیٰ نے یہ فیصلہ دیا کہ جب اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے

دین کیلئے حضرت صدیق اکبر کو پسند کیا ہے تو ہم اپنی دنیا کیلئے بھی انہیں ہی پسند کرتے ہیں۔

جمہرات کے دن بیماری نے مزید شدت اختیار کر لی، حضور نے چاہا کہ اپنی امت کی راہنمائی کیلئے کچھ ہدایات لکھ دیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت ابو بکر کے بیٹے حضرت عبدالرحمن کو فرمایا، جاؤ اور میرے پاس ایک تختی لاؤ کہ اس پر میں ابو بکر کے بارے میں لکھ دوں تاکہ اس کے ساتھ کوئی نزاع اور اختلاف نہ کرے۔ تعمیل ارشاد کیلئے جب حضرت عبدالرحمن اٹھ کر جانے لگے تو حضور نے فرمایا:

أَبَى اللَّهُ وَالْمُؤْمِنُونَ أَنْ يُخْتَلَفَ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ (۱)

”اے ابو بکر! اللہ تعالیٰ اور اس کے ایماندار بندے اس بات کا انکار

کرتے ہیں کہ تمہارے بارے میں کوئی اختلاف کریں۔“

وفات سے دو روز پہلے

ہفتہ یا اتوار کو سرکارِ دو عالم ﷺ کے مرض میں تخفیف ہوئی تو سرکارِ دو عالم ﷺ دو آدمیوں کا سہارا لے کر پاؤں گھسیٹتے ہوئے مسجد کی طرف تشریف لے گئے۔ صدیق اکبر جماعت کر رہے تھے۔ انہوں نے حضور کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹنے لگے۔ حضور نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو۔ حضور آگے بڑھ کر ابو بکر کی بائیں جانب بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور صدیق اکبر کھڑے ہو کر۔ صدیق اکبر اللہ کے رسول کی اقتداء کر رہے تھے اور دوسرے لوگ حضرت ابو بکر کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے تھے۔ پھر رحمتِ عالم ﷺ نے منبر شریف پر قدم رنجہ فرمایا اور وہ خطبہ ارشاد کیا جو حضور کی ظاہری حیات طیبہ کا آخری خطبہ تھا۔ فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے، چاہے تو وہ دنیا کی زیب و زینت کو

پسند کر لے اور چاہے تو جو انعام و اکرام اللہ کے پاس ہے اس کو اختیار کر لے۔

چنانچہ اس بندے نے جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس کو اختیار کر لیا ہے۔

یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق زار و قطار رونے لگے اور عرض کی

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ نَقْدِيكَ يَا أَبَا بَكْرٍ وَأَمَّهَاتِنَا وَأَنْفُسَنَا
أَمْوَالِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ

”میرے مال باپ حضور پر قربان ہوں ہم اپنے باپوں، ماؤں، اپنی جانوں اور اپنے اموال کو حضور کے عوض بطور فدیہ پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ حضور کو ہمیشہ سلامت رکھے۔“

اپنے یار غار کی یہ محبت بھری گفتگو سن کر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ أَمْرَ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ وَلَوْ
كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ أَهْلِ الْأَرْضِ خَلِيلًا لَا تَخَذْتُ
أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا وَلَكِنْ أَخُوهُ الْإِسْلَامِ لَا يَبْقَىٰ فِي
الْمَسْجِدِ خَوْفَةً إِلَّا سُدَّتْ إِلَّا خَوْفَةً أَبِي بَكْرٍ
وَرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ۔

(1)

”اپنی صحبت اور اپنے مال میں سے تمام لوگوں سے ابو بکر زیادہ احسان کرنے والا ہے، اگر میں اہل زمین سے کسی کو پناہ خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا۔ لیکن اس کے درمیان اور میرے درمیان اسلامی اخوت کا رشتہ ہے۔ پھر فرمایا مسجد میں کوئی درپچہ نہ رہنے دیا جائے سوئے ابو بکر کے درپچہ کے۔“

وفات سے ایک روز قبل

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ اس بیماری کے دوران نبی کریم ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا، اے عائشہ! وہ دینار کہاں ہیں؟ حضرت عائشہ فوراً انھیں در آٹھ دینار جو رکھے ہوئے تھے لے آئیں اور اپنے حق کی بارگاہ میں پیش کر دیئے۔ حضور دیناروں کو اپنے مبارک ہاتھ میں کچھ دیر الٹ پٹ کرتے رہے، پھر فرمایا، اے عائشہ! اگر میں یہ دینار اپنے گھر میں چھوڑ کر اپنے پروردگار سے ملاقات کروں تو میرا پروردگار کیا فرمائے گا کہ میرے بندے کو مجھ پر اعتماد نہیں تھا؟ عائشہ! ان کو فوراً مساکین میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حبیب کے گھر میں جو آخری پونجی تھی، اسے نکال کر مساکین میں تقسیم کر دیا۔

وہ ذات اقدس و اطہر جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے سرے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمادی تھیں، اس کے گھر کی یہ کیفیت تھی کہ زندگی کی آخری رات میں چراغ میں تیل نہیں تھا۔ حضرت صدیقہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنا چراغ اپنی ایک پڑوسن کی طرف بھیجا اور کہا کہ اپنی تیل والی کچی سے چند قطرے اس چراغ میں ڈال دو تاکہ آج کی رات گزر جائے۔ (1)

حیات طیبہ کے آخری دنوں میں حضور نے پچھتر سیر جو، ایک یہودی سے بطور قرضہ لئے تھے اور اس کی قیمت کے عوض اپنی زرہ اس کے پاس بطور رہن رکھی ہوئی تھی۔ انہی دنوں حضور نے چالیس غلام آزاد فرمادیے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے سنا ہوا تھا کہ نبی اس وقت تک وفات نہیں پاتا جب تک اس کو دنیا و آخرت میں سے کوئی چیز پسند کرنے کا اختیار نہ دیا گیا ہو۔ چنانچہ حضور کے آخری مرض میں، میں نے رحمت عالم ﷺ کو یہ آیت پڑھتے سنا:

أُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَ
الصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ
أُولَٰئِكَ رَفِيقًا۔

(2)

”اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔“

میں سمجھ گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا ہے اور حضور سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان گروہوں کو قبول کیا ہے۔ حضرت صدیقہ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے ان گنت احسانات ہیں۔ ان میں سے بڑا احسان یہ ہے کہ حضور نے میرے حجرے میں اور میری باری کے دن میرے سینے اور گردن کے درمیان وصال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب و ہن اور حضور کے لعاب و ہن کو آپس میں ملا دیا۔ وہ اس طرح کہ اس دن میرے بھائی حضرت عبدالرحمن میرے گھر آئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی، میں حضور ﷺ کو اپنے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام حضرت

عبدالرحمن کی طرف غور سے دیکھ رہے ہیں۔ میں سمجھ گئی کہ حضور مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ ارشاد ہو تو میں حضور کیلئے عبدالرحمن سے مسواک لے لوں۔ آپ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا۔ چنانچہ میں نے اپنے بھائی سے مسواک لی۔ میں نے دیکھا کہ وہ سخت تھی۔ میں نے عرض کی، ارشاد ہو تو میں اس کو حضور کیلئے نرم کر دوں؟ حضور انور نے اپنے سر مبارک سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ پس میں نے اس کو اپنے دانتوں میں چبا کر نرم کیا اور حضور نے وہ لے لی۔ حضور کے سامنے پانی کا برتن پڑا تھا، حضور اس پانی میں ہاتھ مبارک ڈالتے تھے اور اپنے چہرے پر پھیر لیا کرتے اور فرماتے ”ماہ ل اللہ“ پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دست مبارک کھڑا کیا اور یہ فرما دیا ”فی الترفیق الاعلیٰ“

ظاہری حیات مبارکہ کا آخری دن

حسب ارشاد نبوی حضرت صدیق اکبر مسلمانوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے یہاں تک کہ سو موار کے دن صبح کی نماز کا وقت آگیا اور تمام مسلمان صفیں باندھ کر اپنے رب کریم کی عبادت کرنے کیلئے کھڑے ہو گئے۔ رحمت عالم ﷺ اپنی چارپائی سے اتر کر دروازے کے قریب تشریف لے آئے۔ دروازے پر پردہ آویزاں تھا، اس کو ایک طرف سرکا دیا۔ اس وقت یہ روح پرور منظر اللہ تعالیٰ کے حبیب نے دیکھا کہ اسلام کا جو درخت حضور نے اپنے دست مبارک سے لگایا تھا وہ حضور کی حیات طیبہ میں ہی ایک تاور درخت بن گیا ہے۔ اس کی جڑیں پاتال تک اور اس کی شاخیں آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں تو حضور کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ حضور نے تبسم فرمایا۔ صحابہ کو جب معلوم ہوا کہ ان کا آقا انہیں دیکھ رہا ہے تو دیدار کیلئے یوں بے چین ہوئے کہ قریب تھا کہ یارائے ضبط نہ رہے اور وہ نماز توڑ دیں لیکن رحمت عالم ﷺ نے اشارہ کیا ”يَا أَيُّهَا الصَّالِحُونَ“ کہ اپنی نماز مکمل کرو۔ حضور پیچھے ہٹ آئے اور پھر اس پردہ کو دروازے پر آویزاں کر دیا۔

اس روز کا شانہ اقدس سے حضرت عباس اور سیدنا علی مرتضیٰ باہر تشریف لائے۔ ایک شخص آپ سے ملا۔ اس نے پوچھا ”كَيْفَ أَصْبَحَ رَسُولُ اللَّهِ يَا أَبَا الْحَسَنِ؟“ ابو الحسن حضور کے مزاج مبارک کیسے ہیں؟“ آپ نے جواب دیا ”أَصْبَحَ بِرَيْثَا“ حضور اب صحت یاب ہیں۔“ حضرت عباس نے سیدنا علی مرتضیٰ کو کہا کہ تین دن کے بعد تم ماتحت ہو جاؤ گے۔ پھر

دونوں تنہائی میں چلے گئے۔ حضرت عباس نے سیدنا علی مرتضیٰ کو کہا کہ میں خاندان عبد المطلب کے چہروں کو خوب پہچانتا ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس بیماری سے صحت یاب نہیں ہوں گے۔ چلو حضور کی خدمت میں حاضر ہوں اور دریافت کریں کہ اگر اس کام کی ذمہ داری حضور ہمیں سونپنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس بات کا علم ہو جائے اور اگر یہ ذمہ داری کسی اور کو تفویض فرمانے والے ہیں تو پھر اس شخص سے ہماری سفارش فرما دیں کہ وہ ہر طرح ہمارا خیال رکھے۔ سیدنا علی مرتضیٰ نے فرمایا، اگر رحمت عالم ﷺ نے نہ کر دی تو پھر ہم کبھی بھی اس منصب پر فائز نہیں ہو سکیں گے، اس لئے میں تو اس کے بارے میں سرور عالم ﷺ سے کوئی استفسار نہیں کروں گا۔ (1)

اس بات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی مرتضیٰ کو یا کسی دوسرے شخص کو اپنا وصی مقرر نہیں فرمایا تھا۔ ورنہ اس مکالمہ کی ضرورت ہی نہ تھی۔ حضرت علی مرتضیٰ حضرت عباس کو یہ جواب نہ دیتے۔

امام بخاری حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے ان کو بتایا کہ رسول کریم ﷺ جب بیمار ہوتے تو معوذات کی سورتیں پڑھ کر اپنے دست مبارک پر پھونکتے پھر اپنا دست مبارک اپنے سارے جسم پر پھیرتے۔ اس آخری علامت میں، میں یہ معوذات پڑھ کر حضور کو دم کرتی اور حضور کا دست مبارک پکڑ کر حضور کے جسم پر بطور تھمک پھیرتی۔ (2)

نیز مروی ہے کہ جس مرض میں حضور نے وصال فرمایا، اس مرض کے ایام میں حضور نے کبھی اپنی شفا کی دعا نہیں کی۔

حَتَّىٰ كَانَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ قَائِلًا لَّهُ يَدْعُو
بِالشِّفَاءِ۔ (3)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، آپ نے فرمایا، ایک روز رحمت عالم ﷺ کی تمام ازواج مطہرات حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

1۔ "تاریخ تھمیس"، جلد 2، صفحہ 165

2۔ ابن کثیر، "المسیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 448

3۔ مصدر سابق، صفحہ 162

اسی اثناء میں حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء آتی ہوئی نظر نہیں آپ کی چال میں اور آپ کے والد بزرگوار کی چال میں ذرا تفاوت نہ تھا۔ حضور نے جب اپنی خست جگر کو دیکھا، فرمایا مَوْحِبًا يَأْتِيَنِي "اے میری بیٹی! میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔" پھر حضور نے انہیں اپنی ایک جانب بٹھایا، پھر ان سے سرگوشی کی۔ آپ زار و قطار رہنے لگیں چہ دو بارہ سرگوشی کی، حضرت سیدہ اب بننے لگیں۔ حضرت ام المومنین سہتی ہیں کہ میں نے عرض کی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے آپ سے سب سے علیحدہ ہو کر راز کی بات کی ہے اور آپ رہ رہی ہیں۔

تھوڑی دیر آپ حاضر خدمت رہیں۔ جب واپس جانے لگیں تو میں نے پوچھا کہ اپنے پدر بزرگوار کی نور نظر! حضور نے آپ سے کیا سرگوشی کی ہے؟ آپ نے فرمایا، میں اللہ کے رسول ﷺ کے راز کو افشاء نہیں کر سکتی۔

پھر حضور کا وصال ہو گیا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر درخواست کی کہ وہ حق جو میرے آپ پر ہے، اس کا واسطہ دے کر آپ سے پوچھتی ہوں کہ مجھے بتائیے اس روز رحمت عام ﷺ نے آپ سے کیا سرگوشی کی تھی۔ آپ نے جواب دیا، ہاں اب میں اس راز سے پردہ اٹھانے کیلئے تیار ہوں۔

آپ نے بتایا کہ پہلی بار جب سرکارِ دو عالم نے میرے ساتھ سرگوشی کی تو فرمایا اے فاطمہ! جبرئیل اس سے پہلے ہر سال میرے ساتھ ایک بار قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے اس سال انہوں نے دو مرتبہ میرے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا ہے اور میرا خیال ہے اب میرے وصال کی گھڑی قریب آگئی ہے۔ اے میری نور نظر! اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا اور اس مصیبت پر صبر کرنا، میں تمہارے لئے بہترین پیشرو ہوں۔

علامہ دیار بکری نے "تاریخ خمیس" میں مزید لکھا ہے :

وَلَيْتَكَ أَقُولُ أَهْلُ بَيْتِي لِحُوقَانِي وَبَعْدَ السَّلَفِ أَنَا لَكَ (1)

"اور اے فاطمہ! تم میرے تمام اہل بیت سے پہلے مجھ سے ہو گئی اور میں

تمہارے لئے بہترین پیشرو ہوں۔"

یہ فراق کی خبر سن کر میں رونے لگی۔ دو بارہ میرے آقا نے میرے کانوں میں راز سے

ایک بات کہی فرمایا:

أَمَّا تَوَضَّعِينَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةً نِسَاءِ الْعَالَمِينَ أَوْ سَيِّدَةً
هَذِهِ الْأُمَّةِ فَصَحَّحْتُ - (1)

”اے فاطمہ! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو تمام اہل ایمان کی
خواتین کی سردار بنادی جائے یا فرمایا اس امت کی تمام خواتین کی سردار
بنادیا ہے یہ مژدہ جانفزا سن کر میں ہنس پڑی۔“
انشائے مرض نبی رحمت ﷺ نے صدیقہ امت کو فرمایا۔

يَا عَائِشَةُ مَا أَزَالَ أَحَدُ الْمَطْعَامِ الَّذِي أَكَلْتُ بِمَنْبَرٍ
وَهَذَا أَذَانٌ وَحَدَّثْتُ الْقَطَاعَ أَبْهَرِي مِنْ ذَلِكَ السَّيِّئِ (2)
”اے عائشہ! خیبر کے روز جو زہریلا کھانا مجھے کھلایا گیا تھا اس کا درد میں
میشہ محسوس کرتا رہا اور اس وقت اس زہر سے میری شہ رگ کٹ رہی
ہے۔“

اس لئے بعض صحابہ نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کیلئے دونوں سعادتیں
جمع فرمادیں تھیں۔ آپ کو منصب نبوت پر بھی سرفراز فرمایا اور سعادت شہادت سے بھی
بہرہ ور کیا۔

حضرت سیدۃ النساء کو مژدہ ملاقات سنانے کے بعد ان کیلئے بارگاہ خداوندی میں یہ دعا مانگی
اے خدا! میری جدائی میں میری نور نظر کو صبر کرنے کی توفیق عطا فرما۔

پھر حضور نے حضرت سیدہ کو فرمایا کہ حسن و حسین کو میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ معصوم
شہزادے حاضر ہوئے اور اپنے محبوب جد کریم کو تکلیف میں دیکھا تو انہوں نے گریہ و زاری
شروع کر دی۔ ان کا گریہ اتنا دردناک تھا کہ انہیں دیکھ کر سارے گھر والے گریہ کرنے
لگے۔ حضور نے اپنے ان دونوں پھولوں کو بوسہ دیا اور صحابہ کرام اور تمام امت کو وصیت کی
کہ وہ ان شہزادگان کا ادب و احترام ملحوظ رکھیں۔ اپنے شہزادوں کو یوں روتا دیکھ کر حضور پر
بھی گریہ طاری ہو گیا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سے رونے کی

وجہ پوچھی تو حضور نے فرمایا، میں اپنی امت کیلئے گریہ کن رہا ہوں۔ میرے بعد ان کا یہ حال ہوگا؟

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی "مدارج النبوة" میں رقمطراز ہیں

"کہ آخری دن سرکارِ دو عالم ﷺ نے تمام ازواجِ مطہرات کو اپنے بعد دیگرے الوداع فرمایا اور سپردِ خدا کیا۔ نیز انہیں چند و نصائح سے مشرف کیا۔ پھر فرمایا میرے بھائی علی کو بلاؤ۔ آپ حاضر ہوئے تو آپ نے حضور کے سر مبارک و اپنے زانو پر رکھا۔ سرورِ عالم ﷺ نے سیدنا علی کو فرمایا کہ میں نے فلاں یہودی سے اتنے درہم قرضہ لیا تھا تاکہ اسے شکر کی تیاری میں صرف کروں۔ تم وہ رقم اس یہودی کو ادا کر دینا خبردار ابھول نہ جانا۔ پھر انہیں خطاب فرمایا، حوض کوثر پر سب سے پہلے تو میرے پاس پہنچے گا۔ پھر فرمایا، کاغذ اور دوات سے آؤ تاکہ تمہارے لئے وصیتِ قلبیہ کروں۔ سیدنا علی فرماتے ہیں کہ مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں قلم دوات لینے جاؤں اور حضور رحلت فرما جائیں۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! حضور جو وصیت فرمانا چاہتے ہیں وہ ارشاد فرمائیں میں اسے یاد رکھوں گا۔ سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ نے آخری وصیت سیدنا علی کو جو فرمائی وہ یہ دو جملے تھے۔ اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُکُمْ" نماز کی پابندی کرنا اور اپنے غلاموں کے آرام و آسائش کو ملحوظ رکھنا۔ (1)

علامہ ابن کثیر نے حضور کی آخری وصیت یوں درج کی ہے :

(2) اَوْصِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُکُمْ

"میں تمہیں نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کی وصیت کرتا ہوں اور ان غلاموں کے بارے میں جن کے تم مالک ہو۔"

حضرت جبرئیل کی بارگاہِ نبوت میں حاضری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور کی عدالت کے دنوں میں ایک رات جبرئیل امین نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے در کہا :

إِنَّ اللَّهَ يُفَرِّمُكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ كَيْفَ تَجِدُكَ؟

”اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور پوچھتا ہے کہ آپ کا کیا حال ہے۔“

حضور نے جواب دیا مجھے درد کی شدید تکلیف ہے۔ دوسری رات پھر جبرئیل امین حاضر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پہنچایا اور مزاج پر سی کی۔ حضور نے وہی جواب دیا جو گزشتہ رات عرض کیا تھا۔ تیسری رات سو مواری رات جبرئیل امین پھر حاضر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پہنچایا اور مزاج پر سی کی۔ اس اثناء میں ملک الموت در اقدس پر حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ جبرئیل امین نے بارگاہ رسالت میں عرض کی، یا رسول اللہ! ملک الموت دروازے پر حاضر ہے اور اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ ساتھ ہی عرض کی کہ ملک الموت نے اندر آتے ہوئے آج تک کسی سے اجازت طلب نہیں کی اور نہ حضور کے بعد وہ کسی سے اجازت طلب کرے گا۔ حضور نے فرمایا، ملک الموت کو اندر آنے کی اجازت ہے۔ آپ حجرہ شریف میں داخل ہوئے اور حضور کے سامنے دست بستہ بالادب کھڑے ہو گئے۔ عرض کی، یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے حضور کی خدمت میں بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کے ہر فرمان کی تعمیل کروں، اگر حضور مجھے روح قبض کرنے کی اجازت دیں گے تو میں روح قبض کروں گا اور اجازت نہیں دیں گے تو میں روح اطہر کو جسد اقدس میں ہی چھوڑ کر چل جاؤں گا۔ حضور نے پوچھا کہ واقعی تم ایسا ہی کرو گے؟ انہوں نے عرض کی، مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں حضور کے ہر ارشاد کو بجالاؤں۔ جبرئیل امین بوسے یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کے لئے بڑا مشتاق ہے۔ حضور نے ملک الموت کو اجازت دیدی کہ حضور کی روح مبارک کو قبض کر لیں۔ (1)

آخری لمحات

آخرت لمحات میں حضرت صدیقہ نے اپنے آقا کا دست مبارک پکڑا ہوا تھا اور حضور کے جسم پر پھیر رہی تھیں اور یہ جملے دہرا رہی تھیں جو حضور بیماری کے اوقات میں اکثر دہرایا کرتے تھے :

اَذْهَبِ الْبَاسَ رَبِّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا

شَفَاءُ لَا شَفَاءُ لَكَ شَفَاءُ لَا يُعَادُ رُسَقَمًا -

(متفق علیہ)

”اے سب لوگوں کے پروردگار اس تکلیف کو دور فرما دے۔ اے شفا دینے والے مجھے شفا دیدے۔ تیری شفا کے بغیر کوئی شفا نہیں ایسی شفا جو بیماری کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔“

حضور نے اچانک دست مبارک میرے ہاتھ سے کھینچ لیا پھر زبان اقدس سے کہا
رَبِّ اغْفِرْ لِي وَالْحَقِّي بِالرَّفِيقِ الْأَعْلَى
”اے میرے پروردگار مجھے بخش دے اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔“

ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں، جس وقت رحمت عالم ﷺ کی روح مبارک جسم اطہر سے نکل کر سوئے رفیق اعلیٰ روانہ ہوئی تو میں نے ایسی خوشبو سونگھ لی جو میں نے آج تک کبھی نہیں سونگھ لی تھی۔ (1)

حضرت ام المومنین ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور کے سینہ مبارک پر اس روز اپنا ہاتھ رکھا۔ کئی ہفتوں تک میرے ہاتھ سے خوشبو آتی رہی، کئی ہفتے مجھے نہ بھوک لگی نہ کھانا کھایا اور نہ وضو کی ضرورت محسوس ہوئی۔ (2)

صاحب مواہب اللدنیہ یہاں رقمطراز ہیں :
کہ جب انوار الہی اور تجلیات ربانی کا تصور ہوا تو عالم محسوسات کے ساتھ حضور کا تعلق ضعیف ہونے لگا اور حضور کے احوال و درجات میں مزید ترقی اور جلو ہونے لگا۔ اسی لئے سرور کائنات ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا :

كُلُّ يَوْمٍ لَا أَزْعَادُ فِيهِ قُرْبًا مِّنَ اللَّهِ فَلَا بُورِكَ لِي فِي طُلُوعِ شَمْسِهِ -

”ہر وہ دن جس میں اللہ تعالیٰ سے پیسے سے زیادہ قرب حاصل نہ کروں اس

روز سے سورج کے طلوع ہونے میں میرے لئے کوئی برکت نہ ہو۔“

جب حضور نچلے درجے سے ارفع و اعلیٰ درجہ کی طرف عروج فرماتے تھے تو حضور کو

پہلے مقام ناقص نظر آتا تھا۔ حضور محبت کے مرکب پر سوار ہو کر قرب کی یہ منزلیں طے فرماتے رہے اور محبت سے بہتر اور کوئی مرکب نہیں ہے۔ یہ مرحلے، یہ مقامات اور یہ احوال صرف محبت کے مرکب پر سوار ہو کر ہی طے کئے جاسکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عظمت کا یہ سفر صرف اسی سواری کے ذریعے طے ہوتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کا ظہور زیادہ ہونے لگا تو عالم محسوسات کے ساتھ تعلق میں ضعف پیدا ہوتا گیا۔ حضور کا ہر حال گزشتہ احوال سے اعلیٰ وارفع ہوتا تھا اسی لئے سرورِ دو عالم ﷺ سے یہ ارشاد گرامی مروی ہے۔

كُلُّ يَوْمٍ لَا أَرْدَادُ فِيهِ قُرْبًا مِّنَ اللَّهِ فَلَا بُورِكَ لِي
مِنَ طُلُوعِ شَمْسِهِ۔

”ہر وہ دن جس میں اللہ تعالیٰ کے قرب میں اضافہ نصیب نہ ہو اس سورج کے طلوع ہونے میں میرے لئے کوئی برکت نہیں۔“

حضور نے صحابہ کرام کو اپنے گھر میں جمع کیا اور آخری چند و نصائح سے مشرف فرمایا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رحمتِ عالم ﷺ کے مرض میں شدت ہو گئی تو سرورِ عالم ﷺ نے ہم سب کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر جمع فرمایا اور ہماری طرف الوداعی نظروں سے دیکھا یہاں تک کہ حضور کی چشمان مبارک اشک آلود ہو گئیں۔ پھر ہمیں ارشاد فرمایا کہ فراق کی گھڑی نزدیک آگئی۔ پھر فرمایا:

مَرْحَبًا بِكُمْ حَيَّاكُمْ اللَّهُ هَدَاكُمْ اللَّهُ نَصَرَكُمْ اللَّهُ
نَفَعَكُمْ اللَّهُ وَفَقَّكُمْ اللَّهُ سَدَّدَكُمْ اللَّهُ وَوَقَّكُمْ
اللَّهُ أَعَانَكُمْ اللَّهُ قِيلَكُمْ اللَّهُ أَوْصِيَكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ
وَأَوْصَى اللَّهُ بِكُمْ وَأَسْتَغْفِرُ عَنْكُمْ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ
مُّبِينٌ أَلَا تَعْلَمُوا عَلَى اللَّهِ فِي عِبَادِهِ وَبِلَادِهِ قِيَانٌ
اللَّهُ قَالَ إِنِّي وَلَكُمْ بَلَدٌ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعُهَا لِلَّذِينَ

لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فُسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ۔

(1)

”میں تمہیں مر جا کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ و سلامت رکھے، تمہیں ہدایت از زانی فرمائے، ہر قدم پر تمہاری مدد فرمائے، تمہیں نفع سے بہرہ ور کرے، تمہیں راہ راست پر چلائے، اللہ تعالیٰ تمہیں ہر شے اور ہر تکلیف سے بچائے، اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمہاری مدد فرمائے، تمہارے نیک اعمال کو قبول فرمائے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہوں کہ وہ تمہارا نگہبان ہو۔ میں تم پر اسے اپنا خلیفہ بناتا ہوں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ خبردار! اللہ تعالیٰ کے بندوں اور ان کے شرروں میں کبر و غرور نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اور تمہیں بھی یہ فرمایا ہے کہ دار آخرت ہم ان لوگوں کو عطا کریں گے جو زمین میں تکبر نہیں کرتے اور فساد برپا نہیں کرتے اور نیک انجام پر ہیزاروں کیسے ہے۔“

ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! حضور کا وصال کب ہوگا؟ فرمایا، مقررہ گھڑی بالکل قریب آرہی ہے۔ میں اللہ کی طرف لوٹ کر جانے والا ہوں اور سدرۃ المنتہی میری منزل ہوگی۔

ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! حضور کو غسل کون دے گا، فرمایا، میرے اہل بیت میں سے جو مرد اور میرے قریبی رشتہ دار ہوں گے، ان کے ساتھ کثیر تعداد فرشتوں کی ہوگی جو تمہیں دیکھیں گے لیکن تم ان کو نہیں دیکھ سکو گے۔

پھر عرض کیا ہم حضور کو کفن کن کپڑوں میں دیں گے؟

فرمایا، اگر تم چاہو جو لباس میں نے پہنا ہوا ہے، اس میں کفن دے دیں یا یمن کی چادروں میں یا مصر کے سفید کپڑوں میں۔

پھر عرض کی، یا رسول اللہ! حضور کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا؟

حضور کی چشم مبارک میں آنسو تھلکنے لگے اور ہم پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔ فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے اور اپنے نبی کے ساتھ جو جاں نثارانہ اور مخلصانہ برتاؤ تم نے کیا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ جب تم مجھے غسل دے چکو اور خوشبو لگا کر کفن پہنا چکو تو میری قبر کے کنارے پر میری چارپائی رکھ دینا۔ پھر ایک ساعت کیلئے میرے پاس سے باہر چلے جانا۔ سب سے پہلے میرے دو دوست اور ہم نشین میری نماز جنازہ پڑھیں گے یعنی جبرئیل و میکائیل۔ اس کے بعد حضرت اسرافیل پھر ملک الموت ملائکہ کے لشکر جرار سمیت یہ سعادت حاصل کرے گا۔ ان کے بعد میرے اہل بیت کے مرد میری نماز جنازہ پڑھیں گے، پھر ان کی مستورات یہ سعادت حاصل کریں گی، پھر یکے بعد دیگرے فوج در فوج مجھ پر داخل ہونا اور نماز جنازہ پڑھنا۔ کوئی روئے والی، کوئی چلنے والی اور فعال کرنے والی مجھے اذیت نہ پہنچائے۔ میرے صحابہ میں سے جو آج یہاں موجود نہیں، انہیں میرا سلام پہنچانا اور میں تمہیں اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میں ہر اس شخص کو سلام دے رہا ہوں جو اسلام میں داخل ہوا۔ جس نے میرے دین میں میری پیروی کی، آج سے روز قیامت تک۔

پھر عرض کی گئی، یا رسول اللہ! مرقد انور میں حضور کو کون داخل کرے گا؟ فرمایا۔ میرے اہل بیت کے مرد، جتن کوئی میرے قریب ہو۔ ان کے ہمراہ ان گنت فرشتے ہو گئے جو تمہیں تو دیکھ رہے ہوں گے لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکو گے۔ (1)

وفات شریف کا وقت، دن، مہینہ اور سال

حضرت صدیق اکبر نے حضرت صدیقہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کس روز انتقال کیا۔ فرمایا، سوموار کے دن۔ حضرت ابو بکر نے یہ سن کر فرمایا، مجھے بھی امید ہے کہ میں اسی روز وفات پاؤں گا۔ چنانچہ آپ نے سوموار کے روز ہی داعی اجل کو لبیک کہی۔ (2)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا، اے مسلمانو! تمہارے نبی کریم

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش بھی سوموار کے دن ہوئی، آپ کی بعثت بھی سوموار کو ہوئی۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت بھی سوموار کے دن ہوئی۔ مکہ مکرمہ کی فتح بھی سوموار کے دن ہوئی اور سورہ مائدہ کی یہ آیت **الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ** بھی سوموار کو نازل ہوئی اور حضور کریم ﷺ نے اسی مبارک دن رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت فرمائی (1)

اليوم اكملت لكم دينكم کی آیت کے نزول میں حضرت فاروق اعظم کا قول یہ ہے کہ یہ آیت جمعہ کے روز نازل ہوئی۔ محمد ابن اسحاق سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماہ ربیع الاول شریف کی بارہ تاریخ کو اس عالم فانی سے عالم بقاء کی طرف رحلت فرمائی۔ (2)

عمر شریف

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی رحمت ﷺ کی عمر مبارک وصال کے وقت تریسٹھ سال تھی۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور نے بعثت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں اور دس سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا اور تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اگرچہ عمر شریف کے بارے میں اور اقوال بھی ہیں لیکن صحابہ کرام کی کثیر تعداد نے حضرت ابن عباس سے عمر شریف تریسٹھ سال بتائی ہے یہی زیادہ صحیح، اوثق اور اکثر راویوں کی روایت ہے۔

سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

آخر وہ جاں فرسا لحد پہنچ گیا جب حضور ﷺ دلوں کو سوگوار، روحوں کو بے قرار اور دیدہ ہائے شوق کو اشکبار چھوڑ کر عالم فانی سے منہ موڑ کر عام بقاء کی طرف روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کیلئے یہ لمحہ قیامت سے کم نہ تھے۔ جس ہستی کو ایک لمحہ دیکھے بغیر ان کو قرار نہیں آتا تھا، کیا وہ روئے زیبا انہیں پھر کبھی نظر نہ آئے گا۔ یہ تصور کر کے وہ کانپ جاتے۔ ان

1۔ ایضاً، صفحہ 233 و ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 505

2۔ ایضاً، صفحہ 507 و نحوہ سابقہ، صفحہ 235

کے دلوں پر کلماڑے چلنے لگتے اور بعض تو اپنے ہوش و حواس بھی فرط غم سے کھو بیٹھے تھے۔
 رخ، مدینہ طیبہ کے نواح میں ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ حضرت صدیق اکبر اپنے اہل
 خانہ کے ہمراہ وہاں رہائش پذیر تھے۔ بارہ ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری صبح کی نماز مسجد نبوی میں
 ادا کی۔ اس روز حضور کا مزاج گرامی سنبھل ہوا تھا۔ آپ واپس اپنے گھر چلے گئے۔ چاشت
 کے وقت سانحہ ارتحال پیش آیا۔ ایک صبحی دوڑتے ہوئے گئے اور جا کر آپ کو اس روح
 فرسا حادثہ کی اطلاع دی۔ آپ فوراً واپس آئے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ صحابہ کی حالت غیر
 ہے، حضرت عمر خاص طور پر اپنے آپ میں نہیں ہیں۔ حجرہ مبارکہ میں حاضر ہوئے جہاں
 رحمت عالم ﷺ کا جسد اطہر رکھا ہوا تھا۔ چہرہ مبارک سے چادر ہٹائی، جبین سعادت پر بوسہ
 دیا، دل نیاز کیش کی طرف سے بارگاہ جمال میں ہدیہ نیاز و عقیدت پیش کیا اور باہر آ گئے۔
 صحابہ کے مجمع میں ایک مختصر سی تقریر فرمائی جس سے صحابہ کرام کو کچھ صبر و قرار نصیب
 ہوا۔ دین کے غیر محفوظ مستقبل کے بارے میں جو اندیشے انہیں پریشان کر رہے تھے، ان
 میں تخفیف ہو گئی۔ اسی اثناء میں ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا جس نے آکر یہ خبر سنائی کہ سفینہ بنی
 ساعدہ میں انصار جمع ہیں اور سعد بن عبادہ کو (جو قبیلہ خزرج کے رئیس ہیں) اپنا امیر بنانے کا
 فیصلہ کر چکے ہیں اور اب سب ان کی بیعت کرنے والے ہیں۔

آپ ہی بتائیے کہ کیا ابو بکر اور عمر یہ سن کر وہاں بیٹھے رہتے اور سفینہ میں نہ جاتے اور
 انصار کو اپنی من مانی کرنے دیتے۔ اگر اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنا دیا جاتا اور حضرت سعد کے
 ہاتھ پر بیعت کر لیتے تو اس کے نتائج کتنے تباہ کن ہوتے۔ شاید آپ میں یہ ہمت ہو کہ آپ
 باد صرصر کے تند جھوکوں کو گلشن اسلام کی بیخ کنی کی اجازت دے دیں اور اس منظر کا بخوشی
 مشاہدہ کرتے رہیں لیکن ابو بکر و عمر یقیناً ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ باغ، جو ان کے محبوب آقا
 نے لگایا تھا، اپنے خون تاب سے، اپنے پاک آنسوؤں سے اس کی آبیاری کی تھی اور اسے
 جواں کیا تھا۔ اپنے مرشد کی معیت میں انہوں نے بھی اپنی زندگیاں، اپنی توانائیاں اور جسد
 صلہ جیتیں اس دین حق کو پروان چڑھانے میں صرف کی تھیں۔ ان کا ایمان مجبور کر رہا تھا کہ
 یہاں مت بیٹھو بلکہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس خطرے کے مقام پر پہنچو جہاں نوزائیدہ
 اسلامی ریاست کو خطرہ درپیش ہے۔ اسلام سے قبیضہ تعلق اور اپنے تقے جو عہد وفا انہوں
 نے باندھا تھا، وہ ان دونوں کو کشاکش وہاں سے گیا۔ آپ کا قطعاً ارادہ نہ تھا کہ آپ اپنی

خلافت کی بیعت لوگوں سے لیں۔ آپ نے توفیق کی آفتاب بھڑک اٹھنے کی وحشت ناک خبر سنی تھی، اس کو بجھانے کیلئے وہاں تشریف لے گئے تھے۔ حالات نے اچانک ایسا رخ اختیار کیا کہ اس کے بغیر اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ آپ لوگوں کی بیعت کو قبول کریں۔ ایک لمحہ کی تاخیر کئی محشر پا کر سکتی تھی۔

پندرہ صدیاں گزرنے کے بعد آج یہ الزام لگانا کہ آپ حضور کو یوں ہی چھوڑ کر چلے گئے، انہیں خلافت کا لالچ تھا، حضور سے محبت نہ تھی۔ یہ الزام انتہائی غیر ذمہ دارانہ ہے۔ جس شخص نے اپنا تن من و دھن سب کچھ اپنے ہادی برحق کے قدموں پر نثار کر دیا ہو، جس نے ہر پرخطر موقع پر اپنے آقا کا ساتھ دیا ہو، دنیا میں کوئی بھی جس کے صدق و وفا کا مقابلہ نہ کر سکتا ہو، ایسی ہستی کے بارے میں اس قسم کا تصور بھی دل میں پیدا ہو تو اسے شیطان کی دوسوہ اندازی پر محمول کرنا چاہئے۔

سفید بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا، حالات نے جس تیزی کے ساتھ کروٹیں درائیں اور اس پر جو امنٹ نتائج مرتب ہوئے، ان کی تاریخی ہیئت ناقابل انکار ہے اور اس تاریخی حیثیت نے اس واقعہ کو ایک چیتان بنا کر رکھ دیا ہے۔ طرح طرح کی روایات کا ایک طومار ہے جس میں حق کو باطل سے جدا کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ یہاں سنہنصل سنہنصل کر قدم اٹھاتے ہوئے ہم آگے بڑھیں گے۔ ہر قول اور حکایت کو روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھیں گے تاکہ حقیقت کا رخ زبا نکھر کر سامنے آجائے۔ رَبَّنَا عَدِیْتَ تَوْکَلْنَا

اس بحث کو شروع کرنے سے پہلے ایک حقیقت کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ ہر زمانہ کا تالیف و تصنیف کا انداز جدا جدا ہوتا ہے۔ اگر ان خصوصیات کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو ان کتب سے صحیح استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دیگر علوم کتب کی طرح تاریخ کی کتب جو مختلف زبانوں و زمانوں میں مرتب کی گئی ہیں، ان کا اسلوب نگارش بھی جدا جدا ہے۔ آج کل تاریخ کی کتب لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ایک واقعہ کے بارے میں مختلف اقوال مروی ہیں تو مصنف ان میں سے اپنا پسندیدہ قول نقل کر دیتا ہے اور دیگر اقوال نقل کرنا اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتا لیکن قدام مورخین کا یہ اسلوب نہ تھا۔ انہیں ایک واقعہ کے بارے میں جتنے اقوال ملتے، وہ ان سب کو ضبط تحریر میں لاتے اور اس کو وہ اپنی علمی دیانت سمجھتے۔ لیکن اس کے ساتھ وہ ہر روایت کی

سند بھی بنامہ نقل کر دیتے اور قاری سے یہ توقع کرتے کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ ان میں سے کون سا قول صحیح اور کون سا غلط ہے۔ ہمارے طلبہ جو آج کل کے مورخین کی تصنیفات کے عادی ہیں وہ اس صورت حال سے واقف نہیں۔ ہر وہ قول جو وہ کسی کتاب میں دیکھتے ہیں، اسے مصنف کے سر تھوپ دیتے ہیں کہ طبری نے اپنی تاریخ میں یا ابن اثیر نے ”الکامل“ میں یا ابن کثیر نے ”البدایہ والنہایہ“ میں یوں لکھا ہے۔ بے شک لکھا ہے لیکن ساتھ اس کے سند بیان کر کے اس نے اپنی مؤرخانہ ذمہ داری پوری کر دی۔ اب یہ فرض ہم پر عائد ہوتا ہے کہ ہم سوچیں اور صحیح و سقیم میں امتیاز کریں۔

اب چلئے ہم آپ کو سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف لے چتے ہیں، وہاں جو واقعات رونما ہوئے ان کے بارے میں مختلف روایات آپ کے گوش گزار کرتے ہیں، پھر آپ کی عقل سلیم کو زحمت دیں گے کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ ان میں سے کون سی بات قابل اعتماد ہے۔ پہلے ہم آپ کی خدمت میں طبری کی روایت کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جس کی ابتداء انہوں نے یوں کی ہے :

حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ مُعْتَمِرٍ عَنْ أَبِي مُعْتَمِرٍ النَّخَعِيِّ

”یہ واقعہ بیان کیا ہم سے ہشام بن محمد نے اور اس نے ابو مختف سے روایت کیا۔“

اس کا خلاصہ درج ذیل ہے :

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع ہوا جس میں سعد بن عبادہ نے بھی شرکت کی اور بیماری کے باعث اپنے بیٹے کو اپنا شکم (ترجمان) بنایا۔ تقریر میں انصار کا طویل تذکرہ کرنے کے بعد بتایا کہ انصار خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ حضور ان کی خدمات سے ہمیشہ خوش ہوئے اور جب یہاں سے رخصت ہوئے تو بھی ان سے خوش تھے۔ سب نے ان کی تائید کی اور فیصلہ کن انداز میں کہا کہ ہم تمہیں اپنا خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔ ابھی گفتگو کا سلسلہ شروع تھا تو اس امکان پر بحث چھڑ گئی کہ اگر مہاجرین نے اسے نہ مانا تو پھر کیا ہوگا؟ بعض نے کہا، اس صورت میں ہم کہیں گے **إِذَا مَنَّ الْأَمِيرُ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ** کہ ”ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہو۔“ سعد نے کہا، یہ پہلی کمزوری ہے۔

ایک آدمی بھاگا ہوا حضرت عمر کے پاس آیا اور سارا ماجرا سنایا۔ انہوں نے حضرت صدیق

اکبر کو باہر بلایا اور سفید کے حالات سے سگاہ کیا۔ دونوں بڑی سرعت سے موہر روانہ ہوئے۔ راستہ میں ابو عبیدہ بھی مل گئے، ان کو بھی ہمراہ لے لیا۔ وہاں پہنچے تو حضرت عمر نے تقریر کرنا چاہی لیکن صدیق نے فرمایا، پہلے مجھے کچھ کہہ بیٹے دو۔ آپ نے مہاجرین کے حقوق کا تذکرہ کیا، انصار کے مناقب بھی بیان کئے اور فرمایا فَتَحْنُ الْأَمْوَالَ وَأَنْتُمْ الْوُزَرَاءُ ”ہم مہاجرین امیر ہیں اور تم ہمارے وزیر ہو۔“

یہ سن کر حضرت حباب بن منذر اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے انصار کو خوب بھڑکایا کہ وہی اہمیت کے مستحق ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں، یہ شہ ان کا ہے۔ ان زمینوں اور باغات کے وہ مالک ہیں، یہاں تعداد میں وہ زیادہ ہیں، مہاجرین غریب الدیار ہیں، تم نے انہیں اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ اگر یہ اقتدار میں حصہ درجنے پر اصرار کریں تو مِتْنَا أَمِيرًا وَمِنْهُمْ أَمِيرٌ ”تو پھر ایک امیر ہم سے ہو اور ایک امیر ان سے۔“ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا، دو تلواریں ایک نیام میں نہیں سماسکتیں۔ بخدا اہل عرب تمہاری اہمیت کو ہر گز تسلیم نہیں کریں گے جبکہ ان کے رسول قریش میں سے ہیں۔ حضرت حباب پھر اٹھے اور انصار کو مہاجرین کے خلاف بھڑکایا اور یہاں تک کہہ دیا کہ اگر مہاجرین نے تمہارے اس دعویٰ کو تسلیم نہ کیا تو انہیں مدینہ طیبہ سے جلا وطن کر دیں۔ حضرت فاروق نے بھی جواب دہمکی دی۔ حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ إِنَّكُمْ أَوَّلُ مَنْ نَصَرَ وَآخِرُ مَنْ تَكُونُوا
أَوَّلُ مَنْ يَدُلُّ وَغَيْرَ

”اے گروہ انصار! تم نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے رسول کی مدد کی اور

اعانت کی۔ پس اب اس کو تبدیل کرنے کا آغاز تم سے نہیں ہونا چاہئے۔“

یہ سن کر بشیر بن سعد کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ اے گروہ انصار! ہم نے جو خدمات انجام دی ہیں، ہم ان سے دنیوی مفاد ہر گز حاصل نہیں کرنا چاہتے۔ ہمارا ارادہ تو فقط یہ تھا کہ ہمارا پروردگار ہم سے راضی ہو جائے اور حضور کے حکم کی اطاعت کی توفیق مل جائے (یہاں یہ بھی ذکر کیا کہ اوس نے خزرج کی برتری سے بچنے کیلئے آپ کی بیعت کی۔)

انہی دو صاحبان (ہشام اور ابو محسف) نے ایک دوسری روایت میں کہا ہے کہ حضرت سعد اپنی ہٹ پر پکے رہے۔ اور کہا بخدا ”میں بیعت نہیں کروں گا جب تک میری ترکش کا

آخری تیر بھی ختم نہ ہو جائے۔ یہاں یہ بھی مذکور ہے :

وَكَانَ سَعْدٌ لَا يُصَلِّي بِصَلَاتِهِمْ وَلَا يُحِيَّتُهُمْ مَعَهُمْ وَلَا يُجِزُّهُمْ
وَلَا يُفَيِّضُهُمْ مَعَهُمْ

(1)

”سعد نہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، نہ ان کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے، نہ حج کرتے تھے اور نہ ان کے ساتھ افاضہ کرتے۔“

ان روایات کے مطالعہ سے قارئین کے دل میں انصار کے بارے میں بالعموم اور حضرت سعد بن عبادہ کے بارے میں اور حباب بن منذر کے متعلق بالخصوص طرح طرح کی غلط فہمیوں کا پیدا ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔ یعنی سب صحابہ اقتدار کے بھوکے تھے۔ اس کے لئے مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے۔ حباب نے مہاجرین کو مدینہ طیبہ سے نکال باہر کرنے کی بھی بار بار دھمکیاں دیں اور اپنی قوم کو ان کے خلاف خوب بھڑکایا۔ حضرت سعد نے بھی پورا پورا زور لگایا کہ وہ خلیفہ بن جائیں اور جب اس مقصد میں کامیاب نہ ہوئے تو ساری عمر الگ تھلگ بسر کر دی۔ غصہ اور ناراضگی کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جماعت نماز ادا کرنے اور جمعہ پڑھنے کے بھی روادار نہ تھے۔

قبیلہ اوس نے بیشک حضرت صدیق کی بیعت کی لیکن اس لئے نہیں کہ وہ اس منصب جمیل کے اہل تھے بلکہ بنو خزرج کے حسد کے باعث انہیں گوارا نہ تھا کہ خلافت کا منصب انہیں ملے۔ اسی طرح کے کئی دوسرے دل میں پیدا ہو سکتے ہیں اور اگر صورت حال درحقیقت ایسی ہی تھی تو پھر ان لوگوں کو تلاش کرنے میں ہماری مدد کیجئے جن کے مناقب رفیعہ اور اوصاف جمیلہ سے قرآن کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ جن کی للہیت، جن کی خدا شناسی، جن کے جذبہ ایثار و خلوص پر نہ صرف امت مسلمہ کو بلکہ پوری انسانیت کو ناز ہے۔

لیکن جو اہل علم، ابن جریر طبری اور ان کے ہم عصر مؤلفین کے انداز تالیف کو جانتے ہیں، وہ اس قسم کی غلط فہمیوں کا شکار نہیں ہوتے۔ انہیں علم ہے کہ ابن جریر نے اس روایت کو سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم راویوں کے بارے میں تحقیق کریں کہ ان کی مرویات پر کہاں تک اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

اس روایت کے پہلے راوی ہشام بن محمد ہیں۔ یہ کون ہیں اور ان کے استاد مکرم ابو محمد

کون ہیں؟ یہ علم ہو جائے تو غلط فہمی کی بدلیاں از خود چھٹ جائیں گی اور حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

حافظ شمس الدین الذہبی اپنی کتاب ”میزان الاعتدال فی نقد الرجال“ میں لکھتے ہیں کہ ان کا پورا نام ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ہے۔ علماء جرح و تعدیل نے ان کے بارے میں یوں اظہار خیال کیا ہے :

قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ إِنَّمَا كَانَ صَاحِبَ سَمْعٍ وَتَسَبُّ
مَا ظَنَنْتُ أَنَّ أَحَدًا يُحَدِّثُ عَنْهُ قَالَ الدَّارِقُطْنِيُّ وَ
غَيْرُهُ مَتْرُوكٌ قَالَ ابْنُ عَسَاكَرٍ رَافِضِيٌّ لَيْسَ بِثِقَةٍ (1)

”امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دو قصہ گو اور نسب بیان کرنے والا تھا۔ میں یہ خیال نہیں کرتا کہ کوئی شخص اس سے روایت کرتا ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں کہ دو متروک ہے۔ ابن عساکر کی رائے ہے کہ دو رافضی ہے، غیہ ثقہ ہے۔“

اب ان کے استاد کے بارے میں سنئے۔ بوجھت کا نام بوط بن لُحی ہے۔

وَقَدْ كَانَ شَيْعِيًّا وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ الرَّثَمَةِ (2)

”یہ شیعہ تھا اور ائمہ فہن کے نزدیک یہ ضعیف الحدیث ہے۔“

جس روایت کے دور اوی اس قسم کے ہوں وہ روایت کیونکر قابل اعتناء ہو سکتی ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ نمبر 199 پر ایک دوسری روایت ہے جو صورت حال کا بالکل نیا نقشہ پیش کرتی ہے۔ روایت کی ابتداء میں تقریباً وہی حالت مذکور ہیں جب حضرت ابو بکر کو سفید بنی ساعدہ میں انصار کے اجتماع کی خبر ملی تو آپ حضرت عمر اور حضرت ابو جہدہ کی معیت میں فوراً وہاں پہنچے۔ حضرت عمر اس مجمع سے خطاب کرتا چاہتے تھے لیکن حضرت صدیق خود گویا ہوئے۔ آپ نے اس خطاب میں انصار کے حق میں جو آیات نازل ہوئی تھیں اور جو ارشادات حضور کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے تھے، انہیں آ کر پڑھ کر دیا کہ تمہیں علم ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اُمّ سارے دُک یک دونی

میں چلیں اور انصار دوسری وادی میں چلیں تو میں انصار کی وادی کو اختیار کروں گا۔
پھر فرمایا :

لَقَدْ عَلِمْتُ يَا سَعْدُ! أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ وَأَنْتَ قَاعِدٌ قُرَيْشٍ وَلَا هَذَا إِلَّا مَرْقَبُ
النَّاسِ تَبِعُوا لِي بِهِمْ وَفَاجِرُهُمْ تَبِعُوا لِفَاجِرِهِمْ۔ (1)

”اے سعد! تم خوب جانتے ہو۔ تم اس وقت وہاں بیٹھے ہوئے تھے جب
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خلافت کے حق دار قریش ہیں۔
نیک لوگ قریش کے نیک لوگوں کے فرمانبردار ہوں گے اور بدکار
لوگ قریش کے بدکاروں کے تابع رہیں گے۔“

یہ سنتے ہی جیسے حضرت سعد کو ہوش آگیا اور ان کی آنکھیں کھل گئیں، آپ نے کہا
صَدَقْتَ فَتَنَحْنُ الْوُزَرَءَ وَأَنْتُمْ الْأَهْرَاءُ (2)

”اے ابو بکر! تو نے سچ کہا (جو قول رسالت مآب تو نے سنایا ہے، یہ سچ
ہے۔) میں اپنے دعویٰ سے دستکش ہوتا ہوں۔ چنانچہ تم امراء ہو اور
ہم تمہارے وزیر ہیں۔“

اس روایت میں نہ حضرت حباب کی دھمکیاں ہیں اور نہ حضرت سعد کی ہٹ دھرمی اور
ضد کا کہیں ذکر ہے۔ ابتداء میں انصار کو یہ خیال گزرا کہ وہ خلافت کے زیادہ حق دار ہیں، اسی
لئے یہ اجتماع انعقاد پذیر ہوا لیکن حضرت صدیق کی بروقت مداخلت سے یہ شرر، شعلہ بننے
سے پہلے ہی بجھ گیا۔ جب انصار نے اپنے آقا کا ارشاد سنا کہ خلیفہ قریشی ہونا چاہئے، اسی
وقت وہ اپنے ہر قسم کے مطالبے سے دست بردار ہو گئے۔ نہ تو تو، نہ میں میں، نہ کوئی جھگڑا
اور نہ اظہارِ انانیت۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب نے بڑی جانفشانیوں سے جو امت تیار کی تھی، اس
سے اسی قسم کے رویہ کی توقع کی جاسکتی تھی۔ جس امت کے سر پر خود خداوندِ عام نے خیر
الام کا تاج سجایا، اس کی یہی شان ہونی چاہئے تھی۔ جس امت کی تعریف میں قرآن کریم
کے صفحات جگمگا رہے ہیں، اس سے اس کے بغیر کسی چیز کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ ابن خلدون نے بھی اس رائے کی بایں الفاظ تائید کی ہے :

لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
كَانَ أَمْرُ التَّحْقِيفَةِ كَمَا قَدْ مَنَّاهُ أَجْمَعُ الْمُهَاجِرُونَ وَ
الْأَنْصَارُ عَلَى بَيْعَةِ أَبِي بَكْرٍ وَلَمْ يُخَالِفْ إِلَّا سَعْدُ ابْنُ
صَدْرٍ خِلَافَةً لَمْ يُلْتَفِتْ إِلَى شُدُودِهِ - (1)

”اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے جب رحلت فرمائی اور سقیفہ کا واقعہ ہوا
جیسے ہم نے پہلے بیان کیا ہے، تو تمام مہاجرین اور تمام انصار نے حضرت
ابو بکر صدیق کی بیعت پر اتفاق کیا اور سعد کے حدود کسی نے مخالفت نہیں
کی بشرطیکہ سعد کا اختلاف صحیح سند سے ثابت ہو جائے۔“

امام احمد بن حنبل نے اپنی سند میں یہی روایت مخصوص سند کے ذریعہ سے نقل کی ہے
کہ حضرت صدیق نے انصار کی تعریف کے بعد حضرت سعد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

لَقَدْ عَلِمْتُمْ يَا سَعْدُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ قَالَ وَأَنْتَ قَاعِدُ قُرَيْشٍ وَلَا تُهَذَا الْأَمْرَ قَبْلَ
النَّاسِ تَبِعْ لِبَرِّهِمْ وَفَاجِرُهُمْ تَبِعْ لِفَاجِرِهِمْ - فَقَالَ
لَهُ سَعْدٌ صَدَقْتَ فَتَنَحَّيْتُ الْوُزَرَءُ وَأَنْتُمْ الْأُمَرَاءُ -

یہ بعینہ وہی الفاظ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے ہیں ان کا ترجمہ وہی مدحفظ فرمایا۔

طبقات ابن سعد میں جو روایت ہے اس میں بھی ان امور کا تذکرہ تک نہیں جو بشام اور
ابو جحیف کی مرہابی سے اس روایت کا حصہ بن گئے ہیں۔

سقیفہ بنی سعد میں انصار کے دونوں قبیلوں (اوس و خزرج) نے نیز جو مہاجرین وہاں
جمع ہو گئے تھے، ان سب نے حضرت صدیق اکبر کے دست مبارک پر خدمت کی بیعت کی۔
پھر آپ مسجد نبوی میں واپس آئے، جن لوگوں نے سقیفہ میں بیعت نہیں کی تھی انہوں نے
یہاں حاضر خدمت ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس طرح حضرت صدیق اکبر، حضور
سرکارِ دو عالم ﷺ کے جانشین اور امت مسلمہ کے سربراہ چن لئے گئے۔ اس طرح سیاست
کے میدان میں جن انقلاب آفرین تعلیمات کا ذکر حضور نے بار بار فرمایا تھا، آج وہ حقیقت

بن کر دعوتِ نظارہ دے رہی تھیں۔

یہاں یہ امر تصفیہ طلب ہے کہ کیا سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بیعت کی یا نہیں؟ اگر بیعت کی تو برضاء و رغبہ کی یا جبر و اکراہ سے، اسی وقت کی یا کچھ عرصہ گزرنے کے بعد۔ ان استفسارات کا جواب سننے کیلئے ہر شخص بے چین ہے۔

اگر ایک لمحہ کیلئے ہم ہر قسم کی روایات سے صرف نظر کر لیں، محض سیرت مرتضوی کی روشنی میں ان سوالات کا جواب تلاش کریں تو ہم بڑی آسانی سے اس فیصلہ پر پہنچ جائیں گے کہ آپ نے بیعت کی، اپنی خوشی سے کی اور اسی وقت کی۔ آپ کی للہیت، دین کیلئے آپ کا خصوص، امت مسلمہ کیلئے آپ کا جذبہ خیر اندیشی، آپ کی بے عدیل شجاعت، مزید برآں آپ کی ہمہ صفت موصوف شخصیت۔ ان تمام خرافات کے ابطال کیلئے کافی ہے۔ لیکن ہم ان روایات سے کلیتہً صرف نظر بھی نہیں کر سکتے۔ روایات کے اس ڈھیر سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ہر قول کو روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھا جائے، جو بات کھری ثابت ہو اسے قبول کر لیا جائے اور جو یہ اعتبار سے ساقط ہو اس کو نظر انداز کر دیا جائے۔

سب سے پہلے قارئین کی خدمت میں وہ روایت پیش کرتا ہوں جس کو شیعہ مصنفین نے بڑی شد و مد سے اپنی کتب میں بیان کیا ہے اور ہر ایک نے اسے مزید رنگین بنانے کی پوری سعی کی ہے۔ بخدا! جی نہیں چاہتا کہ ایسے خرافات کا ذکر کر کے اپنا وقت بھی ضائع کروں اور قارئین کے اوقات عزیز کو بھی غارت کروں۔ لیکن محبت کا نقاب اوڑھ کر ناموس اہل بیت کو پامال کرنے والوں نے جو اودھم مچا رکھا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ حقیقت حال خواہ وہ انتہائی تلخ اور کرناک ہو، قارئین کو اس سے باخبر رکھا جائے۔

”تاریخ اتوارخ“ کے حصہ ”تاریخ الخلفاء“ کی جلد اول کے صفحہ 83 سے یہ حکایت شروع ہوتی ہے اور کئی صفحات پر پھیلتی چلی گئی ہے۔ کہ

”دوسرے روز مسجد نبوی صحابہ کرام سے کچھا کھج بھری ہے۔ حضرت عمر کے کہنے پر حضرت ابو بکر قشقد کو بھیجتے ہیں کہ وہ حضرت علی کو حاضر دربار کریں۔ وہ جاتا ہے۔ پیغام پہنچاتا ہے، حضرت علی اسے جھڑک دیتے ہیں، وہ واپس آ جاتا ہے۔ اسے دوبارہ سختی سے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ حضرت علی کو پکڑ کر لائے۔

حضرت علیؓ پھر اسے دھتکار دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ ایک جھٹ آپ کو گرفتار کرنے کے لئے روانہ کرتے ہیں، وہ بھی ناکام لوٹتا ہے۔ حضرت عمرؓ غصہ سے بے قابو ہو کر خود جاتے ہیں اور خاتونِ جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر بند آواز سے یوں کہتے ہیں: ”

یا علیؓ بیرون شو باخليفة رسول خدا بیعت کن ورنہ میں خانہ رہائش پاک بسوزم۔ فطرہ برخواست

وَقَالَتْ يَا عُمَرُ مَا كُنَّا وَلَكَ قَالَ افْتَحِي الْبَابَ وَارْجِعِي
أَحْرَقْنَا عَلَيْكُمْ بَيْتَكُمْ فَقَالَتْ يَا عُمَرُ مَا تَسْتَفِي اللَّهَ
تَدْخُلُ فِي بَيْتِي - النحر

(1)

”اے علیؓ! باہر آؤ اور خلیفہ رسولِ خداؐ کی بیعت کرو، ورنہ اس گھر کو جل کر راکھ کر دوں گا۔ حضرت سیدہ انھیں، فرمایا، اے عمر! ہمارے گھر پر کیا واسطہ ہے؟ آپ نے کہا دروازہ کھولو۔ ورنہ تمہارے گھر کو تم پر جلا کر راکھ کر دوں گا۔ سیدہ نے فرمایا، اے عمر! یہ تم خدا سے نہیں ڈرتے ہو، میرے گھر میں داخل ہوتے ہو؟“

حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ حضرت علیؓ دروازہ نہیں کھولتے تو حکم دیا کہ ”اور لکڑیوں لائی جائیں۔ آپ نے دروازہ کو آگ لگا دی۔ جب کچھ حصہ جل گیا تو پاؤں کی ٹھوکریاں کر کے گرا دی اور گھر میں گھس آئے۔

حضرت سیدہ نے فریاد کرنا شروع کر دی اور کہا ”یَا أَبَتَا! يَا رَسُولَ اللَّهِ“ اے ابا جان! یا رسول اللہ! پھر خطاب کے بیٹے نے سیدہ کے پیلو پر تلوار سے ٹھوک لگائی۔ آپ نے دوبارہ فریاد کی۔ حضرت عمرؓ نے آپ کے بازو مبارک پر زور سے تازیانہ مارا۔

حیرت ہے کہ شیرِ خدا یہ سب کچھ دیکھتے رہے اور چپ رہے اور ش سے مس نہ ہوئے۔ اتنی تو جین اور ضرب شدید کو دیکھ رہے ہیں اور ذوالفقارِ حیدری کو جنبش تک نہیں دیتے۔ انسان اپنے اوپر تو سختیاں بھی برداشت کریتا ہے لیکن اپنی امیہ کے بارے میں ناممکن ہے خصوصاً جبکہ

وہ حضور کی لخت جگر سیدۃ النساء ہو۔

مصنف ”ناخ التوارخ“ اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں :

”پھر حضرت سیدہ التجاء کرتی ہیں۔ اب حضرت علی کی آتش غضب بھڑک اٹھتی ہے۔ آپ حضرت عمر کو گریہاں سے پکڑ کر زمین پر پٹخ دیتے ہیں۔ حضرت ابو بکر کو پتا چلتا ہے۔ وہ آپ کی امداد کیسے چند آدمی بھجوا دیتے ہیں۔ آتے ہی یہ لوگ حضرت علی کے ہاتھ سے تلوار چھین لیتے ہیں، پھر ان کو دبوچ بیٹھتے ہیں، پھر آپ کے گلے میں رسی ڈال بیٹھتے ہیں اور آپ کو کشاں کشاں حضرت صدیق کی خدمت میں لے جاتے ہیں۔ حضرت سیدہ مدافعت کیسے اٹھ کھڑی ہوتی ہیں، قنجد آپ پر حمد کر دیتا ہے اور تازیانہ کی ایک ایسی ضرب بازو پر لگاتا ہے کہ اس کا یہ داغ وفات کے بعد بھی بازو مبارک پر باقی رہتا ہے۔ حضرت علی کو پکڑ کر حضرت صدیق کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس وقت آپ بھد حسرت کہتے ہیں، اگر میری تلوار میرے ہاتھ سے گر نہ پڑتی تو تم مجھے یوں کھینچ کر نہ لاسکتے۔ خدا اس قوم پر رحمت کرے جنہوں نے میری بیعت کی پھر میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ (1) اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰی بِاللّٰهِ خُطرہ کے وقت تو بزدلوں کے ہاتھ کاٹتے ہیں اور ان کی تلواres گر پڑتی ہیں۔ سیدنا علی تو شیر خدا ہیں جن کی ضرب حیدری سے خیبر کی سنگین دیواریں پاش پاش ہو گئیں۔ جن کی گرج سے بڑے بڑے بہادروں کے دل پھٹ جایا کرتے تھے۔ احد اور حنین کے مشکل اوقات میں ان کے ہاتھ سے تلوار نہ گری۔ خندق کے دن عمرو بن عبدود کا مقابلہ کرتے ہوئے آپ کے ہاتھ سے تلوار نہ گری۔ آپ کی تلوار نے مرحب کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ آج اللہ اور رسول کے اس شیر پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ان کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ گویا دوسرے لفظوں میں آپ کو بزدلی کا طعنہ دیا جا رہا ہے۔ ایسی باتیں گھڑتے وقت اور آپ کی ذات والا صفات کی طرف منسوب کرتے وقت کچھ تو خدا کا خوف کرنا چاہئے۔ اسی پر بس نہیں۔ تین جان نثار ابوذر غفاری، مقداد اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کی زبان سے ایسے جیسے کہلاتے ہیں جنہیں سن کر بچے بھی ہنسی ضبط نہ کر سکیں۔ یوں اس دوستی کے رنگ میں اسلام دشمنی کا حق ادا کیا جا رہا ہے اور ان سب نفوس قدسیہ کی عظمت کو داغدار کرنے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔۔ اس وقت ابوذر نے کہا :

لَيْتَ الشُّيُوفَ قَدْ عَادَتْ بِأَيْدِينَا ثَانِيَةً
 ”اے کاش! دوبارہ تلواریں ہمارے ہاتھوں میں ہوتیں۔“

مقدمہ لے کر:

لَوْ شَاءَ دَعَا عَلَيْهِ رَبُّهُ عَزَّ وَجَلَّ
 ”اگر علی مرتضیٰ چاہتے تو ابو بکر کیسے بددعا کرتے۔“

مسلمان نے کہا:

مَوْلَايَ أَعْلَمُ بِمَا هُوَ فِيهِ

”میرا آقا جن مشکلات میں مبتلا ہے وہ خود ہی ان کو بہتر سمجھتا ہے۔“

یہ کردار بنی اسرائیل کے حیلہ سازوں کے کردار سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ یہ تین بزرگ جو بقول ان کے ایمان پر ثابت قدم رہے، ان کی قوتِ ایمانی کا تو یہ حال ہے، باقی رہے دوسرے صحابہ تو ان کو بیک جنبشِ قلم مرتد قرار دے کر خارجِ اسلام کر دیا گیا۔

اذ ابى جعفر حديث كنفند قال كان الناس اهل ردة

بعد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لا ثلاثة

”حضرت امام باقر سے مروی ہے کہ حضور کے وصال کے بعد ان تین

حضرات کے علاوہ باقی سب لوگ مرتد ہو گئے۔“

اسی پر دل کی حسرت پوری نہیں ہوئی بلکہ مزید رقمطراز ہیں:

”رات کی تاریکی میں حضرت علی نے حضرت سیدہ کو گدھی پر سوار کیا

اور حسنین کریمین کی انگلیاں اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہر انصاری

کے گھر لے جاتے ہیں، ان سب سے بیعت کرنے کی درخواست کرتے

ہیں، لیکن کہیں کامیابی نہیں ہوتی۔ مایوس ہو کر خانہ نشین ہو جاتے

ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کو زبردستی گھر سے نکال کر جبراً بیعت کیے

پیش کر دیا جاتا ہے۔“ (1)

معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ محققین بھی ان ہرزہ سرائیوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ ”شیخ

ابلاغہ“ کے شارح میثم بن علی بن میثم بحرانی لکھتے ہیں۔

وَأَعْلَمَ أَنَّهُ قَدْ اخْتَلَفَ النَّاقِدُونَ بِكَيْفِيَّةِ خَالِهِ بَعْدَ
وَفَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَى الْمُحَدِّثُونَ
مِنَ الشَّيْعَةِ وَغَيْرِهِمْ أَخْبَارًا كَثِيرَةً وَبِمَا خَالَفَ بَعْضُهَا
بَعْضًا بِحَسَبِ اخْتِلَافِ أَهْوَائِهِمْ۔

”جان ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا علی کی حالت کے بارے میں نقل کرنے کے اقوال میں بڑا اختلاف ہے شیعہ محدثین اور غیر شیعہ محدثین نے متضاد روایات بکثرت نقل کی ہیں جن سے ان کی ذاتی خواہشات جھلک رہی ہیں۔“

علامہ مذکور نے جہاں یہ وقعہ ذکر کیا ہے وہاں ان خرافات کو بیان نہیں کیا، صرف یہ کہا ہے کہ

بَيَّعَ مَعَهُمْ عَلِيٌّ الْكَرَاهَا

”یعنی بنو ہاشم نے جب حضرت صدیق اکبر کی بیعت کی تو حضرت علی نے بھی بیعت کی لیکن مجبوراً“

ورد و سر قول یہ منقول ہے :

إِنَّ عَلِيًّا اِغْتَصَمَ بَيْتَ فَاطِمَةَ فَعَلِمُوا أَنَّهُ مُفَرَّدٌ وَمَكْرُوهٌ (1)

”یعنی حضرت علی نے حضرت سیدہ فاطمہ کے گھر میں پناہ لے لی۔ صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ وہ تنہا ہیں تو انہوں نے آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔“

”فروع کافی“ میں صرف اتنا درج ہے۔

(2) جَاءُوا بِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مُكْرَهًا فَبَيَّعَهُ۔

”امیر المؤمنین کو جبراً پکڑ کر لے آئے تو آپ نے حضرت صدیق اکبر کی بیعت کر لی۔“

بہر حال علامہ میثم اور علامہ کلینی کی تصریحات سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ آپ نے صدیق اکبر کی بیعت فرمائی۔ ان کا یہ اضافہ کہ حالت مجبوری میں آپ نے بیعت کی، کم از کم ہر اس شخص کیسے ناقابل تسلیم ہے جو حضرت اسد اللہ الغالب کی جرأت، بے لوثی اور آئین

جو انمردی کی حقیقت کو سمجھتا ہے اور صدق دل سے اسے تسلیم بھی کرتا ہے۔ ان خود ساختہ روایات کیلئے یہ واقعہ کافی ہے کہ جب تمام لوگ حضرت صدیق اکبر کی بیعت پر متفق ہو گئے تو ابوسفیان بن حرب کو یارائے صبر نہ رہا اور اس نے حضرت علی اور حضرت عباس کو طعن و تشنیع سے بھڑکانا چاہا، کہنے لگا :

رَفِيعًا أَبُو بَكْرٍ مِّنْ أَمْرِكُمْ أَيْنَ الْمُسْتَصْعَفَانِ ؟ أَيْنَ
الْأَذْلَانِ يَعْنِي عَلِيًّا وَالْعَبَّاسَ ؟ مَا يَأْتِي هَذَا الْأَمْرُ فِي
أَقَلِّ حَيٍّ مِنْ قُرَيْشٍ ؟

”ابو بکر کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ تمہارا سربراہ اور امیر بنے، وہ دونوں کمزور کہاں ہیں، وہ دونوں ذلیل کہاں ہیں یعنی علی اور عباس۔ کیا وجہ ہے کہ قریش میں جو سب سے چھوٹا قبیلہ ہے، اس کا ایک فرد تمہارا حاکم بن جائے۔“

پھر وہ حضرت علی کے مکان پر آیا اور آکر کہنے لگا کہ ہاتھ آگے بڑھائیے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں :

وَاللَّهِ إِن شِئْتَ لَأَمْلَأَنَّ عَلَى ابْنِ قُصَيْلٍ يَّعْنِي أَبَا بَكْرٍ خَيْلًا وَرَجُلًا
”بخدا! اگر آپ حکم دیں تو میں ابو بکر سے مقابلہ کرنے کیلئے اس میدان کو شہسواروں اور پیادہ سپاہیوں سے بھر دوں۔“

سیدنا علی مرتضیٰ نے اس کی یہ باتیں سننے کے بعد اسے جھڑکتے ہوئے فرمایا :
یا ابوسفیان! ہرگز تو بے غرض جنبش نکلی و جزیر ضرر اسلام کو شش نہ فرمائی من
ہرگز نکلتا تو مغرور نشوم و ہرگز فریب تو در من نگیرد
”اے ابوسفیان! تو بغیر غرض کے حرکت نہیں کرتا۔ تیرا مقصد صرف اسلام کو ضرر پہنچانا ہے۔ میں تیری باتوں سے ہرگز مغرور نہیں ہوں گا اور تو مجھے اپنے دام فریب میں پھنسا نہیں سکتا۔“

آپ کا ابوسفیان کی اس پیشکش کو مسترد کر دینا اور اس کی حرکت کو اسلام دشمنی پر محمول کرنا۔ اس امر کا کھلا ثبوت ہے کہ آپ نے صدق دل سے حضرت ابو بکر صدیق کی بیعت فرمائی تھی۔

سید امیر علی جو مشہور قانون دان، نامور مورخ اور بنگال ہائی کورٹ کے سب سے پہلے مسلمان جج تھے، اپنی شہرہ آفاق کتاب "سپرٹ آف اسلام" میں رقمطراز ہیں :

"With his usual magnanimity and devotion to the Faith, scrupulously to avoid the least discord among the disciples of the Master Ali at once gave in his adhesion to abu' Bakr. Three times was he set aside, and on every occasion he accepted the choice of electors without demur. He himself had never stood forth as a candidate for the suffrages of the electors, and whatever might have been the feeling of his partisans, he had never refrained from giving to the first two Caliph his help and advice in the governance of commonwealth and they on their side had always deferred to his counsel and his exposition of the Master's teachings " (1)

"حضرت علی مرتضیٰ نے اپنی ولوالہ عزیمت اور دین سے بے پناہ وابستگی اور اپنے آقا کے ماننے والوں کو ہر قسم کے انتشار سے بچانے کیلئے فوراً حضرت ابو بکر صدیق کی بیعت کی۔ آپ کو تین بار نظر انداز کیا گیا اور آپ نے ہر بار کسی اعتراض کے بغیر رائے دہندگان کے انتخاب کو صدق دل سے قبول کر لیا۔ آپ نے اپنے کو کبھی بھی خلافت کیلئے امیدوار کی حیثیت سے پیش نہیں کیا۔ آپ کے احباب کے جذبات کچھ بھی ہوں، آپ نے اسلامی مملکت کے کاروبار حکمرانی کو چلانے میں پسے دو خلیفوں کی ہر طرح امداد بھی کی اور انہیں بہترین مشوروں سے بھی نوازا۔ خلفاء نے بھی ہمیشہ آپ کے مشورے کو عزت اور قدر کی

نگاہ سے دیکھا اور احادیث نبوی کی جو تشریح آپ نے کی، اس کو تسلیم کیا۔“

قارئین کرام کو یہ علم تو ہو گا کہ سید موصوف شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی اس وضاحت کے بعد ہر قسم کے شکوک و شبہات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ نیز ان روایت کی لغویت آشکارا ہو جاتی ہے جن میں رحمت عالم ﷺ کے صحابہ کرام کی عظمت کو داغدار کرنے کیلئے دانستہ یا نادانستہ ناپاک کوششیں کی گئی ہیں۔

کتاب اہل سنت میں جو روایات ثقہ اسناد سے مروی ہیں، میں اس جگہ پر ان کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں اور ان کو پڑھ کر دل بے ساختہ تسلیم کرتا ہے کہ یہی حق ہے اور یہی بات سیدنا علی مرتضیٰ کی شان رفیع کے شایان ہے :

عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ قَالَ كَانَ عَلِيٌّ فِي بَيْتِهِ
إِذْ أَتَى وَقِيلَ لَهُ قَدْ جَلَسَ أَبُو بَكْرٍ لِلْبَيْعَةِ فَخَرَجَ فِي
قَمِيصٍ مَا عَلَيْهِ إِزَارٌ وَلَا رِدَاءٌ عَجَلًا كَرَاهِيَةً أَنْ
يَبْطِئَ عَنْهَا فِي بَيْعَتِهِ ثُمَّ جَلَسَ إِلَيْهِ وَبَعَثَ إِلَى ثَوْبٍ
فَأَتَاهُ فَجَلَلَهُ وَلَبِزَ مَجْلِسَهُ۔

(1)

”یعنی حبیب بن ثابت سے مروی ہے کہ علی مرتضیٰ اپنے گھر میں تشریف فرماتھے، ایک آدمی آیا، اس نے عرض کی کہ حضرت ابو بکر بیعت لینے کیلئے مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ اس وقت آپ نے صرف ایک لمبی قمیص زیب تن فرمائی ہوئی تھی۔ جلدی اٹھ کھڑے ہوئے، مبادا بیعت کرنے میں تاخیر ہو جائے، آکر بیعت کی۔ اور وہیں بیٹھ گئے۔ کسی آدمی کو کپڑے لانے کیلئے بھیجا، وہ گھر سے کپڑے لے آیا، آپ نے انہیں پس لیا اور اسی مجلس میں تشریف فرما ہو گئے۔“

اس سے بھی واضح وہ روایت ہے جو حافظ ابو بکر البیہقی نے اپنے جلیل القدر اساتذہ

حدیث کے واسطہ سے حضرت ابو سعید الخدری سے روایت کی :

وَصَعِدَ أَبُو بَكْرٍ الْمِنْبَرَ وَنَظَرَ فِي وَجْهِ الْقَوْمِ وَلَحْدِيدَ

الرُّبَيْعَ قَالَ دَعَا بِالرُّبَيْعِ فَجَاءَ قَالَ قُلْتُ ابْنُ عَمَّةٍ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَوَارِيُّهُ
أُرَدَّتْ أَنْ تَشُقَّ عَصَا الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ لَا تَتْرُيبُ
يَا خَلِيفَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَ
سَلَّمَ وَقَامَ فَبَايَعَهُ ثُمَّ نَظَرَ فِي وُجُوهِ الْقَوْمِ وَلَمْ يَرَ
عَدِيًّا فَدَعَا بِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَجَاءَ فَقَالَ قُلْتُ ابْنُ
عَمَّةٍ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَتَنَهُ
عَلَى ابْنَتِهِ أُرَدَّتْ أَنْ تَشُقَّ عَصَا الْمُسْلِمِينَ قَالَ لَا
تَتْرُيبُ يَا خَلِيفَةُ رَسُولِ اللَّهِ وَبَايَعَهُ.

(1)

”حضرت ابو بکر منبر پر تشریف فرما ہوئے، حاضرین میں اکابر قوم کا
جاڑہ لیا، حضرت زبیر نظر نہ آئے۔ انہیں بلانے کیلئے آدمی بھیجا۔ جب
وہ آئے تو فرمایا، اے اللہ کے رسول کی پھوپھی کے فرزند اور اے اللہ
کے رسول کے حواری! کیا تم مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتے
ہو؟ آپ نے عرض کی، اے خلیفہ رسول اللہ! ناراض نہ ہوں۔ یہ کہہ
کر آپ اٹھے اور بیعت کر لی۔ آپ نے حاضرین پر دوبارہ نظر ڈالی۔
سیدنا علی دکھائی نہ دیئے، آپ کی خدمت میں بلانے کیلئے آدمی بھیجا۔
آپ فوراً تشریف لائے۔ ابو بکر صدیق نے فرمایا۔ اے اللہ کے رسول
کے چچا کے فرزند اور اے حضور کے پیارے داماد! کیا آپ مسلمانوں
کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے بھی جواب میں کہا کہ اے
اللہ تعالیٰ کے رسول کے خلیفہ! اس تاخیر پر آپ ناراض نہ ہوں۔ یہ
کہہ کر اٹھے اور آپ نے بھی بیعت کر لی۔“

علامہ ابن کثیر نے اس مفہوم کی کئی روایات بھی نقل کی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :

وَهَذَا حَقٌّ قَاتَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ لَمْ يُفَارِقِ الصِّدِّيقَ
فِي وَاقٍ مِنَ الْأَوْقَاتِ وَلَمْ يَنْقَطِعْ فِي صَلَوةٍ مِّنْ

الصَّلَوَاتِ خَلْفَهُ وَخَرَجَ مَعَهُ إِلَى ذِي الْقِصَّةِ لَمَّا
 خَرَجَ الصَّيْدِيُّ شَاهِدًا سَيِّفَهُ يُرِيدُ قَتْلَ أَهْلِ الزَّوْدَةِ (1)
 ”میں حق ہے کیونکہ سیدنا علی مرتضیٰ ایک لمحہ پہلے بھی صدیق بہت
 کسی وقت بھی جدا نہیں ہوئے، ساری نمازیں آپ کی اقتداء میں د
 کرتے رہے اور جب مرتدین کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے حضرت
 صدیق اکبرؓ اپنی تلوار لہراتے ہوئے نکلے تو حضرت علی مرتضیٰؓ آپ کے
 ساتھ تھے اور ذی القصد کے مقدم تک ساتھ رہے۔“

غسل مبارک

حضرت عبداللہ بن زبیر کے صاحبزادے حضرت ام مومنین عائشہ صدیقہ سے
 روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا، جب رحمت دو عالم ﷺ کو غسل دینے کا وقت آیا تو
 صحابہ کہنے لگے ہمیں علم نہیں ہے کہ ہم اللہ کے حبیب کو کس طرح غسل دیں؟ کیا جس
 طرح ہم دوسری چیزوں کو پڑے اتار کر غسل دیتے ہیں، اس طرح کریں یا حضور کو پڑوں
 سمیت غسل دیں؟ یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب دھوئیں پر نیند مسلط کر دی۔
 سب اوجھنے لگے، ان کی ٹھوڑیاں ان کے سینوں کو ٹکرائے گئیں۔ اس وقت انہوں نے حجر،
 مبارک کے ایک کونے سے یہ کہتے ہوئے منا، وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ کون آدمی بول رہا
 ہے؟ کوئی یہ کہہ رہا تھا:

أَنْ غَسَلُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَدِيَهُ

(2)

ثُمَّ بَدَأَ۔

”حضور کو کپڑوں سمیت غسل دو۔“

چنانچہ حضور کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا۔

سرکار دو عالم ﷺ کو غسل دینے کی سعادت حضرت سیدنا علی مرتضیٰؓ، سارہؓ، فضال
 بن عباس رضی اللہ عنہم کو نصیب ہوئی۔ سیدنا علی مرتضیٰؓ کرم اللہ وجہہ اپنے آقا کو غسل

بھی دے رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہے تھے **يَا أَيُّهَا طَيْبُ حَتَّىٰ وَمَيْتًا** ”میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ زندگی میں بھی طیب و پاکیزہ تھے اور وصال کے بعد بھی طیب و پاکیزہ ہیں۔“

حضور کے غسل کیلئے پانی غرس نامی کنوئیں سے لایا گیا جو قبا کے قریب تھا اور یہ سعد بن خیشم کی ملکیت تھا۔ حضور کریم ﷺ اکثر اس کنویں کا پانی نوش فرمایا کرتے تھے۔ حضور نے ارشاد فرمایا :

يَغْمُرُ الْيَدُ بِغُرْسٍ هِيَ مِنْ عَيْنِ الْجَنَّةِ وَمَاءُهَا أَطْيَبُ الْمَيَاہِ

(1)

”غرس کا کنواں بہترین کنواں ہے یہ جنت کے چشموں میں سے بہترین چشمہ ہے۔ اس کا پانی نہایت پاکیزہ ہے۔“

اس پانی میں ہیری کے پتے ملائے گئے تھے۔

قبر مبارک

جب قبر کھودنے کا وقت آیا تو حضرت عباس نے دو آدمیوں کو بلایا اور کہا کہ تم میں سے ایک حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو بجا کر مائے اور دوسرا حضرت ابو طلحہ بن سہل انصاری کو بلالائے۔ حضرت ابو طلحہ، کھدوالی قبر کھودنے کے ماہر تھے اور حضرت ابو عبیدہ بغیر لحد کے قبر کھودا کرتے تھے۔ وہ دو آدمی انہیں بلانے کیلئے گئے تو حضرت عباس نے دعا مانگی **اللَّهُمَّ خَيْرَ رَسُولٍ لَّكَ اللَّهُ اتَّوَانِ دُونِ مِثْلِهِ** جس کو اپنے رسول کیلئے پسند کرتا ہے اس کو بھیج دے۔“ حضرت ابو عبیدہ کو بلانے کیلئے جو آدمی گیا تھا، وہ اسے نہ مل سکے اور وہ وہیں آگیا۔ حضرت ابو طلحہ کو دوسرا آدمی اپنے ہمراہ لے آیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کیلئے لحد والی قبر تیار کی گئی۔ (2)

کفن مبارک

سرکارِ دو عالم ﷺ کو تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ یہ تینوں کپڑے یمن کے ایک موضع حوّل کے بنے ہوئے تھے۔ اسی نسبت سے انہیں حولیہ کہا جاتا تھا۔ ان پر چات میں

نہ قیص تھی نہ عدم۔ (1)

نماز جنازہ کی کیفیت

سرکارِ دو عالم ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے غسل دینے اور کفن پہنانے کے بعد میری مرقہ کے کنارے مجھے رکھ دیا جائے اور پھر کچھ وقت کیسے تمام لوگ میرے حجرے سے باہر نکل جائیں۔ محمد بن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضور کی وصیت کے مطابق، حضور کے وصال کے بعد کفن مبارک پہنا کر، حضور کے جسد اطہر کو حجرہ شریف میں رکھ دیا گیا اور تمام لوگ حجرہ شریف سے باہر نکل گئے۔ پھر اہل بیت اطہار کے مرد اور خواتین داخل ہوئے اور صلوٰۃ و سلام عرض کیا۔ ان کے بعد حضرت سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما چند مہاجرین و انصار کے ساتھ حجرہ شریف میں داخل ہوئے، انہوں نے اس طرح سلام عقیدت و نیاز پیش کیا :

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَخَمَّةُ اسْتَوْدِيكَ كَانَتْ

ان مہاجرین و انصار نے بھی شیخین کی اقتداء کی۔ پھر سب نے صفیں بنائیں اور بغیر کسی لام کے نماز جنازہ ادا کرتے رہے۔ حضرت ابو بکر صدیق اور فاروق اعظم پہلی صف میں حضور کے روبرو کھڑے ہوئے۔ انہوں نے بارگاہِ الہی میں یوں عرض کی :

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَشْهَدُ اَنْهُ قَدْ بَلَغَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ وَنُصَرِّحُ لَكَ مَتَابِعَ
وَجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَتّٰى اَعَزَّ اللّٰهُ دِيْنَهُ وَتَمَّتْ
كَلِمَتُهُ وَاَوْفَىٰ بِمَا وَحَدَّكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَاجْعَلْنَا
اِلٰهِنَا مِمَّنْ يَشْفِعُ الْقَوْلَ الَّذِيْ اُنْزِلَ مَعَهُ وَاجْمَعْ بَيْنَنَا
وَبَيْنَهُ حَتّٰى نَعْرِفَهُ بِمَا وَتَعْرِفُنَا بِمَا فَرَانَهُ كَاَنْتَ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفًا رَّحِيْمًا لَا تَبْتِغِ بِاِلٰهِيَّتِكَ بِمَدَلَا
وَلَا تَشْتَرِ بِمَشْنَأِ اَبَدًا۔

(2)

”اے اللہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ تیرے محبوب نے وہ پیغام پہنچا دیا جو

آپ پر نازل کیا گیا تھا اور اپنی امت کو نصیحت کر دی۔ اللہ کے راستہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو عزت عطا فرمائی اور آپ کی دعوت درجہ کمال تک پہنچی اور تیری ذات کے ساتھ ایمان لائے جو وحدہ لا شریک ہے۔ اے ہمارے معبود برحق! ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم اس قوم کی پیروی کریں جو تو نے ان پر نازل فرمایا اور روز قیامت ہمیں حضور کے ساتھ کھن کر اور حضور کو ہماری پہچان کر اور ہمیں حضور سے روشناس کر۔ بیشک تیرا محبوب مومنین کے ساتھ رؤف رحیم تھا۔

ہم آپ پر جو ایمان لائے ہیں اسے کسی قیمت پر تبدیل کرنے کیلئے تیار نہیں اور اس سے بدلے میں کوئی گراں بہا چیز لینے کیلئے تیار نہیں۔“

حضرت صدیق اکبر یہ دعائیں کہتے تھے، دوسرے لوگ یہ دعائیں کلمات سن کر آمین آمین کہہ رہے تھے یعنی الہی اس دعا کو قبول فرما۔ اس التجاء کو منظور فرما۔ پھر یہ لوگ باہر چلے گئے۔ نئی جماعت اندر داخل ہوئی یہاں تک کہ تمام مرد نماز جنازہ پڑھنے سے فارغ ہو گئے تو مستورات کو اندر جانے کی اجازت ملی تو وہ باری باری نماز جنازہ ادا کرتی رہیں۔ پھر بچوں کی باری آئی، وہ حاضر ہو کر نماز جنازہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ بچوں کے بعد خاندانوں کو حجرہ شریف میں جا کر نماز جنازہ پڑھنے کا اذن ملا۔ انحضرت تمام لوگوں نے باری باری گروہ در گروہ یہ شرف حاصل کیا، کوئی آدمی بھی اس نماز جنازہ کی امامت نہیں کر رہا تھا۔

اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ تمام لوگوں نے امام کے بغیر نماز جنازہ ادا کی اور بغیر امام کے نماز جنازہ پڑھنے کی متعدد حکمتیں لکھی ہیں :

سرکارِ دو عالم خود امام اولین و آخرین تھے۔ حضور زندہ تھے اور امام اولین و آخرین کی موجودگی میں اور کون امام بن سکتا ہے ؟

نیز اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ ہر مسلمان علیحدہ علیحدہ اپنے آقا علیہ السلام کی بارگاہِ قدس میں بدیہِ صلوٰۃ و سلام عرض کرے اور اس شرف سے اسے سرفراز کیا جائے۔

تدفین کا بیان

صحابہ کرام کو اس بات کا علم نہ تھا کہ رحمتِ دو عالم ﷺ کی قبر مبارک کہاں بنائی جائے۔

وگاہی مسئلہ پر غور و فکر کر رہے تھے کہ حضرت صدیق کبر رضی اللہ عنہ گویا ہوئے

يَقُولُ لَهُ يَقْبُرَنِيَّ إِلَّا حَيْثُ يَمُوتُ

”میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر نبی اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کی وفات ہوتی ہے۔“

یہ ارشاد نبوی سننے کے بعد اس بارے میں ساری تشویش ختم ہو گئی۔ سو گویا نے بستر مبارک کو لپیٹا اور جہاں بستر مبارک تھا وہاں قبر کھودی گئی۔ جب قبر تیار ہو گئی تو پیسے زمین پر ایک سرخ رنگ کا کھیل بچھایا گیا۔ پھر قبر شریف میں سیدنا علی بن ابی طالب، فضل و رقتہ فرزند ان سیدنا عباس اور شقران جو حضور کریم صلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے آزد کردہ غلام تھے، چاروں اترے۔ اس بن خوی نے عرض کی، تمہارے واسطے ہمیں بھی رحمت عام ﷺ کی تدفین میں حصہ لینے کی سعادت مرحمت فرمائیے۔ آپ نے نہیں بھی قبہ شریف میں اترنے کی اجازت دی۔ (1)

امام بیہقی حضرت سعید بن مسیب کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز امام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ نے اپنے والد بزرگوار سیدنا ابو بکر صدیق کی خدمت میں اپنا ایک خواب عرض کیا کہ تین چاند میری گود میں گر گرے۔ آپ نے فرمایا، ”میرا یہ خواب سچا ہوا تو تیرے گھر میں ساری دنیا سے تین بہترین آدمی دفن ہوں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا حضرت ابو بکر نے فرمایا، ”اے عائشہ! یہ ان تین چاندوں سے افضل ترین چاند ہے۔ صحیح بخاری میں اور مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا:

ثَوْنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِي وَفِي يَوْمِي
وَبَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي وَجَمَعَ اللَّهُ بَيْنَ رِيقِي وَرَيْقِهِ
فِي آخِرِ سَاعَةٍ مِنَ الدُّنْيَا وَأَوَّلِ سَاعَةٍ مِنَ الْآخِرَةِ (2)

”نبی کریم ﷺ کی وفات میرے حجرے میں ہوئی اور میری باری کے دن ہوئی اور حضور نے میرے سینہ اور گردن کے ساتھ تکیہ لگایا ہو تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی آخری گھڑی و آخرت کی پہلی گھڑی میں میرے لعاب دہن کو اپنے صیب کے لعاب دہن سے جمع فرمایا۔“

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم سب اکٹھے تھے اور رحمت عالم ﷺ کے فراق میں ہم رو رہے تھے اور ہم میں سے کسی نے اس رات کو آنکھ تک نہ جھپکی۔ ہم سب سرور عالم ﷺ کے رخ انور کی زیارت میں محو تھے کہ سحری کے وقت ہم نے کدالوں کی آوازیں سنیں تو ہماری چیخیں نکل گئیں۔ جتنے لوگ مسجد میں جمع تھے ان کی آہ و فغاں کی آوازیں بھی بند ہونے لگیں۔ سارا مدینہ طیبہ اس گریہ و زاری سے لرز گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کی اذان دی۔ جب انہوں نے اَشْهَدُ اَنْ لِّمُحَمَّدٍ رَّسُولَ اللّٰہِ کہا تو آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور سسکیاں لے لے کر رونے لگے۔ اس چیز نے ہمارے حزن و ملال میں مزید اضافہ کر دیا۔ لوگوں نے حجرے شریف میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن دروازہ بند کر دیا گیا اور حضور کا یہ فراق ہم سب کیسے الم انگیز اور روح فرسا تھا کہ دنیا کی کوئی مصیبت اس سے زیادہ المناک نہ تھی۔ ہم پر جب بھی کوئی افتاد پڑتی تو ہم سرکارِ دو عالم ﷺ کی جدائی کے روح فرسا صدمہ کو یاد کر کے اپنے دلوں کو تسلی دیتے۔ (1)

حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سو موار کے دن ہوئی اور تدفین بدھ کی رات ہوئی۔ متقدمین اور متاخرین علماء امت نے اسی قول کی تائید کی ہے۔ ان میں سے حضرت امام جعفر صادق، ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور سلیمان بن طرخان قمی کے اسماء گرامی زیادہ مشہور و معروف ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے زوال آفتاب سے پہلے سو موار کے دن رحلت فرمائی اور منگل کے دن حضور کی تدفین عمل میں لائی گئی۔ لیکن علامہ ابن کثیر ان اقوال کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں :

فَمِنْ قَوْلٍ غَرِيبٍ وَالْمَشْهُورِ عَنِ الْجَمْعِ مَا اسْتَفْنَاهُ
مِنْ اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ تُوِيَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَدُفِنَ
لَيْلَةَ الْاَثَرِ بَعَاءِ

(2)

”یہ دوسرا قول غریب ہے مشہور قول وہی ہے جو ہم نے جمہور علماء سے پہلے نقل کیا ہے کہ حضور کا وصال پر ملال سو موار کے دن ہوا اور تدفین بدھ کی رات کو عمل میں لائی گئی۔“

حضور کی تدفین کے بعد حضرت جلال بن رباح نے پانی کا مشکیزہ لیا اور اس سے سرورِ عالم ﷺ کے مزار پر انوار پر چھڑکاؤ کیا۔ حضرت بلال نے چھڑکاؤ کا آغاز سر مبارک کے دائیں طرف سے کیا یہاں تک کہ قدمین شریفین تک سارے مرقہ انور پر چھڑکاؤ کر دیا۔ (۱)

اپنے ہادی و مرشد کی وفات حسرت آیات پر صحابہ کرام کا حزن و الم اس روح فرسا سانحہ کی اطلاع آنا فانا دور و نزدیک ہر جگہ پہنچ گئی۔ ہر شخص غم و اندوہ کے باعث حیران و سر اسمد تھا۔ صحابہ کرام بیان کیا کہتے تھے کہ یہ دن مدینہ کی تاریخ کا تاریک ترین دن تھا، جس طرح حضور ہجرت کر کے جب مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تھے وہ دن مدینہ کی تاریخ کا روشن ترین دن تھا۔ ہر شخص اپنی اپنی حیثیت کے مطابق رنج و غم سے نڈھال تھا۔ وہ چودھویں کا چاند ہمیشہ کیسے نکھوں سے اوجھل ہو گیا جس کی خاک کریم غمزدوں کو جرأت و حوصلہ سے بہرہ دیا کیا کرتی تھیں۔ وہ آفتابِ عالم تاب نکھوں سے اوجھل ہو گیا جس سے ن کا خباہ و باطن کتاب نور کیا کرتا تھا۔ حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا جب اس حادثہ فاجعہ سے گاہ ہوئیں تو بے ساختہ آپ کی زبان پاک سے یہ کلمات نکلے جو آپ کے رنج و غم کی شدت کی عکاسی کر رہے تھے :

يَا أَيَّتُهَا أَهْلَ الْبَيْتِ! أَحْبَابُ رَبِّاَدَعَاكَ

اے میرے پیارے ابا جان! آپ نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کر لیا۔

يَا أَيَّتُهَا إِلَهِي جَنَّةُ الْفَرْدَوْسِ مَا دَاوَاكَ

اے ابا جان! آپ جنت الفردوس میں تشریف فرما ہو گئے۔

يَا أَيَّتُهَا إِلَهِي جِبْرِيلُ نَزَّلَكَ

اے ابا جان! آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر جبریل کو کون پہنچائے گا۔

حضور کے بعد کس پر وحی اترے گی۔ ب جبریل کس کے پاس آئے گا۔

اے پروردگار! فاطمہ کی روح کو اپنے حبیب کی روح کے پاس پہنچا دے۔

اے خداوند عالم! مجھے اپنے پیارے رسول کا ہم نشین بنادے۔

اے میرے رب! مجھے اپنے حبیب کی جدائی کے غم کے ثواب سے محروم نہ فرماتا، مجھے روز

محشر اپنے محبوب کی شفاعت سے محروم نہ کرے۔

مروی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے وصال پر ملال کے بعد کسی نے حضرت سیدہ زہراء کو ہنستے نہیں دیکھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ اپنے محبوب کریم ﷺ کے اس اچانک فراق پر اپنے رنج و الم اور اپنی عقیدت و محبت کا یوں اظہار کر رہی تھیں :

صد حیف! وہ نبی جس نے فقر کو غناء پر، درویشی کو تو نگری پر اختیار کیا۔

صد حیف! وہ دین پرور رہبر جو اپنی سنگار امت کے گنہوں کو بخشوانے کے لئے ساری ہماری رات بے چینی میں گزار دیا کرتا تھا۔

صد حیف! وہ مرشد کریم جس نے بڑی جرأت و استقامت کے ساتھ مجاہدہ کیا۔

صد افسوس! وہ رسول جس نے ممنوع چیزوں کی طرف کبھی نگاہ التفات نہ کی۔ کفار کی ایذا رسانیوں کے باعث جس کا قلب منیر کبھی متاثر نہ ہوا۔ اور ان کو دعوت حق دینے میں کبھی بیزاری اور تھکاوٹ کا اظہار نہ کیا۔

جس نے مفلسوں اور محتاجوں کیلئے اپنے انعام و احسان اور فضل و سخاوت کا دروازہ کبھی بند نہ کیا۔

وہ نبی، جس کے موتیوں جیسے دانت پتھر مار کر توڑے گئے۔

وہ نبی، جس کی نورانی پیشانی کو زخمی کیا گیا۔

وہ راہبر، جس نے دو روز پے در پے جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہ کھائی۔

صد حیف! کہ آج وہ کریم قادیان سے رخصت ہو گیا **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ**

اس وقت کا شانہ اقدس کے ایک کونہ سے آواز سنائی دی۔ آواز سنائی دے رہی تھی لیکن جس کی آواز تھی وہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس سرور ش غیب نے کہا :

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أَجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

”اے اہل بیت! تم پر اللہ کی طرف سے سلام ہو۔ اور تم پر اس کی طرف

سے رحمتوں و برکتوں کا نزول ہو۔ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے

اور قیامت کے روز تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔“

اور جان ہو کہ ہر مصیبت کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی ہوتی ہے اور ہر فوت ہونے

والی چیز کا کوئی قائم مقام ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین رکھو اور اس کی طرف توجہ کرو۔ جزع فزع سے باز رہو، بے صبری نہ کرو۔ درحقیقت مصیبت زدہ وہ شخص ہے جس کو ثواب سے محروم کر دیا گیا۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ آواز سنی تو حاضریں کو بتایا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے جو تمہاری تعزیت کے لئے آئے تھے۔ (1)

اس جاناہ سانحہ سے عاشقان بارگاہ رسالت پر جو گزری کوئی قلم اس کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔ حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مدارج النبوة“ میں صحابہ کرام پر وارد ہونے والی کیفیات کا جو تذکرہ کیا ہے اسی کے ترجمہ پر اکتفا کروں گا۔ آپ لکھتے ہیں:

”سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات حسرت آیات کے صدمہ نے تمام صحابہ کرام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، سارے حیران و مشدد ہو کر رہ گئے تھے۔ یوں معنوم ہوتا تھا کہ ان کی عقلیں سب ہو گئی ہیں اور حواس ناکارہ ہو گئے ہیں۔ بعض صحابہ ایسے تھے کہ شدت غم سے ان کی قوت گویائی سلب ہو گئی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی، نسی لوگوں سے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر وہاں سے ہوا جہاں یہ بیٹھے تھے۔ انہوں نے سلام دیا، آپ نے نہ بھی لیکن زبان میں یہ رائے نکلم نہ تھا۔ بعض کے اعصاب ناکارہ ہو کر رہ گئے، ان کے بدن میں جنبش کی طاقت نہ رہی، چنانچہ سیدنا علی مرتضیٰ کی بھی یہی کیفیت تھی۔ حضرت فاروق اعظم کی کیفیت تو سب سے جدا تھی۔ بعض صحابہ کرام نے تو یہ دعا مانگن شروع کر دی، یا اللہ! ہماری آنکھوں کی بینائی سلب کر لے تاکہ جن آنکھوں نے تیرے حبیب کریم کے روئے زیبا کو دیکھنے کا شرف حاصل کیا وہ کسی اور چہرہ کو نہ دیکھیں۔“

منفقین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر حضور نبی ہوتے تو وفات نہ پاتے۔ اپنے محبوب کریم ﷺ کی جدائی کا صدمہ اور اس پر شامت اعداء، حضرت عمر فرط اندوہ و غم سے بے قابو ہو گئے، اپنی تلوار بے نیام کر لی اور اعدان کرنا شروع کیا۔ اگر کسی نے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی ہے تو میں اس تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ حضرت عمر کے س

اعلان کے بعد لوگ خاموش ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق اپنے گھر میں تھے جو سخ کے محلہ میں تھا۔ جب آپ کو یہ المناک خبر پہنچی تو فوراً سوار ہو کر اس حجرہ مقدسہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں حضور استراحت فرماتے تھے۔ آپ تیزی سے آ رہے تھے اور زار و قطار رو رہے تھے۔ ان کی زبان سے یہ فریاد نکل رہی تھی **وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ** میرے محبوب آقا میرے محبوب آقا جب مسجد شریف میں پہنچے تو لوگوں کو پریشان حال دیکھا، کسی کی طرف متوجہ نہ ہوئے، بات تک نہ کی، سیدھے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں پہنچے۔ روئے مبارک پر جو چادر ڈالی گئی تھی اس کو روئے مبارک سے ہٹایا اور حضور کی نورانی پیشانی پر اور اپنا منہ حضور کے روئے اقدس پر رکھا، پھر سر اٹھا کر فرمایا **وَاَنْبِیَّآۃَ** "اے ہمارے جلیل القدر نبی۔" پھر دوبارہ چادر ہٹا کر روئے اقدس کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا رواں ہو گئے۔ پھر فرمایا **وَاصْفِیَّآۃَ** "اے میری جان سے پیارے محبوب" کئی بار چادر کو سر کایا، بوسہ دیا اور اشکوں کا نذرانہ پیش کیا۔ پھر بوسہ دیا اور کہا **وَاحْیِیْلَہٗ یَا بَیَّ اَنْتَ وَارْحَمَیْ طِبْتَ حَیًّا وَمَیْتَ** "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے میرے خلیل! آپ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے وراں بھی پاکیزہ ہیں۔" آپ کی شان اس سے بڑی بلند ہے کہ آپ پر آہ و فغاں کی جائے۔ اگر زمام اختیار ہمارے ہاتھ میں ہوتی تو ہم حضور پر اپنی جانیں نچھاور کر دیتے۔ حضور نے اگر ہمیں مرنے والوں پر آہ و بکاء سے منع نہ کیا ہوتا تو میں اتنا روتا کہ میری آنکھوں سے اشکوں کے چشمے جاری ہو جاتے۔ پھر عرض کی "ہر خدا یا ازہ اسلام برسوں دیا محمد مارا نزد پروردگار ماخوذ یاد دار"

اے اللہ! ہمارا اسلام اپنے محبوب کی بارگاہ میں پہنچنا اور یہ رسول اللہ! ہم غلاموں کو اپنے خداوند قدوس کی بارگاہ میں یاد کرنا۔

پھر حضرت صدیقہ کے حجرہ سے باہر آئے۔ دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان کھڑے یہ اعلان کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے اور اس وقت تک فوت نہ ہوں گے جب تک منافقین کو تہ تیغ نہیں کر دیں گے۔

حضرت صدیق نے حضرت عمر کو کہا، آپ بیٹھ جائیں۔ لیکن انہوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ حضرت صدیق نے انہیں کہا، اے شخص! تم جانتے نہیں ہو کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں خود فرمایا:

(1) إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُ مَيِّتُونَ

”بے شک آپ نے بھی (دنیا سے) انتقال فرماتا ہے اور انہوں نے بھی
مرتا ہے۔“

نیز یہ بھی ارشاد الہی ہے :

(2) وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنَّ مَتَّ وَهُمْ
الْخُلْدُ دُونَ -

”اور ہمیں مقدر کیا ہم نے کسی انسان کے لئے جو آپ سے پہلے گزرا
(اس دنیا سے) ہمیشہ رہنا، تو اگر آپ انتقال فرما جائیں تو کیا یہ لوگ
(یہاں) ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“

”آپ سے پہلے کسی کو ہمیشہ زندہ رہنے والا نہیں بتایا۔ اگر آپ وفات پا جائیں تو کیا وہ
ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ پھر صدیق اکبر قبر پر تشریف لائے، لوگوں کا جو ٹکھٹا حضرت عمر کے
ارد گرد تھا وہ سب حضرت عمر کو چھوڑ کر صدیق کبر کے پاس پہنچ گئے اور آپ نے خطبہ
ارشاد فرمایا۔ پسے اللہ تعالیٰ کی حمد و شاک، پھر سرور عالم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں صلوٰۃ و سلام
پیش کیا، پھر یہ آیت تلاوت کی :

(3) وَمَا مَعَدُّ إِلَّا دَسُورٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنَّ
مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ

”اور ہمیں محمد (مصطفیٰ) مگر (اللہ کے) رسول، گزر چکے ہیں آپ
سے پہلے کئی رسول تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یہ شہید کر دیئے جائیں پھر
جاؤ گے تم الٹے پاؤں (دین اسلام سے)۔“

تمام لوگوں نے ان آیات کو حضرت صدیق سے سنا تو انہیں یوں محسوس ہوا گویا یہ
آیتیں آج ہی نازل ہوئی ہیں۔ پھر حضرت فاروق اعظم نے بھی اپنی اس غلط فہمی کا ازالہ کیا
اور حضرت ابو بکر صدیق کی تصدیق فرمائی۔ (4)

1۔ سورہ زمر 30۔

2۔ سورہ الانبیاء 34۔

3۔ سورہ آل عمران 144۔

4۔ ”معارف النبوة“، جلد 2، صفحہ 432۔

اس موقع پر بعض کتب تاریخ میں ایک روایت مذکور ہے جس سے طرح طرح کی غلط فہمیاں اور شکوک پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔ اس لئے علمی دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اس روایت کو درست کیا جائے اور اس کے بارے میں علماء جرح و تعدیل کی کتاب رائے بیان کی جائے اور تاریخ کی معتبر کتب کے مصنفین نے اس کے بارے میں جو لکھا ہے وہ ہدیہ قارئین کیا جائے۔

علامہ ابن کثیر اپنی کتاب "السيرة النبوية" میں روایت کرتے ہیں :

قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ ابْنِ
إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عْتَابٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زُبَيْرٍ
عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَتَابٍ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا تَقُولُ
صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ سَحْرِي
وَحَجْرِي وَفِي دَوْلَتِي وَلَمْ أَظْلِمُ فِيهِ أَحَدًا وَمِنْ مَقَرِّي
وَحَدَّثَنِي سَيْبَةُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَبِضَ فِي حَجْرِي ثُمَّ وَضَعَتْ رَأْسَهُ عَلَى سَادَةٍ
وَقُمْتُ التِّدْمَ مَعَ النِّسَاءِ وَأَضْرِبُ وَجْهِي۔

(1)

"امام احمد نے کہا کہ عبد اللہ بن زبیر نے اپنے باپ عتاب سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حال میں وصال فرمایا کہ حضور نے میری گردن اور سینے کے ساتھ تکیہ لگایا ہوا تھا۔ اور یہ دن میری باری کا تھا، میں نے اس سلسلہ میں کسی کا حق نہیں مارا تھا۔ پس میری نادانی اور کم عمری تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے جب میری گود میں وصال فرمایا تو میں نے حضور کا سر مبارک تکیہ پر رکھ دیا اور میں دوسری عورتوں کے ساتھ کھڑی ہو گئی اور رخساروں پر طمانچے مارنے لگی۔"

اس روایت سے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تو اپنی تمام حیات طیبہ میں مصائب و آلام پر صبر کی تلقین فرمائی اور اپنی امت کو نوحہ کرنے، پینے اور گریہاں چاک کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا۔ جبکہ اس روایت میں ہے

کہ حضور کی مقرب ترین زوجہ محترمہ حضرت عائشہ حضور کے ساتھ ارتحال کے بعد اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنے منہ پر طمانچے مارنے شروع کر دیئے اور صرف اکیلی آپ ہی نہیں بلکہ جتنی مسلمان خواتین اس وقت وہاں موجود تھیں، سب نے اپنے چہروں پر طمانچے مارنے شروع کر دیئے اور کہاں صحیحہ موجود تھے لیکن کسی نے ان کو اس فعل سے نہ روکا۔

انسان یہ خیال کر کے رز جاتا ہے کہ ہادی برحق کا ابھی ابھی وصال ہو ہے۔ حضور کا جسد طاہر ابھی چارپائی پر دراز ہے اور اتنی جلدی حضور کے فرمان واجب الامان کی خداف ورزی ہونا شروع ہو گئی۔ یہ خداف ورزی کرنے والے کوئی انجان بوگ نہ تھے بلکہ حضور کی تمام صحابیات مع ام المومنین کے اس حکم عدوں میں جوش و خروش سے حصہ لے لگیں۔

میں خود بھی یہ روایت پڑھ کر ایک دفعہ تو شپٹا گیا لیکن جب اس روایت کے رجسٹر کی تحقیق کیے کتب جرح و تعدیل کی طرف رجوع کیا تو ساری غلط فہمی دور ہو گئی۔

علامہ ابن حجر اپنی کتاب ”تہذیب التہذیب“ میں اس کے ایک روئے یعقوب کے بارے میں رقمطراز ہیں :

قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي حَرْقَانَ حَدَّثَنَا مُنْذُ
دَهْرٍ وَكَانَ مِنَ الْكُذِّبِينَ الْكُبَارِ وَكَانَ يَضَعُ الْحَدِيثَ (1)
”حضرت امام احمد کے فرزند عبد اللہ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے
ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اس یعقوب کی حدیثوں کو تو ہم نے عرصہ دراز
سے نذر آتش کر دیا ہے۔ یہ شخص بہت بڑے جھوٹوں میں سے تھا اور
خود حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔“

دیگر علماء جرح و تعدیل نے بھی اس مقام پر اس کے خبث باطن سے پردہ ہٹایا ہے لیکن
میں طوالت سے دامن بچاتے ہوئے اسی ایک جملہ کے نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔
جو لوگ مزید تحقیق کرنا چاہیں تہذیب التہذیب کے اس مقام پر اس کے حالات کا
مطالعہ کریں علامہ تقی الدین احمد بن علی المقریزی کی تصنیف لطیف ”امتناع الاسماء“ کی جلد
اول کے صفحہ 393 کے حاشیہ پر مرقوم ہے :

لَمْ يَثْبُتْ مِنْ أَمَقَاتِ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهُمْ قَدَّ قَمَنْ بَشِي

مِنْ لَطْمِ الْخُدُّودِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الْأَفْعَالِ الْمَنْهُيَةِ
عَنْهَا شَرْعًا عَلَى لِسَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (1)
”یہ بات قطعی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی کہ حضور کی رحلت کے بعد
اممات المؤمنین نے اپنے رخساروں پر طہ نچے مارے یا کوئی ایسی حرکت
کی جو ہادی برحق ﷺ نے حرام قرار دی تھی۔“

بلکہ علامہ ابن سعد اپنی تصنیف ”طبقات“ میں حقیقت حال سے پردہ اٹھاتے ہوئے
تحریر فرماتے ہیں :

حَتَّى إِذَا قَرَعَتِ الرِّجَالُ دَخَلَتِ النِّسَاءُ وَكَانَ مِنْهُنَّ
صَوْتُ وَجَزَعٌ بِبَعْضِ مَا يَكُونُ مِنْهُنَّ فَسَمِعَنَ هَذِهِ
فِي الْبَيْتِ فَفَرَّقَنَ فَسَكَنَ (2)

”جب مرد حضور کے جنازہ سے فارغ ہوئے تو پھر حجرہ مبارکہ میں خواتین
داخل ہونے لگیں۔ ان میں سے کسی کی چپ نکل گئی اور جزع فزع کرنے لگی
تو اس وقت حجرہ شریف میں ایک تھر تھراہٹ سی محسوس ہوئی جس سے
سب خواتین پر خوف طاری ہو گیا اور وہ خاموش ہو گئیں۔“
ایک اور مستند حوالہ سماعت فرمائیں۔

علامہ ابن اثیر اپنی تاریخ ”الکامل فی التاريخ“ میں رقمطراز ہیں کہ
آخری دن حضور نے فرمایا :

دَنَا الْفِرَاقُ وَالْمُنْقَلَبُ إِلَى اللَّهِ وَسِدْرَةُ الْمُنْتَهَى وَ
الزَّفِيرُ الْأَعْلَى إِلَى أَنْ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَهُمْ ادْخُلُوا عَلَى فَوْجًا فَوْجًا فَصَلُّوا عَلَيَّ فَلَا تُؤْذُونَنِي
بِأَذْكِيَةٍ وَلَا رَنَةٍ (3)

”جداائی کی گھڑی نزدیک آگئی۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف اور سدرۃ المنتہی کی

1۔ ”استیعاب الاسامع“، جلد 1، صفحہ 393

2۔ ”طبقات ابن سعد“، جلد 2، صفحہ 289

3۔ ابن اثیر، ”الکامل فی التاريخ“، جلد 2، صفحہ 320

طرف رفیق اعلیٰ اور جنت الماویٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا وقت آگیا۔ پھر میری نماز جنازہ ادا کرنے کیلئے گروہ درگروہ حجرہ شریف میں داخل ہونا اور میری نماز جنازہ پڑھنا۔ لیکن مجھے بے جا تعریف کر کے اور آہ و فغاں کر کے اذیت نہ پہنچانا۔“

آہ و فغاں سے ممانعت

اپنے جنازہ کے بارے میں دیگر ہدایات کے علاوہ حضور نے ارشاد فرمایا :
 سب سے پہلے میرے اہل بیت کے مرد میرا جنازہ پڑھیں۔ پھر ان کی خواتین یہ شرف حاصل کریں۔ پھر عام لوگ گروہ درگروہ حجرہ مہرکہ میں داخل ہو کر میری نماز جنازہ پڑھنے کا شرف حاصل کریں۔ لیکن خیال رہے کہ وَلَا تُؤْذُوْنِیْ بِبَآئِکِیْہِ وَلَا بِرِئَہِ وَلَا بِصَیْحَہِ (1) ”کوئی بھی خاتون رو کر، آہ و فغاں کر کے، بلند آواز سے بن کر کے میرا دل نہ دکھائے۔“ (2)

محبوب رب العالمین ﷺ کی جدائی کا زخم ہمیشہ عشاق جمال مصطفیٰؐ پر تازہ رہا تھا۔ حضرت ام ایمن حضور کی دایہ تھیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی اچانک وفات کے بعد آپ نے ہی انہیں ابواء میں دفن کیا۔ پھر سرور عالم ﷺ کو گود میں لئے اونٹ پر سوار ہو کر حضور کو مکہ مکرمہ واپس لے آئیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ ان کا بڑا احترام کرتے تھے اور آپ بھی حضور پر سوجان سے فدا ہوتی تھیں۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد ایک روز صدیق اکبر نے حضرت فاروق اعظم کو فرمایا، چلو آج ام ایمن کے پاس چلیں اور ان کی زیارت کا شرف حاصل کریں۔ چنانچہ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ ہمیں دیکھ کر رونے لگیں۔ ان دونوں حضرات نے ان سے پوچھا، آپ کیوں رورہی ہیں؟ اللہ کے رسول کیلئے جو نعمتیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ حضور کیلئے بڑی طمانیت کا باعث ہیں۔ آپ نے فرمایا، بخدا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو جن انعامات و احسانات سے نوازا ہے، وہ دنیا کی نعمتوں سے ہزار ہا مرتبہ اعلیٰ و ارفع ہیں۔ میں اس حقیقت کو خوب جانتی

ہوں وَلَٰكِنْ اُنَبِّئُكَ اَنَّ الْوَحْيَ اَنْقَطَعَ مِنَ السَّمَاءِ ”میرے رونے کی وجہ یہ ہے کہ آسمان سے نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔“

حضرت ام ایمن کے اس ارشاد سے ان حضرات پر بھی گریہ طاری ہو گیا اور دہر تک وہاں بیٹھ کر اپنے محبوب کو یاد کر کے روتے رہے اور اشک افشانی کرتے رہے۔

حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

اللہ تعالیٰ جب کسی امت کے ساتھ رحمت کا ارادہ فرماتا ہے تو ان کے نبی کو ان سے پہلے اپنے پاس بلا لیتے ہیں، اور وہ نبی ان کے لئے بہترین پیشرو ہوتا ہے، ان کے ایمان اور اعمال حسنة کی گواہی دیتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی امت کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ان کے نبی کو زندہ رکھتے ہیں، جب اللہ کا عذاب ان کو ہلاک کرنے کیلئے نازل ہوتا ہے تو ان کا نبی دیکھ کر خوش ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے ساری عمر اس کی تکذیب کی تھی اور اس کی نافرمانی کرتے رہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

إِنَّا لِلّٰهِ مَلَائِكَةٌ سَيَّاحِينَ يُبَلِّغُونِي عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ

”اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ہیں جو آفاق عالم کی سیاحت میں مصروف رہتے ہیں اور جب میرا کوئی امتی میری بارگاہ میں سلام عرض کرتا ہے تو وہ میرے اس امتی کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔“

حضرت عبد اللہ بن مسعود ہی روایت کرتے ہیں :

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمْ حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُحِبُّوْنَ تَوْنٌ وَيُحَدِّثُ لَكُمْ وَفَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ اَعْمَالُكُمْ فَمَا رَأَيْتُمْ مِنْ خَيْرٍ حَدَّثْتُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَفَارَأَيْتُمْ مِنْ شَرٍّ سَتَغْفِرْتُ لَكُمْ اللّٰهُ۔

”حضور نے فرمایا کہ میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے، جب میں تمہارے اعمال حسنة کو دیکھتا ہوں تو اس پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جب میں تمہارے گناہوں کو دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔“

درود پاک بندہ مومن کا وہ بہترین عمل ہے جو اس کا رابطہ اپنے آقا و مولا ﷺ کے ساتھ ہمیشہ تازہ رکھتا ہے۔ اس کے بارے میں رحمت عالم علیہ السلام کے ارشادات سماعت فرمائیں :

عَنْ أَوْسِ بْنِ أَلَيْسَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَ فِيهِ قُبِضَ وَ فِيهِ النَّفْعَةُ وَ فِيهِ الصَّعَقَةُ فَأَكْثَرُوا عَلَى مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ - فَإِنْ صَلَّوْا لَكُمْ مَعْرُوضَةً عَلَى -

”اوس بن انس رحمت عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا، تمہاری زندگی کے دنوں میں سے افضل ترین دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اسی دن ان کا انتقال ہوا، اسی دن حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے، اور اسی دن لوگوں پر مدہوشی طاری ہوگی۔ اس روز مجھ پر کثرت سے درود پاک پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔“

حضور کا یہ ارشاد سن کر صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کَیْفَ نَعْرِضُ صَلَواتَنَا عَلَیْكَ وَ قَدْ أَرَمَتْ ”اے اللہ کے پیارے رسول! ہمارے درود حضور پر کیسے پیش کئے جائیں گے حالانکہ حضور کا جسم مبارک بوسیدہ ہو گیا ہوگا؟“ حضور نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے ارشاد فرمایا :

إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ -

”اے میرے صحابہ! اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے اجساد طاہرہ کو کھائے۔“

اس سے بھی ایک واضح ترین حدیث پاک ملاحظہ فرمائیں جس کا مطالعہ کرنے سے بفضلہ تعالیٰ عصر حاضر کے شریکوں نے جو حیات النبی ﷺ کے بارے میں شور و غل مچا رکھا ہے وہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔

سرور عالم ﷺ کے ایک نامور صحابی حضرت ابوذر داء سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا :

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرُ
الصَّلَاةِ عَلَى يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ مَشْهُودٌ تَشْهَدُهُ
الْمَلَائِكَةُ وَإِنَّ أَحَدًا لَنْ يُصَلِّيَ عَلَى إِلَّا عَرِضَتْ
عَلَيْهِ صَلَوَتُهُ حَقٌّ يَفْرَعُ مِنْهَا -

”آپ نے فرمایا کہ جمعہ کے روز کثرت سے مجھ پر درود شریف پڑھا کرو
کیونکہ فرشتے اس روز حاضر ہوتے ہیں اور کوئی آدمی بھی مجھ پر درود
شریف نہیں پڑھتا مگر اس کا درود شریف میری خدمت میں پیش کر دیا
جاتا ہے اس سے پہلے کہ وہ درود شریف پڑھنے سے فارغ ہو۔“

حضرت ابو درداء کہتے ہیں۔۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! جب تک آپ زندہ اس
دنیا میں تشریف فرما ہیں اس وقت تک تو بیشک فرشتے پیش کرتے رہیں گے لیکن موت کے
بعد کیسے پیش کریں گے؟
رحمت عالم ﷺ نے فرمایا :

إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ
عَلَيْهِمُ السَّلَامُ نَبِيُّ اللَّهِ سَيُزْرَقُ - (1)

”بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے اجساد
ظاہرہ کو کوئی نقصان پہنچا سکے، اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق دیا
جاتا ہے۔“

قرآن کتاب ہدایت ہے۔
مکمل ضابطہ خیاست ہے۔

قرآن ہماری دنیوی اور اخروی کامیابی کا ضامن ہے۔
قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

پیر محمد کرم شاہ ضا ازہری کی مفرکہ ارا تفسیر
فول صورت ترجمہ کا بہترین تفسیر

ضیاء القرآن

فہم قرآن کا بہترین ذریعہ ہے

تو جھک کر جس کے ہر لفظ سے آغاز قرآن کا سن لفظ آتا ہے
تفسیر: اہل دل کے لیے درد و سوز کا ارمغان

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
کچھ بخش روڈ لاہور